یہ چاہتیں یہ شدتیں

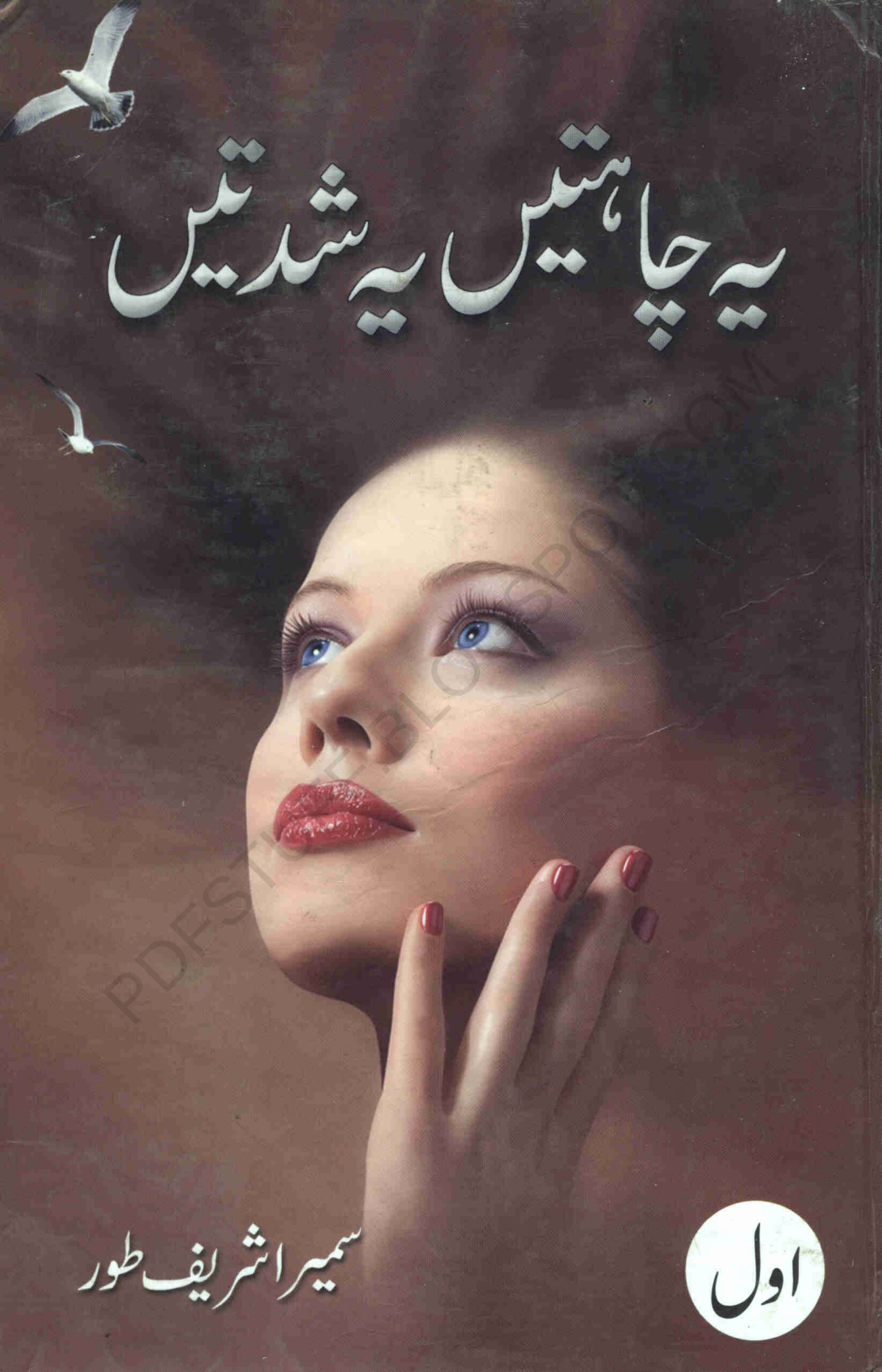

سمیرا شریف طور

اول

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

انتساب

اپنی ''امی'' کے نام!

جو کائنات کا سب سے خوبصورت رشتہ ہے۔ ہر قسم کی بناوٹ سے پاک، جس کے قدموں کے نیچے رب نے جنت رکھ دی ہے۔ اختلاف اور روّیوں میں فرق ایک طرف مگر ماں کی محبت کا کوئی نعم البدل نہیں۔ دنیا کے ہر رشتے میں کھوٹ ہو سکتا ہے مگر ماں اور اولاد کی محبت روزِ اوّل کی طرح خالص و پاک ہے۔

آج میں جو کچھ بھی ہوں، اپنے ابو کے بخشے اعتماد کے بعد اپنی فیملی اور امی کی محبتوں و تعاون کی وجہ سے ہوں۔ اللہ ہماری ماں کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ (آمین)

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

دیباچہ

''یہ چاہتیں، یہ شدتیں''..... یہ میرا دوسرا طویل ترین ناول ہے جو 35 ماہ تک مسلسل شائع ہوتا رہا اور قارئین کی بھرپور پسندیدگی سے بھی نوازا گیا۔

''محبت دھنک رنگ اوڑھ کر'' کے بعد یہ میری دوسری کتاب ہے۔ یہ ناول میری برسوں کی کاوش ہے۔ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے 2002ء میں ایک ناول لکھا تھا، جس کے کردار صرف سمعان اور زرش مسعود احمد اور ان کی فیملی کے کرداروں کے گرد گھومتے تھے۔ میری تمام دوستوں، کزنز، بہنوں (بشری طور) سب نے پڑھا اور بے حد سراہا۔ ہر ایک نے ہمت دلائی کہ اس کو ڈائجسٹ میں شائع ہونے کے لئے بھیجو، ضرور شائع ہوگا۔ مگر میں بھیج نہ سکی۔

جب کالج کے دنوں میں ہی میں نے باقاعدہ لکھنے کا آغاز کیا اور پھر جب میری تحریریں شائع ہونے لگیں تو یہی خیال تھا کہ اس ناول کو شائع کروانا ہے۔ کچھ وقت گزرا اور ذہن میں سوچ آئی کہ اگر یہ سلسلے وار ناول کے طور پر متعارف کراؤں تو زیادہ پسند کیا جائے گا اور پھر میں نے اس میں چند اور کرداروں کا اضافہ کیا۔ نویرہ، شارق، رضا، نواز وغیرہ کے کردار اضافی تھے مگر ان سب کرداروں نے اس ناول کو پسندیدگی کا جو مقام دیا، وہ اگر زرش یا سمعان احمد کے کردار ہوتے تو شاید ایسی شہرت و پسندیدگی ناممکن تھی۔

میں نے ناول کے آغاز میں جو دعویٰ کیا تھا کہ یہ ناول پہلے کی طرح ٹاپ ون جائے گا اور قارئین کو بے حد پسند آئے گا۔ اس معیار کو آخر تک نبھانے کی پوری کوشش کی۔

سمعان احمد، زرش، نویرہ اور شارق کے کردار مرکزی تھے۔ یہ سب کردار ہمارے معاشرے کے اندر رہنے والے کردار ہیں۔ بظاہر عام سے کردار تھے مگر اپنے لفظوں، جذبات و احساسات سے قارئین کے دلوں میں مخصوص جگہ بناتے چلے گئے۔ کہانی کا پلاٹ کوئی ماورائی پلاٹ نہ تھا مگر پوری کوشش رہی کہ عام کہانی کی طرح نہ لکھوں۔ کچھ خاص ہو، نیا ہو۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

سمعان احمد کا کردار ہمارے معاشرے کے لئے ایک استعارہ ہے اعتدال پسندی کا، جہاں بھی بگاڑ، نفرت ہو وہاں اس جیسے کردار ہی ماحول میں توازن رکھنے کا سبب بنتے ہیں۔

زرش، شارق، رمشاء اور رضا حمید آج کے جذباتی دور کی جذباتیت کے عکاس تھے جبکہ شائستہ بیگم اور نواز، درمیانی راہ پر چلنے والے دامن بچا کر نکل جانے والے کردار تھے جو اپنے حُسنِ اخلاق سے دوسروں کی خامیوں کو نظر انداز کر دینے کی خوبی رکھتے ہیں۔ جبکہ طاہرہ بیگم اور سعید احمد کے کردار وقت و حالات کے تحت خود میں تبدیلیاں پیدا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

رہ گئی نویرہ تو اس کا کردار آج کے دور کی عورت کے لئے ایک مثالی کردار ہے۔ ایک ایسی عورت کا کردار جو پاکبازی و حیاداری کی صفات کو ہی عورت کی اصل معراج سمجھتی ہے اور اپنے کردار پر مر مٹنے والی عورت جب وقت کے تھپیڑے سہتی ہے تو پھر ہر چٹان سے ٹکرا جانے کا حوصلہ پیدا کر لیتی ہے۔

سمعان اور زرش میرے پسندیدہ کردار تھے اور ان کرداروں پر ہی میں نے زیادہ توجہ دی اور ہر ممکن کوشش کی کہ ان میں کوئی کمی نہ رہے۔

میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئی ہوں، اس کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ اصلاحی و تنقیدی دونوں انداز میں اپنی آراء سے ضرور نوازیئے گا۔

اس ناول سے مجھے محبت، شہرت، عروج سب کچھ ملا۔ میری توقع سے بڑھ کر اس ناول نے پسندیدگی کی جگہ بنائی۔

اس ناول کو کتابی صورت میں لانے کے لئے میں ان سب لوگوں کی مشکور ہوں جو اس سلسلے میں معاون ثابت ہوئے۔ اللہ نگہبان!

دعاؤں کی طالب

سمیرا شریف طور

تولیے سے چہرہ صاف کرتے سمعان احمد نے کمرے میں قدم رکھا تھا۔

"تم بھی بے وقت آ ٹپکے ہو..... اب بھلا یہ تک ہے کہ تمہارے ساتھ میں بھی اس حالت میں خوار ہوں۔" سمعان کا انداز خفت لیے ہوئے تھا مگر ظفر کی جانب سے کسی بھی قسم کا رسپانس نہ ملنے پر سمعان احمد نے تولیہ ہٹا کر دیکھا تو ایک لمحے کو سمعان احمد کو اپنے حواس یکجا کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کا دل کئی بار دھڑک اٹھا تھا۔

"یہ..... یہ..... یہ کیا کر رہے ہو.....؟" ایک دم حواس میں لوٹتے ہی کچھ شرمندہ سا ہوتے ہوئے کہا۔ سمعان احمد نے جھنجلا کر تولیہ صوفے پر پھینک کر ظفر کی جانب پیش قدمی کی تھی، جو اس کی طرف معنی خیز نظریں لیے مسکرا رہا تھا۔

"وہی جو تمہیں نظر آ رہا ہے۔" ظفر کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔ سمعان احمد مزید سٹپٹا اٹھا۔

"مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ سمعان احمد جیسا گھنا بھی محبت جیسا کارنامہ سرانجام دے سکتا ہے۔"

"بکومت..... ادھر دو مجھے۔" سمعان احمد نے خجالت کا تاثر مٹاتے ہوئے ظفر کے ہاتھ سے اپنی گرے کلر کی ڈائری چھیننے کی کوشش کی تھی مگر ظفر اس کی کوشش کو ناکام بناتے ہوئے اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ سمعان خونخوار نظروں سے گھورتا رہ گیا تھا۔

"چھپایا تھا دل میں اسے مگر عیاں ٹھہرا
سکون دل جسے سمجھے وہی دردِ نہاں ٹھہرا"

سمعان احمد نے سختی سے لب بھینچ لیے جب کہ وہ بڑے خاص انداز میں گنگنا رہا تھا بلکہ سمعان احمد کو چڑا رہا تھا۔

سمعان احمد کو اس لمحے پچھتاوے نے آ گھیرا جب وہ اس ڈائری کو سرہانے تلے رکھ کر بھول گیا تھا۔ آج طبیعت بھی کچھ مضمحل سی ہو رہی تھی۔ اوپر سے ظفر کا فون آ گیا تھا۔ سمعان احمد نے سرسری سا ذکر کر دیا تھا اور اگلے گھنٹے میں وہ یہاں تھا۔

ظفر کی شگفتہ باتوں سے سمعان احمد کی طبیعت کی ساری کلفت ختم ہو چکی تھی۔ دونوں کا ارادہ باہر آؤٹنگ کا تھا اس لیے سمعان احمد باتھ لینے چلا گیا تھا۔ واپس لوٹا تو سامنے یہ معاملہ درپیش تھا۔

"ظفر! میں کہہ رہا ہوں شرافت کے ساتھ اسے مجھے دے دو۔" سمعان احمد نے انتہائی ضبط سے

PKFUTUR.BLOGSPOT.COM

ڈاکٹر ظفر کی آنکھوں سے چھلکتی عیاں ہوتی شرارت کو برداشت کیا تھا مگر ادھر تو سرے سے پروا ہی نہ تھی۔

"متاعِ زیست اب تو خاکِ راہِ دلبراں سی ہے
وہ جس کا نام جپتے تھے نہ جانے وہ کہاں ٹھہرا"

ڈاکٹر ظفر ڈائری کھولے مسلسل شرارت پر آمادہ تھا۔ انتہائی کول مائنڈ سمعان احمد کا اس لمحے جی چاہا کہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کا گلدان اٹھا کر ظفر کے سر پر دے مارے۔

"ظفر! تم نے سنا نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں؟" اب کے سمعان احمد نے بھنا کر اس کی جانب قدم بڑھائے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتا' ظفر نے چھلانگ لگا کر ڈریسنگ کی دوسری طرف رکھے صوفے پر جگہ بنالی تھی۔

"وہ قصہ ہر شب غم کا' جو تھا تحریر طاقوں پر
ہے دورِ شمع پر نم' کہ آہوں کا دھواں ٹھہرا"

"ظفری....." سمعان احمد نے بیڈ سے کشن اٹھا کر اسے دے مارا۔

مگر ادھر تو کان پر جوں تک نہ رینگی تھی۔

"سدا بھٹکا لیے لیکن مسافت میں نہ فرق آیا
وہیں تھیں منزلیں اپنی ترا پر تو جہاں ٹھہرا
نہی دامن تو تھے ہی مگر یہ بھی کیا عالم ہے
نہ ٹھہرا اشک ہی آنکھوں میں' نہ رخصت کا سماں ٹھہرا"

سمعان احمد اسے کینہ توز نظروں سے سر دھنتے دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ سمعان دوبارہ اس کی جانب پیش قدمی کرتا وہ اچھل کر بیڈ پر جا کھڑا ہوا تھا۔ ہاتھ اونچے کیے سمعان کی پہنچ سے دور تھا۔

"کرم جس کا بہانہ تھا جبین کا جو ٹھکانا تھا
وہ رنگ آسمان ٹھہرا' نہ سنگِ آستاں ٹھہرا"

"ظفر! تم بہت کمینے انسان ہو....." سمعان احمد کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ اسے کچا نگل لیتا۔

"وہ جب بھی بات کرتا ہے عجب مبہم سی ہوتی ہے
اب اس کی بات کیا کریں سدا کا بدگمان ٹھہرا
بہت دلکش تھا خاور سراپا حسن کا جلوہ
کہ ہر اندازِ رعنائی میرا زورِ بیان ٹھہرا"

سمعان احمد نے ایک ہی جست میں اس تک پہنچتے ہی اس کے ہاتھ سے ڈائری چھین لی۔

"ارے..... رے..... یار..... پڑھنے تو دو..... تمہاری داستانِ عشق' رودادِ محبت..... دردِ الفت..... بلکہ تمہارا زرش نامہ۔" اس نے آنکھ میچی تھی۔ سمعان احمد کا جی چاہا کہ اس کی گردن دبوچ لے۔

وہ اب نان اسٹاپ بولنا شروع ہو گیا تھا۔ سمعان احمد نے ڈائری سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ کر لاک

کر کے چابی اپنی پاکٹ میں ڈال کر اس کی جانب رخ کیا۔

"تمہیں شرم آنی چاہیے ظفر اس طرح کسی کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرتے ہوئے۔"

سمعان احمد کی آنکھوں میں واضح خفگی تھی بلکہ شرم دلا رہا تھا۔ یوں اپنا آپ عیاں ہونے پر ہلکی سی خفت بھی تھی۔

چہرہ کچھ سرخی لیے ہوئے تھا۔ ڈاکٹر ظفر اس کی بات پر ایک دم قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔ سمعان کا یہ روپ اسے مزید شرارت پر اکسا رہا تھا۔

"شرم تو تمہیں آنی چاہیے۔ مجھ سے یوں پردہ پوشی کرنے پر..... بلکہ زرش کا نام چھپانے پر میں نے تو یوں ہی کمر سیدھی کرنے کو تکیہ اٹھایا تھا۔ کیا پتا تھا اس ڈائری میں تمہاری داستانِ عشق رقم ہے۔ تم نے آدھا گھنٹہ ہاتھ لینے میں لگایا ہے اور میں نے چیدہ چیدہ اسے پڑھنے میں....." وہ مسکرا کر اپنا کارنامہ بتا رہا تھا۔ سمعان احمد نے اپنی خجالت مٹانے کو اس پر کشنز کی بھرمار کر دی تھا۔ وہ خود کو سینت سینت کر رکھنے والا بندہ تھا مگر اب.....

"بہت غلط حرکت کی۔ تم نے اگر یہ ڈائری اٹھا ہی لی تھی تو پڑھنے کی کیا ضرورت تھی.....؟" اپنی خجالت پر وہ خود ہی شرمندہ ہو رہا تھا۔

"زرش اچھی لڑکی ہے..... معصوم سی' کیوٹ سی مگر....." اس کی بات کو قطعی نظرانداز کیے وہ اپنی ہانک رہا تھا۔ سمعان احمد نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"ظفر!" وہ گھور کر رہ گیا تو وہ ہنس دیا۔

"ایسے تو اب مت دیکھو..... میں زرش نہیں ہوں۔" آنکھ دبا کر وہ کہہ رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سمعان احمد کے لبوں پر ایک دھیمی مسکان آٹھہری تھی پھر وہ خود ہی کہنے لگا۔

"میں خود بہت الجھا ہوا تھا..... بلکہ میں خود تم سے یہ سب ڈسکس کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے ہی یہ سب ہو گیا....." اپنی خفت کو ایک طرف ڈال کر سمعان احمد نے خود کو نارمل کیا۔ ظفر بھی ہنس دیا پھر ایک دم وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"ایک بات کہوں.....؟" سمعان احمد نے جو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال سنوارنے لگا تھا۔ اس کی بات پر پلٹ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"زرش بہت کم عمر ہے..... تم دونوں میں عمر کا فرق زیادہ ہے۔ وہ لاابالی سی ہے اور پھر تمہاری امی، کیا وہ مان جائیں گی؟" وہ ایک مخلص دوست کی طرح مکمل طور پر سنجیدہ تھا۔ سمعان احمد نے برش ڈریسنگ پر رکھ کر اس کے قریب بیڈ پر جگہ پکڑی۔

"ظفر! میں خود بہت پریشان ہوں..... امی کسی بھی طرح چچا جان وغیرہ کی فیملی کا نام تک سننے کو تیار نہیں۔ برسوں کی چھوٹی موٹی چپقلش کو انہوں نے اپنی انا کا مسئلہ بنایا ہوا ہے۔ اب تو وہ زرش کو اپنے گھر تک میں برداشت کرنے کی روادار نہیں ہیں....." سمعان احمد کو ایک مخلص و پرخلوص دوست کی ضرورت تھی۔ اس کے دل کی حالت سے تو وہ کب کا باخبر تھا مگر زرش سے متعلق قطعی طور پر بے خبر تھا

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

اور اب جب کہ اسے حقیقت سے آگاہی ملی تھی تو سمعان احمد نے اس کے سامنے اپنے دل کا درد کھول کر رکھ دیا تھا پھر اب چھپانے کا فائدہ بھی نہیں تھا۔

''واقعی..... زرش کیا ساری صورت حال سے باخبر ہے؟'' پُرسوچ انداز میں اس نے سمعان احمد کا چہرہ دیکھا جہاں عجب موسم رقم تھا۔

خوشی بھی..... اور دل سوزی بھی۔

''نہیں۔'' اپنے بالوں کو سمیٹتے سمعان احمد نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''اور میں چاہتا بھی نہیں ہوں کہ اسے کچھ علم ہو..... اس وقت تک تو بالکل نہیں جب تک امی راضی نہ ہو جائیں اور اگر امی کو علم ہو گیا کہ زرش کے متعلق میرے محسوسات اس نوعیت کے ہیں تو وہ زمین و آسمان ایک کر دیں گی..... کبھی نہیں مانیں گی..... کبھی بھی نہیں..... میں چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس طرح ہو کہ امی خود اپنی دلی آمادگی و رغبت سے نئے تعلقات کی ابتدا کریں۔'' سمعان نے گزشتہ چند دنوں کی اندرونی پریشانی ایک دم ظفر کے سامنے لا رکھی تھی۔

''ہوں..... جس طرح کے تم لوگوں کے خاندانی حالات میں رنجشیں ہیں اس میں تو آنٹی کو اپنی پرانی تمام رنجشیں مٹا کر خود پیش رفت کرنا ہو گی۔'' وہ بھی نہایت سنجیدگی کے ساتھ تبصرہ کر رہا تھا۔ سمعان احمد نے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے پر سے چند لمحے والی شرارت کا عکس ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملا تھا۔ سمعان کے ہونٹوں پر ایک دھیمی مسکان سرایت کرتی گئی۔

''چھوڑو یار اس ٹاپک کو..... جتنا بھی اسے سوچیں گے ذہنی انتشار کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔ فی الحال تو تم مجھے آؤٹنگ کے لیے لے کر جانے والے تھے۔'' سمعان احمد نے فوراً موضوع بدلا تھا۔ وہ خود بھی اس ٹاپک پر مزید گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ظفر نے اسے دیکھا اس کے چہرے پر ایک دم شرارت کا عکس لہرایا تھا۔

''عشق نے نکما کر دیا ظفر
ورنہ سمعان احمد بھی آدمی تھا بڑے کام کا''

سمعان احمد نے ایک دم قہقہہ لگایا۔ ظفر نے اچھا خاصا شعر برباد کر دیا تھا۔

''ویسے یار تمہیں زرش کا نام چھپانے پر میں قطعی معاف نہیں کروں گا۔'' سمعان احمد نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو روکا۔

''مثلاً کیا کرو گے؟'' سمعان احمد مکمل طور پر تھوڑی دیر والی کیفیت سے باہر آنا چاہتا تھا۔

''مثلاً یہ کروں گا کہ یہ سارے کشنز تمہیں دے ماروں گا اور اس کے بعد اچھی سی چائے پیوں گا اور بعد میں تمہیں لے کر آؤٹنگ پر جاؤں گا اور تم نے چائے کا جو آرڈر دیا تھا وہ کہاں ہے.....؟''

ڈاکٹر ظفر نے واقعی بیڈ پر بکھرے سارے کشنز ایک ایک کر کے سمعان احمد پر اچھالنے شروع کر دیے تھے۔

''ارے..... رے..... رے..... یہ کیا کر رہے ہو تم..... انسان بنو..... ڈاکٹر ہو مگر حرکتیں دیکھو

اپنی.....'' سمعان احمد ادھر ادھر ہو کر اپنا بچاؤ کر رہا تھا مگر ظفر باز نہ آیا تو اس نے بجائے ادھر ادھر بھاگنے کے زمین پر بکھرے کشنز اٹھا کر اسے مارنے شروع کر دیے تھے۔ ایک دم ہی کمرے میں کشنز بکھر گئے تھے۔

''چائے کا میں نے صغریٰ کو پیغام دے دیا تھا۔ فرح نے تیار کروا لی ہو گی..... تم بیٹھو میں دیکھتا ہوں۔'' سارے کشنز ظفر پر اچھال کر سمعان احمد دروازے کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولتا' آنے والا چائے کی ٹرالی لوازمات سے سجائے دروازہ دھکیل کر کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔ سمعان احمد جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

سمعان احمد اسے آج پورے چار دن بعد دیکھ رہا تھا۔

چار دن پہلے جب وہ ان کے ہاں سے گئی تھی تو کس قدر اداس، مضمحل اور دلگرفتہ تھی اور اب..... چہرہ بالکل بے ریا تھا۔ چار دن پہلے امی اور زرش کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی کا شائبہ تک نہ تھا۔ شگفتہ تر و تازہ چاندنی کی طرح روشن چہرہ لیے اپنی شہد رنگ آنکھوں کے دمکتے ہیرے لیے اس کے سامنے تھی۔

چار دن سے وہ امی اور اس کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی کو سوچ سوچ کر سخت پشیمان ہو رہا تھا اور وہ تھی کہ.....

''السلام علیکم.....'' زرش سعود احمد نے اسے ایک دم تصورات کی دنیا سے باہر لا پٹخا تھا۔ سمعان احمد ایک دم جھینپ کر سیدھا ہوا۔ سر کے اشارے سے اس کے سلام کا جواب دے کر رخ موڑا تو ظفر کو شریر نظروں سے اپنی جانب دیکھتا پا کر خجل ہو گیا۔

''ارے زرش آئی ہیں۔ کیسی ہیں زرش آپ.....؟'' سمعان احمد کو شرارتی نظروں سے تاڑتے وہ زرش کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو گیا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں..... آپ کیسے ہیں.....؟'' وہ چائے کے لوازمات سے سجی ٹرالی اندر لا چکی تھی۔ آرام سے ٹرالی سیٹ کر کے وہ چائے کے لوازمات ٹیبل پر سجانے لگی تھی۔

''میں تو بالکل ٹھیک ہوں..... البتہ.....'' ظفر نے کن انکھیوں سے جھینپتے ہوئے سمعان احمد کو دیکھا۔ سمعان احمد اس کے ''البتہ'' پر سٹپٹا اٹھا۔ نجانے اب کیا کہہ دے۔

''ظفر.....'' اس نے تنبیہی پکارا تھا۔ وہ کھل کر ہنس دیا۔ زرش نے ناسمجھی میں دونوں کو دیکھا اور پھر کمرے کی حالت کو..... جہاں جابجا کشنز بکھرے ہوئے تھے۔ بستر پر' قالین پر' صوفوں پر..... ورنہ سمعان احمد کا کمرہ تو بہت نفاست سے ٹپ ٹاپ ہوتا تھا مگر..... اردگرد دیکھتے ہوئے اس کی نظر سمعان احمد پر آ ٹکی تو اسے یاد آیا کہ وہ آج یہاں کیوں آئی ہے؟

''سمعان بھائی! آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟'' انتہائی سادہ انداز میں وہ پوچھ رہی تھی۔ سمعان احمد صوفے پر بیٹھتے ہوئے ٹھٹکا تو ظفر کھنکارا۔

''کیوں میری طبیعت کو کیا ہوا ہے؟'' زرش کے استفسار پر ظفر کھانسنے لگا۔ اسے نظرانداز کر کے

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

سمعان احمد نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"وہ صبح کالج میں فرحی ذکر کر رہی تھی کہ رات آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے گھر جا کر مما کو بتایا تو انہوں نے سختی سے تاکید کی کہ میں پوچھ آؤں۔ آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے مجھے آئے ہوئے۔ فرح چائے بنا رہی تھی۔ ابھی ایک دوست کی کال آ گئی تھی۔ مجھے چائے دے کر اس نے کمرے میں بھیج دیا تھا۔" سادگی سے مگوں میں چائے انڈیلتے ہوئے اس نے بتایا تھا۔ سمعان احمد کی نظریں اس کے سراپے میں الجھنے لگیں۔ ظفر کی موجودگی کا خیال کر کے سمعان احمد نے اپنی نظروں کا زاویہ بدل دیا۔

"کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ رات بس سر میں ہلکا سا درد تھا۔ اسی وجہ سے فرحی پریشان ہو گئی۔ بلاوجہ تم لوگوں کو بھی پریشان کیا۔ پاگل ہے وہ پوری....." سمعان احمد نے ہنس کر ٹالا تھا۔

"پاگل نہیں ہے۔ وہ بتا رہی تھی آپ آج کل کچھ پریشان رہنے لگے ہیں اور تو اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑنے بھی لگے ہیں۔ کسی چیز کی ٹینشن لے رہے ہیں۔ مما بھی یہی کہہ رہی تھیں اور علی بھی جب کہ میں خود بھی یہی محسوس کر رہی ہوں۔ آپ بدلنے لگے ہیں..... کچھ بات ہے ضرور جو ہمیں نہیں بتائیں گے۔" چائے کا مگ ظفر کو دے کر اس کی جانب بھی مگ بڑھائے بہت اپنائیت اور محبت و خلوص سے وہ پوچھ رہی تھی۔ سمعان احمد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

وہ اپنے اندر کی جنگ تو خود لڑ رہا تھا اور پھر ان لوگوں کو کیسے خبر ہو گئی کہ.....؟

"دھوکا ہے تم لوگوں کا..... مجھے کوئی ٹینشن نہیں۔" شہد جیسی ہیروں کی طرح دمکتی صاف و شفاف آنکھوں سے خلوص و اپنائیت سے نظر چرا کر اس نے کہا تھا۔

"ایسے کیسے ہو سکتا ہے.....؟ ہمیں کوئی وہم نہیں ہوا۔ اتنے سارے لوگوں کا مشاہدہ غلط نہیں ہو سکتا..... اب آپ پہلے والے سمعان بھائی نہیں رہے..... بہت تبدیل ہو گئے ہیں آپ....." وہ سمعان احمد کے چہرے پر اپنی آنکھیں گاڑھے بالکل سنجیدہ تھا۔ سمعان ہنس دیا پھر ظفر کا خیال کر کے لب بھینچ لیے۔

"ظفر بھائی! آپ ہی ان سے پوچھیں ایسی کیا بات ہے جو یہ ہمیں نہیں بتا سکتے؟ کم از کم علی اور فرح کی پریشانی کا ہی خیال کر لیں۔" اب کے اس نے بالکل خاموش مگر زیر لب مسکراتے ظفر کو بھی گھسیٹا تھا۔ ظفر ایک دم سٹپٹایا تھا پھر سمعان کو معنی خیز نظروں سے تاڑتے ہوئے ہنس دیا۔

"بے فکر ہو جائیں زرش سعود احمد..... سمعان احمد کو جو مرض لاحق ہے وہ لاعلاج ہے۔ ہاں اگر آپ تعاون کریں تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔"

وہ آخر میں شرارت سے ہنس دیا تھا۔ زرش کے خاک پلے نہ پڑا۔

"کیا مطلب.....؟" وہ الجھی تھی۔

"مذاق کر رہا ہے یہ تم جاؤ۔" اس سے پہلے کہ ظفر مزید گل افشانی کرتا سمعان نے فوراً زرش کا دھیان بٹایا تھا۔ وہ یہی سمجھی کہ سمعان احمد اسے ٹال رہا تھا۔

"چلی تو میں جاؤں گی مگر ایک بات میری سن لیں۔ آپ کی اس تبدیلی سے متعلق میں مزید جان کر

رہوں گی۔ میں فرح نہیں ہوں جو آپ کی باتوں سے بہل جاؤں۔ بات ہے ضرور..... میں پتا کروا لوں گی۔" وہ اسے اپنے ارادوں سے خبردار کرتی کمرے سے چلی گئی تھی۔ سمعان نے اس کے جاتے ہی ظفر کو گھورا۔

"تمہاری زبان بند نہیں رہ سکتی تھی۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" ایک ہی گھونٹ میں چائے ختم کرتے اس نے معصومیت سے پوچھا تھا۔ سمعان بے چارگی سے اسے دیکھتے اس لمحے کو پچھتایا جب ڈائری ڈاکٹر ظفر کے ہاتھ لگی تھی۔ پہلے تو وہ اس کے عشق کے فرضی قیافے لگا رہا تھا مگر اب تو اس کے پاس "زرش" کا پورا حوالہ موجود تھا۔

❁.....❁.....❁

داخلی دروازہ دھکیل کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا تھا' سیدھی نظر گہرے پرپل دوپٹے کے ہالے سے اپنی چھب دکھاتے چہرے پر ٹک گئی تھی۔ وہ بلاشبہ حسین تھی مگر اس وقت وہ اس لباس میں حسین ترین لگ رہی تھی۔

"اوہ..... یہاں تقریب شروع ہو چکی ہے۔" اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی تھی۔ ائیر پورٹ سے یہاں تک پہنچنے میں اسے پورا ایک گھنٹہ صرف ہوا تھا۔ یقیناً اب تک نواز اس کی آمد سے مایوس ہو کر اسے لعنت ملامت کا فریضہ انجام دے رہا ہو گا۔ سب ہی جانے پہچانے چہرے تھے۔ تینوں چچیاں تھیں' چچا جان تھے ان کی آل اولاد تھی۔ اچھا خاصا ہجوم تھا۔ ہر کوئی محوِ گفتگو تھا۔ گھریلو سطح پر منعقد ہونے والی سادہ سی تقریب مگر پھر بھی رشتہ دار احباب (قریبی) دکھائی دے رہے تھے۔

ابھی تک کسی نے بھی شارق زمان کی آمد پر دھیان نہیں دیا تھا۔ شارق نے یوں ہی کھڑے کھڑے نواز فاروق کو ڈھونڈنا چاہا۔ اردگرد کا جائزہ لیتے' تلاش کرتے اس کی نظر بائیں جانب رکھے صوفے پر ٹک گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ پیش قدمی کرتا پیچھے سے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ شارق زمان نے فوراً رخ بدلا۔

"شکر ہے تم بھی پہنچے ہو..... دو دفعہ تائی جان کا فون آ چکا ہے۔ ہر دفعہ تمہارے پہنچنے سے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ نواز بھی انتظار کر کر کے ابھی پانچ منٹ پہلے ہی یہاں پہنچا ہے۔ کم از کم کسی تقریب پر ہی دستیاب ہو جایا کرو۔" نبیل اسے دیکھتے ہی نان اسٹاپ بولنا شروع ہو گیا تھا۔ شارق دھیمے سے مسکرا دیا۔

"ایم سوری۔ سیدھا ائیر پورٹ سے یہاں پہنچا ہوں۔ کیا کروں کام ہی ایسا تھا ورنہ میں کبھی نہ جاتا۔"

نبیل کے اس محبت بھرے شکوے پر وہ فوراً شرمندہ ہو گیا تھا' نبیل مسکرا دیا۔

"چلیں آئیں..... اندر چلتے ہیں۔" وہ ابھی تک دروازے کی دہلیز پر ہی کھڑا تھا۔ نبیل کے کہنے پر اس نے فوراً دہلیز چھوڑ دی اور قدم اندر کی جانب بڑھا دیے تھے۔ سب سے سلام دعا کر کے وہ نواز

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

بھرپور تھا۔

''مجھ سے ملنے یا بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ کل سے میں تمہارے نمبر پر ٹرائی کر رہا ہوں اور تم ہو کہ اس وقت جب سب کچھ ہو چکا ہے۔ اپنا چہرہ دکھا رہے ہو۔'' نواز کے لہجے میں بے پناہ خفگی تھی۔ اس نے شارق کا مصافحہ کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ بھی جھٹک دیا۔

''ایم سوری یار! رئیلی سوری۔ میرے اتنے اچھے دوست کی منگنی ہو اور میں نہ آؤں ہو ہی نہیں سکتا۔ ائیر پورٹ پر دیر ہو گئی تھی اور پھر یہاں تک آتے آتے ٹریفک نے بھی تمہیں شکوہ کرنے کا حق دے دیا۔ آئی پرامس تمہاری شادی پر جلدی آؤں گا۔'' معذرت کرتے کرتے وہ غیر سنجیدہ ہو گیا تھا۔ نواز نے اسے گھورنا چاہا مگر اس کو مسکراتے دیکھ کر وہ بھی ہنس دیا۔ شارق نے شکر ادا کرتے ہوئے اس کو گلے سے لگا لیا۔

''تم بیٹھو میں ذرا تمہاری منگیتر صاحبہ کا بھی قرض اتار دوں..... پھر تمہارے پاس بیٹھتا ہوں۔'' شارق زمان، نواز سے علیحدہ ہوتے ہوئے اس جانب بڑھ گیا تھا جدھر صوفے پر نویرہ سجی سنوری بیٹھی ہوئی تھی۔ چھوٹی چچی جان اس کے بائیں جانب تھیں جب کہ خالدہ چچی دائیں طرف۔

''السلام علیکم.....'' دونوں خواتین نے اس کی جانب نگاہ اٹھائی۔

''وعلیکم السلام..... بڑی دیر کر دی آنے میں..... بڑی آپا کے کئی فون آ چکے ہیں۔ بار بار تمہارا پوچھ رہی تھیں۔'' چھوٹی چچی نے شارق کے سر پر پیار کرتے کہا تو وہ خفیف سا ہنس دیا۔

''میں نے راستے میں امی جان کو فون کر دیا تھا۔'' خالدہ چچی سے بھی پیار لیتے اس نے کہا تو نویرہ نے ہلکا سا سر اٹھا کر شارق زمان کو دیکھا تھا۔

کوٹ سوٹ میں ملبوس اپنے دراز قد سمیت انتہائی وجیہ لگ رہا تھا۔ نویرہ کو اپنے اس کزن میں ایک عجیب سی خلش چھپی محسوس ہوتی تھی۔ اس وقت بھی وہ بظاہر مسکرا رہا تھا مگر اس کی مسکراہٹ بھی عجب بناوٹی سی تھی یا شاید کچھ کمی تھی۔

''کیسی ہو نویرہ تم؟'' اسے اپنی جانب متوجہ دیکھ کر شارق نے پوچھا تو نویرہ نے ایک دم سٹپٹا کر چہرہ جھکا لیا۔ بہت کم شارق زمان اسے براہِ راست مخاطب کرتا تھا۔ عجب سی جھجک تھی۔ نہ صرف ان کے درمیان تھی بلکہ خاندان کا ہر فرد شارق زمان کے معاملے میں بہت حساس ہو جاتا تھا۔ اسے مخاطب کرتے ہوئے سو بار سوچتا تھا۔ بے تکلفی میں بھی تکلف پنہاں رہتا۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' نویرہ نے جھکے سر سے ہی جواب دیا تھا۔

شارق زمان نے بغور دیکھا۔

گہرے پرپل دوپٹے کے ہالے میں اس کا خوب صورت چہرہ مزید گل رنگ ہوا جا رہا تھا۔ چند پل کے لیے تو شارق زمان کی نظریں اس چہرے سے ہٹنا بھول گئی تھیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں ''ہمیں یہاں سے ہٹنا گوارا نہیں۔''

''بیٹھو بیٹا..... میں ذرا مہمانوں کو دیکھ لوں۔'' وہ خالدہ چچی کی آواز پر ایک دم چونک اٹھا تھا۔ عجب

سی لہر اندر تک اتری تھی۔ خالدہ چچی اسے کہہ کر آگے بڑھ گئیں چھوٹی چچی تو پہلے ہی اٹھ چکی تھیں۔ شارق زمان نے ایک نظر پھر دیکھا۔

جھکا ہوا سر اس کے اندر اک عجیب سی لہر سرایت کرتا چلا گیا تھا۔

''اچھی لگ رہی ہو.....'' اپنے احساسات سے گھبرا کر شارق نے ایک دم خود کو ٹوکتے ہوئے کہا تھا۔ نویرہ کا گلنار چہرہ مزید دو آتشہ ہو گیا۔ وہ الجھ کر رہ گیا پھر بغور جائزہ لیا۔ شارق زمان کے لیے یہ بڑا دلچسپ لمحہ تھا پھر ہنس دیا۔

''یہ تمہارا گفٹ ہے..... پتا نہیں تمہیں پسند آتا ہے کہ نہیں۔ امی جان کی ہدایت پر یہ خرید لیا تھا۔'' اپنی پاکٹ سے ایک چھوٹا سا مخملیں کیس نکال کر اس کی طرف بڑھاتے اس نے کہا تو نویرہ نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''جی.....ای.....''

شارق زمان کے چہرے پر عجب سا تاثر تھا وہ صرف ایک لحظہ دیکھ پائی۔

''کیا گفٹ ہے بھلا..... ذرا ہم بھی دیکھیں.....؟'' شارق زمان ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا تب ہی پیچھے سے نبیلہ بھابی نے آ کر پوچھا تھا۔ شارق نے وہی ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔

''دیکھ لیں۔'' شارق کا انداز جان چھڑانے والا تھا۔ بھابی ہنس دیں۔ انہوں نے گفٹ لے کر فوراً کیس کھولا تھا۔ خوب صورت نگوں سے مزین گولڈ کا بریسلٹ اپنی تمام تر خوب صورتی کے ساتھ سامنے تھا۔

''ارے اتنا خوب صورت.....'' بھابی ایک دم فدا ہو گئی تھیں۔ دیگر کزنز لڑکیاں ان کے گرد جمع ہونے لگیں۔

''ارے نویرہ مجھے یقین نہیں آ رہا..... یہ شارق لایا ہے۔'' بھابی کو بے لاگ تبصرہ کرنے کی عادت تھی۔ بغیر کسی کی پروا کیے انہوں نے فوراً کہا تھا۔ نویرہ جہاں خائف ہوئی تھی' شارق بھی سٹپٹا کر پیچھے ہٹا تھا۔

''امی جان کی ہدایت تھی پھر جدہ سے رفعت باجی بھی کہہ رہی تھیں ان ہی کے مشورے پر خریدا تھا..... پسند آئے تو ٹھیک ورنہ معذرت.....'' ایک دم اپنے لیے دیے انداز میں کہہ کر وہ وہاں سے نکل آیا تھا۔ اس سے پہلے وہ واپس نواز کی جانب قدم بڑھاتا۔ ایک دم نظر ایک جانب کھڑکی کے پاس بے حس و حرکت کھڑے رضا حمید کی جانب اٹھی تھی۔ وہ نویرہ کی جانب ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

شارق زمان نے ایک نظر اسے دیکھا پھر اپنی بھابیوں رمشاء' اور دیگر لڑکیوں میں گھری نویرہ کو دیکھا۔ ایک دم شارق ٹھٹکا تھا پھر پلٹ کر رضا کی طرف نظر کی۔

وہ اب بھی اسی طرح کھڑا تھا اپنے اردگرد سے بے خبر..... شارق نواز کی جانب بڑھنے کے بجائے اس کی طرف آ گیا تھا۔

''رضا! خیریت..... کیا ہوا ہے.....؟'' اس کے سر پر پہنچ کر اس نے پوچھا تھا۔ وہ اس کی آواز سن کر

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

یوں ٹھٹکا جیسے اچانک اس منظر میں داخل ہوا ہو۔

''کیا ہوا یار؟'' وہ خالی خالی نظروں سے شارق کو دیکھ رہا تھا۔ شارق نے آج سے پہلے اسے کبھی اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ کچھ حیران ہوتے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ جیسے حواسوں میں آ گیا۔

''نہ..... نہ..... نہیں..... تو کچھ بھی نہیں ہوا مجھے..... میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔'' ایک دم اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ ملتے جیسے پچھلے تاثر کو زائل کرتے اس نے کہا تھا۔ شارق کچھ الجھا پھر اس کی سرخ انگارہ آنکھوں میں جھانکا۔ وہ نظریں پھیر گیا۔

''کچھ نہیں ہوا بھائی بس ہلکا سا بخار ہے۔'' اپنے ہونٹوں کو کاٹتے اس نے سر جھکا کر کہا تھا۔

''اچھا..... تب ہی میں کہوں تمہاری کزن کم دوست زیادہ کی منگنی ہو رہی ہے اور تم مجنوں کی طرح ہوش و حواس گم کیے..... دنیا و مافیہا کو بھلائے یوں رہ ہی نہیں سکتے۔'' شارق نے ہنس کر کہا تو وہ اپنے ہونٹ مزید کچلنے لگا پھر شارق نے اس کی کلائی تھامی تو واقعی پریشان ہوا تھا۔ وہ بخار سے پھنک رہا تھا۔

''واقعی یار! تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔ تم یہاں کھڑے ہو اپنے بستر پر آرام کرنا چاہیے تھا تمہیں۔ اس طرح تو طبیعت بگڑ بھی سکتی ہے۔''

انتہائی تشویش سے وہ کہہ رہا تھا۔ رضا کے چہرے پر ایک تھکی مسکراہٹ ابھر آئی۔

''بس میں گھر ہی جانے والا تھا۔'' اس نے تیزی سے اپنی کلائی چھڑائی۔

''ہاں تم کو بستر پر لیٹ کر آرام کرنا چاہیے۔'' اس کے کندھے پر تھپکی دیتے شارق نے کہا تو وہ ایک دم تیز تیز قدم اٹھاتا دروازہ پار کر گیا تھا۔ شارق نواز کے پاس وہ تنہا بیٹھا ہوا تھا۔

''یہ سب اتنی جلدی ہو گیا..... میں نے تو ہفتہ پہلے صرف رشتہ طے ہونے کی خبر سنی تھی۔ اب ایک دم یوں منگنی..... آخر بات کیا ہے..... خیریت ہے نا؟'' شارق نے پوچھا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

''خیریت ویریت ہی نہیں سب کچھ ٹھیک ہے۔ بس امی اور بہنیں یہ سب کچھ جلدی کرنا چاہتی تھیں۔'' اس نے آرام سے بتایا۔

''اور تمہاری اس کزن..... کیا نام ہے اس کا.....؟'' شارق نے ذہن پر زور دیا تھا۔ ''ہاں..... یاد آیا رومیسہ..... اس کا کیا بنا پھر.....؟ بڑے نیک جذبات رکھتی تھیں وہ تمہارے لیے۔'' شارق زمان نے ازراہِ مذاق پوچھا تھا..... بلکہ چھیڑا تھا۔

''امی نے میرے سامنے رومیسہ اور نویرہ دونوں کے نام رکھے تھے۔ بظاہر دونوں ہی سلجھی ہوئی باادب لڑکیاں ہیں لیکن میں نے امی کے سامنے نویرہ کا نام منتخب کیا تھا۔ میں اپنی چار بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔ ایسے میں امی جیسی لڑکی کی ڈیمانڈ کرتی تھیں وہ ساری خوبیاں نویرہ میں تو تھیں مگر رومیسہ نے ایک آزاد خیال اور ہم سے مختلف ماحول میں پرورش پائی ہے۔ وہ شاید ہمارے خاندانی طور طریقوں کے مطابق خود کو نہ ڈھال پائے جب کہ مجھے صرف اور صرف اس خاندان' اپنے گھر کی فلاح و بہبود چاہیے تھی۔ اسی لیے میں نے نویرہ کا نام لے لیا تھا۔ امی کو اپنی بھتیجی کے ریجکٹ ہونے پر دکھ تو ہوا تھا

''بیٹھو بیٹا..... میں ذرا مہمانوں کو دیکھ لوں۔ وہ [illegible]

مگر جب میں نے اپنے خیالات سے انہیں آگاہ کیا تو وہ دل سے راضی ہو گئی تھیں۔ اس طرح یہ منگنی طے پا گئی۔'' آرام سے اس نے چند الفاظ میں سب کچھ سنایا۔

''تم خوش ہو؟'' شارق زمان نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھا تو وہ کھل کر مسکرایا۔

''نویرہ کسی بھی شخص کا آئیڈیل ہو سکتی ہے۔ پڑھی لکھی' باحیا' باکردار' سلجھی ہوئی اور تہذیب یافتہ ہر خوبی تو اس میں موجود ہے پھر میرے رنجیدہ ہونے کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

''بڑی چیز ہو تم۔'' شارق نے بھی مسکرا کر ایک مکا جڑ دیا تھا۔

✿.....❁.....✿

''قیصرہ بیگم کی طبیعت خراب تھی۔ شائستہ بیگم ان کی عیادت کو آئی ہوئی تھیں۔ یوں تو قیصرہ طاہرہ بیگم کی بڑی بہن تھیں مگر رشتے میں قیصرہ ان کی چچازاد بہن بھی لگتی تھیں۔ طاہرہ سے لاکھ شکوے شکایتیں ہوتیں مگر رشتے داری ایسی تھی کہ ہر ایک سے ملنا ملانا رہتا تھا۔

''تم ٹھہرو میں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی۔'' شوفر کو ہدایت دے کر وہ گیٹ کھول کر اندر بڑھ آئی تھیں۔ راہداری میں انہیں کوئی شخص دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ سیدھی اندرونی دروازے کی طرف بڑھی تھیں۔

اس سے پہلے کہ وہ داخلی دروازہ کھول کر قدم اندر رکھتیں، آنے والی آوازوں نے ان کے قدم جکڑ لیے تھے۔

''کیا کروں آپا..... مجبوری سی مجبوری ہے۔ وہ لڑکی تو میرے سینے پر مونگ دلنے کو کافی ہے۔ اوپر سے سمعان کے باپ کی ضد' وہ ہیرے جیسا بیٹا ہے میرا اسے اس چڑیل کے لیے کیسے ضائع کر دوں۔ سعید احمد کو تو بھتیجی کی محبت کی تپ چڑھی ہوئی ہے۔ روز میرا ضبط آزما رہا ہے وہ شخص..... میرا بس نہیں چل رہا کہ کچھ کر بیٹھوں۔'' طاہرہ بیگم انتہائی نفرت سے کہتی رو بھی رہی تھیں۔ شائستہ بیگم الجھ کر رہ گئیں۔ گفتگو کس کے متعلق تھی کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

''تو تم اس کم بخت کو گھر میں گھسنے ہی کیوں دیتی ہو..... میں تو سچ کہوں گی یہ تمہاری ڈھیل ہے ورنہ کس کی مجال ہے جو تمہاری مرضی کے بغیر تمہارے گھر میں قدم بھی رکھ لے..... اور وہ بھی چھٹانک بھر کی زرش۔''

قیصرہ بیگم کے لہجے میں انتہائی حقارت تھی۔ شائستہ بیگم کے دل پر ایک چوٹ سی لگی تھی۔ ایک دم یوں لگا کسی نے دل مٹھی میں لے کر بھینچ لیا ہو۔

''اوہ تو موضوع گفتگو یہ ہے۔'' وہ دکھ سے کٹ کر رہ گئیں۔

''میرے نصیب برے ہیں..... مجھے تو زندگی گزارنے کا سلیقہ ہی نہیں آیا۔ ماں باپ کے گھر میں بھی اور پھر سسرال میں بھی..... اوپر سے سعید احمد جیسے شخص کے ساتھ نے زندگی سے بھی بیزار کر دیا ہے۔ باپ تو باپ اولاد تک مجھے کچھ نہیں سمجھتی۔ پتا نہیں شائستہ کے ہاتھ میں ایسا کون سا جادو ہے۔ میری ساری اولاد ''چچی جان' چچی جان'' کے گن گاتی پھرتی ہے۔ فرح تو پھر میری نظر سے ڈر کر کچھ اثر

HOSTEN.BLOGSPOT.COM

کر لیتی ہے۔ علی تو بالکل ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ منہ پھٹ اتنا کہ خدا کی پناہ..... سمعان کی ہر بات ہی نرالی ہے..... جب بھی کوئی بات کہوں گی چپ چاپ سر جھکا کر سنتا رہے گا۔ نہ کوئی ہاں اور نہ کوئی ناں۔ کرنا وہی ہے جو چچا، چچی یا باپ نے کہنا ہے۔" وہ اب زور و شور سے رو رہی تھیں بلکہ دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

شائستہ بیگم کے دل میں ایک اشتعال کی گہری لہر اٹھی تھی مگر وہ بڑے ضبط کے ساتھ اپنے غصے کو پی گئیں۔

"میں اب بھی کہتی ہوں ابھی بہت وقت نہیں گزرا۔ سعید احمد کو اعتماد میں لو۔ اسے اپنی طرف راغب کرو۔ اولاد بھی تمہارا کہنا مانے گی ویسے سمعان احمد تو بڑا سعادت مند بچہ ہے۔ جو کہو گی کبھی انکار نہیں کرے گا۔ ماں والا رعب رکھو۔"

قیصرہ بیگم طاہرہ کو سمجھا رہی تھیں۔ شائستہ بیگم کا دل قیصرہ کی جانب سے ایک دم بھر آیا۔

"یہی تو دکھ ہے آپا۔ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتا مگر اس کی ایک نظر ہی ایسی ہوتی ہے کہ مجھے اسے کچھ کہنے کی اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو پورے کا پورا باپ کے کنٹرول میں ہے۔ اوپر سے اب تو دل کو یہ جو نیا خدشہ لاحق ہو گیا ہے۔ میری تو راتوں کی نیندیں ہی اڑ گئی ہیں۔"

سوں سوں کرتی وہ بتا رہی تھیں۔ شائستہ بیگم نے ہونٹ کچلے۔ اندر جو گفتگو ہو رہی تھی وہ اس قابل تو نہیں تھی کہ اب وہ اندر جائیں مگر واپس جانے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ وہ شش و پنج میں گرفتار ہو گئیں کہ کیا کریں۔

"تم نے سعید احمد سے میری فوزیہ کی بات کی۔ سمعان احمد کے سلسلے میں؟"

وہ اندر قدم بڑھانے کو ہی تھیں کہ قیصرہ کی بات سن کر پھر اپنی جگہ پر ہی جم گئیں۔

"کہاں آپا! موقع ہی نہ مل سکا۔ سعید احمد نے تو دوٹوک کہہ دیا کہ زرش کے علاوہ سمعان احمد کی زندگی میں کوئی لڑکی نہیں آ سکتی۔ سوجتن کر کے عثمان سے ہادیہ کا پیچھا چھڑایا تھا۔ وہ تو شکر ہوا کہ عثمان نے خود ہی زوباریہ کا نام لے کر اپنے باپ کی زبان بند کر دی تھی پھر وقار اور ہادیہ کی شادی ہوتے ہی میں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ پیچھے رہ گئی نوشین۔ اس کے طرف سے مجھے فکر تھی مگر اس کا عفان سے رشتہ طے ہوتے ہی یہ فکر بھی ختم ہو گئی مگر پتا نہیں تھا کہ سعید احمد تیسری کا نام لے کر مجھے خاموش کر دیں گے۔ اوپر سے سمعان احمد، میرا تو سوچ سوچ کر دماغ پھٹنے لگا ہے۔ لاکھ میں نے سعید احمد کو سمجھایا کہ وہ کم عمر ہے نا سمجھ ہے۔ سمعان سے مختلف ہے مگر اس اللہ کے بندے کی بھی ایک ہی رٹ ہے۔ زرش نہیں تو کوئی بھی نہیں۔ میں نے اپنی ماں کو زبان دی تھی کہ اپنے بھائی کی بیٹیوں سے کسی ایک کو سمعان کی دلہن ضرور بناؤں گا۔ لو بھلا ماں تو مر گئی اور یہ شائستہ کی لڑکی میری جان کا آزار بن گئی ہے۔ سچ کہتے ہیں جیسی ماں ویسی بیٹی۔ ماں سعود احمد کو ہی لے اڑی اور بیٹی میرے بیٹے کی عقل گم کر رہی ہے۔"

شائستہ بیگم کے لیے اب مزید سننا دوبھر ہو گیا تھا۔ پہلے تو جی چاہا کہ خاموشی سے واپس پلٹ جائیں مگر پھر کچھ سوچ کر دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئیں۔

"السلام علیکم....." دروازے کی آواز سن کر دونوں پلٹی تھیں مگر اپنے سامنے شائستہ کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ شائستہ کا چہرہ سپاٹ تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سب کچھ سن چکی ہیں۔ دونوں کے یوں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر رنگ ہی اڑ گئے تھے۔

"وعلیکم السلام! ارے شائستہ آئی ہے۔ آؤ بھئی..... بسم اللہ..... بسم اللہ۔" قیصرہ بیگم فوراً سنبھلی تھیں۔ شائستہ بیگم کا جی چاہا کہ ان جیسی عیار عورت کا منہ نوچ لیں مگر ایسی جذباتیت ان کی فطرت میں نہ تھی۔ ہونٹ بھینچ کر انہوں نے طاہرہ کو دیکھا جو غیظ بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"آئی تو میں آپ کی طبیعت معلوم کرنے تھی مگر یہاں آ کر جو کچھ سنا ہے۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ اپنی بیٹی کے متعلق اس طرح کی واہیات گفتگو کرنے والے کا منہ نوچ لوں مگر قیصرہ آپا کا ادب و لحاظ آڑے آ جاتا ہے۔ کاش آپ صرف طاہرہ کی بہن ہوتیں تو میرے لیے معاملہ صاف کرنا آسان ہوتا۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ آپ میرے چچا مرحوم کی بیٹی ہیں۔ طاہرہ تو یہ سب رشتے فراموش کر چکی ہیں۔ آپ تو یاد رکھیں۔ اپنی بیٹی کی جگہ بنانے کے لیے کسی کی بیٹی پر اس طرح کی الزام تراشی کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔"

ان کا دل لہو لہو ہو رہا تھا۔ زرش انہیں کس حد تک عزیز تھی کاش کوئی ان کا دل چیر کر دیکھتا۔ انہوں نے تو اسے کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا۔ اس کے باپ نے تو اسے ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا تھا اور یہ لوگ.....

شائستہ کی باتیں سن کر جہاں طاہرہ نے نظروں کا زاویہ بدلا، وہاں قیصرہ بیگم کی آنکھوں میں ایک دم غصہ چھلکنے لگا تھا۔

"ہوش میں رہ کر بات کرو تم شائستہ!" انہیں تو غصہ تھا وہ طنز سے ہنس دیں۔

"ہوش میں تو ہوں..... طاہرہ کی بدولت آج تک میں سعید بھائی کے سامنے شرمسار ہوں۔ کبھی سر اٹھا کر ان سے بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکی اور یہ عورت ہے کہ اپنا گھر تو برباد کر چکی ہے۔ اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ میری اولاد کو بھی باعث آزار بنائی جا رہی ہے۔" شائستہ بیگم بغیر کسی لگی لپٹی کے کہہ گئیں۔ اپنی اولاد سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہوتی۔ اس وقت ان کی یہی کیفیت تھی۔

"شائستہ۔" طاہرہ ایک دم چیخ اٹھی تھیں۔ شائستہ کا گھر برباد کر لینے کا طعنہ سیدھا دل پر لگا۔ دل سے خون رسنے لگا تھا۔

"اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے تمہیں۔ سچ کہہ رہی ہوں میں۔ میرا شوہر تو ساری عمر اپنی مٹھی میں رکھا۔ میرے بیٹے کو بھی تم ماں بیٹی ورغلا رہی ہو۔ مجھے آئینہ دکھانے سے پہلے تم اپنی کریہہ صورت تو دیکھو۔" وہ تکلیف سے بلبلا اٹھی تھیں۔ جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ شائستہ بیگم استہزائیہ ہنس دیں۔

"الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ پہلے تم اپنے گریبان میں جھانکو پھر مجھے الزام دینا۔ میں تو اماں جی (ساس) کے وعدے کی پابند ہوں ورنہ تمہیں ایسا جواب دیتی کہ ساری عمر پچھتاتی۔ مجھے رشتوں کی محبتیں رلاتی ہیں ورنہ میری بیٹی تم جیسی عورت کے قابل کہاں ہے..... مجھے تو تمہاری اولاد کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ دل خون کے آنسو روتا ہے۔ نجانے تم کیسی عورت ہو جو اپنی اولاد کی خوشیوں کو نگلنے کو

HIDDENHUT.BLOGSPOT.COM

بے تاب ہو۔ ہمیں تو بخشو بی بی..... اللہ ہی تمہیں ہدایت دے۔ ہم تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے حق میں بھی.....''

وہ طاہرہ بیگم کو صاف صاف سنا کر بغیر ایک سیکنڈ ضائع کیے وہاں سے نکل آئی تھیں۔ ڈرائیور ابھی بھی وہیں تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر اس نے مستعدی سے دروازہ کھولا۔ وہ اندر بیٹھ گئیں۔

دل اندر ہی اندر تکلیف سے بلبلا رہا تھا۔

''زرش.....'' ان کے ہونٹوں سے بے آواز سسکاری نکلی۔

''اماں جی آپ کے وعدے نے ہمیں کس عذاب سے دوچار کر دیا ہے۔ کاش آپ دیکھتیں۔'' ان کی آنکھیں جل تھل ہو رہی تھیں۔ وہ کمال ضبط سے آنکھوں کو چھلکنے سے باز رکھ رہی تھیں۔

''اور سمعان احمد.....'' ان کا خیال بھٹک گیا۔ ذہن دو حصوں میں بٹنے لگا۔ ایک طرف زرش ان کی اپنی بیٹی تھی' ان کی زندگی تھی' ان کی چاہتی۔

اور دوسری طرف سمعان احمد۔ اس کی بے رنگ و بے کیف زندگی..... اس کی آنکھوں کے جلتے دیے..... اور ان کہی خواہشیں.....

''کیسی بے حس ماں ہو تم طاہرہ۔ میں چچی ہو کر تمہارے بیٹے کی آنکھوں کے جلتے دیوں کی روشنی محسوس کر گئی ہوں اور تم ہو کہ ان ہی دیوں کو بجھانے کو تیار کھڑی ہو۔ کاش میں صرف زرش کی ماں ہوتی۔ سعید احمد کی مان بھری بہن اور سمعان احمد کی تشنگیوں کی رازداں نہ ہوتی تو میں اپنی بیٹی کی بقا کے لیے آرام سے فیصلہ کر کے ایک طرف ہو جاتی تو آج یہ تکلیف' اذیت تو نہ سہہ پاتی۔'' ان کی آنکھوں کے کناروں سے کئی صاف شفاف موتی نکل کر رخساروں پر بہتے ان کے گریبان میں جذب ہوتے چلے گئے تھے۔

✿.....✿.....✿

نجانے کمرے میں اس قدر حبس تھا یا پھر اس کے اندر..... اس گہری ہر سو چھائی تاریکی میں وہ کھڑکی کھولے گہری گہری سانس لے رہا تھا مگر اندر کی حدت کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ نجانے کیسی آگ تھی جو بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ درد تھا کہ حد سے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اذیت تھی کہ بے حد و حساب.....

غم تھا کہ نہ مٹنے والا.....

چند پل رضا حمید نے زور زور سے سانس لینے کی کوشش کی تھی مگر اندر کی گھٹن جوں کی توں تھی۔ اس نے اپنے قدم کھڑکی سے ہٹا کر بستر کی جانب بڑھائے تھے۔

اضطراب' بے چینی' بے قراری و پریشانی سے ایک کے بعد دوسری دراز کھولتا چلا گیا تھا۔

پچھلے ایک ہفتے سے اس کے اندر سے دھواں اٹھ رہا تھا جو اس کا سب کچھ جلاتا جا رہا تھا..... اس کے ارمان..... اس کے ان دیکھے خواب..... اس کی خواہشوں کی تتلیوں کے نازک پر..... اور میٹھے میٹھے سپنے.....

کھڑکی سے دوسری طرف کا منظر بہت صاف و شفاف تھا۔ گہری تاریکی تھی مگر اس تاریکی میں اولین چاند کی کرنیں بہت مدہم روشنی بکھیر رہی تھیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر چاند کو دیکھتا رہا۔ حتیٰ کہ نامکمل چاند میں ایک ادھورا سا عکس جھلملانے لگا تھا۔

''نویرہ احسان۔'' اس کے لبوں سے یہ نام نکلا تھا اور پھر درد بن کر اس کے اردگرد پھیلتا چلا گیا تھا۔

وہ اپنے دل کی اس انوکھی جسارت پر خود بھی حیران تھا..... پشیمان تھا..... ایک درد کے لامتناہی صحرا میں بھٹک رہا تھا۔ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا کرے؟

''اف میرے اللہ! یہ کیا ہو گیا..... وہ تو میرے لیے بہت محترم تھی۔ بہت عزیز، پھر یہ کیفیت کون سی سزا ہے میری.....'' بالوں کو مٹھیوں میں جکڑتے وہ اذیت کی انتہا پر تھا۔

اپنے دل کے اس دوغلے پن کے پُرفریب دھوکے پر اپنے دل کے جرم کو ناقابلِ معافی قرار دے کر خود کو سزا پر سزا دے رہا تھا۔

اندر سینے میں جلنے والی آگ اس طرح بجھنے والی نہ تھی۔

''ایم سوری نویرہ میں اپنے آپ کو کیسے سمجھاؤں۔ تم تو میرے لیے باعثِ صد احترام تھیں۔ نجانے یہ دکھ کا صحرا کہاں سے ابھر آیا ہے۔ میں تو اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل نہیں ہوں۔'' وہ جذباتیت سے کڑھ کر رہ گیا۔

رات کا ایک بج رہا تھا۔ کلاک پر ایک نظر ڈال کر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔ چہرہ جل رہا تھا۔ نظروں میں بار بار دلہن بنی سجی سنوری نویرہ کا حسین چہرہ گھوم رہا تھا۔ بخار جوں کا توں تھا۔ اپنے اندر کی گھٹن کم کرنے کو اس نے نل کھول کر پانی ہتھیلیوں میں بھر بھر کر چہرے پر چھپاکے مارنا شروع کر دیے تھے۔

رضا حمید کا یہ شغل نجانے کب تک جاری رہتا۔ معاً دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

ایک دفعہ.....

دو دفعہ پھر دستک ہوتی چلی گئی۔ نل بند کر کے تولیے سے منہ رگڑتے وہ باہر نکلا تھا۔

''اس وقت..... خدا خیر کرے۔'' دستک اگرچہ دھیمی آواز میں احتیاط سے دی جا رہی تھی مگر رات کے اس پہر..... وہ کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔

''کون ہے.....؟'' اس نے پوچھا مگر دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ صرف دستک ہوئی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ پریشان ہوا تھا ساتھ حیران بھی..... اس نے دروازہ کھول دیا تھا لیکن دروازے پر موجود شخصیت کو دیکھ کر اس کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

''تم..... اس وقت..... خیریت.....؟'' اندر کی کڑواہٹ اس کی زبان میں بھی آ گئی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے یہ لڑکی آسیب کی طرح اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ وہ بارہا اسے جھڑک چکا تھا۔ انتہائی بے عزت کر چکا تھا اور نجانے اس لڑکی کے کیا ارادے تھے اور اب اس وقت اس کی آمد اس کے اندر خطرے کا الارم بجا تھا۔

''تمہارے کمرے کی لائٹ روشن تھی۔ میں نے سوچا تمہیں دیکھ لوں کہیں بخار سے زیادہ طبیعت

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

خراب نہ ہوگئی ہو۔" وہ واقعی متفکر تھی مگر رضا حمید پر کچھ اثر نہ ہوا تھا۔

"شکریہ اس نوازش کا..... میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" دل تو چاہا کہ ایک کڑوا سا جواب دے کر رمشاء جاوید کو اپنی نظروں سے اوجھل کر دے مگر اس کا لحاظ و مروّت آڑے آ گیا تھا۔

"مگر تم جاگ کیوں رہے تھے؟" وہ قدم کمرے میں رکھ چکی تھی۔ رضا نے اسے گھورا۔

"پاگل کتے نے کاٹ لیا تھا اس لیے....." بچپن سے لے کر اب تک یہ لڑکی اسے انتہائی زہر لگتی تھی۔ نفرت سی ہوگئی تھی۔ اس سے مگر وہ بھی ڈھیٹ تھی۔ رضا حمید کو سلگتے دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دی۔

"نویرہ یاد آ رہی تھی؟" بڑے آرام سے وہ پوچھ رہی تھی۔ رضا حمید کو لگا جیسے اس نے اس پر تیزاب کی پوری بوتل انڈیل دی ہو۔

"شٹ اپ..... گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔" دبی آواز میں وہ پھنکارا تھا۔ نجانے اس کے جذبوں سے آگاہی اس پاگل لڑکی کو کیسے ہوگئی تھی۔ ایک ہفتے سے رضا حمید کی یہ حالت تھی اور وہ ایک ہفتے سے اسے زِچ کر رہی تھی اور اب رات کے اس پہر.....

"مجھے شٹ اپ کروا کر تم کس کو دھوکا دو گے خود کو یا مجھے.....؟" وہ سلگ رہی تھی۔

"تم جاتی ہو یا میں تمہیں دھکے دے کر باہر نکالوں۔" وہ بمشکل اسے برداشت کر رہا تھا۔ اگر وہ اس کی ماموں زاد نہ ہوتی تو وہ واقعی اسے دھکے دے کر نہ صرف اپنے کمرے سے نکالتا بلکہ اپنے گھر سے بھی باہر کرتا بعد میں گھر والے جو مرضی سلوک کرتے۔

"ہونہہ..... تم مجھے کیا نکالو گے۔ میں تو خود چلی جاؤں گی مگر یاد رکھنا نویرہ کا بھوت سر سے اتار لو۔ کچھ نہیں تو کم از کم اپنی اور اس کی عمر کا ہی لحاظ کر لو..... اپنے سے بڑی آپا جی سے عشق فرما رہے ہیں محترم۔" رضا حمید کا ہتک آمیز انداز دیکھ کر وہ بھی سلگ اٹھی تھی۔ رضا حمید سے اس کے الفاظ برداشت نہیں ہوئے تھے۔

"شٹ اپ....." رضا نے کھینچ کر طمانچہ اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ اندر جو دل جل رہا تھا اس کی تپش کسی نہ کسی طرح تو نکلنی ہی تھی۔

رمشاء تھپڑ کھا کر ایک دم ساکت رہ گئی تھی۔ بے یقینی سے رضا حمید کو دیکھا۔ وہ لاکھ نفرت کا اظہار کرتا تھا مگر کبھی ہاتھ اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی اور اب.....

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

رضا حمید غصے بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت دماغ کچھ بھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہ تھا۔ یہ بھی نہیں کہ رات کے اس پہر ان کا شور سن کر کوئی ادھر بھی آ سکتا ہے۔

"تم فوراً میرے کمرے سے نکل جاؤ..... بس فوراً۔" وہ کہہ رہا تھا۔ کمرے میں چکر لگانے لگا تھا۔

"تم پچھتاؤ گے دیکھنا تم..... مجھے رلا کر تم کیسے سکھی رہ سکتے ہو۔ تم تو اپنی کیفیت سے اب باخبر ہوئے ہو۔ میں تو اسی دن سے جان گئی تھی جب مستقل تمہارے گھر رہنے آئی تھی اور وہ پاک دامن کیسے بڑی آپا بن کر تمہیں ورغلا گئی..... کمینی..... ذلیل....."

رخسار آگ کی طرح دہک رہا تھا اور اسی حساب سے اس کی زبان شعلے اگلنے لگی تھی۔ رضا سے مزید برداشت نہ ہوا۔ وہ اشتعال میں آگے بڑھا تھا۔

"بہت ہوگئی..... دفعہ ہو جاؤ تم یہاں سے۔ آئندہ میرے سامنے اپنی شکل لے کر نہ آنا ورنہ کچھ کر بیٹھوں گا میں۔ مجھے تم جو مرضی کہو نویرہ کے لیے ایک لفظ بھی نہیں۔"

اس کی بارود کی طرح اگلتی زبان دیکھ کر رضا حمید نے اس کا بازو دبوچ کر کمرے سے باہر دھکیل دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی۔ رضا نے کھٹاک سے دروازہ لاک کر دیا۔

"بدتمیز..... اسٹوپڈ....." اس نے نویرہ کو گالی دی تھی۔ رضا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا قتل کر دے۔ کمرے کی جو بھی چیز ہاتھ لگتی گئی وہ تہس نہس کرتا چلا گیا تھا۔

✿.....❁.....✿

ماما کے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ آج پھر یہاں تھی۔ اس گھر سے جانے کو اس کا جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ تائی جان کی بے انتہا نفرت کے باوجود ہر دفعہ وہ یہاں چلی آتی تھی اور یہاں آنے کے بعد وہ جس قدر ذلیل ہوتی تھی۔ یہ صرف وہی جانتی تھی یا پھر فرح اور علی۔ یہ ان لوگوں کی محبتیں ہی تو تھیں جو ہر بار اسے یہاں کھینچ لاتی تھیں پھر تایا جان کا صرف ایک دفعہ محبت سے فون کرنا ہوتا تھا اور وہ دوڑی چلی آتی۔ پچھلی ہر ذلت بھلا کر..... ہر بات فراموش کیے وہ پھر یہاں ہوتی تھی۔

کالج میں روز فرح سے ملاقات ہوتی تھی۔ سارا دن وہ اکٹھی ہی ہوتی تھیں۔ ایک ہی سبجیکٹ تھا۔ اس لیے دونوں کا ایک ساتھ پریڈ ہوتا تھا پھر دونوں کی دوستی بھی تو مثالی تھی اور گھر آ کر صرف چند گھنٹے آرام سے گزارتی تھی۔ ادھر فرح کا فون آیا نہیں ادھر زرش بی بی نے گھر سے قدم نکالا نہیں۔ اس وقت بھی وہ علی اور فرح کو فون کرنے آئی تھی۔

ماما نے کتنا منع کیا تھا۔ غصے سے بھی پیار سے بھی سمجھایا تھا اور پھر جب زرش کی آنکھوں میں آنسو مچل آئے تو انہوں نے خود ہی پچکار کر سمجھاتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ ڈرائیور کو اس نے باہر سے ہی چلتا کر دیا تھا۔ چوکیدار نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ لان میں فرح اور علی بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اسے دیکھ کر دونوں کے چہرے کھل اٹھے تھے۔

"شکر ہے تم آئیں تو۔ میں تو اکیلے بیٹھ بیٹھ کر بور ہو رہی تھی۔ کسی چیز میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔" فرح اسے دیکھ کر فوراً شروع ہوگئی تھی وہ ہنس دی۔

"کچھ نہ پوچھو ماما سے، بڑی مشکل سے اجازت ملی ہے۔ نہ جانے کل سے انہیں کیا ہو گیا ہے۔ کل بھی نہ آنے دیا اور آج بھی۔ میں رونے لگی تھی پھر خود ہی کہنے لگیں کہ چلی جاؤ مگر احتیاط سے، میں کوئی گڑبڑ نہ کروں اور تائی جان کو بالکل تنگ نہ کروں۔ تم خود ہی بتاؤ بھلا میں تمہاری والدہ صاحبہ کو کب تنگ کرتی ہوں؟ یہ وہی ہیں جو مجھے ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں کر پاتیں۔" کرسی پر بیٹھ کر اس نے سب سے پہلے اپنا دکھڑا رویا تھا۔

چونکہ یہ روز کا معمول تھا فرح اور علی نے مطلق دھیان نہ دیا۔

BEST URDU BLOGSPOT.COM

"ویسے تم دونوں نے کال کر کے مجھے ارجنٹ کیوں بلایا ہے..... خیریت ہے نا.....؟" ان دونوں کے چہرے اسے کچھ سسپنس سے بھرپور دکھائی دیے تو وہ چونکی۔ اپنا دکھڑا بھول کر فوراً پوچھا۔

"آج امی اور ابو کے درمیان بڑی زوروں کی لڑائی ہوئی ہے۔ جب میں کالج سے لوٹی تب کی بات ہے۔" فرح نے سنجیدگی سے بتایا تو زرش خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھے گئی۔ علی لاپروائی سے بیٹھا ہوا تھا مگر اس کا سارا دھیان دونوں کی جانب تھا۔

"کیوں.....؟" یہ لڑائی روز کا معمول تھا مگر وہ پھر بھی پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

تایا جان اور تائی جان کی ہر نئی لڑائی زرش کو اک نئی تکلیف سے دوچار کر جاتی تھی۔ اس وقت بھی یہی کیفیت ہوئی تھی۔ ایک دم دل اندر ہی اندر تکلیف سے دوچار ہوتا چلا گیا تھا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتا کہ کیوں ہوئی مگر جب میں گھر لوٹی تھی تو دونوں جھگڑ رہے تھے۔ موضوع بحث سمعان بھائی کی شادی تھا۔" فرح نے آرام سے بتایا تو وہ چونکی تھی۔

"کیا سمعان بھائی کی شادی....." وہ حیرت سے چیخ اٹھی تھی۔

"ہش..... آہستہ..... امی کو ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے دوائی دے کر سلایا ہے۔ وہ اٹھ گئیں نا تو تمہارے ساتھ ہماری بھی گردن دبوچ لیں گی....." فرح نے اسے ڈرایا تھا تو اس نے بھی لاپروائی سے اپنے سنہری بالوں کو پیچھے جھٹکا تھا۔

"خیر وہ گردن تو کبھی دبوچے گی نہیں۔ اتنی تو اخلاقیات ہیں ان میں....." اس نے کہا تو علی بھی بول پڑا۔

"خیر یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ آج کل ہماری والدہ صاحبہ کو تمہارے سائے سے بھی نفرت ہو رہی ہے۔ اس لیے تم اپنی خیر مناؤ۔ یہ نہ ہو کہ کسی دن حقیقت میں گردن دبوچ لیں۔" علی نے چڑایا۔

"یوں ہی..... مفت میں۔ میری ماما نے کبھی مجھے انگلی تک نہیں لگائی اور وہ گردن دبوچیں گی۔" وہ حقیقتاً برا مان گئی تھی۔ فرح کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ دونوں کی نوک جھوک میں اصل بات تو بیچ میں ہی رہ گئی تھی۔ فرح بی بی تو پیٹ کی ہلکی تھی جب تک اپنے گھر کی ایک ایک بات زرش بی بی کے کانوں میں نہ انڈیل دیں۔ کچھ ہضم ہی نہیں ہوتا تھا۔

"چپ کرو تم دونوں اپنی میں میں شروع کر دی ہے۔ اصل بات تو میں نے بتائی ہی نہیں ہے۔" اس نے دونوں کو ڈانٹ دیا تھا۔ اکثر فرح اسی طرح اپنے زرش سے ایک سال اور علی سے دو سال بڑا ہونے کا رعب جماتی رہتی تھی جس کا دونوں پر کم ہی اثر ہوتا تھا چونکہ اس وقت موضوع گفتگو سمعان بھائی کی شادی تھا۔ اسی لیے زرش اور علی دونوں کو چپ ہونا پڑا تھا۔

"مگر سمعان بھائی کی شادی ہو کس سے رہی ہے؟" زرش نے ہی پوچھا تھا۔

"امی کی بھانجی قیصرہ خالہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی فوزیہ صاحبہ سے۔" علی نے جواب دیا تھا۔

"کیا.....؟" زرش حیرت سے چیخ اٹھی مگر فرح کے گھورنے پر دھیمی آواز کر کے پوچھنے لگی۔

"مگر کب ہو رہی ہے.....؟ اور سمعان بھائی ہیں کہاں، کتنے تیز ہیں مجھے پتا تک نہیں لگنے دیا اور

گھر میں بھی کسی نے ذکر نہیں کیا۔"

وہ اپنی ہانک رہی تھی۔ فرح کو غصہ آنے لگا۔

"تم فی الحال اپنی چونچ بند رکھو اور خاموشی سے میری بات سنو۔" اس نے ڈانٹ دیا۔ زرش نے اس کے رعب جمانے پر گھورا مگر بولی کچھ نہیں۔

سمعان بھائی خود بے خبر ہیں۔ فی الحال بات امی ابو کے درمیان ہے۔ امی جان چاہتی ہیں کہ ہر حال میں سمعان بھائی کی شادی فوزیہ آپی سے ہو جب کہ ابو انکاری ہیں۔"

"حرج ہی کیا ہے؟ فوزیہ آپی کتنی پیاری ہیں۔ ایم کام کر رہی ہیں۔ اگر سمعان بھائی کی شادی ان سے ہو جاتی ہے تو کتنے اچھے لگیں گے دونوں ساتھ ساتھ۔" اس کی بات ختم ہوتے ہی زرش نے اپنی رائے دی تھی۔ فرح تو فرح، علی نے بھی گھورا۔

"اللہ نہ کرے ابھی ہمارے سمعان بھائی پر اتنا برا وقت نہیں آیا۔" علی نے کچھ تلخی سے کہا تھا۔

"تمہیں کیا اعتراض ہے اتنی پیاری تو ہیں....." زرش کو اس کی تلخی ذرا نہ بھائی تھی۔

"صرف پیاری ہیں اور کوئی گن نہیں ہے ان میں..... قیصرہ خالہ کی طرح لگائی بجھائی میں ایک دم طاق..... اس سے شادی کرنے سے بہتر ہے کہ سمعان بھائی ہمیشہ کنوارے ہی رہیں۔" علی سے سب کو یہی شکایت تھی کہ وہ منہ پھٹ اور صاف گو تھا۔ کبھی لگی لپٹی نہیں رکھی تھی اس وقت بھی اس کی صاف گوئی سن کر زرش خاموش ہو گئی۔

"ابو کو اسی بات پر اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قیصرہ خالہ کی کسی بھی بیٹی کو وہ ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں کر سکتے کجا کہ ساری زندگی کی اذیت سہنا۔"

فرح نے کہا تو زرش الجھ گئی۔

"مگر فرح اس طرح تو تائی امی مزید ڈپریشن کا شکار ہو جائیں گی۔ وہ فوزیہ آپی کو بہت چاہتی ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ان کا ایسا ارادہ ہے۔ اب اگر وہ چاہتی ہیں تو ان کی خواہش کو بھلا کیسے رد کیا جا سکتا ہے۔ فوزیہ آپی اتنی بری بھی نہیں ہیں۔ بس وہ قیصرہ خالہ کے زیر اثر رہتی ہیں اس لیے ایسی ہو گئی ہیں ورنہ مجھ سے تو وہ بڑے اچھے انداز میں ملتی ہیں۔" زرش نے سادگی و سچائی سے کہا تھا۔ علی استہزائیہ ہنسا۔

"ہونہہ اچھی ہیں..... پوز کرتی ہیں محترمہ....." وہ اچھا خاصا جلا بھنا بیٹھا تھا۔

"امی اور ابو کے درمیان لڑائی اچھی خاصی بڑھ گئی ہے۔ پرسوں شام سے سمعان بھائی لاہور گئے ہوئے ہیں۔ اگر وہ یہاں ہوتے تو لڑائی اتنی نہ بڑھتی۔ ابو تو غصے سے گھر سے نکل گئے تھے۔" فرح نے مزید بتایا تو زرش کو پھر تایا ابو کا دکھ دکھی کر گیا۔

"اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تو ہو گا ناں۔" وہ حقیقتاً بری طرح پریشان ہو گئی۔

"ہاں ہے....." علی نے فوراً کہا تھا۔ "سمعان بھائی بھی عثمان بھائی کی طرح کسی لڑکی کو پسند کر کے امی اور ابو دونوں کو نظر انداز کر کے اپنی پسند سے شادی کریں۔ تمہیں علم ہے نا ابو چاہتے تھے کہ عثمان بھائی کی شادی ہادیہ آپا سے ہو۔ امی نے محض تمہاری ماما کی وجہ سے ہادیہ آپی کے لیے انکار کر دیا تھا۔

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

تب کتنی لڑائی ہوئی تھی۔ امی نے تب ہی قیصرہ خالہ کی بڑی بیٹی صباحت باجی کا نام لیا تھا جو کہ ابو کو قطعی منظور نہ تھا۔ مہینوں لڑائی ہوتی رہی تھی۔ عثمان بھائی اکتا کر اپنے سسر کی بیٹی کے لیے اپنے سسر سے بالا ہی بالا سارے معاملات طے کر کے آئے تھے۔ یہاں آ کر ہمیں بتایا کہ ایک ماہ بعد ان کی ان کے سسر کی بیٹی ڈاکٹر زوباریہ سے شادی ہے۔ امی اور ابو تو ہکا بکا رہ گئے۔ ناراض ہوئے تو بھائی نے صاف کہہ دیا زوباریہ آپ دونوں کے لڑائی جھگڑوں سے زیادہ بہتر ہے اور کتنی دھوم دھام سے شادی ہوئی تھی۔ ابو ہادیہ آپی کو بنیاد بنا کر اپنی جگہ رنجیدہ تھے اور امی اپنی جگہ..... اب بھی یہی حال ہونا چاہیے۔ سمعان بھائی خاموشی سے کسی کو پسند کر کے شادی کر کے گھر لے آئیں۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری.....''

علی صاحب نے کیا زبردست حل پیش کیا تھا۔ فرح اور زرش دونوں اس کو کھا جانے والی نظروں سے تکتی رہ گئیں۔

''تم اپنی چونچ بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔ سمعان بھائی ایسے نہیں ہیں اتنے اچھے ہیں وہ تو تایا ابو کی مرضی کے بغیر کچھ کر ہی نہیں سکتے۔'' زرش نے فوراً تردید کی تھی۔

''تب وہ ساری عمر کنوارے ہی رہیں گے۔ ہمارے والدین میں کبھی اتفاق ہونے والا نہیں ہے۔'' علی نے ایک تلخ حقیقت سامنے رکھی تھی۔ فرح اور زرش صرف علی کو دیکھ کر ہی رہ گئی تھیں۔

''شرم کرو۔ وہ والدین ہیں تمہارے.....'' زرش نے اسے شرم دلانا چاہی تھی۔ وہ سر جھٹک گیا۔

''ہونہہ..... ماں باپ ہیں۔ ایسے ماں باپ سے تو ہم.....''

''علی.....'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ غلط کہتا۔ فرح نے لرز کر اسے ٹوک دیا۔ وہ خود بھی لب بھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''چھوڑو اس ٹاپک کو..... گولی مارو روز کی بات ہے یہ..... آؤ ہم کیرم کھیلتے ہیں۔'' فرح اسے ملامتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ نظر انداز کیے زرش سے کہہ رہا تھا۔ زرش تاسف سے سر ہلاتے اٹھ گئی۔

''تم نہیں سدھرو گے..... کتنے تلخ ہوتے جا رہے ہو تم..... آئندہ تایا جان اور تائی امی کے لیے ایسی بات مت کہنا۔ وہ والدین ہیں تمہارے اور والدین کبھی اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتے۔'' وہ اسے ناصح بنی سمجھا رہی تھی۔ علی ہنس دیا۔ اندر ہی اندر اسے اپنے الفاظ کی تلخی کا احساس بھی ہوا تھا۔

''ایم سوری او کے۔ آئندہ نہیں کہوں گا۔ اب تو تم دونوں ہنس دو۔ پلیز..... پلیز.....'' وہ ایک دم ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ دونوں ہی ہنس دیں۔

''چلو اس خوشی میں کیرم کھیلتے ہیں۔ امی دوائی کھا کر سوئی ہیں۔ رات سے پہلے وہ اٹھیں گی نہیں۔ آج جی بھر کر موج کریں گے۔'' وہ فوراً اپنی جون میں لوٹ آیا تھا۔ فرح اور زرش دونوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ کتنے دنوں بعد تو انہیں کھیلنے کا موقع مل رہا تھا۔

✿.....✿.....✿

''نویرہ!'' وہ کچن میں کھڑی مسالا بھون رہی تھی جب پیچھے سے بھابی نورین نے آواز دی تھی۔

''جی بھابی!'' وہ فوراً پلٹی تھی۔

''سب کچھ تیار ہے۔ تم نہا کر کپڑے وغیرہ بدل لو۔ میں یہ سب کر لوں گی۔ بعد میں اگر مہمان آ گئے نا تو تم اسی حلیے میں ان کے سامنے چلی آؤ گی۔''

نورین بھابی کہہ رہی تھیں۔ ان کی آخری بات پر وہ ہنس دی۔ منگنی کے بعد پہلی بار فاروق چچا فیملی سمیت ڈنر پر انوائیٹڈ تھے۔ اماں نے ساتھ ہی حمید چچا کی فیملی کو بھی انوائیٹ کر لیا تھا۔ وہ اور بھابی صبح سے کچن میں گھسی کھانا پکانے کے چکر میں الجھی ہوئی تھیں۔ اس دوران گھر کی بھی اچھی خاصی صفائی ستھرائی کر لی گئی تھی۔ اب سب کچھ تیار تھا۔ صرف کوفتوں کا سالن تیار کرنا باقی تھا۔ باقی سارا کام ہو چکا تھا۔ کوفتے بھی تیار تھے۔ وہ مسالا بھون رہی تھی جب بھابی کو اس کے حلیے کا احساس ہوا تھا۔ سارا دن کام کی وجہ سے وہ اچھی خاصی پیلی لگ رہی تھی۔ تب ہی انہوں نے اسے کچن سے جانے کو کہا تھا۔

''ہو جاؤں گی تیار، ابھی اچھا خاصا وقت ہے۔'' اس نے نظر انداز کیا تھا۔

''نہیں بالکل نہیں تم فوراً نکلو یہاں سے۔'' بھابی نے اس کے ہاتھ سے چمچ کھینچ لینا چاہا تو اسے کچن سے نکلنا ہی پڑا۔

اپنے کمرے میں الماری سے اپنا ایک سوٹ نکال کر وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ نہا کر باہر نکلی تو اپنے کمرے میں ساجدہ باجی کے ساتھ نواز کی بڑی بہن ثنا آپی کو دیکھ کر جھینپ سی گئی تھی۔ منگنی کے بعد پہلی دفعہ روبرو سامنا ہو رہا تھا ورنہ اس کی ان سے اچھی خاصی فرینڈ شپ تھی مگر اب رشتہ بدلتے ہی جھجک بھی درمیان میں حائل ہو چکی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے دونوں کو مشترکہ سلام کیا تھا۔ کالے گیلے لباس میں لمبے بال پشت پر ڈالے وہ انتہائی تروتازہ ہوا کا جھونکا محسوس ہوئی تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' پہلے ساجدہ باجی نے پھر ثنا آپی نے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

''کالے لباس میں تیرا گورا بدن یوں لگے ایمان سے.....'' اس سے جدا ہو کر بازوؤں سے تھام کر اس کا چہرہ دیکھتے ثنا آپی شرارت سے گنگنائی تھیں۔ وہ مزید جھینپ گئیں۔ ''کاش نواز بھائی بھی آج آتے۔'' اس سے دور ہو کر انہوں نے کہا تھا۔ اس کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔

''سب آ گئے ہیں۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی پھلجھڑی چھوڑتیں اس نے فوراً پوچھا تھا۔

''سب سے کیا مراد ہے؟'' انہوں نے آنکھیں مٹکائی تھیں۔ نویرہ کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔

''کم از کم وہ نہیں جو آپ سمجھ رہی ہیں۔'' تولیے سے اپنے بال خشک کرتے اس نے کہا تو وہ کھل کر ہنسی تھیں۔

''مثلاً میں کیا سمجھی ہوں؟'' وہ مسلسل شرارت پر آمادہ تھیں۔ نویرہ نے ہاتھ روک کر انہیں خفگی سے دیکھا۔

''اف..... آج یہ ثنا آپی کو کیا ہو گیا ہے؟'' وہ کلسی۔

''ساجدہ باجی! آپ اکیلی آئی ہیں۔ بھائی جان اور بچے نہیں آئے؟'' تولیہ ایک طرف ڈال کر برش لے کر اپنے لمبے بالوں کو وہ سلجھانے لگی تھی۔ ساجدہ باجی جو مسلسل مسکرا رہی تھیں وہ ہنسنے لگیں۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"توبہ کرو۔ تمہارے بھائی صاحب مجھے بھلا اکیلے کہاں آنے دیتے ہیں۔ ان ہی کے ساتھ آئی ہوں۔ البتہ بچوں کو گھر خالہ جی کے پاس ہی چھوڑ آئی ہوں۔" ساجدہ باجی نبیل بھائی سے بڑی تھیں۔ ان کی شادی نبیل بھائی کے سسرال میں نبیلہ بھابی کے بھائی کے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ احمد بھائی بہت اچھے مزاج کے شخص تھے ادھر نبیلہ بھابی بھی سلجھی ہوئی ملنسار طبیعت کی مالک تھیں۔ کبھی محسوس نہیں ہوا تھا کہ وٹے سٹے کی شادی ہے۔ نویرہ چار بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ بڑے بھائی ساجد تھے جو کہ بیوی بچوں سمیت دُبئی میں رہتے تھے۔ سال بعد آتے۔ مل کر پھر چلے جاتے تھے۔ بس نویرہ ہی غیر شادی شدہ تھی۔ اب منگنی ہو چکی تھی۔ ارادہ چند ماہ بعد شادی کر دینے کا تھا۔

بال سلجھا کر وہ سلیقے سے دوپٹہ اوڑھ کر ان دونوں کے ساتھ ہی کمرے سے باہر آئی تھی۔ چچا حمید کی بھی فیملی آ چکی تھی۔ بھابی نے سب کو ہی چائے اور دیگر لوازمات پیش کر دیے تھے۔ وہ سب سے مل کر بھابی کے پاس آ گئی۔ وہ چھوٹی چچی کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں جب کہ اماں تائی جان کے ساتھ مصروف گفتگو تھیں۔

"ہنڈیا تیار ہو گئی ہے۔ کچھ رہ تو نہیں گیا؟" اس نے آہستگی سے بھابی سے پوچھا۔ انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔ اس نے سکون کا سانس لیا پھر حاضرین پر نظر ڈالی۔

ثنا آپی کے علاوہ شمائلہ آپی، زارا آپی اور حمیرا چاروں بہنیں آئی ہوئی تھیں۔ صرف ثنا آپی کے میاں اور بچے تھے جب کہ زارا اور شمائلہ دونوں تنہا ہی تھیں۔ حمیرا اور رمشاء سر جوڑے باتیں کر رہی تھیں ساتھ ساتھ چائے بھی پی رہی تھیں۔ ان پر نظر پڑنے کے بعد رضا حمید پر جا ٹھہری۔ وہ ہال کے کونے میں رکھے آخری صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"ارے رضا ابھی آیا ہوا ہے....." اسے ایک دم یاد آیا تھا جب سے اس کا رشتہ طے ہوا تھا تو اسی شام وہ ان کے گھر آیا تھا۔ کس قدر غصے میں تھا۔ صرف اتنی بات پر کہ اسے کچھ بھی بتایا نہیں گیا۔ نویرہ نے اسے کتنا سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ خود بھی اس سارے معاملے سے بے خبر تھی جو بھی ہوا تھا آناً فاناً ہوا مگر یقین کیے بناء ہی ناراض ہو کر چلا گیا تھا پھر پورے آٹھ دن بعد اس نے اسے اپنی منگنی والے دن دیکھا تھا۔ وہ دلہن بنی ہوئی تھی ورنہ اسے منانے کی کوشش ضرور کرتی۔ اس کے بعد بھی دن اتنی مصروفیت میں گزرے کہ وہ روز ارادہ کرنے کے باوجود نہ تو ان کے ہاں جا سکی تھی اور نہ ہی فون کر سکی تھی۔ اب منگنی کے پورے چھ دن بعد وہ دکھائی دے رہا تھا۔ انتہائی سنجیدہ اور خفا خفا سا۔ اس کی ناراضی کو یاد کر کے نویرہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کی طرف چلی آئی تھی۔ رضا حمید نے صرف ایک لحظہ کو گردن اٹھا کر اس جانب دیکھا تھا پھر گردن جھکا لی۔

"کیسے ہو رضا.....؟" اسے خاموش دیکھ کر نویرہ نے پہل کی تھی۔

اس کے کھنکتے لہجے پر رضا حمید نے سر اٹھا کر نویرہ کو دیکھا۔

بلیک سوٹ میں وہ انتہائی جاذب نظر لگ رہی تھی۔ بغیر کسی ہار سنگھار کے بھی وہ بہت خوب صورت

لگ رہی تھی۔ بائیں ہاتھ کی کلائی پر موجود بریسلٹ کو دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے گھماتے رضا کے اندر انتشار برپا کرتی چلی گئی۔

"ٹھیک ہوں۔" دوپٹے سے جھانکتے بالوں کی آبشار وہ صرف ایک نظر ہی دیکھ پایا تھا۔ اس سے پہلے کہ بڑی مشکل سے سمجھایا دل پھر اختیار سے باہر ہوتا اس نے نظر ہی پھیر لی تھی۔ نظر بلاارادہ رمشاء اور حمیرا کی جانب جا اٹھی تھی۔

رمشاء اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہونٹوں پر عجیب طنزیہ واستہزائیہ مسکراہٹ تھی۔ رضا کو لگا جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔ وہ مزید سلگنے لگا۔

"ناراض ہو؟" وہ سائیڈ پر رکھی تپائی پر بیٹھ چکی تھی۔ رضا نے اس دفعہ اس کی طرف دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

"نہیں۔"

"تو پھر یہ سب کیا ہے؟ پچھلے دو ہفتوں سے تم میرے ساتھ ایسا کر رہے ہو۔ تم میرے چھوٹے سے دوست ہی نہیں انتہائی پیارے سے بھائی بھی ہو۔ میں بھلا تم سے وہ سب کچھ کیوں چھپاتی؟ مجھے تو خود علم نہیں تھا۔" نویرہ وضاحت کر رہی تھی۔ رضا حمید کو لگا وہ اسے "چھوٹا سا دوست، پیارا بھائی" کہہ کر جیسے اس کے منہ پر طمانچے مار گئی ہو۔ وہ تو ہمیشہ یہی سب کہتی تھی مگر پہلے کبھی دل کو اتنی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔

"میں ناراض نہیں ہوں۔" رضا کو اس ذکر سے ہی تکلیف ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ کچھ کہتی اس نے فوراً تردید کی تھی۔

"واقعی.....؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ چلیں یہ بتائیں آپ خوش ہیں؟" اپنی طرف سے اس نے نویرہ کا دھیان بٹانا چاہا۔

"یہ امی اور بھائیوں کا مشترکہ فیصلہ ہے۔ وہ خوش ہیں تو ظاہر ہے میں بھی خوش ہوں۔" اس نے صاف گوئی سے بتایا تھا۔ رضا حمید اس کے ملیح چہرے کو دیکھے گیا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" شاید وہ کچھ اور بھی پوچھتا۔ رمشاء حمیرا کو لیے ادھر ہی آ گئی تھی۔ بظاہر بہت اپنائیت و بے تکلفی سے اس نے نویرہ کو مخاطب کیا تھا لیکن دیکھ رضا کو رہی تھی۔ رضا نے نظریں پھیر لیں۔ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھ کر جان بوجھ کر آئی ہے۔ اسے رمشاء سے مزید نفرت سی ہوئی۔

"کچھ نہیں..... رضا سے یوں ہی منگنی کی باتیں ہو رہی تھیں۔" وہ چپ سادھے بیٹھا ہوا تھا۔ نویرہ نے ہی بتایا۔

"اچھا..... میں تو سمجھی کہ شاید....." رمشاء فقرہ ادھورا چھوڑ کر ہنس دی تھی۔ رضا نے غیظ وغضب بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ حمیرا اور نویرہ کچھ نہیں سمجھی تھیں سوائے اس کے کہ شاید دونوں میں پھر کوئی

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

نیا معرکہ ہوا ہے۔

''ایکسکیوزمی.....'' رمشا کو مسکراتے دیکھ کر وہ اس پر لعنت بھیجتا وہاں سے اٹھ ہی گیا تھا مگر پلٹنے سے پہلے اس نے رمشاء پر ایک نگاہِ غلط ضرور ڈالی تھی، جسے اس نے طنزیہ مسکراہٹ میں اچھال دیا تھا۔

وہ اپنے P.C کے سامنے بیٹھی انٹرنیٹ پر چیٹنگ میں مصروف تھی جب ہی آنے والی ای میل پر فرح چند سیکنڈ کو ہل بھی نہیں سکی۔

''آپ کیسی ہیں اور میری ای میلز کا جواب کیوں نہیں دے رہیں؟ پلیز مجھے جواب دیں۔ میں شدت سے منتظر ہوں۔'' مونیٹر کی اسکرین پر نظر آنے والے یہ الفاظ فرح کے دل و دماغ میں گھوم رہے تھے۔

وہ اکثر انٹرنیٹ پر چیٹنگ کرتی رہتی تھی مگر پچھلے چند ماہ سے اسے اس قسم کی میلز آنا شروع ہو گئی تھیں۔ شروع میں تو اس نے بھی ''جسٹ فار انجوائے منٹ'' ان کا جواب بھی دیا تھا۔ میلز کے ذریعے سے ہی اسے علم ہوا کہ ''پرنس'' نام کا وہ کوئی لڑکا ہے۔ پاکستان میں ہی رہتا ہے مگر کہاں، یہ اس نے کبھی بتانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اپنی تعلیم ایم۔ بی۔ اے بتاتا تھا۔ شروع میں وہ بہت اچھے انسانوں کی طرح میلز بھیجتا تھا مگر پھر اس کی میلز پڑھ کر اس ''پرنس'' (اسے نہیں لگتا تھا کہ یہ اس لڑکے کا اصل نام ہوگا بلکہ وہ تو اس بات سے بھی خائف تھی کہ ہوسکتا ہے وہ لڑکی ہو اور لڑکا بن کر اس کو بے وقوف بنا رہی ہو) سے فرح کو خوف آنے لگا تھا۔ فرح نے اسے اپنے بارے میں کبھی کچھ بھی بتانے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ شروع میں جب اس نے فرح سے اس کا نام پوچھا تھا تو فرح نے شرارت سے لکھ دیا تھا ''اگر آپ پرنس ہیں تو ہم ''پرنسس'' ہیں اور پرنسس کے نام نہیں ہوا کرتے۔'' تب سے اب تو وہ اسے پرنسس ہی کہتا تھا مگر اب صرف ایک ہفتہ پہلے ہی اس نے فرح کو وہ سب کچھ بتا کر نہ صرف حیران کر دیا تھا بلکہ خوفزدہ بھی کر دیا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھا۔ فرح سعید احمد کے متعلق اچھی خاصی معلومات رکھتا تھا۔ وہ نہ صرف اس کا اصل نام جانتا تھا بلکہ وہ تینوں بھائیوں' امی' ابو' فرح کے فیملی بیک گراؤنڈ اور ابو کے بزنس سے متعلق بھی اچھی خاصی معلومات رکھتا تھا۔ وہ سیکنڈ ایئر میں پڑھتی ہے۔ اسے یہ بھی علم تھا۔ اس دن فرح واقعی سچ مچ ڈر گئی تھی۔ وہ نجانے کون تھا یا تھی اس کا پتا نہیں کیا مقصد تھا؟ مگر فرح کو حقیقی طور پر اس کی ای میلز سے خوف محسوس ہونے لگا۔ جیسے اس وقت بھی وہ یہ ای میل دیکھ کر ڈر گئی تھی۔

''فرح پلیز! مجھے ری پلے کرو۔ مجھے پتا ہے تم میری ساری ای میل پڑھ رہی ہو۔ بس ایک دفعہ نیٹ پر تو آؤ۔ میں تمہارا جواب پڑھنا چاہتا ہوں پلیز۔'' ایک اور ای میل آ گئی تھی۔ فرح کی ساکت انگلیاں کی بورڈ پر لرز رہی تھیں۔

''یا اللہ میں کیا کروں.....؟ اگر وہ واقعی کوئی لڑکا ہوا تو.....؟'' وہ یہ سوچ کر ہی دہل گئی تھی۔ ''اس کا کیا مقصد ہوسکتا ہے؟ مجھ سے نیٹ پر چیٹنگ شروع کرنے سے لے کر اب تک کے ہر عمل میں ایک سوچا سمجھا منصوبہ صاف دکھائی دے رہا ہے پھر وہ مجھ سے متعلق اتنی درست معلومات کیسے رکھتا ہے؟''

وہ جوں جوں کڑھ رہی تھی۔ اس کا دماغ پھٹنے کو تھا۔

''وہ جو کوئی بھی ہے مجھے ایک دفعہ اس سے دوٹوک بات کرنی چاہیے۔ اس کی معلومات کی کم از کم تردید تو کر ہی سکتی ہوں۔ اگر پھر بھی وہ نہ مانا تو میں صاف صاف بات کروں گی ورنہ نیٹ استعمال نہیں کروں گی یا اپنا ای میل ایڈریس ہی تبدیل کر لوں گی پھر وہ جو کوئی بھی ہے بھلا کیا کر لے گا۔''

کافی دیر سوچنے کے بعد اس کے ذہن نے یہ حل پیش کیا تھا۔

''ہاں مجھے اس کی ای میلز کا جواب ضرور دینا چاہیے۔ اس طرح تو میں اس کی معلومات پر ''سچ'' کا یقین ثبت کر رہی ہوں۔ کم از کم میں اس کی معلومات کو ہی رد کر سکتی ہوں۔ اس طرح خوف زدہ ہونے سے بھلا کیا ہوتا ہے؟''

اس سوچ کے ساتھ ہی اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ کی بورڈ پر اس کی انگلیاں تیزی سے حرکت کرنے لگی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟''

مونیٹر پر یہ الفاظ لکھ کر اس نے انٹر کی دبا دی۔

''شکریہ فرح۔ آپ کو میرا خیال تو آیا۔ اگر آج بھی آپ میری میلز کا جواب نہ دیتیں تو کل میں نے آپ کے گھر آ جانا تھا۔''

اس کی توقع سے بھی جلدی اسے جواب موصول ہوا تھا۔ اس کے الفاظ نے فرح کو بھک سے اڑا دیا تھا۔

''میں فرح نہیں ہوں سمجھے آپ مسٹر پرنس.....'' خوف کے ساتھ ساتھ اس کے اندر مزاحمت کی بھی ایک شدید لہر اٹھی تھی۔

''تم فرح ہو۔ تمہارے بائیں رخسار کا تل مجھے تمہیں لاکھوں لڑکیوں میں بھی غلط پہچاننے کی غلطی نہیں کرنے دیتا مائی ڈیئر فرح سعید احمد۔''

فرح کے ہاتھ بے اختیار اپنے بائیں رخسار کے تل کو چھونے لگے تھے۔

فرح کا دل چاہا کہ کاش وہ جو کوئی بھی تھا وہ اس کے سامنے ہوتا تو وہ اس کا سر پھاڑ دیتی۔

''تم کون ہو..... اور کیا چاہتے ہو؟'' وہ جتنی بھی تردید کرتی۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس کی معلومات بڑی اپ ڈیٹ تھیں اسی لیے اس نے مزید ''میں فرح نہیں ہوں'' کے الفاظ لکھنے کے بجائے اس سے اصل بات معلوم کرنا چاہی تھی۔ یہ اس کا خود پیدا کردہ مسئلہ تھا، جسے اس نے خود ہی ہینڈل کرنا تھا۔

''میں جو کوئی بھی ہوں اس بات کو جانے دو۔ بس مائی ڈیئر فرح یہ یاد رکھنا کہ میں تم سے بہت شدت سے محبت کرتا ہوں۔ کب سے، یہ تو شاید مجھے بھی علم نہیں مگر تب سے مجھے شدت سے تمہارے وجود کا احساس ہوا ہے جب تمہاری تصویر دیکھی تھی۔ اب تو مجھے تمہارے چہرے کا ایک ایک نقش ازبر ہو چکا ہے۔ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری آنکھوں کا رنگ کیا ہے۔'' وہ آنکھیں پھاڑے مونیٹر کی اسکرین کو گھورے گئی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"تمہیں میری تصویر کہاں سے ملی تھی؟" وہ جو کوئی بھی تھا اپنے بارے میں کبھی بھی بتانے والا نہیں تھا سو "تم کون ہو؟" کے سوال کو دوبارہ دہرانے کے بجائے اس نے یہ الفاظ لکھ دیے تھے۔

"ڈھونڈنے والے تو خدا کو بھی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ یہ تو تمہاری تصویر ہے۔" فرح کو لگ رہا تھا کہ جیسے ای میل بھیجنے والا اس کے احمقانہ سوالات پر قہقہے لگا رہا ہو۔ وہ بری طرح الجھ گئی۔ اسے اس دن پر پچھتاوا ہونے لگا جب سمعان بھائی سے فرمائش کر کے اس نے اپنے P.C پر انٹرنیٹ کی سہولت لگوائی تھی۔

"مجھے پڑھائی کے لیے ڈیٹا لوڈ کرنا پڑتا ہے پھر کالج سے آ کر سیکھے گئے سبق کو بھی کمپیوٹر پر دہرانا پڑتا ہے اس لیے پلیز بھائی مجھے نیٹ کی سہولت مہیا کر دیں ناں۔"

سمعان بھائی سے انٹرنیٹ کی بات کرتے ہوئے اس نے کتنے آرام سے کہا تھا جو کہ غلط بھی نہ تھا۔ بس کبھی کبھار وہ نیٹ پر چیٹنگ کرنے لگی تھی مگر وہ بھی بہت کم۔ نیٹ پر وہ جتنے بھی لوگوں سے چیٹنگ کرتی تھی۔ ان میں زرش کے علاوہ اس کی کالج کی فرینڈز تھیں اور چند ایک ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں تھیں۔ کوئی بھی لڑکا نہ تھا۔ پہلی دفعہ اس نے "پرنس" نامی شخص کی آنے والی ای میل پر جواب دیا تھا اور زندگی میں پہلی ہی چوری پہلا ہی پھندا ثابت ہو رہی تھی۔

خاندان میں زرش کے اور چند ایک کزنز لڑکیوں کے علاوہ کسی اور کے پاس اس کا ای میل ایڈریس تھا ہی نہیں کہ وہ یہ سوچتی کہ ان میں سے کسی ایک کی شرارت ہو سکتی تھی مگر کون تھا جو اس قدر اپ ڈیٹ انفارمیشن رکھتا تھا۔ نہ صرف اسے معلومات حاصل تھیں بلکہ اس کے پاس اس کی تصویر بھی تھی۔

وہ اس قدر کنفیوژ ہو چکی تھی کہ مارے خوف کے اس نے کمپیوٹر ہی شٹ ڈاؤن کر دیا تھا۔

"مجھے علی یا پھر سمعان بھائی میں سے کسی ایک سے بات ضرور کرنی چاہیے۔ اس سے پہلے کہ میرے کردار پر حرف آئے۔"

ادھر ادھر مسلسل چکر لگاتے وہ سوچ رہی تھی۔

"نہیں..... میں بھلا انہیں کیا کہوں گی..... کیا بتاؤں گی.....؟ اس طرح تو میری اپنی ہی سبکی ہو گی پھر میں کیا کروں.....؟ یا اللہ تو ہی جانتا ہے میری نیت صاف تھی۔" تھک ہار کر بستر پر گر کر وہ زور شور سے درود شریف کا ورد کرنے لگی تھی۔

"جب بھی کوئی پریشانی یا مسئلہ ہو تو بیٹا درود شریف کا ورد شروع کر دیا کرو۔ درود ابراہیمی سے ساری پریشانی ختم ہو جاتی ہے اور اللہ ایسی جگہ سے پریشانی کا حل فرماتا ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

بہت عرصہ پہلے اسے دادی جان کی ہی بات یاد آ رہی تھی۔ وہ مزید خشوع و خضوع سے ورد کرنے لگی تھی۔

آج وہ جلدی آفس سے اٹھ گیا تھا۔ ارادہ چچا جان کے ہاں جانے کا تھا۔ کتنے دن ہو گئے تھے۔ زرش کو دیکھے ہوئے، اس سے ملے ہوئے۔ جس دن ظفر آیا تھا اس دن وہ ان کے ہاں آئی تھی۔ اس کے بعد وہ نہیں آئی تھی پھر سمعان احمد کو لاہور چار پانچ دن کے لیے جانا پڑ گیا تھا۔ دو دن ہو گئے تھے اسے واپس لوٹے ہوئے مگر واپس آ کر وہ ایسا الجھا تھا کہ رات گئے فارغ ہوتا تھا۔ دوسرا زرش بھی ان کے ہاں نہیں آئی تھی۔ آج آفس آتے ہی اس نے دو بجے کے بعد کی اپنی آج ساری مصروفیات ترک کر دی تھیں۔ اب آفس سے نکلتے ہوئے بھی اسے چار بج گئے تھے۔

سمعان احمد جب ان کے گھر پہنچا تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ سمعان سیدھا گاڑی اندر لے آیا تھا۔ گاڑی سے نکلتے ہی پہلی نظر لان کی چیئر پر بیٹھی زرش پر ہی پڑی تھی۔ سمعان کے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ آ ٹھہری۔ آفس سے نکلتے ہوئے اس نے سب سے پہلے اسے دیکھنے کی خواہش کی تھی اور بعض خواہشیں کتنی جلدی پوری ہو جاتی ہیں۔

وہ لان چیئر پر بیٹھی اپنی کتابیں بکھرائے ان میں غرق تھی۔ گرین ہلکے شیڈ کے سوٹ میں وہ ڈھلتے سورج کا ہی ایک حصہ محسوس ہو رہی تھی۔ سمعان احمد نے اندر بڑھنے کے بجائے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"السلام علیکم۔" وہ اس قدر اپنے کام میں مگن تھی کہ سمعان احمد کی آمد کا نوٹس ہی نہیں لے پائی تھی۔ اب سمعان کی آواز پر فوراً اچھلی۔

"ارے..... آپ..... سمعان بھائی آپ....." وہ ایک دم سیدھی ہوئی تھی پھر سمعان کو دیکھ کر ایک دم بے خود ہو گئی تھی۔ کتنے دنوں بعد تو وہ دیکھ رہی تھی۔

"کیسی ہو.....؟" سمعان نے اس کے دمکتے رخساروں کی لالی محسوس کرتے مسکرا کر پوچھا تھا۔ زرش کی آنکھوں کے روشن چمکتے دمکتے ہیرے کچھ اور خیرہ کن ہو گئے تھے۔

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ پتا ہے سمعان بھائی! ابھی میں آپ کو ہی یاد کر رہی تھی اور میں نے چپکے سے دل میں دعا بھی مانگی تھی کہ اللہ کرے سمعان بھائی آ جائیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا آپ اتنی جلدی آ گئے ہیں۔" سمعان احمد اس کی بات پر ہنس دیا۔

"چلو تمہاری دعا مجھے کھینچ کر یہاں لے آئی ہے۔ اب بتاؤ مجھے یاد کیوں کیا جا رہا تھا؟" کرسی

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے سمعان نے پوچھا تو وہ فوراً سنجیدہ ہوئی۔

"مجھے یہ سوال سمجھ نہیں آ رہے تھے۔ کل میرا ٹیسٹ بھی ہے اور ہماری ٹیچر نے ہمیں کچھ نہیں سمجھایا۔ پچھلے ایک ہفتے سے چھٹی پر تھیں اب آتے ہی ٹیسٹ دے دیا ہے۔ جب سے کالج سے لوٹی ہوں ان ہی کے ساتھ الجھی ہوئی ہوں۔" اس نے فوراً اپنا مسئلہ بتایا۔ سمعان نے ایک گہری سانس لی۔

"تم مجھے فون کر کے بلوا لیتی یا فرح کے ساتھ مل کر حل کر لیتیں۔" سمعان نے کہا تو زرش بُرے بُرے منہ بنانے لگی۔

"کہاں بلوا لیتی..... میں نے فون کرنا چاہا تھا مگر ماما نے منع کر دیا بلکہ ڈانٹ بھی دیا کہ میں خود ہی سوال حل کرنے کی کوشش کروں۔ خوامخواہ آپ کو ڈسٹرب کرنے کی کوشش نہ کروں بلکہ تین دن سے مجھے آپ کے ہاں بھی جانے نہیں دے رہیں۔ پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے انہیں۔ بات بات پر مجھے ڈانٹ دیتی ہیں۔" آخر میں وہ واقعی رنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ سمعان نے حیرانی سے دیکھا۔

"وہ منع کیوں کر رہی ہیں.....؟ تم کون سا وہاں پہلی دفعہ جا رہی ہو۔ ہفتے میں دو تین دن تو ضرور جاتی ہو۔"

"مجھے کیا پتا آپ خود ہی ان سے پوچھ لیجئے گا۔ میں پوچھتی ہوں تو مجھے "ابھی تم بچی ہو۔ تمہاری سمجھ میں آنے والی نہیں ہیں یہ باتیں۔ جو کہا ہے وہ کرو" کہہ کر ٹال جاتی ہیں۔" وہ اچھی طرح جلی بیٹھی تھی۔ سمعان احمد مسکرا دیا۔ وہ سمعان احمد کو مسکراتے دیکھ کر مزید کلسی۔

"آپ مسکرا رہے ہیں۔ یہاں میرا ایک کلو خون جل جل کر خاک ہو گیا ہے۔" بے انتہا خفگی سے اس نے کہا تھا۔ سمعان نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ہونٹوں پر روکی۔

"اس وقت میں مسکرانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا ماسوائے اس کے کہ تمہارے ٹیسٹ میں تمہاری ہیلپ کر دوں۔" سمعان نے مسکرا کر اس کے آگے سے نوٹ بک اٹھا لی تھی۔ ایک نظر کاپی پر ڈالی، پھر اس پر۔ وہ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کو سمعان کی نظر اس کے چہرے پر ٹھہر سی گئی تھی۔ ڈھلتی سہ پہر میں وہ گرین لباس میں سرسبز لان کا ایک دلکش حصہ ہی محسوس ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ سمعان حواس سے بیگانہ ہوتا' اس نے فوراً نگاہ پھیر لی تھی۔

"سمعان بھائی! فرح بتا رہی تھی کہ آپ لاہور سے اس کے لیے گولڈ کا لاکٹ لے کر آئے ہیں۔ میں نے دیکھا تھا بڑا خوب صورت ہے۔" سمعان کے آگے کتاب رکھتے ہوئے اس نے یوں ہی کہا تھا۔

"تمہیں پسند آیا.....؟" بال پوائنٹ لے کر سمعان نے لکھتے ہوئے سرسری سا پوچھا تھا۔

"جی بہت زیادہ۔ میرا دل چاہا کہ میں....." کچھ کہتے کہتے اس نے زبان فوراً ہونٹوں تلے دبا لی۔ سمعان نے ہاتھ روک کر اس کو دیکھا۔ ادھوری بات کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"تمہیں اگر اچھا لگا ہے تو میں تمہیں بھی لا دوں گا۔ دراصل لاہور میں مجھے یہ پسند آیا تھا اور اس وقت وہاں صرف ایک ہی لاکٹ تھا ورنہ میں تمہارے لیے بھی ضرور لاتا پھر یہ F.S کے حروف سے مزین تھا۔ تمہارے نام کا آرڈر پر بنوانا پڑتا اور مجھے تو اگلے دن ہی واپس آنا پڑ گیا تھا ورنہ ضرور

خریدتا۔" سمعان نے وضاحت کی تھی۔ سمعان کا یہ ہمیشہ سے اصول رہا تھا کہ جب بھی کراچی سے باہر جانا پڑتا تھا وہ فرح اور زرش کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لاتا تھا۔ پہلی دفعہ ایسا ہوا تھا کہ اس نے کچھ خریدا بھی تو صرف فرح کے لیے۔ اگر اسے زرش کے نام کے حروف سے کنندہ لاکٹ مل جاتا تو وہ ضرور لاتا۔

زرش سمعان کی وضاحت پر خوامخواہ شرمندہ ہو گئی تھی۔

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس تو ویسے ہی اچھی خاصی جیولری ہے۔ ماما' ہادیہ آپا اور پاپا اکثر دلاتے رہتے ہیں۔ میں نے تو یوں ہی کہہ دیا تھا۔ پہلی دفعہ آپ فرح کے ساتھ ساتھ میرے لیے کچھ نہیں لائے تھے۔ اس لیے میں نے محسوس بھی کیا تھا۔ آپ نے وضاحت کر دی اب اس کی ضرورت نہیں۔ بس میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ نے مجھے جان بوجھ کر نظر انداز نہیں کیا۔" وہ اپنی ازلی معصومیت سے کہتی گئی تھی۔ اس میں بناوٹ نہیں تھی جو دل میں تھا وہی زبان پر بھی۔ سمعان کے دل میں اس وقت پکڑ دھکڑ ہونے لگی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم ساری توجہ اس جانب مبذول کر لو تو بہتر ہے۔" سمعان نے نا صرف اپنا دھیان بٹانے کے لیے بلکہ اس کی بھی توجہ کاپی کی طرف مبذول کروا دی تھی۔ وہ فوراً سنجیدہ ہو کر کاپی پر جھک گئی تھی۔

ذہانت کے معاملے میں وہ خاندان کی سب لڑکیوں سے بڑھ کر تھی۔ اپنی تعلیم کے معاملے میں وہ بہت زیادہ سنجیدہ تھی بھرپور توجہ دیتی تھی اور کبھی کبھار سمعان احمد سے بھی مدد لے لیتی۔

سمعان احمد کو اسے چیدہ چیدہ نکات بتانے پڑے تھے۔ اس نے منٹوں میں حل بھی کر لیے تھے۔ سمعان احمد دل ہی دل میں اس کے اس قدر تیزی سے پک کرنے کی صلاحیت کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

"بس اب میں بعد میں کر لوں گی۔ میں نے آتے ہی آپ کو اس طرح الجھا دیا تھا۔ شکر ہے ماما ابھی تک اپنے کمرے سے نہیں نکلیں ورنہ میری شامت پکی تھی۔ وہ سمجھیں گی کہ میں نے آپ کو بلوایا ہے۔ ویسے آپ چائے پئیں گے یا کولڈ ڈرنک.....؟ اب اندر چلیں اگر ماما کو پتا چل گیا ناں کہ میں نے آپ کو اتنی دیر تک بھوکا پیاسا بٹھائے رکھا ہے تو وہ میری جان کو آ جائیں گی۔"

جلدی جلدی ٹیبل سے بکھری کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ اسی رفتار سے اس کی زبان بھی چل رہی تھی۔

سمعان ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"چچی جان کیا کر رہی ہیں.....؟" اندر کی طرف بڑھتے سمعان پوچھ رہا تھا۔

"کل سے انہیں کچھ فلو سا محسوس ہو رہا تھا۔ آپ کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی لیٹی تھیں۔ شاید سو گئی ہیں ورنہ آپ کی گاڑی کی آواز سن کر وہ فوراً کمرے سے نکل نہ آتیں۔" اس نے آرام سے بتایا تو سمعان احمد یک دم رک گیا۔

"چچی امی کی طبیعت خراب ہے اور تم مجھے اب بتا رہی ہو.....؟" انہوں نے خفگی سے دیکھا۔

"قسم لے لیں۔ خیال ہی نہیں رہا ورنہ سب سے پہلے یہی بتاتی۔" سمعان کی خفگی دیکھ کر اس نے

POFSHELF.BLOGSPOT.COM

فوراً کہا تھا۔

"میں ان کے کمرے میں جا رہا ہوں۔ تم چائے لے کر ادھر ہی آ جانا۔" اندر داخل ہو کر سمعان احمد سیدھا ان کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

"جو حکم سر! بس ماما سے میری سفارش ضرور کر دیجیے گا کہ مجھے آپ کے ہاں آنے کی اجازت دلوا دیں۔ وہ آپ کی بات کبھی نہیں ٹالیں گی۔ پلیز میرے اچھے بھائی ہیں ناں۔" ایک دم اس کے سامنے آ کر وہ لجاجت سے کہہ رہی تھی۔ سمعان نے تیزی سے اپنے اٹھتے قدم روکے ورنہ اس کے یوں سامنے آ جانے سے ٹکرا جانے کا خدشہ تھا۔

اس کی اس حرکت میں اس قدر معصومیت و برجستگی تھی کہ سمعان احمد کے دل کی دھڑکن مس ہوئی تھی۔ بے اختیار سر نے جنبش کی تھی۔

"تھینک یو سو مچ۔ مجھے پتا تھا آپ انکار نہیں کریں گے۔ بس آپ نے مما کو منانا ہے۔ میرے لیے پلیز میرے بھائی ہیں ناں۔" اب کے اس کے "میرے بھائی ہیں" کہنے پر سمعان نے اپنے مسکراتے لب سمیٹے۔ اس کی آنکھوں کا سنہری پن کاریڈور کی نیم تاریکی میں کچھ اور بھی سنہرا محسوس ہوا تھا۔ وہ رکی نہیں تھی۔ کتابیں رکھنے اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

"تمہارے لیے ہی تو یہ سب کچھ کر رہا ہوں پاگل لڑکی....." وہ اپنے کمرے میں گم ہو چکی تھی۔

سمعان احمد نے شائستہ بیگم کے کمرے کی طرف پیش رفت کی۔ اس نے دو دفعہ دروازے پر دستک دی تھی۔

"کون ہے.....؟" تیسری بار کے لیے اٹھتا ہوا ہاتھ رک گیا۔ شائستہ بیگم کی آواز آئی۔ سمعان کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف بیڈ لائٹ تھی جو ابھی شائستہ بیگم نے روشن کی تھی۔

"میں ہوں چچی امی..... سمعان....." سمعان نے آگے بڑھ کر سارے کمرے کی لائٹ روشن کر دی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔

"سمعان! تم اس وقت.....؟" وہ کمبل لیے لیٹی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھیں۔ ان کی آنکھیں سرخ رنگ ہو رہی تھیں۔ ایک لمحے کو سمعان احمد کو لگا جیسے وہ کافی دیر سے رو رہی تھیں۔

"جی..... یوں ہی ادھر سے گزرتا یہاں چلا آیا مگر یہاں آ کر علم ہوا ہے کہ آپ کی طبیعت خراب ہے۔" سمعان نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔ وہ ہنس دیں۔

"کچھ زیادہ نہیں۔ بس ہلکا سا فلو ہو رہا تھا۔ میڈیسن لی تھی اب تو افاقہ ہے۔" سمعان ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

"پھر بھی آپ کو ضرور احتیاط کرنی چاہیے۔ یہ چھوٹا موٹا فلو بعض اوقات بگڑ بھی جاتا ہے۔" سمعان احمد کے لہجے میں ابھی بھی فکرمندی تھی۔ شائستہ بیگم ہنس دیں۔ بڑی تلخ سی ہنسی تھی۔ سمعان محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"کیا بات ہے کوئی بات ہوئی ہے.....؟" بغور ان کے چہرے کا جائزہ لیتے اس نے بہت کچھ اخذ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کوئی بات نہیں ہوئی۔ تم خوامخواہ پریشان ہو رہے ہو۔ بس موسم کا اثر ہے اور کچھ نہیں۔" اب کے انہوں نے مسکرانے کی بھی کوشش کی تھی مگر ان کا ستا ہوا چہرہ سمعان کو کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

"چچی جان! چھپایا ان سے جاتا ہے جو آپ کے دل میں اتر کر سب کچھ جان لینے کے گر سے ناواقف ہوں۔ آپ صرف میری چچی امی ہی نہیں بلکہ میری سب سے مخلص دوست بھی ہیں..... اور آپ اپنے دوست سے کچھ چھپا رہی ہیں۔" اب کے اس نے خفگی سے کہا تھا۔

"میں نے کہا ناں سمعان بیٹے! کوئی بات نہیں ہوئی۔" انہوں نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"تو پھر آپ زرش کو ہمارے گھر کیوں نہیں آنے دے رہیں؟ میں دو دن سے کراچی میں ہوں۔ اس سے چار دن پہلے لاہور گزار کر آیا ہوں۔ آپ نے ان چھ سات دنوں میں ایک دفعہ بھی فون کر کے مجھ سے میری خیریت دریافت نہیں کی؟ اپنا خیال رکھنا کہہ کر خاص تاکید نہیں کی اور تو اور میں جب سے آیا ہوں آپ اپنے کمرے میں بند ہو کر رونے کا شغل فرما رہی ہیں۔ میں سامنے آیا ہوں تو یوں حیران ہو رہی ہیں جیسے پہلی دفعہ دیکھ رہی ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھ سے نظریں چرا رہی ہیں اور اس کے باوجود کہتی ہیں کہ کوئی بات نہیں ہوئی....." ان کا ہاتھ تھامے وہ بہت ہلکے ہلکے انداز میں شکوہ کر بیٹھا تھا۔ وہ پہلے تو سمعان احمد کے اس قدر درست اندازے لگانے پر حیران ہو کر دیکھے گئیں پھر ان کی آنکھوں کی سطح نمی سے تر ہونے لگی۔

اللہ نے انہیں صرف تین بیٹیاں ہی دی تھیں۔ ہادیہ، نوشین اور زرش۔ سمعان احمد کی موجودگی نے انہیں کبھی بیٹے کی حسرت ہی نہیں ہونے دی تھی۔ ان کے لیے سمعان احمد بیٹوں سے بڑھ کر تھا مگر اب قیصرہ بیگم اور طاہرہ بیگم کی باتیں سن کر ان کا دل اندر ہی اندر ریزہ ریزہ ہو کر کہیں بکھر گیا تھا۔

"سمعان....." وہ سسکی لے کر رو پڑی تھیں۔ سمعان حیرانی سے دیکھے گیا۔

"چچی امی..... چچی....." اس نے ایک بیٹے کی طرح انہیں بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ روتی رہی تھیں حتیٰ کہ سارے آنسو سمعان کے کندھے پر بہا دیے۔

"آپ میری امی سے بڑھ کر ہیں..... بخدا بتائیں اگر میری ذات آپ کے لیے دل آزاری کا سبب بنی ہے تو میں خود کی کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔ آپ میرے لیے میری امی کی طرح ہیں۔" ان کے آنسو سمعان کو تکلیف میں مبتلا کر رہے تھے۔ ان کا سر اپنے کندھے سے ہٹا کر اس نے کہا تو شائستہ بیگم کو احساس ہوا کہ وہ کتنی دیر سے کیا حماقت سرانجام دیے جا رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا..... بس دل بھر آیا تھا۔ رونے کو دل چاہ رہا تھا۔ زرش تو یوں ہی پریشان ہو جاتی ہے۔ نوشین بھی ہادیہ کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ شاید گھر میں سناٹے سے گھبرا گئی ہوں۔" انہوں نے فوراً خود کو سنبھالا تھا۔ سمعان احمد ہونٹ بھینچے دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے آپ مجھے اس لائق نہیں سمجھتیں کہ مجھے کچھ بتائیں تو میں چلا جاتا ہوں۔ خوامخواہ آپ کو

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

پریشان کرنے آ گیا تھا مگر آپ تو.....'' بہت سنجیدگی سے کہتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ شائستہ بیگم نے اسے دیکھا۔

''سمعان! تم غلط سمجھے ہو.....تم میری بات تو سنو.....سمعان.....سمعان.....'' وہ آوازیں دیتی رہ گئی تھیں مگر سمعان بے انتہا ڈسٹرب ہو چکا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ وہ لاکھ سر پٹخ لے وہ اسے کچھ بھی بتانے والی نہیں ہیں۔

وہ آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکلا تھا مگر زرش کو دیکھ کر رک گیا۔ وہ چائے کی ٹرالی گھسیٹے اس کے سامنے ہی تھی۔ اسے کمرے سے نکلتا دیکھ کر رک گئی تھی۔

''ارے.....آپ کہاں جا رہے ہیں.....؟ میں ابھی تو چائے تیار کر کے لائی ہوں۔ آپ پی کر جائیں اور ہاں..... ماما سے بات کی.....؟'' سمعان احمد لب بھینچے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر بھی اس کے زاویوں میں فرق نہ آیا تو زرش متوجہ ہوئی۔

''کیا ہوا ہے.....'' وہ کچھ پریشان ہو گئی تھی کیونکہ سمعان کے عقب میں ماما بھی کھڑی تھیں۔ زرش کی وجہ پریشانی سمعان احمد نہیں بلکہ ماما کا متورم چہرہ تھا۔

''ماما! کیا بات ہے.....؟ آپ روئی ہیں؟'' وہ ٹرالی وہیں چھوڑ کر فوراً ماں کی طرف بڑھی تھی۔ ان کے کندھے کو تھام کر بے تحاشا پریشان ہو چکی تھی۔ اس نے ماما کو کبھی روتے نہیں دیکھا تھا اور اب ان کا چہرہ.....

''سمعان چائے پی کر جانا.....'' ماما نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ ان کی ساری توجہ سمعان احمد کی طرف تھی جو ان سے ناراض ہو کر جا رہا تھا۔

''نہیں۔ چچی امی! ایک بہت ضروری کام ہے۔ اس وقت چلتا ہوں اللہ حافظ۔'' زرش کبھی حیرانی سے ماما کا رویا متورم چہرہ دیکھ رہی تھی تو کبھی سمعان احمد کے تاثرات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جو اپنی بات کہہ کر رکا نہیں بلکہ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا تھا۔

''ماما.....کیا بات ہے.....؟ سمعان بھائی آپ سے ناراض ہو کر گئے ہیں؟'' جیسے ہی سمعان باہر نکل گیا تھا زرش کی بھی حیرانی ختم ہو گئی تھی۔ اس نے رخ شائستہ بیگم کی طرف کیا تھا۔

''تم نے سمعان کو کیوں بلایا تھا جب کہ میں نے منع کر دیا تھا تو.....'' وہ سخت لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔ زرش بھونچکا رہ گئی۔

''ما.....ما.....'' وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ ''میں انہیں فون کر کے کیوں بلاتی جب آپ نے ایک دفعہ منع کر دیا تھا تو وہ میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ میں نے پہلے کبھی آپ کی اجازت کے بغیر کوئی قدم اٹھایا ہے جواب اٹھاتی۔'' وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

''تو پھر سمعان کو کیسے علم ہو گیا کہ میں تمہیں ان کے ہاں جانے کی اجازت نہیں دے رہی.....؟''

''اوہ۔ تو یہ بات.....مگر ماما کو اس قدر غصہ کیوں آ رہا ہے؟'' وہ حیرانی سے سوچ کر رہ گئی۔

''میں نے ان سے ذکر کیا تھا۔'' اسے لگا ماما صرف اس کی اس بات پر روئی ہیں مگر اتنی سی بات پر

یوں بری طرح تو نہیں رویا جاتا کہ چہرہ یوں سرخ ہو جائے۔ وہ الجھ کر رہ گئی۔

''مغرب کی اذان ہو رہی ہے۔ اپنے کمرے میں جا کر نماز ادا کرو.....اور اس کے بعد اپنی پڑھائی پر توجہ دو..... بہت نالائق ہوتی جا رہی ہو تم.....سیکنڈ ائیر میں آ چکی ہو مگر تمہارا بچپنا جوں کا توں برقرار ہے۔ نہ جانے کب عقل آئے گی تمہیں.....؟'' انہوں نے اسے بے بھاؤ کی سنائی تھیں۔ وہ منہ کھولے حیرت سے گنگ دیکھتی رہ گئی جب کہ وہ اس کی طرف سے رخ موڑ کر واپس کمرے میں جا چکی تھیں۔

❁.....❁.....❁

''سر! شہوانہ زمان سے متعلق ساری انفارمیشن اس لفافے کے اندر ہیں۔ ساتھ تصاویر بھی۔ لالہ منصور صرف سیاسی ہی نہیں اپنے علاقے کی بڑی زور آور شخصیت بھی ہے۔ احسان منصور اس کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس وقت شہوانہ زمان اپنی ماں بدر آراء کے ساتھ احسان منصور کے عطا کردہ فلیٹ میں رہ رہی ہیں۔ شہوانہ کی پہلی شادی اس کی ماں بدر آراء نے اپنے ایک جاننے والے تحسین خان سے کی تھی۔ خاصی موٹی تازی آسامی تھا۔ خوب لوٹا دونوں ماں بیٹیوں نے اسے۔ وہ کروڑ پتی سے کنگلا پتی بن گیا تو اس کی ماں نے شہوانہ کی وہاں سے طلاق دلوا کر دوسری جگہ شادی کرنے کی حماقت کرنے کے بجائے کئی عقل کے اندھوں کو الو بنایا تھا۔ اب بدر آراء کی نظر احسان منصور پر ہے۔ احسان منصور بھی شہوانہ پر جان چھڑکتا ہے جب کہ لالہ منصور کو اپنے بیٹے سے بڑی محبت تھی اور وہ نہیں چاہتا کہ اس کا بیٹا ایسی عورتوں کے ہاتھوں برباد ہو۔ لالہ منصور کے لیے ان دونوں ماں بیٹی کو ختم کرانا مشکل کام نہیں تھا مگر احسان منصور نے اپنے باپ کو دھمکی دے رکھی ہے کہ اگر ان ماں بیٹی کا بال بھی بیکا ہوا تو وہ کھڑے کھڑے اپنی جان دے دے گا۔''

شارق زمان کے سامنے بیٹھا اس کا سب رپورٹر اسے یہ سب انفارمیشن دے رہا تھا۔ اس دوران شارق زمان نے اسے قطعی نہیں ٹوکا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی رائے کا اظہار کیا تھا۔ رپورٹر عمران کی فراہم کردہ معلومات سے وہ پہلے ہی باخبر تھا۔ اس کا شارق کے سامنے رکھا ہوا لفافہ بھی جوں کا توں تھا۔ شارق زمان نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھانے کی قطعی کوشش نہیں کی تھی۔

''شہوانہ زمان کی اپنے پہلے شوہر تحسین خان سے کوئی اولاد بھی ہے؟'' اپنے اندر کی وحشت سے گھبرا کر اس نے پیپر ویٹ اٹھا لیا تھا۔ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر منتقل کرتے اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا تھا۔

''جی سر! اس کا ایک بیٹا ہے۔ دونوں ماں بیٹی اس کو اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔ دراصل تحسین خان کی اچھی خاصی جائیداد ہتھیانے کے باوجود دونوں ماں بیٹی نے بیٹے کو عدالت کے ذریعے حاصل کر لیا تھا۔ اب آہستہ آہستہ تحسین خان دوبارہ اپنی بنیادیں مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔'' عمران نے تفصیلاً بتایا تھا۔

''اچھا۔ اب تم جاؤ اور منصور صاحب کو کال کر دینا اور بتا دینا کہ رپورٹ شائع ہو جائے گی۔'' ایک دم اس کے اندر کی وحشت اس قدر بھر چکی تھی۔ شارق زمان کو خدشہ لاحق ہوا کہ وہ کہیں عمران کے

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

سامنے ہی خود پر کنٹرول نہ کھودے۔ اس نے ایک دم قطعی انداز میں حکم دیتے ہوئے اسے چلتا کیا تھا۔

''جی.....'' وہ باہر چلا گیا۔

شارق زمان اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔

''شہوانہ زماں.....'' کوئی اس کے اندر سے چیخا تھا۔ وہ گہرے گہرے کش لینے لگا۔

''زمان اور بدر آراء کی بیٹی.....'' کسی نے اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسانے شروع کر دیے تھے۔

''نہیں۔ وہ صرف اور صرف بدر آراء کی بیٹی ہے۔ اس کا زمان حسنین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

میز پر پڑی کئی چیزیں دھمک سے نیچے گر گئی تھیں۔

''اس طرح سے تعلق ختم نہیں ہو جاتے شارق زمان..... وہ زمان حسنین کی بیٹی ہی نہیں حسنین کی پوتی بھی ہے اور سب سے بڑھ کر وہ تمہاری بہن ہے۔ صرف تمہاری بہن۔'' کوئی اس کے اندر بیٹھا زور سے چیخا تھا۔

شارق زمان کا اشتعال بڑھنے لگا۔

اسے محسوس ہونے لگا جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

''وہ کمینی..... بدذات میری بہن کیسے ہو سکتی ہے.....؟ وہ تو صرف ایک طوائف زادی ہے۔ بدر آراء کی بیٹی ہے۔ شہوانہ بدر آراء بس.....''

وہ اپنے ہوش وحواس کھوتا جا رہا تھا۔

''تم رشتوں سے انکاری ہو رہے ہو۔ آج منصور لالہ تمہارے سامنے آ کر تمہیں بتا رہا ہے کہ شہوانہ زمان اس کے بیٹے کی رکھیل بنی ہوئی ہے اور وہ تمہارے سامنے تمہاری بہن کو گالی دے گیا تھا۔ تمہارے اندر کی غیرت کہاں جا سوئی تھی جو اس کا طمانچہ لفظ رکھیل کی صورت میں برداشت کر گئے تھے۔ تمہیں تو غیرت سے مر جانا چاہیے تھا۔'' کوئی اس کے اندر بیٹھا مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔ اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

وہی جو مسلسل بچپن سے اب تک اس کے تعاقب میں تھا۔

وہی جس نے اس سے اس کی بچپن کی معصومیت چھین لی تھی۔

اس کے اندر محرومیوں کے لامتناہی صحرا دیے تھے۔

جسے رشتوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ جسے اپنی ذات سے نفرت ہو گئی تھی۔

''بدر آراء..... میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا..... دعا کرو تم کبھی میرے سامنے نہ آنا ورنہ میں بیٹا ہونے کا حق ادا نہ کر پاؤں گا۔ تمہاری شہرت مسلسل میرے تعاقب میں رہی ہے۔ پہلے پہل تمہارا حوالہ بن کر..... پھر تمہاری یاد بن کر اور اب تمہاری بیٹی شہوانہ زمان کی صورت میں..... میں غلط لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے لگا ہوں۔ میں خود کو بھول چکا ہوں۔ اس کے باوجود تمہاری شہرت میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔ میری ماں ایک طوائف ہے..... میں ایک طوائف زادہ ہوں۔

وہ اپنے آپ سے لڑ رہا تھا۔ اپنے اندر اٹھنے والی آوازوں کو دبا رہا تھا۔

یوں ہی ادھر سے ادھر چکر لگاتے اس کی نظر اس خاکی لفافے پر جا ٹھہری جو اس کا رپورٹر اس کی ٹیبل پر رکھ گیا تھا۔

اس میں مکمل رپورٹ کے ساتھ ساتھ تصاویر بھی تھیں جو لالہ منصور نے بھجوائی تھیں بلکہ شارق زمان کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔ جس شخص کو شہوانہ زمان کا بائیوڈیٹا اکٹھا کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی..... وہ کیسے بدر آراء بیگم کی سابقہ شہرت سے بے خبر ہو گا اور اس شخص نے یہ رپورٹ شائع کروانے کا بندوبست بھی کس سے کروایا تھا۔ بدر آراء کے بیٹے' شہوانہ زمان کے بھائی کے ہاتھوں..... کتنا عقل مند اور چالباز شخص تھا۔ جانتا تھا ایک بھائی اپنی غیرت پر پڑنے والی چوٹ کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ اپنے بیٹے کو بھی نہیں کھونا چاہتا تھا اور بدر آراء بیگم کے ساتھ ساتھ اس کی بیٹی کا بھی پتہ صاف کر دینا چاہتا تھا۔

واقعی شارق زمان اس شخص کی ذہانت پر عش عش کر اٹھا۔

شارق نے آگے بڑھ کر خاکی لفافہ اٹھا لیا تھا۔

لفافے کو چاک کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں کی انگلیاں کانپی تھیں۔

اس کے سامنے لالہ منصور کی بھیجی گئی تصاویر تھیں۔

تصاویر پر ایک نظر ڈال کر شارق زمان کا جی چاہا کہ کاش اس لمحے اس کے سامنے شہوانہ زمان ہوتی تو وہ اپنے ہاتھوں سے اس عورت کا گلہ دبا دیتا۔

ایک تصویر میں بدر آراء تھی۔ وہ اس عورت کو یکسر فراموش کر چکا تھا مگر اس کا ایک ایک نقش اس کے دل و دماغ پر ثبت ہو چکا تھا اور اب وہ اس عورت کو جو کہ اسے صرف جنم دینے کا سبب بنی تھی، دیکھ رہا تھا۔ ماہ و سال اس عورت پر صرف تھوڑا سا فرق چھوڑ پائے تھے۔ وہ آج بھی ویسی تھی جیسی شارق زمان نے تصویروں میں دیکھی تھی۔ عمر بڑھ چکی تھی۔ جسم فربہی مائل ہو چکا تھا مگر خوب صورتی جوں کی توں تھی جس کا اثر اس کے سادہ لوح باپ پر ہوا تھا۔

ایک ایمان دار باحیا بیوی اور ننھی سی بیٹی رفعت زمان کی موجودگی کے باوجود وہ اس چالاک و چال باز عورت کی اداؤں کا گھائل ہو گیا تھا پھر وہ اسے ایک بیٹے کا تحفہ دے کر کہیں چلی گئی تھی۔ کہاں.....؟ اس کا باپ یہی غم کھائے قبر میں جا اترا تھا۔ اس کی پہلی بیوی شارق زمان کی پالی پوسی تھی۔ بیٹے کی طرح محبت دی تھی مگر بدر آراء کی پرچھائیں سے اس شارق زمان کو نہ بچا سکی حتیٰ کہ وہ حوادث زمانہ کا شکار ہو گیا۔ اچھے برے کی تمیز کے باوجود وہ گناہوں میں لذت محسوس کرنے لگا تھا۔ جب اس کی ماں اس کے باپ کی جمع پونجی چرا کر بھاگ رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر بیٹے کا احساس نہیں کیا تھا تو وہ اپنا احساس کیسے کر لیتا۔ اسے دنیا نے جو دیا تھا وہ دنیا کو لوٹا رہا تھا۔ اپنے خاندان میں بہت کم ملنا ملانا تھا۔ صرف اس پڑھائی سے بھاگتے بھاگتے وہ نجانے کن اندھیروں کا مسافر بنتا جا رہا تھا جن کی کوئی منزل نہ تھی۔ واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اس کا یہ چھوٹا سا پریس میڈیا تھا۔ وہ پیسہ کمانے کے لیے ہر جائز و ناجائز چیز شائع کرتا تھا۔ چاہے وہ اشاعت فلم انڈسٹری سے متعلق ہو یا سیاست سے متعلق..... وہ

PDFBOOKSFREE.BLOGSPOT.COM

حکام بالا سے متعلق ہو یا کسی کی ذاتی مخالفت سے متعلق..... وہ بلاخوف وخطر ہر کام کر جاتا تھا جس طرح پیسہ اس کے ہاتھ میں آرہا تھا اسی طرح لٹاتا بھی جا رہا تھا۔

تصویروں کو لفافے میں ڈال کر اس نے ٹیبل پر پٹخ دیا۔

اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

اس رپورٹ کو شائع کر کے وہ اپنی غیرت کا خون کرنے جا رہا تھا۔ اپنے اندر کے غیرت مند مرد کو مار رہا تھا۔ اس رپورٹ میں شامل تصاویر کو شائع کر کے۔

''بدر آراء بیگم۔ بس تم تیار رہنا۔ تم اور تمہاری بیٹی کو میرے ہاتھوں سے عبرت ناک موت سے کوئی نہیں بچا سکتا..... کوئی بھی نہیں.....'' وہ دوبارہ کرسی پر گر چکا تھا۔ تھک ہار کر اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا تھا۔ وہ حالات کا مارا ہوا شخص تھا اور یہی موت اس کے جسم اور روح کے مقدر میں بھی تھی۔

✿.....❁.....✿

کالج سے آنے کے بعد نمازِ ظہر ادا کر کے کھانا کھا کر وہ لیٹ گئی تھی۔ عصر کے قریب آنکھ کھلی تھی۔ نماز ادا کر کے وہ کتابیں سمیٹ کر باہر لان میں آ بیٹھی تھی۔ دو دن ہو گئے تھے زرش بھی نہیں آ رہی تھی۔ آج کالج میں وہ بتا تو رہی تھی کہ چچی امی نے اسے یہاں آنے سے منع کیا تھا۔ زرش کی زبان سے سن کر وہ خود بھی حیران تھی۔ کل کالج میں ٹیسٹ تھا اور زرش ہوتی تو دونوں مل کر تیاری کر لیتیں مگر اب لگ رہا تھا کہ اسے سمعان بھائی سے مدد لینا ہو گی۔

طاہرہ بیگم کچن میں مصروف تھیں۔ آج کل ان کا غصہ ویسے ہی آسمان کو چھو رہا تھا۔ ایسے میں فرح ان سے دور ہی رہتی تھی کیونکہ ان کا سارا نزلہ اس کی ناتواں جان پر ہی نکلا کرتا تھا۔ آج تو ویسے بھی قیصرہ خالہ آئی ہوئی تھیں۔ وہ کالج میں تھی جب ان کی آمد ہوئی تھی۔ گھر لوٹی تو وہ جا رہی تھیں۔ امی کا موڈ خاصا جارحانہ ہو رہا تھا۔ وہ فوراً اندازہ کر کے اپنے کمرے میں گھس گئی تھی۔ صرف کھانا کھانے کچن میں آئی تھی۔ اس کے بعد اب کمرے سے نکلی تھی۔ وہ سیدھی لان میں چلی آئی۔ اتنا تو وہ بھی سمجھ چکی تھی کہ امی اسے پڑھتا دیکھ کر خود ہی جل کڑھ لیں گی۔ اسے کچھ نہیں کہیں گی۔ علی بھی کھانا کھا کر نکل گیا تھا۔ ابو نے اسے اپنے آفس بلوایا تھا۔ شاید اسے چچا ابو کے ساتھ کہیں بھیجنا تھا۔ اکثر وہ چچا ابو کے ساتھ کہیں نہ کہیں جاتا رہتا تھا۔ خاص طور پر میٹنگز وغیرہ میں۔ اب اکثر ابو اسے بزنس کے امور سے آگاہ کرنے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ابھی سے ہی ان کے ساتھ اٹھا بیٹھا کرے۔ اسی طرح وہ بزنس کی تربیت حاصل کر سکتا ہے۔ وہ کتاب کھولے نوٹ بک پر لکھنے میں مصروف تھی، جب چوکیدار بابا چلے آئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پھولوں کا بکے تھا، ساتھ میں شاید کارڈ بھی۔

''فرح بیٹا! آپ کے لیے کوئی یہ دے کر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ آپ کو دے دوں۔''

''کیا میرے لیے.....؟'' وہ حیران ہو کر سرخ گلابوں سے بنے گلدستے میں سجے بکے کو دیکھ رہی تھی۔

''جی انہوں نے آپ کا ہی نام لیا تھا پھر مجھ سے سائن کروا کر چلا گیا تھا۔''

اس نے الجھتے ہوئے ان سے پھول اور کارڈ لے لیے تھے۔

''کون ہو سکتا ہے.....؟'' اس نے سوچا۔ ''اچھا آپ جائیں میں دیکھ لیتی ہوں۔'' اس نے کہا۔

پھولوں کی مہک اسے مزید متوحش کر رہی تھی۔ اس نے جلدی سے کارڈ کھولا۔

''مائی ڈیئر سویٹ لو'' کا انتہائی خوب صورت کارڈ تھا۔ کارڈ خالی تھا مگر اس کے اندر کھا صفحہ خالی نہ تھا۔ فرح نے کارڈ میز پر رکھ کر کاغذ اٹھا لیا تھا۔

ہجر کے ماہتاب سن
ہم بھی ہیں تیرے ہم سفر
ہم سے بھی کوئی بات کر
ہم بھی تو تیرے رفیق ہیں
ہم سے نہ اجتناب کر
دستِ فراق یار میں
ازلوں کے ہمرکاب سن
ہجر کے ماہتاب سن
بخت میں جب نہ چین ہو
وقت سے کیا گلہ کریں
اس سے کہاں گلہ کریں
راہ میں اس کو روک لیں
کیسے یہ حوصلہ کریں
تُو تو ہمارے ساتھ چل
تُو تو ہمارے خواب سن
تاروں میں انتشار ہے
کسی کی نگاہ کے سبب
اپنی ہی چاہ کے سبب
ہم نے جسے گنوا دیا
شدت راہ کے سبب
اس کے غمِ فراق کا
ہم سے کبھی حساب سن
ہجر کے ماہتاب سن

جذبوں سے گندھی یہ نظم فرح کے اندر عجب سا انتشار برپا کر رہی تھی۔ نظم کے اختتام پر رقم طراز تھا۔

''اس نظم کو پڑھنے کے بعد میری میلز کا رسپانس دیں ورنہ یہ سلسلہ تب تک چلے گا، جب تک آپ

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

میرے لیے سنجیدہ نہیں ہو جاتیں مائی ڈیئر فرح سعید احمد۔"

وہ شخص انتہائی بلیک میلر تھا۔ فرح نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے مفلوج ہو رہا تھا۔

"یا اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے.....؟ وہ کون ہے..... کیوں میرے ہی پیچھے پڑ گیا ہے؟" وہ رو دینے کو تھی۔ اشتعال میں آ کر اس نے کارڈ سمیت کاغذ کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تھے۔

"بلیک میلر..... ذلیل انسان....." فرح کو لگ رہا تھا کہ اس کے دماغ کی کوئی نہ کوئی رگ پھٹ جائے گی۔

اس نے ایک قہر بھری نفرت انگیز نظر پھولوں کے بکے پر ڈالی تھی۔ غصے سے اس نے خوب صورت انداز میں بنایا گیا گلدستہ بکھیر دیا تھا۔ سرخ گلابوں کی پتیاں اردگرد بکھر کر احتجاج کرنے لگی تھیں۔ اس سے پہلے کہ امی لان میں چلی آتیں' اس نے بکھرے پھول' پھولوں کی ٹہنیاں اور ریپر اٹھا کر گیٹ کے ایک طرف پڑے کوڑادان میں سارا ڈھیر ڈال دیا۔

اب کچھ بھی پڑھنے کا موڈ نہیں تھا۔ اس نے کوفت' جھنجلاہٹ و پریشانی سے اکتا کر کتابیں اٹھا کر اپنے کمرے کی راہ لی مگر راہداری میں ہی اسے رکنا پڑا تھا۔

ماجدہ کسی سے فون پر بات کر رہی تھی۔ ماجدہ ان کی کل وقتی ملازمہ تھی۔ چوکیدار بابا کی بیٹی۔ اس وقت امی کے ساتھ کچن میں مصروف تھی۔ شاید گھنٹی بجنے پر وہ ادھر آئی۔

"جی میں نے کہا ناں کہ یہاں کوئی پرنس نہیں رہتی۔ غلط نمبر ہے۔ عجیب ڈھیٹ انسان ہیں آپ۔ ایک دفعہ کہی بات کا اثر نہیں ہوتا۔" ماجدہ غصے میں کہہ رہی تھی اور فرح کے پاؤں تلے سے زمین سرکتی جا رہی تھی۔

"یا اللہ!" اس سے پہلے کہ کتابیں ہاتھ سے نکل کر زمین پر گرتیں' اس نے فوراً ماجدہ کی طرف قدم بڑھائے۔ ماجدہ فون رکھ کر بڑبڑاتی ہوئی جانے لگی تھی۔ اسے دیکھ کر رک گئی۔

"کس کا فون ہے ماجدہ؟" اس کی زبان لڑکھڑائی۔ ماجدہ نے ناک سکیڑی۔

"پتا نہیں کون بدتمیز ہے بی بی جی! مسلسل تنگ کر رہا ہے۔ روز اسی وقت فون کر دیتا ہے کہ مجھے پرنس سے بات کرنی ہے۔ ہزار بار اسے کہہ چکی ہوں کہ اس نام کی کوئی لڑکی یہاں نہیں رہتی مگر وہ بھی ڈھیٹ ہے۔" وہ اکتا کر بتا رہی تھی۔ فرح کا رنگ مزید زرد ہو گیا۔

"تو یہ بلیک میلر شخص اس حد تک پہنچ گیا ہے۔" اس کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔ ماجدہ واپس کچن میں چلی گئی تھی۔ وہ بمشکل اپنے آپ کو گھسیٹتی کمرے میں پہنچی تھی۔ کتابیں میز پر پٹخ کر وہ بستر پر بیٹھ کر ممکنہ کارروائی پر کڑھنے لگی تھی۔ ایک دم اس کے ذہن میں خیال آیا کہ دیکھے تو سہی کہ نمبر ہے کونسا..... اپنے کمرے میں رکھے ایکسٹینشن میں اس نے آنے والی کالز میں سی ایل آئی پر نمبر دیکھے تھے۔ سب سے پہلے جو نمبر تھا۔ وہ پاکستان کا نہیں تھا۔ شاید کسی باہر کے ملک کا تھا۔ وہ نمبر گھورے گئی۔

وہ شخص پاکستان میں رہتا ہے پھر یہ نمبر....." وہ الجھ کر رہ گئی۔ "چلو یہ مان بھی لوں کہ اس نے مجھے پاکستان کے نام پر جھوٹ بھی بولا ہو تو پھر اس نے یہ کارڈ اور پھول خود سے کیسے بھجوا دیے۔" وہ جوں جوں سوچتی مزید فکرمند ہوتی جا رہی تھی پھر یوں ہی آزمانے کو اس نے وہ نمبر ری ڈائل کر دیے تھے مگر دوسری جانب کمپیوٹر آپریٹر کی آواز سن کر وہ کڑوا گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"یہ نمبر آف تھا۔" کمپیوٹر آپریٹر اسے کچھ دیر بعد نمبر ڈائل کرنے کو کہہ رہی تھی۔ فرح کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ آخر یہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا تھا..... وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

اس رات کے بعد اس نے دوبارہ کمپیوٹر آن ہی نہیں کیا تھا۔ اگر کمپیوٹر ایک دو دفعہ آن کرنے کی ضرورت پڑی بھی تو وہ صرف کمپیوٹر تک رہی تھی۔ انٹرنیٹ کو چھیڑا بھی نہیں تھا۔ کیا شخص تھا وہ بلیک میلر بھی۔ پہلے اس کو ای میل کی تھی پھر اسے مسلسل زچ کرتا رہا تھا اور اب اگر اس نے اس شخص کی ای میلو کی جانب سے خاموشی اختیار کی بھی تھی تو وہ ان ہتھکنڈوں پر اتر آیا تھا۔ فرح کو حقیقتاً اس شخص سے نفرت محسوس ہوئی تھی جو اسے مسلسل ذہنی اذیت پہنچا رہا تھا۔

✿.....✿.....✿

نفیسہ پھپھو نوشین کو چھوڑنے آئی تھیں مگر یہاں آ کر گھر کی خاموشی دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ زرش ان سے بظاہر خوش ہو کر ملی تھی مگر اس کا ستا ہوا چہرہ بتا رہا تھا کہ کوئی بات ہوئی ضرور ہے۔ شائستہ بیگم بھی خوش مزاجی سے ملی تھیں۔ نفیسہ سعید احمد اور سعود احمد کی نہ صرف اکلوتی بہن تھیں بلکہ شائستہ کے اکلوتے بڑے بھائی جمال کی بیوی ہونے کے ناطے بھابی بھی لگتی تھیں۔ دوسری طرف ہادیہ کی شادی وقار سے ہونے پر رشتہ مزید گہرا ہو گیا تھا۔

نفیسہ کے پانچ بچے تھے۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں۔ بڑے بیٹے وقار تھے جو کہ ہادیہ کے شوہر بھی تھے۔ پھر دو بیٹیاں زویا اور ماریہ دونوں کی شادیاں طاہرہ کے بڑے بھائی کے بڑے دونوں بیٹوں سے ہوئی تھیں۔ اس کے بعد سعد جمال تھا جو کہ امریکہ میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس کا آخری سال چل رہا تھا۔ چند ماہ رہ گئے تھے اس کی واپسی کو۔ سعد کے بعد ستارہ تھی جس کی شادی چند ماہ پہلے غفان کے بڑے بھائی قادر سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے گھر میں بہت خوش تھی۔ غفان نہ صرف سعود احمد کے چہیتے دوست ہارون آغا کا بیٹا تھا بلکہ نوشین کا منگیتر بھی تھا۔ دونوں کی منگنی ستارہ کی شادی کے ایک ماہ بعد ہی ہو گئی تھی۔ نوشین بی اے کی اسٹوڈنٹ تھی۔ ایک ہفتہ ہو گیا تھا وہ پھپھو کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ ادھر سے ہی کالج چلی جاتی تھی۔ گھر میں کل سے زرش کو ڈانٹنے کے بعد سے بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔ زرش شائستہ بیگم سے اچھی خاصی ناراض ہو چکی تھی۔ کل شام سے کمرے میں بند تھی۔ صبح کالج گئی' واپس آ کر پھر کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ اب پھوپی کو دیکھ کر ہی کمرے سے نکلی تھی۔ سلام دعا کر کے ایک طرف ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ شائستہ بیگم کو اس کا یہ انداز بہت زیادہ کھلا رہا تھا مگر کل اسے اچھا خاصا ڈانٹ چکی تھیں۔ اس لیے خاموش رہیں۔ آج سعود احمد بھی جلدی آ گئے تھے۔ وہ کسی بھی بات سے قطعی بے خبر تھے اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ انہیں کسی بات کا علم ہو۔

POKHUTIA.BLOGSPOT.COM

"آپا! آپ رات رہیں گی ناں؟" کھانے سے فارغ ہو کر سعود احمد نے پوچھا تھا۔ نفیسہ آپا نے سر ہلا دیا۔

"ہاں آج رات رہنے کے لیے ہی آئی ہوں۔ بہت دن ہو گئے تھے تم لوگوں سے ملے ہوئے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔

"آپا! چائے پئیں گی؟" سعود احمد آپا کو لے کر لاؤنج میں آ بیٹھے تھے۔ شائستہ بیگم بھی وہیں چلی آئیں۔ نفیسہ آپا نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ کچن میں جا کر نوشین کو چائے کا کہہ کر واپس آ گئیں۔

"زویا اور ماریہ کیسی ہیں.....؟" صوفے پر بیٹھتے ہوئے شائستہ بیگم نے پوچھا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ پچھلے ہفتے ہی ان کے ہاں گئی تھی۔ بال بچوں سمیت خوش ہیں اپنے گھروں میں۔ ستارہ بھی آئی ہوئی تھی۔ کل ہی گئی ہے۔"

"اچھے لوگ ہیں ہارون آغا بھی۔ پہلے تو صرف دوستانہ تعلقات تھے اب تو رشتہ داری بھی ہو گئی ہے۔ اپنوں سے بڑھ کر ہیں۔" شائستہ نے تعریف کی تھی۔

"ہاں واقعی۔ یہ زرش کہاں گئی ہے؟ کھانا کھاتے ہی اٹھ گئی۔" اردگرد دیکھتے زرش کو تلاش کرتے انہوں نے پوچھا تو شائستہ نے پہلو بدلا۔

"وہ کمرے میں جا چکی ہے۔ آج کل اس کے کالج کے ٹیسٹ ہو رہے ہیں۔ سارا دن کتابوں میں ہی الجھی رہتی ہے۔" تاہم انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔

"کل قیصرہ ہمارے ہاں آئی تھی کہہ رہی تھی سعید احمد اور طاہرہ کے درمیان جھگڑا چل رہا ہے۔ میں ادھر ایک چکر لگا لوں اسی لیے پہلے ادھر آئی ہوں۔ کل ادھر کی بھی خبر لوں گی۔ طاہرہ تو سیدھے منہ بات تک نہیں کرتی مگر کیا کریں بھائی اور بچوں کا خیال آتا ہے ورنہ کیا پڑی ہے روز بے عزتی کروانے آ جائیں۔"

نفیسہ آپا نے خود ہی بات شروع کر دی تھی۔ شائستہ چپ رہی تھیں۔ سعود احمد حیران ہوئے تھے۔

"مگر بھائی جان اور طاہرہ کے درمیان جھگڑا کیوں چل رہا ہے؟ اب کیا بات ہو گئی ہے؟ روز ملاقات ہوتی ہے۔ آفس میں مجھ سے تو کوئی بات نہیں ہوئی ان کی۔" سعود احمد نے بھی پوچھا تھا۔ نفیسہ آپا نے گہری سانس لی۔

"سمعان احمد کے رشتے کی بات کی وجہ سے۔ طاہرہ اپنی بھانجی فوزیہ کو بہو بنا کر لانا چاہتی ہے مگر سعید بھائی نہیں مان رہا۔ بس اسی بات سے جھگڑا طول پکڑتا جا رہا ہے۔ میں نے قیصرہ سے سنا ہے۔ سعید احمد نے عثمان کو بلوایا ہے۔ آج کل وہ طاہرہ سے کافی خار کھائے بیٹھا ہے۔ قیصرہ کی ہی زبانی ہے کہ آج کل سعید احمد اس کے لیے کوئی فیصلہ کرنے کا سوچ رہا ہے۔" نفیسہ آپا نے بہت دکھ سے بیان کیا تھا۔ سعود احمد بھی گہرے دکھ میں گھرے چپ چاپ سنتے گئے۔

"اللہ خیر کرے۔ ساری عمر اس بربادی میں گزار کر وہ اب کیا سوچ رہے ہیں۔" شائستہ نے بھی دکھ سے کہا تھا۔

"پتا نہیں یہ سچ بھی ہے کہ نہیں۔ ہماری بھاوج کو تو ساری عمر عقل نہیں آئی۔ اس کی بہن نے ساری عمر اسے سکھی رہنے نہیں دیا اور وہ ہے کہ کاٹھ کی الو بنی ہوئی ہے۔"

"آپا! شاید آپ کو برا لگے اس میں کچھ حد تک قصوروار بھائی صاحب بھی ہیں۔ جب ساری عمر گزر چکی ہے تو اس عمر میں آ کر اولاد کا ہی کم از کم خیال کر لیں۔" سعود احمد دکھ سے باہر نکلے تو کہے بغیر نہ رہ سکے۔

"ہاں کہنا آسان ہے۔ سعید احمد کی باتیں سنتی ہوں تو دل رونے لگتا ہے۔ ماں جایا ہے میرا اسے کبھی سکھی و آباد دیکھنے کی سدا خواہش رکھی ہے۔ وہ کبھی مجھے الزام نہیں دیتا مگر سچ کہتی ہوں اس کی بربادی کی ذمہ دار میں ہی ہوں۔ میں نے ہی تو گھر والوں سے طاہرہ کو بہو بنانے پر زور دیا تھا۔" وہ آنسو بہانے لگی تھیں۔ شائستہ تاسف سے ہونٹ کچلنے لگیں۔

"آپا! پرانی باتیں کریدنے سے کیا حاصل..... دل اپنا ہی دکھے گا۔ مجھے تو بچوں کا خیال آتا ہے۔ عثمان بیوی بچے سمیت اسلام آباد اکیلا رہتا ہے۔ سمعان خود کو گھریلو رنجشوں سے دور رکھنے کے لیے اس طرح بزنس میں انوالو ہو چکا ہے کہ آج وہ لاہور میں ہے تو کل اسلام آباد۔ کبھی یہاں ہے تو کبھی وہاں۔ علی کی جذباتی طبیعت کا بیان ہی نہیں۔ رہ گئی فرح تو وہ نہ ادھر کی ہے نہ ادھر کی۔ اس طرح تو بچوں پر ہی غلط اثر پڑ رہا ہے۔" شائستہ کو پھر سمعان یاد آ گیا تھا۔ کس طرح ان سے ناراض ہو کر گیا تھا مگر وہ اسے اس کی ماں اور خالہ کی باتیں بتا کر مزید دکھی و رنجیدہ نہیں کر سکتی تھیں۔ جہاں تک زرش کی بات تھی انہوں نے اسے کسی نہ کسی طرح بہلا ہی لیا تھا۔ وہ بہل جاتی تھی مگر سمعان اصل بات جانے بغیر نہیں ٹلنے والا تھا۔

"آپا! بھائی صاحب نے تو مجھ سے بھی بات کی تھی سمعان اور زرش کے رشتے کے لیے۔" سعود احمد نے ہی بتایا تھا۔ آپا حیران ہوئی تھیں جب کہ شائستہ بے تاثر چہرہ لیے بیٹھی رہیں۔ سعود احمد ان سے پہلے بھی ذکر کر چکے تھے۔ ان کے لیے یہ اطلاع نئی نہ تھی۔ بہت پہلے سے وہ جانتی تھیں۔

"اچھا..... پھر تم نے کیا کہا؟"

"انہوں نے نوشین کی عفان سے بات طے کر لینے کے موقع پر یہ بات کی تھی تب وہ ناراض ہوئے تھے کہ میں باہر لڑکا دیکھ رہا ہوں گھر میں سمعان نظر نہیں آیا مگر میں یہ کہہ کر ٹال گیا تھا کہ بعد میں دیکھا جائے گا مگر اگلے ہی لمحے انہوں نے زرش کا نام لے کر مجھے چپ کروا دیا تھا۔" وہ بتا رہے تھے جب نوشین چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ خاموش ہو گئے تھے۔ وہ بچوں کے سامنے ایسی باتیں ڈسکس نہیں کرتے تھے۔ نوشین ان کے خاموش ہونے پر سمجھ چکی تھی کہ کسی اہم مسئلے پر بات ہو رہی ہے۔ وہ فوراً چائے پیش کر کے اپنا اور زرش کا مگ لے کر اس کے کمرے میں چلی گئی۔

"میں نے زرش کی کم عمری کا کہہ کر ٹال دیا تھا مگر وہ بضد رہے بلکہ وہ مجھے یہ بات یاد دلاتے رہے کہ میں نے مرتی ہوئی اماں جان سے بھائی صاحب کے سامنے وعدہ کیا تھا کہ میری بیٹیوں میں سے ایک بھائی صاحب کی بہو بنے گی، کہنے لگیں تو پھر اب زرش کیوں نہیں۔ وہ کم عمر ضرور ہے مگر بالغ ہے

تب میں نے وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا کا کہہ کر بات ختم کر دی تھی اور انہوں نے بھی یہ کہہ کر دوبارہ بات نہیں کی تھی کہ آج یا کل تمہارے پاس زرش میرے سمعان کی امانت ہے وہ ہمارے گھر ہی آئے گی یہ کبھی نہ بھولنا۔"

انہوں نے تفصیل سے ساری بات کہہ سنائی تھی۔

"اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔" آپا نے سنجیدگی سے شکوہ کیا تھا۔

"آپا! میں نہیں چاہتا کہ بات ایک زبان سے دوسری زبان تک نکلتے ہوئے ہمارے بچوں کے کانوں تک پہنچے اور ان کے ذہن غلط اثر لیں۔ بھائی صاحب نے اگر اتنی بڑی بات کی ہے تو یقیناً سمعان کی رضامندی سے ہی کی ہو گی مگر زرش اس معاملے سے لاعلم ہی رہے تو بہتر ہے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ بچی کی معصومیت تباہ ہو پھر کون سا باقاعدہ بات طے ہوئی تھی۔ زبانی کلامی گفتگو تھی اسی لیے میں نے وقت سے پہلے کسی سے ذکر کرنا مناسب نہ جانا تھا۔" انہوں نے نہ بتانے کی مکمل وضاحت کر دی تھی۔

وہ اپنی تینوں بچیوں کے معاملے میں ازحد حساس تھے۔ ہادیہ کے لیے عثمان کے رشتے کی جب بات کہی تو انہوں نے خاموشی سے نفیسہ آپا کے وقار کے لیے ہامی بھر کے سارا معاملہ ہی حل کر لیا تھا۔ دوسری طرف عثمان بھی زوباریہ کو پسند کرتا تھا سو اس طرح عثمان کی شادی زوباریہ اور ہادیہ کی وقار سے بخیر و عافیت طے ہو گئی تھی مگر اب مسئلہ گھمبیر تھا۔ آپا کی زبانی طاہرہ کی ضد اور بھائی صاحب کا ردِعمل دیکھ کر وہ الجھ گئے تھے۔

"اگر طاہرہ اسی طرح اپنی ضد پر قائم رہی تو تم کیا کرو گے؟" آپا نے پوچھا تھا۔ انہوں نے شائستہ کو دیکھا ان کے چہرے پر بھی یہی سوچ تھی۔

"آپا! سمعان میرا داماد بنے یہ میرے لیے خوش قسمتی کی بات ہے جس طرح سمعان نے سارا بزنس سنبھال رکھا ہے میں تو خود چاہتا ہوں کہ وہ میرا بیٹا بن جائے۔ وقار اور عفان سے بڑھ کر وہ مجھے عزیز ہے مگر آپا مجھے اس سے بھی بڑھ کر اپنی زرش عزیز ہے جس نے بھی اسے بیاہ کر لے جانا ہے۔ پوری آن بان اور شان و عزت کے ساتھ لے کر جائے ورنہ مجھ پر بیٹی بوجھ نہیں ہے۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ سیکنڈ ائیر میں ہے۔ آرام سے اپنی تعلیم مکمل کرے جب مناسب ہو گا تو شادی بھی ہو جائے گی۔ ان چاہی بہو وہ کبھی نہیں بنے گی۔ طاہرہ نے جس بات کو بنیاد بنا کر ساری زندگی خود بھی عذاب میں جھیلی ہے اور اپنے ساتھ بچوں کی بھی زندگی سے کھیلی ہے ایسے کھیل میں، میں اپنی بیٹی کو قطعی جانے نہیں دوں گا۔ مجھے اپنی زرش پر پورا اعتماد ہے۔ وہ سمعان سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتی ہے اور یہ ایک بھائی کی محبت سے زیادہ کچھ نہیں۔" وہ آرام سے سب کہہ گئے تھے۔

نفیسہ آپا اور شائستہ دونوں نے گہری بوجھل سانس فضا میں خارج کی تھی۔ شائستہ بیگم کی تو آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے۔

"طاہرہ کو خود آ کر پوری عزت و شان کے ساتھ میری بیٹی کو مانگنا ہو گا ورنہ کبھی نہیں۔" ان کے لہجے

میں قطعیت تھی۔ شائستہ کے رخساروں پر آہستہ آہستہ آنسو گرتے چلے گئے۔ وہ کیسے کہہ دیتیں کہ ان کو سمعان احمد کس حد تک عزیز ہے۔

وہ ان کے کن کن خوابوں کا مرکز تھا۔

وہ ان کی انہونی خواہشوں کا محور تھا۔

مگر اب لگ رہا تھا کہ سارے خواب ملیا میٹ ہو رہے ہیں۔

ساری خواہشیں راکھ کا ڈھیر بنتی جا رہی ہیں۔

سمعان احمد طاہرہ کا بیٹا تھا۔ ان کا بیٹا کبھی نہیں بن سکتا تھا۔ کس قدر تلخ حقیقت تھی۔ وہ اس سے گزشتہ کئی دنوں سے نظریں چرا رہی تھیں مگر اب وہ تلخ سچائی حقیقت کا روپ دھارے ان کے سامنے موجود تھی۔ وہ کس طرح اس سے انکاری ہوتیں۔ آپا نفیسہ اور سعود احمد دونوں نے انہیں آنسو بہاتے دیکھا۔

"اچھا ہے یہ غبار ابھی نکل جائے۔ اگر اسے نکلنے کو راہ نہ ملی تو خوامخواہ دل کا ناسور بن جائے گا۔" سعود احمد ان کے سمعان احمد سے متعلق جذبات سے اچھی طرح آگاہ تھے اسی لیے انہوں نے دوٹوک قطعیت سے یہ الفاظ دہرائے تھے۔ وہ شائستہ کے دل میں کوئی امید باقی رہنے نہیں دینا چاہتے تھے جس سے نہ صرف وہ خود دکھی ہوتیں بلکہ ان کا خاندان بھی متاثر ہوتا۔ "اور مجھے اپنی بچیاں ہر شے سے زیادہ عزیز ہیں۔" انہوں نے ان کے چہرے کو دکھ سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"آپ باتیں کریں۔ میں تھک چکا ہوں۔ اب صرف سونا چاہوں گا۔"

وہ اس ماحول سے ہی نکل گئے تھے۔ شائستہ بیگم کو کھل کر رونے کا موقع ملا تھا۔

"شائستہ حوصلہ کرو۔ یہ وہ تلخ حقیقت ہے جو تم اول روز سے جانتی ہو پھر بھی تم یوں جذباتی ہو رہی ہو۔ تمہارا یہ حال ہے تو سعود کو کون سمجھائے گا۔ سعید بھائی ہے اس کا یوں بھائی سے اپنی جڑیں کاٹنا آسان نہیں ہے۔ تمہیں تو اس کی ہمت بندھانا چاہیے۔ اس کو حوصلہ دینا چاہیے۔" آپا نفیسہ ان کا کندھا تھپکتے انہیں سمجھا رہی تھیں ان کا دل بھر آیا۔

"آپا! سمعان پیدا ہوتے ہی میری گود میں آیا تھا اور پھر جب طاہرہ اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی تو اسے میں نے ہی پالا تھا۔ ہادیہ تو میری گود میں بعد میں آئی تھی مجھے تو یوں ہی لگتا ہے کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ کتنی خواہش تھی کہ وہ ہادیہ کا نصیب بنتا مگر وقار سے ہادیہ کی شادی کے بعد میں نے یہ بات دوبارہ نہ چھیڑی تھی۔ ہادیہ کے بعد نوشین کی طرف کبھی کبھار سوچ چلی جاتی تھی مگر جس طرح سعود نے آناً فاناً ہارون بھائی سے عفان کے لیے ہاں کر دی تھی، میں دل مسوس کر رہ گئی تھی اور اب زرش..... جب بھی یہ سوچتی ہوں کہ میری تینوں بیٹیوں میں سے وہ کسی ایک کا بھی نصیب نہیں تو کوئی میرے دل کو اپنی مٹھی میں لے کر بھینچ لیتا ہے مگر آپا یہ بھی سچ ہے۔ سعود کی طرح میری بھی خواہش ہے کہ طاہرہ اپنی خوشی، اپنی رضا و دلی رغبت و آمادگی سے اسے مانگے ورنہ کبھی نہیں۔"

وہ روتے ہوئے اپنے دلی جذبات بیان کر گئی تھیں۔

QUEQUE.BLOGSPOT.COM

"چلو ابھی تو حالات سازگار ہونے کی دعا تو کرو' میری تو بڑی خواہش ہے کہ میں سعد کے لیے زرش کو مانگ لوں مگر....." وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گئیں۔ محسوس کرنے کے باوجود شائستہ بیگم نے ان کے رک جانے پر قطعی دھیان نہ دیا تھا۔

"یہ تو قسمت کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا کہیں نہ کہیں جوڑ ضرور بنایا ہے۔ کل جا رہی ہوں میں طاہرہ کے ہاں' کچھ اس کی سنوں گی کچھ اپنی سناؤں گی۔ دیکھتی ہوں کیا ہوتا ہے..... ویسے کل دوپہر کو عثمان بھی آ رہا ہے۔ سعید کو بھی سامنے بٹھا کر سمجھاؤں گی۔ کچھ نہ کچھ حل تو نکال کر ہی اٹھوں گی۔" انہوں نے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا تھا۔

پھر ایک دم انہیں کچھ یاد آیا تو پوچھا۔

"ارے ہاں۔ تمہاری قیصرہ سے گھر میں طاہرہ سے کوئی جھڑپ ہوئی تھی؟" آخر کار انہوں نے شائستہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ کچھ حیران ہوئی تھیں۔

"آپ کو کس نے بتایا ہے؟" دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کرتے پوچھا تھا۔

"لو مجھے کون بتاتا۔ کل آئی نہیں تھی قیصرہ وہی ذکر کر کے گئی ہے۔ پوری بی جمالو ہے۔ ادھر سے ادھر کی اور ادھر سے ادھر کی لگائی بجھائی کرنے والی اس کی عادت نہیں جانے والی، اوپر سے اس کا میاں بھی ویسا ہی ہے۔ اولاد بھی ان ہی کے رنگ میں رنگی گئی ہے۔ میں تو سچ کہتی ہوں طاہرہ کو اس حال تک پہنچانے والی وہی اور اس کا میاں ہے۔ اپنے گھر میں وہ خود تو سکھی ہے مگر اسے برباد کر دیا ہے اور طاہرہ تو کانوں کی ایسی کچی ہے کہ ساری عمر اسی کے کہنے پر چلے۔" انہوں نے جی بھر کر قیصرہ کو کوسا تھا۔

"باقی بہن بھائی تو اپنے اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ صرف طاہرہ کی ہی مت ماری گئی ہے۔" وہ مزید تبصرہ کر رہی تھیں۔ شائستہ بیگم خاموش رہیں۔ "تم نے بتایا نہیں کیا بات ہوئی تھی؟" انہوں نے پھر پوچھا تھا۔

شائستہ بیگم نے آرام سے ساری بات کہہ سنائی تھی۔ وہ سن کر کلس کر رہ گئیں۔

"اللہ سمجھے اس قیصرہ کو۔ اس طرح کسی کی بیٹی پر الزام لگا کر بہتان بازی کر کے وہ اپنی بیٹی کو بسا لیں گی۔ نجانے لوگ دوسروں کا گھر اجاڑنے سے پہلے اپنے آشیانے کی فکر کیوں نہیں کرتے۔"

"چھوڑیں آپا! مجھے تو یہ دکھ ہے زرش وہاں جاتی ہے۔ نجانے طاہرہ اس کے ساتھ کیا کیا بدکلامی کرتی ہو گی۔ مجھے اس نے کبھی آ کر ادھر کی بات نہیں بتائی بلکہ خوش ہو ہو کر ہر بار بھائی صاحب' علی' فرح اور سمعان کی باتیں ہی کرتی رہتی ہے۔"

"اللہ طاہرہ کو ہدایت دے۔ یہ ہدایت ایسی چیز ہے جو کسی کے سمجھانے سے نہیں آتی بلکہ خود عقل کرنے سے آتی ہے جب عقل پر پردے پڑ جائیں تو ہر چیز' ہر بھلائی پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ اللہ اس کی عقل پر پڑنے والے پردے ہٹا دے۔ اماں جی' ابا جی دونوں سعید احمد اور طاہرہ کی خراب زندگی کا دکھ لیے قبر میں جا اترے تھے۔ وہ گھر دو گھروں میں بٹ گیا۔ تم لوگ یہاں آباد ہوئے وہ لوگ وہاں۔ دیکھتی ہوں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ میرے لیے تو دونوں بھائی' جان سے بڑھ کر ہیں۔

اللہ بس ہدایت دے۔" وہ غمگین ہو کر رو دیں تو شائستہ نے خاموشی سے ان کو بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔

"حوصلہ کریں سب انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

نفیسہ آپا کے بجائے شائستہ نے اس بات سے خود کو زیادہ حوصلہ دیا تھا۔

✿.....✿.....✿

شہوانہ زماں اور بدر آراء کی میگزین رپورٹ بمعہ تصاویر دونوں کے سابقہ تمام افیئرز کے ساتھ "سچ کیا ہے" میگزین کی زینت بن چکی تھی۔ صبح سے لے کر شارق زمان کو قارئین کے کئی فون آ چکے تھے مگر وہ ایک بھی ریسیو نہیں کر رہا اور نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دو دن سے اپنا موبائل بالکل آف کر رکھا تھا۔ کل سے وہ گھر بھی نہیں گیا تھا پھر وہ اس گھر میں جا کر کیا کرتا۔ بیمار ماں کا چہرہ اسے مزید محرومیوں میں دھکیل دیتا تھا۔ نوکروں کی ایک فوج تھی گھر میں مگر وہاں سکون نہ تھا جس کی تلاش آج کل اس کو تھی۔

صبح سے شام اور شام سے رات ہونے لگی۔ وہ یوں ہی آفس چیئر پر بیٹھا رہا۔ منصور لالہ نے اس میگزین رپورٹ کے چھپتے ہی طے شدہ معاوضہ بھیج دیا تھا جو اس کی ٹیبل کے لاکر میں موجود تھا اور لمحہ بہ لمحہ اسے اندر ہی اندر ڈستا جا رہا تھا۔ پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ "سچ کیا ہے" بعض اوقات انسان کے لیے کس قدر تلخ بن جاتا ہے

غیرت مندی کا خون رگوں میں تیرنے کے باوجود بے غیرت بن جانا کس قدر دشوار ہوتا ہے۔

بعض اوقات حقیقت کا کھلی آنکھوں سے مقابلہ کرنا جان سے گزرنے سے بھی دشوار ہوتا ہے۔

وقت بیتا جا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے اس کی ٹیبل پر پڑے ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہی تھی مگر اسے جیسے پروا ہی نہ تھی۔ نجانے کب تک یہی کیفیت برقرار رہتی اس کے اندر کی گھٹن اس کے اندر مزید وحشت بھرتی جا رہی تھی۔ اسی وحشت سے گھبرا کر وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر آفس سے نکل آیا تھا۔ کل سے وہ یہاں تھا۔ گیٹ پر موجود گارڈ مین بھی یہیں ہوتا تھا۔ اکثر جب وہ یہاں رکتا تھا تو وہی اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرتا تھا۔ اب اسے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ جا رہا ہے

"سر آفس کو لاک لگا دوں؟" وہ گاڑی میں بیٹھ رہا تھا جب اس نے پوچھا تھا۔ شارق زمان نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

وہاں سے نکلنے کے بعد وہ کتنی دیر تک بے مقصد ہی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا تھا۔ اس کا ذہن کہیں بھی نہیں ٹھہر رہا تھا۔ اسے کہاں جانا تھا؟ کیا کرنا تھا؟ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ صرف خبر تھی تو یہ کہ شہوانہ زمان اس کی بہن ہے اور بدر آراء اس کی ماں۔ میگزین کے صفحات کی زینت بننے والی' دونوں کی تصاویر اور سابقہ افیئرز۔ شارق زمان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کسی پول کے ساتھ اپنی گاڑی ٹکرا کر اپنے آپ کو ختم کر لے۔ جس پرچھائیں سے وہ بچپن سے جوانی تک لڑتا آیا تھا۔ وہ اب اس کو مکمل طور پر اپنے حصار میں مقید کرنے کو تیار تھی۔

کتنی بار وہ خود کو یہ کہہ کر بہلا چکا تھا کہ اس کی ماں مر چکی تھی۔ اس کی کوئی بہن تھی ہی نہیں مگر ہر

BINSHUFE.BLOGSPOT.COM

دفعہ لالہ منصور کی کریہہ گفتگو' دونوں ماں بیٹی کی تصاویر اور میگزین کی رپورٹ اسے پاگل کر دیتی تھی۔

نجانے کب اس نے ''ینگسٹ کلب'' کی جانب گاڑی موڑ لی تھی۔ وہ ہوش میں تو اس وقت آیا جب گاڑی کلب کے مین گیٹ کے سامنے رک چکی تھی۔

وہاں موجود گارڈ نے اسے دیکھ کر احتراماً سیلوٹ کرتے ہوئے گیٹ کھول دیا۔ وہ جب بھی اس طرح انتشار و وحشت کا شکار ہوتا تھا وہ یہاں چلا آتا تھا۔ نجانے پہلی بار وہ یہاں کب آیا تھا۔ اب تو وہ یہ بھی بھول چکا تھا مگر یہاں کے لوگوں سے آنے والے امیر زادوں اور زادیوں سے اس کی پرانی علیک سلیک تھی۔ سب ہی اسے جانتے تھے۔

شارق زمان نے آہستگی سے گاڑی اندر پارکنگ میں جا کر کھڑی کی۔ اندر داخل ہو کر بہت سے لوگوں نے اسے ویلکم کہا تھا۔ کئی لڑکیوں نے دور سے ہی ہاتھ لہرائے اور کچھ امیر زادیوں نے اسے دیکھ کر اپنے بیگ سے اپنا روپ بہروپ دیکھنے کو آئینے نکالے تھے۔

وہ ایسی ہی شخصیت کا مالک تھا۔

بھرپور مردانہ وجاہت' دلکش و دلنشیں سراپا۔

جس راہ سے بھی گزر جاتا تھا ہزاروں پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

اس کے اندر صرف باپ کی وجاہت و دلکشی ہی نہیں سمٹ آئی تھی بلکہ ماں کی خوب صورتی و اکھڑ پن بھی موجود تھا۔ وہ کج تھا' ہرجائی تھا۔ یہاں کتنی امیر زادیاں اس کی صرف ایک جنبش ابرو کی منتظر تھیں۔ وہ ان کی رعنائی و خوب صورتی سے فائدہ بھی اٹھاتا تھا مگر کوئی بھی اس کے اندر کے مرد کو مطمئن نہ کر پائی تھی۔ وہ صرف ان کو دیکھتا تھا۔ ان کے ساتھ ہنس بول کر' گفتگو کرتے' ڈائیلاگز بول کر اپنے کچھ پل حسین کر لیتا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی لڑکی اس کے دل کی دھڑکنوں میں انتشار برپا نہ کر پائی تھی پھر وہ بہت جلد اکتا جاتا تھا۔ وہ فطرتاً ہرجائی تھا۔ اپنی اس خصوصیت سے نہ صرف وہ خود آگاہ تھا بلکہ یہاں موجود ہر شخص جانتا تھا۔ اس سارے کھیل میں اس نے کبھی خود سے کسی لڑکی کی جانب پیش رفت کی بھی نہ تھی۔ یہ امیر زادیاں خود تھیں جو اس کی جانب پکے پھل کی طرح آ گرتی تھیں۔ وہ تو صرف ان کی خواہش پوری کرتا تھا۔ صرف چند حسین لمحے ہوتے تھے اور بس..... وہ کبھی آخری حد تک نہیں گیا تھا۔

اسے خود پر کنٹرول ہوتا تھا۔ شاید پتا نہیں کون سی نیکی تھی' کون سی طاقت تھی جو اسے برائی کی دلدل میں اترنے کے باوجود باہر کھینچ لاتی تھی اور پھر وہ کئی دن تک ملول و پشیمان پھرتا تھا۔ اپنے آپ سے الجھتا۔ خود سے لڑتا مگر پھر جب اس کے اندر ایسی آگ لگتی تو وہ پھر یوں ہی بکھر جاتا پھر یہیں آ کر اسے پناہ ملتی تھی۔

اس وقت بھی وہ خاموشی سے اپنی مخصوص کرسی پر آ بیٹھا تھا۔ ویٹر اس کا مخصوص گلاس اسے پکڑا گیا اور وہ اردگرد دیکھتا رہا۔

''ہیلو۔ بہت دنوں بعد آئے ہو آج۔'' یہ زیبا تھی جو اسے دیکھ کر اس کی ٹیبل پر چلی آئی تھی۔ کروڑوں کے مالک باپ کی اکلوتی جانشین تھی۔ اکثر یہاں آتی رہتی۔ یہاں کے سب ممبر اسے بخوبی

جانتے تھے۔

شارق زمان نے سر اٹھا کر اسے صرف ایک نظر دیکھا تھا۔ پچھلے وزٹ میں یہ لڑکی اسے اچھی لگی تھی مگر اس بار اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا حتیٰ کہ خوب صورتی کی انتہا تک حسین لڑکی زیبا بھی نہیں۔

''کیا بات ہے بہت خاموش ہو..... آر یو آل رائٹ.....؟'' اپنے حسین ہاتھ اس کے بازو پر رکھے وہ ایک ادا سے پوچھ رہی تھی۔

نجانے شارق زمان کو کیا ہوا تھا۔ اس نے نفرت سے زیبا کیانی کے ہاتھ جھٹک دیے تھے۔

''شٹ اپ۔ حد میں رہو۔'' وہ پھنکارا تھا۔ زیبا حیران ہوئی۔ پچھلی ملاقات میں تو وہ اس پر بری طرح مہربان تھا مگر اس بار تو..... وہ حیرت سے شارق کو دیکھ رہی تھی۔

''واٹ اے نان سینس.....؟'' شارق زمان کے یوں نخوت سے ہاتھ جھٹکنے پر وہ اپنی ننھی سی ناک سکیڑ کر اسے گھوری تھی۔ شارق نے ایک غیظ بھری نظر اس کی جانب کی مگر پھر نگاہ بدل کر رہ گیا۔ اندر جو آگ جل رہی تھی اس کی تپش سے اس کا اندر تو جل ہی رہا تھا لیکن دماغ بھی جھلس رہا تھا۔

''لیو می آلون۔'' اس کا بس چلتا تو پوری دنیا کو آگ لگا دیتا۔

اس سے اپنے سامنے بیٹھی لڑکی شہوانہ زمان اور بدر آراء کا ہی عکس لگ رہی تھی۔

''اوہ یو..... کیا سمجھتے ہو تم خود کو.....؟ تم میری انسلٹ کر رہے ہو۔'' وہ لڑکی بھی ایک دم پھنکاری تھی۔ شارق زمان نے اپنی انگارہ آنکھیں اس کے سرخ و سپید سلیقے سے کیے گئے میک اپ سے سجے چہرے پر ڈالی تھیں۔

''میں نے تمہیں دعوت نہیں دی تھی۔'' وہ پہلے سے زیادہ آتش فشاں مادے کی مانند پھٹ پڑنے کو تھا۔

''دیکھ لوں گی میں تمہیں بھی۔ میرے پاؤں نہ چاٹے تو کہنا' یاد رکھنا.....'' زیبا کیانی کو اپنی اس درجہ ہتک کسی طور برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔ اردگرد کی میزوں پر موجود کئی نفوس اس جانب متوجہ ہوئے تھے۔ زیبا کیانی کو بے انتہا سبکی کا احساس ہو رہا تھا۔ اپنے پاؤں پٹختے اسے دھمکی دیتی وہاں سے نکل گئی تھی۔ شارق نے نخوت سے سر جھٹکا اور ویٹر کو اشارہ کیا۔ وہ ایک اور گلاس اسے تھما گیا تھا۔ زیبا سے جھڑپ کا نتیجہ تھا یا کہ اس گلاس کے اثر سے اس اندر کی کھولن پہلے سے کچھ کم ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

اس کلب میں ہمیشہ اسے اس کے اندر کی وحشت و دیوانگی اور پاگل پن کھینچ لاتا تھا۔ اکثر راتیں وہ گھر سے باہر گزارتا تھا مگر اس دفعہ تو گھر والوں کو اس نے پرسوں سے اپنی کوئی خبر ہی نہیں دی تھی ورنہ اس سے پہلے وہ اکثر اماں سے بات کر لیا کرتا تھا لیکن اس دفعہ.....

وہاں بیٹھے آدھی رات سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا۔ اس کے خشک و سرد رویے کو محسوس کر کے کسی نے بھی اس کے قریب پھٹکنے کی کوشش نہ کی تھی۔ زیبا کی شامت وہ لوگ دیکھ چکے تھے۔ اس کے بعد کوئی بھی اس کی میز کی جانب نہیں آیا تھا۔

بہت سا وقت گزرنے کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گیا۔ وہاں موجود نفوس اپنے اپنے دولت کدوں کی

POKSHELF.BLOGSPOT.COM

طرف واپسی کی راہ پکڑ رہے تھے۔ وہ بھی اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔

اس حالت میں گھر جانے کا اس کا قطعی موڈ نہیں تھا۔ لاکھ بے باک سہی مگر اماں اور خاندان کے دیگر افراد کے سامنے وہ بہت باحیا ہی رہا کرتا تھا۔ اس کی یہ ساری سرگرمیاں صرف باہر کی حد تک تھیں۔ خاندان کی سطح پر وہ بہت کم گو اپنی ذات میں مگن رہنے والا لاپروا سا انسان تھا۔ خاندان کے اکثر افراد کو اس سے بہت سے گلے شکوے تھے۔ کبھی وہ ان کا خیال کرتا اور کبھی نفرت سے ٹال جاتا تھا اور کبھی کبھار اسے اپنی ماں کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اپنی بربادی کے ذمہ دار محسوس ہوتے تھے۔ رفعت باجی اچھی تھیں، اماں بھی اس کا خیال رکھتی تھی مگر ان سب رشتہ داروں میں صرف نواز فاروق ہی اسے پسند تھا۔ نجانے کیوں اسے اس سے نہایت انسیت محسوس ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی اس سے دوستی بھی تھی۔

وہاں سے نکلنے کے بعد وہ کتنی دیر تک بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا اور پھر فجر کی اذانیں جب سنائی دیں تو وہ خاموشی سے اپنے دفتر کی جانب واپس لوٹ آیا۔ اس کا آفس اس کی اچھی پناہ گاہ تھا جو کہ اب بھی اس کے کام آ رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

فرح تین بجے کے قریب علی کے ساتھ کالج سے لوٹی تو سامنے ہی عثمان بھائی اور پھپھو نفیسہ کو بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"السلام علیکم۔" کتنے مہینوں بعد وہ عثمان بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ ایک دم جذباتی ہوئی تھی۔ بھاگ کر بھائی کے پاس آئی۔

"وعلیکم السلام..... اچھی ہو؟" انہوں نے محبت وہ اپنائیت سے اس کا سر تھپکتے ہوئے اپنی طرف چہرہ کر کے پوچھا تو وہ ہنس دی اور سر ہلا دیا۔

"بہت اچھی ہوں۔ بہت دنوں بعد آئے ہیں۔ بھابی اور حمزہ کو نہیں لائے..... اور اس طرح اچانک.....؟" ان سے جدا ہو کر کتنے سوال کر دیے تھے۔ وہ مسکرا دیے

"دھیرج سے سب سوالوں کے جواب ملیں گے۔ پہلے پھپھو سے تو ملو۔" انہوں نے اس کی توجہ پھپھو کی طرف مبذول کروائی تو وہ شرمندہ ہو کر فوراً ان کی طرف بڑھی تھی۔ انہوں نے محبت سے گلے لگایا۔

"کیسی ہیں پھپھو؟"

"جیتی رہو، خوش رہو۔" انہوں نے شفقت و محبت سے اس کی پیشانی چومی تھی۔ وہ جھینپ گئی جب کہ ایک طرف بیٹھی طاہرہ بیگم کو ان کی یہ کارروائی قطعی نہ بھائی تھی۔ ان کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے۔ علی عثمان سے گلے مل کر پھپھو سے پیار لے کر وہیں صوفے پر بیٹھ گیا تھا جب کہ پھپھو نے محبت سے فرح کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔

"آپ لوگ کب آئے.....؟" علی نے پوچھا تھا۔

"میں تو آج دس بجے کی فلائٹ سے سیدھا گھر ہی آیا ہوں جب کہ پھپھو تم لوگوں کی آمد سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی آئی ہیں۔" عثمان بھائی نے بتایا۔

"آپ رہیں گے ناں؟" علی نے عثمان کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے نفی میں گردن ہلا دی

"نہیں۔ یہاں ایک ضروری کام تھا۔ صرف دو دن کی چھٹی پر آیا ہوں۔ زوباریہ اپنی امی کے ہاں چلی گئی تھی۔ پھر ڈیوٹی کا بھی مسئلہ ہوتا ہے۔ میرے لیے رکنا ناممکن ہے۔"

"عجیب ٹف زندگی ہے آپ فوجیوں کی بھی۔ شکر کریں آپ کے سسر کرنل ہیں جو ان کی سفارش پر آپ کو صرف اسلام آباد میں ہی مستقل رکھا ہوا ہے ورنہ جس طرح فوجیوں کی پوسٹنگ ایک شہر سے دوسرے شہر میں ہوتی رہتی ہے۔ آپ بھی پھنسے ہوتے ادھر سے ادھر کے چکر میں۔" علی نے ہنس کر چھیڑا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیے۔

"تم دونوں آ کر ہی جم گئے ہو۔ جاؤ اپنے اپنے کمروں میں جا کر کپڑے تبدیل کرو پھر کھانا کھاؤ گے۔" فرح عثمان سے اور پھپھو سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتی تھی مگر طاہرہ بیگم کے ٹوکنے پر لب سی گئی۔ اچھی طرح سمجھ گئی کہ ان کا موڈ آف ہے۔ اسی لیے فوراً اٹھ گئی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں علی کو بھی امی کے خراب موڈ کا بتایا مگر وہ مزید پھیل کر بیٹھ گیا۔

"پھپھو! اور سنایئے گھر میں سب کیسے ہیں؟ ہادیہ آپی..... بھائی وغیرہ" فرح کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ علی نے جان بوجھ کر وہ موضوع چھیڑا تھا جس سے امی کا بلڈ پریشر ضرور ہائی ہونا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔"

"سعد بھائی کی سنایئے۔ سنا ہے اسی سال چند ماہ بعد آ رہے ہیں وہ؟" امی نے اب باقاعدہ علی کو گھورنا شروع کر دیا تھا۔ فرح نے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔

"ہاں ماشاء اللہ اس کی بھی تعلیم ختم ہو گئی ہے۔ بس رکا ہوا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ چند ضروری کام ہیں۔ وہ نمٹا کر ہی آئے گا۔ اللہ ساتھ خیریت کے وہ دن لائے۔" پھپھو کے لیے تو بس سعد کا نام ہی کافی تھا وہ فوراً شروع ہو گئی تھیں۔

طاہرہ نے کھا جانے والی نظروں سے علی کی حرکت کو دیکھا۔ نفیسہ بیگم سے ان کو کئی شکوے شکایتیں تھیں۔ اول الذکر وہ شائستہ کی بھابی تھیں پھر ان کو اسی جہنم میں دھکیلنے میں ان کا زیادہ ہاتھ تھا۔ سعید احمد سے ان کی شادی کروانے میں سارا کریڈٹ ہی ان کو جاتا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں بیٹیوں زویا اور ماریہ کی شادیاں بھی ان کے سگے بھائی کے بیٹوں سے کی تھیں۔ دونوں بہنیں عیش کر رہی تھیں وہاں۔ اپنے اس بڑے بھائی سے بھی ان کی شروع سے ہی ان بن چلتی آئی تھی۔ وہ اصول کی بات کرتے تھے۔ ان کے قیصرہ اور طاہرہ دونوں سے اختلافات رہتے تھے۔ سو ان دونوں بہنوں کو ان سے اور یہ کشیدگی روز بروز بڑھتی ہی چلی گئی تھی جس کا وہ سارا ذمے دار نفیسہ آپا کو ہی سمجھتی تھیں۔ سعید احمد کی بہن تھیں جو انہیں بولنا پڑتا تھا ورنہ وہ ان کو کبھی منہ نہ لگاتیں۔ اس وقت بھی منہ میں ہی بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عثمان نے پھپھو کے آتے ہی سعید احمد کو اطلاع کر دی تھی سو عثمان کی آمد اور

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

نفیسہ آپا کی وجہ سے وہ کچھ لمحوں میں بس پہنچنے ہی والے تھے۔ اسی لیے وہ خاموش تھیں۔

تھوڑی دیر بعد سعید اور سمعان احمد بھی آ گیا تھا بھائی اور پھپھو کا سن کر۔ عثمان نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ سب نے اکٹھے ہی ٹیبل پر دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔ کھانا کھاتے ہی سعید احمد اٹھ گئے تھے۔ جاتے جاتے انہوں نے فرح کو چائے بنانے کا کہا۔ وہ فوراً چائے بنانے کچن میں گھس گئی تھی۔ بہت کم ایسا ہوا کہ گھر کے سب افراد یوں ایک ہی ٹیبل پر اکٹھے ہوئے تھے۔ آج جمع ہوئے تو فرح بے انتہا خوش تھی۔

ماجدہ کھانے کے برتن اٹھانے لگی تو سب ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔ پھپھو، علی، طاہرہ اور سعید احمد لاؤنج میں ہی آ بیٹھے تھے جب کہ عثمان، سمعان احمد کو لے کر اس کے کمرے میں چلے آئے تھے۔

"زوباریہ بھابی اور حمزہ خیریت سے ہیں؟" سمعان نے عثمان کو بستر پر بیٹھتے دیکھ کر پوچھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سب خیریت ہے۔ تمہیں پتا ہے میں آج کیوں آیا ہوں؟" انہوں نے سمعان احمد سے پوچھا تو اس نے ناسمجھی میں انہیں دیکھا

"نہیں۔"

"مجھے ابو نے بلوایا ہے۔" انہوں نے آرام سے بتایا تھا۔ سمعان احمد حیران ہوا۔ ابو نے تو ان سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"کیوں..... کوئی کام تھا انہیں آپ سے؟"

"گھر میں جو ٹینشن چل رہی ہے اس سے تو تم باخبر ہی ہو گے؟" اب کے سمعان احمد نے صرف سر ہلایا تھا۔

"ابو نے مجھے فون پر سب کچھ بتایا تھا کہ آج کل میں آ کر اپنی ماں کو سمجھاؤں ورنہ نتائج کی ذمہ دار وہ خود ہوں گی۔" عثمان نے ابو کے الفاظ دہرائے تھے۔

"اوہ آئی سی۔" سمعان احمد نے ہونٹ سکیڑے۔

"میں اس مسئلے پر سوچ سوچ کر الجھ گیا ہوں۔ امی ابو کبھی اپنی اپنی ضد نہیں چھوڑیں گے۔ بچپن سے اب تک ان کے یہی حالات دیکھتے آ رہے ہیں۔ ان دونوں کی وجہ سے میں سب سے الگ تھلگ اپنوں سے دور اسلام آباد میں خود ساختہ جلاوطنی کی سزا بھگت رہا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ زوباریہ میرا انتخاب غلط نہیں ہے مگر والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ اپنے حقیقی گھر میں جو سکھ چین ہوتا ہے اس سے تو میں محروم ہی ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ ایسی ہی کوئی جلاوطنی تمہیں بھی برداشت کرنی پڑے۔"

سمعان احمد بغور انہیں سن رہا تھا۔ وہ رکے پھر سمعان احمد کو دیکھ کر مسکرائے۔

"دیکھو یار! ان حالات میں تمہیں کوئی فیصلہ کرنا ہو گا۔ امی ابو میں سے کسی ایک کے انتخاب کو اہمیت دینا ہو گی۔ زرش یا فوزیہ..... لڑکیاں دونوں ہی اچھی ہیں۔ خوب صورت ویل آف اور مہذب۔ فوزیہ میں صرف ایک خامی ہے کہ خالہ قیصرہ کی طرح اس میں بھی ادھر سے ادھر لگائی بجھائی کی عادت ہے اور یہ خامی اس کی ساری خوبیوں کو پس منظر میں دھکیل دیتی ہے اور زرش میں سب سے بڑی خامی اور جو

خوبی ہے وہ یہ ہے کہ وہ حد درجہ معصوم ہے اور کم عمر بھی۔ اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟"

وہ شاید اسی لیے اس کے کمرے میں آئے تھے۔ سمعان احمد نے ان کے چہرے سے نظریں ہٹائی تھیں۔ "وہ کیا چاہتا تھا؟" سمعان احمد نے اپنے دل پر اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"میری جو خواہش ہے وہ امی ابو میں سے دونوں کو ہی قبول نہیں ہو گی۔" سمعان احمد کے لہجے میں خود بخود تلخی اتر آئی تھی۔

"کیا ہے تمہاری خواہش؟" عثمان احمد نے دریافت کیا تھا۔ وہ تلخی سے ہنس دیا۔

"میری خواہش ہے کہ اس گھر میں جو بھی لڑکی آئے وہ ابو کے ساتھ ساتھ امی کی بھی من پسند اور خواہش ہو۔ چاہے وہ زرش ہی کیوں نہ ہو۔" سمعان احمد نے اپنی خواہش کو اس انداز میں ظاہر کر دیا تھا کہ عثمان محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"تم فوزیہ کے بجائے زرش کو اہمیت دے رہے ہو۔ خیریت تو ہے ناں؟" انہوں نے تعجب سے استفسار کیا تھا۔ سمعان احمد جھینپ سا گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو پرت در پرت لپیٹ کر رکھنے والا بندہ تھا مگر اس معاملے میں وہ آہستہ آہستہ بہت سے لوگوں پر عیاں ہوتا جا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ان حالات میں اور خاندانی رنجشوں کو بھلانے کے لیے زرش کسی پل کا کردار ضرور ادا کر سکتی ہے۔" اس نے سادگی سے کہہ دیا تھا۔ عثمان نے سمعان احمد کو بغور دیکھا پھر مسکرا دیے تھے۔

"یہ کہو کہ تم خود ہی زرش کے سب سے بڑے حامی ہو۔" انہوں نے چوٹ کی تھی۔

"یوں تو پھر یوں ہی سہی۔ آپ کی سمجھ دانی ہے۔" سمعان احمد نے بھی ان کی بات اڑانے کی کوشش کی تھی بلکہ کندھے اچکائے تھے۔ انہوں نے سمعان کے کندھے پر دھپ لگائی۔

"یار الو نہ بناؤ۔ سیدھے سادے انداز میں اپنے دل کی بات کہو۔ ابو جی نے ہی مجھے یہ کام سونپا تھا تاکہ وہ امی کے سامنے دوٹوک بات کر سکیں دوسرا انہیں کچھ کچھ تمہاری دلی کیفیت کا اندازہ بھی ہے۔ میں تو یوں ہی تمہیں موضوع پر لا رہا تھا۔ کیا میں نہیں جانتا کہ تمہاری زرش سے کس حد تک انسیت ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ سمعان احمد نے صرف گھورنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ کتنے تیز تھے اسے الو بنا رہے تھے۔

"جب ابو سب سمجھتے ہیں تو پھر میرے منہ سے سننا لازمی ہے کیا؟ جو ان کی مرضی وہی میری بھی مرضی ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔" سمعان احمد نے کچھ خفا سے انداز میں کہا تھا۔ عثمان ہنسنے لگا تھا۔

"ابو امی کے سامنے اس طرح اسٹینڈ لے رہے ہیں تو یقیناً وہ ساری بات اچھی طرح سمجھ کر ہی لے رہے ہیں۔ تمہارا نام استعمال کیے بغیر۔ اتنا تو انہوں نے میرے اور ہادیہ کے سلسلے میں بھی انا کا مسئلہ نہیں بنایا تھا جتنا کہ اب۔" وہ کھل کر تبصرہ کر رہے تھے۔

"ابو چچا جان سے بات کر چکے ہیں۔ شاید چچی جان کو بھی میری دلی کیفیت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتیں مگر میں نے بارہا محسوس کیا ہے وہ کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہیں۔ زرش اس

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

معاملے سے قطعی نابلد ہے پھر جب ابو نے چچا جان سے بات کی تھی تو مجھ سے میری رضامندی لی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر میں راضی ہوں تو وہ تب ہی چچا جان کے سامنے بات کریں ورنہ میری پسند کو اہمیت دی جائے گی اور یہ سچ ہے کہ ابو کے پوچھنے کے بعد ہی مجھ پر انکشاف ہوا کہ زرش صرف میرے لیے ایک چچازاد نہ تھی بلکہ وہ شروع سے ہی میرے لیے بہت خاص اہمیت رکھتی تھی۔ میں نے ابو سے سوچ کر جواب دینے کا وقت مانگا تھا اور اس ساری مہلت میں میرے سامنے گزشتہ ایک ایک پل واضح ہو گیا تھا۔ شاید زرش کے علاوہ کوئی اور میری زندگی میں اس طرح مقام نہ بنا سکا جس طرح وہ بنا چکی ہے۔ اس کے علاوہ میں کسی اور کے ساتھ زندگی بھی نہ گزار سکوں۔" سمعان احمد نے آہستگی سے اپنے جذبات واحساسات سے آگاہ کر دیا تھا۔ عثمان پرسوچ نظروں سے سمعان کو دیکھے گئے۔

"اب اگر امی ابو کے درمیان کوئی فیصلہ نہ ہو پایا تو تم کیا کرو گے؟" انہوں نے کچھ توقف کے بعد پوچھا تھا۔

"تو میں اس وقت تک انتظار کروں گا جب تک امی ابو کا ایک فیصلہ نہ ہو جائے ورنہ آدھی زندگی تو گزر چکی ہے۔ زیادہ سے زیادہ آدھی اور ہو گی گزر ہی جائے گی مگر یہ بات کلیئر ہے زرش نہیں تو کوئی اور بھی نہیں۔" سمعان احمد نے کھل کر عثمان کے سامنے ہی اپنا سارا معاملہ کلیئر کر لینا چاہا تھا۔ عثمان احمد تفکر سے اسے دیکھنے لگے۔

"اب تو کچھ نہ کچھ ضرور ہی کرنا ہو گا۔ بس یار تم ہمت نہ ہارنا۔ میں دونوں کو منانے کی کوشش کروں گا کہ وہ اسے انا کا مسئلہ بنانے کے بجائے خاندانی بقا کا معاملہ جان کر اہمیت دیں ورنہ یہ رنجشیں کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔" عثمان نے سمعان کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھ کر اسے سمجھایا تو سمعان نے اثبات سے سر ہلا دیا۔

"یہی تو سارا مسئلہ ہے۔ وہ ان معاملات کو صرف انا کا ہی تو مسئلہ بنا رہے ہیں۔ نجانے کس کس محرومی کا بدلہ وہ یہ ایشو اٹھا کر لینا چاہتے تھے۔ زرش کے معاملے کی حد تک تو میں ابو کا ساتھ دے رہا ہوں مگر اس مسئلے کو بنیاد بنا کر انہوں نے مزید جن مسائل کو کھڑا کر دیا تھا وہ تو اس معاملے کو مزید بگاڑ دیں گے۔" سمعان احمد واقعی کافی حد تک ٹینس تھا۔ عثمان احمد اچھی طرح محسوس کر گئے تھے۔

"میں پتا ہے کیا سوچ رہا ہوں؟" سمعان احمد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد عثمان احمد کو متوجہ کیا تھا۔ عثمان احمد اسے سوالیہ نظروں سے دیکھے گئے۔

"کئی دنوں سے میرے ذہن میں یہ خیال بار بار آ رہا ہے۔ اس مسئلے کی وجہ سے امی ابو کے درمیان جو شدید ناچاقی ہوئی ہے اس وقت صرف اس کا حل کیا جائے۔ امی ابو کے درمیان حالات سازگار ہوں گے تو دونوں ہی اس مسئلے کو اہمیت دیں گے۔ ایسے میں امی کو زرش کے لیے کنوینس کرنا آسان ہو سکتا ہے جب کہ اب اس مسئلے کا حل صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ ابو اپنے فیصلے کو اہمیت دیں گے اور امی اپنے فیصلے کو۔ جب کہ ہمیں درمیانی راہ نکالنا ہے۔ مجھے شادی کی کوئی جلدی نہیں ہے اور زرش بھی ابھی پڑھ رہی ہے۔ چچا کم از کم اس کے گریجویشن سے پہلے شادی کبھی نہیں کرنے والے۔

جب تک تو ہم اپنے طور پر حالات کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں مگر یہ طے ہے کہ امی کی مرضی کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ میرے لیے ابو کے ساتھ امی کی رائے بھی اولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ اگر نہیں مانیں گی تو یہ مسئلہ جوں کا توں رہے گا تاوقت یہ کہ وہ دل وجان سے راضی نہ ہو جائیں۔"

سمعان احمد نے اپنی سوچ سے عثمان احمد کو آگاہ کر دیا تھا۔ وہ پرسوچ انداز میں سر ہلا گئے۔

"سوچ تو تمہاری بھی درست ہے۔ جب تک امی ابو کے درمیان کسی فیصلے پر اتفاق نہیں ہو گا یہ مسئلہ کبھی حل نہیں ہو گا۔"

عثمان احمد نے سمعان احمد کو آنے والے حالات سے بھی آگاہی دی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ چچا جان کے گھر کی کیا کنڈیشن ہے؟ میرا مطلب ہے وہ لوگ ہمارے گھر کی ساری صورت حال سے کیا باخبر ہیں؟" عثمان کو اچانک دوسری جانب کا بھی خیال آیا تھا۔

"میں نہیں جانتا۔ آفس میں تو روز چچا جان سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان کی کسی بات سے ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ ہمارے گھر میں چلنے والا جھگڑا ان لوگوں کے کانوں تک بھی پہنچا ہو ہاں البتہ چچی جان کچھ افسردہ بلکہ غم زدہ ہیں کیوں؟ میں نے بہت دفعہ ان سے پوچھنے کی کوشش کی ہے مگر وہ تو کچھ بھی بتانے پر آمادہ ہی نہیں اور تو اور انہوں نے زرش کو بھی یہاں آنے سے منع کر دیا تھا۔ دو دن پہلے میں ادھر گیا تھا۔ وہ رو رہی تھیں۔ میں نے بارہا پوچھنے کی کوشش کی تھی مگر صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے کچھ بھی نہیں بتانے والی جواباً میں ان سے خفا ہو کر آ گیا تھا۔ یہ دو دن میں نہیں گیا اس انتظار میں رہا کہ شاید وہ رابطہ کر لیں مگر ان کی خاموشی دیکھ کر لگتا ہے مجھے کل خود وہاں جانا پڑے گا۔"

سمعان نے وہاں کے موجودہ حالات سے عثمان احمد کو پوری طرح آگاہ کیا تھا۔

"یہ تو گھمبیر مسئلہ ہے۔ دونوں طرف سے ایک طرح کے ہی حالات ہیں۔ بندہ کس کس محاذ پر لڑے۔ میدانِ جنگ میں تو لڑنا آسان ہوتا ہے کہ وہاں سامنا دشمن سے ہوتا ہے مگر گھریلو محاذ سے کسی بھی طرح کامیابی ممکن نہیں ہو سکتی۔ یہاں ہمیں شکست دینے والے بھی ہمارے اپنے ہی ہوتے ہیں۔"

عثمان احمد دھیرے سے ہنس دیے تھے پھر باہر جانے کی نیت سے بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں باہر دیکھوں کیا حالات چل رہے ہیں؟ بیک وقت کئی محاذوں پر لڑنے کی ضرورت ہے۔"

عثمان احمد کی بات پر وہ بھی مسکرا دیے اور پھر عثمان کو باہر نکلتے دیکھ کر وہ بھی اس کے ہمراہ ہو لیا تھا۔

PDFSHARE.BLOGSPOT.COM

وہ سلائی مشین رکھے نورین کا سوٹ سلائی کر رہی تھی۔ گریجویشن کے بعد اس نے صرف تین ماہ سلائی انسٹی ٹیوٹ جوائن کیا تھا۔ آج کل وہ گھر بیٹھے خاندان بھر کی لڑکیوں کے سوٹوں پر نت نئے ڈیزائن بنا بنا کر اپنی سلائی میں مہارت پیدا کر رہی تھی۔

یہ ڈیزائن اس نے میگزین میں دیکھا تھا۔ سوئی دھاگے اور موتیوں کا ورک ہوا تھا۔ دو دن لگا کر اس نے بڑی محنت سے قمیص کی آستینوں اور گلے پر کڑھائی کی تھی۔ موتی بھابی نے لگا دیے تھے اور اب بیٹھی وہ اس کی سلائی کر رہی تھی۔

امی اپنی بڑی بہن واجدہ خالہ کی طبیعت معلوم کرنے گئی ہوئی تھیں۔ گزشتہ تین روز سے شارق بھائی گھر نہیں لوٹے تھے۔ ان کے آفس جو بھی گیا تھا وہ وہاں بھی نہیں ملے تھے۔ ہر کوئی مایوس ہو کر لوٹا تھا۔ شارق بھائی کی طرف سے اس درجہ فکرمندی کی وجہ سے واجدہ خالہ بیمار پڑ گئی تھیں۔ کل سے انہیں بخار تھا اور آج اماں ان کی عیادت کو چلی گئی تھیں۔ اس وقت گھر میں وہ اور بھابی ہی تھیں۔ بھابی شام کی تیاریوں کے سلسلے میں کچن میں گھسی ہوئی تھیں جب کہ وہ پوری تندہی سے اپنے کام میں مصروف تھی۔

''السلام علیکم۔'' وہ مشین پر جھکی ہوئی تھی جب اپنی پشت پر آواز سن کر وہ فوراً سیدھی ہوئی۔

آنے والے کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر اپنائیت سے لبریز مسکراہٹ ابھر آئی۔

''وعلیکم السلام۔ بڑے دنوں بعد تمہیں ہمارے گھر کی یاد آئی ہے۔'' نویرہ شکوہ کیے بغیر نہ رہی تھی جب سے اس کی منگنی ہوئی تھی وہ صرف ایک بار ان کے ہاں آیا تھا اور اب شکل دکھا رہا تھا۔

''بس پڑھائی میں مصروف تھا۔'' وہ قالین پر مشین رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بھی جوتا اتار کر اس سے کچھ فاصلے پر کشن پر بیٹھ گیا تھا۔

رضا اس دن کے بعد آج دیکھ رہا تھا۔ اتنے دن کس قدر وہ دل کو سمجھا چکا تھا مگر یہ پاگل دل کسی بھی طور پر نہ مانا تو وہ اب مجبور ہو کر یہاں تھا۔ اس کی پیاسی نظریں نویرہ کے چہرے پر دیوانہ وار رقصاں تھیں۔ وہ یوں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے جا رہا تھا جیسے اس کی نظریں جنموں سے اس دید کی پیاسی ہوں۔

''رضا!'' وہ مشین پر جھکی ہوئی دھاگہ ڈال رہی تھی۔ جھکے جھکے ہی پکارا تھا۔ رضا کو لگا جیسے اس کے گرد گھنٹیاں سی بج گئی ہوں۔

''ہوں۔''

''تم اتنے دن کیوں نہیں آئے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ رضا کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا تھا۔

''آپ نے یاد کیا تھا؟'' وہ جیسے آسمان پر جا بیٹھا تھا۔

''بہت زیادہ۔'' اس نے دھاگہ ڈال کر سر اونچا کیا تھا۔ رضا نے اس کی گہری سیاہ صاف وشفاف آنکھوں میں جھانکا۔ اس کا دل ان نین کٹوروں میں ڈوب ڈوب گیا تھا۔

''میں بھابی سے روز کہتی تھی کہ تم لوگوں کے ہاں چلتے ہیں مگر روز کوئی نہ کوئی کام آ پڑتا تھا۔ آج بھی میرا ارادہ ہو رہا تھا مگر اماں واجدہ خالہ کے ہاں چلی گئی ہیں۔'' قمیص کا کپڑا سیدھا کر کے وہ مشین کے پیر کے نیچے رکھ رہی تھی۔ رضا کی نظریں اس کی سیدھی مانگ میں الجھنے لگیں۔

''آپ نے مجھے یاد کیوں کیا تھا؟'' وہ نجانے کیا سننا چاہتا تھا۔

''ظاہر ہے تم اپنی زبان سے نہ کہو مگر تم مجھ سے میری منگنی پر خفا تھے۔ تم تو اتنے اچھے دوست جیسے بھائی ہو۔ تمہاری خفگی میں بھلا سہہ سکتی ہوں۔''

نویرہ نے ایک لمحے کو رضا کے ایک دم زرد پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

''چھن..... چھن۔'' کر کے رضا کے سینے کے اندر بہت کچھ ٹوٹتا چلا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پردہ سا بننے لگا۔

''اچھا دوست..... بھائی۔'' وہ زیر لب بولا۔ رضا کا دل لہولہو ہوتا چلا گیا۔ اس نے ایک خفگی بھری نظر نویرہ پر ڈالی تھی مگر وہ سر جھکائے مشین چلا رہی تھی۔ اس کی پوری توجہ کپڑے پر تھی۔

''تمہاری اہمیت تو شاید اس کپڑے سے بھی کم ہے۔'' وہ خود ترسی کا شکار ہونے لگا تھا۔

''ارے رضا حمید آیا ہوا ہے۔'' بھابی کچن سے نکل کر لاؤنج میں آئیں تو سامنے ہی اسے براجمان دیکھ کر فوراً کہا تھا۔ رضا نے فوراً سنبھل کر سلام کیا تھا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔ بہت دنوں بعد شکل دیکھ رہے ہیں تمہاری کہاں ہوتے ہو آج کل۔'' وہ نویرہ کے پاس ہی ٹک گئی تھیں۔ رضا بمشکل مسکرایا۔

''مجھے کہاں ہونا ہے؟ گھر میں ہی ہوتا ہوں۔'' اس نے استہزائیہ کہا تھا۔

''رمشاء کیسی ہے۔ اسے بھی لیتے آتے۔ وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ میں اس قمیص کا ڈیزائن ضرور دکھاؤں۔ آ کر وہ بھی دیکھ لیتی۔'' اچانک نویرہ کو خیال آیا تو کہنے لگی۔ رضا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''وہ کہاں مل گئی آپ کو؟''

''کل میں اور بھابی ''چھپائی والے'' کی دکان پر گئے تھے۔ کچھ میٹریل چاہیے تھا وہ بھی اپنی دوستوں کے ساتھ تھی۔''

''اوہ اچھا۔'' اسے ایک دم اس ماحول سے اکتاہٹ ہونے لگی یا شاید رمشاء کے ذکر سے۔

''تائی جان کب آئیں گی؟'' اب کے اس نے برائے بات پوچھا تھا۔

''امی رات کو آئیں گی۔ ویسے نویرہ یہ شارق صاحب کچھ کھسکے ہوئے نہیں ہیں۔ مہینے میں ایک آدھ

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

بار انہیں ایسا دورہ ضرور پڑتا ہے۔" علی کو جواب دے کر بھابی نے ساتھ ہی شارق پر بھی تبصرہ کیا تھا۔

"ایسے تو نہ کہیں اچھے خاصے ہیں۔ بس ذہنی طور پر کبھی ڈسٹرب ہو جاتے ہیں۔ نبیل بھائی نے بتایا نہیں کہ کس قدر خستہ حال اور برسوں کے بیمار لگ رہے تھے۔"

نویرہ سب کام چھوڑ کر ایک دم افسردہ ہو گئی تھی۔

نجانے کیوں اسے شارق کی شخصیت کے الجھے اسرار حل کرنے کا شوق تھا۔

وہ ان سے ان کا مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی۔ ان کے ذہنی خلفشار کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔ وہ ان کے اندر تک اتر کر ان کو ازبر کر لینا چاہتی تھی۔

کبھی کبھی اس کے اندر بڑی انوکھی وانہونی خواہش بھی کروٹ لیتی تھی کہ وہ اپنی تمام خوشیاں ان کو دے کر ان کی آنکھوں کے تمام کرب' ان کے اندر کے سارے غم' زندگی کے سارے دکھ اپنے آنچل میں سمیٹ لے اور انہیں کہے کہ "شارق بھائی آپ صرف مسکرائیں۔ آپ مسکراتے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں۔" مگر وہ ان سے یہ کبھی نہ کہہ پائی تھی ہر دفعہ ان سے سامنا ہونے پر صرف سوچ کر دل مسوس کر رہ جاتی تھی۔

انہوں نے اس کی منگنی پر جو بریسلیٹ دیا تھا۔ وہ اس وقت بھی اس کی کلائی میں موجود تھا۔ بریسلیٹ کو انگلیوں کی پوروں سے چھوتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے شارق زمان کا بھرپور توانا و دلکش وجیہ سراپا آسمایا تھا۔

دل نے ایک کروٹ بدلی تھی۔

وہ ایک دم سنبھلی تھی۔ یوں ہی گھبرا کر اس نے یہ دیکھنے کے لیے اس کی اس خودفراموشی کو کسی نے محسوس تو نہیں کیا۔ بھابی کو دیکھا تھا وہ اپنی قمیص دیکھ رہی تھیں۔ اس نے دوسری نظر رضا پر ڈالی تھی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

نجانے کیا تھا؟ کون سی چیز تھی۔ نویرہ کا دل سکڑ کر سمٹا تھا۔

"رضا!" اس کی آواز نے رضا کا ارتکاز توڑ دیا تھا۔

نویرہ اسے کھوجنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ نظریں جھکا گیا۔

"کیا بات ہے؟ میں دیکھ رہی ہوں تم آج کل کچھ الجھے الجھے بلکہ پریشان رہنے لگے ہو۔ کوئی مسئلہ ہے؟" وہ یہی اخذ کر سکی تھی سو بہت خلوص سے پوچھ بھی لیا تھا۔ اس نے ایک دم نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ میں تو شارق بھائی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" اس نے ایک دم بات پلٹ دی تھی۔ نویرہ کو یقین تو نہ آیا مگر اس نے اپنی کھوجتی نظریں بھی ہٹالی تھیں۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا جیسے بھاگنے کو ہو۔

"بیٹھو تو سہی۔ کھانا بس تیار ہی ہے۔ کھا کر ہی جانا۔" بھابی نے ہی اسے روکا تھا۔

"نہیں بھابی! مجھے گھر جا کر پڑھنا بھی ہے۔ چلتا ہوں پھر کبھی آؤں گا اللہ حافظ۔" عجلت میں کہتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

"بھابی! آپ نے محسوس کیا ہے کہ رضا کچھ بدل گیا ہے۔ پہلے تو جب بھی آتا تھا ایک ادھم مچائے رکھتا تھا۔ خاموش تو بیٹھا ہی نہیں جاتا تھا اس سے۔ زبان ہر وقت چلتی رہتی تھی۔ پچھلی مرتبہ دعوت میں بھی چپ چاپ کھویا کھویا سا رہا تھا اور اب بھی ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر چلا گیا ہے اور بات چیت بھی بس برائے نام ہی کی ہے۔ مجھے لگتا ہے اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے جسے وہ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہتا ورنہ مجھے تو ضرور بتاتا۔ خیر میں بھی پتا کروالوں گی آخر وہ پریشان کیوں ہے؟" وہ بھابی سے کہہ رہی تھی۔

"ہاں محسوس تو میں نے بھی کیا ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ میں اپنے کمرے میں جا کر دیکھوں گڑیا اٹھ تو نہیں گئی۔" بھابی بھی اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ وہ بھی ایک بار پھر مشین پر جھک گئی تھی۔ اسے آج ہی یہ قمیص مکمل کرنا تھی۔

اگلے دن فرح اور علی اپنے اپنے کالج روانہ ہو گئے تھے۔ رات نفیسہ آپا یہیں ٹھہری تھیں۔ طاہرہ کا خیال تھا کہ وہ چلی جائیں گی مگر رات ان کے ٹھہرنے کا پروگرام دیکھ کر وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھیں۔ اب صبح سے لے کر عثمان احمد' سمعان احمد' سعید احمد سمیت باقی لوگ بھی ان کے ساتھ ہی لگے ہوئے تھے۔ وہ بظاہر کچن میں ماجدہ کے ساتھ مصروف رہی تھیں مگر سارا وقت وہ جلتی کڑھتی رہی تھیں۔ خدا خدا کر کے علی اور فرح کے بعد سمعان احمد بھی اپنے آفس کے لیے روانہ ہوئے تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ نجانے کیا بات تھی کہ وہ سمعان احمد کو اپنے سوا کسی اور جانب متوجہ دیکھ ہی نہیں سکتی تھیں۔ سعید احمد آج آفس نہیں گئے تھے۔ انہیں اندر ہی اندر یہ بات بھی کھٹک رہی تھی مگر وہ ان سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں۔

دونوں کے درمیان ایک خلیج تو نجانے کب سے حائل تھی مگر ایک ہفتے سے بول چال بالکل بند تھی۔ اب سعید احمد کو اپنی بہن کے آگے بچھتے دیکھ کر ان کے اندر آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

عثمان احمد کتنے مہینوں بعد ملنے آیا تھا مگر انہیں اس کے پاس بیٹھ کر بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ کل سے وہ پھوپھی' باپ' بہن بھائیوں کے ساتھ مصروف تھا۔ ماں کا تو شاید اسے احساس ہی نہ تھا۔ یہ دکھ بھی اندر ہی اندر گھلا رہا تھا۔

کچن کا کام ختم ہوتا وہ ماجدہ کو چند ہدایت دیتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جانے کی نیت سے راہداری سے گزر رہی تھیں مگر اندر سٹنگ روم میں ہونے والی گفتگو نے ان کے قدم روک لیے تھے۔

اس وقت گھر میں ملازموں اور ان کے علاوہ نفیسہ آپا عثمان احمد اور سعید احمد بھی تھے۔

"آپا! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر یہ بات وہ کم عقل عورت بھی تو سوچے۔ زندگی جیسے بھی گزر گئی وہ الگ قصہ ہے۔ مجھے اس عورت سے زندگی کے اس موڑ پر آ کر کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ میں بھی اپنے بچوں کی بہتری کے لیے ہی یہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں اور وہ کم عقل عورت ہے کہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے۔" آواز اگرچہ دھیمی تھی مگر لہجے کی تندی و ترشی غصے سمیت صاف عیاں تھی۔ طاہرہ بیگم

POESTUFF.BLOGSPOT.COM

لق دق کھڑی رہ گئی تھیں۔ آگے بڑھنے کا خیال ہی نہ رہا۔

''وہ اگر ضد پر اڑی ہے تو تمہیں ہی عقل کرنی چاہیے۔ ایک بات تم بھی مانو گے۔ زبردستی سے چیزیں سدھرتی نہیں بلکہ ٹوٹ جاتی ہیں اور عورت کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہونے والی ٹیڑی ہی چیز ہے۔ اسے اب انسان کا کام ہے کہ عقل سے' محبت سے' پیار سے سیدھا کرے ورنہ کچھ بھی ہاتھ نہیں آنے والا۔'' نفیسہ آپا کی آواز تھی۔

''ہونہہ۔ وہ عورت محبت و پیار سے سمجھنے والی نہیں ہے اور محبت و پیار کے مظاہرے بھی آپا تب ہوتے ہیں جب دوسری طرف کچھ گنجائش ہو جب کہ وہ اس گھر میں ملاوٹ زدہ دل لے کر آئی تھی اور ایسی ہی نحوست اس نے اپنے ساتھ ساتھ میری زندگی میں بھی گھول دی ہے۔''

سعید احمد کے لہجے میں زمانے بھر کی تلخی تھی۔ طاہرہ بیگم کو ایک پل کو لگا تھا کہ ان کا پورا وجود اس تلخی وحقارت کے ذرّوں میں تبدیل ہو کر ہوا کے گرداب میں گم ہو گیا ہو۔

''نہیں سعید احمد! تم نے اپنی زندگی گزار لی۔ اب بچوں کی باری ہے۔ وہ چھوٹے تھے اب بڑے ہو گئے ہیں۔ ان کی بقا کے لیے سوچو' جذباتی ہونے یا انا میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ان بچوں کی ماں ہے۔ اس کے بھی ان بچوں کے متعلق کچھ خواب ہیں اسے اہمیت دو۔'' طاہرہ کو نفیسہ آپا کا کردار ایک مکّار عورت کا سا لگا، جو اُن کے سامنے کچھ اور ہے اور بھائی کے سامنے اور ہے۔

''ابو جان! پھپھو صحیح کہہ رہی ہیں۔ آپ کو اپنی ضد چھوڑنا ہو گی۔ امی وہاں راضی نہیں ہیں تو آپ کو بھی سوچنا چاہیے۔ حالات کے موافق ہونے کی تدبیر کرنی چاہیے نہ کہ اس طرح کا رویّہ اختیار کر کے سنورتے حالات کو بھی مزید بگاڑ دیا جائے۔''

یہ عثمان کی آواز تھی۔ طاہرہ بیگم کو لگا ان کا رہا سہا مان بھی ختم ہو گیا ہے۔ بیٹے کی یہ ساری گفتگو سن کر..... ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا۔

''یار! تم بھی اپنی ماں کی حمایت کر رہے ہو۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بلوایا تھا۔'' سعید احمد عثمان کے اس طرح سمجھانے والے انداز پر ٹوک گئے تھے۔

''گستاخی معاف مگر آپ نے مجھے اس لیے بلوایا تھا کہ میں امی کو منالوں مگر ان کو منانا بہت مشکل ہے۔ میں آپ کو درست راہ بتا رہا ہوں۔ سمعان احمد کی عمر واقعی شادی کی ہی ہے مگر زرش بھی کہیں بھاگی نہیں جا رہی۔ آپ شوق سے اسے بیاہ کر لے آیئے گا مگر امی کو راضی کر کے اور سمعان بھی یہی چاہتا ہے بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ رہا ہے امی کی رائے و مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو گا۔ وہ راضی ہوں گی تو یہ شادی ممکن ہے ورنہ نہیں۔''

طاہرہ بیگم سپاٹ چہرہ لیے کھڑی تھیں۔

''میرے جیتے جی شائستہ تمہاری لڑکی میرے گھر میں اس حیثیت سے قدم بھی رکھ لے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نہیں جانتی' نہیں سمجھتی کہ تم ماں بیٹی نے میرے بیٹے کو کس طرح انگلیوں پر ڈالا ہوا ہے مگر یاد رکھنا میرے جیتے جی تمہارا یہ خواب پورا ہونے والا نہیں ہے۔'' ان کا روم روم نفرت سے بھرا تھا۔ انہوں

نے ایک سلگتی ہوئی نظر اندر کے منظر پر ڈالی۔ دروازے کی اوٹ سے سعید احمد اور عثمان بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے جب کہ ساتھ والے صوفے پر نفیسہ آپا تھیں۔

''میں نے سعود احمد سے بات کی ہوئی ہے۔ میں کیسے پیچھے ہٹ جاؤں؟ پہلے ہی سمعان احمد کی شادی کو دیر ہوتی جا رہی ہے۔'' اب کے سعید احمد جھنجلا اٹھے تھے۔

''تو کیا طاہرہ کی غیر موجودگی میں یہ سب کچھ کر کے خوش رہ لو گے؟'' نفیسہ آپا نے تاک کے تیر لگایا تھا۔ سعید احمد نے پہلو بدلا تھا۔

''مجھے اس عورت کی پروا نہیں۔ پہلے بھی تو وہ اس گھر میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ میرے بچوں کی خوشیاں اس کے بغیر بھی ہو جائیں گی۔''

طاہرہ کئی لمحے ساکت وصامت کھڑی رہی تھیں۔ کتنی آسانی سے سعید احمد نے کہہ دیا تھا۔ وہ لرزتی' جھلملاتی آنکھوں سے ادھر ہی دیکھے گئیں جہاں سعید احمد براجمان تھے۔ ان کے دل پر بڑی گہری چوٹ لگی تھی۔

''سعید احمد تم آج بھی اتنے ہی سفاک وظالم ہو جتنے ماضی میں تھے۔ کاش میں تم سے تمہاری اس نفرت کا' اپنے یوں دھتکارے جانے کا حساب مانگ سکتی۔'' وہ اندر ہی اندر سلگ اٹھی تھیں۔ دل ودماغ میں کئی یادیں مچل اٹھی تھیں مگر وہ کیسے حساب مانگتیں؟

وہ تو کل بھی خسارے میں تھیں آج بھی اور شاید ساری عمر اسی خسارے کا بھگتان بھگتنا تھا۔

''ابو پلیز! وہ عورت ہماری ماں ہے۔ اس نے ہمیں جنم دیا ہے۔'' عثمان احمد کا دبا دبا لہجہ طاہرہ کے دل کا لہو لہو کر گیا تھا۔

''یہی تو رونا ہے۔ کاش وہ عورت تم لوگوں کی ماں نہ ہوتی تو میں نجانے کب کا سارے حساب بے باق کر چکا ہوتا۔ اسے اپنی ضد چھوڑنا ہو گی۔ یہ میری بھی ضد ہے ورنہ وہ میری طرف سے آج ہی فارغ ہیں۔''

''ابو پلیز!'' عثمان احمد ملتجی ہوا تھا۔

''عثمان! مجھے مجبور مت کرو۔ میں اپنی اولاد کے سامنے تماشا بن گیا ہوں۔ لوگ تو ایک طرف..... میں اپنے بچوں سے نظر ملانے کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے زندگی میں کوئی اتنا بڑا گناہ کیا ہو جس کی سزا مجھے تم لوگوں کی ماں کی صورت بھگتنا پڑ رہی ہے۔''

وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے تھے۔ طاہرہ بیگم کے پتھر وجود میں حرکت ہوئی تھی۔

''یہ شخص آج بھی اسی مقام پر ہے۔'' وہ رو رہی تھیں۔ ان کا جی چاہا دھاڑیں مار مار کر اپنی بدقسمتی کا اعلان کریں۔ ''تخت یا تختہ..... ساری عمر میں نے اس شخص کے نام کی خاطر اذیت سہی اب نہیں۔ آج ہی فیصلہ ہو جائے تو بہتر ہے۔ میں بھی دیکھتی ہوں یہ شخص کس حد تک جا سکتا ہے؟ میری اولین نادانی کی مجھے کس حد تک سزا دے سکتا ہے۔'' وہ ایک دم مقابلے پر اتر آئی تھیں۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے بالکل نابلد ہو کر۔

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

وہ ایک دم دروازے سے اندر داخل ہوگئی تھیں۔ وہاں موجود تینوں نفوس نے انہیں حیرت سے دیکھا تھا۔عثمان احمد ان کے چہرے پر آنسو دیکھ کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''امی.....'' عثمان احمد کو طاہرہ بیگم کو دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا کہ بس اب کوئی طوفان آنے ہی والا ہے۔

طاہرہ بیگم عثمان کی پکار کی پروا کیے بغیر سعید احمد کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔ وہ انہیں یوں کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر نخوت سے سر جھٹک کر چہرے کا رخ ہی موڑ گئے تھے۔

''آپ کو آج جو بھی فیصلہ کرنا ہے۔ وہ کرلیں میں بھی دیکھوں اپنی بہن اور بیٹے کی شہ پا کر آپ کس حد تک جا سکتے ہیں۔'' انہیں کسی چیز کا اب خوف یا ڈر نہ تھا۔ بے خوف وخطر لہجے میں کہہ رہی تھیں۔نفیسہ آپا ڈر کر آگے بڑھ آئیں۔

''میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔'' انہوں نے حقارت سے کہا تھا۔عثمان تڑپ کر آگے بڑھا تھا۔

''ابو جی پلیز!'' اسے ماں کی یوں برملا تذلیل برداشت نہیں ہوئی تھی۔

''تو پھر اپنی ماں سے کہو وہ میرے سامنے نہ آیا کرے۔ اسے سامنے دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے شدید نقصان کا احساس ہوتا ہے۔شکر کرے ابھی بھی یہ میرے نام پر میرے گھر میں آباد ہے۔''

طاہرہ کو لگا انہوں نے آج سب کچھ تو کہہ دیا تھا۔ایک جوان بیٹے کے سامنے ان کے الفاظ ان کے سینے پر بھالے کی طرح لگے تھے اور خون رسنے لگا تھا۔

وہ بلک بلک کر رونے لگیں۔

''امی پلیز! آپ ہی یہاں سے چلی جائیں۔ بے وقوفی مت کریں۔ زندگی یوں جذباتیت سے نہیں گزرتی پلیز۔'' عثمان احمد نے ایک دم ان کو کندھوں سے تھام لیا تھا جو ان کے الفاظ سن کے بے یقین نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے ٹوٹے پتے کی طرح لرز رہی تھیں مگر دوسری جانب پروا ہی کب تھی۔

''عثمان! پوچھو ان سے کیا قصور تھا میرا؟ میری ساری اولاد کو میرے خلاف ورغلا دیا ہے اور اب بھی اسے سکون نہیں۔ جو جرم تھا اس کا اقرار ساری عمر کیا اب کیا چاہتے ہیں یہ؟'' وہ پھٹ پڑی تھیں۔عثمان احمد کچھ نہیں سمجھ پایا تھا۔بس ماں کو کندھوں سے تھام کر ساتھ لے لگا لیا تھا۔

''عثمان! اسے یہاں سے لے جاؤ۔ یہ چاہتی ہے کہ اس کی عزت' اس کا بھرم برقرار رہے تو میرے سامنے سے چلی جائے ورنہ بہت برا ہو سکتا ہے۔'' وہ خود پر بہت ضبط کر رہے تھے۔ خاموش کھڑی نفیسہ آپا نے تاسف سے دونوں کی دیکھا اور پھر عثمان کی موجودگی پر انہیں گھورا بھی۔

''آفرین ہے تم پر بھی سعید احمد! طاہرہ تو اس وقت جذباتی ہو رہی ہے۔ کم از کم تم ہی ہوش کے ناخن لو۔'' انہوں نے اس کے آتش فشاں موڈ کو دیکھتے ہوئے ٹوکا تھا۔

''ساری عمر یہی تو کرتا آرہا ہوں۔'' طاہرہ بیگم عثمان کے حصار میں زاروقطار رو رہی تھیں۔ وہ ایک نگاہ غلط ڈال کر تیزی سے قدم اٹھاتے باہر نکلتے چلے گئے تھے۔

ان کے باہر نکلنے پر نفیسہ آپا نے سکون کا سانس لیا ورنہ ان کا دل کانپ رہا تھا کہ کہیں طاہرہ کی جذباتی طبیعت سعید احمد کے منہ سے برسوں سے پردہ پوشی کرتے راز کو ہی طشت ازبام نہ کر دے۔

طاہرہ!'' انہیں بہت دکھ ہو رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر طاہرہ کو تسلی دینا چاہتی تھیں مگر وہ ان کے کچھ بولنے سے پہلے ہی پھٹ پڑی تھیں۔

''نام نہ لیں میرا.....مل گیا سکون آپ کو بھی..... آگ لگائی ہوئی ہے مل کر آپ نے بھی اور اس عورت نے بھی۔ اب وہ جو چکر چلا رہی ہے کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گی میں۔ اس کی بیٹی کو آگ لگا دوں گی جس طرح میرے اندر لگی ہوئی ہے..... مکار عورت۔'' وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں اور پھر عثمان احمد کے بازو جھٹک کر وہ کمرے سے ہی نکل گئی تھیں۔

نفیسہ آپا کی آنکھیں بھر آئیں۔عثمان بھی گنگ کھڑا تھا پھر اس نے حرکت کی تھی۔

''پھپھو!'' عثمان کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

''ہوں۔'' انہوں نے آنسو پونچھے۔

''امی' ابو جان اور شائستہ چچی میں آخر ایسی کون سی بات ہے جس نے نوبت یہاں تک پہنچا دی ہے؟ بچپن سے لے کر اب تک امی ابو کی ہر لڑائی میں شائستہ چچی اور چچا کے ذکر کے ساتھ کچھ مبہم سی پرتجسس باتیں بھی سننے کو ملی ہیں۔ خود سے بڑھ کر کبھی جاننے کی کوشش نہیں کہ اس سے باپ کا بھرم ٹوٹ جاتا ہے۔ صرف بھرم ہی نہیں دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ امی اور ابو کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں' سمجھتے ہیں۔ آج آپ مجھے وہ بات بتائیں جس نے دلوں میں اس قدر نفرت کاشت کر دی ہے کہ اولاد بھی اسے ختم نہیں کر پا رہی۔ پلیز پھپھو مجھ سے چھپائیں نہیں۔ اب ہم بچے نہیں ہیں۔ کم از کم میں نہیں۔ میں اپنی ایک زندگی شروع کر چکا ہوں۔ یہ نفرت کی کاشت یہاں رکنے والی نہیں۔ اس کے اثرات بہت آگے تک جائیں گے۔ مجھے علم ہونا چاہیے کہ اس نفرت کی بنیاد کیا ہے اور کیونکر ہے؟''

وہ نفیسہ پھپھو کے سامنے ایک سوالیہ نشان بنا کھڑا تھا۔انہوں نے ایک لحظہ کو اسے دیکھا تھا پھر نظریں چرا گئی تھیں۔ اسی دن سے تو وہ ڈرتی تھیں مگر سعید احمد اور طاہرہ بیگم دونوں کو اس کی پروا نہ تھی۔

''کوئی بات نہیں ہے۔ تمہیں وہم ہو رہا ہے۔'' انہوں نے ٹالنا چاہا۔

''پھپھو پلیز! امی ابو جس طرح کے الفاظ بول رہے تھے کم از کم آپ تو مت جھٹلائیں۔ ابو اگر باہر نہ نکل جاتے تو آج یہ راز بھی فاش ہو جاتا۔ مجھے بہلائیں نہیں..... پلیز.....''

''کیا بتاؤں عثمان! مجھے مجبور نہیں کرو۔ وقت ابھی نہیں آیا۔ جب آئے گا تم لوگوں کو خود بخود ہی پتا چل جائے گا۔ بس شکر کرو کہ ایک قیامت آتے آتے ٹلی ہے۔'' صوفے پر ٹکتے اپنے آنسو پونچھتے انہوں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تھا۔عثمان چند لمحے لب بھینچے کھڑا دیکھتا رہا تھا مگر پھر تیزی سے کمرے سے نکلنے لگا تھا۔ جب وہ پیچھے سے کہہ رہی تھیں۔

''اپنی ماں سے پوچھو گے تو وہ کبھی نہیں بتائے گی۔ کوئی بھی والدین گوارا نہیں کرتے کہ ان کی اولاد کی نظروں میں ان کا بھرم ٹوٹے۔ اگر انہوں نے تم بچوں کو بتانا ہی ہوتا تو نوبت یہاں تک آتی ہی

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

کیوں.....؟ جو کچھ ہو رہا ہے اسے وقت پر چھوڑ دو۔ وقت سب سے بڑا استاد ہے۔ وہ تمہیں سب کچھ سکھا دے گا۔'' عثمان نے پلٹ کر ناراض نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''یہاں سب تمہاری ماں اور باپ کے خیر خواہ ہیں۔ اگر کچھ معلوم کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو قیصرہ سے دریافت کرنا مگر پھر اپنے ماں باپ سے ملنے کی کوشش مت کرنا کیونکہ ان کے سر تمہارے سامنے ہمیشہ جھکے ہی رہیں گے۔ غلطی کا احساس وہ نہیں ہوتا جس کی نشاندہی دوسرے کریں بلکہ احساسِ ندامت اور غلطی کا احساس وہ ہوتا ہے جو دل میں پیدا ہو۔ اپنے ماں باپ کو ان کے حال پر چھوڑ دو جب ان کو اپنی اپنی غلطیوں کا احساس ہو گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اپنے بھیگے چہرے کو دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ عثمان احمد خاموشی سے آ کر ان کے پاس صوفے پر بیٹھ کر کندھے پر اپنا سر رکھ گیا تھا۔

''ایم سوری پھپھو! مگر میرا مقصد ان دونوں کے درمیان رنجشوں کو ختم کرانا ہے نہ کہ ان کو ندامت سے دوچار کرنا ہے۔'' انہوں نے عثمان کے بالوں میں انگلیاں پھیری تھیں۔

''سب اللہ پر چھوڑ دو۔ ہم سے جو ہو سکا ہم نے کیا ہے۔ آگے وہ جانے اور اس کا کام۔'' انہوں نے بہت ضبط سے کہا تھا۔ عثمان بس ان کو دیکھتا چلا گیا تھا۔

✿.....❁.....✿

شارق زمان آج پورے چار دن بعد اپنے آفس آیا تھا۔ اماں گھر میں بیمار تھیں۔ گزشتہ چند دن سے اپنے غم میں نڈھال وہ گھر سے بالکل لاپروا رہا تھا اور اماں اسی پریشانی میں بستر سے جا لگی تھیں۔ پچھلے سال ان کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا جس کو وجہ سے ان کی دائیں ٹانگ کاٹنی پڑ گئی تھی۔ وہ ہر وقت گھر میں ہی ہوتی تھیں۔ کہیں آنا جانا ان کا بالکل ہی بند ہو چکا تھا۔ وہیل چیئر استعمال کرتی تھیں۔ ان کے لیے شارق نے ایک کل وقتی ملازمہ کا بندوبست کر رکھا تھا۔ اپنی بزنس مصروفیات کی وجہ سے وہ گھر پر کم ہی ٹکتا تھا۔ کبھی یہاں پریس میٹنگ کا دعوت نامہ آ گیا ہے تو کبھی وہاں سے۔ اس کے علاوہ نبیل بھائی کے ساتھ اس نے اس کے کاروبار میں شراکت کی بنیاد پر بزنس بھی شروع کر رکھا تھا جس کا شارق زمان سے صرف اس حد تک تعلق تھا کہ ہر ماہ اسے نبیل کی طرف سے ایک معقول آمدنی مل جاتی تھی پھر والد صاحب کا بھی وسیع کاروبار تھا جو اس کے فاروق چچا ہی ہینڈل کرتے تھے۔ شارق کا صرف اتنا کام تھا کہ وہ کبھی کبھار جا کر فاروق چچا سے ابا جی کے کاروبار کا پوچھ لیا کرتا تھا کیونکہ آج کل سارے کا سارا کاروبار انہوں نے ہی سنبھالا ہوا تھا۔ وہ اپنی پوری توجہ اپنے میگزین کی جانب رکھے ہوئے تھا مگر اب جوں جوں وقت گزر رہا تھا وہ اس کام سے اکتاتا جا رہا تھا۔ خاص طور پر پچھلے دنوں سے وہ اس کام کو چھوڑ کر فاروق چچا کے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ ہاتھ بٹانے کا سوچ رہا تھا۔

آج اماں کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ بخار بھی اتر چکا تھا۔ سہارے سے وہ چلنے پھرنے بھی لگی تھیں۔ پچھلے تین دن خالدہ چچی جو رشتے میں اماں کی سگی بہن بھی تھیں، اماں کے پاس تھیں۔ کل رات چلی گئی تھیں۔ صبح وہ مطمئن ہو کر آفس چلا آیا تھا۔

دوپہر کے قریب وہ ایک فائل لیے اس کا مطالعہ کر رہا تھا جب آفس فون بجنے لگا تھا۔

''یس۔'' مصروف انداز میں اس نے ریسیور اٹھا لیا تھا۔

''سر آپ کی والدہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔'' دوسری طرف سے اس کا سیکرٹری کہہ رہا تھا۔

شارق زمان نے حیران ہو کر فائل سے نظریں ہٹائیں۔

اماں نے آج تک آفس فون نہیں کیا تھا پتا نہیں کیا بات تھی کہیں ان کی طبیعت پھر سے خراب نہ ہو گئی ہو اور ملازمہ نے فون کر دیا ہو۔

''بات کرواؤ۔'' وہ پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف اس کے سیکرٹری نے اس کی کال ملا دی تھی۔

''ہیلو۔'' رابطہ ہوتے ہی اس نے کہا تھا۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف بھی وہی الفاظ دہرائے گئے تھے وہ الجھا۔ یہ اماں کی آواز نہ تھی اور نہ ہی ان کی ملازمہ کی۔

''جی کون؟'' وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

''شارق زمان بات کر رہے ہیں نا۔'' دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔ اب کے وہ مزید حیران ہوا۔

''جی میں شارق زمان ہی ہوں مگر آپ کون ہیں؟'' اس نے تحمل سے جواب دیا۔

''شکر ہے تم سے بات تو ہوئی۔ میں کتنے دنوں سے کال کر رہی ہوں مگر تم تو.....''

''آپ جو بھی ہیں پہلے اپنا نام بتائیں۔'' شارق نے تندہی سے بات کاٹ دی تھی۔ اسے اپنے سیکرٹری پر غصہ آنے لگا جس نے غلط بیانی سے اس کی کال ملا دی تھی۔

''میں بدر آراء ہوں۔'' دوسری طرف سے بڑے سکون سے کہا گیا تھا۔

شارق زمان اپنی جگہ پتھر ہو گیا تھا۔

''جی.....ای.....'' اس کی زبان سے ٹوٹے بکھرے لفظ بے آواز نکلے تھے۔ اندر کی وہ آگ، جسے وہ اتنے دنوں سے بڑی مشکل سے بجھا رہا تھا۔ وہ ایک دم بھڑک اٹھی تھی۔ شعلے لپکنے لگے تھے۔ دل و دماغ ایک دم آندھیوں کی زد میں آ گئے تھے۔

کتنے مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا تھا۔ اپنے اندر کی شکست و ریخت میں اسے اپنا منتشر و بچا کھچا سراپا نکال کر وہ دوبارہ اس جگہ آ کر بیٹھا تھا مگر وہ پھر سے اس الاؤ میں دہکنے لگا تھا۔

''کون بدر آرا؟'' وہی آگ اس کے لہجے سے بھی عیاں تھی۔

''میں بدر آراء زمان۔ زمان حسین کی بیوی۔'' دوسری طرف سے پہلے سے زیادہ پرسکون لہجہ تھا۔

شارق زمان کو محسوس ہوا کہ آگ کے دہکتے کوئلے اس کے کانوں میں ڈال دیے گئے ہوں۔

''شٹ اپ۔ میں کسی بدر آراء کو نہیں جانتا۔'' وہ پھنکارا تھا۔ اندر کی آگ باہر نکلنے کو تھی۔

''چلو زمان حسین کی بیوی کو نہ پہچانتے ہو گے مگر اپنی ماں کو تو جانتے ہی ہو گے۔''

نجانے وہ عورت کس مٹی کی بنی ہوئی تھی جو اپنے بیٹے کے جذبات سے بھی کھیلنے سے باز نہ آئی تھی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

شارق زمان کا جی چاہا کہ وہ اس عورت اس کے سامنے ہو اور وہ اس کے پرخچے اڑا دے۔

''شٹ اپ۔ میں تم جیسی کسی عورت کو نہیں جانتا۔ میری ماں اپنے گھر میں بیٹھی بڑی عزت کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے۔ کوئی بدچلن اور بدکردار عورت میری نہیں ہو سکتی۔'' شارق زمان کے منہ سے شعلے نکل رہے تھے۔

آگ برس رہی تھی۔

آنکھیں وحشت و بربریت سے ابل پڑنے کو بے تاب تھیں۔

''ہا..... ہا..... ہا.....'' دوسری طرف سے زبردست قہقہے پڑنے لگے تھے۔

''بڑی اچھی بات ہے۔ میں بھی نہیں جانتی تھی کہ کوئی شارق زمان ''سچ کیا ہے؟'' کا مالک ہو سکتا ہے۔ تمہارے میگزین نے ہی بتایا ہے۔ بڑا اچھا میگزین ہے۔ بڑا جوشیلا' کڑوا سچ لکھتے ہو تم اس کے اندر۔ چند دن پہلے پڑھا تھا اچھا لگا پھر سوچا اپنے بیٹے کو مبارک باد ہی دے دوں کہ اس نے ایک بدکردار و بدچلن عورت کی کہانی اس کی بیٹی سمیت پوری دنیا کے سامنے بیان کی ہے۔ تمہارا حق بنتا ہے۔ بڑے حوصلے والے ہو تم تو۔'' وہ عورت زہر اگل رہی تھی اور شارق کو لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے کانوں میں کوئی سیسہ انڈیل رہا ہو۔

''اوہ یو شٹ اپ۔ بکواس بند کرو اپنی۔ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ آئندہ یہاں فون مت کرنا ورنہ پھر جو کچھ میں کروں گا وہ تم دیکھنا۔ نہ تم سلامت رہو گی نہ وہ تمہاری خبیث بیٹی۔'' لفظ تھے کہ زہر میں بجھے ہوئے تیر۔

شارق نے کھٹاک سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا۔

اندر ابال اٹھ رہے تھے۔

طیش بڑھتا جا رہا تھا۔

جس عورت کی پرچھائیں سے وہ بچپن سے ہی پیچھا چھڑاتا آ رہا تھا وہ زندگی کے اس موڑ پر پوری طرح اس پر حاوی ہو چکی تھی۔

زندگی میں اس کو اپنے اردگرد لوگوں سے لاکھ شکوے سہی مگر ہر بار اپنے آپ سے گھبرا کر اس نے صرف اپنی پیدا کرنے والی ماں سے ہی نفرت کی تھی۔ کبھی وہم و گمان میں نہ تھا کہ وہ ان حالات میں کسی دن اس سے ہم کلام بھی ہو گی۔

وہ تو اس عورت کی کی گئی غلطیوں کا ابھی تک خمیازہ بھگت رہا تھا اور اب اس مقام پر وہ پھر اس کے زخم تازہ کرنے اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔

اس نے وحشت سے میز پر پڑا پیپر ویٹ اٹھا کر سامنے کی دیوار پر دے مارا تھا۔

''ٹھا.....'' کی آواز کے ساتھ وہ قالین پر جا گرا تھا اور پھر کمرے میں ایک گہری معنی خیز خاموشی تھی مگر کہیں اک شور اٹھا تو..... شارق زمان کے اندر..... اس کے سینے کے اندر..... دماغ کے ہر حصے میں..... ایک گہرا شور برپا ہو چکا تھا..... وہ جو بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے تھا ایک دم بکھرتا چلا گیا تھا۔

کرسی کی پشت سے سر ٹکائے وہ اندر کی جنگ سے لڑنے لگا تھا یا شاید خود سے ہارنے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

عصر کے قریب وہ یہاں پہنچا تھا۔ سارے دن کی ٹینشن اسے یہاں کھینچ لائی تھی اور پھر کل عثمان احمد کو چلے بھی جانا تھا۔ اس لیے وہ جانے سے پہلے چچا کی فیملی سے بھی ملنے آ گیا تھا۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا تو۔ وہ گاڑی اندر بڑھا لے آیا تھا۔ راہداری خالی تھی وہ سیدھا داخلی دروازے کی جانب بڑھا تھا۔ سامنے ہی لاؤنج تھا جہاں ہلکی آواز میں ٹی وی چل رہا تھا۔ عثمان احمد نے قدم اندر کی جانب بڑھائے تھے۔

نوشین اور چچی جان چائے پی رہی تھیں جب کہ زرش ریموٹ کنٹرول پکڑے چینل پر چینل بدل رہی تھی۔

''السلام علیکم۔'' عثمان احمد کی آواز پر تینوں نے رخ موڑے تھے۔

''عثمان۔'' وہ تینوں ہی حیرت زدہ رہ گئی تھیں۔

''عثمان بھائی۔'' زرش نے فوراً ٹی وی بند کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' شائستہ بیگم فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ عثمان احمد بھی ان کی جانب بڑھا۔

انہوں نے اس کے سر پر پیار کیا تھا۔ کتنے مہینوں بعد وہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ والہانہ نظروں سے دیکھے گئیں۔

''کیسے ہیں عثمان بھائی۔'' زرش اور نوشین بھی اس کے قریب آ کھڑی ہوئی تھیں۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم دونوں کیسی ہو۔'' بہت اپنائیت سے دونوں کے سروں پر پیار کرتے ہوئے انہوں نے بڑے بھائیوں والی شفقت سے کہا تھا۔

''اے ون۔'' زرش چہکی تھی۔ انہوں نے بغور دیکھا۔

پہلی دفعہ اس کو صرف زرش سے ہٹ کر کسی اور نظر سے دیکھ رہے تھے۔ شاید سمعان احمد کی نظر سے..... خوب صورت' گڈ لکنگ' ایکٹیو اور اسمارٹ.....

اور..... ان کی نظریں اس کے چہرے پر بھٹک بھٹک گئیں۔

''واقعی اگر سمعان دل ہارا ہے تو غلط نہیں۔ یہ معصومیت' یہ دلربائی و خوب صورتی کسی کو بھی اس کے سامنے ہرا سکتی ہے۔'' وہ خود سے کہے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

''کب آئے۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ زرش اور نوشین اردگرد براجمان ہوئی تھیں۔ شائستہ بیگم نے پوچھا تھا۔

''کل دوپہر کو آیا تھا۔ سارا دن آپ کے ہاں آنے کا سوچتا رہا مگر اب فرصت ملی ہے۔''

''کیا.....؟'' ان کے بتانے پر زرش چیخی تھی۔

''مگر کالج میں تو مجھ سے فرح نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ آپ آئے ہیں' اس نے بتایا تک نہیں۔''

''ہو سکتا ہے اسے تمہیں سرپرائز دینا مقصود ہو.....'' اس نے پکا ارادہ کیا تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"پوچھوں گی اس بدتمیز کو۔" اس نے پکا ارادہ کیا تھا۔

"نوشی، زری! بھائی آیا ہے۔ کوئی کھانے پینے کا بندوبست کرو۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور بات پوچھتی امی نے ٹوک دیا تھا۔

"کیوں نہیں ابھی لے کر آتے ہیں۔" نوشین نے بھی فوراً کہا۔ وہ اٹھ گئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ زرش کو بھی جانا پڑا کہ یہ ماما کا حکم تھا جسے وہ کبھی ٹال نہیں سکتی تھی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ عثمان بھائی کے پاس بیٹھ کر باتیں شروع کر دے۔

"اکیلے آئے ہو یا زوباریہ اور حمزہ بھی ہمراہ ہیں؟" شائستہ بیگم نے دریافت کیا تھا۔ وہ ہنس دیے۔

"نہیں۔ فی الحال میں تنہا ہی آیا ہوں۔ ابو نے بلوایا تھا ضروری کام سے۔" انہوں نے مختصراً بتایا تھا۔ شائستہ بیگم نے بغور دیکھا۔ الجھا الجھا سا افسردہ چہرہ۔ ان کا دل دکھنے لگا تھا۔

"خیریت تھی ناں؟" وہ بلوانے کی وجہ سے باخبر تو تھیں مگر پوچھے بغیر نہ رہ سکیں۔

"جی بالکل۔" انہوں نے صرف یہی کہا تھا۔

"نفیسہ آپا ادھر گئی تھیں۔ ابھی وہیں ہیں یا چلی گئی ہیں؟" انہوں نے پوچھا تھا۔

"چلی گئی ہیں بلکہ میں ابھی انہیں ہی چھوڑ کر ادھر آیا ہوں۔"

"اچھا۔" انہوں نے ایک لمحہ کو عثمان احمد کو دیکھا۔ "زوباریہ اور حمزہ کیسے ہیں؟"

"اچھے ہیں دونوں۔ اگلے ماہ ہمارا ارادہ ہے کہ چند دن رہنے کو یہاں آئیں۔" انہوں نے بتایا تھا پھر پوچھنے لگے۔

"چچا جان کب تک آئیں گے؟"

"مغرب کے بعد ہی آئیں گے۔" انہوں نے بتایا تو عثمان نے سر ہلا دیا۔ اسی اثنا میں زرش اور نوشین ٹرالی میں کولڈ ڈرنک کے ساتھ ساتھ دیگر لوازمات سجائے چلی آئی تھیں۔

"عثمان بھائی! حمزہ اور بھابی کو بھی لے آتے کتنے مہینے ہو گئے ہیں ان دونوں کو دیکھے ہوئے۔" کولڈ ڈرنک کا گلاس تھماتے زرش نے کہا تھا۔ وہ مسکرا دیے۔

"تم لوگ ہمارے ہاں آ جاؤ۔ زوباریہ بہت یاد کرتی ہے۔"

"میں تو کتنی دفعہ ماما پاپا کو کہہ چکی ہوں مگر یہ دونوں مانیں تب نا۔" ناراضگی سے شائستہ بیگم کو دیکھتے ہوئے اس نے منہ بنا کر کہا تھا۔

شائستہ زرش کی بات پر صرف سر ہلا کر رہ گئیں۔ جس دن سے سمعان احمد ناراض ہو کر گیا تھا۔ زرش بھی ان سے منہ پھلائے ہوئے تھی۔ ان سے بات بھی کرتی تھی مگر ناراضگی کا بھرپور تاثر لیے ہوئے اب بھی اس کا یہی انداز تھا۔

"فرصت ہی نہیں ملتی۔ ہر دفعہ پروگرام بناتے بناتے رہ جاتے ہیں اور سعود کسی نہ کسی کام میں الجھتے چلے جاتے ہیں۔" انہوں نے جلدی سے وضاحت کر دی تھی۔ زوباریہ بھی جب فون کرتی تھی ان سب سے اسلام آباد آنے کا ضرور کہتی تھی۔

عثمان کی شادی کے بعد وہ لوگ ان دونوں کے ہاں صرف ایک دفعہ ہی جا سکے تھے البتہ سعود احمد کتنی بار جا چکے تھے مگر پوری فیملی سمیت صرف ایک دفعہ ہی جانا ہوا تھا۔

"چلیں اس دفعہ پروگرام ضرور بنائیے گا۔ چچا جان اگر فارغ نہ ہوئے تو مجھے بلوا لیجیے گا یا پھر سمعان وغیرہ کے ساتھ آ جائیے گا۔" کولڈ ڈرنک پیتے انہوں نے کہا تو زرش کو سمعان کے نام سے یاد آیا وہ اس دن سے دوبارہ ان کے ہاں نہیں آئے تھے۔ اس نے کن اکھیوں سے ماما کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے پرسوچ نظروں سے کچھ سوچ رہی تھیں۔

"سمعان بھائی کہاں ہوتے ہیں وہ آج کل نہیں آ رہے؟" نوشین نے گویا اس کے دل کی بات چھین لی تھی۔ اس نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا جب کہ وہ بھائی کی طرف متوجہ تھی۔ ماما نے بھی عثمان کو دیکھا تھا۔ گویا وہ بھی ان کا جواب سننے کی منتظر ہوں۔

"گھر میں ہی ہوتا ہے۔ کل بھی آفس سے لوٹا تھا۔ صبح بھی آفس چلا گیا تھا۔ اس وقت میرا خیال ہے کہ وہ ادھر ہی ہوگا۔" وہ بتا رہے تھے امی نے یوں سر ہلایا جیسے واقعی سوال انہوں نے ہی پوچھا تھا۔

زرش کو ہنسی آ گئی تھی۔ اس نے ہنسی چھپانے کو سر جھکایا۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ سمعان بھائی اور ماما کے درمیان کوئی بات ہوئی تھی..... کیا وہ نہیں جانتی تھی مگر اتنا وہ سمجھ چکی تھی۔ سمعان بھائی کو ناراض کر کے وہ خود بھی بے چین ہیں۔ لاشعوری طور پر وہ ان کی آمد کی منتظر بھی تھیں۔

ابھی وہ لوگ باتیں ہی کر رہی تھیں جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ زرش نے فوراً لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"السلام علیکم۔" سی ایل آئی پر آنے والا نمبر دیکھ کر زرش کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

"وعلیکم السلام۔" سمعان کی گھمبیر آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"کیسی ہو زرش؟" وہ پوچھ رہے تھے۔ اس دن کے بعد آج سمعان احمد کی آواز زرش کے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ وہ خوش تھی اور اپنی خوشی کا سبب وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ سوائے اس کے کہ آج کتنے دنوں بعد انہوں نے کال کی تھی۔

"آپ کو اس سے کیا؟ آپ تو ہم سب کو بھول ہی گئے ہیں۔ اس دن سے ایک دفعہ بھی فون کرنے کی زحمت نہیں کی۔" معصومیت سے غیر ارادی طور پر وہ شکوہ کر بیٹھی تھی۔ شائستہ بیگم کا سارا دھیان اسی جانب تھا۔ انہیں سمجھنے میں قطعی دشواری نہیں ہوئی تھی کہ دوسری جانب کون ہے..... ان کے دل میں ہلچل سی ہونے لگی تھی۔

"ناراض ہو؟"

"نہیں جی۔ میں کیوں ناراض ہونے لگی۔ بہت خوش ہوں قسم سے آپ سے لڑنے کو دل چاہ رہا ہے۔"

اب تو عثمان نے بھی سمجھنے میں دیر نہیں کی تھی کہ کس کا فون ہے..... البتہ زرش کی بات پر وہ ہنس پڑے تھے۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"سمعان بھائی کا فون ہے؟" نوشین نے بھی پوچھا تو اس نے فوراً سر ہلایا۔

"لڑ لینا آج رات یا پھر کل آؤں گا۔ چچی امی سے ابھی کچھ حساب بے باق کرنے ہیں۔ تم سے بھی نمٹ لوں گا۔" دوسری طرف سے بڑے سکون سے فرمایا گیا تھا۔ وہ سلگ گئی۔

"تو پھر اب فون کیوں کیا ہے؟ ماما سے تو آپ کبھی بھی مل سکتے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہمیں کیوں نظرانداز کر رہے ہیں۔" شائستہ بیگم کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔ عجیب لڑکی تھی۔ ان کی خفگی پر اشاروں کنایوں میں سمجھانے پر بھی وہی بے تکلفی' وہی لاپروائی جوں کی توں برقرار تھی۔

"بہت ناراض ہو۔" دوسری طرف سمعان احمد اس کی خفگی سے بھرپور آواز سے لطف اٹھا رہا تھا۔ گھمبیر سی آواز میں عجیب سی تپش بھی تھی۔ اس پاگل لڑکی کا دھیان کب تھا ادھر جو محسوس بھی کرتی۔

"بہت زیادہ۔ ایک دفعہ میرے ہاتھ لگ جائیں پھر بتاؤں گی۔" اس نے دانت کچکچائے تھے۔

سمعان احمد ہنستا چلا گیا۔

"زرش لاؤ ریسیور مجھے دو۔" ماما سے اس سے زیادہ برداشت نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے خود ہی بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ وہ منہ بناتی واپس اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔

"کیسے ہو سمعان؟" شائستہ بیگم کا انداز نارمل تھا۔ دوسری طرف سمعان احمد بالکل چپ ہو گیا۔

"ٹھیک ہوں۔ مجھے دراصل یہ پوچھنا تھا کہ کہیں عثمان بھائی ادھر تو نہیں آئے؟ ان کا موبائل آف ہے شاید۔ کال نہیں جا رہی۔" سنجیدگی سے سمعان احمد پوچھ رہا تھا۔ ناراضگی کا واضح تاثر موجود تھا۔ شائستہ کے لبوں پر خودبخود مسکراہٹ سمٹ آئی۔

"ہاں عثمان یہیں ہے۔ تم بھی آ جاؤ۔ میں کھانا بنواتی ہوں۔ ادھر ہی آ کر کھانا۔" ایک دم انہوں نے کہہ دیا تھا۔ زرش نے حیران ہو کر دیکھا۔ عثمان خاموش تھا۔

"مگر چچی جان....." دوسری طرف ان کے رویے پر حیران ہوتے سمعان نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے بات کاٹ دی۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔ رات کو تم آ رہے ہو۔ عثمان کو بھی کھانا کھائے بغیر جانے نہیں دوں گی پھر جو چاہے پوچھ لینا میں تیار ہوں۔"

اتنے دنوں سے وہ خود سے لڑ لڑ کر ہاری تھیں۔ وہ ان بچوں سے دور رہ بھی نہیں سکتی تھیں۔ سمعان احمد کی صرف یہ تین چار دن کی خفگی ان کے دل کو اندر ہی اندر چھیڑے جا رہی تھی۔ اوپر سے زرش کا خفگی بھرا لاتعلق سا انداز..... انہیں احساس ہو گیا تھا کہ سمعان احمد ان کی جانب سے کس قدر دلگرفتہ ہو کر گیا ہو گا۔

"ہم انتظار کریں گے رات کو۔" انہوں نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

وہ نوشین اور زرش کی طرف پلٹی تھیں جو دمکتے چہرے لیے اسی جانب متوجہ تھیں۔

"رات کھانے کا اچھا سا انتظام ہونا چاہیے۔ کوارٹر سے یاسمین کو بلوا لو اور تم دونوں بھی میرے ساتھ کچن میں چلو۔ عثمان اور سمعان دونوں ہوں گے۔ کتنے دنوں بعد تو یوں یہ بچے اکٹھے ہو رہے ہیں۔" ماما

کا انداز پرجوش سا تھا۔ سمعان احمد سے بات کر لینے کا احساس تھا یا پھر کیا تھا وہ ایک دم متحرک ہو گئی تھیں۔ زرش اندر ہی اندر خوش ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"آئیں بھائی کچن میں چلتے ہیں۔ وہاں باتیں بھی کریں گے اور کام بھی۔"

شائستہ بیگم اور نوشین کو کچن کی طرف جاتا دیکھ کر اس نے عثمان کا بازو پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹا تھا۔ وہ بھی ہنستے ہوئے اس کے ساتھ ہی ہو لیے تھے کہ یہ لڑکی انہیں بھی بہت عزیز تھی۔

✿.....✿.....✿

کالج سے آنے کے بعد وہ عجب بولائی بولائی پھر رہی تھی۔ عثمان بھائی پھپھو کو چھوڑنے گئے ہوئے تھے۔ اسے یہ بات ماجدہ نے بتائی تھی کیونکہ طاہرہ بیگم کمرہ بند کیے نجانے کیا کر رہی تھیں۔ فرح نے ایک دو دفعہ دستک بھی دی تھی مگر دوسری جانب سے صرف سرد مہری تھی۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ ان کی غیر موجودگی میں کوئی معرکہ سر ہوا تھا۔ اس نے ماجدہ سے پوچھنے کی کوشش کی۔

"پتا نہیں بی بی جی! میں تو کچن میں تھی۔ ہلکی ہلکی لڑنے کی آوازیں تو آ رہی تھیں پھر بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھیں۔ بڑے صاحب گھر سے نکل گئے۔ دوپہر کو لوٹے تھے۔ آپ کی پھپھو عثمان بھائی اور بڑے صاحب تینوں نے اکٹھے ہی کھانا کھایا تھا پھر صاحب جی تو کہیں اپنا بریف کیس لے کر چلے گئے تھے۔ البتہ تھوڑی دیر بعد آپ کی پھپھو اور عثمان صاحب بھی چلے گئے تھے۔ وہ شاید انہیں چھوڑنے گئے ہیں۔"

ماجدہ کی طرف سے ملنے والا تفصیلی جواب تھا۔ اس نے مزید کچھ پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ گھر کا جو ماحول چل رہا تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ بات کیا ہو سکتی ہے؟ وہی سمعان بھائی کی شادی کا مسئلہ۔ ابو اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے ہوں گے اور امی اپنے پر.....

وہ جوں جوں سوچتی الجھتی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے علی اپنے دوستوں کی کال پر کہیں چلا گیا تھا یہ کہہ کر کہ وہ مغرب تک لوٹ آئے گا۔ وہ اکیلی گھر میں بیٹھی ادھر سے ادھر کبھی چکر لگانے لگتی اور کبھی ٹی وی کھول کر بیٹھ جاتی تھی۔

کچن میں بھی کوئی کام نہ تھا۔ ماجدہ کھانا وغیرہ تیار کر چکی تھی۔

نیند اسے آ نہیں رہی تھی۔ کافی دیر تک وہ عثمان بھائی کا انتظار کرتی رہی کہ شاید وہ لوٹ آئیں اور اس کی بوریت ختم ہو مگر وہ نہیں لوٹے تھے۔ البتہ سمعان بھائی کا فون آ گیا تھا۔ اس نے عثمان بھائی کے نہ لوٹنے کا بتایا تو انہوں نے بتا کر اسے کال بیک کرنے کا کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور وہ اب ان کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی ان کی کال آ گئی تھی۔

"عثمان بھائی! چچی جان کے ہاں ہیں تم فکر نہ کرو۔ ابو کو بزنس کے کسی اہم کام کے سلسلے میں ارجنٹ لاہور جانا پڑ گیا ہے۔ وہ دو دن بعد لوٹیں گے۔ علی گھر لوٹے تو اسے دوبارہ کہیں باہر نہ جانے دینا۔" اسے عثمان بھائی اور ابو کے متعلق بتا کر وہ ہدایت بھی دے رہے تھے۔ اس نے سر ہلایا۔

PDF STUFF BLOGSPOT.COM

"میں بہت بور ہو رہی ہوں۔ آپ ہی گھر آ جائیں۔ امی اپنے کمرے میں بند ہیں۔ مجھے ان در و دیوار سے وحشت ہو رہی ہے۔" وہ کہے بغیر نہ رہی تھی۔ دوسری طرف سمعان احمد خاموش ہو گیا۔

"بھائی آپ آ رہے ہیں نا....." اس نے ان کی خاموشی پر دوبارہ پوچھا تھا۔

"نہیں گڑیا! دراصل چچی امی نے گھر بلایا ہے۔ شاید کھانے پر۔ دیر سے آؤں گا تب تک عثمان بھائی بھی وہیں ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے.....لیکن جلدی آنے کی کوشش کیجیے گا۔ مجھے اس طرح اتنے بڑے گھر میں اکیلے ہونے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ امی بھی اپنے کمرے میں ہیں۔ کتنی دفعہ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے مگر وہ کھول ہی نہیں رہیں۔"

"کیوں.....؟" اس کی فراہم کردہ خبر پر وہ حیران ہوئے تھے۔ صبح تک تو امی ٹھیک تھیں۔

"پتا نہیں۔ ماجدہ بتا رہی تھی۔ امی ابو کے درمیان شاید پھر کوئی نئی جھڑپ ہوئی ہے۔" اس نے تلخی سے بتایا تھا۔ سمعان کئی لمحے تک خاموش رہا۔

"سنو مغرب کے بعد میں آ جاؤں گا۔ تم تیار رہنا میرے ساتھ ہی چچا جان کے ہاں چلی جانا۔" سمعان نے فوراً پروگرام سیٹ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے.....مگر وہ امی....." اچانک اسے ماں کا خیال آیا تو رک گئی۔

"انہیں جب تمہاری پروا نہیں تو تم بھی چپ رہو۔ فی الحال تم ان سے ذکر نہیں کرو گی جب تک امی ابو اپنی نفرت کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں بتا سکتے۔ ہم یوں بزدلوں کی طرح پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ بس تم تیار رہنا۔ میں مجید (ڈرائیور) کو بھیج دوں گا بلکہ میں خود ہی آ جاؤں گا۔" اس نے آرام سے سر ہلا دیا تھا۔

کمرے میں آ کر اس نے الماری سے اپنے کپڑے نکالے تھے۔

آج کتنے دنوں بعد اسے چچا جان کے ہاں جانے کا موقع مل رہا تھا۔ وہ واش روم میں گھسنے تک یہی سوچ رہی تھی۔ گہرا براؤن سوٹ بڑے سے دوپٹے کے ہمراہ پہن کر جب وہ باتھ روم سے نکلی تو بہت فریش لگ رہی تھی۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ اپنے چہرے پر کولڈ کریم لگا رہی تھی جب انگلیوں سے مساج کرتے اس کی نظریں خود بخود اپنے بائیں رخسار کے سیاہ تل پر ٹھہر گئی تھیں۔ انگلیوں کی حرکت رک گئی تھی۔ وہ بغور اپنے چہرے کے تل کا جائزہ لے رہی تھی جب کہ پس منظر میں کوئی آواز گونج رہی تھی۔

"تم فرح ہو۔ تمہارے بائیں رخسار کا تل مجھے تمہیں لاکھوں لڑکیوں میں بھی پہچاننے کی غلطی نہیں کرنے دیتا۔ مائی ڈیئر فرح سعید احمد....."

آواز کیا تھی اس کے دماغ پر گویا ہتھوڑے سے برسے تھے۔

اس دن پھول اور کارڈ موصول ہونے کے بعد اور کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔ وہ آج کل نیٹ استعمال نہیں کر رہی تھی اسی لیے اسے نہیں خبر تھی کہ اس کی ای میلز کا اب کیا ردعمل ہے۔ کریم لگا کر بالوں میں

برش پھیر کر وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

آج کتنے دنوں بعد اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جب تک سمعان بھائی اسے لینے نہیں آ جاتے وہ نیٹ یوز کر لے۔ اسی وقت تو وہ بھی نیٹ پر ہوتا تھا۔ آج نجانے کیوں دل ہمک ہمک کر اس کی ای میلز پڑھنے کو اکسا رہا تھا۔ وہ لاکھ خود کو سرزنش کرتی رہی مگر دل کسی طور مان نہیں رہا تھا۔ وہ خاموشی سے پی۔سی کے سامنے بیٹھ گئی۔

کمپیوٹر اسٹارٹ کر کے وہ نیٹ کھول رہی تھی۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے مگر وہ پھر بھی اپنے آپ کو نہ روک پائی تھی۔ نجانے اندر کون سی طاقت تھی جو اسے ایسا کرنے پر اکسا رہی تھی۔

فرح ای میل باکس کھول چکی تھی۔ اب وہ اپنے ای میل ایڈریس پر آئی ہوئی ای میلز چیک کر رہی تھی۔

اس شخص کی کئی ای میلز تھیں۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے سب سے پہلی ای میل کھولی تھی۔

دل کا سکون چھین کے اسباب لے گیا
اک شخص میری نیند' میرے خواب لے گیا
بھٹکا کے ساری رات سحر کی تلاش میں
جانے کہاں کہاں مجھے ماہتاب لے گیا

خوب صورت اشعار تھے فرح کا دل سینے کے اندر زور زور سے دھک دھک کرنے لگا تھا۔

"فرح تم بہت زیادتی کر رہی ہو میرے ساتھ۔ فون کرنے پر کوئی ملازمہ ٹائپ خاتون کی آواز سننے کو ملتی ہے۔ مجھے پتا ہے میرے بھیجے گئے پھول اور کارڈ کا کیا حشر ہو چکا ہے مگر پھر بھی دیکھ لو کس قدر حوصلہ ہے کہ بجائے اس کے تمہاری اس مسلسل خاموشی سے اکتا جاؤں ہر وقت نیٹ پر موجود رہتا ہوں۔ اس گمان میں کہ شاید تم جواب دو۔ میری ای میلز ہی پڑھ لو اور دل میں کوئی نرم جذبہ پیدا ہو جائے۔" اگلی ای میل یہ تھی۔ فرح سعید کے دھڑکتے دل کی رفتار میں ایک دم مزید اضافہ ہوا تھا۔ اس نے خود سے گھبرا کر فوراً ہی پی۔سی بند کر دیا تھا۔

"یا اللہ! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ یہ میں کس راہ پر نکل رہی ہوں.....نہیں..... یہ غلط بات ہے۔ مجھے اس کی ای میلز پڑھنی ہی نہیں چاہیے تھیں۔" پی۔سی کو گھورتے وہ مسلسل خود سے الجھ رہی تھی۔

"نجانے وہ کون ہے؟ میرے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتا ہے؟ اور وہ فون نمبر وہ بھی پاکستان کا نہیں ہے۔ پتا نہیں کہاں کا ہے لیکن وہ تو پاکستانی ہے پھر وہ پھول اور کارڈ....."

کرسی کی پشت سے سر ٹکائے وہ مسلسل اسی شخص کو سوچ رہی تھی۔ کڑیوں سے کڑیاں ملتی جا رہی تھیں۔

"مجھے ہیلپ لائن سے اس نمبر کا پتا کروانا چاہیے کہ وہ کہاں کا نمبر ہے؟" خود سے الجھتے اس کے دماغ میں اچانک خیال آیا تو وہ فوراً کرسی سے اٹھ گئی تھی۔ نمبر وہ اپنی ڈائری میں اتار چکی تھی۔

"اس نے اپنے کمرے میں ہی رکھے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا تھا۔ وہ اب ون فائیو کی

POSTGIRL.BLOGSPOT.COM

ہیلپ لائن ملا رہی تھی۔ دوسری طرف سے رابطہ ہونے پر فرح نے جلدی سے فون نمبر بتا کر ہیلپ چاہی تھی۔

''ہم معلوم کر دیتے ہیں پلیز آپ کچھ دیر بعد رابطہ کیجیے۔'' نسوانی آواز پر اس نے سر ہلایا تھا پھر فرح نے پورے پانچ منٹ بعد ون فائیو پر کال دوبارہ کی تھی۔ انہیں اپنی کال کا مقصد بتا کر وہ دوسری جانب لڑکی کی آواز سننے لگی تھی۔

''یہ امریکہ کا نمبر ہے اور موبائل نمبر ہے۔'' دوسری طرف سے اسے اطلاع دی گئی تھی۔ وہ شکریہ ادا کر کے ریسیور کریڈل پر رکھ کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔ یہ وہ بھی سمجھ گئی تھی کہ یہ موبائل نمبر ہے مگر کہاں کا اب اسے علم ہوا تھا۔

''امریکہ کا نمبر ہے تو اس شخص نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا ہے..... کیوں.....؟'' فرح کو بہت دکھ ہو رہا تھا۔

''مگر وہ پھول اور کارڈ.....'' وہ جوں جوں سوچ رہی تھی الجھتی جا رہی تھی۔

''مجھے سمعان بھائی کے سامنے سارا معاملہ لانا ہوگا ورنہ جس طرح وہ شخص گھر میں فون کرتا اور پھول وکارڈ بھیج رہا ہے۔ وہ بعد میں میرے لیے کسی بہت بڑی پریشانی کا بھی سبب بن سکتا ہے۔ جذباتیت سے نکل کر سوچتے ہوئے اس کے ذہن کو صرف یہ حل سوجھ رہا تھا۔

پھر وہ ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہو گئی تھی۔

مغرب کے بعد سمعان احمد آ گیا تھا۔ وہ اس وقت نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی۔ امی ابھی تک کمرے سے نہیں نکلی تھیں۔ علی اس کے نماز ادا کرنے کے دوران گھر لوٹا تھا۔

''امی ابھی تک اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلیں؟'' سلام دعا کے بعد سب سے پہلے سمعان نے فرح سے یہی پوچھا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ سمعان لب بھینچ گیا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ ان کے بعد گھر میں اس کے رشتے کے موضوع پر ہی گفتگو ہوئی ہوگی جس کی وجہ سے امی کا یہ ردعمل تھا۔

''میں ذرا کپڑے چینج کر لوں بہت تھک گیا ہوں۔ تم بھی تیار ہو جاؤ پھر چچا جان کے ہاں چلتے ہیں۔'' سمعان احمد کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

''کیا..... چچا جان کے ہاں جا رہے ہو تم دونوں.....؟'' علی نے پوچھا تو وہ اپنے ہی دھیان سے چونکی تھی۔

''ہاں..... عثمان بھائی ادھر ہی ہیں۔ پھپھو کو چھوڑ کر وہیں چلے گئے تھے۔ بھائی بھی جا رہے ہیں ساتھ میں بھی۔'' وہ تیار تو تھی ہی صوفے پر بیٹھتے ہی بتانے لگی۔

''اور امی کو پتا ہے؟''

''نہیں۔''

''چلو میں بھی چلتا ہوں۔'' وہ ایک دم پرجوش ہوا تو فرح نے گھورا۔

''کوئی نہیں۔ ہم سب چلے گئے تو امی کا موڈ مزید خراب ہو جائے گا، بہتر ہے کہ تم امی کے پاس گھر

میں ہی رہو پھر پتا نہیں سمعان بھائی چچا جان کے ہاں جانے کا امی کو بتاتے بھی ہیں کہ نہیں۔''

''کیا ہے بھئی! میں بھی چلتا ہوں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں ادھر کا چکر لگائے ہوئے۔'' وہ بضد ہوا تھا۔ فرح نے مطلق دھیان نہ دیا تھا۔ ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا۔ اندر ہی اندر وہ سمعان احمد سے موقع دیکھ کر اس ای میل کرنے والے شخص سے متعلق گفتگو کرنے کے ارادے باندھ رہی تھی۔

✿.....❁.....✿

نواز احمد ان کے ہاں آئے ہوئے تھے، تب سے وہ اپنا کمرہ بند کیے اس میں مقید تھی۔ نویرہ کو ان کے سامنے جاتے ہوئے ایک عجیب سی جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ ان سے اس کا شروع سے ہی ایک پرتکلف تعلق تھا۔ وہ بہت کم ان کے ہاں آتے جب بھی آتے نبیل بھائی یا اماں کے ساتھ باتیں کر کے چلے جاتے تھے۔ آج منگنی کے بعد پہلی دفعہ وہ ان کے گھر آئے تھے۔ پیشے کے لحاظ سے وہ استاد تھے۔ گزشتہ سال سے ایک دو کالجز میں انہوں نے اکنامکس وغیرہ پڑھا کر تدریس کا آغاز کیا تھا۔ وہ اپنے خاندان کے ذہین ترین شخص تھے پھر ان کی اکیڈمی بھی تھی پہلے وہ مختلف کالجز میں پیریڈ لیتے اس کے بعد کا سارا وقت وہ اپنی اکیڈمی میں ہوتے۔ جب کہ ان کے خاندان کے باقی افراد ذاتی کاروبار یا بزنس وغیرہ کرتے تھے۔ صرف اُن کا شروع سے ہی رجحان تدریس کی جانب تھا، اسی لیے سب کی مخالفت کے باوجود وہ اس جانب آئے اپنے اس کام سے وہ بہت مطمئن تھے۔ ایم بی اے کیا ہوا تھا۔ چچا جان کا خیال تھا کہ وہ ان کا بزنس میں ہاتھ بٹائیں مگر پھر ان کے شوق کو دیکھتے ہوئے انہوں نے انہیں مجبور نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے بعد انہیں ہی سارا کچھ سنبھالنا ہوگا، فی الحال وہ اپنا شوق پورا کر لیں جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔

ان کے خاندان میں پردے کا خاص اہتمام تو نہیں تھا مگر منگنی ایک ہی جگہ پر ہوئی تھی۔ دونوں گھروں میں یوں بے دھڑک آنا جانا بھی نہیں تھا۔ منگنی کے بعد نویرہ تو ایک دفعہ بھی نہ گئی تھی۔ چچا جان، ان کی بیٹیاں اور چچی جان سب کتنی بار کہہ چکی تھیں مگر نویرہ حجاب سے انکار کر دیتی۔ چچا جان کو نبیل بھائی سے کچھ کام تھا، اس لیے انہوں نے نواز احمد کو ان کے گھر بھیجا تھا۔ بھابی آتے جاتے اسے چھیڑ رہی تھیں۔ وہ احتجاجاً اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ کھانا اس نے بھابی کے ساتھ مل کر بنایا تھا لیکن اب.....

محترمہ نویرہ صاحبہ باہر تشریف لے آئیں کھانے پر اماں حضور آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔ جب بھابی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں تو وہ ایک کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے.....'' اس نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا تو بھابی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کتاب چھین لی، وہ انہیں گھورنے لگی۔

''بہانہ نہیں..... تمہارے محترم نواز صاحب تو تمہارا کھانے پر انتظار کر رہے ہیں اور تم یہاں بھوک ہڑتال پر بیٹھی ہو۔'' وہ بظاہر سنجیدہ تھیں مگر ان کی آنکھوں سے پھوٹتی مسکراہٹ پر وہ جھلا گئی۔

''بھابی..... وہ زچ ہوتے ہوئے بولی۔''

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

''چلو، اٹھو شاباش..... ہمارے ہاں ایسا بھی کوئی خاص پردہ نہیں ہے۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ کنفیوژ ہوگئی۔

''مگر بھابی، وہ اماں اور نبیل بھائی.....'' وہ اماں اور بھائی کی وجہ سے گھبرا رہی تھی، بھابی ہنس دیں۔

''ایک ہی خاندان میں رشتہ جڑنے سے یہ سب چلتا ہے اور اس میں قباحت بھی نہیں ہے۔ بس چلو اماں نے تمہیں خود بلانے کو کہا ہے تو اس کا یہی مطلب ہے ناں کہ تمہارا نواز کا سامنا کرنے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ان کی اپنی بھی یہی مرضی ہے۔'' اب کے انہوں نے واقعی سنجیدگی سے کہا تو وہ خاموشی سے دوپٹہ درست کر کے بھابی کے ساتھ باہر نکل آئی۔

اماں، نواز اور نبیل بھائی ڈائننگ ٹیبل پر شاید اسی کے منتظر تھے۔ وہ اندر ہی اندر کنفیوژ ہو رہی تھی۔ دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی نگاہوں کا پہلا تصادم نواز فاروق سے ہی ہوا۔ نویرہ نے گھبرا کر نظروں کا زاویہ بدلا۔

''السلام علیکم.....'' اس نے مشترکہ سلام کیا پھر آگے بڑھ کر اماں کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اماں گڑیا کو گود میں بٹھا کر کھانا کھلا رہی تھیں جب کہ نبیل بھائی اور نواز بھی کھانا شروع کر چکے تھے۔

''نواز یہ چاول ضرور لینا..... نویرہ نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں.....'' وہ خاموشی سے سر جھکائے کھانا کھا رہی تھی جب بھابی کی آواز پر اس نے گھبرا کر دیکھا۔

بھابی کے چہرے پر مسکراہٹ رقصاں تھی جب کہ ان کے یوں کہنے پر اماں کے ساتھ ساتھ نواز اور نبیل بھائی بھی ہنس دیے۔ نویرہ کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ اس نے واقعی چاول پکائے تھے۔

مگر..... بھابی تو.....

''جی بھابی! میں ضرور ٹیسٹ کروں گا.....'' نواز نے مسکرا کر کہا۔ نویرہ اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ ایک نظر نویرہ پر بھی ڈالی۔ اس نے جلدی سے سر جھکا لیا۔

''اف۔'' کیا مصیبت ہے۔ اسے بھابی پر غصہ آنے لگا۔

خاموشی سے کھانا کھایا۔ ٹیبل سے سب سے پہلے اماں اٹھیں۔ گڑیا اب انہیں تنگ کرنے لگی تھی۔ نویرہ نے اسے لینا چاہا مگر اماں اسے لے کر باہر نکل گئی تھیں۔ ان کے نکلتے ہی بھابی کی رگِ شرارت پھڑکی۔

''نواز زبان گھر پر رکھ کر آئے ہو.....'' بھابی مسکرا کر پوچھ رہی تھیں۔ انہوں نے الجھ کر انہیں دیکھا مگر ان کی آنکھوں میں مچلتی مسکراہٹ دیکھ کر ہنس دیے۔

''فی الحال تو نہیں.....'' بہت آرام سے تولیہ سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''مجھے تو یہی لگ رہا ہے یہ تمہاری سسرال بعد میں پہلے چچا کا گھر ہے کچھ بولو، مجھے تمہیں اکسانا پڑ رہا ہے۔''

''مسئلہ کیا ہے۔'' انہوں نے دلچسپی سے انہیں دیکھا۔ جب کہ نبیل ان کی اس ہلکی پھلکی نوک جھوک پر مسکرا رہا تھا۔

''مسئلہ یہ کہ آج نویرہ نے چاول بہت مزیدار پکائے ہیں.....'' ان کی تان وہیں آ کر ٹوٹی تھی۔

نویرہ نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں گھورا جب کہ باقی دونوں نے قہقہے لگائے۔

''چلیں جی میں کہہ دیتا ہوں۔'' انہوں نے مسکرا کر چہرہ نویرہ کی طرف کیا تو وہ ایک دم جھینپ سی گئی۔ ''نویرہ چاول بہت مزیدار تھے..... اب خوش۔'' اسے جھینپے دیکھ کر وہ فوراً بھابی سے پوچھ رہے تھے جن کے چہرے کی چمک دیدنی تھی۔

''ہاں..... اور چائے پی کر جانا ہے..... نویرہ بنائے گی.....'' آخر میں انہوں نے پھر کہا۔

اب کے نویرہ بھی ہنسنے لگی۔ کم از کم ان کے نارمل انداز سے اس کی گھبراہٹ ضرور کم ہوئی تھی۔ وہ کھانا کھا چکی تھی اسی لیے ٹیبل سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

نواز نے اسے دیکھا۔ سادہ گھریلو لباس میں وہ اپنے صاف شفاف چہرے کی خوبصورتی سمیت آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

''تم کہاں چلی.....؟'' بھابی نے پوچھا۔

''کچن میں..... چائے بنانے.....'' اس کا اعتماد بحال ہو چکا تھا، اسی لیے آرام سے جواب دیا۔

''نہلے پہ دہلا..... اسی کو کہتے ہیں.....'' نبیل بھائی بھی کھل کر ہنسنے لگے۔ وہ فوراً وہاں سے نکلی۔ اس نے کچن میں آ کر چائے کا پانی چولہے پر چڑھایا۔ فریج سے دودھ نکال کر پلٹی تو بھابی برتن لے کر داخل ہوئیں۔ نویرہ کو ان کی فضول گوئی پر تپ چڑھی ہوئی تھی۔ وہ برتن سنک میں رکھ کر پلٹیں تو اس نے مصنوعی غصے سے کہا۔

''اب بتائیں..... بڑی ہانک رہی تھیں اُدھر..... نویرہ نے چاول بہت مزیدار پکائے ہیں.....'' کمر پر ہاتھ رکھے وہ انہیں گھور رہی تھی۔

''میں تو اچھی بھابی کا کردار ادا کر رہی تھی..... نواز پر اچھا امپریشن پڑے گا۔'' انہوں نے اس کی باتوں کو بغیر کسی خاطر میں لائے بڑے آرام سے کہا بلکہ ان کا حوالہ دے کر چڑایا۔

''بڑا اچھا کردار ادا کر رہی تھیں، دل تو چاہ رہا تھا کہ آپ کی زبان بند کر دوں۔'' وہ گھور کر دودھ ابلتے پانی میں ڈالنے لگی۔

''ویسے اس لباس میں لگ خوب رہی ہو، بڑے غور سے نواز دیکھ رہا تھا تمہیں۔''

وہ جھینپ سی گئی۔

''بھابی پلیز..... مجھے کنفیوژ نہیں کریں.....'' اس نے پلٹ کر شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنستی چلی گئیں۔

''قسم سے نویرہ یہاں نواز ہوتا تو وہ فدا ہو جاتا تم پر.....'' لو میں جھوٹ تھوڑی بول رہی ہوں یقین نہیں آتا تو اس سے پوچھ لینا۔ وہ اب بھی باز نہیں آئی تھیں۔

''اگر آپ اسی طرح کی فضول باتیں کرتی رہیں گی تو میں چلی جاؤں گی یہاں سے پھر چائے بھی خود ہی بنا کر دیجیے گا۔ اس نے منہ بنا کر کہا۔

بھابی نے آگے بڑھ کر اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"میں تو تمہارا دل بہلا رہی ہوں، اس ڈل لائف میں تھوڑا بہت مذاق ہونا چاہیے۔ نواز بھی کم گو سنجیدہ سا شخص ہے اور تم بھی ایسی ہی ہو..... بدلو تھوڑا سا خود کو۔ منگنی کا پیریڈ اسی لیے ہوتا ہے۔ شکر کرو اس جیسا شخص تمہارے حصے میں آیا ہے۔"

نویرہ نے مسکرا کر ان کے بازو پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

"بھابی..... پتا نہیں کیوں مجھے بہت خوف محسوس ہوتا ہے، جب بھی میں یہ تصور کرتی ہوں کہ آئندہ زندگی مجھے نواز احمد کے ساتھ گزارنا ہوگی تو ایک سوالیہ نشان میرے سامنے آجاتا ہے۔ کئی چہرے گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ میں آنکھیں بند کرتی ہوں تو ان کی جگہ دوسرے لوگوں کے چہرے آجاتے ہیں اور میرا دل عجیب توہمات کا شکار ہونے لگتا ہے۔ ایسے میں آپ کا مذاق میرے دل پر ایک عجیب سی چوٹ لگاتا ہے۔ میں اپنے جذبات کو بیان نہیں کر سکتی کہ میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے میرے ساتھ ضرور کچھ ہونے والا ہے۔"

اس کی آنکھوں میں عجیب سا رنگ اور خوف تھا۔ بھابی نے اسے کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم.....؟" وہ حیران تھیں۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میرے اندر کی یہی کیفیت ہے۔ نواز کو دیکھ کر بھی میرا دل اندر سے اسی طرح خوف زدہ ہوتا ہے اوپر سے آپ کی چھیڑ چھاڑ..... میں ڈبل مائنڈ ہو رہی ہوں۔"

بھابی پُرسوچ نظروں سے اس کا صبح روشن صاف، چمکتا چہرہ دیکھنے لگیں۔

چائے ابلنے کی آواز پر نویرہ فوراً پلٹی۔ آنچ دھیمی کر کے اس نے چائے میں چینی ڈالی۔

"تم خوش نہیں ہو اس رشتے سے.....؟ پیچھے سے بھابی کی آواز پر بھی وہ نہ پلٹی۔

"میں خوش ہوں یہ اماں، بھائی، چچا وغیرہ سب کا مشترکہ فیصلہ ہے لیکن اس رشتے سے میرے اندر کی دنیا عجیب طوفان کی زد میں آرہی ہے..... کچھ سمجھ میں نہیں آرہا....." بھابی نے اس کی بات پر، پرسکون سانس لی۔

"شکر ہے۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا..... اچانک کسی ایسے شخص سے ایک ایسا تعلق جڑ جائے جو کہ آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تو کچھ عرصے تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ یہ فطری بات ہے۔ تم نواز کو ذہنی طور پر مطمئن ہو کر قبول کرنے کی کوشش کرو گی تو خود بخود دل و دماغ پرسکون ہو جائیں گے۔"

بھابی اطمینان سے کہہ رہی تھیں۔ نویرہ ایک گہری بوجھل سانس فضا میں منتقل کر کے کیبنٹ سے مگ نکالنے لگی۔ بھابی کے جواب میں اس نے کچھ بھی کہنے سے احتراز کیا تھا۔

نوشین اور زرش کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی، بہت عرصے بعد یوں ڈنر پر سمعان بھائی ان کے ہاں تھے۔ عثمان، احمد، فرح، پاپا، ماما، نوشین، عثمان احمد اور وہ خود ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے کھانا کھانے سے زیادہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ پاپا، سمعان اور عثمان اپنے بزنس کی باتیں کر رہے تھے جب کہ تینوں لڑکیاں اپنے اپنے کالج، پڑھائی اور دوستوں کے ذکر میں الجھی ہوئی تھیں۔ شائستہ بیگم دونوں طرف کی گفتگو سن رہی تھیں۔

"چچی امی! یقین کریں زرش سب اساتذہ تو ایک طرف پورے کالج کی فیورٹ اسٹوڈنٹ ہے۔ اس دفعہ بھی پچھلے ہفتے ہونے والے ٹیسٹ میں سب سے زیادہ مارکس زرش کے ہی تھے۔ میرے تیسرے نمبر پر تھے۔" فرح کھانا کھاتے ہوئے چچی کو بتا رہی تھی، انہوں نے مسکرا کر زرش کو دیکھا وہ لاپروائی سے کھانا کھا رہی تھی۔ زرش صرف ذہین ہی نہیں بلکہ ہر سال پوزیشن بھی لیتی تھی۔ نصابی و غیر نصابی ہر طرح کی سرگرمیوں میں وہ نہ صرف حصہ لیتی بلکہ شاندار کامیابی بھی حاصل کرتی۔ گولڈ میڈلسٹ تھی۔ انہیں اپنی زرش پر فخر محسوس تھا۔ ہر کوئی اسے سراہتا تھا اور وہ تھی بھی سراہے جانے کے لائق۔

"تمہارے نمبر کیوں کم تھے؟" سمعان احمد کی ساری توجہ اس کی جانب تھی بھائی اور چچا سے گفتگو کرنے کے باوجود وہ فرح کو سن رہا تھا۔ ایک دم انہوں نے پوچھا تو زرش ہنس دی۔

"اب آئی ناں پہاڑ کے نیچے اور کرو تعریفیں۔" وہ چہکی، سعود احمد بھی مسکرا دیے۔ سمعان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ ابھر آئی۔

"جہاں زرش بی بی ہوں وہاں بھلا کسی اور کی دال کہاں گلنے والی ہے؟" فرح نے اطمینان سے کہا تو شائستہ سمیت سب ہنس دیے۔

"سمعان بھائی مجھے تو کچھ جلنے کی بو آرہی ہے....." نوشین فرح کو چھیڑے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں کیوں جلنے لگی زرش سے بلکہ مجھے تو فخر محسوس ہوتا ہے جب ہر استاد، ہر لڑکی صرف اور صرف زرش کی تعریفیں کرتی ہے۔" اس نے برا مان کر نوشین کو دیکھتے ہوئے فوراً تردید کی۔

سمعان احمد نے بغور دیکھا، کھانا کھاتی ہوئی وہ لاپروائی سے مسکرا رہی تھی، یوں جیسے یہ تعریفیں اس کی نہیں کسی اور بندے کی ہو رہی ہوں۔ انہیں اس کی یہی بات تو اچھی لگتی تھی۔ ان کے ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ سمٹ آئی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

لاتعلق..... بے پرواسے انداز۔

''اب بس بھی کرو..... زیادہ تعریفیں نہ کرو یہ نہ ہو کہ کل صبح زرش بی بی اٹھیں تو بالکل بدلی ہوئی ہوں۔'' نوشین اب زرش کو چھیڑ رہی تھی۔ زرش نے فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچا۔

''ماما! دیکھ لیں نوشی کیا کہہ رہی ہے..... میں کیوں بدلوں گی بلکہ میرے اندر تو اور زیادہ دلچسپی سے پڑھنے کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے.....'' اس نے فوراً ماما کو گھسیٹا تو وہ مسکرا دیں۔

''چپ ہو کے کھانا کھاؤ، تم لوگ بعد میں باتیں کر لینا.....'' انہوں نے ٹوکا۔

سب کھانا کھا کر ٹیبل سے اٹھ گئے تھے۔ ان تینوں نے ملازمہ کے ساتھ مل کر ناں صرف برتن اٹھوائے بلکہ کچن کی صفائی بھی کی۔ اس دوران زرش نے چائے تیار کر لی۔ سرو کرنے کی ذمہ داری نوشین کے سر ڈال کر وہ دونوں اپنے کپ اٹھا کر اوپر ٹیرس پر چلی گئیں۔

''آج موسم بہت اچھا ہو رہا ہے۔'' ٹھنڈی ٹھنڈی معطر ہوا چل رہی ہے۔ ریلنگ پر جھکتے ہوئے زرش نے کہا۔ فرح نے بغور اسے دیکھا۔

لاپروا سا معصوم حسن تھا کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کے ساتھ وہ دل میں گھٹ رہی تھی۔

وہ سمعان بھائی کے ساتھ یہاں آ تو گئی مگر اب گھر کی فکر بھی ستانے لگی تھی۔ نجانے، امی کا ری ایکشن کیا ہو سکتا ہے وہ ابھی تک اپنے کمرے سے ہی نہ نکلی ہوں۔ وہ سوچ رہی تھی مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں سمعان بھائی کے ساتھ ادھر آ گئی ہوں اور انہیں خبر نہ ہو۔

''کہاں ہو تم.....؟'' وہ نجانے سوچ کی وادیوں میں کہاں جا نکلی تھی۔ جب زرش نے زور سے پوچھا تو وہ چونکی پھر مسکرا دی۔

''کچھ نہیں یار..... میں امی کے بارے میں سوچ رہی تھی، لگتا ہے آج پھر امی اور ابو کے درمیان کوئی معرکہ ہوا ہے جب سے میں کالج سے گھر واپس گئی ہوں وہ کمرے میں بند ہیں۔ سمعان بھائی مجھے یہاں لے آئے تھے، ہم لوگ انہیں بتائے بغیر آئے ہیں۔ پتا نہیں ان کا کیا ری ایکشن ہو.....''

''اوہ..... ویری سیڈ..... زرش کئی لمحے تک خاموش رہی پھر اس خاموشی کو نوشین کی آمد نے توڑا۔

''کیا بات ہے تم دونوں بہت خاموش ہو..... خیریت ہے ناں؟'' فرح کی گیلی آنکھوں اور زرش کو ہونٹ کچلتے دیکھ کر نوشین پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

''کچھ نہیں بس وہ تائی امی کی بات ہو رہی تھی، فرح بتا رہی تھی کہ آج پھر تایا ابو اور تائی امی کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے.....'' چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتی زرش نے بتایا۔

''اوہ مگر جھگڑا ہوا کس بات پر.....؟'' کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے نوشین نے پوچھا۔

فرح بھی ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھی جبکہ زرش ریلنگ کے ساتھ ہی کھڑی رہی۔

''یہ تو علم نہیں..... مگر جہاں تک مجھے اندازہ ہو رہا ہے امی، ابو میں آج کل صرف اور صرف سمعان بھائی کی شادی کے معاملے پر ہی جھگڑے ہو رہے ہیں۔'' فرح نے سنجیدگی سے بتایا۔ زرش تو چونکی ہی مگر نوشین نے بھی چونک کر زرش کو دیکھا۔

''ارے ہاں فرح! میں تو یہ بات بھول ہی گئی تھی پھر کیا فیصلہ ہوا؟'' زرش بھی قریب آ گئی۔ فرح نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر نوشین کو، نوشین نے فوراً نظریں پھیر لیں۔ فرح کو سمجھنے میں صرف ایک پل لگا۔

''اوہ تو نوشین سب جانتی ہے.....'' وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''کچھ بھی نہیں..... آج کے واقعے کا مجھے علم نہیں ہے کہ نوبت کہاں تک پہنچی ہے۔'' وہ کچھ تلخ سی ہونے لگی۔

''نوشین تمہیں پتا ہے تائی امی فوزیہ آپی سے سمعان بھائی کی شادی کرنا چاہتی ہیں مگر تایا ابو نہیں مان رہے.....'' زرش نے نوشین کو بتایا۔ اپنی طرف سے وہ انکشاف کر رہی تھی مگر نوشین پر سکون تھی۔

''ہاں میں جانتی ہوں، پھپھو کے ہاں تھی جب قیصرہ خالہ وہاں آئی تھیں۔ بہت کچھ بتا رہی تھیں تبھی مجھے علم ہوا تھا.....''

فرح نے حیرت سے دیکھا۔

''پھر تو نوشین یہ بھی جانتی ہو گی کہ ابو کس کا نام لے رہے ہیں.....'' وہ بغور نوشین کو دیکھنے لگی۔

''فرح! سمعان بھائی ہمیں بہت عزیز ہیں فوزیہ جیسی لڑکی کا ان کے ساتھ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا مگر.....'' نوشین کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''مگر تایا ابو جو چاہ رہے ہیں وہ تبھی ممکن ہے جب تائی امی راضی ہوں ورنہ کچھ بھی ممکن نہیں۔ نئے رشتے پرانی رنجشیں ختم کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں نا کہ نئے تعلق پرانی رنجشوں کو مزید مضبوط کریں۔'' زرش کے کچھ پلے نہ پڑا۔ نوشین خاموشی سے چائے کی چسکیاں بھرنے لگی۔ فرح نے چپ چاپ دونوں کی صورتیں دیکھتی زرش کو دیکھا پھر مسکرا دی۔

''کاش امی راضی ہو جائیں..... سمعان بھائی کے ساتھ زرش کتنی جچے گی..... اتنی پیاری سی، معصوم سی تو ہے.....'' وہ مسلسل زرش کو دیکھ رہی تھی۔

وہ زرش کو بہت چاہنے کے باوجود یہ بات نہ بتا سکی اور علی کو بھی اس نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ زرش ان کے گھر میں ہر روز ہونے والے جھگڑے کی اصل وجہ کو جان لے اور اس کی دل آزاری ہو۔

''چھوڑو اس ٹاپک کو میں تم دونوں کو بور کرنے نہیں آئی بلکہ یہاں فریش ہونے آئی ہوں۔ تم بتاؤ نوشی تمہاری سسرال میں سے بھی کوئی آیا گیا ہے؟'' فرح نے اس بوجھل سی خاموشی سے گھبرا کر فوراً گفتگو کا موضوع بدلا۔ تو زرش ہنس دی۔

''تم تو اس کی سسرال کا پوچھو ہی مت..... نوشی کی ساس کا بس چلے تو محترمہ یہاں ہی ڈیرہ جما لیں، یہ بہانہ کر کے کہ جب تک میں اپنی چاند سی بہو کو دیکھ نہ لوں، مجھے نیند نہیں آتی۔'' زرش کو تو موضوع چاہیے تھا فوراً نوشین کو چھیڑنے پر تیار رہتی۔

''بکو مت..... اب وہ لوگ اتنا زیادہ بھی نہیں آتے، بس کبھی ہفتے میں چکر لگا لیتے ہیں۔'' نوشین فوراً

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

جھینپ کر کہنے لگی تو دونوں ہنس دیں۔

"سنا تم نے فرح کبھی ہفتے میں....." بھنویں اچکاتی زرش نوشین کا ریکارڈ لگانے کو بے تاب تھی۔

"تو اور کیا دل میں تو لڈو پھوٹتے ہوں گے بلکہ خواہش ہوگی کہ کاش روزانہ آنٹی یہاں تشریف فرما ہوں....." فرح کیوں پیچھے رہتی۔ نوشین کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

"تم دونوں باز آجاؤ ورنہ....." خالی مگ دکھاتے وہ دھمکی دے رہی تھی۔

"ورنہ کیا..... بولو....." دونوں اسے زچ کر رہی تھیں بلکہ زرش تو باقاعدہ چڑا رہی تھی۔ پتا نہیں یہ سلسلہ کتنا طول پکڑتا اگر سمعان احمد سیڑھیاں چڑھتے اوپر نہ آجاتے۔ نوشین زرش کے جواب میں کچھ کہتے کہتے رہ گئی تھی۔

"فرح! گھر چلیں، بہت دیر ہوگئی ہے....." آتے ہی انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے اتنی جلدی..... ابھی تو میں نے آپ سے کوئی بات نہیں....." زرش سمعان احمد کو اتنی جلدی جاتے دیکھ کر فوراً کہنے لگی۔

سمعان نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ کھلے لمبے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے، دوپٹہ لاپروائی سے کندھے پر جھول رہا تھا۔ خوبصورت چہرے پر ہیرے کی طرح دمکتی آنکھیں انہیں نظر ہٹانا مشکل ہونے لگا۔

"علی دو دفعہ فون کر چکا ہے..... امی کئی بار پوچھ چکی ہیں بلکہ وہ تو ہماری یہاں آمد سے بھی قطعی نابلد ہیں..... اب اگر ہم مزید لیٹ ہوئے تو علی کے لیے امی کو بہلانا مشکل ہو جائے گا....." انہوں نے کھڑے کھڑے بتایا۔ زرش نے منہ بنایا۔

"ایک تو مجھے یہ آپ کی والدہ ماجدہ سمجھ نہیں آئیں..... آخر انہیں اس ساری نفرت سے کیا حاصل ہوگا۔ خود تو مشکل میں ہیں ہی دوسروں کو بھی اذیت سے دوچار کر رہی ہیں۔" زرش کہے بغیر نہ رہ سکی۔ نوشین نے اسے یوں بکواس کرنے پر گھورا مگر وہ سر جھٹک گئی۔ وہ ایسی ہی تھی دوٹوک بات کرنے والی۔

"تم نہیں سمجھو گی، تم اپنے چھوٹے سے دماغ پر زور نہ ڈالو تو بہتر ہے۔ یہ بڑوں کے معاملات ہیں، انہیں بڑوں تک ہی رہنے دو۔" سمعان احمد کو زرش کی بات سے سخت تکلیف ہوئی مگر برا مانے بغیر ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ منہ بنانے لگی۔

"رہنے دیں اب اتنا بھی چھوٹا دماغ نہیں ہے میرا، کم از کم آنکھوں کی زبان، لفظوں کا ہیر پھیر میں بھی سمجھنے لگی ہوں....."

نہ چاہتے ہوئے بھی سمعان احمد کے ہونٹوں پر اس کی بات پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مثلاً اب تک کس کس کی آنکھوں کی زبان اور لفظوں کے ہیر پھیر کو سمجھ پائی ہو؟"

زرش سمعان احمد کے ہونٹوں پر کھیلتی مسکراہٹ صاف دیکھ رہی تھی۔ فرح اور نوشین بھی مسکرا رہی تھیں۔ اسے اپنی بات کا یوں مذاق میں اڑایا جانا بہت برا لگا۔

"پلیز بھائی..... مذاق مت اڑائیں..... آئی ایم سیریس....." اس نے فوراً احتجاج کیا۔

"ہاں میں بھی سیریس ہوں بلکہ بہت زیادہ..... کیوں فرح....." انہوں نے فرح کو متوجہ کیا تو مسکرا کر دیکھنے لگی۔ ذومعنی بات تھی کچھ پلے نہ پڑی لیکن سمعان کے پوچھنے پر سر ضرور ہلایا پھر شرارت سے کہنے لگی۔

"مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں..... یہ آپ اور زرش ہی جانیں....." وہ فوراً پہلو بچا گئی۔

"آپ نے ماما سے بات کی....." بات کو مذاق کے رخ پر جاتے دیکھ کر زرش نے فوراً اصل بات پوچھی۔ "میرا مطلب ہے کہ آپ کے ہاں آنے کی اجازت پر....."

"نہیں..... موقع ہی نہیں ملا..... ادھر اُدھر کی ہی باتیں ہوتی رہیں۔ میرا نہیں خیال کہ وہ اب بھی تمہیں ہمارے ہاں آنے سے منع کریں۔ اس دن سے قطعی مختلف موڈ تھا آج چچی جان کا۔ اس دن تو مجھے بھی ناراض کر دیا تھا انہوں نے مگر آج تو خود ہی مجھے مدعو کیا تھا انہوں نے۔ عثمان بھائی اور چچا جان کی موجودگی میں، میں اس دن کے رویے پر استفسار نہیں کر سکا لیکن کل ان سے فون پر ضرور بات کرلوں گا....."

یعنی کہ معاملہ ابھی جوں کا توں ہے..... ویسے بائی دی وے اس دن آپ اتنے خراب موڈ میں واپس کیوں گئے تھے؟"

فرح اور نوشین زرش کی زبانی ہی ساری صورتحال سے باخبر اور خاموش تھیں لیکن زرش کا ذہن ابھی بھی اس دن والی بات میں الجھا ہوا تھا۔

"کوئی بات نہیں، تم اپنے ذہن پر زور مت ڈالو تو بہتر ہے۔ فرح! جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا۔" اسے گول مول سا جواب دے کر انہوں نے فرح کو ٹوکا جو کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"میں تو تیار ہوں..... چلیں....." اس نے فوراً قدم بڑھائے۔

زرش سمعان احمد کے بات کو یوں ٹال دینے پر گھور رہی تھی۔

سمعان احمد جانے کے لیے پلٹا مگر پھر اچانک کچھ یاد آیا تو فوراً زرش اور نوشین کو دیکھا۔

"ہاں مجھے یاد آیا میں نے تم دونوں کے لیے جیولر کو لاکٹ بنوانے کا آرڈر دیا ہے۔ جلد ہی مل جائیں گے، جب دوبارہ آؤں گا تو لیتا آؤں گا۔" نوشین تو کچھ نہ سمجھی البتہ مارے خوشی و انبساط کے زرش کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"ہائے..... اللہ..... سمعان بھائی!..... آپ کو وہ بات یاد ہے..... میں تو بھول بھال گئی تھی۔ یوں ہی ایک بات کہہ دی تھی میں نے، آپ تو واقعی سنجیدہ ہوگئے....."

"میں فرح کے لیے کچھ لاتا اور تم لوگوں کو بھول جاتا، یہ ناممکن تھا۔ گھر آکر فرح کو لاکٹ دیا تو اس نے بھی سب سے پہلے یہی بات کہی کہ زرش اور نوشی کے تحائف کہاں ہیں، یقین مانو مجھے خود سے شرمندگی ہوگئی۔ تم سے بھی وہی گفتگو چل نکلی اب تو آرڈر بھی دے دیا ہے سیم ٹو سیم۔ فرح کے لاکٹ کی طرح کا ہی تیار کروانے کو کہا ہے، دیکھو جیولر کب تک دیتا ہے۔"

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"سمعان بھائی! آپ بھی بہت زیادہ تکلف کرنے لگے ہیں، ہم اور فرح جدا نہیں ہیں..... ہلکے پھلکے گفٹس کی کوئی بات نہیں مگر اس طرح کی جیولری اچھا نہیں لگتا....."

نوشین نے بھی کہا تو سمعان احمد نے اسے گھورا۔

"کیا اچھا لگتا ہے اور کیا نہیں..... یہ میں تم دونوں سے بہتر جانتا ہوں۔ بہتر ہے کہ تم اپنی فلاسفی اپنے پاس رکھو۔ گفٹ بس گفٹ ہوتا ہے۔ مہنگے اور سستے کا کیا ذکر بھلا۔" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سمعان احمد نے سنجیدگی سے کہا تو نوشین ہنس دی۔

"آپ کو سمجھانا ہمارے بس کا کام نہیں..... آپ سے الجھنے کے لیے تو زرش کا ہی حوصلہ ہے۔ میں تو نیچے چلوں..... آؤ فرح....."

نوشین مسکرا کر فرح کے ساتھ نیچے اترنے لگی۔ سمعان احمد نے بھی قدم بڑھائے تو زرش تیزی سے ان کے قریب آ گئی۔

"بھائی بات سنیں....." سمعان احمد کے اٹھتے قدم رک گئے۔

"مجھے سچ سچ بتائیں اس دن کیا بات ہوئی تھی..... آپ اتنے غصے سے کیوں گئے تھے؟" وہ بہت سنجیدہ تھی۔ سمعان احمد نے مکمل طور پر رخ اس کی طرف کیا۔

"چچی امی نے تم سے کوئی ذکر نہیں کیا؟" بجائے جواب دینے کے، انہوں نے الٹا سوال کیا تو اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں..... بلکہ مجھے تو اچھا خاصا ڈانٹا بھی۔ میں نے ایک دو دفعہ آپ کو فون بھی کرنا چاہا مگر انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔ کالج سے آنے کے بعد وہ تو مکمل طور پر مجھے اپنی نظروں میں رکھنے لگیں۔ آپ کا ذکر کرتی ہوں تو بری طرح جھڑک دیتی ہیں۔" وہ معصومیت سے وہ سب کچھ بھی بتا رہی تھی جو اسے ہرگز نہیں بتانا چاہیے تھا۔ سمعان احمد نے الجھ کر زرش کو دیکھا۔ وہ اس سے زیادہ الجھی ہوئی تھی۔

"امی ایسا کیوں کر رہی ہیں..... بتائیں مجھے..... پلیز....."

"چچی جان! زرش کو مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہیں مگر کیوں؟" اس کے آگے ایک سوالیہ نشان تھا جس کا جواب سوائے چچی جان کے کسی کے پاس نہ تھا۔ سمعان احمد زرش کی حالت دیکھ کر مزید الجھ گیا تھا۔

"مجھے خود نہیں پتا وہ ایسا کیوں کر رہی ہیں۔ آج آیا تو میں ان سے اسی معاملے پر گفتگو کرنے کو ہی تھا مگر امی کی وجہ سے جلدی جانا پڑ رہا ہے۔ انشاء اللہ چند دنوں میں چچی جان سے بات کر کے اصل معاملہ ضرور سلجھاؤں گا، تم فکر نہیں کرو....."

زرش سے زیادہ انہوں نے خود کو حوصلہ دیا۔

"پتا نہیں سمعان بھائی! مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ماما پاپا کسی ٹینشن میں ہیں، وہ لوگ ہمارے سامنے کبھی اصل معاملہ نہیں لائیں گے لیکن وہ پریشان ضرور ہیں۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے پھر ماما کا ری ایکشن۔ اس دن پھپھو نوشین کو چھوڑنے آئی تھیں تو وہ بھی سارا وقت امی کے ساتھ آپ کی شادی اور تائی امی کی باتیں کرتی رہیں۔ فرح نے ہی ذکر کیا تھا کہ تائی امی آپ کی شادی فوزیہ آپی سے کرنا چاہتی ہیں جب

کہ تایا ابو راضی نہیں ہیں، اس دن پھپھو بھی یہی کہہ رہی تھیں۔ آج عثمان بھائی بھی امی کو یہی بتا رہے تھے، کیا اسی لیے ماما پریشان ہیں.....؟"

ساری بات سمعان احمد کے سامنے رکھ کر وہ آخر میں پوچھ رہی تھی۔ سمعان احمد حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے وہ کس قدر اطمینان سے اپنی معصومیت میں اس کے سامنے اصل بات لے آئی۔ جس کی طرف سمعان کا ابھی تک ذہن بھی نہیں گیا تھا۔

"اوہ تو اسی لیے چچی جان کا ری ایکشن ایسا تھا۔ کہیں نہ کہیں سے انہیں اصل بات پہنچ ہی گئی ہوگی اور یقیناً وہ اس رشتے والی بات پر پریشان ہوں گی۔ میں بھی کس قدر احمق ہوں، میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا....." بظاہر زرش کو دیکھتے ہوئے سمعان احمد کی سوچ کہیں اور محو پرواز تھی۔

"کیا سوچ رہے ہیں.....؟" سمعان احمد کے بازو پر ہاتھ رکھے وہ پوچھ رہی تھی۔

سمعان احمد اس کے ہاتھ کے لمس پر چونکے پھر ایک دم ہوش میں آ گئے۔

"کچھ نہیں اگر وہ اس بات پر پریشان ہیں تو تم فکر نہیں کرو، میں ان سے بات کر لوں گا یہ اتنا اہم ٹاپک نہیں ہے کہ اس کے لیے یوں پریشان ہوا جائے۔" سمعان احمد نے مسکرا کر کہا بلکہ زرش کو ریلیکس کرنے کو انہوں نے ٹالا تھا۔

"سمعان بھائی! آپ واقعی فوزیہ آپی سے شادی کر لیں گے جیسا کہ تائی امی یہی چاہتی ہیں اور تایا ابو نہ مانے تو پھر؟" وہ اس طرح سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

سمعان احمد کو زرش کے منہ سے یہ ساری گفتگو سننا اچھا تو نہیں لگ رہا تھا مگر کیا کرتا وہ اسے ٹوک بھی نہیں سکتا تھا۔

"اچھی امید رکھنی چاہیے..... شادی تو میں امی اور ابو دونوں کی باہمی رضامندی سے ہی کروں گا۔ انشاء اللہ وہ دن ضرور آئے گا، جب امی ابو ایک بات کریں گے، وہ کب آتا ہے یہ دیکھنا ہے۔ تم مت الجھو، یہ تمہارے سوچنے کی بات نہیں مگر یہ دعا کرو کہ جو میرے دل کی خواہش ہے وہ ابو کے ساتھ ساتھ امی کی بھی دل کی بھی بن جائے....."

نجانے گفتگو کا اثر تھا یا اندرونی خواہشوں کی یلغار زرش کا مرمریں ہاتھ تھام کر ہلکے سے تھپتھپاتے وہ خود کو یہ سب کہنے سے نہ روک پائے۔ چہرے پر دھیمی سی، الوہی مسکراہٹ تھی۔

"اللہ..... سمعان بھائی کیا آپ کسی کو پسند کرتے ہیں؟" جملے کا آخری حصہ سن کر زرش فوراً اچھلی۔

سمعان احمد کو ایک دم احساس ہوا کہ وہ کن لمحوں میں بہہ نکلے۔ ایک دم خفت سے دوچار ہوئے۔ زرش کا ہاتھ چھوڑ کر دو قدم پیچھے ہٹے۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ زرش کے لیے سمعان احمد کی یہ کیفیت حیران کن تھی۔

"نہیں..... میں یوں ہی امی ابو کی بات کر رہا تھا....." سمعان احمد کی راہ میں ابھی نہ جانے کتنے دشوار لمحے باقی تھے۔ وہ زبان سے اقرار کر کے اس معصوم سی لڑکی کو کسی اذیت سے کبھی دوچار نہیں کر سکتے تھے۔ یہ انہیں بہت عزیز تھی۔ نازک آبگینے سے بھی زیادہ۔

"تو پھر یہ آپ نے کیوں کہا کہ جو میرے دل کی خواہش ہے وہ ابو کے ساتھ ساتھ امی کی بھی دلی

FREE-EBOOKS.BLOGSPOT.COM

خواہش بن جائے۔"

وہ شکی نظروں سے دیکھتے ہوئے جرح پر اتر آئی۔

سمعان احمد کو اپنی ایک لمحے کی بے اختیاری پر ندامت ہوئی۔

"ہاں تو امی ابو کا ایک فیصلہ ہو، کیا یہ میرے دل کی خواہش نہیں ہے؟" سمعان احمد بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر کہہ پایا تھا۔

وہ اسے شکی نظروں سے دیکھنے لگی پھر ہنس دی۔ یوں لگا جیسے فضا میں کئی مدھر مترنم سی گھنٹیاں گنگنا اٹھی ہوں۔

"میں تو حیران ہوگئی تھی کہ آپ کسی کو پسند کرتے ہوں گے۔" میں مان ہی نہیں سکتی۔" وہ ہنس کر کہہ رہی تھی۔

"کیوں..... میں کسی کو پسند کیوں نہیں کر سکتا؟" سمعان احمد پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"آپ اس قدر اچھی نیچر کے مالک ہیں کہ ادھر اُدھر تانکنا جھانکنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔ یہ بات علی کہتا تو میں آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی مگر کوئی مجھ سے یہ آ کر کہے کہ سمعان احمد فلاں کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میں کبھی یقین نہیں کروں گی۔ آپ میرے لیے کیا ہیں کاش میں آپ کو بتا سکتی۔"

وہ بڑی معصومیت، بڑے بھولپن سے دل کی بات کہہ رہی تھی اور سمعان احمد حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دل تو چاہا کہ جھنجوڑ کر اسے کہے کہ میں یہ کیوں نہیں کر سکتا، میں کسی کو کیا پسند کروں گا میرے دل و دماغ پر تو صرف تمہارا ہی عکس ہے مگر وہ نہیں کہہ پا رہا تھا۔ اس کے ہونٹ جیسے کسی نے گوند سے چپکا دیے تھے۔

"چلیں نیچے چلتے ہیں فرح آپ کا انتظار کر رہی ہوگی اور ماما بھی پتا نہیں کیا سوچیں گی۔ آج کل تو ان کی ساری سوچیں جیسے میری ذات پر ہی آ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اس وقت تو ویسے بھی میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

پہلے کی طرح معصوم انداز میں وہ اونچی آواز میں کہتی آگے قدم بڑھا چکی تھی لیکن سمعان احمد ایک قدم بھی نہ بڑھا سکا۔ ذہن زرش کی آخری بات پر ہی اٹک گیا تھا۔

"اس وقت تو ویسے بھی میں آپ کے ساتھ ہوں....." سمعان احمد کو اپنے اردگرد یہی جملے گردش کرتے دکھائی دیے۔ زرش نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے اسے دیکھا تو سمعان احمد بھی اس کے پیچھے چل دیے مگر سیڑھیاں اترتے اترتے وہ ادھیڑ بن کا شکار ہو چکا تھا۔

"چچی جان یقیناً میرے جذبوں سے واقف ہوگئی ہوں گی..... ان کا اس دن کا انداز، زرش کو سختی سے ہمارے گھر آنے سے منع کر دینا اور میرے ساتھ اس کے موجود ہونے پر بھی ان کا نظر میں رکھنا..... یہ ساری باتیں تو یہی ظاہر کرتی ہیں کہ وہ میری انہونی خواہشوں تک رسائی پا گئی ہیں مگر کیسے.....؟"

سیڑھیاں اترے سمعان احمد کا دماغ الجھتا چلا گیا۔

✿.....✿.....✿

نبیلہ بھابی کے ساتھ وہ واجدہ خالہ کی عیادت کو آئی تھی مگر سامنے ہی زبیدہ چچی کے ساتھ رمشا اور رضا کو دیکھ کر وہ کھل اٹھی۔

"السلام علیکم....." کہتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئی تو واجدہ خالہ وہیل چیئر پر اور سبھی لاؤنج میں تھے۔

"وعلیکم السلام..... ارے میری بچیاں آئی ہیں..... بسم اللہ....." واجدہ خالہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ انہوں نے نویرہ اور نبیلہ بھابی کے جھکے سروں پر بھاری بھاری بوسہ دیتے ہوئے پیار کیا۔ زبیدہ چچی سے ہاتھ ملا کر وہ رمشا کے پاس صوفے پر آ بیٹھی۔

"لگتا ہے آپ کو خبر تھی کہ ہم آج یہاں آئے ہوئے ہیں....." رمشا کا لہجہ عجیب سا تھا۔ نویرہ نے محسوس کیا لیکن توجہ نہ دی بلکہ ہنس دی۔

"ارے کب..... کئی دنوں سے ہم آنے کا پروگرام بنا رہی تھیں مگر فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔ آج بھی بھابی کو گھسیٹ گھساٹ کر لائی ہوں....." بھابی کی طرف دیکھ کر اس نے مسکرا کر بتایا۔ رضا حمید نے کھا جانے والی نظروں سے رمشا کو گھورا۔ وہ سامنے ہی تو بیٹھی تھی۔ وہ بھی یہاں آنے کو کب تیار تھا امی کے اصرار پر چلا آیا تھا۔ کیا پتا تھا کہ نویرہ اور بھابی عین وقت پر پہنچ جائیں گی ورنہ وہ شاید کبھی نہ آتا۔ اسے رمشا ہمیشہ سے ناپسند تھی۔

"خالہ جان! آپ سنائیں اب طبیعت کیسی ہے؟" نبیلہ بھابی نے واجدہ خالہ سے پوچھا تو نویرہ نے بھی ادھر توجہ دی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ شارق بہت دھیان رکھتا ہے۔ آج کل آفس سے بھی جلدی آ جاتا ہے پھر شاکرہ بھی ہر وقت خدمت کو تیار رہتی ہے۔ پہلے سے بہت بہتر ہوں کمرے سے نکل کر یہاں بیٹھی ہوں۔ شکر ہے اس ذات کا....." ہاتھ اٹھا کر شکر ادا کرتے ہوئے انہوں نے بتایا۔

"واجدہ اس کی سب سے چہیتی خالہ تھیں۔ نویرہ کو اماں کے بعد ان سے خاص انسیت محسوس ہوتی تھی۔ ہر دفعہ ان کے پاس آ کر وہ ان کی گفتگو سے نئے سرے سے متاثر ہوتی۔

"شارق بھائی کب تک آئیں گے۔" رضا حمید نے پوچھا۔ نویرہ نے دیکھا کہ وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ کچھ اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ نجانے کیوں وہ اب ہر ملاقات کے بعد اسے پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ و پژمردہ سا نظر آتا۔

"تھوڑی دیر تک آ جائے گا۔" خالہ نے بتایا تو رضا کے چہرے پر پہلے سے زیادہ اکتاہٹ طاری ہوگئی۔

"امی! میں جا رہا ہوں، صبح کالج میں ٹیسٹ ہے ابو کو بھیج دوں گا ان کے ساتھ آ جائیے گا....." رضا حمید اٹھ کھڑا ہوا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"اتنی جلدی بیٹا! ابھی تو میں نے شاکرہ کو چائے وغیرہ کا کہا ہے....." واجدہ خالہ نے اسے جانے کے لیے تیار دیکھ کر کہا تو اس نے ایک نظر نویرہ پر ڈالی وہ بغور اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ رضا حمید نے فوراً نظریں جھکالیں۔

نویرہ کی آنکھوں میں ایسی کیا بات تھی کہ رضا حمید کو اپنے دل میں ایک کوندا سا لپکتا محسوس ہوا۔

"کوئی بات نہیں امی وغیرہ ہیں نا....." وہ ایک منٹ ضائع کیے بغیر یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ رمشا جاوید کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

"ٹیسٹ کی تو تم کل بھی تیاری کر لوگے کل چھٹی ہے آج اتنا ضروری بھی نہیں.....نویرہ آپی اور بھابی ابھی آئی ہیں کچھ دیر بیٹھ کر ان کے ساتھ باتیں ہی کرلو اگر اتفاق سے اکٹھے ہو ہی گئے ہو تو۔"

رمشا نے بظاہر مسکرا کر کہا لیکن اس کے لفظوں کی کاٹ پر رضا نے بھنا کر اسے دیکھا وہ استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھتی گویا دہکتے انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔

رضا کا جی چاہا کہ ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر اس کا منہ توڑ دے۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہا....." رضا حمید کا لہجہ ایک دم کڑوا ہو گیا۔ تلخی سے اس نے جوابی کارروائی کی۔ سبھی چونکے۔

"ایں.....ہے.....رضا!.....یہ کیا انداز ہے بات کرنے کا....." رضا اور رمشا جاوید کی آپس میں کبھی نہیں بنی تھی اس وقت بھی رضا کے تلخ انداز پر زبیدہ چچی نے فوراً بیٹے کو ٹوکا۔

"مجھے ایک بہت ضروری کام ہے.....جا رہا ہوں میں، آتے رہیے گا آپ لوگ بعد میں....." رمشا کی گھٹیا سوچ پر وہ تلملاتے ہوئے اندر ہی اندر سلگ اٹھا۔

بغیر کسی کی پروا کیے وہ بھناتے ہوئے وہاں سے نکل آیا۔

"رضا!.....رضا!....." چچی زبیدہ اسے آوازیں دیتی رہ گئیں مگر وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار پلٹ کے دیکھے بغیر چلا گیا۔

"لو.....اس لڑکے کی عادت نرالی ہے.....دیکھ لیا بھابی بیگم آپ نے بھی۔ رمشا نے ایسی کون سی بات کہہ دی کہ یوں غصے سے چلا گیا۔ پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے اس لڑکے کو۔ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا اکلوتا ہے، کچھ کہنے سننے سے پہلے ہزار دفعہ سوچنا پڑتا ہے کہ کہیں اثر نہ لے لے۔" زبیدہ چچی رنجیدہ سی ہو گئی تھیں۔ نویرہ کے لیے ان کی یہ ساری باتیں حیران کن تھیں۔

"مگر چچی جان! رضا ایسا کیوں کر رہا ہے کچھ بتاتا نہیں....." نویرہ نے زبیدہ چچی سے پوچھا۔

"مجھے تو خود کچھ نہیں سمجھ میں آ رہا۔ اچھا بھلا تھا۔ ابھی یہ حرکتیں کرنے لگ گیا ہے۔ پہلے میں سوچتی رہی کہ پڑھائی کی ٹینشن ہے مگر اب تو اسے کچھ پڑھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتی۔ پتا نہیں کالج بھی جاتا ہے کہ نہیں۔ سارا سارا دن آوارہ گردی کرتے ہی دیکھتی ہوں۔ گھر میں باپ کے آنے کا وقت ہوتا ہے تو چلا آتا ہے ورنہ تو اسے گھر کی بھی ضرورت نہیں۔" چچی زبیدہ اب باقاعدہ آنسو بہا رہی تھیں۔ رمشا نے ہونٹ بھینچ لیے۔ نویرہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ رضا بدل گیا ہے۔ اب اس میں وہ پہلے

والا چونچالی، شرارتی پن اور اپنائیت مفقود ہو گئی ہے۔ وہ بھی محسوس کر رہی تھی مگر وہ گھر والوں کو اس حد تک ڈسٹرب کر دے گا اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"اللہ خیر کرے.....زبیدہ حوصلہ کرو.....بچہ ہے، ناسمجھ ہے.....پیار سے سمجھا بجھا کر پوچھو تو سہی کہیں غلط صحبت میں تو اٹھنے بیٹھنے نہیں لگ گیا۔" واجدہ خالہ بڑے تفکر سے کہہ رہی تھیں۔

"پتا نہیں بھابی بیگم۔ رضا کے باپ اتنے غصے والے ہیں۔ ان سے تو ذکر کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ آج بھی نہ جانے کیسے ہاتھ لگا تھا۔ میں نے کہا چلو دو گھڑی کو ساتھ مل کر بیٹھ لیں گے۔ زبردستی لائی تھی لیکن ایک دم اٹھ کے چل دیا ہے.....رمشا کی بات تو بس بہانہ بنی ہے۔" انہوں نے دوپٹے سے آنسو صاف کر کے بتایا تو وہاں موجود سب کے دل بھر آئے۔

"چچی جان! فکر نہیں کریں.....نبیل سے بات کروں گی وہ پتہ کریں گے کہ کہاں آتا جاتا ہے، کن لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ نبیلہ بھابی نے بھی انہیں تسلی دی۔

"تو اور کیا.....یہی عمر ہے بھٹکنے والی۔ شارق کو بھی اتنی ہی عمر میں باہر کی ہوا نے خراب کیا۔ اب بھی جب ساری ساری رات گھر نہیں لوٹتا تو میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ کچھ کہنے سننے سے بھی ڈرتی ہوں کہ کہیں سوتیلی کا الزام نہ آ جائے۔ خدا گواہ ہے میرا حقیقی بیٹا بھی ہوتا تو اتنی محبت نہ کر پاتی لیکن اس کے ذہن میں تو سگی اور سوتیلی کی گرہ پڑ چکی ہے۔ اللہ سلامت رکھے حمید میاں کو۔ اچھا موڈ دیکھ کر بات کرنا، جوان اولاد ہے، یوں نظر بھی نہیں بچائی جا سکتی لوگ تو باہر تیار بیٹھے ہیں ایسے بچوں کو شکار کرنے کے لیے۔ میں بھی ماں ہوں اچھی طرح تمہارا دکھ سمجھ رہی ہوں لیکن تم خود سے بھی اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرو۔ یوں رونے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔"

واجدہ خالہ کی زبان سے دکھ بول رہا تھا۔ نویرہ جھلملاتی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس سے بہتر کون سمجھ سکتا تھا کہ خالہ شارق زمان سے کس قدر والہانہ محبت کرتی ہیں۔

"نویرہ! تمہاری تو رضا سے کتنی انڈراسٹینڈنگ ہے۔ پیار سے بہلا کر پوچھنا تو سہی مسئلہ کیا ہے.....کیوں کر رہا ہے وہ ایسے.....تمہاری تو وہ بہت عزت کرتا ہے تمہیں تو ضرور بتا دے گا۔" چچی زبیدہ نے امید بھری آنکھوں سے نویرہ کو دیکھا تو اس نے فوراً سر ہلایا۔

"جی چچی جان ضرور.....میں تو خود کب سے محسوس کر رہی ہوں مگر سیریس نہیں لیا۔ وہ بھی ہمارے گھر بہت کم آنے لگا ہے.....کچھ میرا بھی آپ کے ہاں آنا جانا نہیں ہو رہا۔ اب ساری صورتحال کا علم ہوا ہے تو پہلی فرصت میں اس سے بات کروں گی۔"

وہ چچی زبیدہ کو تسلی دے رہی تھی اور رمشا اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میرا بھی خیال ہے نویرہ آپی! وہ کسی اور کو تو بتائے یا نہ بتائے آپ سے کچھ نہیں چھپائے گا۔" رمشا کا لہجہ عجیب سا تھا کسی اور نے نہیں غور کیا البتہ نویرہ ضرور چونکی تھی۔ رمشا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔ نویرہ جواباً دیکھ کر رہ گئی۔

"ہاں اس میں تو شک نہیں ہے کہ رضا کو نویرہ سے بے حد انسیت ہے۔ اس کی ہر بات بلا چوں چرا

PDFBYUFIE.BLOGSPOT.COM

مان لیتا ہے۔ پہلے بھی تو جب بھی تنگ کرتا تھا میں نویرہ سے کہتی تھی۔ وہ اسے صرف ایک بار سمجھاتی تھی تو وہ فوراً سیدھا ہو جاتا تھا۔ اب تو میں اس کے سامنے تمہارا نام لے لوں تو اس کے ماتھے پر بل پڑنے لگتے ہیں۔ پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے اس لڑکے کو.....''

چچی زبیدہ بہت دل گرفتہ ہو رہی تھیں۔ نویرہ کچھ نہ کہہ سکی۔

''بیگم صاحبہ میں نے چائے ٹیبل پر لگا دی ہے۔'' شاکرہ (ملازمہ) نے آ کر اطلاع دی تو واجدہ خالہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئیں۔

''شارق نہیں آیا ابھی تک..... شاکرہ اس کے موبائل پر کال تو کرو.....'' انہوں نے شاکرہ سے کہا تو وہ فوراً ٹیلیفون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی۔

''تم سب لوگ ٹیبل پر چلو میں فون سن کر آتی ہوں۔'' واجدہ خالہ نے شاکرہ کو نمبر ملاتے دیکھ کر ان سے کہا۔

''بیگم صاحبہ! موبائل بند ہے..... کال نہیں مل رہی.....'' ایک دو مرتبہ مسلسل کال ملانے کے بعد شاکرہ نے ریسیور کریڈل پر واپس رکھتے ہوئے انہیں اطلاع دی۔

''پتا نہیں کیوں بند ہے؟ اب تو ہر وقت بند ہی رکھنے لگا ہے۔'' وہ متفکر سی ہو کر کہنے لگیں۔

''ہوگا کوئی ضروری کام ان کو، چلیں آئیں ہم چائے پیتے ہیں۔''

سب ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ نویرہ واجدہ خالہ کی متفکر صورت دیکھ کر فوراً ان کی پشت پر آ کھڑی ہوئی۔ شاکرہ کو جانے کا اشارہ کر کے وہ ان کی وہیل چیئر کو گھسیٹنے لگی۔

''اللہ اس خاندان کے لڑکوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے..... ذرا سی شارق کو دیر ہونے لگے تو میری جان لبوں پر آ جاتی ہے..... مگر اسے تو پروا ہی نہیں ہوتی.....'' نویرہ خاموشی سے انہیں ڈائننگ ٹیبل پر لے آئی۔

❁.....❁.....❁

بہت خاموشی سے آگے قدم بڑھاتے لان کی جانب کھلنے والی اس کھڑکی کے پاس سے گزرتے سمعان احمد کے قدم بری طرح ٹھٹکے تھے۔

''سعید احمد میں نے ہمیشہ برداشت کیا ہے اب میری برداشت کی یہ حد ہے..... مجھ پر یوں کیچڑ اچھالنے سے پہلے کچھ خدا کا خوف تو کیا ہوتا.....'' روتی سسکتی یہ طاہرہ بیگم کی آواز تھی، دھیمی مگر بہت واضح۔ اندر گفتگو نہ جانے کس نہج پر تھی مگر امی کی سسکیاں سمعان احمد کو سننے پر مجبور کر گئی تھیں۔

''خدا کا خوف ہی تو ہے..... اپنے بچوں کا پاس ہے ورنہ تم جیسی عورت کے ساتھ کوئی بھی مرد ایک لمحہ بھی گزارنے کا تصور نہیں کر سکتا.....''

یہ سعید احمد کی آواز تھی۔ غصیلی، ضبط کی آخری حدوں کو چھوتی ہوئی۔

سمعان احمد نے ضبط سے ہونٹ بھینچ لیے۔

اس کے والدین نے اپنی اندرونی چپقلش کی اصل وجہ کو کبھی ان کے سامنے برملا آشکار نہیں کیا مگر کیا

ان کے روز روز جھگڑوں سے وہ اصل وجہ نہ جان سکا تھا۔ سمعان احمد کا دل لہولہو ہونے لگا۔

''سعید احمد..... پلیز.....'' امی کی یہ آواز سمعان احمد کو ضبط کی انتہا پر پہنچا گئی۔

''زرش نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں..... قیصرہ کی لڑکی تو بالکل بھی نہیں.....'' ابو کا وہی اٹل انداز تھا۔

''اگر آپ کو مجھ سے ضد ہے تو پھر میں کہے دیتی ہوں فوزیہ نہیں تو پھر زرش بھی نہیں۔ میں بھی اس گھر میں قیصرہ کی ہی لڑکی کو لے کر آؤں گی.....'' ابو کے اٹل اور دوٹوک انداز پر امی کا لہجہ بھی ضدی ہو گیا۔

''تو پھر تم بھی میری بات کان کھول کر سن لو اس عورت کی لڑکی کو گھر لانے سے پہلے میں تم کو اس گھر سے رخصت کر دوں گا۔ پھر بے شک بڑے شوق سے اپنی اس عقل کل، باکردار بہن کے پاس باقی ساری زندگی گزارنا مگر میری اولاد کا نام نہ لینا۔ تم جیسی عورت انہیں ذہنی سکھ دے نہیں سکی، روحانی خوشیاں خاک دے گی.....''

''سعید احمد.....'' ابو کی اس دھمکی پر امی کی بے ضبط سی سسکاری نکلی۔ سمعان احمد کو لگا جیسے اس کے دل پر گھونسا سا دے مارا ہو۔

اسی بات پر آ کر تو اس کی ماں کی ضد ٹوٹی تھی اور اب بھی.....

''آپ مجھے اس طرح بلیک میل نہیں کر سکتے۔'' امی کہہ رہی تھیں۔ عجیب ٹوٹا سا انداز تھا۔

''پھر تم بھی مجھے بلیک میل نہیں کرو۔ زندگی جس طرح گزر رہی ہے گزرنے دو۔ ہمارا اچھا یا برا وقت گزر چکا ہے۔ یہ میرے بچوں کی زندگی ہے اور میں تمہیں اپنے بچوں کی زندگی سے کھیلنے کی اجازت قطعی نہیں دوں گا۔ یہ بات اپنی ہمشیرہ صاحبہ کو بھی باور کروا دینا ورنہ جو بات راکھ کا ڈھیر بنی ہوئی ہے وہ کہیں چنگاریوں کی صورت اختیار کر کے تمہارے ساتھ ساتھ اسے بھی نہ تباہ کر دے میں تو جیسے تیسے کر کے برداشت کر گیا ہوں۔ ہماری اولاد یہ سب برداشت نہیں کرے گی..... میرا تو بھرم ٹوٹے گا ہی ساتھ میں تم بھی کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہ رہو گی۔'' تیز آواز میں غصے سے کہا گیا پھر زور سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

اندر سے امی کے رونے کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔ سمعان احمد جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ امی ابو کی زندگی کا یہ موڑ اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ جب تک کسی چیز سے آگہی نہیں تھی، قطعی دھیان نہیں دیا تھا مگر اب یہ بات واضح اور صاف صاف سامنے آ رہی تھی وہ کیونکر رخ پھیر سکتا تھا۔ ذہنی خلفشار ایک دم بڑھا تھا۔

بچپن سے ہی سب کچھ چلتا آ رہا تھا مگر اب تو انتہا تھی۔

سمعان احمد اپنے کمرے میں جانے کے لیے پلٹا مگر اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر ٹھٹکا۔

آدھی رات سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا اسے یوں سامنے دیکھ کر حیران ہوئے وہ شرمندگی سے سر جھکا گئی۔

''آپ لان میں ٹہل رہے تھے۔ میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا تھا۔ میں تو بس یوں ہی

POSTHEBLOGSPOT.COM

آ گئی۔ نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے.....مگر.....''

اس ''مگر'' کے بعد کیا تھا سمعان احمد خاموشی سے اسے ہاتھ مسلتے دیکھتا رہا۔

''نیند کیوں نہیں آ رہی؟'' انہوں نے استفسار کیا۔

''پتا نہیں.....'' بھرایا ہوا لہجہ تھا۔ سمعان احمد کو دکھ نے آ گھیرا.....وہ پلکیں جھکائے آنسو پی رہی تھی۔ ان کے ماں باپ اپنے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کو بھی ذہنی اذیت سے دوچار کر رہے تھے کاش وہ ان کو بتا سکتا.....سمعان احمد نے خاموشی سے فرح کو بازو کے حصار میں لے لیا۔

''رات بہت ہو گئی ہے.....آؤ اندر چلتے ہیں.....'' امی ابو کی جو باتیں اس نے سنی تھیں یقیناً وہ فرح بھی سن چکی تھی۔ سمعان احمد کے اندر ان کی گفتگو کو نئے سرے سے دہرانے کا حوصلہ نہ تھا۔ بے حد خاموش سا سمعان احمد اسے لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

دو دن بعد آج شام کو ابو لاہور سے واپس آئے تھے۔ کھانا وغیرہ سب نے اکٹھے ہی کھایا تھا۔ اس کے بعد فرح اور علی تو اپنی اسٹڈی میں مصروف ہو گئے جب کہ سمعان احمد کمپیوٹر کھول کر بیٹھ گیا۔ بارہ بجے تک وہ یہی کام کرتا رہا۔ کمپیوٹر آف کرنے کے بعد نیند نہیں آ رہی تھی۔ یوں ہی ٹہلنے کو، جی بہلانے کو وہ لان میں نکل آیا۔ ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔ گھریلو حالات پر، چچی جان اور زرش کی باتوں پر مگر کافی دیر تک ٹہلنے کے باوجود دل کسی طور پر بھی مطمئن نہ ہو پایا تو وہ واپس اپنے کمرے میں جانے کے لیے پلٹا لیکن امی ابو کے کمرے کی کھڑکی کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ سب کچھ سن لیا جو کہ عام حالات میں وہ کبھی دانستہ نہ سنتا۔

''بیٹھو.....'' اپنے کمرے میں لا کر سمعان احمد نے اسے اپنے بستر پر بٹھا دیا۔ وہ آہستگی سے بیٹھ گئی تھی۔ دوپٹے سے گیلی آنکھیں صاف کر کے اس نے سمعان احمد کو دیکھا جو نہ جانے کس سوچ میں گم تھا۔

''بھائی.....'' اس نے پکارا۔

''ہوں.....'' سمعان احمد نے اسے دیکھا۔

''امی ابو کی زندگی کا یہ کون سا پہلو ہے بچپن سے یہی سب کچھ سنتے آ رہے ہیں مگر اب تو.....'' آنسوؤں کے ریلے نے اس کے الفاظ کو نامکمل ہی رہنے دیا۔

''پتا نہیں گڑیا.....تم کیوں روتی ہو.....پلیز چپ ہو جاؤ، یوں سمجھو تم نے کچھ سنا ہی نہیں۔ تم پریشان نہیں ہوا کرو.....میں ہوں ناں.....'' بہت شفقت سے اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے سمعان احمد نے اسے دلاسہ دیا۔

''بھائی! مجھے بہت ڈر لگتا ہے.....عثمان بھائی اسلام آباد میں رہتے ہیں، امی ابو کے ان جھگڑوں سے اگر آپ بھی چلے گئے تو.....'' وہ خوف سے پوچھ رہی تھی۔ سمعان احمد ہنسا۔

''نہیں گڑیا.....میں کہیں نہیں جاؤں گا.....میں یہیں رہوں گا.....'' بڑے ضبط سے ہنس کر اسے مطمئن کرنا چاہا۔

''اگر امی زرش کے لیے نہ مانیں تو.....'' وہ سوالیہ نظروں سے سمعان احمد کو دیکھنے لگی۔

''نو.....'' اس ''نو'' سے آگے تو سمعان احمد بھی نہیں جانتا تھا کہ کیا ہو گا مگر بعض خواہشیں بہت تڑپاتی ہیں۔

''جو ہو گا دیکھا جائے گا تم کیوں فکر کرتی ہو۔'' سمعان احمد نے اسے بہلانا چاہا۔

''آپ زرش کو پسند کرتے ہیں نا؟'' اس کا سر تھپتھپاتے سمعان احمد کے ہاتھ رک گئے۔

''تمہیں نیند آ رہی ہے.....'' سمعان احمد نے اس کے سوال کو ٹالنا چاہا مگر وہ اپنے سر سے سمعان احمد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگی۔

''مجھے زرش بہت پسند ہے.....مجھے پتا ہے آپ بھی پسند کرتے ہیں.....میں نے ہمیشہ اسے آپ کے ساتھ چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ علی بھی یہی چاہتا ہے.....مگر امی.....'' اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرانے لگے۔ سمعان احمد نے بغور دیکھا۔

''فرح! ساری بات امی کی خواہش اور مرضی کی ہے.....میں ابھی اس مقام پر نہیں کہ ان کی مرضی اور خواہش کے بغیر عثمان بھائی کی طرح کوئی انتہائی قدم اٹھاؤں۔ میں اس گھر کو اس خاندان کو جوڑنا چاہتا ہوں نہ کہ توڑنا۔ ہم سب کے ساتھ ساتھ زرش امی کی بھی خواہش ہونی چاہیے۔ ورنہ کچھ بھی ممکن نہیں.....وہ آزردگی سے بولا۔

''امی نہیں مانیں گی.....کبھی نہیں مانیں گی.....کل قیصرہ خالہ سے فون پر بات کر رہی تھیں اور انہیں کہہ رہی تھیں کہ ابو چاہے کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا لیں وہ زرش کے لیے کبھی نہیں مانیں گی.....''

''ایک تو یہ قیصرہ خالہ بھی کیا چیز ہیں.....اصل فساد کی جڑ تو یہی ہیں.....ہمارے گھر کے سارے انتشار اور بدنظمی کی اصل وجہ بھی یہی ہیں۔ امی ابو کا خیال نہ ہوتا تو میں ان سے پوچھتا کہ وہ چاہتی کیا ہیں؟ وہ کس چیز کا بدلہ ہم سے لے رہی ہیں؟.....''

قیصرہ خالہ کے نام پر سمعان احمد کا غصے سے برا حال ہو گیا۔ کمرے میں چکر لگاتے ہوئے وہ ضبط کی آخری سیڑھی پر تھا۔

''امی کو پتا نہیں کیوں سمجھ نہیں آ رہی.....صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ قیصرہ خالہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر کروا رہی ہیں مگر امی تو.....'' فرح کی آنکھیں جل تھل ہو گئیں۔

''میں نے تمہیں کہا ہے نا کہ یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا تم ریلیکس رہا کرو.....تم روتی ہو تو مجھے تکلیف ہوتی ہے.....اپنا آپ بہت برا لگنے لگتا ہے.....تم تو ہماری جان ہو۔ تمہاری آنکھ میں آنسو آتے ہیں تو سخت اذیت محسوس کرنے لگتا ہوں.....'' اسے کندھوں سے تھام کر پیار سے اس کی پیشانی چومتے سمعان احمد نے دلاسا دیا۔ وہ محبت کے اس مظاہرے پر بے اختیار سمعان احمد کے ساتھ لپٹ گئی۔

''بھائی! امی ابو کو اس حال میں دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے مجھے۔ میرا بس چلے تو میں اپنی جان دے کر ان دونوں کو ایک کر دوں مگر میں کیا کروں میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میں آپ کو بھی دکھی نہیں

POSTULE.BLOGSPOT.COM

دیکھ سکتی۔ علی تو لاپروا سا ہے وہ امی ابو کے جھگڑوں کو اتنی اہمیت بھی نہیں دیتا مگر آپ تو..... جب آپ دکھی ہوتے ہیں تو میری جان پر بن آتی ہے۔" وہ رو رہی تھی سمعان احمد نے بہت شفقت سے اس کے تمام آنسو پونچھ دیے تھے۔

"بس..... رونا نہیں..... بہت رات ہوگئی ہے، جاؤ جا کر سو جاؤ، صبح کالج بھی جانا ہے..... امی ابو کے یہ جھگڑے اب روز کا معمول ہیں۔ ٹینشن لوگی تو بیمار پڑ جاؤ گی....." سمعان احمد نے اسے سمجھایا پھر اس کا سر تھپک کر اسے جانے کو کہا۔

"اگر مجھے نیند نہ آئی تو؟" دروازے کے پاس جا کر وہ رکی۔ سمعان احمد مسکرایا۔

"سونے کی کوشش کروگی تو نیند بھی آجائے گی، چلو جاؤ شاباش....."

"آپ بھی سو جائیں..... ورنہ میں دوبارہ آجاؤں گی....." کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے کہا تو سمعان احمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

وہ دروازہ بند کر گئی تھی اس کے جاتے ہی سمعان احمد کے ہونٹوں پر رقصاں مسکراہٹ ایک دم غائب ہوگئی۔ فرح کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو پرسکون اور نارمل رکھے ہوئے تھا مگر اب اس کے جاتے ہی اندرونی خلفشار و انتشار ایک دم اسے اپنے گھیرے میں لینے لگا۔

امی ابو کے روز روز کے جھگڑوں کا صرف ایک ہی حل تھا کہ وہ زرش کے حق سے دستبردار ہو جائے۔

"کیا زرش سے دستبردار ہونا اس قدر آسان ہے؟"

لائٹس آف کر کے نیم خوابناک روشنی میں خود سے الجھتے سمعان احمد نے اس سوال پر کچھ لمحے خود فراموشی میں گزار دیے تھے۔

"نہیں..... بہت مشکل ہے..... بہت مشکل....." بستر پر کروٹ بدلتے اس کے دل نے سرگوشی کی۔

"ناممکن تو نہیں....." سمعان احمد نے دل کو تسلی دی مگر دل تو پہلے سے زیادہ کراہ اٹھا۔

"ہرگز نہیں..... کیا تم اپنے والدین کی سی ایک ناکام زندگی گزار لوگے.....؟" سمعان احمد کے سامنے ایک بڑا سا سوالیہ نشان تھا۔ وہ بستر سے اٹھ بیٹھا۔

"سمعان بھائی! آپ میرے ساتھ جب ہوتے ہیں تو مجھے لگتا ہے جیسے میں ایک دم کسی پناہ کے حصار میں آگئی ہوں مگر جب میں آپ سے جدا ہوتی ہوں تو میرے اندر ایک خلا سا ابھرنے لگتا ہے۔ دل چاہتا ہے میں چیخ چیخ کر روؤں..... کیوں ہوتا ہے میرے ساتھ ایسا..... مجھے بتائیں نا مجھے اتنی گھبراہٹ کیوں ہونے لگی ہے۔" کئی ماہ پہلے زرش اس کا ہاتھ پکڑے اپنی کیفیت بتا رہی تھی اور وہ حیرت سے ساکن و صامت کھڑا سن رہا تھا۔ تب پہلی دفعہ اسے زرش کے وجود کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔

"مجھ سے ناراض نہ ہوا کریں۔ آپ ناراض ہوتے ہیں تو لگتا ہے زندگی روٹھنے لگی ہے۔ سچ کہتی ہوں آپ کے گھر نہ آؤں تو مجھے موت دکھائی دیتی ہے۔ میں آپ لوگوں کے بغیر نہیں رہ سکتی....."

وہ اس سے ناراض تھا اس کی اور امی کی ہلکی سی بدکلامی ہوگئی تھی۔ قصور سراسر امی کا ہی تھا مگر اس نے اسے اچھا خاصا ڈانٹ دیا۔ پھر تین دن تک وہ ان کے ہاں نہیں آئی تھی، چوتھے دن جا کر سمعان احمد اسے منا رہا تھا تو وہ یہ سب کہہ رہی تھی اور تب سمعان احمد کو اپنا دل مکمل طور پر ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

اس کے والہانہ پن پر دل ڈوب کر ابھرتا تھا۔

محبت کے احساس نے پورے وجود کو گھیرے میں لے لیا تھا اور تب پہلی دفعہ سمعان احمد اس کی آنکھوں کے دمکتے ہیروں کے سامنے ریزہ ریزہ ہوگیا اور وہ لمحہ اس کی کل زندگی بن گیا۔ وہ ہر لمحہ اس لمحے میں گزار رہا تھا۔ اپنے ہاتھوں پر ان سبک ہاتھوں کی نرمی محسوس ہوئی تو بستر پر کانٹے اُگ آئے۔

بعض اوقات جان بوجھ کر محبت سے دامن چھڑانا کس قدر مشکل ہو جاتا ہے۔ بستر کے کراؤن سے سر ٹکاتے سمعان احمد کو اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہوئیں۔

"مگر مجھے اپنے گھر کو انتشار اور بدنظمی سے بچانے کے لیے بروقت ایک فیصلہ تو کرنا ہوگا۔" سینے پر ہلکے ہلکے انگوٹھے سے ضربیں لگاتے سمعان احمد نے سوچا۔

"میرے لیے امی ابو دونوں اہم ہیں کسی ایک کی برتری کے لیے کسی دوسرے کو ہرانا وہ بھی صرف اور صرف اپنی خواہش کے لیے..... کیا ساری زندگی میں اپنے والدین کے سامنے سر اٹھا کر جی سکوں گا.....؟" سینے کے بائیں جانب درد کی ایک ہلکی لہر اٹھی مگر کمال ضبط سے سمعان احمد برداشت کر گیا۔

"شاید میں اپنے دل کے سامنے تو سرخ رو ہو ہی جاؤں مگر والدین کے سامنے ہمیشہ سر جھکائے ہی رہوں گا تو پھر کیا کروں....."

کروٹ بدلتے سمعان احمد کو کسی پل سکون نہ تھا۔

زندگی میں آنے والے اولین لمحات کے رنگ مہکتے ہوئے، رسیلے اور نشیلے تھے۔

تصور اتنا جاں فزاں تھا کہ وہ چاہ کر بھی نظریں چرانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ سرخ گلابی چہرہ، ہیروں کی طرح دمکتی آنکھوں کی لانبی سیاہ پلکوں کی معصوم لرزش، سرخ، ملیح، سبک ہاتھوں کا پرجوش لمس۔

وہ کس کس رخ سے نظر چراتا۔ اس کا تو ہر ہر انداز گھائل کر دینے والا تھا۔

وہ ایک بھرپور مرد تھا۔ زندگی کے میدان میں ہر لحاظ سے کامیاب و کامران مگر اس مقام پر آ کر سمعان احمد کو اپنی ساری ذہانت، معاملہ فہمی، سوجھ بوجھ راکھ کا ڈھیر محسوس ہو رہی تھی۔

زندگی نے ہر مقام پر اسے ایک نئے تجربے، نئے واقعے سے روشناس کیا تھا لیکن گزشتہ ماہ سے دل جس طرح الجھا تھا وہ خود کو کہیں کھو کر بھولتا جا رہا تھا۔ وہ جو خود ناقابل تسخیر تھا اب کسی اپنے کو اپنے لیے ناقابل تسخیر گردان رہا تھا۔

زرش کا دل میں یوں جگہ بنا لینا، ایک انوکھے تجربے سے دوچار کر گیا تھا، رگ و پے میں ایک میٹھا درد سلگ رہا تھا۔ اس احمق سی، معصوم سی، کم عمر جذباتی لڑکی کی چاہ سمعان احمد جیسے باہوش، عقلمند شخص کو نئی الجھن سے دوچار کر گئی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

زندگی میں آنے والا یہ سوز عجیب اذیت سموئے ہوئے تھا۔ ایسی ڈور جس کا کوئی بھی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ مسلسل کرب سے عجیب طرح کی یاسیت و پژمردگی کا شکار ہو چکا تھا۔ ایسی یاسیت جو اذیت بن کر رگ و پے کو چھیدتی چلی جاتی ہے، گھائل کر دیتی ہے۔

مسلسل کروٹیں بدلتے بدلتے ایک دم وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرے کی لائٹ روشن کی۔ سائیڈ دراز سے اپنی ''گرے'' ڈائری نکالی۔ اس دن جب ظفر آیا تو اس نے اس دراز میں رکھی تھی اور آج نکالی۔ بہت دنوں بعد سمعان احمد اسے کھول رہا تھا۔ گرے جلد کو کھولتے ہوئے اس کے انداز میں بے پناہ عقیدت تھی، بہت والہانہ پن تھا۔ اس ڈائری میں جا بجا اس کے اولین جذبوں کے مہکتے گلاب رقم تھے۔ سفید گلابی کاغذ اس کے جذبوں کی شدتوں کے گواہ تھے۔

اس کے سچے جذبوں کی پاکیزگی کے امین تھے۔

اس کی نس نس میں بکھرے محبت کے امرت کے رازداں تھے۔

سمعان احمد کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی۔ بعض اوقات لفظ حقیقت کا روپ دھار کر انسان کو کس قدر اذیت ناک دھوکے سے دوچار کر دیتے ہیں۔ دراصل یہاں سارا قصور اس کی سمجھ کا ہے۔ وہ تخیل کی پرواز سے نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرنے نکل جاتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو وہی ماحول، وہی جگہ وہی سب کچھ ہوتا ہے اور یہ لمحات بعض اوقات انسان کو دائمی غم سے بھی دوچار کر دیتے ہیں۔ نہ جانے سمعان احمد کے مقدر میں کیا تھا لیکن اس گرے ڈائری پر وہ اپنی ساری الجھنیں، ساری کلفتیں، سارے غم رقم کرتے کرتے ایک دم حال سے بے خبر پورے تخیل سے سیراب ہوتا چلا گیا تھا۔

✿.....✿.....✿

یہاں آنے کا اس کا قطعی موڈ نہیں ہو رہا تھا مگر پھر خانہ پُری کو وہ آ گیا تھا۔ بہت سے ایڈیٹرز اور اخباری رپورٹرز آئے ہوئے تھے۔ وہ سب سے مل کر ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔ ویٹر اسے مشروب پکڑا گیا تھا۔ وہ ہولے ہولے سِپ لے رہا تھا۔

''ہیلو مسٹر شارق زمان.....'' عقب سے آنے والی آواز پر وہ پلٹا مگر ایک لمحہ کو لگا کہ زمین آسمان گھوم گئے ہوں۔

قیامت کبھی یوں ہی بغیر بتائے آ جاتی ہے۔

کبھی بیٹھے بٹھائے ہی انسان اذیتوں کے پہاڑ سہ جاتا ہے۔

وہ جس، جس اذیت سے بھاگ رہا تھا، وہ مسلسل اس کے تعاقب میں تھی۔ کس قدر وہ بچنے کی کوشش میں تھا لیکن اس کی ہر کوشش ناکامی سے ہمکنار ہو رہی تھی۔ شارق زمان کے اپنے سامنے نظر آنے والے نفوس کوئی اور نہ تھے۔ بہت جانے پہچانے چہرے تھے۔ وہ تو ان چہروں کو بند آنکھوں سے بھی اچھی طرح پہچان سکتا تھا۔ اب کیوں نہ جانتا۔

''ہیلو.....'' شارق زمان کے لہجے میں پہاڑوں کی سی سختی تھی۔ وہ کھا جانے والی نظروں سے اپنے

سامنے والے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت ضبط کی کس منزل پر تھا کاش کوئی سمجھ سکتا۔

''یقیناً اچھی طرح پہچان گئے ہو گے ہمیں، شارق زماں صاحب.....''

شارق نے سختی کے ساتھ اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ اذیت و صبر کے جس مقام پر تھا وہ صرف وہی جانتا تھا۔ اس کے سامنے کھڑا احسان منصور انتہائی خباثت سے مسکرا رہا تھا اور اس کے ساتھ کھڑا وجود اپنی حشر سامانیوں سمیت شارق زمان کی غیرت کو للکار رہا تھا۔ بڑی مشکل سے شارق زمان نے اپنی غیظ و غضب والی فطرت کو اشتعال انگیزی کا لبادہ اوڑھنے سے روکا تھا۔ ایک سلگتی وحشیانہ نظر احسان منصور کے ساتھ کھڑی شہوانہ زمان پر ڈالی جو اپنے بھڑکتے چمکتے وجود کے ساتھ آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

''بہت اچھی طرح.....'' بہت ضبط سے شارق زمان نے خود کو بحران کے شدید دباؤ سے نکالا۔

''آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا..... بڑا زبردست ہے آپ کا میگزین.....'' شہوانہ زمان دلچسپ نظروں سے دیکھ رہی تھی مگر وہ لاپروائی سے ایک سلگتی نظر ڈال کر دوبارہ ادھر متوجہ نہیں ہوا۔ البتہ احسان منصور کی بات پر شارق کی بھنویں تن گئی تھیں۔

''زبردست'' کی پلیز وضاحت کر دیں ذرا.....''

اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل امر ضرور تھا مگر ناممکن نہیں تھا۔ وہ اس پل ایک نئے تجربے سے دوچار ہوا تھا خود پر قابو پا لینے کے تجربے سے۔

اپنے بپھرتے وحشی جذبوں کو لگام میں ڈال لینے کے تجربے سے بہت ہی خشک کھردرا لہجہ تھا۔

''گزشتہ دنوں آپ کے میگزین میں شائع ہونے والی رپورٹ کی تعریف کر رہا ہوں محترم شارق زمان صاحب.....'' احسان منصور اسی طرح چرکے لگا رہا تھا۔

شارق زمان کو لگا جیسے اس کا سارا ضبط بے ربط ہونے کو ہے۔ اختیار ایک دم بے اختیاری کی کیفیت میں ڈھلتا چلا گیا تھا۔ شارق زمان کے لیے اس لمحے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہونے لگا۔

وہ زہر بھری نگاہوں سے اپنے مقابل کو دیکھ رہا تھا۔ جو ہنس کر کہہ رہا تھا۔

''ارے شارق زمان صاحب، ان سے تو متعارف کروایا ہی نہیں آپ کو۔ یہ شہوانہ وہی ہیں جن کی رپورٹ اور تصاویر آپ کے میگزین کی زینت بنی تھیں۔ میری طرح شہوانہ کو بھی آپ سے ملنے، آپ کو دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ شومئی قسمت کہ آج کی تقریب میں موقع بھی مل گیا، ویسے تعارف کی محتاج تو نہیں ہمشیرہ ہوتی ہیں آپ کی.....''

شارق زمان کو لگا جیسے سامنے کھڑے شخص نے اس پر کھولتا ہوا پانی انڈیل دیا ہو اور وہ جلنے لگا ہو۔

''شٹ اپ.....'' وہ ایک دم پھنکارا اردگرد لوگ جمع نہ ہوتے تو وہ اس شخص کا منہ توڑنے میں ایک لمحہ نہ لگاتا بمشکل اپنے اٹھتے ہاتھوں کو وہ قابو میں رکھے ہوئے تھا۔

''ارے آپ تو خفا ہو گئے..... مجھے بھی پتہ نہیں تھا، یہ تو مختلف لوگوں نے بتایا کہ آپ شارق زمان ہیں اور میرے والد نے بتایا تھا کہ آپ شہوانہ کے بھائی ہیں، یقین مانیں بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر.....''

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

شارق زمان نے ایک اشتعال انگیز نظر ڈالی۔ وہ شخص مسکرا رہا تھا اس کے ساتھ کھڑا وجود دلچسپی سے ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ سجائے اسے دیکھ رہا تھا۔ شہوانہ زمان کی مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

''شٹ اپ..... میں کسی شہوانہ کو نہیں جانتا۔ سمجھے تم..... آئندہ میرے سامنے آنے کی قطعی کوشش نہ کرنا ورنہ زمین میں زندہ گاڑ دوں گا۔''

صرف ہاتھ اٹھانے کی کسر رہ گئی تھی۔ پھنکارتے لب و لہجے میں ایک دم کہہ کر راستے میں آنے والی ہر شے کو ٹھوکر مارتے وہ وہاں سے نکل آیا۔

وہ اپنے پیچھے احسان منصور کے مکروہ قہقہوں کی آوازیں بخوبی سن رہا تھا۔

دل چاہ رہا تھا کہ پلٹ کر جائے اور ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر دونوں کو ڈھیر کر دے۔

''یہ شہوانہ زمان ہیں.....'' گاڑی پارکنگ ایریا سے نکالتے ہوئے احسان منصور کی آواز اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

وہ کبھی سوچتا کہ اگر زندگی میں اس کی ماں کا اس سے سامنا ہو گیا تو وہ کیا کرے گا۔ جب سے شہوانہ کی رپورٹ میگزین میں چھپی تھی تب سے وہ مسلسل اسی اذیت میں تھا کہ اگر ان ماں بیٹی نے اس کے آفس میں آ کر رابطہ کرنے کی کوشش کی تو وہ دنیا والوں کو کیا جواب دے گا۔

کیسے ان سے اپنے تعلق سے انکار کرے گا۔

اور آج سر عام ایک بھری پری تقریب میں یہ واقعہ ہو چکا تھا۔ وہ ہزار ہا خواہش کے باوجود نہ تو احسان منصور کا گلا دبا سکا اور نہ ہی شہوانہ کا منہ توڑ سکا تھا۔ کس قدر تمسخرانہ لب و لہجہ تھا احسان منصور کا۔

گاڑی چلاتے ہوئے وہ سلگ رہا تھا۔

کسی بھی چیز کا ہوش نہ تھا بس دل و دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔ آندھیاں سی اٹھ رہی تھیں۔

''ویسے تعارف کی محتاج تو نہیں..... ہمشیرہ ہوتی ہیں آپ کی۔'' گونجتی ہتھوڑے برساتی آواز اس کے دماغ کی ساری صلاحیتیں سلب کرتی جا رہی تھی۔

''یہ بے چارہ شارق ہے اس کی ماں ایک طوائف زادی تھی۔ اس کے باپ سے شادی کی تھی پھر شوہر کو چھوڑ کر بھاگ گئی ایک بیٹا چھوڑ گئی۔ بچی کو لے گئی۔''

ماضی میں کہے گئے کسی کے جملے اس کی شریانوں کو پھاڑ دینے کو تھے۔

''گزشتہ دنوں آپ کے میگزین سے شائع ہونے والی رپورٹ کی تعریف کر رہا ہوں محترم شارق زمان صاحب.....''

اسپیڈ سے گاڑی دوڑاتے اس کی آنکھوں کے سامنے صرف اور صرف احسان منصور اور شہوانہ کے چہرے گھوم رہے تھے اور کوئی چیز اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔

''شہوانہ زمان.....'' گاڑی چلاتے ہوئے اس نے زور سے اسٹیرنگ پر ہاتھ مارے تھے۔ سامنے سے گاڑی آ رہی تھی رات کے اندھیرے میں کچھ بھی واضح نہیں ہو رہا تھا۔ غم و غصے نے دماغی

صلاحیتوں کو بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ شہوانہ اور احسان منصور کے علاوہ اسے اور کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ گھومتے وہیل کو قابو میں کرتا سامنے سے آنے والی گاڑی سے اس کی گاڑی بری طرح ٹکرائی اور ایک زبردست دھماکہ ہوا اس کے بعد مکمل خاموشی تھی۔

✿.....✿.....✿

وہ گھر لوٹا تو امی ابو اور رمشا سامنے ہی بیٹھے دکھائی دیے۔ رمشا کو دیکھ کر اسے شام والی تائی جان کے ہاں کی جانے والی حرکت یاد آئی لیکن حمید صاحب کو دیکھ کر وہ نظریں جھکا گیا تھا۔

''کہاں تھے تم.....؟'' ابو بھی اسے دیکھ چکے تھے اسی لیے پوچھا تھا۔

''حیدر کے ہاں گیا ہوا تھا۔'' سر جھکائے جھکائے جواب دیا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا لیکن اس کے باوجود حمید صاحب بہت سخت تھے۔ وہ ''کھلاؤ تو سونے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی نگاہ سے۔'' کے قائل تھے۔ رضا حمید ان سے ہمیشہ بہت خائف رہتا تھا اگر ان کے غصے کی پرواہ نہ ہوتی تو اپنے اور رمشا کے درمیان موجود تعلق کو کب کا توڑ چکا ہوتا۔

''کیا کر رہے تھے اس کے ساتھ.....'' ان کا تفتیشی انداز تھا۔ امی خاموش تھیں اس نے یونہی نظر اٹھائی تو رمشا جاوید کے ہونٹوں کی زہریلی مسکراہٹ اسے سلگا گئی۔

''کام تھا ایک.....'' اس نے تحمل سے جواب دیا۔

''کیا کام تھا؟'' انہوں نے فوراً پوچھا۔

''اس کے ساتھ مل کر کمپیوٹر پر ایک اسائنمنٹ تیار کر رہا تھا.....''

حمید صاحب نے ایک گہری نظر بیٹے پر ڈالی۔ جھکی گردن اور چہرے کے تاثر سے وہ کچھ اخذ کر کے ایک دم پرسکون ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر پہلے زبیدہ بیگم نے انہیں جو کنڈیشن بتائی تھی وہ خود بھی متفکر سے تھے۔ وہ ان کا اکلوتا اور لاڈلہ بیٹا تھا، خدانخواستہ اگر کسی غلط صحبت کا شکار ہو جاتا تو اسی لیے وہ اس سے پوچھ گچھ کرنے پر مجبور تھے۔

''اسائنمنٹ تیار ہو گئی؟'' اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے انہوں نے پوچھا۔ وہ ایک طرف صوفے پر ٹک گیا۔

''جی.....'' سنجیدگی سے اس نے جواب دیا۔

''رمشا بیٹا!.....'' حمید صاحب کا رخ اب رمشا کی جانب تھا وہ جو مکمل توجہ رضا حمید کی طرف مبذول رکھے ہوئے تھی، ایک دم چونکی۔

''جی پھوپا جان''

''بیٹا! اچھی سی چائے پلا دو بہت طلب ہو رہی ہے.....'' انہوں نے فرمائش کی۔

''ابھی لائی پھوپا جان.....'' وہ فوراً وہاں سے چلی گئی۔

''میں عشاء کی نماز ادا کر لوں..... بہت دیر ہو گئی ہے۔'' حمید صاحب نے زبیدہ بیگم کو اشارہ کیا وہ

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

کہتے ہوئے اٹھیں.....رضا نے انہیں لانج سے نکلتے دیکھا۔

''ہاں بیٹا جی آپ کی اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟.....رضا سمجھ گیا ابو نے اس سے بات کرنے کے لیے رمشا کو یہاں سے بھیجا اور امی بھی اسی لیے گئی ہیں، وہ ایک دم محتاط ہو گیا۔

''جی بالکل ٹھیک.....'' اس نے محتاط نظروں سے ابو کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔

بالکل سپاٹ چہرہ تھا۔ حمید صاحب کو اپنے تاثرات چھپانے میں کمال مہارت حاصل تھی۔ ان کی اندرونی کیفیت کا اندازہ کبھی بھی ان کے چہرے سے نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ رضا ناکام ہو کر ٹیلیویژن کی طرف دیکھنے لگا جس پر کوئی ''ٹاک شو'' آ رہا تھا مگر آواز بند تھی۔

''میں کئی دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ تم کچھ الجھے الجھے سے پریشان رہنے لگے ہو کیا بات ہے.....؟'' حمید صاحب نے پوچھا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ ذہن اضطراب کا شکار ہو گیا۔

وہ کچھ پوچھنا چاہتے، کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ سمجھ تو گیا تھا مگر بات اس موضوع پر ہو گی وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔ وہ براہِ راست رضا کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے، جیسے کچھ پڑھنے کی کوشش میں ہوں۔ رضا حمید نے فوراً پلکیں جھکا لیں۔ اندر پھیلنے والا انتشار ایک دم بڑھا اور بے چینی حد سے سوا ہو گئی۔

''جی.....میں سمجھا نہیں.....'' اپنے آپ کا یوں آشکار ہونا اسے تو قطعی گوارا نہ تھا۔ اس نے چہرے کے اترتے رنگوں کو نارمل کرنے کی کوشش کی مگر وہ مزید آشکار ہوتے گئے۔

''سارا سارا دن اور رات گئے تک باہر آوارہ گردیاں کرنا۔ کوئی بات کرے یا بلائے تو کاٹ کھانے کو دوڑنا ان سب کا مطلب میں تمہیں سمجھاؤں یا تم مجھے بتاؤ گے۔'' وہ سخت کھردرے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

ان کا سخت دوٹوک کوئی رعایت نہ دینے والا انداز دیکھ کر رضا کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی۔

''یا اللہ اس سوئے ہوئے شیر کو کس نے جگا دیا۔'' وہ حمید صاحب کو صرف ایک نظر دیکھ پایا۔ وہ غصے سے گھور رہے تھے۔

''جی کوئی بات نہیں.....'' اندر سے دل کسی تیز دھار سے کاٹا جانے لگا مگر وہ دل کی بات نہ کہہ سکا۔ وہ مر بھی جاتا تو کسی کے سامنے اپنے دل کی بات آشکار نہ کر پاتا۔

''تو پھر اپنے آپ کو بدلو.....میں تمہیں غیر ضروری کام کے لیے باہر نکلتے نہ دیکھوں ورنہ نتیجے کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔'' پہلے سے زیادہ غیظ بھرے انداز میں وہ اسے باور کروا رہے تھے۔

''جی.....'' وہ اور کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ احساس ذلت و ہتک سے اس کا چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔ امی اور رمشا کو وہ کسی خاطر میں نہیں لاتا تھا مگر ابو.....

''تمہارے پروفیسر صاحب سے تمہاری پڑھائی کے متعلق معلومات کرنے کے لیے میں نے تھوڑی دیر پہلے فون کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری پڑھائی کی صورتحال بہت خراب ہے۔ میں تمہاری ہر جائز ضرورت پوری کرتا ہوں تو صرف اس لیے کہ تم مکمل یکسوئی اور توجہ سے اپنی اسٹڈی مکمل کرو اگر تمہارا

دل پڑھائی میں نہیں لگ رہا تو بہت آسان حل ہے پڑھائی چھوڑ کر کاروبار سنبھالو، تمہیں بھی پتا چلے پیسہ کمانا کسے کہتے ہیں مگر یہ فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا کہ تمہارے جیسے لڑکے کو کام کے نام پر صرف محنت مزدوری ہی کرنے کو ملے گی اور کچھ نہیں.....''

حمید صاحب اسے بھگو بھگو کر مار رہے تھے۔ وہ سر جھکائے ان کی لعنت ملامت سن رہا تھا۔

اسے مسلسل سر جھکائے دیکھ کر انہوں نے مزید غصہ سے اور ڈانٹ کر کہا ''سن رہے ہو جو میں کہہ رہا ہوں.....''

''جی.....'' پھنسی پھنسی آواز میں رضا نے کہا۔

حمید صاحب کو بھی احساس ہوا کہ وہ اسے اچھا خاصا بے عزت کر چکے ہیں تھوڑا سا دھیمے پڑے۔

''دیکھو یہ سب کچھ میں تمہارے بھلے کے لیے ہی کہہ رہا ہوں۔ دن رات محنت کر رہا ہوں تو صرف اور صرف تم لوگوں کی آسائش و سکون کے لیے اگر تم پڑھائی پر توجہ نہیں دو گے تو سوچو تمہارے کیا ہاتھ آئے گا۔ آج جن باتوں کو تم لاپروائی، کم عمری کی بدولت نہیں سمجھ پاؤ گے کل کو وہ ایک بہت بڑے نقصان کی طرح تمہیں نگلنے کو بے تاب ہوں گی۔ اس عمر میں بھٹکنے والے ساری عمر پچھتاتے ہیں۔ دل لگا کر پڑھائی کرو جو بھی مسئلہ ہے مجھے بتاؤ میں ابھی زندہ ہوں۔ تمہارے تمام مسئلے کو حل کرنے کی ذمہ داری میری ہے۔ جو بھی پریشانی ہے مجھ سے کہو یا پھر اپنی ماں کو بتاؤ کل سے تم نواز کی اکیڈمی میں روزانہ جایا کرو گے۔ پہلے کالج اور اس کے بعد نواز کے پاس رہو گے۔ میں اس سے بات کر لوں گا۔ خبردار دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کی ضرورت نہیں.....'' ڈانٹتے ہوئے وہ اسے محبت پیار سے کہہ رہے تھے۔

''جی.....اچھا.....'' رضا اس قدر عزت افزائی پر دھواں دھواں چہرے کے ساتھ ان کو دیکھ کر نظریں جھکا گیا۔

''ادھر آؤ میرے پاس آ کر بیٹھو.....'' رضا کی اس قدر عزت افزائی پر، سعادت مندی پر انہیں بھی اس کا خیال آیا تو سارا رعب و دبدبہ ایک طرف ڈال کر محبت سے اسے اپنے پاس آ کر بیٹھنے کو کہہ رہے تھے۔

رضا آہستگی سے اٹھا اور خاموشی سے چلتا ہوا ان کے پاس جا بیٹھا۔

انہوں نے بہت شفقت و محبت سے اسے اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔

''دیکھو بیٹا جی! یہ جو عمر ہوتی ہے ناں بہت عجیب سی ہوتی ہے۔ اس عمر میں ہر چمکتی چیز سونا محسوس ہوتی ہے۔ بہت سنبھل سنبھل کر قدم اٹھانا پڑتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ہمارا بیٹا، ہماری ذرا سی لاپروائی کی نذر ہو جائے اگر کوئی بات ہوئی ہے مجھ سے یا اپنی ماں سے، کوئی گلہ شکوہ ہے تو بیٹا جی ہمیں بتاؤ یہ رشتے دکھ سکھ بانٹنے ہی کا تو نام ہے۔'' بازو کے حصار میں لیے بہت پیار اور محبت سے وہ کہہ رہے تھے۔ کچھ پل پہلے دکھائی دینے والے ڈانٹتے ڈپٹتے حمید صاحب کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

رضا کا دل ان کی اپنائیت سے لبریز ہونے لگا۔ دل میں آئی کہ کہہ دے۔

''مجھے نوریہ چاہیے.....ہر حال میں چاہیے اور کچھ بھی نہیں.....'' مگر شرم و حیا نے زبان پر تالے ڈال

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

دیے۔ اپنی اور نویرہ کی عمروں کے تضاد نے اسے شش و پنج میں مبتلا کیا ہوا تھا۔

"کوئی بات نہیں ہے..... آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" وہ اس کے جواب کے منتظر تھے۔ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ بس یہی لفظ سوجھے سو کہہ دیے۔

"شاباش..... مجھے امید ہے تم آئندہ ہمیں شکایت کا موقع نہیں دو گے۔" اس کا کندھا تھپتھپاتے انہوں نے بھی آج کے لیے اتنی ہی ڈوز کافی سمجھی تھی۔ زبان سے وہ اسے سمجھا چکے تھے۔ باقی کا کام وہ اس کی نگرانی کر کے سرانجام دے لیں گے۔ انہیں پتا تھا رضا ان سے اچھا خاصا ڈرتا ہے، ان کا زبان سے سمجھا دینا ہی کافی ہوگا۔

"نماز پڑھتے ہو؟" دوبارہ ٹی وی آن کر کے انہوں نے پوچھا۔ رضا کو شرمندگی نے آ گھیرا۔

"کبھی..... کبھی....."

"پانچوں وقت کی نماز پڑھا کرو....." انہوں نے نصیحت کی۔ رضا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس دوران رمشا چائے کی ٹرے اٹھا کر چلی آئی۔

رضا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ رضا نے ناگواری سے رمشا پر ایک نظر ڈالی، اس لمحے اس نے بھی اسے دیکھا تھا۔

احساس برتری، فتح، سب کچھ اپنے اختیار میں ہونے کا غرور۔

کیا کچھ نہیں تھا رمشا جاوید کی آنکھوں میں۔

وہ بس اسی سے ہار جاتا تھا۔ اب بھی یہی ہوا تھا۔ ابو کے اتنے لمبے لیکچر پر بھی اس کے اندر کی تلملاہٹ بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہوئی۔ رضا حمید کو اپنا پورا وجود زہریلا ہوتا محسوس ہوا۔

"رمشا جاوید..... مجھے تم یوں اشتہار بنا کر اچھا نہیں کر رہی۔ گن گن کر بدلے لوں گا میں تم سے....." وہ اندر ہی اندر غصے سے کراہ کر رہ گیا۔ وہ ایک علامتی، غصہ بھری نگاہ ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہو.....؟" اس سے پہلے کہ وہ کوئی قدم اٹھاتا ابو نے پوچھا۔ وہ کلس کر رہ گیا۔

"اپنے کمرے میں....." رمشا ابو کو چائے کا کپ دے رہی تھی۔

"آرام سے بیٹھ کر چائے پیو..... کبھی ہمارے ساتھ بھی بیٹھ کر دو باتیں کر لیا کرو..... اور کچھ نہیں تو کم از کم موڈ ہی خوشگوار ہو جاتا ہے بندے کا، آپس میں محبت و یگانگت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔" وہ اسے پھر سمجھانے لگے۔ رضا کو لگا جیسے ابو کی بات نے اس کے اٹھتے قدموں میں زنجیر ڈال دی ہو۔

بہت چاہنے کے باوجود وہ وہاں سے نکل نہیں پایا۔ رمشا جاوید سے ہزار ہا نفرت کرنے کے باوجود اسی کے ہاتھ کی بنی چائے پینے پر مجبور تھا۔ وہ اذیت سے دل مسوس کر ابو کے ساتھ دوبارہ بیٹھ گیا۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا گھبراہٹ سے نویرہ کی آنکھ کھل گئی۔ اجنبی سا ماحول اور پھر اجنبی بستر پر نیند بھی الجھی الجھی سی تھی۔ شاید وہ ایک گھنٹہ ہی سو پائی تھی۔ کمرے کی لائٹ روشن تھی واجدہ خالہ لائٹ آن کر کے سوتی تھیں، اس وقت بھی وہ گہری نیند میں تھیں یا پھر شاید نیند کی گولیوں کا اثر تھا کہ انہیں اپنے اردگرد کا کوئی ہوش نہ تھا۔

نویرہ دوپٹہ سنبھال کر بستر سے اتر آئی۔ وال کلاک کی طرف دیکھا رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ باتھ روم میں جا کر کلی کی ایک دو چھپاکے منہ پر مار کر وہ کمرے سے نکل آئی۔ سارے گھر کی لائٹس آف تھیں۔ شاکرہ اپنے کوارٹر میں جاتے ہوئے آف کر گئی تھی۔ وہ اکثر ہی اس گھر میں آتی رہتی تھی مگر رات کو بہت کم رکتی تھی۔ اس کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ اسے نیند صرف اپنے بستر پر ہی ٹھیک طرح سے آتی تھی اسی لیے وہ کبھی کبھار رات گزارنے کو رکتی تھی اور جب بھی وہ واجدہ خالہ کے ہاں رکی تھی ایک ڈیڑھ دو گھنٹہ کے بعد اس کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ اندازے سے بٹن تلاش کر کے اس نے راہداری کی لائٹ آن کی۔

وہ شام کو نبیلہ بھابی کے ساتھ واجدہ خالہ کی عیادت کے لیے آئی تھی رضا کے جانے کے بعد وہ کافی دیر بیٹھی تھیں بعد میں حمید چچا آ کر زبیدہ چچی اور رمشا کو لے گئے تھے۔ ان کو نبیل بھائی لینے آئے تھے مگر شارق زمان ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا۔ خالہ کی طبیعت فکر سے خراب ہونے لگی تھی۔ کافی دیر تک شارق زمان کا انتظار کرنے کے بعد وہ لوگ واپس جانے کے لیے تیار تھے جب واجدہ خالہ نے اسے روک لیا۔ نبیل بھائی نے بھی خالہ کی طبیعت دیکھ کر اسے رک جانے کا کہا۔ وہ لوگ تو چلے گئے مگر وہ اور خالہ کافی دیر تک شارق کے انتظار میں جاگتی رہیں۔ اس نے شاکرہ کو اپنے کوارٹر میں بھیج دیا۔ خالہ کی بے چینی دیکھ کر اس نے نیند کی گولی پانی میں ملا کر انہیں پلا دی تھی۔ وہ تو سو رہی تھیں مگر وہ رات کے اس پہر جاگنے پر مجبور تھی۔

"یہ شارق بھائی کی زندگی بھی کیسی زندگی ہے، نہ اپنی فکر ہے، نہ اپنے سے متعلقہ لوگوں کی۔" دوپٹے کو اچھی طرح سے لپیٹ کر وہ گلاس وال دھکیل کر رہائشی حصے سے باہر آ گئی۔ لان کی طرف کھلنے والے دروازے کو لاک کیا ہوا تھا، وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

"شاکرہ کا دم بھی کتنا غنیمت ہے خالہ جان کے لیے۔ وہ نہ ہوتی تو شارق بھائی کی اس روٹین سے وہ اب تک قبر میں جا اترتیں....." اپنے گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے وہ مسلسل اسی نہج پر سوچ رہی تھی۔ چند

PDFSUFI.BLOGSPOT.COM

منٹ وہاں بیٹھی پھر اندر جانے کو سوچ رہی تھی کہ گیٹ پر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

نویرہ کا دل ایک لمحے کو دھڑکا پھر سمٹ کر پھیلا۔

''شارق بھائی.....'' یہ اس کی گاڑی کا ہارن تھا۔ چوکیدار گیٹ لاک کر کے اپنے کمرے میں جا کر سو گیا تھا۔ نویرہ ایک دو منٹ کھڑی رہی پھر وہ درمیانی آٹومیٹک دروازے کا لاک کھول کر باہر نکل آئی۔ اتنی دیر میں ہارن پر ہارن کی آواز سن کر چوکیدار بھی اپنے کمرے سے نکل آیا۔

''ظہور بابا! دیکھیں تو سہی کہیں شارق بھائی تو نہیں ہیں.....'' وہ لان کی سیڑھیوں پر ہی رک گئی۔

''ظہور نے گیٹ کھول دیا.....شارق زمان ہی تھا۔ وہ گاڑی اندر لے آیا۔ ٹوٹے پھوٹے شیشوں والی گاڑی دیکھ کر نویرہ کے حلق سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی۔

''ہائے اللہ.....! وہ ایک دم سے بولی اور منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''کہاں مر گئے تھے تم.....کتنی دیر سے ہارن دے رہا ہوں میں.....'' پٹیوں سے جکڑے شارق زمان نے گاڑی سے نکل کر ظہور کو ڈانٹا۔

''وہ صاحب جی آنکھ لگ گئی تھی.....''

شارق وہیں گاڑی کھڑی کر کے اندر کی طرف بڑھا لیکن لان کی سیڑھیوں پر بے حس و حرکت کھڑی نویرہ کو دیکھ کر ٹھٹکا جو حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

مدھم روشنی میں اس کا گلابی چمکتا چہرہ رات کی تاریکی میں بھی نمایاں ہو رہا تھا۔

''یہ.....یہ.....کیا ہوا؟.....'' وہ اس کے سر بازو وغیرہ پر بندھی پٹیوں کو دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

''کچھ نہیں.....بس چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا.....'' وہ راستہ روکے کھڑی تھی اس لیے شارق زمان کو بتانا پڑا ورنہ اس کے لیے ایسی حالت میں ایک پل کو بھی کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔

''پلیز جگہ دیں.....'' کچھ درد تھا اور کچھ اندرونی تلخی خود بخود لہجہ کڑوا ہو گیا۔ نویرہ کو ایک دم احساس ہوا تو فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

شارق زمان نے ابھی پہلی ہی سیڑھی پر قدم رکھا تھا لیکن ٹانگ کی چوٹ ایسی تھی کہ وہ صرف دو سیڑھیاں ہی چڑھ پایا اور تیسری پر اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ نویرہ قریب ہی کھڑی متفکر اور پریشان نظروں سے دیکھ رہی تھی ایک دم آگے بڑھ کر اس نے شارق زمان کے وجود کو سمیٹ لیا۔

''پلیز دھیان سے.....'' اتنے بھرپور، توانا وجود کو اپنے بازوؤں سے سہارا دے کر اس کو قدم بڑھانے میں مدد دینا خاصا مشکل تھا۔

''ظہور بابا! شارق بھائی کو اندر لے جائیں.....'' شارق زمان کی خستہ مخدوش زخمی حالت دیکھ کر نویرہ کا دل بھر آیا۔ نازک سے وجود سے اس توانا مرد کو سہارا دینا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے دور کھڑے ظہور بابا کو آواز دی۔ وہ فوراً آگے بڑھے اور شارق زمان کو اندر لے گئے۔ وہ شارق کو اس کے کمرے میں لے آئے، نویرہ بھی ان کے پیچھے پیچھے تھی۔ ظہور بابا نے شارق زمان کو بستر پر لٹا دیا۔

''شارق بھائی..... یہ سب کیسے ہوا؟.....آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں.....'' بستر پر لیٹتے ہی

شارق آنکھیں بند کر چکا تھا، اس متفکر آواز پر اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ جھلملاتی، موٹی سیاہ آنکھیں اس پر جھکی ہوئی تھیں۔

شارق زمان صرف ایک نظر ڈال پایا۔ ایکسیڈنٹ خاصا شدید ہوا تھا نجانے کون لوگ تھے جو اس کی ٹوٹی پھوٹی گاڑی پر اسے قریبی کلینک تک لے گئے تھے۔ ضروری مرہم پٹی کے بعد شارق کے ہوش میں آتے ہی ڈاکٹر نے اسے فارغ کر دیا۔ وہ ایک چھوٹا سا کلینک تھا۔ بارہ بجے کے بعد ڈاکٹر کو بند کرنا تھا مگر اس کی وجہ سے وہ لیٹ ہو گیا تھا۔ اس کو یہاں تک لانے والے چلے گئے تھے۔ اس کی تمام چیزیں اس کے پاس ہی تھیں۔ ٹانگ میں درد ایسا تھا کہ چلنا محال لیکن وہ وہاں سے نکل آیا۔ اتنی سخت تکلیف میں ڈرائیونگ کر کے گھر تک آنا اسے مزید درد سے دوچار کر گیا تھا۔

''شارق بھائی.....'' وہ شاید غنودگی میں تھا۔ جب اس نے نرم نرم ہاتھوں کا لمس اپنی پیشانی پر محسوس کیا۔

''شارق.....'' بے قرار، تڑپتا لہجہ تھا۔

''صاحب جی.....'' یہ ظہور کی آواز تھی شارق نے بمشکل آنکھیں کھولی۔

پہلی نظر جس چہرے پر پڑی وہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا روشن روشن چہرہ تھا۔

''ہوں.....'' بھیگے چہرے پر نظریں جمانا مشکل ہو رہا تھا۔

''وہ صاحب جی کیا ہوا؟'' طبیعت زیادہ خراب ہے.....؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

''ہوں.....'' شارق نے صرف گردن ہلائی۔

''ظہور بابا! آپ ایسا کریں، ان کے یہ خون آلود پھٹے ہوئے کپڑے بدلوائیں ورنہ ان کپڑوں سے تو ان کی طبیعت مزید خراب ہو گی۔ میں ان کے لیے کھانے پینے کو کچھ لے کر آتی ہوں۔'' وہ ظہور بابا کو ہدایت دے کر تیزی سے الماری کی طرف بڑھی۔ وہ پہلی دفعہ شارق کی کسی چیز کو ہاتھ لگا رہی تھی۔

شارق کی حالت نے اسے اچھا خاصا بدحواس کر دیا تھا۔ تیزی سے الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے الماری کے پٹ کے اندرونی جانب کے خانے میں شراب کی ان گنت خالی بوتلوں میں سے ایک دو نیچے آ گری تھیں۔ شراب کی بو کی وجہ سے بہ مشکل اس نے کپڑے نکالے۔

''آپ ان کے کپڑے بدلوائیں میں دودھ وغیرہ گرم کر کے لاتی ہوں، ساتھ میں کوئی میڈیسن بھی دیکھتی ہوں.....'' ظہور بابا نے کپڑے لے لیے۔

وہ ایک تلخ سی نگاہ بستر پر لیٹے کراہیں بھرتے وجود پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

''شارق بھائی! یہ آپ کن راہوں پر چل نکلے ہیں۔ کبھی تو سوچتے آپ کس خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ اپنی ماں کے گناہوں کا بدلہ اپنے آپ کو برباد کر کے کیوں لے رہے ہیں۔'' دودھ گرم کرتے ہوئے وہ مسلسل اپنے بہتے آنسو صاف کرتی رہی۔ شارق زمان اس کے سگے تایا زاد تھے۔ ان کی اس مخدوش حالت کا ذمہ دار نجانے کون تھا مگر خاندان کا ہر فرد ان کے دکھ میں افسردہ تھا۔ ہر فرد کو شارق زمان بے حد عزیز تھا۔ دودھ گرم کر کے گلاس میں ڈال کر وہ مختلف درازیں کھنگالنے لگی۔ ایک دراز میں

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

فرسٹ ایڈ باکس مل گیا۔ اس میں سے متعلقہ میڈیسن نکال کر وہ ٹرے میں گلاس اور میڈیسن رکھ کر کمرے میں لے آئی۔

بستر خالی تھا ظہور بابا باتھ روم کے بند دروازے کے قریب کھڑے تھے۔ شارق بھائی شاید اندر تھے۔ دو منٹ بعد وہ نکل آئے۔ وہ کپڑے بدل چکے تھے۔ نویرہ نے سکون کی سانس لی۔ ظہور بابا نے اسے دوبارہ بستر پر لٹا دیا۔

''بابا یہ آپ ان کو دودھ کے ساتھ میڈیسن کھلا دیں.....'' اس نے بابا کو ٹرے پکڑا دی۔

''مجھے کچھ بھی نہیں کھانا.....'' شارق زمان کے لہجے میں اب بھی درد نمایاں تھا۔ تلخی سے اس نے انکار کر دیا۔ ظہور بابا شارق کے انکار پر نویرہ کو دیکھنے لگے۔

''یہ دودھ ہے ساتھ میں درد کی میڈیسن ہے۔ اب مجھے تو یہ نہیں پتا کہ کیا ہوا ہے، کہاں کہاں چوٹیں آئی ہیں مگر یہ پین کلر درد میں آرام دے گی.....'' وہ اس کے سرہانے آ کھڑی ہوئی۔

شارق زمان جو پہلے ہی درد کی بھٹی میں جھلس رہا تھا نویرہ کے ہدایت دینے پر مزید سلگا۔

''میں نے کہا ناں کہ مجھے کچھ نہیں لینا..... جاؤ تم لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ نہیں مرنے والا میں جاؤ..... پیچھا چھوڑو تم لوگ میرا.....''

لباس بدلنے سے شارق کے اندر کچھ حواس بحال ہو رہے تھے اسی لیے وہ تلخ بھی ہوتا جا رہا تھا۔ نویرہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھتی رہی۔

''لائیں مجھے دیں.....'' اس نے کچھ سوچ کر ظہور بابا کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

''آرام سے اٹھ کر یہ دودھ پی لیں، ملازمہ نہیں ہوں آپ کی جو آپ کے سرہانے کھڑی رہوں اور بے فکر رہیں جس طرح کی آپ کی حرکتیں ہیں آپ اتنی جلد مرنے والے نہیں ہیں.....'' دودھ کا گلاس لے کر وہ اس کے سر پر کھڑی تھی۔ شارق زمان نے بے بسی سے دیکھا۔ گلابی روشن روشن چہرہ سپاٹ سے تاثرات لیے ہوئے تھا۔ گہری کالی آنکھیں اٹل ارادے کو ظاہر کر رہی تھیں۔ شارق انتہائی کوفت سے کہنیوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے اٹھا۔

''لاؤ دو آبِ حیات.....''

نویرہ نے جلدی سے گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔ دوسرے ہاتھ سے ظہور بابا سے گولیاں لے کر ہتھیلی اس کی طرف بڑھائی۔

''اب کیا ہے.....؟'' دودھ کا گلاس اس کے ہاتھوں میں کانپ رہا تھا مگر گولیوں کو دیکھ کر اس کی تلخی مزید بڑھ گئی۔

''میڈیسن ہے آرام دے گی.....'' صاف شفاف ہتھیلی پھیلائے وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''تم.....'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر اس کے چہرے کے گلابی پن کو دیکھا اور ایک نظر گلابی ہتھیلی پر ڈالی۔ اس نے لرزتے ہاتھ سے اس کی صاف شفاف نرم سی ہتھیلی سے گولیاں اٹھائیں اور منہ میں رکھ کر وہ ایک گھونٹ میں دودھ کا گلاس منہ سے لگا کر خالی کر گیا۔ نویرہ نے شارق زمان کے ہاتھ سے

خالی گلاس لے کر سکون کی سانس لی۔

''ویسے یہ سب ہوا کیسے؟.....'' اسے گلاس تھما کر وہ دوبارہ پلکیں موند چکا تھا۔ نویرہ کی آواز پر بھی اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

''کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا.....'' بند آنکھوں سے ہی وہ بولا۔

''ڈاکٹر کے پاس گئے تھے؟'' اس نے دوسرا سوال کیا تو شارق نے کچھ ناگواری سے آنکھیں کھول کر نویرہ کو دیکھا۔ وہ سکون سے سونا چاہتا تھا مگر یہ لڑکی.....

''ظاہر ہے یہ مرمت میں خود کرنے سے تو رہا۔'' حسبِ روایت تلخ جواب ملا۔

''کہاں کہاں چوٹیں آئیں..... شدید ہیں یا معمولی سی ہیں.....'' اس کے لہجے کی تلخی کو یکسر نظر انداز کیے اس نے اگلا سوال کیا۔

''تمہیں نیند نہیں آ رہی.....'' شارق زمان کی ضبط کی انتہا تھی۔ ساتھ ساتھ اسے حیرت بھی ہوئی تھی کہ وہ نویرہ تو کیا ہر کسی سے بڑے لیے دیے انداز میں رہتا تھا مگر یہ لڑکی آج شارق زمان کو حیران پر حیران کیے دے رہی تھی۔

''نہیں..... مجھے انجان جگہ پر مشکل سے ہی نیند آتی ہے.....'' شارق زمان کو آرام سے جواب دے کر وہ اب کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ خاصا بے ترتیب سا کمرہ تھا۔ ہر چیز ادھر سے اُدھر بکھری پڑی تھی۔ وہ اس کمرے میں بہت کم آتی تھی شاید ہی چند بار آنا ہوا تھا پھر شارق کا رویہ ایسا ہوتا کہ وہ اس سے کم ہی مخاطب ہوتی تھی۔ آج بھی اس کی خراب کنڈیشن کی وجہ سے وہ اس سے نہ صرف گفتگو کر رہی تھی بلکہ اس کی تھوڑی بہت تیمارداری بھی کر چکی تھی۔

''بی بی جی، میرے لیے اب کیا حکم ہے؟'' وہ بغور کمرے کا جائزہ لے رہی تھی جب ظہور کی آواز آئی تو وہ ایک دم چونک گئی۔ وہ بے چارہ نیند سے بے حال کھڑا تھا۔

''ہاں بابا آپ جائیں.....'' ایک نظر اس نے شارق پر ڈالی جو دوبارہ سے آنکھیں بند کر چکا تھا۔

ظہور بابا کمرے سے نکل گئے تھے۔ وہ شارق زمان کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اونچا لمبا جوان سراپا تھا۔ خوبصورت وجیہ نین نقوش والا مردانہ چہرہ ہلکی ہلکی سرخی لیے ہوئے تھا۔ چہرے پر کھنچاؤ کی کیفیت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دلکشی و مردانہ وجاہت کا پیکر تھا۔

''شارق بھائی! درد ہو یا طبیعت زیادہ خراب ہو تو آپ یہ انٹرکام بجا دیجیے گا۔ میں خالہ جان کے کمرے میں ہوں.....'' شارق زمان کی ہلتی، لرزتی پلکیں دیکھ کر اس نے کہا اور واپس جانے کے لیے مڑی۔ کمرے سے نکلنے سے قبل شارق کی آواز گونجی۔

''یہ لائٹ آف کر جاؤ پلیز.....''

وہ خاموشی سے پلٹی۔ تمام لائٹس آف اور نائٹ بلب روشن کر کے دروازہ بند کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

PAKSOCIETY.COM

وہ جب سے کالج آئی تھی تو عجیب کھویا کھویا سا انداز تھا۔ زرش محسوس تو پہلے ہی کر چکی تھی مگر ٹوکا نہیں تھا۔ میڈم زبیدہ کی کلاس میں بھی فرح کو اسی طرح ذہنی طور پر غیر حاضر محسوس کر کے وہ اندر ہی اندر حیران ضرور ہوئی تھی۔

''خدا خیر کرے..... بھلا ایسی کیا بات ہوگئی جو یہ لڑکی اس حد تک غیر حاضر ہے۔'' سارا پیریڈ زرش یہی سوچتی رہی۔

پیریڈ ختم ہوتے ہی وہ دونوں اپنی فائلز اور کتابیں سمیٹ کر باہر نکل آئیں۔

''فرح! کیا بات ہے..... تم پریشان ہو؟.....'' وہ دونوں کمپیوٹر لیب میں آ کر بیٹھ گئیں۔ فرح کا وہی انداز تھا۔ مجبوراً زرش کو پوچھنا ہی پڑا۔ ان کا فارغ وقت اسی لیب میں گزرتا تھا۔ اس وقت کلاس آف تھی سو وہ اطمینان سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں..... کوئی بات بھی نہیں۔ میں تو بالکل بھی پریشان نہیں.....'' وہ زرش کے استفسار پر پہلے تو چونکی پھر ایک دم ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے نفی میں گردن ہلانے لگی۔

''مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو..... میں تمہاری نس نس سے واقف ہوں' کوئی بات ضرور ہے.....'' اس وقت لیب بالکل خالی تھی' صرف تین لڑکیاں تھیں اس لیے زرش نے آرام سے جرح کی۔

''اوہ کم آن ڈیئر کوئی بات نہیں۔ دراصل امی کی طرف سے پریشانی ہے پھر ابو بھی گھر پر نہیں' رات ان کا فون آیا تھا کہہ رہے تھے کہ ان کا ٹور لمبا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تو کوئی اور الجھن نہیں۔''

پھیکی ہنسی ہنستے اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ زرش مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تائی امی اس سے پہلے بھی ناراض ہوتی تھیں' بلکہ کئی کئی دن کمرہ نشین ہو جاتی تھیں۔ اس نے کبھی بھی کالج ٹائمنگ میں اس بات کو سر پر سوار نہیں کیا تھا لیکن اس بار۔

''یار ایسے کیوں گھور رہی ہو.....؟'' زرش کو اپنا مسلسل جائزہ لیتا پا کر اس نے ٹوکا تو وہ ایک گہری سانس لے کر سیدھی ہوگئی۔

''مان لیتی ہوں مگر دل تو نہیں مان رہا.....'' فائل کھول کر اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے اس نے کہا۔

اس نے سکھ کی سانس لی۔ ورنہ زرش اس کے سر ہو جاتی تو اسے ٹالنا مشکل ہو جاتا۔

''یہ سر حسن کا پیریڈ بھی کتنا مشکل ہوتا ہے..... وہ پریکٹیکل نہیں کرواتے بلکہ بندے کا خون نچوڑتے ہیں۔'' زرش نے اپنے سامنے پڑے پی سی کو آن کرتے ہوئے کہا۔

فرح مسکرا دی۔ اسے زرش کی یہ عادت اچھی لگتی تھی۔ وہ اس بات کے زیادہ پیچھے نہیں پڑتی جس پر اسے شک گزر رہا ہو کہ کوئی اس سے کچھ چھپا رہا ہے بلکہ الٹا وہ اس بات کی جانب سے مکمل لاتعلقی و کنارہ کشی اختیار کر لیتی۔ جب تک کہ اصل حقیقت خود بخود سامنے نہ آ جائے۔

''ہاں پریکٹیکل واقعی مشکل ہوتا ہے لیکن اس کا یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ بندے کو دوبارہ کہیں اور سے کمپیوٹر سیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔'' فرح نے بھی اپنی مکمل توجہ حال پر مرکوز کی ہوئی تھی۔

''یہی تو اصل مزہ ہے کسی کام سیکھنے کا۔ سر حسن جیسے استاد بہت کم ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں' وہ سب کچھ

ابھی سے سکھا رہے ہیں جو کہ ایم کام کمپیوٹر میں مہارت رکھنے والا شخص سب سے آخر میں سیکھتا ہے۔'' کی بورڈ پر تیزی سے انگلیاں چلاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''ہوں..... دراصل ہمیں اس لیے بھی یہ بات زیادہ محسوس ہو رہی ہے کہ ہم دونوں سمعان بھائی سے اچھا خاصا سیکھ چکے ہیں۔ جب کہ وہ لڑکیاں جنہیں کمپیوٹر کی Basic ہی نہیں پتا انہیں اب آ کر مسئلہ ہو رہا ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔ سمعان بھائی کا سکھایا ہوا آج ہمارے کام آ رہا ہے۔ آج ہم دونوں سر حسن کی چہیتیاں ہیں ناں یہ ان ہی کی بدولت ہے۔''

زرش نے ہنس کر کہا۔ فرح بھی مسکرا دی۔ وہ مکمل طور پر اپنے آپ کو زرش کی باتوں میں محو کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی یہ شعوری کوشش قطعی ناکام ہو رہی تھی۔ اس کا ذہن بری طرح الجھ رہا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر حاضر نہیں کر پا رہی تھی۔

رات بھر کمپیوٹر پر کام کرتے یوں ہی اس کا جی انٹرنیٹ یوز کرنے کو چاہ رہا تھا۔ وہ اجنبی ای میلز کی وجہ سے بہت احتیاط کرنے لگی تھی۔ وہ عثمان بھائی اور فاریہ بھابی سے زیادہ تر رابطہ ای میلز کے ذریعے ہی رکھتی تھی۔ عثمان بھائی اسلام آباد جا چکے تھے۔ اس کا دل فاریہ بھابی سے بات کرنے کو چاہ رہا تھا۔ اس نے بہت ڈرتے ڈرتے ای میلز باکس کھولا اور پہلی ہی ای میل نے اسے اپنی جگہ ساکت کر دیا۔

''فرح! بہت بری ہو تم!..... ای میلز ریسیو کیوں نہیں کرتیں۔ سارا دن تم سے رابطے کی کوشش میں ہلکان ہوتے میری انگلیاں دکھنے لگتی ہیں۔'' مانیٹر کی اسکرین پر آنکھیں جمائے اس کا دماغ کچھ بھی سوچنے سے محروم ہو چکا تھا۔ دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔ نجانے وہ کون تھا..... اس کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ ایک دم دل چاہا کہ ابھی جا کر سمعان بھائی کو اپنے کمرے میں لا کر یہ سب دکھائے' بتائے مگر اس کے اندر اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہلنے کی سکت نہ تھی۔

اس نے فوراً pc آف کر دیا لیکن اس کے بعد اس کی ساری رات کانٹوں پر لوٹتے گزری۔ ذہن بری طرح الجھ چکا تھا۔ ''سمعان بھائی کو وہ کیا بتائے۔'' کس کشمکش میں وہ بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔

''ارے کہاں گم ہو؟..... تم..... آر یو آل رائٹ؟.....'' زرش نے اس کا کندھا زور سے ہلایا' تو وہ ایک دم چونکی..... پھر خجالت سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔ زرش پریشان ہوگئی۔

''کیا بات ہے تم پریشان ہو؟.....'' اب کے فکرمندی اور سنجیدگی سے زرش نے پوچھا تو وہ نفی میں گردن ہلانے لگی۔

''کوئی بات نہیں ہے.....'' اس نے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی۔ زرش کھوجتی نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات کھنگالنے لگی۔

''تو پھر تم ہر دو منٹ بعد کہاں کھو جاتی ہو؟'' اپنے سامنے پڑے PC کو شٹ ڈاؤن کر کے زرش

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

مکمل طور پر اس کی طرف رخ موڑ چکی تھی۔

''بتایا ناں میں امی کی طرف سے فکر مند ہوں۔ گھر میں ایک عجیب سا ماحول ہو چکا ہے۔ ابو تو خیر بزنس کے سلسلے میں گھر سے باہر ہیں مگر سمعان بھائی اور علی بھی اب زیادہ تر باہر ہی رہنے لگے ہیں۔ میں اکیلی گھر میں بور ہوتی رہتی ہوں اوپر سے تم نے بھی آنا چھوڑ دیا ہے۔'' کچھ سنجیدگی اور کچھ رنجیدگی سے اس نے کہا تو زرش کھوجتی نظروں سے اس کے چہرے کو ٹٹولتی رہی۔

''تائی جان کا آخر مسئلہ کیا ہے؟'' اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے کہ زرش کو یقین کرنا پڑا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔

''پتا نہیں..... فی الحال تو سمعان بھائی کی شادی ہی مسئلہ ہے' جو کہ امی ابو میں وجہ تنازعہ بنا ہوا ہے.....'' اس نے اس کا دھیان بٹ جانے پر شکر ادا کیا۔

''مجھے خود سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس چھوٹے سے مسئلے کو اتنا بڑا کیوں بنایا جا رہا ہے۔''

اس وقت لیب میں ان دونوں کے علاوہ جو تیسری لڑکی تھی وہ کونے میں کمپیوٹر پر مصروف تھی پھر وہ دونوں کافی دھیمی آواز میں بول رہی تھیں' اس لیے زرش مکمل طور پر خود کو اس ٹاپک پر گفتگو کرنے سے نہ روک پائی۔

''مجھے تو خود کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ امی ابو کی اس کشمکش کا انجام کیا ہوگا۔ دونوں میں سے کوئی اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں ہے۔ ہم تو پس رہے ہیں۔ نہ ہی امی کی طرف داری کرنے کے قابل ہیں اور نہ ہی ابو کی۔'' آخر میں وہ کچھ تلخ سی ہوگئی۔

''سمعان بھائی کیا چاہتے ہیں؟ جب سچویشن اس رخ پر آ چکی ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ اسٹینڈ لیں۔ جوان اولاد کے سامنے والدین کی ہر رنجش دم توڑ دیتی ہے۔''

فرح نے حیران ہو کر زرش کے گلابیاں چھلکاتے چہرے کو دیکھا۔ (اتنی عقلمندی کی بات) وہ اسے بغور دیکھنے لگی۔

خوبصورت معصومیت سے لبریز چہرہ کہیں سے بھی تو نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھا پھر سمعان احمد جیسے شخص کا یوں دل ہارنا کچھ غلط بھی نہ تھا۔ زرش کے سامنے تو بڑے بڑے دل ہار سکتے تھے۔

''سمعان بھائی.....'' وہ ہنس دی..... ''سمعان بھائی کبھی اسٹینڈ نہیں لیں گے۔'' عجیب سی تلخی محسوس کی تھی زرش نے اس کی ہنسی میں۔

''کیوں.....؟'' وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

فرح کا ایک دم جی چاہا کہ کہہ دے کہ تمہاری وجہ سے' لیکن بمشکل سمعان احمد کا راز افشا کرتی زبان کو اس نے دانتوں تلے دبایا۔ ایک دو منٹ خود کو کمپوز کرنے میں لگائے۔

''وہ چاہتے ہیں کہ عثمان بھائی کی شادی جیسا تجربہ وہ نہ کریں..... ان کی شادی امی اور ابو دونوں کی باہمی رضامندی و آمادگی سے طے پائے جو کہ اس صدی میں تو قطعی ممکن نہیں ہو سکتی۔ شاید.....'' وہ کچھ تلخ زہر خند لفظ کہتے کہتے رک گئی۔

زرش کو احساس ہوا کہ وہ کیسی آگ میں جل رہی ہے۔ اس نے بہت اپنائیت و چاہت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہولے ہولے دبانا شروع کر دیا۔

''پریشان نہیں ہوتے انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا..... میں ماما' پاپا سے بات کروں گی۔ وہ تایا ابو کو سمجھائیں گے۔ تائی جان تو نہیں لیکن تایا ابو تو ہماری بات سنتے اور مانتے ہیں ناں۔'' وہ اس کو حوصلہ دے رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔

''بہت معصوم ہو تم زری! چچا اور چچی جان کبھی بھی تمہیں آگ میں دھکیلنا نہیں چاہیں گے جس قدر وہ لوگ تم سے محبت کرتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ ہم تم سے محبت کرتے ہیں۔ یہ ہم سب کی محبت ہی تو ہے کہ تم ابھی تک اس راز سے بے خبر ہو جو اگر تمہارے علم میں آ جائے تو شاید تم ہم میں سے کسی کا یقین ہی نہ کرو اور اسی بے یقینی سے بچانے کے لیے تو ہم سب تمہیں لاعلم رکھ رہے ہیں کہ کہیں تمہارے احساس کے آئینے کو بے اعتباری کی ٹھیس نہ پہنچے.....''

وہ فائل پر مسلسل انگلیاں پھیرتی رہی۔ زرش کے اندر ایک دم دکھ کی گہری لہر سرائیت کر گئی۔ وہ صرف اس کی تایا زاد ہی نہیں بلکہ دل کے تمام تقاضوں پر پورا اترنے والی اس کی دم ساز' راز دار' دکھ سکھ کی ساتھی اور بہت پیاری دوست بھی تھی۔ دونوں کا تعلیمی سلسلہ ایک ساتھ چل رہا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی میں کبھی کسی تیسرے فرد کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی۔ نوشین اس کی بہن تھی لیکن وہ نوشین کے بجائے اس سے زیادہ اٹیچ تھی اور یہ اٹیچمنٹ بچپن سے لے کر اب تک قائم تھی۔

''فرح! میں نے کہا ناں پریشان بالکل نہیں ہونا۔ میں ہوں ناں..... میں سمعان بھائی سے بات کروں گی' ان سے کہوں گی کہ وہ اسٹینڈ لیں۔ تایا جان سے بات کروں گی.....''

فرح کی آنکھوں میں جھلملاتے ستارے دیکھ کر زرش کا دل دکھ سے کٹتا چلا گیا۔ زرش نے بات ہی ایسی کی تھی۔ وہ جو پہلے ہی رو دینے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی۔ مزید ضبط نہ کر سکی۔ آنسو قطار در قطار بہتے چلے گئے.....

''اف.....! کیا کر رہی ہو..... پلیز خود کو سنبھالو..... ہم اس وقت کمپیوٹر لیب میں ہیں۔ دس منٹ بعد پیریڈ شروع ہونے والا ہے' چند منٹوں میں اسٹوڈینٹس آنا شروع ہو جائیں گے۔ پلیز اپنے آپ کو سنبھالو۔'' اس کی کمر سلاتے' ہاتھ تھپتھپاتے وہ خود بھی کسی بھی لمحے رو دینے کو تھی۔

فرح کو ایک دم اپنی حماقت کے ساتھ صورتحال کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے خود کو ڈانٹا۔

''آئی ایم سوری.....'' اس نے ایک دم ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔ چور نظروں سے اردگرد دیکھا۔ وہاں وہ لڑکی ابھی بھی کونے میں بیٹھی اپنے کام میں مصروف تھی مگر وہ کسی بھی لمحے ان دونوں کی طرف متوجہ ہو سکتی تھی۔

''پانی پیو گی.....'' زرش پوچھ رہی تھی اس نے نفی میں سر ہلا کر اپنے بیگ سے ٹشو کا پیکٹ نکالا۔ ایک دو لیف نکال کر وہ اپنی ناک اور چہرہ صاف کرنے لگی۔

''میں پانی لاتی ہوں.....'' وہ سر جھکائے چہرہ صاف کر رہی تھی۔ زرش فوراً اٹھ کر لیب کے دائیں

POSTTUFF.BLOGSPOT.COM

کونے میں رکھے کولر کی طرف بڑھ گئی۔ ایک گلاس ہر وقت زرش کے بیگ میں ہوتا تھا۔ اپنے بیگ سے گلاس نکال کر وہ کولر سے پانی بھرنے لگی۔

''ہش..... یہ کیا ہو رہا ہے مجھے..... کیوں میں خود کو سنبھال نہیں پا رہی..... خوامخواہ زرش کو بھی پریشان کر دیا۔ وہ پہلے ہی ہمارے سلسلے میں کم پریشان رہتی ہے۔'' وہ خود کو ڈانٹ رہی تھی۔

''یہ سب رات پڑھنے والی ای میل کا اثر ہے..... مجھے لگ رہا ہے کہ اگر یہ ای میلز' فون کالز' وہ پھول اور گفٹ کارڈ کا سلسلہ نہ رکا تو میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔''

زرش گلاس بھر کے واپس پلٹ رہی تھی۔ فرح نے اسے دیکھتے ہی اپنے چہرے کو تھپتھپایا۔

''مجھے آج ضرور سمعان بھائی سے بات کرنی ہوگی۔ امی کو تو کسی چیز کی بھی پرواہ نہیں..... انہیں تو بس اپنی انا عزیز ہے اور ابو..... کم از کم سمعان بھائی تو ایسے شخص ہیں جو میری بات سنتے ہیں' میرے اندر کا حال جانتے ہیں۔ میری بات سن کر' ساری حقیقت جان کر مجھے موردِ الزام نہ ٹھہرائیں گے۔''

''یہ لو پانی پیو..... زرش نے گلاس اس کی جانب بڑھا دیا۔

''شکریہ.....'' گلاس تھام کر اس نے ایک محبت بھری نظر زرش پر ڈالی۔ وہ اس کے لیے پریشان تھی' فکرمند تھی۔ کتنی اچھی تھی وہ' اس کے ہر دکھ میں دکھی ہونے والی اور ہر سکھ میں اس کے ساتھ مسکرانے والی' اس کی دم ساز' اس کی سہیلی۔ اس کی عم زاد۔

''آئی ایم سوری' زرش! میں بہت چاہنے کے باوجود اپنے اس راز میں تمہیں شریک نہیں کر سکتی' یہ میری ذات' میرے کردار' میری عزت کا سوال ہے۔ تم بہت اچھی ہو مگر میں تمہیں اپنے اس دکھ میں کبھی شریک نہیں کر سکوں گی.....'' پانی پیتے ہوئے بھی وہ زرش کو دیکھ رہی تھی۔ جو اس کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی فکرمند تھی۔

''پلیز ڈونٹ وری..... ناؤ آئی ایم فائن.....'' گلاس زرش کو دوبارہ پکڑاتے اس نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما۔

''آئی نو.....'' زرش نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر گرمجوشی سے اپنی گرفت مزید مضبوط کر دی۔

فجر کی نماز ادا کر کے وہ کمرے سے نکل آئی۔ ابھی اندھیرا پوری طرح چھٹا نہیں تھا۔ وہ انگلیوں کی پوروں پر تسبیح پڑھتے شارق زمان کے کمرے کی جانب نکل آئی۔

''اس وقت اندر جاؤں کہ نہیں.....'' ایک لمحے کے لیے دروازے پر رک کر نویرہ نے سوچا لیکن پھر اس کی رات والی کنڈیشن یاد کر کے وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئی۔

خالہ جان ابھی سو رہی تھیں۔ فجر کی اذان کے فوراً بعد ہی وہ نماز ادا کر کے یہاں آ گئی۔ ساری رات شارق زمان کی وجہ سے وہ سو نہیں سکی۔ رہ رہ کر اس کی خراب حالت دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈال رہی تھی اور اب.....

وہ بستر پر بالکل چت لیٹا تھا..... گہرا گندمی رنگ کمرے کی نائٹ روشنی میں اور بھی گندمی محسوس ہو

رہا تھا۔ گھنے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ ایک لمحے کو نویرہ احسان کے لب جامد ہو گئے اور پوروں کی حرکت رک گئی۔ دل کی حرکت ایسی تھی جیسے کوئی زندگی کی آخری سانس لے رہا ہو۔

''یا اللہ.....!'' نویرہ احسان کے اندر سناٹا صرف ایک دو پل کے لیے ٹھہرا تھا۔ اگلے لمحے اس کے ہونٹوں سے بڑی واضح جنبش ہوئی۔

''یا اللہ.....'' اس کی پوروں کی حرکت ایک دفعہ پھر رواں دواں تھی۔

وہ لمحہ بھر کے لیے جھجکی پھر آہستہ روی سے چلتی ہوئی اس کے بستر کے نزدیک آ کھڑی ہوئی۔

شارق زمان اس کے سب سے بڑے تایا کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں کوئی بھی تھی۔ اس نے چاہے زندگی کیسی بھی گزاری تھی اس کے باوجود نجانے کیوں سارا خاندان اس پر جان چھڑکتا تھا۔ اس کی ہر بات کو اولیت دیتا تھا۔ اس کی شخصیت میں ایک عجیب بات تھی کہ ہر کوئی اس سے بات کرتے ہوئے ہزار بار سوچتا تھا۔ لیکن اس کی کہی بات کبھی کسی نے رد نہیں کی تھی۔

کچھ جھجکتے' کچھ ہچکچاتے نویرہ احسان کا دایاں ہاتھ اٹھا۔ بہت نرمی و آہستہ روی سے اس نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ ایک لمحے کے لیے نویرہ کو لگا گویا کرنٹ چھو گیا ہو۔ اس نے فوراً اس کی پیشانی سے بال ہٹائے۔ وہ بخار کی حدت سے تپ رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے اس کی کلائی چھوئی۔ نبض کی رفتار گو تسلی بخش تھی لیکن بخار۔ وہ ایک دم تفکر سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی تسلی ادھوری رہ گئی لیکن وہ خاموشی سے ہونٹ کچلنے لگی۔

''انہیں تو بہت تیز بخار ہے۔'' ایک نظر دنیا و مافیہا سے بے خبر اس پر ڈال کر وہ کچھ سوچنے لگی۔

''شارق..... شارق بھائی.....'' اس نے اس کی کلائی چھو کر اسے جگانا چاہا۔

''اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر اسے ایک دو پل کے لیے دیکھا لیکن درد ہوتے سر' سلگتے احساس اور پھنکتے جسم سے وہ کچھ بھی نہیں سمجھ پایا۔

''شارق بھائی.....'' اس نے نیم غنودگی کی کیفیت میں دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ نویرہ نے ڈر کر سختی سے اس کا بازو جھنجوڑا..... اس خیال سے کہ کہیں یہ غنودگی نقصان کا باعث نہ بن جائے۔

''کیا ہے؟..... چھوڑو.....'' سختی سے جھنجلا کر اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ لب کچلنے لگی۔ گو تسلی ہوئی کہ وہ حواس میں ہے۔

''آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟..... بخار تو بہت تیز ہے..... اگر زیادہ تکلیف محسوس کر رہے ہیں تو ظہور بابا کو بھیج کر ڈاکٹر کو بلواؤں.....'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''پریشان و متفکر آواز..... یہ اس کی ملازمہ کی آواز نہیں تھی اور نہ ہی اماں کی..... تو پھر غنودگی اور ڈوبتے ذہن سے وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔ بخار سے جسم کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ جسم کے روئیں روئیں میں درد ہو رہا تھا۔

''پانی.....'' آنکھیں کھول کر دیکھا۔ نویرہ کا دھندلا سا چہرہ ہی دکھائی دیا۔ اس نے دوبارہ سرہانے

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

پر سر پٹختے پانی مانگا۔

''میں ابھی لاتی ہوں.....'' نویرہ فوراً باہر کی طرف بھاگی۔ کچن سے گلاس میں پانی بھر کر واپس لوٹی تو وہ سرہانے پر سر پٹخ رہا تھا۔

''یہ پانی پی لیں.....'' نویرہ نے آگے بڑھ کر جھجکتے' ڈرتے اس کا سر اٹھا کر گلاس اس کے منہ سے لگا دیا۔ نجانے اس کے اندر کیسی آگ لگی ہوئی تھی۔ غٹاغٹ پورا گلاس چڑھا گیا۔

''تم؟.....'' دوبارہ سرہانے پر سر رکھ کر وہ نویرہ کی طرف دیکھ رہا تھا جب کہ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

''میں' نویرہ ہوں.....'' نویرہ سمجھ گئی تھی کہ وہ بخار کی شدت کی وجہ سے اسے پہچان نہیں پا رہا۔

''نویرہ.....'' اس کے صرف لب ہلے تھے پھر اس نے سر ہلایا۔

''اماں کہاں ہیں؟'' اپنی قوت ارادی کا استعمال کرتے' وہ اپنے ذہن کو یکجا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''رات سے ان کی طبیعت کچھ مضمحل سی تھی' سو رہی ہیں۔'' وہ اپنے ہاتھ کو بند کر کے اپنی پیشانی پر ضربیں مار رہا تھا۔ نویرہ اس کی حالت دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھنے لگی۔ یہ شخص خاندان کے ہر فرد کو عزیز تھا۔ وہ تو پھر حساس دل کی نرم مزاج لڑکی تھی۔

''ظہور.....ظہور کہاں ہے اسے بلاؤ.....'' اس کی کلائی پر دباؤ بڑھا تو وہ الرٹ ہو گئی۔

''جی اچھا.....'' وہ فوراً باہر نکلی۔

اس سے پہلے کہ وہ داخلی دروازہ کھول کر سرونٹ کوارٹر کی طرف بڑھتی شاکرہ اسے آتی دکھائی دی۔

''شاکرہ!.....ظہور بابا کو بلاؤ۔ انہیں کہو فوراً شارق بھائی کے کمرے میں جائیں۔'' اس نے عجلت میں پیغام دیا۔ شاکرہ الٹے قدموں لوٹ گئی۔ وہ اس قدر الجھ چکی تھی کہ دوبارہ اس کے کمرے میں جانے کی ہمت نہ کر سکی۔ البتہ ظہور بابا اس کے کمرے میں جانے سے پہلے اس کے پاس ضرور آئے تھے۔

''شارق صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔''

ظہور بابا سر ہلانے کے بعد چلے گئے۔ شاکرہ بھی اس کے پاس چلی آئی۔ وہ لاؤنج کے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔

''بی بی جی صاحب جی کو کیا ہوا ہے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''پتا نہیں شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ تمہیں کسی ڈاکٹر کا پتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ خالہ جان کے فیملی ڈاکٹر وغیرہ کا.....''

''جی ہاں ڈاکٹر طیب ہیں جو اکثر بڑی بیگم صاحبہ کو چیک کرنے آتے ہیں۔ ظہور بابا کو پتا ہے ان کے بارے میں۔ میں انہیں کہتی ہوں وہ بلا کر لے آئیں گے.....'' وہ جانے کو پلٹی لیکن نویرہ نے روک دیا۔

''نہیں رہنے دو' صبح صبح وہ کہاں پریشان ہوں گے میں خود ہی کسی کو دیکھتی ہوں.....'' وہ اٹھ کر ٹیلیفون کے پاس آ گئی۔

بار بار گھر کا نمبر ملانے کی کوشش کی لیکن مل ہی نہیں پا رہا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے ایک اور نمبر ملایا۔ تیسری بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔

''السلام علیکم.....'' اس نے جلدی سے کہا۔

''وعلیکم السلام.....آپ؟.....'' دوسری طرف نواز فاروق اجنبی آواز سن کر کچھ حیران ہوا۔ شارق زمان کے گھر کے نمبر سے کم از کم اسے یہ آواز کبھی سنائی نہیں دی۔

''میں نویرہ بول رہی ہوں.....'' اس نے فوراً اپنا تعارف کروایا۔

''اوہ.....'' دوسری طرف سے کچھ حیران ہوتے ہوئے نواز فاروق کچھ ریلیکس ہو گیا۔

''خیریت ہے ناں آپ وہاں.....''

''جی خیریت ہے۔ رات شارق بھائی کا شاید ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اس وقت ان کی طبیعت کافی خراب ہے پلیز کسی ڈاکٹر کو لے کر آ جائیں۔ بہت تکلیف میں ہیں وہ اس وقت.....'' نجانے کیوں ایک دم اس کی آواز بھرا گئی۔

''اوہ.....سوسیڈ.....نویرہ بی بی ریلیکس.....میں تھوڑی دیر میں ڈاکٹر کو لے کر پہنچتا ہوں تم فکر نہ کرو.....کوئی زیادہ مسئلہ تو نہیں ہوا ناں.....'' اپنی آنکھ سے بہہ جانے والے آنسوؤں کو انگلیوں سے صاف کرتے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں.....لیکن رات جب وہ گھر آئے تھے تو طبیعت بہت خراب تھی۔ اب مزید خراب ہو گئی ہے۔'' چاہنے کے باوجود وہ اپنی آواز کی لڑکھڑاہٹ پر قابو نہیں پا رہی۔

''اوکے تم بالکل پریشان نہیں ہونا.....میں تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ رہا ہوں.....''

اس نے اس کی آواز سے شارق کی کنڈیشن کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا تو نویرہ نے اللہ حافظ کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اسے پتہ تھا نواز اب تھوڑی دیر ہی لگائے گا یہاں پہنچنے میں۔ فاروق چچا کا گھر شارق زمان کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر واقع تھا۔ وہ چہرہ صاف کرتی خالہ جان کے کمرے میں چلی آئی وہ اٹھ گئی تھیں۔ یونہی بستر پر لیٹے شاید شاکرہ کا انتظار کر رہی تھیں۔

''ارے خالہ جان آپ اٹھ گئیں.....'' ان کی زندگی عجیب سی تھی۔ دوسروں کے سہاروں کی محتاج، اس کی بات پر وہ صرف مسکرائیں۔

''شارق گھر آ گیا ہے؟'' نویرہ کے ان کے اوپر سے کمبل اٹھا کر ایک طرف رکھتے ہاتھ کانپے تھے۔

''جی.....رات گئے لوٹے تھے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''چلیں اٹھیں.....منہ ہاتھ دھو لیں پھر باہر چلتے ہیں۔''

شارق زمان سے متعلق وہ انہیں بتا کر مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی' اسی لیے بات پلٹی۔ وہیل

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

چیئر بستر کے قریب کر کے انہیں سہارا دے کر چیئر پر منتقل کرتے وہ پسینے پسینے ہوگئی۔ وہ انہیں اٹیچ باتھ روم والے کمرے میں لے کر آ گئی۔

''میں خود سب کرلوں گی..... بس تم شاکرہ کو بھیج دو۔'' اس نے ٹاول' صابن اور دیگر چیزیں ان کے قریب رکھیں تو انہوں نے ٹوک دیا۔

نویرہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر پھر چپ رہی۔

''جی اچھا.....''

دروازے کو یوں ہی ادھ کھلا چھوڑ کر وہ باہر نکل آئی۔ شاکرہ کو خالہ جان کے پاس جانے کا کہہ کر وہ کچن میں چلی آئی۔ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر وہ گزشتہ رات کی شارق زمان کی خراب حالت کو یاد کر کے ہولتی رہی۔

ابھی اس نے چائے تیار کی ہی تھی کہ کال بیل بجنے لگی۔ نواز کی آمد کا سوچ کر وہ چولہا بند کر کے فوراً کچن سے نکلی' اس سے پہلے کہ وہ باہر کی جانب قدم بڑھاتی، شاکرہ خالہ جان کے کمرے سے نکلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ وہیں راہداری میں کھڑی رہی۔

نواز فاروق کے ساتھ ایک اور شخص تھا۔ شاید ڈاکٹر..... نواز اس کی طرف آ گیا۔

''السلام علیکم.....'' نویرہ کا دوپٹہ بھی نماز کے اسٹائل میں لپٹا ہوا تھا۔ بلو لباس میں خوبصورت چہرے کے ساتھ وہ صبح کی تمام تر تروتازگی لیے ہوئے تھی لیکن روئی روئی آنکھیں اس کے چہرے کو سوز بھری کیفیت بخش رہی تھیں۔ نواز اسے ایک لمحہ کے لیے ہی دیکھ پایا۔

''وعلیکم السلام.....'' نویرہ کے صرف لب ہلے تھے۔

''کیسی ہیں آپ؟'' اس نے اخلاقاً پوچھا۔ نویرہ نے صرف سر ہلا دیا۔

''آپ..... شارق بھائی کو دیکھ لیں۔ ظہور بابا ان کے پاس ہیں۔''

دھیرے سے انداز میں اس نے لب کشائی کی۔ وہ فوراً سر ہلاتے شارق زمان کے کمرے کی طرف ڈاکٹر سمیت بڑھ گئے۔

نویرہ واپس کچن میں آ کر کھانے پینے کا اہتمام کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں شاکرہ بھی خالہ جان کی کرسی دھکیلتے وہیں آ گئی۔

نویرہ تم یہ کیا کر رہی ہو..... رہنے دیتی..... شاکرہ ہے ناں.....'' خالہ جان نے اسے روٹی بناتے دیکھ کر کہا تو وہ پھیکے چہرے کے ساتھ مسکرا دی۔

''کوئی بات نہیں..... میں کون سا روز یہاں آتی ہوں۔ مہینوں بعد تو آنا ہوتا ہے۔ شاکرہ بے چاری تو روز ہی کرتی ہے۔''

''اللہ تمہیں جزا دے۔'' انہوں نے مسکرا کر بھانجی کو دیکھا۔

''شاکرہ! دیکھو شارق اٹھ گیا ہے کہ نہیں..... ذرا بھی آفس سے دیر ہو جائے تو سارے گھر کو سر پر اٹھا لیتا ہے۔'' ان کی آواز میں شارق کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ شاکرہ نے گھبرا کر اسے دیکھا وہ خود

بھی چونکی۔ اسے اشارہ سے منع کیا تھا۔

''لائیں میں یہ سب کر لیتی ہوں' آپ بیگم صاحبہ کو شارق صاحب کے کمرے میں لے جائیں۔'' ہاتھ دھو کر وہ اس کے قریب آ گئی تھی۔ نویرہ بھی پیچھے ہٹ گئی۔

ہاتھ دھو کر کچن ٹاول سے ہاتھ صاف کر کے وہ خالہ کی طرف چلی آئی۔

''پتا ہے خالہ جان رات شارق بھائی کا ہلکا سا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں ہیں۔ میں نے نواز کو فون کیا تھا وہ ڈاکٹر کو لے کر آئے ہیں۔ ڈاکٹر جاتا ہے تو میں آپ کو ان کے کمرے میں لے کر چلتی ہوں۔''

''بہت آرام سے ان کے قریب بیٹھ کر اس نے نرمی سے بتایا۔

''کیا.....؟'' خالہ تو ایکسیڈنٹ کا لفظ سن کر ہی ساکت رہ گئیں۔

''کب.....؟ تم مجھے اب بتا رہی ہو..... زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں.....'' وہ ایک دم متوحش ہو کر پوچھ رہی تھیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''پریشانی کی بات نہیں' چوٹیں تو بہر حال آئی ہیں۔ آپ بے شک خود چل کر دیکھ لیں۔ وہ ٹھیک ہیں.....'' خالہ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر وہ بتا رہی تھی۔

خالہ پریشانی سے دیکھتی رہیں۔ اسی دوران ڈاکٹر چیک اپ کر کے چلا گیا تو ظہور بابا میڈیسن لینے ان کے پیچھے ہی چلے گئے۔ وہ شاکرہ کو ناشتہ ٹیبل پر لگانے کا کہہ کر خالہ جان کی وہیل چیئر دھکیلتے شارق زمان کے کمرے میں چلی آئی۔

''دس از ناٹ فیئر یار!..... تم کس کو سزا دے رہے ہو..... ہمیں یا خود کو۔ دیکھو اپنا حال..... میرا دل چاہ رہا ہے کہ.....'' بے بسی سے کچھ کہتے' دونوں کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر نواز فاروق خاموش ہو گیا۔

''السلام علیکم خالہ جان.....'' نواز فوراً شارق کے بستر سے اٹھ کر خالہ کی طرف بڑھا۔ شارق زمان نے بھی اماں کو اپنے کمرے میں ایک نظر دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

''وعلیکم السلام جیتے رہو.....'' انہوں نے نواز کے جھکے سر پر پیار کیا اور شارق کو دیکھا اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''شارق.....'' نویرہ پیچھے ہٹ گئی۔ نواز نے ان کی کرسی بستر کی پٹی سے لگا دی۔ اماں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما تو اس نے آنکھیں کھولیں۔

''یہ سب کیا ہے؟..... کیوں کرتے ہو یہ سب؟ میری محبت' میری برداشت کا امتحان لے رہے ہو.....'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

نویرہ اور نواز تو ایک طرف شارق بھی ان کے پھوٹ پھوٹ کر رونے پر گھبرا گیا۔

''اماں کچھ نہیں ہوا؟..... بس ہلکا سا ایکسیڈنٹ تھا اور کچھ نہیں.....'' اپنی لرزتی آواز پر بمشکل قابو پاتے اس نے اماں کو بہلانا چاہا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"چپ رہو تم..... ہمیشہ یہی کرتے ہو میرے ساتھ..... تمہیں میرے بڑھاپے کا بھی احساس نہیں۔ اس عمر میں رلاؤ گے مجھے۔" انہوں نے اس کے بازو پر پیشانی ٹکادی۔ اس نے گھبرا اور الجھ کر پہلے نویرہ اور پھر نواز کی طرف دیکھا۔ "تم ہی سمجھاؤ انہیں..... کچھ نہیں ہوا ہے مجھے بس ہلکا سا بخار ہے..... یار نواز سنبھالو اماں کو....." پہلے نویرہ کو اور پھر نواز سے کہا۔ دونوں بیک وقت اماں کی طرف لپکے۔ نویرہ دائیں جانب تھی تو نواز بائیں۔

"خالہ!"..... "بڑی اماں....." دونوں نے بیک وقت پکارا پھر نویرہ خاموش ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹی' نواز نے انہیں اپنے بازو میں سمیٹا۔

"بڑی اماں..... شارق ٹھیک ہے..... بس ایکسیڈنٹ کی وجہ سے حرارت ہوگئی ہے۔ پلیز سنبھالیں خود کو..... یہ گدھا ٹھیک ہے۔" اس نے اماں کا چہرہ صاف کرتے ہوئے انہیں تسلی دی تو ان کا دل کچھ پل کو ٹھہرا..... شارق نے بھی سکون کا سانس لیا۔ بخار تو اب بھی بہت تیز تھا مگر وہ مکمل حواس میں تھا۔ یہ شاید ڈاکٹر کے ٹریٹمنٹ کی بدولت تھا۔

"نویرہ آپ بڑی اماں کو باہر لے جائیں' انہیں ناشتہ کروائیں..... میں شارق کے پاس ہی ہوں۔" اماں دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کر رہی تھیں۔ نویرہ جو چپ چاپ کھڑی آنکھیں موندے لیٹے شارق کو دیکھ رہی تھی' کو کہا تو وہ چونکی اور پھر سر ہلا دیا۔

"آپ ناشتہ نہیں کریں گے؟" یہ ناشتے کا وقت تھا اور وہ افراتفری میں نائٹ ڈریس کے لباس میں ہی گھر سے عجلت میں ڈاکٹر کو لے کر یہاں آ گیا تھا۔ نویرہ کو احساس ہوا تو پوچھا۔

"نہیں..... فی الحال موڈ نہیں....." وہ دوبارہ شارق کے پاس ٹک گیا تھا۔ نویرہ نے سر ہلا کر اماں کی کرسی کے ہینڈل تھامے۔

"نویرہ! بیٹا دونوں کا ناشتہ کمرے میں ہی لے آؤ۔ پتا نہیں۔ شارق نے رات بھی کچھ کھایا ہوگا کہ نہیں....." انہیں اب نئی فکر لاحق ہوگئی۔

"جی اماں آپ چلیں میں یہیں لے آتی ہوں....." اس نے کرسی باہر کی طرف دھکیلی۔ خالہ جان کو ناشتہ دے کر اس نے شارق اور نواز دونوں کا ناشتہ ٹرے میں سجا کر شاکرہ کو تھما کر اندر بھیج دیا۔

"آؤ بیٹا!..... بیٹھو..... تم بھی ناشتہ کر لو....."

خالہ جان نے اسے بھی آفر کی تو وہ بھی خاموشی کے ساتھ ان کے پاس ہی ٹیبل پر ٹک گئی۔

❁.....❁.....❁

کالج سے لوٹنے کے بعد کھانا کھا کر وہ بستر پر لیٹ گئی مگر نیند تھی کہ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ دو تین دفعہ کروٹیں بدلنے کے بعد اچانک کچھ سوچ کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ کمرے سے باہر آ کر نوشین کے کمرے میں جھانکا تو وہ گہری نیند میں غرق تھی۔ وہ اس کی نیند کو کوس کر رہ گئی۔

"کیا کروں.....؟" لاؤنج میں آ کر ٹی وی لگا کر بیٹھتے ہوئے بھی وہ یہی سوچ رہی تھی۔

"ایک تو ہماری ماما کو بھی نجانے کیا ہو گیا ہے۔ تایا ابو کے ہاں بھی نہیں جانے دے رہیں۔ آج فرح

بھی کالج میں کتنی ڈسٹرب تھی۔ میں چلی جایا کرتی تھی تو بے چاری کا کچھ وقت میرے ساتھ کٹ جاتا تھا لیکن اب ماما کا یہ حکم..... اف....." چینل بدلتے ہوئے بھی اس کا ذہن آج فرح کے رویے کی طرف ہی تھا۔

"میں ماما سے بات کر کے دیکھوں تو سہی ہو سکتا ہے وہ مان جائیں..... اس رات سمعان بھائی آئے تو تھے ہو سکتا ہے امی کی ناراضگی اب ختم ہوگئی ہو..... سمعان بھائی سے وہ بالکل نارمل ملی تھیں۔"

ذہن میں یہ خیال آتے ہی وہ فوراً ٹی وی آف کر کے ماما کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ ماما، یاسمین (ملازمہ) سے اپنے کمرے کی ڈسٹنگ کروا رہی تھیں۔

"ماما....." وہ پکاریں۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اندر چلی آئی۔ "ماما! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے پلیز وعدہ کریں انکار نہیں کریں گی۔" شائستہ بیگم یاسمین کے ساتھ خود بھی چیزیں ادھر اُدھر کر رہی تھیں۔ زرش کے عاجزانہ انداز پر چونکیں۔

"خیریت' کوئی خاص بات ہے؟" والز پیس یاسمین کو پکڑاتے انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہوں..... باہر آئیں ناں....." اس نے لاڈ سے ان کا ہاتھ تھاما تو وہ سمجھ گئیں۔ آج کوئی خاص بات ہے۔

"یہیں بتا دو..... مجھے بہت کام ہے اور تم سوئی بھی نہیں....." اپنا ہاتھ چھڑوا کر انہوں نے گویا ٹالا۔ زرش ایک دم ان کے سامنے آ گئی۔

"ماما پلیز نیند نہیں آ رہی تھی..... پہلے وعدہ کریں' میری بات مانیں گی....."

"تم بات بتاؤ....." انہوں نے سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ جانچا تو زرش لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ہچکچا کر کہنے لگی۔

"وہ مجھے..... تایا ابو کے ہاں جانا ہے۔" اٹک اٹک کر شائستہ بیگم کا چہرہ دیکھتے اس نے گویا کہہ ہی دیا۔

شائستہ بیگم کا چہرہ ایک دم سپاٹ ہو گیا۔ وہ ہونٹ سی گئیں۔ زرش نے بغور دیکھا۔

"ماما پلیز..... انکار نہیں کریں۔ آج فرح کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ کالج میں کافی ڈسٹرب اور روئی بھی تھی۔ پلیز مان جائیں ناں....."

"کیا ہوا ہے فرح کو.....؟" انہوں نے ایک دم تفکر سے پوچھا۔

"ہوا تو کچھ نہیں..... وہی تایا جان اور تائی جان کی وجہ سے پریشان ہے..... شاید سمعان بھائی کی شادی کا کوئی مسئلہ چل رہا ہے' اس لیے....." ماما کا چہرہ بغور دیکھتے بتا رہی تھی جب انہوں نے زرش کے بازو گلے سے ہٹا کر رخ بدلا۔

"اسی لیے میں تمہیں وہاں نہیں بھیج رہی۔ وہ ان کا گھریلو مسئلہ ہے۔ تم خوامخواہ ان کے مسئلوں میں مت الجھو....." انہوں نے یاسمین کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے چلی گئی' تبھی انہوں نے کہا۔

"مگر ماما..... ہم اور تایا کی فیملی الگ تو نہیں..... سمعان بھائی میرے سگے بھائی نہیں لیکن بھائی تو

PDFSCHEF.BLOGSPOT.COM

ہیں ناں اور پھر بھلا مجھے ان کے مسئلے میں الجھنے سے کیا تکلیف ہوگی۔"

زرش کا انداز بحث کرنے والا تھا۔ شائستہ بیگم نے بغور دیکھا۔ زرش پر انہیں اپنی ذات سے بڑھ کر اعتماد تھا اور سمعان احمد پر بھی لیکن طاہرہ بیگم..... وہ ہونٹ کچلنے لگیں۔

"مجھے نہیں پتہ۔ بس مجھے اجازت دے دیں' میں آج وہاں جارہی ہوں..... آپ نہیں جانتیں آج فرح کتنی ڈسٹرب تھی۔ میں چلی جاتی ہوں تو بہل جاتی ہے ورنہ وہ کالج سے آنے کے بعد سارا دن تنہا الجھتی اور سلگتی رہتی ہے..... پلیز..... ماما جی..... پلیز....." ایک دم اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے' اس طرح کہ وہ بے بس ہوگئیں۔

"اوکے ٹھیک ہے۔ چلی جاؤ..... مگر خیال رکھنا وہاں جاکر ان کے ذاتی جھگڑوں اور مسئلوں سے خود کو الگ ہی رکھنا تو بہتر ہے..... میری جان! میں نہیں چاہتی کہ کوئی تمہیں ایک لفظ بھی کہے..... میں طاہرہ کی زبان سے خوب واقف ہوں' ان کے گھر میں بھائی صاحب اور اس کے درمیان کسی بھی قسم کی ناچاقی ہو سارا نزلہ ہم پر ہی گرتا ہے۔ ایسے میں کوئی تم کو کچھ کہے مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

انہوں نے اجازت دیتے ہوئے اسے نصیحت بھی کر دی۔ زرش کو یقین نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی مان جائیں گی۔ خوشی سے بے حال ہونے لگی۔

شکریہ ماما!..... بہت بہت شکریہ..... آپ فکر ہی نہیں کریں..... میں ایسی کوئی بات ہی نہیں کروں گی جس سے آپ کو تکلیف ہو....." خوشی سے شائستہ بیگم کے گلے لپٹ کر وہ مسرور سی کہہ رہی تھی۔ شائستہ بیگم نے اس کا سر تھپکا۔

"جاؤ..... چلی جاؤ..... لیکن مغرب سے پہلے لوٹ آنا..... بلکہ میں خود ہی ڈرائیور کو بھیج دوں گی....." خود سے جدا کر کے انہوں نے مزید تاکید کی۔ زرش نے فوراً سر ہلایا۔ اس وقت وہ کچھ بھی کہیں زرش بلاچوں و چرا مان لیتی کہ ان کا اجازت دے دینا ہی اس کے لیے بہت تھا۔

"آپ ڈرائیور کو کہیں وہ گاڑی نکالے۔ میں کپڑے چینج کرلوں اور بیگ بھی لے لوں۔" وہ عجلت سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ چینج کر کے اپنا بیگ لیا۔ پڑھنے کا موڈ نہیں تھا اس لیے کوئی کتاب نہیں رکھی۔ فٹافٹ وہ تیار تھی۔

"دھیان سے رہنا..... مجھے تمہاری کوئی شکایت نہ ملے....."

گاڑی میں بیٹھتے بھی انہوں نے تاکید کی۔ اس نے بچوں کی طرح سر ہلایا۔

وہ آج کتنے دنوں بعد تایا جان کے ہاں جانے کے احساس سے ہی بہت خوش تھی۔ آدھے گھنٹے کا راستہ تھا جو اس نے نہایت بے تابی سے گزارا۔ وہاں پہنچ کر ڈرائیور اسے گیٹ کے سامنے اتار گیا۔

"السلام علیکم چوکیدار چاچا....." اس نے چوکیدار کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام..... بڑے دنوں بعد آئی بیٹا....." انہوں نے چھوٹا دروازہ کھول دیا۔ وہ ہنس دی۔ بس چاچا میں مصروف رہی تھی....." اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

اندر آئی تو فرح لان چیئر پر بیٹھی ملی۔ آنکھیں موندے نجانے کس دنیا میں غرق تھی۔ وہ سیدھی ادھر

ہی چلی آئی۔

"ہیلو ڈیئر....." زرش کا انداز ڈرانے والا تھا۔ فرح ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ حقیقت میں ڈر گئی تھی ایک دو سیکنڈ تو اسے سمجھنے میں لگے کہ ہوا کیا ہے اور اس کے سامنے کون کھڑا ہے۔

"کیا ہوا ڈر گئی؟" زرش نے ہنس کر پوچھا تو فرح نے اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالنے کے لیے ایک گہری سانس لی۔

"بہت بدتمیز ہو تم..... ریئلی ڈرا کر رکھ دیا تم نے....." اپنی سانسوں کو بحال کرتے اس نے زرش کا ہاتھ تھاما۔ جواباً زرش ہنس دی۔

"ویسے بھئی تم آج یہاں کیسے؟ چچی جان کیسے مان گئیں یہاں بھیجنے کو۔" وہ دونوں وہیں چیئر پر بیٹھ گئیں۔ زرش ہنس دی۔

"بس منالیا..... تم سناؤ اب موڈ کیسا ہے میری جان کا اور باقی لوگ کدھر ہیں جو تم یہاں تنہا بیٹھی ہو۔"

"امی اندر ہیں اور علی اپنے کمرے میں' مجھے نیند نہیں آرہی تھی تو یہاں آکر بیٹھ گئی۔"

"اچھا..... چلو اندر چلو تمہارے کمرے میں..... لگے ہاتھوں تائی امی سے بھی سلام دعا کرلوں گی' ویسے آج ان کا موڈ کیسا ہے؟"

"کچھ نہیں پوچھو..... تم تو آج ان کے سامنے بھی مت جانا علی اور امی کے درمیان اچھی خاصی جھڑپ ہوگئی ہے۔ دراصل علی کھانا کھانے کے بعد بائیک لے کر باہر جانا چاہ رہا تھا امی کو علم ہوا تو انہوں نے ڈانٹ دیا۔ غصے سے وہ امی سے الجھ پڑا۔ نہ جانے کس کس کا غصہ امی نے اس بے چارے پر نکالا۔ اب وہ منہ پھلائے اپنے کمرے میں بند ہے۔" وہ سنجیدگی سے بتا رہی تھی۔

"چلو کوئی بات نہیں..... اب میں آگئی ہوں اس کا موڈ منٹوں میں ٹھیک کرتی ہوں۔ تم تو اندر چلو..... اس وقت ایمان سے پوری "افسردہ حسینہ" لگ رہی ہو۔ میں خاص طور پر تمہارے لیے آئی ہوں اس لیے اپنے اس سڑے منہ کو درست کرلو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" اس نے آخر میں دھمکی دی تو فرح ہنس دی۔

پھر دونوں اندر کی طرف بڑھیں۔

لاؤنج کے سامنے سے گزرتے ہوئے زرش کی نگاہ صوفے پر براجمان طاہرہ بیگم پر پڑی تو وہ رک گئی۔ وہ نجانے کس سوچ میں غرق تھیں۔ سیدھی نظر زرش کی طرف اٹھی۔

پہلے تو اتنے دنوں بعد اپنے گھر میں دیکھ کر حیران ہوئی پھر چہرے پر واضح ناگواری سمٹ آئی۔

"السلام علیکم تائی امی....." فرح کو رکنے کا اشارہ کر کے لاؤنج کا دروازہ عبور کرتے ان کے پاس چلی آئی۔

طاہرہ بیگم کے چہرے کی واضح ناگواری صاف پڑھی جاسکتی تھی۔ انہوں نے زرش کے سلام کا جواب نہیں دیا لیکن وہ پھر بھی مسکرا کر ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

BESTURDUBLOGSPOT.COM

"کیسی ہیں آپ.....؟" اب کی بار انہوں نے زرش کو گھورا جسے زرش کسی خاطر میں نہ لائی۔

"ماما آپ کو سلام کہہ رہی تھیں....." ان کی نگاہوں کی برہمی سے زرش اندر ہی اندر سٹپٹائی لیکن انہیں بولنے پر اکسانے کے لیے اس نے ایک دفعہ پھر ہمت کی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" زرش کے "ماما کا سلام" پہنچانے پر انہوں نے چبا کر جتایا زرش تو سٹپٹائی دروازے پر کھڑی فرح بھی کلسی۔

"آپ لوگوں سے ملنے.....آف کورس یہ دادا جان کا گھر تھا اور اب میرے تایا ابو کا۔ مجھے یہاں آنے کے لیے کسی جواز کی ضرورت تو نہیں۔ میں جب چاہے آسکتی ہوں۔" فرح نے اسے اندر چلنے کے لیے اشارہ کیا لیکن وہ اندر جانے کے بجائے بیٹھی رہی۔ وہ آج تائی جان سے بات کرنے کے موڈ میں تھی کہ "آخر وہ اس سے اتنا خار کیوں کھانے لگی ہیں.....کوئی وجہ تو ہوگی۔

"واقعی تمہیں یہاں آنے کے لیے کسی جواز کی ضرورت نہیں ہے۔ تم تو خود سب سے بڑا جواز ہو۔" انہوں نے چبا چبا کر کہا۔ زرش حیران تھی کہ آخر اس بات کا مطلب کیا ہے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" کچھ تلخی زرش کے لہجے میں گھل گئی۔ فرح کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ اس نے اسی لیے اسے امی کے مزاج سے آگاہ کیا تھا مگر.....

"زرش اندر چلتے ہیں.....تم یہ بحث بعد میں کر لینا....." اس سے پہلے کہ طاہرہ بیگم کی طرف سے مزید کچھ تلخ سننے کو ملتا فرح نے فوراً آگے بڑھ کر مداخلت کی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں طاہرہ بیگم سے خاموش رہنے کی التجا کی اور زرش سے اپنی چونچ بند رکھنے کی۔

"میں کب بحث کر رہی تھی.....میں تو ان کو سلام کرنے رکی تھی مگر نجانے کیوں یہ مجھ سے اتنی نفرت سے پیش آتی ہیں....."

زرش اٹھ کھڑی ہوئی مگر وہ پھر بھی یہ کہہ گئی۔

"فرح اس لڑکی کو کہو میرے سامنے مت آیا کرے.....یہ میرے گھر آتی ہے اور میں اسے اپنے گھر میں قدم رکھنے دیتی ہوں اس کے لیے یہی بہت ہے۔ اس کے علاوہ میں اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں....." ان کے لہجے میں چنگاریاں سی تھیں۔ ایک آگ تھی زرش نے الجھ کر انہیں دیکھا۔ فرح کی آنکھیں اسے چپ رہنے کی التجا کر رہی تھیں مگر جب سے ماما نے اسے یہاں آنے سے منع کیا تھا تب سے اس کا ذہن صرف ایک وجہ اخذ کر پایا تھا کہ ضرور تائی جان نے ہی کوئی بات کی ہوگی مگر کیا.....؟

وہ اب ان سے وہی "کیا.....؟" سبب جاننا چاہتی تھی۔

"کیوں؟ ایسی کیا خامی ہے مجھ میں جو آپ مجھ سے اس درجہ نفرت سے پیش آتی ہیں۔ جب بھی میں آتی ہوں آپ میرے ساتھ یہی سلوک کرتی ہیں۔ آج مجھے وجہ بتا دیں۔ شاید اس کے بعد میں یہاں آنے سے پہلے ہزار بار سوچوں پھر آؤں۔"

اس نے فرح کی التجا کو نظر انداز کر کے اٹل لہجے میں پوچھا۔

"میرے گھر میں آگ لگائی ہوئی ہے تم لوگوں نے.....میری ذات کو شعلوں میں دھکیل دیا ہے تم نے اور مجھ سے پوچھتی ہو کہ کیوں نفرت کرتی ہوں میں تم سے۔ ہاں کرتی ہوں میں تم سے نفرت۔ میرا بیٹا مجھ سے چھین رہی ہو اور چاہتی ہو کہ میں تم سے خوش ہو کر ملوں.....تھوک نہ دوں تم پر....."

وہ پتا نہیں کیا کہہ رہی تھیں۔ زرش کے کچھ پلے نہ پڑا۔ الجھ کر پہلے طاہرہ بیگم کو اور پھر فرح کو دیکھا جو خود زردسی کھڑی تھی۔

"تائی امی پلیز.....کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ مجھے تو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا....."

"تم جیسی چالاک اور کہہ بھی کیا سکتی ہے.....جادوگرنی ہو تم پوری اور کتنی معصوم بنتی ہو.....دفعہ ہو جاؤ یہاں سے.....جیسی ماں چالاک جادوگرنی ویسی بیٹی.....ساری عمر اس منحوس نے سکھ کی سانس نہ لینے دی۔ اب بیٹی میرے سینے پر مونگ دلنے کو آ جاتی ہے۔" وہ نہ جانے کیا کیا ہذیان بک رہی تھیں۔ زرش تو ساکت کھڑی تھی۔

"تائی امی پلیز.....آپ مجھے لاکھ برا بھلا کہہ لیں.....پہلے بھی کہتی ہیں میں نے کبھی زبان درازی نہیں کی لیکن میری ماما سے متعلق ایک لفظ بھی مت کہیے گا۔ وہ اس گھر سے متعلق کتنا درد رکھتی ہیں آپ کیا جانیں اگر آپ نے ان سے متعلق ایک لفظ بھی کہا تو جواباً میری زبان بھی کھل سکتی ہے۔ آپ میری بڑی ہیں، میرے لیے قابلِ احترام ہیں لیکن....." وہ کچھ تلخ کہتے کہتے ایک دم سختی سے لب بھینچ گئی۔

فرح دونوں کے تند خو و تلخ لہجے سن کر حواس باختہ ہی تو ہوگئی۔

"ہاں تو کیا کر لو گی تم.....میرا منہ نوچ لو گی.....میری زبان پکڑ لو گی؟.....واقعی بدکو بدکردار کہیں تو تکلیف ہوتی ہے.....بڑی تکلیف ہو رہی ہے تمہیں اپنی ماں کے متعلق کچھ سن کر.....جاؤ بی بی میرے منہ نہ لگو۔ ورنہ میں بولوں گی تو دنیا سنے گی۔ ساری چلتر بازیاں جانتی ہوں میں تمہاری اور تمہاری ماں کی....." انہوں نے ہاتھ نچا کر کہتے ہوئے حد ہی کر دی۔ اپنی نفیس، محبت کرنے والی ماما سے متعلق اس طرح کے نادر خیالات سن کر زرش کا چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

"پلیز تائی امی.....حد میں رہیں آپ اپنی.....یہ میری ماما ہیں، میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ ان کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں سنوں گی....."

جواباً وہ بھی دو آتشہ ہوگئی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ دونوں کو.....پلیز چپ کریں....."

اس سے پہلے کہ طاہرہ بیگم مزید نفرت کا اظہار کرتیں فرح نے دونوں کو ٹوک دیا۔

"امی کیا کر رہی ہیں آپ؟ پلیز چپ کریں اور زرش تم چلو یہاں سے....." باری باری دونوں کو ٹوکتے وہ طاہرہ بیگم کے سامنے روہانسی ہوگئی۔ زرش نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ ایک سلگتی زہر بری نظر طاہرہ بیگم پر ڈالی۔

بارہا ایسا ہوا تھا کہ بات حد سے بڑھی تھی لیکن کبھی بھی اس حد تک نوبت نہ آئی تھی مگر اب کی بار زرش کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی برداشت بالکل ختم ہوگئی ہے۔ فرح نے اس کا بازو تھاما لیکن اس نے

HIDESTUFF.BLOGSPOT.COM

جھٹکے سے چھڑوایا۔ نجانے کیوں وہ آج خود بھی دو دھاری تلوار بننے پر تیار تھی۔

''نہیں فرح!..... میں ہی ہمیشہ کیوں چپ ہو جاؤں..... ماما مجھے آنے نہیں دیتیں صرف اس لیے کہ کوئی بات نہ ہو جائے۔ میں اپنی ماما کی عزت کی خاطر ہمیشہ تائی امی کی ہر تلخ' ہر بری بات سہہ جاتی ہوں مگر آج تو حد کر دی ہے انہوں نے۔ بدکردار تک کہہ دیا ہے انہوں نے اور کیا کسر رہ جاتی ہے.....'' کہتے کہتے زرش کی آواز رندھ گئی تھی۔

علی جو شور و ہنگامے کی آواز سن کر نجانے کب اپنے کمرے سے نکل آیا تھا اب دروازے پر کھڑ دونوں کو سن رہا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے فرح!..... زرش خاموش ہوئی تو وہ اندر چلا آیا۔

فرح ہاتھوں میں چہرہ لیے اب رونے میں مصروف تھی۔ طاہرہ بیگم نے نخوت سے سر جھٹکا تو علی نے تاسف سے انہیں دیکھا۔

''مجھے کیا پتہ..... پوچھ لو تم ان دونوں سے ہی..... میں ہر کسی کے درمیان بس پس ہی رہی ہوں۔'' وہ خود بھی رو دینے کو تھی۔

''لو آ گیا اس کا ایک اور حمایتی.....'' طاہرہ بیگم کا پارہ جو علی کی بدتمیزی سے پہلے ہائی تھا رہی سہی کسر زرش کی وجہ سے پوری ہو چکی تھی اب دوبارہ علی کے درمیان میں کودنے سے انہوں نے اسے ہی کوسا۔

''امی جان گستاخی معاف..... مگر جس قسم کا سلوک آپ کر رہی ہیں وہ بھی کوئی قابل تحسین نہیں ہے۔ جو اپنی اولاد کے احساسات تک نہ سمجھ سکے وہ انسان رشتوں کے تقدس کا کیا خاک احساس کر سکتا ہے.....'' علی نے دوٹوک بات کی تھی۔

طاہرہ بیگم کو علی کے یوں دو بدو بولنے پر تپ چڑھی۔

''علی! بکواس بند کرو..... اور دفعہ ہو جاؤ یہاں سے.....''

''دفعہ تو میں ہو جاؤں گا..... خیر میں کیا جس قسم کا رویہ آپ لوگوں کا ہے۔ ایک ایک کر کے آپ کی ساری اولاد دفعہ ہو جائے گی..... آپ ترسیں گی رشتوں کو مگر رشتے آپ سے دور بھاگیں گے..... لکھوا لیں مجھ سے..... پہلے عثمان بھائی پھر سمعان بھائی اس کے بعد میں..... رہ گئی یہ آپ کی بیٹی یہ تو لڑکھڑاتا پتھر ہے نہ ادھر کا نہ اُدھر کا.....''

علی کے لہجے میں اس قدر تلخی تھی کہ چند لمحے تک طاہرہ بیگم بھی گنگ رہ گئیں۔

''یہ سب اس منحوس کا اثر ہے۔ اس کا اثر ہے۔ چڑیل نے آتے ہی میرے گھر میں آگ لگا دی۔ آج اس منحوس کی وجہ سے میری اپنی اولاد میرے منہ لگ رہی ہے.....''

انہوں نے جی بھر کر زرش کو کوسا اگر ان کا بس چلتا تو وہ اس پر ہاتھ بھی اٹھانے سے گریز نہ کرتیں۔

''تائی جان خدا کے لیے..... ایسا میں نے آپ کا کیا بگاڑ دیا ہے جو مجھے معاف کرنے پر راضی ہی نہیں ہیں۔ بتائیں مجھے ایسی کیا بات ہے۔ کیا قصور ہے میرا.....'' وہ ایک دم ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ فرح تو ایک طرف' علی بھی ڈر گیا کہ کہیں وہ اشتعال میں زرش پر ہاتھ نہ اٹھا لیں۔

''زرش' چلو یہاں سے.....'' فرح نے اس کا بازو کھینچا مگر وہ وہیں جمی رہی۔

''بتائیں' میں آپ سے پوچھ رہی ہوں؟ یہ گھر میرا بھی اتنا ہی ہے جتنا فرح یا علی کا کیونکہ یہ میرے دادا جان کا بنایا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے بچوں کے لیے بنایا تھا۔ بابا نے آپ کی وجہ سے یہ گھر چھوڑا' ورنہ ہم کب چاہتے تھے یہاں سے جانا۔ اب بھی اگر میں یہاں آتی ہوں تو اس پر میرا حق ہے۔ میں آؤں گی اور ہمیشہ آؤں گی۔ آپ مجھے روک نہیں سکتیں یہاں تک کہ میں آپ کی نفرت کی اصل وجہ نہ جان لوں.....''

''اپنی ماں سے پوچھو کیوں نفرت کرتی ہوں میں تم سے..... اپنے باپ سے پوچھو..... ناگن ہے وہ چڑیل میری خوشیوں بھری زندگی اسے ہضم نہیں ہوئی تھی' ڈس گئی اب تم میری زندگی میں زہر گھول رہی ہو..... میرے بیٹے کے پیچھے لگی ہوئی ہو۔ نکل جاؤ میرے گھر سے..... آئندہ یہاں آنے کی غلطی نہ کرنا ورنہ میں تمہارا گلا دبا دوں گی.....'' انہوں نے اسے دھکا دیا۔ وہ اس حملے کے لیے تیار نہ تھی۔ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے گرنے کو تھی۔ علی پیچھے کھڑا تھا اس نے فوراً سہارا دیا۔

''امی کیا کر رہی ہیں آپ.....'' علی چیخا..... زرش لاکھ بدتمیز سہی مگر اس حملے پر وہ گنگ سی رہ گئی..... بلکہ سہم گئی۔

''اسے نکالو یہاں سے..... ورنہ یا تو یہ نہیں رہے گی یا میں نہیں رہوں گی.....''

اچھی بھلی ہوش و حواس رکھنے والی طاہرہ بیگم بالکل بچوں جیسی جذباتی حرکات کر رہی تھیں۔

فرح رونے لگیں۔ علی لب بھینچے کھڑا اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔

''چلی جاتی ہوں لیکن تائی امی ایک بات یاد رکھیں۔ ہمارے والدین نے ہمیں ہمیشہ رشتوں کی عزت کرنا سکھایا ہے۔ میں نے ہمیشہ آپ کی عزت کی ہے۔ آج جو کچھ بھی ہوا یہ سارا قصور آپ کا ہے۔ میری امی نے کبھی ہمارے سامنے آپ کی برائی نہیں کی بلکہ بڑائی ہی بیان کی ہے۔ آپ مجھے جو مرضی کہیں لب سیے سنتی رہوں گی لیکن میری ماما سے متعلق ایک بات بھی نہیں..... میری ماما کا اور آپ کا کیا مقابلہ؟ آپ تو ان کے عشر عشیر بھی نہیں..... علی میرے بھائی جیسا ہے۔ سمعان بھائی میرے بھائی ہیں..... میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں..... صاف اور کھری ہوں میں۔ شاید اسی لیے ماما مجھے یہاں آنے سے منع کرتی تھیں مگر مجھے ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔ واقعی آگ کی تپش کا اندازہ آگ میں جلنے والا ہی کر سکتا ہے۔ آپ تو وہ آگ ہیں جس سے آپ کی اپنی اولاد بھی جھلس رہی ہے۔'' میں اپنی ہر بے عزتی برداشت کر سکتی ہوں مگر کوئی مجھے بدکردار کہے یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔''

روتے ہوئے کہہ کر وہ پلٹی لیکن دروازے پر ایستادہ شخص کو دیکھ کر رک گئی۔

''تایا ابو.....'' اس کے لب ہلے۔ وہ غیظ بھری نظروں سے طاہرہ بیگم کو گھور رہے تھے۔ زرش کا دل سہم گیا۔ سانس حلق تک خشک ہو گئی۔

فرح اور علی کی بھی کچھ یہی کیفیت تھی جب کہ طاہرہ بیگم کو پروا ہی کب تھی۔

وہ نجانے کب یہاں آئے تھے۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"کیا کہا ہے تم نے زرش کو.....؟" وہ پھنکارے۔ لاپروا انداز میں کھڑی طاہرہ بھی ایک لمحے کو سٹپٹا گئی.....

"آپ کی چہیتی بھتیجی کو بھلا میں کچھ کہہ سکتی ہوں....." دل اگرچہ ان کے غصے سے خائف ہو چکا تھا لیکن زبان کہنے سے پھر بھی نہ چوکی تھی۔

"تم....." وہ غصے سے آگے بڑھے۔ "تم....." وہ پھٹ پڑنے کو تھے۔

"تایا ابو....."

"ابو جان....."

فرح اور زرش دونوں ایک دم ان کے سامنے آ گئیں۔ دونوں نے دائیں بائیں سے بازو تھام لیے۔

"کچھ نہیں کہا..... سارا قصور میرا تھا..... پلیز تایا ابو یقین کریں میں نے جان بوجھ کر بدتمیزی کی تھی۔ انہوں نے تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے تو خود انہیں مجبور کیا تھا....."

زرش رو رہی تھی۔ یہی حال فرح کا بھی تھا۔ انہوں نے سلگتی نگاہ فرح سے ہٹا کر طاہرہ بیگم پر ڈالی۔

"میرے گھر میں رہنا ہے تو عزت کے ساتھ رہو..... ورنہ....."

وہ خاموش ہو گئے۔ اس "ورنہ" کے آگے کیا سرد پن تھا۔ لاؤنج میں کھڑے پانچوں نفوس لرز کر رہ گئے۔

"یہ یہاں آئے گی اور ہمیشہ آئے گی..... تمہاری ضد ہے تو پھر میری بھی ضد ہے۔" انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا بلیک کلر کا بریف کیس صوفے پر پٹخ دیا۔

"علی..... تم زرش کو اس کے گھر چھوڑ کر آؤ۔" ایک کھا جانے والی نگاہ گم صم کھڑی طاہرہ بیگم پر ڈال کر وہ باہر نکل کر جانے لگے۔

"فرح بیٹا! سمعان باہر لان میں بیٹھا ہوا ہے اسے میرے پاس بھیجو....." وہ حکم دے کر باہر نکل گئے۔

باقی چاروں نفوس کی سانس بحال ہوئی۔ جیسے کوئی مصیبت آتے آتے ٹلی ہو۔

زرش تیزی سے کمرے سے نکل آئی۔

تایا ابو اچانک نہیں آئے تھے۔ لان میں سمعان احمد کی گاڑی کھڑی تھی اتنے شور شرابے میں وہ چاروں ہی سن نہیں پائے۔

زرش نے لان چیئر پر بیٹھے سمعان احمد کو دیکھا۔

"پتا نہیں..... سمعان بھائی نے کیا کچھ سنا ہوگا۔"

زرش کے پیچھے فرح بھی چلی آئی۔

سمعان احمد آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے بالکل گم صم تھا۔

زرش وہیں کافی فاصلے پر کھڑی رہی۔ فرح ہی آگے بڑھی۔

"سمعان بھائی....."

فرح کی آواز پر سمعان احمد نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا لیا۔ نظر فرح سے ہوتی کچھ فاصلے پر کھڑی زرش پر جا ٹھہری۔

بابا کو ایئرپورٹ سے ریسیو کرنے کے بعد دونوں سیدھا گھر لوٹے تھے۔ شور و غل سن کر دونوں ہی حیران ہو گئے۔ کتنی ساری باتیں سنی تھیں۔ پاپا انتہائی طیش میں اندر جانے کو تھے لیکن سمعان احمد نے انہیں روک دیا۔ وہ خود تو باہر آ گیا لیکن پاپا اندر چلے گئے اور اب.....

سمعان احمد کے اندر ایک عجیب سی لہر اٹھی۔ فرح کو قطعی نظر انداز کر کے وہ تیزی سے اٹھ کر زرش کے سامنے آ کر رک گیا۔

"تم یہاں کیوں آئیں.....؟" سلگتا لہجہ تھا۔ زرش لق دق رہ گئی۔

"سمعان بھائی....." وہ حیرت سے گنگ تھی۔ "آپ..... بھی....." اس کی آنکھیں پھر سے آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"ہاں میں بھی..... تم نے امی کے ساتھ اس قدر زبان کیوں چلائی.....؟" سمعان احمد نے کہا۔ قطعاً انداز تھا۔ یوں ایک دم فردِ جرم عائد کرنے والا۔

زرش نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔

"بہت برے ہیں آپ..... مجھے نہیں سمجھتے..... میں..... میں تو..... وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ ہچکیوں سے رو دی۔

سمعان احمد کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ مٹھیاں بھینچ لیں۔ درحقیقت وہ خود بھی نہیں سمجھ پایا تھا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔

"سمعان بھائی پلیز..... رہی سہی کسر اب آپ تو پوری نہ کریں۔ امی نے کیا کم کر دیا ہے۔ آپ نے جو کچھ بھی سنا ہے سنا ہوگا۔ اسے اپنے رخ سے مت دیکھیں..... زرش اگر زبان نہ چلاتی تو اس سے زیادہ برا ہوتا....." زرش کے عقب سے علی بولا جو اسے چھوڑنے کے خیال سے بائیک کی چابی لے کر اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔

"نہیں آؤں گی آئندہ آپ کے گھر..... سنا آپ نے..... کبھی نہیں....." روتے ہوئے وہ وہاں سے بھاگی۔

ایک دم اس کو احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ چکا ہے۔

"زرش....."

وہ فوراً اس کے پیچھے لپکا اور اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"مت بولیں مجھ سے..... بات نہیں کریں....." اس نے اسے روکنے کے لیے اس کا بازو تھاما لیکن وہ ہاتھ جھٹک کر تیزی سے گیٹ کراس کر گئی۔

"امی نے کیا کم بے عزتی کی تھی جو آپ نے..... خوب بدلہ لیا آپ نے اس کی محبت کا....." علی خفا

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

سے انداز میں کہہ کر تیزی سے گیٹ سے نکلا۔

مغرب کا وقت ہونے کو تھا' شام کے سائے پھیلنے کو تھے' زرش تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ علی واپس تیزی سے اندر گیا۔ عجلت میں بائیک اسٹارٹ کر کے گیٹ سے نکالی۔ اس دوران وہ کافی آگے جا چکی تھی۔

''چلو آؤ بیٹھو..... میں تمہیں چھوڑ آؤں.....'' اس کے قریب بائیک آہستہ آہستہ چلاتے اس نے کہا تو وہ پھٹ پڑی۔

''نہیں..... میں نہیں جاؤں گی..... پاگل ہوں میں جو تم لوگوں کی محبت میں بے عزتی کروانے آتی ہوں..... اب بے فکر ہو جاؤ..... ماما نے کہا تھا وہ گاڑی بھیج دیں گی' یہیں روڈ پر کھڑے ہو کر گاڑی کا انتظار کر لوں گی..... جاؤ تم یہاں سے.....''

علی نے تحمل سے اس کی بات سنی۔ وہ رو رہی تھی اتنی ہی شدت سے ہچکیاں بھی لے رہی تھی۔ وہ اندر تک دکھی ہو گیا۔

''پلیز زری!..... میری اتنی پیاری بہن ہے۔ میں بھلا اپنی بہن کو روڈ پر یوں اکیلے چھوڑ سکتا ہوں' پلیز بیٹھو..... ورنہ میں زبردستی بٹھا لوں گا.....''

اس نے پیار سے بازو پکڑ کر پچکارا تو وہ روتی ہوئی اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

علی نے تشکر بھری سانس لی ورنہ زرش کے معاملے میں بعض اوقات لینے کے دینے پڑ جاتے تھے۔

شارق زمان کے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر رات تک پورا خاندان جمع ہو گیا۔ فاروق چچا کی فیملی' حمید چچا کی فیملی اور نویرہ احسان کی فیملی۔ جس نے بھی خبر سنی عیادت کو آتا جا رہا تھا۔ یہ اس خاندان کی مثالی محبت تھی جو سب کو باہم باندھے ہوئے تھی۔ گھر جدا تھے مگر دل ایک دوسرے کی محبت اور دکھ درد سے ہمہ وقت لبریز رہتے تھے۔

گو ایکسیڈنٹ معمولی تھا کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا رہی سہی کسر بخار نے پوری کر دی تھی۔ واجدہ خالہ تو ہمہ وقت شارق کے کمرے میں اس کی پٹی کے ساتھ لگی رہیں۔

اس وقت رات کے اس پہر سارا خاندان یہیں تھا۔ نواز' شارق زمان کو بھی لاؤنج میں لے آیا تھا' ہر کوئی گفتگو میں مصروف تھا۔ خوب محفل جمی ہوئی تھی۔ نویرہ چائے بنانے کچن میں گھسی ہوئی تھی' صبح سے وہ گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ رات بھی ٹھیک سے سوئی نہیں تھی۔ اس وقت تھکن سے برا حال تھا مگر وہ پھر بھی چائے کا برتن برنر پر چڑھا کر فریج سے دیگر لوازمات نکالنے لگی۔

''نویرہ بی بی آپ رہنے دیں۔ میں چائے بنا لوں گی..... بیگم صاحبہ نے منع کیا ہے۔ اب آپ کچھ نہیں کریں گی ان کے پاس جا کر بیٹھیں.....''

فریج سے دودھ نکال کر پلٹی تو شاکرہ اس پیغام کے ساتھ اندر داخل ہوئی وہ مسکرا دی۔ تھکن سے بدن چور چور ہو رہا تھا' یہ عنایت بڑی غنیمت لگی۔

''ٹھیک ہے..... تم چائے بنا لو لیکن بالکل سادی سی..... اور ساتھ میں فریج میں سے کھانے کو کچھ میٹھا بسکٹ اور کٹلس نکال لینا.....'' دودھ کی تھیلی شاکرہ کو تھما کر اس نے ہدایت دی اور پھر کچن سے نکل آئی۔

حمیرا' رمشا اور نبیلہ بھابی تینوں قالین پر براجمان تھیں جب کہ فاروق چچا' حمید چچا' چچی اور اماں ایک ساتھ واجدہ خالہ کے قریب صوفے پر بیٹھے تھے۔ درمیان کے صوفے پر ایک طرف نواز فاروق تھا ساتھ میں شارق زمان اور اس کے ساتھ رضا تھا جب کہ دوسری طرف نبیل بھائی اور ان کے ساتھ والی نشست خالی تھی۔

''آؤ نویرہ!..... ادھر کیوں کھڑی ہو۔ اندر آؤ شاباش۔'' واجدہ خالہ کی نظر دروازے میں ایستادہ نویرہ پر پڑی تو ایک دم پکارا اور تقریباً سبھی نے گفتگو ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کر اندر

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

چلی آئی۔

"ماشاء اللہ بہت سلجھی ہوئی ہے نویرہ.....کل سے یہاں ہے اس طرح گھر سنبھالا ہے کہ ہر چیز کی طرف دھیان رکھا ہے کہ مجھے خود بھی احساس نہیں ہوا کہ نویرہ یہاں کے لیے انجان ہے۔ جیتی رہے.....اللہ جزا دے۔"

واجدہ خالہ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئیں' وہ جھینپ گئی۔ اس کی تعریف پر اماں اور بڑی چچی کے چہرے پر ستائش ابھر آئی۔ وہ سر جھکائے نبیل بھائی کے ساتھ والی خالی نشست پر آ بیٹھی۔

"خالہ جی آپ بھی حد کرتی ہیں.....میرا اپنا گھر ہے میں فارغ بیٹھی اچھی تھوڑی لگتی.....پھر کام بھی کیا ہے بس روٹین کا ہی تو تھا۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

شارق زمان نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

خوبصورت اور پرکشش خدوخال' اسے اپنی یہ کزن دیگر لڑکیوں سے مختلف لگی۔ ہر فن مولا۔ ہر کسی کے کام آنے کے لیے ہمہ وقت تیار.....وہ ان کے گھر بہت کم آتی تھی مگر جب بھی آتی گھر گھر لگنے لگتا تھا۔ وہ آتی بھی صرف ایک دو دن کے لیے مگر اس طرح گھر سنبھالتی کہ یوں محسوس ہونے لگتا کہ جیسے گھر کی اصل مالک وہی ہو۔

شارق زمان کے حافظے میں کل رات اور صبح کے وقت اس کے متعلق پریشان و متفکر نویرہ کا چہرہ در آیا تو چہرے پر ایک نرم سی مسکان اتر آئی۔ پل پل اس کا خیال رکھتی رہی تھی۔ کبھی دوائی کے لیے پریشان' کبھی کھانے کی بابت استفسار.....

"ماشاء اللہ.....نویرہ بڑی سمجھدار اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے.....بہت لکی ہو یار تم....." شارق نے اپنے بائیں طرف بیٹھے نواز سے دھیمے سے کہا جسے رضا نے بھی یہ خوبی سنا تھا۔ ایک ٹیس سی اٹھی تھی دل میں.....نظر ایک دم نویرہ کے چہرے کا طواف کرنے مچلنے لگی لیکن وہ خود کو ڈانٹ گیا۔ سب کی موجودگی میں (خاص طور پر رمشا کی) وہ یہ حرکت مر کر بھی نہ کرتا۔

"تھینکس.....میرا خیال ہے تم بھی اب ایسی کوئی سمجھداری دکھا دو.....بہت گزار دی تنہا.....اب کوئی ساتھی ڈھونڈ لینا چاہیے تمہیں بھی....."

نواز نے بھی جواباً ہنس کر کہا۔ شارق زمان نے قہقہہ لگایا۔ اب طبیعت قدرے بہتر تھی پھر سب کی موجودگی میں' ان کی باتوں میں وہ خود کو بہت فریش محسوس کر رہا تھا۔ اسی لیے نواز کے "مشورے" کو خوب انجوائے کیا۔

"کیوں پھنساتے ہو یار.....تمہیں میری آزادی اتنی بری کیوں لگتی ہے جو ہر وقت میرے پیچھے ہی پڑے رہتے ہو۔ اب میں تمہاری طرح لکی تو نہیں ہوں کہ مجھے بھی کوئی "سمجھدار" سی مل جائے.....خاندان میں ایک ہی سمجھدار ہے جس کو تم لے اڑے ہو۔"

شارق کا انداز ہی ایسا تھا کہ رضا حمید بھی مسکرا دیا۔ نواز کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ نویرہ نے اسے بغور دیکھا۔

وہ تینوں دھیمے دھیمے کسی بات پر مسلسل مسکرا رہے تھے۔

"کیا بات ہو رہی ہے.....بڑے قہقہے لگ رہے ہیں؟....." نبیل بھائی اگرچہ کچھ فاصلے پر تھے مگر انہیں بھی تجسس جاگا۔

"میں شارق کو مشورہ دے رہا تھا کہ اب اسے بھی کوئی لڑکی دیکھ لینی چاہیے۔ تاکہ اس کی سرگرمیوں میں بھی فرق آئے اور کچھ نہیں تو ذمہ داری کا ہی احساس ہو۔" نواز نے اونچی آواز میں کہا' جو بڑوں نے بھی سنا۔ واجدہ خالہ ہنس دیں۔

"تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی.....میں تو خود اسے کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں مگر یہ مانے تو تب ناں....." انہوں نے مصنوعی خفگی سے شارق کو دیکھا۔ تو وہ مسکرا دیا۔

"بس آج سے آپ لڑکی دیکھنا شروع کر دیں اسے منانا میرا کام ہے....." نواز نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"شارق بھائی سے بھی پوچھ لیں انہیں کیسی لڑکی چاہیے....." نبیلہ باجی نے مشورہ دیا۔

"ہاں واقعی شادی تو انہیں کرنی ہے۔ لڑکی بھی ان کی ہی پسند کی ہونی چاہیے۔ ٹاپک دلچسپ تھا۔ بہت کم ایسا ہوا کہ وہ اس طرح کسی کے قابو میں آیا ہو اور جو یہ موضوع چلا تو نویرہ کے منہ سے بھی پھسل گیا۔

اس نے مسکرا کر نویرہ کو دیکھا لیکن ایک دم اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سمٹی۔ عجیب لطافت سے مسکراتی یہ لڑکی کبھی کبھار عجیب انداز میں اس کے دل کے تاروں پر ہاتھ مار جاتی تھی کہ وہ گنگ سا رہ جاتا۔ اب بھی ایک پل کو اندر کی وحشت پوری قوت سے باہر نکلنے کو بے تاب ہوئی تھی۔

"بشرطیکہ وہ تم ہو....." ایک لمحے کی بات تھی۔

ہونٹوں سے الفاظ پھسلے تھے۔

یا دل سے لفظ نکلے تھے۔

چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

آنکھوں میں کئی رنگوں کا عکس تھا۔

عجب سی وحشت تھی۔

ایک دو پل کو تو سبھی ٹھہر گئے تھے۔

یوں جیسے اچانک انہونی ہو گئی ہو۔ اس قدر سنجیدگی۔

وہ بے باک ضرور تھا مگر بے ادب نہیں لیکن یوں بڑوں کی موجودگی میں اتنی بڑی بات کہہ دینا وہ بھی اس قدر سنجیدگی سے۔ سبھی حیرت سے شارق کو دیکھ رہے تھے۔

ایک دم شارق زمان کو بھی احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ چکا تھا۔

ایک پل نے اسے کس طرح آشکار کر دیا ہے۔

وہ خود بھی حیران تھا کہ اس کی زبان سے یہ الفاظ پھسل کیسے گئے؟

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"مگر کیا کریں.....نواز مجھ سے سبقت لے گیا۔اب انتظار کرنا پڑے گا۔

کوئی تم نہیں تو تم "جیسا" تو ضرور ہو....."

مسکرا کر کہتے ہوئے مذاق کے رنگ میں ایک دم اس نے اپنے چند پل کہے جانے والے الفاظ کا اثر زائل کرنا چاہا۔

سب کی سانس ایک دم بحال ہوگئی۔

سبھی مسکرا دیے۔

نویرہ جو خود اس کی اس قدر سنجیدگی سے دہرائی جانے والی بات پر حیران و ششدر آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی وہ بھی ایک دم پرسکون ہوگئی لیکن اندر ہی اندر ایک لہر ضرور اٹھی۔تبھی وہ مقابل بیٹھے اپنا بغور جائزہ لیتے اسے دیکھنے لگی۔

"تم بھی حد کرتے ہو شارق.....مذاق کرتے ہوئے بھی دیکھ لیا کرو.....نویرہ اب تمہاری کزن ہی نہیں ہونے والی بھابی بھی ہے....."

واجدہ خالہ نے بھی ٹوک دیا۔تو وہ ہنس دیا۔نجانے اس کی ہنسی میں کیا بات تھی کسی اور نے شاید محسوس کی تھی کہ نہیں لیکن نویرہ کا دل چیخ گیا۔

"بالکل بجا فرمایا.....ہم دل سے عزت کرتے ہیں آنسہ نویرہ صاحبہ کی۔ہم بھلا کوئی ایسی گستاخی کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں ان کی شان میں۔یہ تو ہمارے لیے قابل صد احترام ہیں۔" انداز اگرچہ اب بھی مذاق اڑانے والا تھا لیکن نویرہ کو اس کی آنکھوں میں وہ ایک لمحے پہلے کی وحشت صاف دکھائی دے رہی تھی۔نجانے کیوں اس کے اندر کی لڑکی اس کی آنکھوں کی کیفیت سے ڈر گئی۔

اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

اس پل اسے اس کی آنکھوں کی تپش اپنے وجود پر نیزے کی انی کی طرح چبھ رہی تھی۔ایک سیکنڈ کو بھی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ایک دم نویرہ کے چہرے پر برہمی کے آثار نمودار ہوئے۔اس نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا جو بظاہر عام سے انداز میں مسکراتے ہوئے ابھی بھی اس کے چہرے پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔جیسے اس کے چہرے کے تمام رنگ پڑھنے کی کوشش میں ہو۔

نویرہ نے برہمی سے آنکھوں ہی آنکھوں میں شارق زمان کو تنبیہ کی۔

دوسرے ہی پل اس نے مسکرا کر اپنی نگاہیں ہٹالیں۔نویرہ کے اندر کوئی چیز چیخ کر رہ گئی۔جیسے کوئی شدت سے احتجاج کرنے لگا ہو۔

"شارق بھائی نے ایسا کیوں کیا ہے.....اس سے پہلے تو انہوں ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔" باقی لوگ دوبارہ سے وہی ٹاپک چھیڑ چکے تھے مگر نویرہ سر جھکائے ہتھیلیوں کو آپس میں مسلتے اس کی آنکھوں میں ٹھہر جانے والی ایک پل کی کیفیت پر ہی حیران و پریشان تھی۔

"آئندہ احتیاط کرنا ہم بھی بیٹھے ہیں اس محفل میں۔" نواز جو پہلے ہی سمجھ چکا تھا کہ شارق آج اسے ستانے اور مذاق کے موڈ میں ہے اس نے بھی ہنس کر کہا تو نویرہ کو جیسے ایک دم لگا کوئی اور بھی اس

کے ساتھ ہے۔کسی نام کے ساتھ اس کا نام ہے۔وہ اتنی غیر اہم نہیں کہ کوئی مذاق میں اس کے متعلق اتنی بڑی بات کہہ جائے۔نواز کی طرف دیکھتے ہوئے وہ پرسکون ہوگئی۔

"ہو سکتا ہے میری نظر اور سمجھ کا دھوکہ ہو.....شارق بھائی واقعی مذاق کر رہے ہوں....." وہ مکمل طور پر مطمئن ہوگئی تھی۔

"بہت بری بات ہے شارق بھائی.....آئندہ مجھے آپ سے بات چیت میں احتیاط کرنا ہوگی۔"

شاکرہ چائے لے کر آ گئی تھی۔ایک ایک کر کے وہ سب کو چائے سرو کرنے لگی تو نویرہ نے بھی آہستہ سے کہہ دیا۔"میرا اور آپ کا اس قسم کے مذاق کا کوئی رشتہ نہیں۔" اس نے جتا بھی دیا اور حد بھی متعین کر دی۔

شارق نے شاکرہ کے ہاتھ سے چائے کا مگ لیتے ہوئے دیکھا۔اس کے لبوں پر وہی پہلے جیسی دھیمی مسکراہٹ آ گئی تھی۔اس کے اندر کوئی چیز پوری شدت سے چیخی۔

"معافی مانگ چکا ہوں مادام!.....میں نے کہا ناں کہ میں آپ کی دل سے عزت کرتا ہوں نواز کے ناطے اور بھی گہرا تعلق ہے۔"ذہن میں رکھیے....."

چائے کا ایک گہرا سپ لیے اس نے فوراً معذرت خواہانہ انداز اپنایا تو نویرہ ہنس دی۔یوں ایک پل کو لگا جیسے ماحول کی ساری کثافت ہی دھل گئی ہو۔

"پھر آپ بتائیں نا.....کیسی لڑکی چاہیے آپ کو....." اتنی دیر سے خاموش بیٹھی رمشا بھی درمیان میں کود دی۔

شارق نے ایک بے بس نظر سے نواز کو دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ "یار کہاں پھنسا دیا تم نے۔" نواز محظوظ ہوا۔

"کوئی بھی نہیں....." اس نے کہا۔

"کیوں....." یہ سوال چھوٹی چچی کی طرف سے اٹھا تھا۔

"ابھی میرا شادی کرنے کا قطعی موڈ نہیں.....مذاق ایک طرف.....اس جانب میں نے نہ کبھی سوچا ہے اور نہ ہی ابھی سوچنا چاہتا ہوں۔" ایک دم سے سنجیدگی اس کے چہرے پر آ کر رک گئی۔چٹانوں جیسی سختی جو سب کو ایک حد میں رہنے پر مجبور کر دیتی تھی اب بھی یہی ہوا۔

"کیوں.....شارق بیٹا! اس معاملے میں یوں لاتعلقی کیوں؟.....یہی شادی کی عمر ہے۔" فاروق چچا نے اس کی یوں سنجیدگی سے ایک دم انکار کرنے پر فوراً سوال اٹھایا۔

شارق کا دل چاہا سب کو ایک سخت سا جواب دے کر ہمیشہ کے لیے چپ کرا دے وہ ایسا ہی تھا۔کبھی کبھار ہی اس کا موڈ بہتر ہوتا لیکن اس وقت اسے خود پر بہت جبر کرنا پڑا۔

"ابھی میں خود کو اس ذمہ داری کا اہل نہیں سمجھتا.....شادی بہت بڑی ذمہ داری مانگتی ہے.....میں جس قدر غیر ذمہ دار ہوں آپ سب لوگ باخبر ہیں.....اس نے حاضرین پر ایک اچٹتی نظر ڈالی پھر نگاہ ذوق بھٹکتی ہوئی صاف شفاف مانگ پر آ ٹھہری۔"یا یوں سمجھ لیں میں ابھی خود ہی اس ٹاپک سے بچنا

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

چاہتا ہوں یہ نہیں کہ شادی کروں گا ہی نہیں کروں گا' ضرور کروں گا لیکن کس سے۔ یہ تو مجھے خود بھی نہیں پتا.....'' آخر میں وہ کچھ کہہ گیا تھا مگر دوٹوک انداز میں۔ آج یوں موضوع سخن بننے پر شارق زمان نے بھی واضح کر دیا۔

سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئے۔ مزید کچھ کہنے یا سننے کی کسی کے اندر ہمت ہی نہیں ہوئی۔ شارق کا انداز ہی اتنا اٹل تھا۔ اس نے بات ہی اس قدر دوٹوک انداز میں ختم کر دی کہ فاروق چچا نے کوئی اور موضوع چھیڑنا زیادہ مناسب جانا۔ اس خیال سے کہ پھر کبھی بات کریں اور منوا کر رہیں گے۔

✿.....✿.....✿

فرح نے سمعان احمد کو سعید احمد کا پیغام دیا کہ وہ انہیں بلا رہے ہیں مگر وہ اس وقت اندرونی طور پر اس قدر ڈسٹرب تھا کہ اندر جانے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''ابو کو کہنا میں رات کو آ کر ان سے مل لوں گا۔ اس وقت ڈاکٹر ظفر کے ساتھ میرا پروگرام ہے' رات کو لوٹوں گا۔''

ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھا کر سمعان احمد گھر سے باہر آ گیا۔ ڈاکٹر ظفر کے ساتھ واقعی اس کا پروگرام تھا مگر اس وقت نہیں ڈنر کے وقت تھا۔

وہ کتنی دیر تک گاڑی ادھر اُدھر دوڑاتا رہا۔

''سمعان بھائی.....آپ بھی۔''

حیرت اور بے یقینی سے گنگ آواز تھی۔

آنسوؤں سے تر چہرہ اس کو اضطراب کے سمندر میں دھکیلتا رہا۔

''نہیں آؤں گی آپ کے گھر.....کبھی نہیں.....سنا آپ نے.....کبھی نہیں.....''

روتے ہوئے وہ وہاں سے گئی تھی۔ اس کو ایک پل کے لیے لگا تھا کہ زندگی اس سے روٹھ کر چلی گئی ہو اور اب جیسے اس کے آنسو اندر ہی اندر اسے ادھ موا کرنے کو تھے۔ اندر کے اضطراب سے گھبرا کر اس نے گاڑی ''سی ویو'' کی جانب موڑ لی۔ گاڑی ایک طرف پارک کر کے وہ پتھروں پر آ بیٹھا..... لہریں پتھر کو چھو چھو کر لوٹ رہی تھیں۔ سمندر کے تلاطم خیز شور میں غیر مرئی نقطے کو گھورتے نجانے کتنا وقت بیت گیا۔

موبائل کی بیپ ہوئی تو وہ چونکا۔

موبائل اسکرین پر ڈاکٹر ظفر کا نمبر دیکھ کر یاد آیا کہ وہ انتظار کر رہا ہوگا۔

''ہیلو.....'' اس نے کال ریسیو کی۔

''کہاں ہو تم؟.....میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' چھوٹتے ہی اس نے پوچھا۔ اس نے ایک گہری سانس سمندر کی ٹھنڈی فضا میں خارج کی۔

''آئی ایم سوری یار!.....میں شاید نہ آ سکوں۔ پلیز مائنڈ نہ کرنا۔ کل کا پروگرام سیٹ کر لو۔''

اس نے ڈنر کی طرف سے معذرت کی۔

''کیا مطلب.....تم نہیں آ رہے.....'' دوسری طرف وہ پھاڑ کھانے کو تھا۔

''نہیں.....''

''کیوں؟.....''

''بس طبیعت ٹھیک نہیں.....پھر پاپا کے ساتھ ایک اہم میٹنگ بھی ہے.....پلیز یار مائنڈ نہیں کرنا کل اکٹھے ڈنر کریں گے تو پھر بات کریں گے۔''

''کیا ہوا طبیعت کو.....'' اب کے وہ کچھ آرام سے پوچھ رہا تھا۔

''کل بتاؤں گا.....آئی ایم سوری تمہیں میری وجہ سے انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی.....'' اس نے سلیقے سے ایکسکیوز کیا تو دوسری طرف ظفر سمجھ گیا کہ یقیناً کوئی سنجیدہ بات ہوئی ہوگی ورنہ وہ وقت دے کر انکار کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔

''او کے پھر ٹیک کیئر.....کل تفصیلی بات ہوگی۔ میں مغرب کے بعد ہی تمہیں آفس سے پک کر لوں گا.....'' ڈاکٹر ظفر نے مزید ایک دو رسمی جملوں کے بعد موبائل بند کر دیا تھا۔

اس نے تشکر بھری سانس لی کہ ڈاکٹر ظفر نے کریدنے کی کوشش نہیں کی اور فوراً بات مان لی۔

وہ کچھ دیر مزید وہیں رکا۔

''امی کی نفرت بلا جواز تو نہیں.....'' لہروں کو ہاتھوں سے چھوتے وہ مسلسل اسی رخ پر سوچ رہا تھا۔

''مگر اس میں زرش کا کیا قصور، اسے تو شاید کچھ بھی علم نہیں۔'' ہتھیلی میں پانی جمع کر کے ایک ایک قطرے کو گرتے دیکھنے کا کھیل وہ گم حواسوں سے دیکھ رہا تھا۔

''امی کی نفرت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے.....میرے لیے تو تینوں ہی اہم ہیں امی' ابو اور شاید زرش بھی.....ان تینوں میں سے کسی ایک کا بھی ڈی گریڈ ہونا کیا میں برداشت کر سکتا ہوں؟.....''

وہ مسلسل سوالات کے کٹہرے میں خود کو مجبور پا رہا تھا لیکن جواب کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ الجھی ڈور کسی بھی طرح سلجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ تنگ آ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ واپس گاڑی میں آ کر بیٹھا تو پہلے سے زیادہ مضطرب تھا۔

واپسی کے سفر میں وہ ادھر اُدھر گاڑی گھماتا رہا۔ گیارہ بجے کے قریب خود سے ہار کر وہ گھر کی طرف لوٹ آیا۔ جس کشمکش اور اذیت سے وہ دوچار تھا اس کا شاید اس کے پاس کوئی حل بھی نہیں تھا۔

گاڑی پارک کر کے اندر آیا تو گھر میں بالکل خاموشی تھی۔ کاریڈور میں بھی کوئی دکھائی نہ دیا۔ نہ ہی اس وقت وہ کسی سے سامنا کرنا چاہتا تھا۔ کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گیا۔ کافی دیر بعد باہر نکلا تو صوفے پر پاپا اور بیڈ پر فرح کو بیٹھے دیکھ کر وہ رک گیا۔

''السلام علیکم.....'' وہ ایک لمحے رکا پھر سر خشک کر کے تولیہ اسٹینڈ پر ڈال دیا۔

''وعلیکم السلام.....بڑی دیر لگائی تم نے موبائل بھی آف تھا.....'' بابا نے پوچھا۔

وہ چپ رہا۔ ڈاکٹر ظفر کی کال کے بعد اس نے موبائل آف کر دیا تھا۔

سعید احمد لاہور گئے ہوئے تھے مزید چند دن لگ جانے تھے مگر کام جلد ہو جانے پر وہ واپس لوٹ

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

آئے۔ سمعان احمد کو آفس میں فون کیا کہ وہ ڈرائیور کو ائیر پورٹ بھیج دے لیکن ڈرائیور کو بھیجنے کے بجائے وہ خود ہی لینے چلا گیا۔ ارادہ سعید احمد کو گھر چھوڑ کر نئے سرے سے فریش ہو کر ڈاکٹر ظفر کی طرف جانے کا تھا لیکن.....

''کیسا رہا ڈنر.....'' وہ خاموش رہا تو انہوں نے نہیں پوچھا۔

''ٹھیک تھا۔'' اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے سعید احمد کو دیکھا۔

وہ اس وقت اس کے کمرے میں تھے یقیناً کوئی ضروری بات تھی۔

''بھائی آپ چائے پئیں گے.....'' فرح نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں گڑیا..... ابو سے پوچھ لو..... میرا دل نہیں چاہ رہا.....'' اس کے انکار پر اس نے والد کی طرف دیکھا تو انہوں نے بھی انکار کر دیا۔

''نہیں..... میرا بھی موڈ نہیں۔ تم جا کر آرام کرو..... اور ہاں علی سو گیا ہے یا پڑھ رہا ہے۔'' انہوں نے پوچھا۔

''علی سو گیا ہے.....'' فرح نے مختصراً جواب دیا تو بابا نے سر ہلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔

''بیٹھو..... مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے.....'' انہوں نے بیڈ کی سائیڈ پر بیٹھے سمعان کو اپنے پاس صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گیا۔

''کوئی خاص بات ہے۔'' بات کس نوعیت کی ہو سکتی ہے اس کو اندازہ ہو رہا تھا مگر پھر بھی پوچھا۔

''ہوں.....'' انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا.....

''آج جو کچھ بھی ہوا تم نے بھی سب سنا ہے.....'' انہوں نے بغیر تمہید باندھے بات شروع کی۔ اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے صوفے کی پشت سے کمر ٹکائی۔

''جی.....''

''میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ قصور کس کا ہے؟..... میں جمع تفریق کے اس حساب سے اکتا چکا ہوں۔ تمہاری ماں جو چاہتی ہے' تم اچھی طرح جانتے ہو اور جو میں چاہتا ہوں اس سے بھی باخبر ہو۔ میں زرش پر زور دے رہا ہوں تو اس لیے نہیں کہ یہ میری ضد ہے اس لیے کہ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم اسے چاہتے ہو.....''

انہوں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے ایک دم سر جھکا لیا۔ ایسا موقع تو آنا تھا مگر اتنی جلدی۔ اس کا چہرہ سرخی مائل ہونے لگا۔

''میں نے مسعود احمد سے جب بات کی تھی تمہاری رضامندی لے کر ہی کی تھی۔ زرش مجھے اتنی ہی عزیز ہے۔ جتنے کہ تم..... لیکن آج کی ساری بات کا لب لباب ہی یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم اسٹینڈ لو۔ فرح اور علی کی باتیں سن کر جو بھی بات سامنے آئی ہے وہ یہی ہے کہ تم اب اس مقام پر کیا چاہتے ''

وہ حیران کن نظروں سے پاپا کو دیکھ رہا تھا۔ توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح کی بات کریں گے۔ یعنی اسے اسٹینڈ لینا ہوگا۔ وہ الجھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟..... یہی الجھن سوال کا روپ دھار چکی تھی۔

''تمہاری ماں سمجھانے کی حد سے نکل چکی ہے۔ میں بھی بیٹی والا ہوں' مجھے علم ہے کہ بیٹی کی عزت نفس اور ذلت کیا ہوتی ہے۔ تمہاری ماں جس طرح زرش کی ذات کے پرخچے اڑانے پر کمربستہ ہے اس کا صرف یہی حل ہے کہ تم اپنی ماں کے سامنے صاف اور واضح بات کرو..... جس طرح عثمان احمد نے اسٹینڈ لیا تھا.....''

انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کر دی۔ اس نے لب بھینچ لیے۔

''آئی ایم سوری ابو جان..... میرے لیے یہ ممکن نہیں..... کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد اس نے انکار کر دیا۔ انہیں شاید اس جواب کی توقع نہ تھی وہ چند پل بے یقینی سے اسے دیکھتے رہے۔

''میرے لیے آپ جتنے قابل احترام ہیں۔ امی بھی اتنی ہی ہیں۔ میں اگر اس مقام پر اسٹینڈ لوں گا تو یقیناً ان کا دل برا ہوگا۔ وہ یہ بات کبھی نہیں بھولیں گی کہ میں نے ان کی خواہش کو نظرانداز کر کے اپنے دل کی بات مانتے ہوئے زرش کے لیے اسٹینڈ لیا۔ عثمان بھائی کا معاملہ دوسرا تھا۔ فاریہ بھابی ''متنازعہ'' شخصیت نہیں تھیں جب کہ زرش ہے اور سب سے بڑھ کر آپ کی خواہش بھی ہے۔ وہ ساری زندگی اس بات کو قبول نہیں کریں گی اور نہ ہی چچا جان اور چچی جان مانیں گے پھر کیا ہوگا..... نتائج کیا ہو سکتے ہیں..... مجھ سے بہتر آپ اندازہ کر سکتے ہیں.....'' اس نے دھیمے انداز میں ساری بات کھول دی۔

سعید احمد نے بغور ایک ایک لفظ سنا۔

''مجھے اس عورت کی قطعی پروا نہیں..... مجھے تم لوگوں کے احساسات کی فکر ہے بس.....''

انہوں نے قطعی کہا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''لیکن مجھے ہے..... وہ عورت میری ماں ہے ابو جان.....'' اس کا انداز بھی قطعی تھا۔

انہوں نے بغور بیٹے کی طرف دیکھا۔ وہ ان کا سب سے سعادت مند و فرماں بردار بیٹا تھا۔ آج تک ان کی کسی بھی بات کے جواب میں اس کے منہ سے ''نہیں'' نہیں نکلا تھا مگر آج.....

''تو پھر ٹھیک ہے جو تمہاری ماں کہتی ہے وہ مان لو..... میں تمہاری بارات لے کر وہاں چلا جاؤں گا.....'' اب کی بار انہوں نے کچھ غصے سے کہا۔ وہ سٹپٹا گیا۔ ایک دم گھٹنے زمین پر ٹیک کر' ان کے سامنے بیٹھ کر' ان کے گھٹنوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

''آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر مگر امی کو بھی تکلیف دینا نہیں چاہتا..... ہم کچھ عرصہ اس ٹاپک کو بھول نہیں سکتے۔'' اس نے لجاجت سے کہا۔ وہ خاموش رہے۔

''ابو جان پلیز..... سمجھنے کی کوشش کریں..... چچا جان زرش کی شادی اتنی جلدی نہیں کریں گے کم از کم دو تین سال تک..... تب تک ہم اس ٹاپک کو رہنے دیتے ہیں۔ امی کو سمجھا تو سکتے ہیں۔ زرش کا نام نہیں

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

لیتے ہیں' ہوسکتا ہے آنے والے وقت میں بہتری کی صورت نکل آئے اور امی خود اس رشتے کے لیے دل سے راضی ہو جائیں..... ہم لوگ بالکل خاموش رہتے ہیں۔ جس طرح امی کی خواہش ہے' کر لیتے ہیں بعد میں ہم اپنی منوالیں گے مگر اس طرح نہیں جس طرح اب ہو رہا ہے۔ اس طرح گھر بنتے نہیں بگڑ جاتے ہیں۔ پلیز....."

انہوں نے گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے تمہاری بات مان کر میں اس ٹاپک کو بھول جاتا ہوں مگر وہ بھی نہیں ہوگا جو وہ عورت چاہتی ہے۔ فوزیہ کبھی اس گھر میں نہیں آئے گی اسے یہ بھی سمجھنا ہوگا اور یہ فائنل بات ہوگی۔ دو تین جتنے سال بھی سہی یہ طے ہے کہ زرش اسی گھر میں آئے گی....." انہوں نے اٹل انداز میں کہا تو اس نے ایک پرسکون سانس لی۔

شکر ہے انہیں اس کی بات سمجھ آ گئی تھی۔

"تھینک یو ابو جان!..... تھینک یو سو مچ..... انشاء اللہ میں امی کو سمجھا لوں گا۔ ان دو تین سالوں میں سب بہتر ہو جائے گا۔ میرا یقین کریں....."

ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس نے کمال اطمینان اور یقین سے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"وہ عورت کسی کے سمجھانے سے کبھی سمجھنے والی نہیں..... میری زندگی گزر گئی ہے' تم بھی کوشش کر کے دیکھو لو..... ہوسکتا ہے تم کامیاب ہو جاؤ....."

وہ اس کے ہاتھوں کو تھپتھپا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ زرش کا بھی گھر ہے..... وہ یہاں آتی رہے گی اسے یہاں آنے سے تمہاری ماں کبھی منع نہیں کرے' یہ بات بھی اپنی ماں کو سمجھا دینا....." دروازے کے پاس رک کر انہوں نے کہا اور پھر نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد اس کے چہرے پر تفکر کے سائے گہرے ہونے لگے۔

طاہرہ بیگم کو سمجھانا ایک مشکل امر تھا لیکن وہ یہ کام اپنے ذمے لے چکا تھا۔

"جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا....."

اس نے قطعیت سے سر جھٹکا اور بستر کی طرف پیش قدمی کی۔

✿.....✿.....✿

"چہ..... چہ..... چہ....." بڑے اشتیاق سے تم اپنی نویرہ آپا کو ملنے گئے تھے مگر اس نے تو تمہیں لفٹ بھی نہیں کروائی۔

شارق کے گھر سے واپس آ کر حمید صاحب اور ان کی بیگم اپنے کمرے میں چلے گئے۔ رضا ٹی وی لگا کر بیٹھ گیا۔ رمشا نے آتے ہی یہ گل افشانی کی۔

"شٹ اپ....." رضا حمید کو بھڑکانے کے لیے رمشا جاوید کا انداز ہی کافی تھا۔ ایک دم بھڑک اٹھا۔

"اف....." رمشا نے خوب مزہ لیا۔ "اتنا غصہ..... ویسے میں تمہارے غم میں برابر کی شریک ہوں۔ مجھے بڑا افسوس ہے....." رمشا نے رضا حمید کو چڑانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

"بکواس بند کرو....." رضا نے ہاتھ میں پکڑا ریموٹ کنٹرول صوفے پر دے مارا۔

"کیوں کیا تکلیف' ہو رہی ہے..... سچ ہی تو کہہ رہی ہوں۔ میں نے انکل سے منع کیا تھا کہ تم نہیں جاؤ گے صرف اور صرف اپنی "آپا" کے لیے گئے تھے تو اب انکار کیوں کر رہے ہو....." رمشا خود تو بھڑک رہی تھی۔ رضا کے اندر بھی وہی آگ لگا رہی تھی اور وہ واقعی بھڑک اٹھا۔

"اور تم صرف اور صرف اس وجہ سے گئی کہ میں جا رہا ہوں..... ہے ناں....." رضا کا انداز پھاڑ کھانے کو تھا۔ رمشا جاوید ہنس دی۔

"یس آف کورس..... بھئی تمہارا کیا بھروسہ..... کب تم "نویرہ"..... "نویرہ" کرتے اس کے پیچھے چل دو۔"

"تم جیسی گھٹیا لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی....." وہ بجائے اشتعال میں آنے کے بہت دکھ سے کہہ رہا تھا۔ رمشا نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"گھٹیا نہیں..... تم کیا جانو گھٹیا پن کیا ہوتا ہے اگر میں گھٹیا لڑکی ہوتی تو نویرہ بی بی اب تک اپنی منگنی ٹوٹنے کا غم منا رہی ہوتی....."

رمشا نے "گھٹیا پن" کی وضاحت کی۔ رضا ایک دو پل گنگ کھڑا رہا پھر نجانے کیا ہوا ایک دم صوفے سے اٹھا۔ اس کا بازو دبوچ کر اسے دیوار میں اس طرح دھکیلا کہ وہ لڑکھڑا کر رہ گئی۔

"رمشا کا سر بری طرح دیوار سے ٹکرایا لیکن رضا پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔"

"تم گھٹیا پن کی بات کرتی ہو..... میں بتاؤں گھٹیا پن کیا ہوتا ہے..... تمہیں بتاؤں۔" وہ وحشیانہ انداز میں اس کے کندھوں کو اپنی وحشی گرفت میں جکڑے کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔ اس کو خوف کی لہر نے آلیا۔

"چھوڑو مجھے....." ایک تو رضا کی گرفت دوسرا تھپڑ کی شدت وہ ادھ موئی ہو گئی۔ آواز پر اب خوف غالب تھا۔ رضا نے جھنجوڑ کر اسے صوفے پر پٹخ دیا۔

وہ ایک دفعہ پھر لڑکھڑا گئی..... پاؤں مڑا تو بے وزن ہو کر اوندھے منہ صوفے پر گر پڑی۔ دوپٹہ درمیان میں ہی قالین پر گر گیا تھا۔

"تم نے آئندہ "نویرہ" کے لیے گھٹیا لفظ استعمال کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا..... میں تمہارا جتنا لحاظ کرتا ہوں تم اتنی ہی سر چڑھی جا رہی ہو۔ تم نے اگر کسی سے ایک لفظ بھی غلط انداز میں نویرہ کے لیے بولا تو اسی دن میں تمہارا گلا دبا دوں گا۔ تم اگر کسی بھی حد تک جا سکتی ہو تو میں بھی جا سکتا ہوں..... اگر نویرہ کی منگنی ٹوٹے گی تو میرا اور تمہارا رشتہ بھی ختم ہوگا۔ سمجھیں..... انداز دھمکی دینے والا ہی نہیں عمل کرنے والا بھی تھا۔

غضب ناک تیور لیے وہ الجھے تنفس سمیت سب کہہ گیا۔ جیسے اس کا بس چلے تو ایک پل میں وہ اسے آگ لگا دے۔

رمشا سیدھی ہوئی تو وہ تن فن کرتا لاؤنج سے نکل گیا۔

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

رمشا کا الجھا تنفس اس کے جانے کے بعد بحال ہونے لگا۔

"اف..... یہ رضا تھا؟" وہ لرز کر رہ گئی۔

"اتنا خوفناک..... شکر ہے میں بچ گئی....." دل میں ابھی خوف باقی تھا۔ رخسار تپ رہا تھا۔ ہاتھ سے رخسار کو ڈھانپ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تم مر جاؤ نویرہ اللہ کرے تم مر جاؤ..... میری زندگی میں آگ لگا کر تم بھلا کیسے سکھی رہو گی....."

وہ دو دن مزید خالہ جان کے ہاں رہ کر واپس جا رہی تھی۔ شارق ان تین دنوں میں گھر پر ہی تھا۔ اب وہ بالکل ٹھیک تھا۔ بخار بھی اتر چکا تھا۔ نویرہ اس دن شارق زمان کے رویے سے اس قدر الجھی تھی کہ اس نے اس کے بعد ایک دوبار ہی اسے بلانے کی زحمت کی تھی۔ کزن کی حیثیت سے اسے اس سے انسیت تھی' اس لیے وہ اس کے متعلق فکر مند بھی رہتی تھی مگر اس رات' اس کی آنکھوں کی کیفیت سے وہ الجھ گئی تھی۔ خود ہی اسے بلانے سے اجتناب کیا تھا اور اب آج جب وہ جانے کو تیار تھی۔ نبیل بھائی کا انتظار کر رہی تھی تو بھی وہ مسلسل اس پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ کبھی اسے کچن میں جاتے دیکھ کر اور کبھی اماں کے کمرے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے مسلسل نظروں کی گرفت میں لیے ہوئے تھا۔

نویرہ اس کی آنکھوں کی تحریر سمجھ تو نہیں پا رہی تھی لیکن الجھ کر رہ گئی تھی۔

"کیا بات ہے شارق بھائی..... کوئی پریشانی ہے....."

اب کی بار وہ لاؤنج میں آئی تو پوچھے بغیر نہ رہی۔ وہ چونکا۔

"ہوں..... کیا پوچھ رہی تھی تم.....؟" اس نے اس کی طرف دھیان سے دیکھا۔

سرخ لباس سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے پورے قد سے اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔

"آپ بہت غور سے دیکھ رہے تھے..... بلکہ کتنی دیر سے آتے جاتے گھور رہے ہیں۔ میں نے سوچا شاید کوئی مسئلہ ہو....." اس نے اصل بات کی۔ بات کو گھما پھرا کر کرنے کی اس کی عادت نہ تھی اس لیے اس نے براہ راست پوچھا۔

شارق زمان نے ذرا دھیان سے اور تعجب سے اسے دیکھا۔ اس رات کی طرح اس وقت بھی اس کے چہرے پر کچھ برہمی کے آثار تھے۔ وہ مسکرا دیا۔

"بیٹھو....." اس نے مسکرا کہا تو وہ بیٹھ گئی..... تاہم تیور وہی تھے۔

"میں سوچ رہا تھا کہ پاک دامن عورت کسے کہتے ہیں.....؟" اس نے دھیمی مسکراہٹ سے کہا تو وہ حیران ہو گئی۔

"کیا مطلب.....؟" وہ پہلے سے زیادہ الجھ گئی۔

"تم نہیں سمجھو گی..... اس لیے اس بات کو جانے دو۔ واپس جا رہی ہو۔" اس نے مسکرا کر بات بدل دی تو وہ کچھ پل بغور اسے دیکھتی رہی۔

شارق زمان کو اس نے بہت کم مسکراتے دیکھا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر مسکراہٹ بہت بھلی لگ رہی تھی۔

"جی..... نبیل بھائی نے کہا تھا کہ وہ لینے آئیں گے مگر ابھی تک نہیں آئے۔"

شارق زمان نے بات ٹال دی تاہم اتنا ہوا کہ اس نے گھورنا بند کر دیا۔ اس لیے اس نے دوبارہ اس موضوع پر بات نہیں کی۔

"تم فون کر کے پتا کر لو..... ہو سکتا ہے کسی خاص کام میں الجھ کر بھول گیا ہو....." شارق نے مشورہ تو دیا تو اس نے سر ہلایا۔ وہ اٹھ کر وہیں لاؤنج میں رکھے فون اسٹینڈ کی طرف چلی آئی۔ فون نبیل بھائی نے ہی ریسیو کیا۔

"آئی ایم سوری تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔ دراصل مجھے ایک ضروری کام تھا کاروباری دوست آئے بیٹھے ہیں۔ کچھ دیر ہو جائے گی شاید بارہ کے بعد ہی فارغ ہو پاؤں..... اچھا ایک کام کرو تم' شارق تو گھر پر ہی ہو گا اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ ورنہ شاید کل اسکول....." نبیل بھائی نے کہا تو وہ چپ ہو گئی۔

"شارق کہاں ہے اس سے بات کرواؤ ذرا..... انہوں نے کہا تو اس نے اس کو دیکھا' وہ ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔ آواز دھیمی تھی۔

"نبیل بھائی آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں....." اس کے دیکھنے پر اس نے بھی دیکھا تو اس نے کہہ دیا۔

شارق زمان ٹی وی آف کر کے اس کے قریب چلا آیا۔ وہ ریسیور اسے تھما کر پیچھے ہٹ گئی۔

"ہاں نبیل کیسے ہو؟" وہ کچھ دور صوفے پر آ بیٹھی۔

"ٹھیک ٹھاک ہوں یار..... تم سناؤ' تم کیسے ہو گاڑی ڈرائیو کرنے کے قابل ہو کہ نہیں۔

"دوسری طرف سے نبیل نے پوچھا تو وہ حیران ہو گیا۔

"کیوں خیریت.....؟"

"یار یہاں کچھ کاروباری لوگ آئے بیٹھے ہیں۔ ایک پارٹی سے ملنا ہے۔ شاید مجھے دیر ہو جائے..... تم اگر گاڑی ڈرائیو کر سکتے ہو تو نویرہ کو گھر چھوڑ دو..... ورنہ پھر میں کل آ سکتا ہوں....."

شارق نے نویرہ کی طرف دیکھا وہ اسی کی طرف متوجہ تھی۔ شارق کے دیکھنے پر اس نے سر جھکا لیا۔ سرخ آنچل تھوڑا سا سر سے سرک گیا تھا۔ صاف شفاف مانگ شارق زمان کی توجہ اپنی طرف کھینچنے لگی۔

"ہوں ٹھیک ہے..... میں بالکل فٹ ہوں..... چھوڑ آؤں گا....." اس نے ہامی بھر لی۔

"او کے پھر ٹھیک ہے..... باقی باتیں پھر کروں گا۔ اللہ حافظ....." نبیل نے مطمئن ہو کر فون بند کر دیا۔ ریسیور رکھ کر پلٹا تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اگر آپ کو زحمت ہوتی ہے تو میں کل نبیل بھائی کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔" کچھ جھجکتے ہوئے اس نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

EDITSTUFF.BLOGSPOT.COM

"یعنی کہ تمہیں میرے ساتھ گھر جانے پر اعتراض ہے۔"

"نہیں ایسی بات نہیں۔ میں تو آپ کی تکلیف کی وجہ سے کہہ رہی ہوں۔"

"تم اماں سے مل لو اور شاکرہ کو کہو وہ تمہارا بیگ لے آئے' میں گاڑی نکالتا ہوں....."

شارق زمان اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس کے ساتھ تنہا نہیں جانا چاہتی تھی مگر وہ نبیل بھائی کو انکار نہیں کر سکتی تھی اور اب وہ.....

وہ سر جھٹک کر خالہ کے کمرے میں آ گئی۔

"اچھا خالہ جان میں گھر جا رہی ہوں۔ نبیل بھائی کا فون آیا تھا وہ نہیں آ رہے' شارق بھائی چھوڑنے جا رہے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے..... شارق کو کہنا وہ گاڑی احتیاط سے چلائے..... پہلے ہی خدا نے بچایا ہے۔" انہوں نے اسے اپنے گلے لگا لیا۔

"اپنا خیال رکھیے گا..... دوائی اور خوراک وقت پر لیجیے گا۔"

ان سے جدا ہو کر اس نے بھی خاص ہدایت کی۔ وہ مسکرا دیں۔

اپنا بیگ لے کر وہ گیٹ سے نکلی تو وہ فرنٹ ڈور کھولے منتظر تھا۔ فرنٹ سیٹ دیکھ کر وہ جھجک گئی۔ پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور پھر اس کی طرف۔ وہ اگنیشن میں چابی گھما رہا تھا۔ وہ کچھ جھجکتے ہوئے سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"کیا کرتی رہتی ہو سارا دن....." گاڑی تھوڑا سا آگے بڑھی تو اس نے ہی اندر کی خاموشی کو توڑا۔ ورنہ وہ تو تہیہ کیے بیٹھی تھی کہ کچھ نہیں بولے گی۔

"کچھ نہیں..... گھریلو کام کاج' سارا دن انہی میں مصروف رہتی ہوں۔ اس کے علاوہ کبھی کبھار سلائی کر لیا کرتی ہوں....." اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے مکمل گھریلو "خاتونِ خانہ" ہو....." انہوں نے مسکرا کر کہا اور وہ لب بھینچے خاموش رہی..... وہ بھلا کیا کہتی۔

وہ رات کے اس پہر شارق کے ساتھ تنہا آنے پر ہی جھجک رہی تھی اوپر سے ان کی بے تکلفی..... بہت عرصے بعد اس کا خالہ جان کے گھر آنا ہوا تھا۔ یوں تو انہیں قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ورنہ وہ اسے کم گو اور اپنی ذات میں گم شخص ہی لگا کرتا تھا لیکن اب.....

"ایک بات کہوں برا تو نہیں مانیں گے؟..... اچانک کچھ خیال آنے پر اس نے جھجکتے پوچھا۔

"ہاں کہوں....." اس نے اس کی طرف دیکھا۔ گاڑی کی ہلکی لائٹ میں پیشانی تک دوپٹہ جمائے وہ دہکتا انگارہ محسوس ہو رہی تھی۔ سرخ لباس میں سرخ و سفید چہرہ چاندنی بکھیر رہا تھا۔

شارق زمان کو محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا ہو۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔ اس نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

"آپ نے پرسوں رات ایسا مذاق کیوں کیا تھا؟" براہِ راست شارق زمان کی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے اس نے سوال کیا اور اسی لمحے شارق کی توجہ ہٹی۔ اس کا ہاتھ اسٹیرنگ پر لڑکھڑا گیا۔ اسٹیرنگ گھوما' گاڑی ایک دم لڑکھڑائی۔ نویرہ کی چیخ نکل گئی..... اس نے لڑکھڑاتی گاڑی پر قابو پانے کے لیے بریک پر پاؤں مارے۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ نویرہ نے ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔ سارا وجود لرز رہا تھا۔

"نویرہ..... نویرہ آر یو آل رائٹ....." گاڑی بری طرح سے اپنا توازن کھو بیٹھی تھی۔ نویرہ کا خوف ابھی بھی برقرار تھا۔ وجود بھی لرز رہا تھا۔ اس نے پشیمانی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو جیسے وہ ہوش میں آ گئی' فوراً اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"آ..... آپ..... آپ....." وہ کچھ سخت کہنے کی کوشش میں لب سی گئی۔

"آئی ایم سوری..... میرا دھیان بھٹک گیا تھا۔" اس نے ندامت سے کہا۔

"آپ کا دھیان تو یوں لگتا ہے' ہر وقت بھٹکا رہتا ہے۔ آپ کے لیے زندگی بے کار اور بے معنی ہو گی جسے آپ تجروں کی نذر کرنے پر تلے ہوئے ہیں مگر میرے لیے بہت معنی رکھتی ہے..... مجھے پتا ہوتا کہ آپ کی ڈرائیونگ اس قدر ناقص ہے تو میں کبھی آپ کے ساتھ نہ آتی....."

خوف کے باعث آنسو بہہ نکلے۔ چہرہ صاف کرتے اس نے تلخی سے کہہ دیا۔

"ڈرائیونگ تو خیر میری بہت شاندار ہے تم نے تجربہ کب کیا ہے۔"

"ریئلی....." انداز ایک دم ذو معنی تھا۔ نویرہ اندر تک جھنجلا اٹھی۔

"دیکھیں..... میں سیدھی' صاف کھری لڑکی ہوں..... مجھے آپ کی ذو معنی باتوں کی قطعی سمجھ نہیں آتی بس اتنا ہوتا ہے کہ میرا دماغ ضرور الجھ جاتا ہے۔ میرے ساتھ صاف اور سیدھی بات کیا کریں..... ورنہ کوئی ضرورت نہیں بات کرنے کی....."

چاہے وہ بات مذاق کے رنگ میں کہی ہو یا پھر "ریئلی" کی صورت میں....."

اس نے تلخی سے سب کہہ دیا۔ سگریٹ کا دھواں اڑاتے شارق نے حیران ہو کر نویرہ کو دیکھا۔ اس قدر صاف گو اور کھری لڑکی تھی۔ اس نے پہلی دفعہ ہی اسے قریب سے دیکھا اور محسوس کیا۔ دل ایک دم سے اچھلنے لگا۔ وہ پہلے بھی ان کے ہاں آتی تھی مگر کبھی اس نے اسے قابل توجہ ہی نہ جانا تھا۔

"پلیز گاڑی چلائیں..... مجھے رات اسی راستے پر نہیں گزارنی۔ آپ بصد شوق اپنا یہ شوق پورا کیجیے گا مگر مجھے میری منزل پر پہنچانے کے بعد....."

اس کی تلخی ایسی تھی کہ اس کے ہونٹ خود بخود مسکرا اٹھے اور اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"تم سے کبھی اس قدر تفصیلی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مجھے تمہارے متعلق کچھ اندازہ بھی نہیں تھا لیکن تم واقعی کچھ منفرد سی لڑکی ہو۔ ریئلی آئی امپریس یو....."

اس کا انداز واقعی تعریفی تھا۔ نویرہ چپ رہی۔

"تم کوئی رائے نہیں دو گی....."

وہ اس کی خاموشی محسوس کر کے اسے بولنے پر اکسانے لگا۔

"نہیں....." اس نے بولنے سے صاف انکار کر دیا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"کیوں؟....."

"اس لیے کہ مجھے رات کے اس پہر میں پہلی دفعہ نبیل بھائی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں ہر کسی کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوتی اور یہ کہ سفر میں تو میں بالکل نہیں بولتی مگر آپ مجھے مسلسل بولنے پر مجبور کر رہے ہیں۔" پہلے سے زیادہ صاف گوئی تھی۔ وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

باقی کا راستہ اس نے شعوری کوشش کر کے خاموشی میں گزارا۔

گھر قریب آیا تو نویرہ شکریہ ادا کرنے کے لیے الرٹ ہو کر بیٹھ گئی اور دل ہی دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ آئندہ کبھی اس کی گاڑی میں سفر نہیں کرے گی۔

❁.....❁.....❁

اس دن علی گھر چھوڑ کر گیا تھا۔ شائستہ بیگم مغرب کی نماز ادا کر رہی تھیں۔ اسی لیے زرش کی خلاصی ہو گئی تھی، علی بھی بیٹھنے کے بجائے چلا گیا۔ دو دن یونہی گزر گئے۔ اس نے دوبارہ جانے کی ضد نہیں کی۔ فرح سے تو کالج میں روز ملاقات ہوتی۔ فرح نے دوبارہ اس موضوع کو نہیں چھیڑا۔ زرش بھی پہلو تہی کر رہی تھی۔ دونوں میں پڑھائی کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ہو رہی تھی۔

آج بھی وہ کالج سے آنے کے بعد کھانا کھا کر لاؤنج میں چلی آئی۔ ماما رات کے کھانے کی تیاری کے لیے کچن میں مصروف تھیں۔ وہ خاموشی سے ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔

"زرش! ایک بات پوچھوں۔" وہ بظاہر ٹیلی ویژن دیکھ رہی تھی لیکن دھیان گیان کی سوئیاں نجانے کہاں اٹکی ہوئی تھیں۔ نوشین نے کچھ دیر اس کی غیر حاضر دماغی محسوس کی پھر میگزین ٹیبل پر چھوڑ کر وہ اس کے پاس ہی آ بیٹھی۔

"ہوں....." اس نے نگاہیں اسکرین سے ہٹا کر نوشین کو دیکھا۔

"میں دیکھ رہی ہوں جب سے تم تایا جان کے ہاں سے لوٹی ہو کچھ پریشان ہو۔ کیا بات ہے۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو زرش چونکی۔

"نہیں تو..... پریشان تو نہیں..... تمہیں یونہی محسوس ہو رہا ہوگا ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس نے ہنس کر ٹالنے کی کوشش کی تو نوشین نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ میرا وہم نہیں..... یقین ہے..... ضرور کوئی بات ہے....." اس کا یقین ابھی بھی برقرار تھا۔ زرش سر جھکا گئی۔

"کیا بات ہے..... مجھ سے شیئر کرو پلیز زرش! یوں خود کو مت گھلاؤ۔ ہم ہیں ناں..... کیا تائی امی نے کچھ کہا ہے....." بہت محبت سے زرش کا ہاتھ تھام کر اس نے اپنائیت سے پوچھا۔ زرش کی آنکھیں جھل مل ہونے لگیں۔

"میں نے پوری کوشش کی تھی کہ کوئی بات نہ ہو..... مگر....." وہ لب سی کر آنسو چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیا کوئی بات ہوئی ہے.....؟" اس نے دھیمے سے پوچھا تو زرش نے سر ہلا دیا۔

دھیرے دھیرے اس نے سب کہہ دیا۔ نوشین نے کچھ پل خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر کہا۔

"اتنی بڑی بات ہو گئی اور تم نے ذکر تک نہیں کیا۔" وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"نہیں پلیز..... نوشین! تم بھی کسی سے ذکر نہ کرنا..... خاص طور پر ماما سے بالکل بھی نہیں۔" اس نے ملتجی انداز میں نوشین کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "ورنہ ماما مجھے کبھی بھی تایا جان کے ہاں جانے نہیں دیں گی..... پہلے ہی وہ بڑی مشکل سے راضی ہوئی تھیں۔ بہ خدا میں نے جان بوجھ کر تائی امی سے تلخ کلامی نہیں کی تھی لیکن وہ بات ہی اس قدر نفرت آمیز انداز میں کر رہی تھیں کہ مجھے بھی خود پر کنٹرول نہ رہا اور پھر بات بڑھتی چلی گئی....." وہ اب ندامت محسوس کر رہی تھی، کیا تھا اس دن وہ خود پر قابو رکھ تو بات اتنی نہ بڑھتی..... وہ خود پر کنٹرول کر لیتی..... تھوڑا سا صبر کر لیتی تو کیا تھا۔

"چلو جو ہوا مٹی ڈالو..... سمعان بھائی اور تایا ابو کبھی تم پر بات نہیں آنے دیں گے۔ سارا معاملہ سلجھا لیں گے..... تم ریلیکس ہو جاؤ..... اوکے..... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک تائی امی کی بات ہے اتنا کچھ سننے کے بعد تایا ابو کسی نہ کسی طرح ان کی زبان تو روکیں گے ناں....." اس نے سمجھایا تو زرش نے سر ہلایا۔

"تم ماما کو کچھ بھی نہیں بتاؤ گی..... ٹھیک ہے۔" اس نے یقین چاہا تو نوشین مسکرا دی۔

"ویسے ماما بھی تمہاری خاموشی پر پریشان ہو رہی تھیں۔" اس نے بتایا۔

"اچھا؟"

"چلو آؤ لان میں ٹہلتے اور باتیں بھی کرتے ہیں....." نوشین اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہوئی تو وہ بھی اٹھ گئی۔ دونوں لان میں ٹہل رہی تھیں جب گاڑی کے ہارن پر چونکیں۔

"یہ تو سمعان بھائی کی گاڑی ہے....." نوشین آواز پہچان کر پلٹی وہ بھی دیکھنے لگی۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ سمعان احمد نے گاڑی اندر لا کر کھڑی کی۔

سمعان احمد کے ساتھ علی اور فرح بھی تھے۔ زرش حیران سی انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس دن اسے سب سے زیادہ تکلیف سمعان احمد کے الفاظ سے ہوئی تھی۔ کس طرح انہوں نے اسے ڈانٹ دیا تھا اور اب.....

"السلام علیکم....." وہ تینوں قریب چلے آئے۔ فرح نوشین کے گلے لگ گئی۔ زرش خاموش رہی۔

"وعلیکم السلام..... آپ تینوں..... خیریت سے ہیں ناں؟....." نوشین کو بھی حیرت ہو رہی تھی۔

"آج ہمارا باہر ڈنر کا پروگرام تھا۔ سمعان بھائی ہمیں ڈنر کرا رہے ہیں۔ تم لوگوں کو بھی ہمارے ساتھ چلنا ہے۔" فرح نے مسکرا کر سمعان احمد اور پھر زرش کی طرف دیکھ کر کہا تو زرش نے چہرے پر سنجیدگی طاری کرتے ہوئے رخ موڑ لیا۔ علی اور فرح سے تو وہ ناراض نہیں تھی مگر وہ سمعان احمد کو ان کے الفاظ کی تلخی کا احساس تو دلا سکتی تھی۔

سمعان احمد نے بغور دیکھا۔ سادہ گھریلو حلیے میں بھی وہ نظر کو خیرہ کر رہی تھی۔ انہوں نے اس کے

BESTURDUNOVELS.BLOGSPOT.COM

سنجیدہ چہرے پر اپنی پرجوش نظریں ٹکا دیں۔ خفا خفا، سنجیدہ چہرہ کتنا اپنا اپنا لگ رہا تھا۔ انہیں اپنے الفاظ کی تلخی کا شدت سے اندازہ تھا اسی لیے تو اس نے پروگرام بنایا تھا۔

''زبردست..... بڑے عرصے بعد سمعان بھائی ہمیں کوئی ایسی بدپرہیزی کروا رہے ہیں۔'' نوشین ایک دم پرجوش ہوگئی۔ زرش پھر بھی خاموش رہی۔

''چلو تم دونوں تیار ہو جاؤ..... اتنی دیر میں، میں ذرا چچی جان سے مل لوں.....'' انہوں نے زرش کے خفا چہرے سے نظریں ہٹا کر کہا اور اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

''میں نہیں جا رہی..... میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے..... تم لوگ نوشین کو لے جاؤ۔''

سمعان احمد دعوت کرے اور زرش انکار کرے ناممکن تھا لیکن اس وقت بہت سنجیدگی سے وہ فرح اور علی کو انکار کر رہی تھی۔ سمعان احمد کے اندر کی طرف بڑھتے قدم رک گئے۔

''کیوں.....؟'' فوراً پلٹ کر پوچھا۔

''کہا ہے ناں کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے..... اس نے ناراضی سے کہا۔ سمعان احمد نے ایک خاموش نظر ڈالی۔

''تیار ہو جاؤ میں چچی جان سے بات کر کے آتا ہوں تو پھر تمہارے دردِ سر کا بھی علاج کرتا ہوں۔'' فرح اور نوشین کو اسے تیار کرنے کا اشارہ کر کے وہ اندر چلے گئے۔

''مجھے نہیں جانا.....'' زرش نے پاؤں پٹخے۔

''کیوں؟.....'' تینوں بولے۔ اس نے خفگی سے سب کو دیکھا۔

''بس کہہ دیا ہے ناں کہ نہیں جانا تو پھر نہیں جانا.....'' وہ پاؤں پٹخ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ فرح اور نوشین بھی پیچھے ہی چلی آئیں۔

''کیا ہے؟..... سمعان بھائی اتنے عرصے بعد ٹریٹ دے رہے ہیں۔ ہم سی سائیڈ پر جائیں گے اور وہیں ڈنر بھی کریں گے۔'' فرح نے اسے راضی کرنا چاہا مگر وہ کشن گود میں رکھ کر بیٹھی رہی۔

''نوشین اسے اٹھاؤ اور باتھ روم میں بھیجو میں اس کے کپڑے نکالتی ہوں.....'' فرح نے اسے یونہی جسے دیکھ کر نوشین سے کہا۔

''یار کیا ہے؟..... دل نہیں چاہ رہا..... زبردستی ہے کیا؟..... بس نہیں جا رہی میں۔ کہہ جو دیا۔'' نوشین نے اسے بازو سے پکڑ کر باتھ روم کی طرف دھکیلا تو وہ احتجاجاً چلائی۔

''جلدی سے کپڑے چینج کر کے باہر آ جاؤ ورنہ ہم اس سے زیادہ برا کریں گے۔'' فرح نے اس کی وارڈ روب سے گرے جدید اسٹائلش قسم کا سوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

زرش خونخوار نظروں سے اسے گھورے گئی۔

''چلو جلدی کرو..... میں نے بھی تیار ہونا ہے..... تم جلدی سے باہر نکلو اتنی دیر میں میں بھی تیار ہو کر آتی ہوں۔ تب تک سمعان بھائی کے بھی ماما کے ساتھ مذاکرات ہو جائیں گے۔'' باتھ روم کا دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیل کر نوشین نے حد کر دی تھی۔ وہ کلستی ہوئی سمجھ گئی آج اس کا کوئی بھی حربہ کام

آنے والا نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس وقت خاموشی سے ان کی بات مان لے۔

وہ فرح کے زبردستی کرنے پر تیار ہو کر باہر نکلی تو سمعان احمد، علی اور ماما کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ نوشین بھی لباس بدل کر آ گئی تھی۔ سمعان احمد نے ایک خاص نظر ڈالی تو وہ شکایتی نگاہ ڈال کر منہ پھیر گئی۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا ان سے ناراض رہنے کا۔ اسی لیے خاموش کھڑی رہی۔

''اچھا چچی امی، اب ہم چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے واپسی میں تاخیر ہو جائے۔ میں خود دونوں کو پہلے یہاں چھوڑ دوں گا.....'' سمعان احمد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

ماما مسکرا دیں۔ سمعان احمد کی ذمہ دار طبیعت سے وہ بخوبی آگاہ تھیں۔ اسی لیے سمعان احمد کے صرف ایک دفعہ کہنے پر فوراً راضی ہو گئیں۔

جب وہ لوگ ''سی سائیڈ'' پر پہنچے تو سورج غروب ہونے والا تھا۔ ڈوبتے سورج کا عکس سمندر میں بہت دلکش لگ رہا تھا۔ ایک لمحے کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے سمندر میں آگ لگ گئی ہو۔ وہ سب ہلا گلا اور چٹکلے چھوڑ رہے تھے۔ زرش کا موڈ سمندر کو دیکھ کر ایک دم معتدل ہو گیا۔ وہ تو سمندر کی دیوانی تھی اور ڈوبتے سورج کا منظر سمندر کے پانی میں دیکھنا سونے پر سہاگا۔ وہ مبہوت سی آگے بڑھ رہی تھی۔ فرح اور نوشین اسے آوازیں دیتی رہ گئیں مگر پانی کی لہروں کے تعاقب میں وہ بہت آگے تک چلی آئی۔ جوتے وہ فرح کے پاس ہی اتار آئی تھی۔ ننگے پاؤں گیلی ریت پر چلتے پانی کی لہروں کو پیچھے چھوڑنا اس کا سب سے دلچسپ مشغلہ تھا جو وہ ساحل سمندر پر سرانجام دیا کرتی تھی۔

''شکر ہے تمہارا موڈ تو بہتر ہوا.....'' اپنے عقب سے اسے سمعان احمد کی آواز سنائی دی تو وہ اپنے ہی خیالوں سے چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ جینز کے پائنچے گھٹنوں تک فولڈ کیے اس کے ساتھ ہی چل رہے تھے۔ زرش کو ان کے چہرے کی دھیمی مسکراہٹ دیکھ کر یاد آیا وہ تو ان سے ناراض تھی۔

''آپ تو بات ہی نہیں کریں مجھ سے.....'' اس نے فوراً ناراضی کا اظہار بھی کر دیا۔ آہستہ آہستہ سورج سمندر میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ صرف ہلکی ہلکی سرخی باقی تھی۔ جو ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ ایسی ہی سرخی زرش کے چہرے پر بھی تھی۔ خفا سی، ناراض سی۔ وہ دھیرے سے ہنس دیے۔

''بھئی ایسا کیا قصور ہو گیا مجھ سے؟.....'' انہوں نے اس کے ہمراہ چلتے ہوئے پوچھا۔ زرش نے ناراض نظروں سے دیکھا۔

''بہت برے ہیں آپ..... کتنی بری طرح ڈانٹ دیا مجھے..... یہ بھی خیال نہ کیا کہ میں کتنی ہرٹ ہوئی ہوں گی.....'' اس کی زبان سے اب بھی شکوہ بول رہا تھا مگر خفگی نہیں تھی۔ وہ ایسے ہی دل کی مالک تھی۔ صاف شفاف کھری سی۔ سمعان احمد نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ زرش ایک پل کو ٹھہری مگر جس اپنائیت سے سمعان احمد نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے سہلایا زرش کی ساری خفگی اڑن چھو ہو گئی۔

''آپ نے ایسا کیوں کیا؟''

''آئی ایم سوری..... یقین کرو میرا مقصد تمہاری تذلیل کرنا نہیں تھا بلکہ اس تکلیف کو کم کرنا تھا جو امی کے الفاظ سے تمہیں پہنچی تھی.....'' اس نے اپنے برے رویے کی وضاحت کر دی اور زرش بی بی کا

BEST NEET BLOGSPOT.COM

دل ایک ذرا سی وضاحت سے کھل اٹھا۔

"مجھے قطعی پروا نہیں تائی امی کچھ بھی کہتیں.....وہ ہماری بڑی ہیں۔اس وقت ان کے لفظ برے تھے.....بعد میں، میں نے سوچا تو احساس ہوا کہ تلخی سے پیش تو میں بھی آئی تھی۔ وہ تو ہماری بڑی ہیں، کچھ بھی کہہ سکتی ہیں، مجھے خود پر کنٹرول کرنا چاہیے تھا۔" اس نے آرام سے اپنی غلطی مان لی۔سمعان احمد مسکرا دیا۔

سورج مکمل طور پر غروب ہو چکا تھا۔اب ماحول میں ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل رہا تھا۔

"مجھے تمہاری یہی خوبی متاثر کرتی ہے۔تم کسی بات کو انا کا مسئلہ نہیں بناتی ہو فوراً اپنی غلطی مان کر ایکسکیوز کر لیتی ہو۔" اس کے لہجے میں فخر تھا۔زرش ہنس دی۔

"اتنی تعریف بھی مت کریں.....آئندہ آپ نے مجھے کبھی ڈانٹا تو میں سنجیدگی کے ساتھ خفا ہو جاؤں گی۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔اس بات پر اس نے بے ساختہ ایک قہقہہ لگایا۔

"اوکے ڈیئر.....چلو اس خوشی میں بلکہ ناراضی دور کرنے کی خوشی میں یہ اپنا تحفہ قبول کرو....." اس نے مسکرا کر جینز کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا اور اپنی بند مٹھی زرش کے سامنے کر دی۔

"کیا ہے یہ؟" بند مٹھی اسے تجسس سے دوچار کر رہی تھی۔

"بوجھ لو....." اس کا موڈ اسے ایک دو پل تنگ کرنے کا تھا۔اس وقت زرش کے ہمراہ بہت فریش تھا۔

"مجھے نہیں پتا.....مٹھی کھولیں.....دکھائیں ناں....." وہ بالکل بچی بن گئی اور مٹھی کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔اس کی بے تابی محسوس کر کے سمعان احمد نے خود ہی اپنی مٹھی کھول دی۔

"زبردست....." سمعان احمد کی صاف شفاف ہتھیلی پر زنجیر اور پینڈل کی صورت میں "تحفہ" دھرا ہوا تھا۔زرش نے ایک لمحے سمعان احمد کی پھیلی ہتھیلی کو دیکھا اور پھر زنجیر اور پینڈل کو دیکھ کر وہ جھجک گئی۔ اتنا قیمتی تحفہ.....اٹھائے کہ نہ اٹھائے۔

"کیوں پسند نہیں آیا....." اسے جھجکتے ہوئے ہاتھ پیچھے کھینچتے دیکھ کر سمعان احمد نے پوچھا۔

"نہیں بہت اچھا ہے.....مگر بہت قیمتی ہے۔" اس نے جھجکتے، اٹکتے کہہ دیا۔وہ ہنس دیا۔

"تم سے زیادہ نہیں.....انداز معنی خیز تھا لیکن آنکھوں کی چمک اس سے زیادہ.....اس نے یہ کہتے ہی اپنی ہتھیلی سے لاکٹ اٹھا کر زرش کے سامنے لہرایا۔یہ لاکٹ بالکل فرح کے لاکٹ کی طرح کا تھا۔ بس پینڈل دل کے شیپ کا تھا اور درمیان میں Z.S کے الفاظ کندہ تھے۔

"میں نے تو یوں ہی کہہ دیا تھا آپ تو....." اسے اپنی بات یاد آ گئی جو فرح کا لاکٹ دیکھ کر اس نے سمعان احمد کی اپنے گھر آمد پر کہی تھی اور اب یہ لاکٹ.....

"فرح کے لیے لاکٹ خریدتے ہوئے مجھے قطعی احساس نہیں ہوا تھا کہ مجھے تمہارے لیے بھی لینا چاہیے۔ بعد میں تمہاری بات پر مجھے احساس ہوا اور فوراً آرڈر پر بنوایا۔بس تمہیں دینے کا خیال نہیں آ رہا تھا۔فرح کا لاکٹ تھوڑا سا چینج ہے پھر وہ اس کے نام پر تھا۔ جب کہ یہ تمہارے نام پر اسپیشل بنوایا

ہے۔کیوں اچھا نہیں.....یا لینا نہیں چاہتی....."

زرش نے لاکٹ کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا اس لیے اس نے سنجیدگی سے ٹوکا۔

"نہیں اچھا ہے.....مگر....." وہ پھر اٹک گئی۔نظریں ہارٹ شیپ کے پینڈل میں کندہ الفاظ Z.S پر جمی ہوئی تھیں۔فرح کا لاکٹ F.S کے الفاظ پر تھا جب کہ زرش۔

"بھئی پکڑ بھی لو.....ادھر وہ تینوں ہمارا انتظار کر رہے ہیں جلدی کرو....." اس کا انداز بالکل لاپروا تھا۔زرش نے ایک نظر اس کو دیکھا پھر لاکٹ کو اور آخر میں اپنے سے کافی دور فرح، نوشین اور علی کو ریت پر بیٹھے خوش گپیاں کرتے دیکھا۔

"تھینک یو سو مچ....." ایک لمحے کو اس نے سوچا پھر اس نے مسکرا کر لاکٹ تھام لیا۔

لاکٹ زرش کی ہتھیلی پر تھا۔زرش کو اپنی ہتھیلی عجیب سے احساس سے بھیگتی محسوس ہوئی۔اس نے فوراً سمعان احمد کو دیکھا۔وہ مسکرا رہا تھا۔اس نے فوراً نگاہیں پھیر لیں۔

"اب اس کو پہن لو....." اس نے واپسی کے لیے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔وہ بھی ساتھ ہو لی۔

"جی.....گھر جا کر ماما کو دکھاؤں گی پھر پہنوں گی....." لاکٹ کو مٹھی میں بھینچے وہ قدم سے قدم ملا کر سمعان احمد کے ساتھ چل رہی تھی۔

ڈنر کے بعد وہ لوگ وہاں مزید ایک گھنٹہ ٹھہرے پھر واپس لوٹ آئے۔راستے میں سمعان احمد نے ان سب کو ان کی فرمائش پر آئس کریم کھلائی۔دونوں جب گھر پہنچیں تو تھکن سے برا حال تھا لیکن اس تھکن کے باوجود دونوں فریش تھیں، وہ انہیں گیٹ پر اتار کر چلے گئے تھے۔دونوں کھلکھلاتی، ہنستی اندر چلی آئی تھیں۔شائستہ بیگم لاؤنج میں ہی موجود تھیں شاید ان کا انتظار کر رہی تھیں دونوں ٹھہر گئیں۔

"السلام علیکم ماما!....." ان کے سلام پر انہوں نے سر ہلایا۔دونوں ہی ان کے دائیں بائیں آ بیٹھیں۔

"کیسا گزرا آج کا ڈنر....." دونوں کے چمکتے دمکتے چہرے دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔ زرش کھلکھلائی۔

"بہت اچھا.....سمعان بھائی نے ہمیں بہت انجوائے کروایا۔اور ماما انہوں نے مجھے یہ لاکٹ بھی دیا۔" اس نے فوراً ہتھیلی ماما کے سامنے پھیلا دی۔اس نے لاکٹ ابھی تک نہیں پہنا تھا۔ بڑی حفاظت کے ساتھ وہ سارا وقت مٹھی میں چھپائے رہی تھی۔

شائستہ بیگم نے ایک نظر زرش کے جھلملاتے، چمکتے چہرے پر ڈالی اور دوسری نگاہ زرش کی پھیلی ہتھیلی میں دھرے قیمتی لاکٹ پر.....نوشین جانتی تھی، وہ دیکھ چکی تھی۔سو وہ بھی ماما کے ردعمل کی منتظر تھی۔

شائستہ بیگم نے لاکٹ اٹھا لیا۔ہارٹ شیپ میں بنے لاکٹ میں کندہ لفظ Z.S پر ان کی نگاہیں ٹھہر گئی تھیں۔

"پتا ہے ماما ایسا ہی لاکٹ سمعان بھائی نے فرح کو لا کر دیا تھا۔ مجھے پسند آیا تھا تو میں نے یوں ہی ذکر کر دیا، مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ واقعی مجھے بھی لا کر دے دیں گے۔"

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

شائستہ بیگم نے بغور بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ سچ صرف اس کے ہونٹوں پر ہی نہیں آنکھوں میں بھی تھا۔

"یہ سمعان احمد کس رستے پر چل نکلا....." Z.S کے حروف پر انگلیاں پھیرتے وہ دل ہی دل میں دکھی سی ہوگئیں۔

"اچھا ہے ناں ماما.....میں تو لیتے ہوئے جھجک رہی تھی اتنا قیمتی تحفہ کہ پتا نہیں آپ راضی بھی ہوں گی کہ نہیں۔ سمعان بھائی نے کہا بھی تھا کہ پہن لو مگر میں نے آپ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنا.....اگر آپ اجازت دیں گی تو پہنوں گی ورنہ انہیں واپس کردوں گی بھلے وہ ناراض ہوں....."

شائستہ بیگم نے ایک اطمینان کی سانس خارج کی۔ ان کی بیٹی کا دامن ہی نہیں دل بھی صاف تھا۔ یہ سوچ کر ان کے اندر طمانیت کی لہر سرایت کرگئی۔

"بہت پیارا ہے.....پہن لو.....سمعان نے اتنی محبت و خلوص سے دیا ہے۔ تحفوں کی قدر کرنی چاہیے....." انہوں نے اس قدر اطمینان سے جواب دیا کہ زرش ایک دم خوش ہوگئی۔

"تھینک یو ماما.....تھینک یو سو مچ.....ورنہ مجھے تو لیتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں۔ اتنا قیمتی جو ہے....."

شائستہ بیگم نے زنجیر کا لاک کھولا اور زرش نے ایک دم ہاتھ سے اپنے بال سمیٹے۔

"آپ خود پہنائیں....." کتنا اعتماد تھا زرش کی آواز اور لہجے میں.....ایسا ہی اعتماد شائستہ بیگم کے دل میں بھی ہر سو روشنیاں بکھیر رہا تھا۔ انہوں نے زرش کے گلے میں لاکٹ پہنا کر اس کی پیشانی چومی۔

"مجھے اچھا لگا ہے تم نے میری ناراضی یا اعتراض کو اہمیت دی۔ سمعان احمد پر مجھے بھرپور اعتماد ہے مگر مجھے تمہاری معصومیت سے ڈر لگتا ہے۔ بس کوشش کرنا ایسا ہی اعتماد میں ہمیشہ تم پر کروں۔ خاندان والے کچھ بھی کہیں تم دونوں میرے دل کے ٹکڑے ہو۔ بس میرا اعتماد کبھی نہ توڑنا۔" انہوں نے دھیمے سے نصیحت کی تھی۔ زرش کچھ نہیں سمجھی تھی۔ بس یہ کہ ماما اس پر اور سمعان احمد پر اعتماد کرتی ہیں۔

"پرامس ماما، آپ کی زرش آپ کا اعتماد ہمیشہ برقرار رکھے گی....." ان کی جذباتی نصیحت پر وہ بھی جذباتی ہوگئی۔ انہوں نے مسکرا کر زرش کا رخسار تھپتھپایا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ماما، پاپا سو گئے ہیں؟" سعود احمد کو جلدی سونے کی عادت تھی۔ گھر آتے ہی کھانا کھا کر کچھ وقت بچیوں کے ساتھ گزار کر وہ فوراً سونے چلے جاتے تھے۔ نوشین کے پوچھنے پر انہوں نے سر ہلایا۔

"ہاں....."

"میں بھی سونے جا رہی ہوں.....تم دونوں بھی تھک گئی ہوگی اس لیے آرام سے اپنے کمرے میں جا کر سو جانا۔" ماما نے جانے سے پہلے تاکید کی۔

"نوشین تمہیں لاکٹ پسند آیا ہے ناں؟" زنجیر انگلی پر لپیٹتے زرش نے پوچھا تو وہ سر ہلا کر کھڑی ہوگئی۔

"میں تو سونے جا رہی ہوں واقعی بہت تھکن ہوگئی ہے۔ ویسے آج انجوائے بھی کتنا کیا ہے۔ کتنے

عرصے بعد یوں ہم مل کر کہیں باہر گئے تھے۔"

"ہوں، واقعی بہت مزا آیا۔ جاتے ہوئے مجھے سمعان بھائی پر جتنا بھی غصہ تھا وہاں جا کر سارا ختم ہوگیا.....وہ کتنے اچھے ہیں میری چھوٹی چھوٹی بات کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔" نوشین مسکرا دی۔ امی کی مبہم سی باتیں نوشین کو بہت کچھ سمجھانے کو کافی تھیں جبکہ زرش.....

"ہوسکتا ہے.....تم ان کے لیے واقعی بہت اہم ہو....." نوشین نے چھیڑا۔ زرش مطلب سمجھے بغیر ہنس دی۔

"واقعی.....وہ تو میں ہوں....." وہ فخر و مان سے اترائی۔

نوشین نے مزید کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر پھر کچھ سوچ کر سر جھٹک گئی۔

"تم تو شاید لاکٹ کی خوشی میں رات بھر نہ سو مگر مجھے نیند آ رہی ہے۔ اوکے۔ شب بخیر....." وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

کمرے میں آ کر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر زرش نے لاکٹ کو دیکھا۔ خوبصورت صراحی دار گرن میں گولڈن زنجیر میں جھولتا پینڈل اور اس میں کندہ لفظ.....زرش نے بہت نرمی سے اپنے نام پر انگلی پھیری۔

"زرش سعود احمد" اس نے Z.S کا مطلب نکالا تھا۔

"سمعان بھائی بھی کتنے اچھے ہیں۔ فرح تو ان کی سگی بہن ہے مگر مجھے بھی اس سے کم نہیں سمجھتے.....تائی امی کچھ بھی کہیں.....میرے تو وہ سگے بھائی ہیں ناں....." بے پناہ طمانیت سے سوچتے اس نے پینڈل مٹھی میں دبا لیا۔

ہتھیلی نرم سے احساس سے بھیگ اٹھی اور یہی احساس ہاتھ سے ہوتا ہوا رگ و پے میں اندر تک سرایت کرتا چلا گیا جس کا شاید کوئی نام نہیں تھا۔

❁.....❁.....❁

شارق زمان تین دن بعد اپنے آفس آیا تھا۔ طبیعت تو ایک دن میں ہی سنبھل گئی تھی لیکن ڈاکٹر کی ہدایت پر وہ بمشکل دو دن ہی آرام کر پایا۔ دفتر میں کئی کام تھے جو اس کے منتظر تھے۔ سارا دن وہ بہت مصروف رہا۔ لنچ ٹائم کے وقت اسے تھوڑی سی فرصت ملی۔ اماں نے گھر سے کھانا بھجوایا تھا۔ وہ کھانا کھا رہا جب نواز کی کال آئی۔

"خیریت یار!....." سلام دعا کے فوراً بعد وہ اصل موضوع کی جانب آ گیا۔

"بالکل ہماری طرف تو بالکل خیریت ہے.....البتہ تمہاری خیریت نیک مطلوب ہے۔" نواز نے چھیڑا۔ شارق فوراً الرٹ ہوگیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ میری جان کہ آج بڑی اماں کی کال آئی تھی اور انہوں نے تمہارے متعلق تفتیشی رپورٹ مجھے ریکارڈ کروائی ہے۔" غیر سنجیدہ انداز تھا۔ شارق کچھ نہ سمجھ پایا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"تم سنسر پالیسی چھوڑ کر آرام سے بکواس نہیں کر سکتے۔" شارق نے ٹوک دیا۔ نواز نے جاندار قہقہہ لگایا۔

"خود چاہے جتنی مرضی سنسر شپ اپناؤ ہم پر پابندی....."

"بکو مت..... جو کچھ بھی کہنا ہے صاف کہو میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے۔" گلاس لبوں سے لگاتے اس نے دھمکی دی۔

"صاف بات یہ ہے کہ آج بڑی اماں نے کال کر کے تم سے متعلق انفارمیشن چاہی تھی۔"

"کیسی انفارمیشن؟ لنچ باکس بند کر کے اسے ہاتھ سے ایک طرف رکھ کر وہ وہیں اپنے آفس میں ایک سائیڈ پر رکھے صوفوں میں سے ایک پر ٹانگیں سیدھی کر کے آرام سے نیم دراز ہوا۔

"یہ تم کیا کرتے ہو..... کہاں آتے جاتے ہو..... کس قسم کے دوست بنا رکھے ہیں اور ان دوستوں میں لڑکیوں کی تعداد کتنی ہے؟ وغیرہ وغیرہ....." نواز ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا۔

"اس ساری بکواس کا مطلب؟"

"بہت واضح، وہ تمہاری ٹانگوں میں زنجیر..... میرا مطلب ہے کہ بیوی کی صورت میں میں بیڑی ڈالنے کا سنجیدہ قسم کا ارادہ رکھتی ہیں..... لڑکی ڈھونڈنے کی مہم کا آغاز وہ میرے ذریعے یعنی میری فراہم کردہ معلومات کو استعمال کر کے تمہاری مشکوک سرگرمیوں سے شروع کریں گی....." شارق زمان پر نواز کی ساری لن ترانیوں کا مقصد اچھی طرح واضح ہو گیا تھا۔

"لعنت ہو تم پر..... جواب میں تم نے کیا کہا؟" صوفے سے اٹھ کر وہ اپنی مخصوص چیئر پر آ بیٹھا۔

"مجھے کیا کہنا ہے..... بڑی امی جو پوچھتی گئیں "اچھے بچوں" کی طرح بتاتا گیا کہ موصوف کے کس قسم کے دوست ہیں۔ کبھی کبھی ینگسٹ کلب میں کیوں حاضری دی جاتی ہے۔ وہاں کس قسم کی مخلوق پائی جاتی ہے اور اس مخلوق میں صنف نازک کا کیا رول ہے..... خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ کچھ بھی تو نہ چھپایا۔ آخر کو میرے دوست کی زندگی کا سوال تھا۔"

شارق زمان اس کی ساری بکواس پر تپ اٹھا جی چاہا وہ سامنے ہو اور ٹیبل پر سے پیپر ویٹ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔

"نواز! آئی وِل کِل یو....." شارق کا غصے سے برا حال تھا۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ اپنے آپ کو درست کر لو ورنہ کسی بڑے کو مجھے تمہارے پیچھے لگانا پڑے گا....." اس کے غصے کے جواب میں نواز نے بہت سنجیدگی و تحمل سے کہا۔ شارق نے لب بھینچ لیے۔

"میں یہ قدم کبھی نہ اٹھاتا اگر اس رات تمہارا ایکسیڈنٹ نہ ہوتا۔ وہ تو ہلکا سا ہی ایکسیڈنٹ تھا مگر خدانخواستہ کچھ سیریس بھی ہو جاتا تو جانتے ہو کیا ہوتا..... بڑی اماں تو سنتے ہی مر جاتیں۔" نواز کا لہجہ ازحد سنجیدہ تھا۔ "اب تم بتاؤ..... کیا خیال ہے تمہارا اس بارے میں؟" سنجیدگی سے اس نے پوچھا۔

شارق جواباً کچھ نہ بولا۔ شارق کو خود کو اعتدال پر لانے کے لیے کتنی جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی یہ صرف

وہی جانتا تھا۔

وہ اپنی سرگرمیوں کے معاملے میں بہت حساس تھا..... خاندان کے لوگوں میں اسی لیے تو بہت گھلتا ملتا نہیں تھا کہ اپنی خامیوں سے وہ خود بھی آگاہ تھا۔ اپنی کمزوریوں کا دوسروں کی زبان سے تذکرہ وہ شاید کبھی سہہ نہ پاتا۔ اسی لیے ہر کسی سے ملنے سے اجتناب کرتا تھا۔ صرف ایک نواز ہی تو تھا جو اس حد تک جا سکتا تھا کہ اسے اکثر اچھے برے کی تمیز سکھانے بیٹھ جاتا۔

"بہت برا کیا تم نے..... اس کا مطلب ہے کہ آئندہ مجھے تم سے بھی محتاط رہنا ہوگا۔" اپنی کمزوریوں کا تذکرہ یوں نواز کے منہ سے سن کر اس کے اندر اضطرابیت و وحشت سے بھرپور ایک لہر اٹھی۔

وہ اچھا تھا یا برا نواز کو کوئی حق نہیں تھا کہ اماں کے سامنے اس کی کمزوریاں عیاں کرتا۔ وہ دل ہی دل میں نواز سے سخت خفا ہو گیا۔

"سنو تو، انہیں ابھی تو کچھ نہیں بتایا سوائے اس کے کہ ان کا لاڈلہ کسی ایک خاص لڑکی سے دوستی نہیں رکھتا۔ تمہاری اگر کوئی پسند ہے تو بتا دو میں بڑی اماں تک معاملہ پہنچا دوں گا آگے تمہاری قسمت۔"

"تم نہیں سدھرو گے..... تمہارے یہ طنز میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اچھی طرح جانتے ہو کہ شادی اور عورت سے متعلق میرے کیا نظریات ہیں پھر بھی....."

وہ سمجھ گیا کہ نواز اسے ستانے کے لیے زِچ کر رہا تھا۔ ایک دم ریلیکس ہو کر اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ یوں جیسے فراغت ہی فراغت ہو جب کہ ٹیبل فائلز سے بھری پڑی تھی جو کہ اس کی توجہ کی منتظر تھیں۔

"مانتا ہوں میں کہ تم کتنے پتھر..... ظالم بقول تمہاری محبوباؤں کے "ہارڈ اسٹون" بن چکے۔ تم کو سمجھانا تو پتھر سے سر پھوڑنا ہے۔" شارق کا اطمینان محسوس کر کے نواز نے اس کی طبیعت صاف کرنا چاہی تھی۔ شارق ہنس دیا۔

"جب جانتے ہو تو پھر..... ہر بار یہ غلطی کیوں کرنے لگ جاتے ہو۔"

"محبت کرتے ہیں ہم تم سے۔ تم جن راہوں پر چل نکلے ہو تم کو تو شاید کسی کی کیا اپنی بھی پروا نہیں رہی مگر میری جان ہمیں تمہاری بہت فکر ہے..... پل پل تمہارے لیے فکرمند رہتے ہیں۔" شارق اس کی محبت سے لبریز آواز میں تفکر و پریشانی محسوس کر کے حقیقتاً متاثر ہوا۔

اسے کزن کی حیثیت میں بھائی جیسا رہبر و دوست ملا تھا۔

"قدر کرتا ہوں تمہاری..... یہ تمہاری زبان کی مٹھاس اور تم لوگوں کی بے لوث محبت ہی ہے یار جو مجھے ابھی اس مقام پر لے کر نہیں گئی جہاں سے واپسی شاید ناممکن ہو۔" وہ خود بھی اس حقیقت کا اعتراف کر رہا تھا۔

"تو پھر تم چھوڑ دو یہ سب کچھ..... یہ کام..... یہ لوگ..... یہ دوست..... اور راتوں کو کلبز میں جانا....." لوہا گرم دیکھ کر نواز نے فوراً چوٹ لگانے کا ارادہ کیا۔ شارق اچھی طرح سمجھتے ہوئے ہنس دیا۔

"چھوڑ دوں گا..... اور کچھ"۔ وہ اس وقت بالکل نارمل موڈ میں تھا۔ ہونٹوں پر خوبصورت مسکراہٹ

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

تھی۔

"اور یہ کہ شادی کے لیے مان جاؤ یار..... تمہاری زندگی میں، شخصیت میں آہستہ آہستہ خود بخود ایک ٹھہراؤ آجائے گا....."

"یہ شاید ممکن نہیں..... ایک دو دفعہ اس موضوع پر سوچا بھی تو عورت ذات سے نفرت ہونے لگی ہے۔ اب تو ہر عورت میں بدرآراء کا عکس ہی دکھائی دیتا ہے۔ شہوانہ روپ جھلکتا ہے اور ان گنت ایسی لڑکیوں کا جن کے ساتھ وقت تو گزارا جاسکتا ہے مگر شادی کبھی نہیں کی جاسکتی....." شارق کا انداز قطعی تھا۔

"نہیں یار، ہر عورت کو ایک ہی نظر سے مت دیکھو..... پھر وقت پاس کرنے والی لڑکی بھی شادی کے قابل نہیں ہوتی۔ تم ان لڑکیوں سے ہٹ کر سوچو۔ اپنے خاندان میں اردگرد..... یا پھر اماں سے کہہ دو وہ خود ہی کوئی لڑکی دیکھ لیں گی....." وہ کہہ رہا تھا اور شارق زمان کی آنکھوں میں جھلملاتا عکس آ ٹھہرا تھا۔

سیدھی صاف شفاف مانگ۔

چاندنی بکھراتا چہرہ۔

روشن ستارہ آنکھیں جن کی گہرائی میں کوئی اگر ڈوبے تو شاید کبھی ابھر نہ پائے۔

"شارق..... یار تم سن رہے ہو نا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں....." شارق کا دھیان بٹ گیا تھا۔ نواز پکار رہا تھا۔ شارق نے ایک دم اپنے آپ کو سنبھالا۔

عجیب سی وحشت و اضطراریت آنکھوں میں سمٹ آئی۔

"یار میں نے کتنی دفعہ کہا ہے کہ میرے ساتھ اس ٹاپک پر بات مت کیا کرو۔ اس رات بھی تم نے موضوع چھیڑ دیا تھا اور میں نے بمشکل ٹالا تھا اور اب بھی....." اس کے لہجے میں تلخی سمٹ آئی۔

"کیوں..... تم ساری عمر یوں ہی گزار دو گے کیا..... اپنا نہیں تو بڑی اماں کا ہی خیال کرو، انہیں کس جرم کی سزا دے رہے ہو۔ ان کی امیدوں کا واحد مرکز تم ہی ہو اور تمہارا جو رویہ ہے، جو اطوار تم نے اپنائے ہوئے ہیں وہ انہیں مار دینے کے لیے کافی ہیں....."

بہت دکھ سے وہ کہہ رہا تھا۔ شارق کے اندر بھی ایسا ہی دکھ ہچکولے کھانے لگا۔

"سوری یار! تمہاری ہر بات سر آنکھوں پر..... اس سلسلے میں مجھے مجبور مت کرو۔ میں خود کو کسی کے قابل نہیں سمجھتا۔ تم آئندہ اس موضوع پر کبھی بات مت کرنا آج تفصیلی بات ہوگئی ہے۔ یہی کافی ہے۔ اس وقت بہت لمبی بات ہوگئی ہے اجازت دو یار..... ابھی بہت سارا کام باقی ہے۔ دیگر امور پر بھی کبھی طویل بحث کریں گے جب کبھی ملاقات کا موقع ملے گا تو۔"

شارق زمان نے خود موبائل آف کر دیا۔ دوسری طرف نواز ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔

موبائل آف کر کے اس نے ٹیبل پر پھینک دیا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ پاکدامن عورت کسے کہتے ہیں؟" شارق زمان کو اپنی ہی آواز اپنے ارد گو گونجتی

محسوس ہوئی۔

"کیا مطلب؟" الجھی الجھی حیرت سے بھرپور آواز تھی۔

خوبصورت آنکھوں میں سے جھانکتی حیرت کسی بھی انسان کا ایمان ڈگمگانے کے لیے کافی تھی اور وہ بھی ڈگمگا گیا تھا۔ صرف دل ہی نہیں ایمان بھی ڈگمگایا تھا۔ ایک لمحے کو دل چاہا کہ وہ اسے پاکدامن عورت کی تشریح سمجھائے اگر وہ اس وقت کوئی پیش قدمی کرتا تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن اگلے ہی لمحے وہ سنبھل گیا اور ایک دفعہ پھر بھٹک گیا۔ گاڑی اس سے بے توازن ہوگئی تھی۔

"آئی ایم سوری..... میرا دھیان بھٹک گیا تھا۔" اس نے اپنے بہک جانے کی توجیہ بیان کی۔

"آپ کا دھیان تو لگتا ہے ہر وقت بھٹکا رہتا ہے....."

کس قدر تلخی تھی آواز میں۔ اس وقت اگر گاڑی بے توازن نہ ہوتی تو شاید بہت کچھ بے توازن ہو جاتا۔

کرسی کی پشت سے سر ٹکائے وہ صرف ایک ہی چہرے کو سوچ رہا تھا۔ بہت سی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

"نوریہ احسان..... تم مجھے کیوں یاد آ رہی ہو؟ کیوں میری بے عنوان زیست میں اپنے نام کا بیج بونے آجاتی ہو..... کیوں؟....."

وہ ذہن کے دریچے سے چمٹ جانے والے خیال سے لڑ پڑا..... خود سے الجھ پڑا تنگ آ کر اس نے اپنا سر ٹیبل کی صاف شفاف چکنی سطح پر ٹکا دیا۔

"دس از ناٹ فیئر یار نواز!..... ناٹ فیئر....." گہری گہری سانس لیتے وہ صرف یہی الفاظ بڑبڑا رہا تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

سعید احمد اپنے کمرے میں کتاب ہاتھ میں لیے ورق گردانی میں مصروف تھے جب دروازہ ناک کر کے فرح چائے کا مگ لیے اندر داخل ہوئی۔

''ابو جان! چائے.....'' اس نے کپ ان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے مسکرا کر تھام لیا۔

''جیتی رہو..... آؤ، بیٹھو.....'' انہوں نے بستر کی طرف اشارہ کیا۔

''شکریہ..... مگر مجھے کل کالج کے ٹیسٹ کی تیاری کرنی ہے۔'' فرح بیٹھنے کے بجائے کھڑی رہی۔ وہ دھیمے سے مسکرائے شفقت آمیز انداز میں بیٹی کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے جاؤ۔'' انہوں نے بہت محبت سے کہا تھا۔ فرح پلٹ آئی۔ ''سنو بیٹا! اپنی ماں کو کمرے میں بھیج دینا۔'' اچانک کچھ سوچتے انہوں نے عقب سے آواز دی تو فرح تحیر سے پلٹ کر انہیں دیکھنے پر مجبور ہوگئی۔ بڑے عرصے بعد انہوں نے اس انداز میں کسی کے سامنے اس طرح اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلا کر باہر نکل آئی۔

''امی! ابو آپ کو بلا رہے ہیں۔'' فرح نے اطلاع دی۔ وہ جو لاؤنج میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں، وہ چونکیں۔ سعید احمد نے انہیں اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ انہیں یقین نہیں آیا۔

''مجھے.....'' حیرت اس قدر ہوئی کہ یہ بھی یاد نہ رہا کہ سامنے بیٹی بیٹھی ہے۔

فرح سر ہلا کر رہ گئی۔

طاہرہ بیگم الجھ گئیں..... سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ فرح نے چائے بنائی تھی عموماً رات کی چائے وہی بناتی تھی سب کو سرو کر کے انہیں بھی دی تھی۔ ابھی آدھا ہی کپ پیا تھا کہ یہ پیغام ملا۔

انہوں نے باقی آدھا کپ بھی ایک دو گھونٹ میں ختم کیا۔ فرح پیغام دے کر جا چکی تھی۔

''لگتا ہے آج سعید احمد کا پھر لڑنے کا موڈ ہے۔'' ان کی سوچ صرف یہیں تک پہنچ پائی تھی۔

سعید احمد کے کمرے میں جانے سے پہلے انہوں نے سارا گھر چیک کیا تھا۔ ساری لائٹس آف کر کے وہ کمرے کی طرف روانہ ہوگئیں۔

اس کمرے میں وہ پہلی دفعہ نہیں جا رہی تھیں روزانہ اس کمرے تک کا سفر کرتی تھیں مگر آج سعید احمد نے بڑے عرصے بعد خود سے انہیں بلایا تھا۔

''ہو سکتا ہے..... آج قسمت مہربان ہوگئی ہو اور سعید احمد کو بھی میرا خیال آ گیا ہو۔''

دل خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے لگا۔

''مگر نہیں..... سعید احمد تو پتھر ہے۔ ساری عمر اس پتھر میں جونک نہیں لگی۔ اب قسمت مہربان ہو بھی جائے تو کیا۔ اب تو دل خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کا ہنر بھی بھول گیا ہے۔'' وہ آزردگی کی گہری عمیق کھائی میں غرق تھی۔ جہاں روشنی کا کوئی روزن نہ تھا۔ تاریکی ہی تاریکی تھی۔

دروازہ کھلا تو سعید احمد کی نگاہ طاہرہ بیگم کی نگاہ سے جا ملی۔ دونوں طرف ایک دم لگا کہ جیسے فاصلے سمٹ گئے ہوں۔ ماہ و سال کا عرصہ ٹھہرا ہی نہ ہو۔ وہی وقت، وہی زمانے آ گئے ہوں جب دل دل سے آشنا تھا۔ جب نظر نظر کو پہچانتی تھی۔

اور..... اب۔

سعید احمد نے ایک نظر ڈال کر پھیر لی اور طاہرہ بیگم دھڑام سے تاریکی کے گہرے گڑھے میں دوبارہ جا گریں۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھ آئیں اور معمول کے مطابق اپنی جگہ پر جا بیٹھیں۔

''مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

کچھ پل کمرے میں گہری خاموشی کا راج رہا اور پھر سعید احمد کی آواز گونجی۔ طاہرہ بیگم نے الجھ کر دیکھا۔

''اس شخص کو کیا ضرورت پڑ گئی کہ مجھ سے کوئی بات کرے۔''

سرخ و سفید چہرے کی خوبصورتی اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت ابھی بھی برقرار تھی۔ عمر کا فرق پڑا تھا مگر خدوخال، رنگ و روپ وہی تھا۔

طاہرہ بیگم دیکھے گئیں۔

''مجھے سمعان سے متعلق بات کرنی ہے۔''

ایک دو منٹ انہوں نے انتظار کیا کہ شاید وہ پوچھے کہ ''کیا خاص بات ہے۔'' مگر انہیں چپ سادھے دیکھ کر انہوں نے مزید کہا۔ طاہرہ بیگم ایک گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

''اس دن آپ نے بات ختم کر دی تھی اب کیا باقی رہ گیا ہے جو کہنا ہے۔'' لہجے میں اب بھی تلخی کا راج تھا۔ میں اس وقت لڑنے یا بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ یہ مسئلہ میرے ہی بیٹے کی خوشیوں کا نہیں تمہاری بھی اولاد کا ہے۔'' انہوں نے تلخی کا جواب تلخی سے دیا۔

''شکر ہے..... آپ نے یہ نہیں کہا کہ سمعان صرف آپ کی اولاد ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔'' گہرا طنز تھا۔ سعید احمد اپنی برداشت آزمانے کو لب سی گئے۔

میں واضح کر چکا ہوں کہ تم سے لڑنے یا بات بڑھانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' انہوں نے پتھروں کی سختی سے کہا۔

طاہرہ بیگم اس لہجے کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکیں۔

''سمعان سے میں بات کر چکا ہوں تم زرش کے لیے راضی نہیں اور تمہاری بہن کی بیٹی کے لیے

BOOKSPK.BLOGSPOT.COM

میں.....اسی لیے میں نے سوچا ہے کہ ہم لوگ سمعان کی شادی کے قصے کو ہی ختم کر دیتے ہیں۔" انہوں نے بلاتمہید بات شروع کی۔ طاہرہ بیگم ناسمجھی میں دیکھے گئیں۔

"کیا سمعان شادی نہیں کرے گا....." جب بات سمجھ میں آئی تو ایک دم تلخی سے کہہ دیا۔

"جب والدین کے باہمی فیصلے ضد کی کسوٹی پر پرکھے جائیں تو اولاد یہی فیصلے کرتی ہے۔ یہ میرا نہیں سمعان احمد کا فیصلہ ہے۔" اب کے طاہرہ بیگم چپ چاپ دیکھے گئیں۔

"بہرحال اس کی شادی کی سب سے بہتر عمر یہی ہے لیکن اس نے خود مجھ سے بات کی ہے۔ وہ چند سال شادی نہیں کرنا چاہتا، نہ زرش سے اور نہ ہی تمہاری بھانجی سے۔" انہوں نے بات کو گھما پھرا کر وہیں لا کھڑا کیا۔

"میں اس سے بات کروں گی۔ اس طرح تو وہ بہت دیر کر دے گا۔" طاہرہ بیگم اب کے کچھ متفکر سی کہہ رہی تھیں۔ وہ ان کا فرماں بردار بیٹا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک کوئی ناجائز چیز طلب نہیں کی تھی اور اب اس کی آنکھوں میں زرش کا عکس دیکھ کر طاہرہ بیگم کو برداشت نہیں ہو پا رہا تھا مگر اس کا فیصلہ، وہ دکھ کی بھٹی میں جا گریں.....

"میرا خیال ہے.....موجودہ حالات میں اس گھر کے جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے یہی سب سے بہتر فیصلہ ہے۔ اس نے کبھی مجھ سے غلط یا ناجائز خواہش نہیں کی۔ اس نے مجھ سے التجا کی تھی کہ وہ ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا یہ فیصلہ ہے۔ سو تمہیں بھی اب اپنے آپ کو سمجھا لینا چاہیے۔ اس کے ساتھ نہ ہی میں نے کبھی خود زبردستی کی ہے اور نہ ہی کسی کو اجازت دوں گا کہ وہ اس کی زندگی کے اہم معاملے میں یوں دخل اندازی کرے۔ دو، تین، چار سال یا جب بھی فیصلہ کرے گا تب ہی اس کی شادی ہوگی۔"

انہوں نے قطعیت سے کہہ دیا۔ طاہرہ بیگم حیرت سے گنگ رہ گئیں۔ سمعان کی آنکھوں میں زرش کا عکس دیکھ کر ان کے دل میں الاؤ سے جلنے لگ گئے۔ انہوں نے تو صرف قیصرہ آپا کے کہنے پر فوزیہ کا نام لیا تھا۔ ورنہ کہاں فوزیہ، کہاں ان کا سمعان۔ صرف زرش کی ضد میں وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھیں۔ اب اس کے فیصلے نے گویا ساری بساط ہی الٹ دی۔

زرش اور فوزیہ کے علاوہ وہ جہاں بھی کہتا ہے میں راضی ہوں۔" انہوں نے لب کشائی کی۔ سعید احمد ان کی طرف دیکھ کر تلخ وطنزیہ ہنسی ہنسے۔

"آپ کو اس کی شادی کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ شادی نہیں کرنا چاہتا۔ زرش اور فوزیہ کے علاوہ بھی کسی سے نہیں۔" انہوں نے طاہرہ بیگم کو سلگانے کے لیے اپنے پاس سے اضافہ کیا تھا۔

طاہرہ بیگم دھک سے رہ گئیں۔

"میں اس سے بات کروں گی....." اس وقت سعید احمد سے الجھنے کے بجائے سمعان احمد کا فیصلہ زیادہ قابل غور تھا۔

سعید احمد کا لہجہ تک طنزیہ تھا۔ طاہرہ بیگم بمشکل پی سکیں۔

"وہ ان دونوں کے علاوہ جس سے بھی شادی کرنے کے لیے راضی ہے میں اسے اپنے گھر لے آؤں گی.....اس کی خوشی کے لیے۔"

"اچھا....." سعید احمد ہنس دیے۔ طاہرہ بیگم کا وجود پانی پانی ہونے لگا۔

"طاہرہ بیگم! پہلے آپ یہ یقین تو کر لیں کہ یہ گھر کس کا ہے پھر "اپنے گھر" کا دعویٰ کیجیے گا۔" انہوں نے انہیں آسمان سے زمین پر پٹخنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا تھا۔ ایک پل میں دو کوڑی کا کر دیا۔

"آپ میری توہین کر رہے ہیں.....وہ سلگ اٹھیں۔

"تمہاری سمجھ کی بات ہے.....ورنہ میں نے تو حقیقت واضح کی ہے۔" وہ آرام سے تکیہ درست کر کے سیدھے لیٹے تھے۔ طاہرہ بیگم لب سی گئیں۔

"اب جب کہ زرش تمہاری اصل ضد تھی سمعان اور میں اس کے نام سے دستبردار ہو گئے ہیں تو تمہیں بھی اب اپنے آپ پر کنٹرول کرنا ہوگا۔ زرش اس گھر میں اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ میرے لیے فرح ہے۔ وہ نہ صرف اس گھر میں آیا کرے گی بلکہ جب چاہوں گا میں اسے یہاں لے کر آؤں گا۔ جتنا دعویٰ تمہیں یہ "اپنے گھر" کا ہے اس سے بڑھ کر دعویٰ کرنے کی حقدار وہ ہے۔ اب اگر وہ کبھی یہاں آیا کرے تو تمہیں اپنے اوپر کنٹرول رکھنا ہوگا۔ اس گھر کو تمہارے "اپنے گھر" کی میں صرف یہی گارنٹی دے سکتا ہوں۔"

انہوں نے طاہرہ بیگم کو گنگ کر دیا۔ وہ لب بھینچے تنفر بھری آنکھوں سے سعید احمد کو دیکھنے لگیں جو آنکھوں پر بازو رکھ کر سیدھے لیٹے ہوئے تھے۔

"مجھے صرف یہی کہنا تھا.....اب میں سونا چاہتا ہوں.....چاہو تو لائٹ آف کر کے باہر جا سکتی ہو....." انہوں نے ایک پل میں طاہرہ بیگم کا اصل مقام یاد دلا دیا۔

طاہرہ بیگم کے اندر موجود عورت چیخ اٹھیں۔

اپنی اس درجہ توہین پر بلبلا اٹھی۔

ایک لمحے تو جی چاہا آنکھوں پر بازو رکھے لیٹے وجود کا گریبان پکڑ کر چیخ چیخ کر کہے۔ وہ اسے اتنی کڑی سزا کیوں دے رہا ہے.....لیکن وہ ضبط کر گئیں۔

ان کے اندر کی عورت بلک اٹھی.....لیکن انہوں نے اندر کے شور کو باہر آنے سے روک دیا۔

"تم اب بھی جیت گئے سعید احمد.....مگر کب تک جیتتے رہو گے.....میں ایک بار ہاری تھی.....صرف ایک جرم تھا میرا.....اور تم نے اس جرم کو میری عمر بھر کا روگ بنا دیا۔ پل پل مری ہوں میں، تو جیتے تم بھی نہیں.....اور اب میری اولاد کو میرے سامنے لا کھڑا کیا ہے.....خدا سمجھے تمہیں....."

لائٹ آف کر کے وہ دوبارہ بستر کے کنارے پر آ ٹکی تھیں۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"رضا تم کالج جاتے ہوئے رمشا کو بھی اس کے کالج چھوڑ دینا۔ آج مجھے لیٹ جانا ہے اسی لیے میں نہیں جاسکوں گا۔"

ناشتے کی ٹیبل کے گرد وہ تینوں بیٹھے ہوئے تھے۔ امی کچن میں تھیں جب کہ حمید صاحب کے دوسری طرف رمشا بھی موجود تھی۔ وہ روزانہ حمید صاحب کے ساتھ کالج جاتی تھی۔ رضا کے پاس اپنی بائیک تھی جس پر کالج جاتا تھا۔ ابو کے اس حکم پر اس کا حلق کڑوا ہوگیا۔

"ایک غصے بھری نگاہ رمشا پر ڈالی جو خود بھی ایک لمحے کو چونکی تھی مگر پھر ناشتے میں جت گئی۔"

"تمہارے راستے پر ہی پڑتا ہے، اسے کالج چھوڑتے ہوئے چلے جانا۔" ناشتے کے ساتھ ساتھ اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"جی اچھا....." رضا حمید کو اگر کسی کا ڈر یا خوف تھا تو وہ حمید صاحب ہی تھے۔ وہ ان کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد ضرور تھا مگر مکمل طور پر ان کے کنٹرول میں تھا۔ اس کی ہر جنبش پر ان کی نظر رہتی تھی۔ حمید صاحب ان والدین میں سے تھے جو "کھلاؤ سونے کا نوالہ اور دیکھو شیر کی نظر سے" کے نظریے پر عمل کرتے تھے۔ رضا دوسروں کے سامنے لاکھ پر مارلے لیکن جہاں باپ کی ایک نظر اس پر پڑتی سارا غصہ، نفرت اور اشتعال انگیزی صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ جاتی۔ وہ ان سے بہت ڈرتا تھا۔ اس وقت بھی رمشا سے دل میں لاکھ نفرت تھی لیکن زبان سے سعادت مندی دکھا گیا۔

"میں بائیک نکال رہا ہوں..... تم ناشتہ مکمل کرکے آجاؤ....." رمشا پر ایک تلخ سی نگاہ ڈال کر وہ باہر نکل گیا۔ رمشا کالج خیر خیریت سے پہنچنے کی دعا کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لپکی۔ وہ اپنا بیگ اور چادر لپیٹ کر باہر آئی تو رضا بائیک اسٹارٹ کر چکا تھا۔

"بیٹھو....." لہجے میں سخت بیزاری تھی، رمشا کا جی چاہا کہ جانے سے انکار کردے لیکن وہ خون کے گھونٹ پیتی بیٹھ گئی۔

"پیچھے ہٹ کر بیٹھو....." بائیک پر بیٹھتے ہوئے وہ ذرا سی ٹچ ہوگئی تو رضا حمید پھنکار اٹھا۔

"کیا مصیبت ہے..... مجھے نہیں جانا تمہارے ساتھ۔" رمشا کو رضا کا انداز بے انتہا ہتک آمیز لگا۔ وہ کون سا جان بوجھ کر اس کے سر منڈھی جارہی تھی جو وہ اسے برداشت بھی کرتی۔ ایک دم بھڑک کر انکار کردیا۔

"میرے پاس تمہاری ناز برداریوں کے لیے وقت نہیں ہے..... بیٹھنا ہے تو بیٹھو۔" اس نے بھی چیخ کر کہہ دیا۔ رمشا کا جی چاہا کہ اندر جاکر انکل کو ان کے بیٹے کا انکار پہنچا کر ساری سعادت مندی کی پول کھول دے۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہاری باتیں سننے کا..... زیادہ ہی تکلیف ہورہی ہے تو آرام سے جاکر اپنے والد صاحب کو انکار کردو..... میں نے تم سے لفٹ نہیں مانگی تھی۔" وہ تنفر سے تن فن کرتی دور جاکر کھڑی ہوئی۔ رضا حمید نے بے بسی سے دیکھا۔ پوری آفت یہ لڑکی۔

"رمشا! میرے پاس وقت نہیں ہے..... مجھے پہلے ہی دیر ہورہی ہے۔" وہ زچ ہوگیا۔ رمشا نے بھنا

کر دیکھا۔

"پلیز بیٹھو....." حمید صاحب کی ڈانٹ کا خیال تھا ورنہ وہ اس کو یونہی چھوڑ کر جاسکتا تھا۔ اس کی ذمہ داری حمید صاحب کے ذمے تھی نہ کہ اس کی لیکن وہ جا نہیں سکتا تھا۔ وہ حمید صاحب کے سامنے "ہاں" کرچکا تھا۔

"سنا نہیں تم نے کیا کہا ہے میں نے۔" اسے اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر رضا جھنجلا گیا۔ رمشا کو یک گونہ سکون ملا۔ وہ کم از کم اس کے برابر کی تو تھی۔ وہ بھلا کیسے اتنی آسانی سے اس کی تلخی برداشت کرلیتی۔

"میرے ساتھ انسانوں کی طرح بات کیا کرو..... ہر وقت "تمہارا رویہ برداشت کرنا" میرا کام نہیں ہے..... کسی دن میں نے انکل کے سامنے جاکر یہ کہہ دیا تو پھر بھگتنا!" اکڑ دکھانے سے وہ بھی باز نہیں آتی تھی۔ رضا کا دل چاہا کہ اس سر پھری، منہ پھٹ، بدتمیز لڑکی کو اٹھا کر کہیں پھینک دے۔

"تمہیں کالج نہیں جانا؟....." اس کی بکواس کے جواب میں اپنے غصے کو پیتے ہوئے اس نے تحمل سے کہا۔

"جانا ہے....." وہ آرام سے اسے تپا کر اس کے پیچھے دوبارہ آبیٹھی۔ اس دفعہ بیٹھتے ہوئے اس نے جان بوجھ کر رضا کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ رضا بھنا اٹھا۔ اندر سے اٹھنے والے تنفر پر بمشکل قابو پایا..... ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ اس بددماغ لڑکی کو کسی کھائی میں جاگرائے جہاں سے دوبارہ وہ کبھی اسے دکھائی نہ دے۔

رضا نے تیزی سے بائیک گیٹ سے نکالی۔ انتہائی تیز اسپیڈ کے ساتھ وہ گاڑی چلا رہا تھا۔ مارے گھبراہٹ کے رمشا کا دم نکلنے لگا۔

"رضا..... بائیک آہستہ کرو..... ورنہ میں گر جاؤں گی....." رضا کے کندھے کو سختی سے پکڑے وہ اس کے کان کے قریب چلائی۔ رضا نے اسپیڈ کم کرنے کے بجائے مزید تیز کردی۔

صبح کے وقت ہر کوئی آفس، اسکول و کالج کے لیے نکل رہا تھا۔ مصروف شاہراہ تھی۔ رمشا خوف سے زرد پڑنے لگی۔

"یا اللہ..... کہیں بائیک کو نہ دے مارے....." وہ دل ہی دل میں ہولنے لگی۔

رضا کے لیے رمشا کی ایک پل کی موجودگی برداشت کرنا مشکل تھی کجا کہ وہ اپنے اتنے قریب بٹھا کر اتنی دیر سے ضبط کررہا تھا۔ وہ جلد از جلد اس مصیبت سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ ایسے میں اس نے رمشا کی چیخ و پکار پر مطلق دھیان نہ دیا۔

بائیک جیسے ہی کالج کے سامنے رکی رمشا نے صحیح سلامت پہنچ جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

"مجھے لینے کون آئے گا؟" بائیک سے اتر کر اس نے پوچھا۔ رضا نے دوبارہ بائیک اسٹارٹ کرکے ایک نظر اسے دیکھا۔

"مجھے کیا پتا..... پوچھ لیا ہوتا اپنے انکل صاحب سے....." ایک زہر بھری، کٹیلی نگاہ کالج یونیفارم

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

میں ملبوس وجود پر ڈالی۔ رمشا لب بھینچ کر رہ گئی مگر واپسی کی پریشانی ابھی سے ہونے لگی۔

"پھر میں گھر کیسے جاؤں گی؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا؟" رضا کو خود دیر ہو رہی تھی۔ رمشا کی پریشانی باعثِ آزار محسوس ہو رہی تھی۔ قطعی لہجے میں کہہ دیا۔

"روز تو انکل کے ساتھ ہی واپس جاتی ہوں مگر آج....." وہ واپسی پر اکیلی جانے کے خیال سے ہی پریشان ہو اٹھی۔

"انہوں نے مجھے صرف چھوڑنے کا کہا تھا جو میں نے کر دیا۔ تم واپس کس طرح جاتی ہو یہ تمہارا دردِ سر ہے میرا نہیں۔" وہ نخوت سے سر جھٹکتے زن سے گاڑی بھگا کر لے گیا۔

رمشا جاتی ہوئی بائیک کی دھول دیکھتے ہوئے لب بھینچ کر رہ گئی۔

"ایک دفعہ میں گھر پہنچ جاؤں پھر دیکھنا انکل سے تمہاری کیسی شامت بلواتی ہوں۔" اس کی انتقامِ حس پھر سے بیدار ہونے لگی۔ وہ کلستے اور اسے کوسنوں سے نوازتے گیٹ کراس کر گئی۔

❁.....❁.....❁

چھٹی کا دن تھا سب گھر پر ہی تھے۔ صبح ناشتہ بھی سب نے دیر سے کیا تھا۔ سعود احمد چھٹی کا سارا دن فیملی کے ساتھ ہی گزارتے تھے اگر کبھی موڈ بنا تو ڈنر باہر کر لیتے تھے۔ ماما اسپیشل قسم کا لنچ تیار کر رہی تھیں۔ نوشین کو ماما نے اپنے ساتھ لگایا ہوا تھا۔ بقول زرش کے اس کی ٹریننگ ہو رہی تھی کیونکہ بی اے کے فوراً بعد نوشین کی شادی کر دینے کا ارادہ تھا۔ اسی لیے ماما اسے گھریلو کاموں میں زیادہ الجھائے رکھتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ ابھی جو سیکھے گی وہ سسرال میں کام آئے گا۔ وہ اسے ہر فن مولا بنانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ زرش کو اس معاملے میں چھوٹ تھی۔ کھانے کے نام پر وہ چائے اچھی بنا سکتی تھی۔ باقی کام وہ ماما کی مدد سے ہی کر سکتی تھی، اکیلے تو کچھ بھی کرنا نہیں آتا تھا پھر وہ کچھ لاپروا بھی تھی۔ ان کاموں پر خود ہی توجہ نہیں دیتی تھی، یہ سوچ کر کہ ماما پاپا اسے کون سا ابھی سسرال دھکا دے رہے ہیں کم از کم وہ ایم بی اے کرنے سے پہلے تو یہاں سے جانے والی نہیں تھی۔

"پاپا ہمارے کالج میں اگلے ماہ چھٹیاں ہونے والی ہیں۔ "ڈسمبر ویکیشن" اس دفعہ میں نے اور نوشین نے ارادہ کیا ہے کہ ہم لوگ اسلام آباد جائیں گے، عثمان بھائی اور زوباریہ بھابی کے ہاں....." وہ لاؤنج میں بیٹھے پاپا سے کہہ رہی تھی۔

"لیکن اس دفعہ تو شاید ڈسمبر میں میرے پاس وقت نہ ہو۔" پاپا اپنی بزنس مصروفیات کی وجہ سے کم ہی کہیں آتے جاتے تھے۔ یہاں کے آفس کا سارا کنٹرول ان کے ہاتھ میں تھا جب کہ دوسرے شہروں اور ملک سے باہر کے وزٹ کے لیے تایا ابو اور سمعان بھائی ہی زیادہ جاتے تھے۔ دونوں بھائیوں نے گھر علیحدہ ضرور کیے تھے دل نہیں اور جب دلوں میں وسعت ہو تو بزنس ایک ہو یا علیحدہ علیحدہ فرق نہیں پڑتا۔

"ہمیں نہیں پتا..... بس آپ کو اس دفعہ وقت نکالنا ہے۔ ابھی تو پورا ایک مہینہ باقی ہے اس لیے میں

آپ کو پہلے سے اطلاع دے رہی ہوں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ جب بھی فارغ ہوں گے ہمیں اسلام آباد لے کر جائیں گے۔"

زرش کا انداز کچھ ضد منوانے والا تھا۔ سعود احمد مسکرا دیے۔

"چلو دیکھتے ہیں، ابھی تو نومبر کا آغاز ہے ڈسمبر تک..... شاید فرصت نکل ہی آئے۔" انہوں نے سوچتے ہوئے کہا تو زرش نے منہ بسورا، جانتی تھی یہ فرصت کبھی نہیں نکلے گی۔ ہر بار وہ لوگ کہیں نہ کہیں جانے کا پروگرام بناتے تھے اور ہر بار پروگرام فلاپ ہو جاتا تھا۔ ابھی وہ سعود احمد سے مزید اس موضوع پر بات کرنے کا ارادہ رکھتی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"السلام علیکم....." سی ایل آئی پر جگمگاتا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو زرش؟" دوسری طرف ستارہ آپی تھیں زرش کھلکھلائی۔

"اے ون..... آپ سنائیں..... آنٹی، انکل اور بھائی سب کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں..... ممانی جان کہاں ہیں؟"

"ماما اور نوشین کچن میں ہیں..... آج ماما اسپیشل لنچ تیار کروا رہی ہیں اسی لیے وہ دونوں وہاں مصروف ہیں۔ اس نے مسکرا کر بتایا۔ ستارہ بھی ہنس دیں۔

"عفان بھائی کیسے ہیں؟ انہیں کہیں ان کا پردہ ایک بندی سے ہے کبھی ہم سے بھی ہیلو ہائے کر لیا کریں۔"

"ہیلو ہائے کا تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی البتہ وہ خود یہیں ہے یہ لو بات کر لو اس سے۔" ستارہ نے ریسیور عفان بھائی کی طرف منتقل کیا۔

"السلام علیکم کیسی ہو زری؟"

"آپ سے تو میں سخت قسم کی ناراض ہوں، اس لیے آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دوں گی۔" فوراً خفگی کا اظہار بھی کر دیا۔

"ہم سے کیا غلطی ہو گئی سالی صاحبہ؟" دوسری طرف بھی عفان تھا باتوں میں بندے کو رام کرنے والا۔

"غلطی یہ ہو گئی کہ کبھی ملاقات تو کیا کال تک کرنے کی بھائی صاحب نے زحمت نہیں کی۔ ہم ہی خود مل آئیں تو مل آئیں۔ آپ کو تو یہ بھی توفیق نہیں....."

"زرش۔ لاؤ مجھ سے بات کرواؤ....." سعود احمد نے کہا۔

زرش نے ریسیور انہیں تھما دیا۔ اسے اپنا لڑنے کا پروگرام کھٹائی میں پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

"جیتے رہو..... الحمدللہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تمہاری آنٹی بھی فریش ہیں۔" زرش صرف انہیں سن رہی تھی۔

"ہاں بالکل اے ون..... ہارون آغا سے کہو نا کسی دن ہمارے ہاں بھی چکر لگائیں پوری فیملی کے ساتھ تفصیلی ملاقات کیے کافی دن ہو گئے۔"

BOOKSLIFE.BLOGSPOT.COM

"ہاں بیٹا کام تو واقعی بہت ہوتا ہے کم ہی نکلنا ہوتا ہے لیکن اگر آج تم لوگ فارغ ہو تو آ جاؤ تمہاری آنٹی اچھا سا لنچ تیار کروا رہی ہیں۔" انہوں نے لگے ہاتھوں دعوت بھی دے ڈالی۔ زرش ہنس دی۔

"اچھا بات کراؤ ہارون سے....." وہ اب ہارون انکل سے بات کر رہے تھے۔ زرش یک طرفہ گفتگو سنتی رہی۔ پاپا نے ریسیور رکھا تو اس نے فوراً پوچھا۔

"ہارون انکل فیملی سمیت آ رہے ہیں۔"

"ہاں.....تم ذرا اپنی ماما کو ادھر بھیجو۔"

زرش فوراً کچن کی طرف گئی۔

"ماما! پاپا آپ کو بلا رہے ہیں....." اس نے اطلاع دی۔ ماما چکن روسٹ کر رہی تھیں۔ ایک منٹ کو رکیں۔

"انہوں نے ہارون انکل کو پوری فیملی کے ساتھ انوائیٹ کیا ہے.....میرا خیال ہے عفان بھائی بھی آ رہے ہیں۔" اس نے نئی خبر بھی دی۔

"اچھا....." ماما نے حیرت کا اظہار کیا۔ پھر انہوں نے نوشین کو دھیان سے کام کرنے کا کہہ کر لاؤنج کی راہ لی۔ وہ نوشین کے سر ہو گئی۔

"تم بھی ذرا اپنا حلیہ سنوار لو.....عفان بھائی بھی آ رہے ہیں وہ تمہیں ماسیوں والے حلیے میں دیکھ کر ہو سکتا ہے منگنی کو ہی خیر باد کہہ دیں۔" زرش کا ستانے کا موڈ تھا۔ نوشین نے چکن روسٹ برتن میں نکال کر نیپ کن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اسے گھورا۔

"کہتے ہیں شکل اچھی نہ ہو تو بات ہی اچھی کر لیا کرتے ہیں۔" وہ کیبن سے بیسن نکال کر پلٹی تو زرش ہنس دی۔

"خیر شکل تو مابدولت کی لاکھوں میں ایک ہے۔ جو دیکھے دیکھتا رہ جائے البتہ تمہارے متعلق فکر مندی رہتی ہے۔ پہلے ہی اللہ نے روپ پورا دیا ہے اوپر سے کچن کی ماسی لگ رہی ہو۔" نوشین کا رنگ ہلکا گندمی تھا لیکن سرخ تھا خوبصورتی میں وہ ہادیہ اور زرش سے کسی بھی طور کم نہ تھی۔ نوشین کو اکثر کمپلیکس رہتا تھا کہ اس کا کلر زرش اور ہادیہ کی طرح سفید کیوں نہیں۔ گندمی سرخی مائل کیوں ہے۔ ایسے میں زرش اسے خوب ستاتی تھی۔ اب بھی اس نے کہا تو نوشین کو فکر ہوئی۔

"واقعی زرش، اس وقت میرا کلر بہت گندمی ہو رہا ہے....." وہ اپنے کلر کے معاملے میں بے حد حساس تھی زرش کی ہنسی نکل گئی۔

"واقعی..... بہت.....عفان بھائی ایک نظر دیکھ لیں تو فوراً شادی کے لیے مچل اٹھیں....."

"مروتم....." نوشین نے پاس پڑا کفگیر اٹھا کر زرش کے بازو پر کھینچ مارا پھر خجل سی ہو کر ہنس دی۔

"یاسمین یہ بیسن چھان کر گھول دو۔ مچھلی کے قتلوں پر لگانا ہے۔ بیسن والی مچھلی فرائی کرنی ہے۔ اب تو مہمان بھی آ رہے ہیں، ہو سکتا ہے ماما ایک دو ڈش اور بھی بنا دیں۔"

یاسمین آٹا گوندھ کر فارغ ہوئی تھی، نوشین کے کہنے پر فوراً بیسن گھولنے لگی۔

"یاسمین.....نوشین.....زرش جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ.....تمہارے پاپا نے پوری فیملی کو انوائیٹ کیا ہے۔ ستارہ قادر اور عفان بھی آ رہے ہیں۔ اچھا سا کھانا ہونا چاہیے۔" ماما پاپا سے ساری معلومات لے کر دوبارہ کچن میں چلی آئیں اور آتے ہی جلدی مچا دی۔

"مجھ سے یہ سارا کام نہیں ہوگا۔ سلاد بنا سکتی ہوں۔ برتن دھو سکتی ہوں۔ کیبنز سے نکال کر ٹیبل سجا سکتی ہوں۔ لہسن پیاز چھیل سکتی ہوں اور نہیں....." زرش ماما سے اپنا نام سن کر فوراً بدکی ایک دم عذر پیش کیا۔

"چلو بس کرو۔ یہی بہت ہے۔ اس کے بعد باقی گھر کو بھی دیکھنا ہے.....چھٹی کی وجہ سے یونہی الٹا پڑا ہے۔" ماما جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی تھیں۔

مہمانوں کے آنے تک تقریباً کچن کا سارا کام مکمل تھا۔ گھر کی ڈسٹنگ یاسمین نے کی تھی، سجاوٹ نوشین اور زرش دونوں نے مل کر کی تھی۔ ماما دیگر کام دیکھتی رہیں۔ ادھر ہارون انکل کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ نوشین اپنے حلیہ سے گھبرا کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔

مہمانوں کو ماما اور پاپا دونوں نے ریسیو کیا۔ زرش کا بھی حلیہ خراب تھا لیکن اسے تو قطعی پروا نہ تھی۔ انکل آنٹی، قادر بھائی، ستارہ آپی کے ساتھ عفان بھائی بھی تھے۔ سب سے سلام دعا کر کے وہ کمرے میں کپڑے چینج کرنے آئی تھی۔

کپڑے چینج کر کے وہ کچن میں پہنچی تو نوشین یاسمین کی مدد سے چائے کے لوازمات ٹیبل پر سجا چکی تھی۔ وائٹ اینڈ اسکائی بلو سوٹ میں نوشین کی گندمی سرخی مائل رنگت تمتما رہی تھی۔ زرش نے نظروں ہی نظروں میں سراہا۔

"زبردست.....عفان بھائی کی خیر نہیں....." اس نے زبان سے بھی سراہا۔ نوشین جھینپ گئی۔

"بکو مت....." برتن دوبارہ سیٹ کرتے ہوئے وہ الجھی۔

"چائے کی ٹرالی تم لے کر جاؤ گی میں تمہارے ساتھ چلوں گی....." عفان کی وجہ سے وہ اندر جانے سے ہچکچا رہی تھی زرش کو ہنسی آ گئی۔

"تمہارا بھی کوئی جواب نہیں۔ آج کل کی لڑکیاں سسرال کے نام پر اترانے لگتی ہیں ساری شرم و حیا بھلائے منگیتر صاحب کے سامنے جا کر تشریف فرما ہوتی ہیں اور ہماری بنو بی ہیں کہ انہیں شرمانے سے ہی فرصت نہیں.....سسرال تمہاری ہے اور چائے مجھ سے لے جانے کی گزارش کی جا رہی ہے۔"

زرش نے جی بھر کر نوشین کا ریکارڈ لگایا۔ وہ بھنا کر دیکھنے لگی۔

"اڑا لو مذاق.....جب تم پر ایسا وقت آئے گا پھر پوچھوں گی۔" اس نے دھمکی دی۔ زرش کھلکھلا کر ہنس دی۔

"دفعہ ہو جاؤ.....تمہاری جیسی بہن تو اللہ کسی کو نہ دے۔ بجائے مدد کرنے کے، مذاق اڑا رہی ہے۔"

"ضرور.....میں تو اندر جا رہی ہوں تم بھی آ جاؤ چائے کے ساتھ۔" وہ اسے ہاتھ لہراتی، زچ کرتی لاؤنج میں چلی آئی۔ جہاں سب براجمان تھے۔ سلام دعا وہ پہلے سب سے کر چکی تھی۔ آرام سے ادب

POSTSCRIPT.BLOGSPOT.COM

کے ساتھ ستارہ آپی کے ساتھ جا بیٹھی۔

"نوشین کہاں ہے.....ابھی تک آ کر نہیں ملی....." ستارہ آپی نے پوچھا۔

"وہ چائے لے کر آ رہی ہے.....دراصل عفان بھائی کی وجہ سے وہ اندر آنے سے شرما رہی ہے۔" مسکرا کر آہستگی سے ستارہ کو بتایا تو ستارہ ہنس دی۔

"ہماری نوشین ماشاءاللہ بہت شرمیلی ہے۔" انہوں نے سراہا۔

"کچھ زیادہ ہی....." اس نے لقمہ دیا تبھی نوشین، یاسمین کی مدد سے ٹرالی گھسیٹے چلے آئی۔ یاسمین دروازے سے ہی پلٹ گئی۔ باقی کام اب اسے اکیلے ہی کرنا تھا.....سب ہی نے اسے اندر داخل ہوتے دیکھا۔

"السلام علیکم....." بغیر ادھر اُدھر دیکھے اس نے ایک ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام....." پرجوش خیر مقدم ہوا۔ نوشین کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

"چائے زرش سرو کر دے گی تم ادھر بیٹھو.....مسز ہارون آغا نے ٹرالی سیٹ کرتے دیکھ کر اسے ٹوکا تو وہ سب کچھ چھوڑ کر ان کے پاس چلی آئی۔

ماما کے اشارے پر زرش نے ٹرالی اپنی طرف گھسیٹ لی۔ ایک ایک کر کے سب کو چائے اور دیگر لوازمات سرو کرنے لگی۔

"میں تو کتنی بار ہارون آغا سے کہہ چکی تھی کہ چلیں ہم اپنی بہو سے مل آتے ہیں مگر ان کو فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔ پچھلے دنوں ستارہ نفیسہ آپا کے ہاں چلی گئی تو میں نے سوچا جب لوٹے گی تو اکٹھے ہی چلیں گے.....آج کل میں ہم آنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ بھائی صاحب نے خود دعوت دے دی۔"

مسز آغا نے ماما کے "کبھی چکر نہ لگانے کے شکوے" کے جواب میں کہا۔

"فرصت تو یوں سمجھیں ادھر بھی نہیں ہوتی مگر بچیوں کی خوشیوں کے لیے وقت نکالنا پڑتا ہے۔" پاپا نے بھی حصہ لیا۔ جس کی ہاں میں سب نے ہاں ملائی۔ خوشگوار ماحول میں چائے پی گئی۔ ڈھیروں باتیں ہو رہی تھیں۔ مختلف موضوعات تھے۔ جب وقت بیتنے کا ماما کو احساس ہوا تو انہوں نے ٹوک دیا۔

"نوشین.....زرش بیٹا! جلدی سے کھانا لگا دو۔ سب کو بھوک لگی ہوگی۔ چار بج رہے ہیں دوپہر کا کھانا تو کسی نے بھی نہیں کھایا ہوگا۔"

نفیس سی ساڑی میں ملبوس شائستہ بیگم کے انداز و اطوار کی شائستگی دیکھنے کے قابل تھی۔ دونوں بہنیں فوراً اٹھ گئیں۔ دونوں کے ساتھ ستارہ بھی چلی آئی۔

"ستارہ آپی! عفان بھائی کیسے سوٹڈ بوٹڈ ہو کر آئے ہیں۔ دیکھنے کے لائق ہیں۔ ہیں ناں....." نوشین شرمیلے انداز میں یاسمین کے ساتھ خاموشی سے برتنوں میں کھانا نکال رہی تھی۔ زرش کی بات پر شرمیلی مسکراہٹ ہونٹوں پر آ گئی۔

"ارے یہ تو کچھ بھی نہیں.....وہ تو بارات کا دلہا بن کر آنے پر بضد تھا میں نے ہی ماموں جان کا ڈراوا دے کر کچھ شرم دلائی۔" وہ اور ستارہ آپی برتن ڈائننگ روم میں لا کر ٹیبل سیٹ کر رہی تھیں۔

"سنا تم نے نوشین بی بی۔ اسے کہتے ہیں بے شرمی، کچھ تم عفان بھائی سے ہی سیکھ لو۔" اس نے پانی کا جگ اور کولڈ ڈرنک کی ڈیڑھ لیٹر والی بوتلیں نکالتے ہوئے نوشین کو چھیڑا۔ نوشین مزید جھینپی تاہم اسے گھورا ضرور۔

"مجھے تنگ مت کرو.....ورنہ بعد میں تمہارا جو حشر ہوگا وہ دیکھنا۔" ڈشوں اور ڈونگوں میں لوازمات نکالتے ہوئے اس نے زرش کو دھمکی دی مگر اسے اثر کہاں تھا۔ کبھی کبھار تو نوشین کو چھیڑنے کا موقع ملتا تھا اور وہ اس موقعے سے بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی۔

انہی چھوٹے موٹے جملوں کے تبادلے میں کھانا لگا دیا گیا۔ زرش نے ہی سب کو کھانا لگ جانے کی اطلاع دی۔

بڑوں نے پہلے کھانا ختم کیا۔ انکل پاپا کے اٹھتے ہی ماما اور آنٹی بھی اٹھ گئیں۔ باقی وہ پانچوں ٹیبل پر ہی براجمان رہے۔

"کھانا بہت زبردست تھا کس نے بنایا تھا....." نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے عفان نے زرش کو دیکھا، ساتھ ہی نوشین بھی بیٹھی تھی، شرمائی جھینپی سی۔ وائٹ اینڈ اسکائی بلو کلر اس کی رنگت پر خوب جچ رہا تھا۔ اس نے بغور دیکھا۔

"ماما اور آپ کی منگیتر صاحبہ نے مل کر.....جواب زرش کی طرف سے آیا۔ وہ ہنس دیا۔

"ہوں.....ہوں.....شرم کرو تم سے بڑے ابھی اس محفل میں موجود ہیں۔" وہ گاہے بگاہے بغور دیکھ رہا تھا۔ نوشین خوبصورت تھی مگر اس لمحے خوبصورت ترین لگ رہی تھی۔ قادر بھائی نے عفان کی چوری پکڑ لی۔ عفان پہلے تو جھینپا پھر کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"تو آپ بھی بھابی کو دیکھ لیں میں نے کب منع کیا۔" نوشین نے سر جھکا لیا۔ زرش کی کھی کھی شروع ہو چکی تھی۔ عفان کی اس دیدہ دلیری پر اس نے وکٹری کا نشان بنا کر داد دی۔

نوشین نے کن اکھیوں سے دیکھا۔ کریم کلر کے سوٹ میں ملبوس وہ وجیہ اور قابل رشک لگ رہا تھا۔ زندہ دل طبیعت کا مالک تھا اسی لیے ہر دلعزیز تھا۔ "میں نے سوچ لیا۔"

"کیا؟" زرش نے چونک کر پوچھا۔

"یہی کہ نوشین کے بی اے کے ایگزامز کے فوراً بعد شادی ہوگی....."

آرام سے نوشین کی آنکھوں میں دیکھتے اس کا سکون غارت کر گیا تھا۔ وہ ایک دم سر جھکا گئی۔

"دیکھ لیں.....اپنے بھائی کی بے شرمی.....اپنے منہ سے شادی کی بات کر رہے ہیں دیور صاحب....." ستارہ نے اپنے شوہر کو اکسایا۔

"کوئی بات نہیں.....ایسا برا وقت ہم پر بھی آیا تھا.....جب یہ بھی بیوی والا ہو جائے گا سب خواب ملیا میٹ ہو جائیں گے۔ سر پر ہاتھ رکھ کر رویا کرے گا بچہ....." وہ کہاں چونکنے والے تھے آخر کو وہ بھی عفان کے ہی بھائی تھے۔ عفان اور زرش تو ہنسنا شروع ہو گئے جبکہ بھابی میاں کو گھورنے لگیں۔

"کیا مطلب ہے.....یعنی مجھ سے شادی کر کے آپ سر پر ہاتھ رکھ کر رو رہے ہیں۔" ستارہ کے

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

تیور جارحانہ تھے۔ قارد بھائی نے مصنوعی ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

"اللہ سے ڈرو بیوی سر پر ہاتھ رکھ کر رونا تو دور کی بات ہے، آٹھ اٹھ آنسو رونا بھی کم ہے....."

"دیکھ لوں گی آپ کو بھی.....ذرا گھر چلیں....." ستارہ نے دھمکایا۔

کھانا کھایا جا چکا تھا۔ باقی لوگ بھی اٹھ گئے۔

نوشین، ستارہ اور یاسمین سب کے نکل جانے کے بعد ٹیبل سمیٹنے لگ گئی۔ اتنی دیر میں زرش چائے تیار کر چکی تھی۔ لاؤنج میں ایک دفعہ پھر محفل جم چکی تھی۔ زرش چائے لے کر آئی تو خوب رونق تھی۔ ہنسی، مذاق قہقہے۔ بہت عرصے بعد ان کے گھر میں ایسا ماحول دیکھنے کو مل رہا تھا۔ زندگی یوں تھرک رہی تھی۔

اگر ان لمحوں میں ہادی اور تایا جان کی فیملی بھی ہمارے ساتھ ہوتی تو اس محفل کا رنگ ہی اور ہوتا۔" سب کو چائے سرو کرتے ہوئے زرش کی ذہنی رو اس طرف بھٹک گئی۔

☆☆

دوپہر میں سونے کے بعد نہا کر وہ خاصی فریش تھی۔ آج طاہرہ بیگم بڑے عرصے بعد بڑے ماموں کے ہاں گئی تھیں۔ وہ وہاں کم ہی جاتی تھیں تین چار ماہ بعد اب گئی تھیں۔ سعید احمد ایک دوست کے ہاں چلے گئے تھے۔ سمعان اپنے کمرے میں سو کر وقت گزار رہے تھے۔ علی کا میچ تھا تھوڑی دیر پہلے نہا کر اپنے ساز و سامان سمیت وہ چلا گیا تھا۔

فرح نے کھانا کھا کر اپنے لیے چائے بنائی۔ دوپہر آہستہ آہستہ سہ پہر میں ڈھل چکی تھی۔ وہ لاؤنج کی گلاس وال کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ گلاس وال کے دوسری طرف لان کا منظر بہت دلکش تھا۔ آج کل غیر متوقع طور پر گھر میں سکون تھا۔ امی ابو کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہو رہا تھا۔ اس دن زرش کے چلے جانے کے بعد اسے ڈر تھا کہ اب امی ابو کے درمیان زوروں کی جھڑپ ہو گی مگر بچت رہی تھی۔ اس کے بعد سمعان بھائی سے پتا نہیں ابو کی کیا گفت و شنید ہوئی تھی جو امی ابو کے درمیان کی کشیدگی جو مہینوں چلتی تھی ایک بے نام موسم کی زد میں آ چکی تھی۔ ابھی رات کی ہی تو بات تھی جب ابو نے اسے امی کو کمرے میں بھیجنے کا کہا تھا پتہ نہیں دونوں میں کیا بات ہوئی تھی۔ وہ یہ سوچ کر ساری رات پریشان ہوتی رہی کہ ابھی کسی بھی لمحے دونوں کے جھگڑے کی آواز کمرے سے باہر آنے لگی۔ صبح دونوں کے چہرے کھوجتے ہوئے بھی وہ کسی جھگڑے کا سراغ نہ پا سکی تھی۔ امی نے خود ابو کے لیے ناشتے کی ٹرے تیار کی۔ سمعان بھائی کے ساتھ بھی امی کا رویہ خاصا پیار سمیٹے ہوئے تھا۔ خاصے عرصے بعد وہ خالص ماؤں والے انداز میں دکھائی دے رہی تھیں۔ نجانے کیا ہونے والا تھا لیکن فرح کو امی پر بہت پیار آ رہا تھا۔ اپنے گھر کا یہ سکون بہت فرحت بخش محسوس ہو رہا تھا۔ خاصا مسرور سا۔

وہ سوچوں میں غرق چائے کے سپ لے رہی تھی جب صرف ہاتھ بھر کے فاصلے پر رکھے ٹیلی فون اسٹینڈ کی بیل چیخ اٹھی۔

فرح نے بغیر دیکھے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....." چائے کا خالی مگ پاس پڑی تپائی پر رکھ دیا۔ "السلام علیکم....." آگے بڑھ کر وہ صوفے پر ٹک گئی۔

"وعلیکم السلام....." انجانی مردانہ آواز تھی.....وہ چونکی.....

"فرح!.....تم فرح ہو نا!" دوسری طرف بے تابی سے کہا گیا تھا۔ وہ الجھ گئی۔

"جی.....مگر آپ....." وہ اٹک گئی.....

"تھینک گاڈ تم نے ریسیو کیا ورنہ میری انگلیاں تھک گئی تھیں یہ نمبر ملاتے، ملاتے۔ ہر بار تمہاری کوئی ملازمہ یا پھر والدہ کال ریسیو کرتیں۔"

ازحد بے تکلفی سے کہا جا رہا تھا۔ فرح تو اپنی جگہ ساکت و صامت سی رہ گئی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ کال کرنے والے کو جان گئی تھی۔

اس درجہ بے تکلفی و اپنائیت۔"

وہ کئی ثانیے حرکت بھی نہ کر سکی۔

"آپ.....آپ....." ہوش آیا بھی تو زبان الفاظ ادا نہ کر پائی۔

"کتنا شوق تھا مجھے تمہاری آواز سننے کا۔ آج میرا دل کہہ رہا تھا کہ یقیناً کال تم ہی ریسیو کرو گی۔ دیکھ لو جذبے سچے ہونے چاہئیں، شدت ہونی چاہیے ہر چیز ممکن ہو سکتی ہے۔" دوسری طرف نجانے کون سا سحر پھونکا جا رہا تھا فرح تو مبہوت سی تھی۔

"تم کچھ نہیں کہو گی.....کچھ تو کہو.....تمہیں نہیں پتا تمہاری آواز میرے اندر کیسے رس گھولتی۔ تمہارا سحر مجھے سونے نہیں دیتا۔ ساری ساری رات جگاتا ہے۔"

فرح کو لگا وہ اس منتر کے حصار میں مقید ہوتی جا رہی ہے۔

"تم میری ای میل کا جواب نہیں دیتیں.....اب بھی خاموش ہو.....پلیز فرحی!.....کچھ تو کہو.....پلیز....." فرح کو لگا اس کے اندر کی لڑکی بس ڈھے جانے کو ہے۔

"آپ.....آپ.....کون ہیں؟....." وہ بولی بھی تو کیا۔

"محبت کرتا ہوں تم سے اور محبت کی کوئی ذات نہیں ہوتی.....کوئی نام نہیں ہوتا محبوب کا کسی حسب نسب سے تعلق نہیں ہوتا۔ بس سرتاپا عشق ہوتا ہے اور بس....." دوسری طرف وہ نجانے کس انداز میں بات کر رہا تھا۔ فرح کو اعصاب ساتھ چھوڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"پلیز میرا پیچھا چھوڑ دیں.....میں نہیں جانتی آپ کو.....میرا صرف ایک جرم تھا۔ میں نے آپ کی میلز کا جواب دیا تھا۔ اب وہ سلسلہ میں ختم کر چکی ہوں۔ میں کسی پرنس ورنس کو نہیں جانتی.....پلیز یہاں کال مت کیا کریں....." فرح کی آواز بھیگ چکی تھی۔

"فرح!.....فرح!....." دوسری طرف اس کی آواز کا بھیگا پن بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا تھا۔ فرح رو دی۔

"پلیز.....التجا کرتی ہوں آپ سے.....میں عزت دار ماں باپ کی بیٹی اور بھائیوں کی بہن

PDFBEST.BLOGSPOT.COM

ہوں..... آپ جو بھی ہیں، آپ کا جو بھی مقصد ہے پلیز مجھے معاف کر دیں، میرا پیچھا چھوڑ دیں.....'' آپ کو کیا پتا آپ کی میلز اور کالز مجھے کس قدر تکلیف سے دوچار کر دیتی ہیں..... مجھے اپنا آپ مجرم لگنے لگتا ہے۔'' وہ سسک اٹھی۔

''پلیز یہاں کال مت کیا کریں..... پلیز.....'' اس نے ریسیور رکھ دیا اور گھٹنوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''کون ہے یہ؟ آخر کون ہے؟'' اس کا ذہن الجھ گیا۔ دماغ کی نسیں پھٹنے کو تھیں۔

''کیا واقعی وہ محبت کرتا ہے مجھ سے..... کیا واقعی یا پھر کھیل ہے۔'' وہ ادھر سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

''یا اللہ.....'' وہ سسک اٹھی..... ''یا اللہ..... تو جانتا ہے میں بے قصور ہوں۔ میں نے جب محسوس کیا کہ اب معاملہ غلط ہے تو میں نے قدم پیچھے کر لیے تو مجھے رسوا نہ کرنا۔ میرے بھائی، میرے والدین مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ مجھے اپنے قدموں پر مضبوط رکھنا..... یا اللہ.....''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

بھابی اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ صبح نبیل بھائی آفس چلے گئے تو گھر میں وہ اور اماں تنہا رہ گئیں۔ بھابی ہوتی تھیں تو گڑیا کی وجہ سے گھر میں کافی رونق رہتی تھی۔ آج کل نویرہ کو گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔

گھر کی صفائی ستھرائی کے بعد وہ سارا دن ادھر سے اُدھر بولائی بولائی پھرتی رہتی تھی۔ بھابی کو گئے تین دن ہی ہوئے تھے۔ وہ اس روٹین سے اکتا گئی۔ وہ بہت ہنگامہ پرور لڑکی نہیں تھی مگر اتنی کم گو اور اپنی ذات میں مگن رہنے والی بھی نہ تھی۔ اس وقت بھی اکتاہٹ و بیزاری سے لبریز وہ قالین پر لیٹی میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے نہائی تھی۔ گرین کنٹراس شیڈ والے لباس میں وہ کافی فریش لگ رہی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر اماں بیٹھیں دال چن رہی تھیں۔ رات میں ان کا یہی پکانے کا ارادہ تھا۔ وہ فارغ بیٹھنے کے بجائے ابھی سے چننے لگ گئی تھیں۔ نویرہ نے منع بھی کیا تھا کہ وہ خود کر لے گی وہ کچھ نہ کریں مگر ان سے بھی فارغ نہیں بیٹھا جاتا تھا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود وہ ڈبوں سے دال نکال لائیں۔

کال بیل بجی تو نویرہ نے سر اٹھا کر اماں کو دیکھا۔ گیٹ کھولنے کی ذمہ داری اماں یا نبیل بھائی کی تھی۔ ان کی غیر موجودگی میں وہ اور بھابی یہ کام سرانجام دیتی تھیں۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' اماں اٹھ کر باہر چلی گئی تھیں۔ نویرہ یوں ہی کہنیاں قالین پر ٹکائے لاپروا انداز میں لیٹی میگزین دیکھتی رہی۔

''آؤ بیٹا!..... آ جاؤ.....'' نجانے اماں کسے کہہ رہی تھیں۔ نویرہ نے سر اٹھا کر جائزہ لینا چاہا۔ اس کا خیال تھا کہ نبیل بھائی ہوں گے مگر اماں کے ساتھ فاروق نواز اور اس کے پیچھے شارق زمان کو دیکھ کر وہ ایک دم سیدھی ہو کر اٹھ بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم.....'' شارق زمان اور نواز نے بیک وقت سلام کیا۔ نویرہ نے سر کے اشارے سے جواب دیا اور ارد گرد دیکھنے لگی۔ پتہ نہیں وہ دوپٹہ کہاں ہے۔ وہ اٹھ کر ادھر اُدھر ہو کر دوپٹہ تلاش بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''یا اللہ.....'' پہلی دفعہ اسے حقیقتاً خود پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ نہانے کے بعد وہ یوں ہی کمرے سے نکل آئی تھی۔ گھر میں اس وقت کوئی مرد تو تھا نہیں کہ اسے دوپٹے کا دھیان رہتا اور اب یہ مصیبت۔

شارق زمان نے دلچسپی سے دیکھا۔ بغیر دوپٹے کے کنفیوژ۔ گھبرائی..... شرمائی سی نویرہ قابل توجہ تھی۔

وہ پہلی دفعہ اس لڑکی کا یہ روپ دیکھ رہا تھا۔ دل ایک دم اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بغیر دوپٹے کے شرمائی گھبرائی وہ جیتی جاگتی قیامت تھی۔

شارق زمان کیا نواز بھی اس کا یہ روپ دیکھ کر ایک لمحے کو دنگ رہ گیا۔ وہ ان کے سامنے ہمیشہ سر پر اچھی طرح دوپٹہ جمائے بڑے باوقار انداز میں آتی تھی کہ نظر بے باکی سے اٹھنے کے بجائے خود بخود احترام سے جھک جائے مگر آج.....

نواز فاروق کے دل نے دوسری نظر ڈالنے کو اکسایا مگر وہ دل کو ڈپٹ کر احتراماً صوفے کی طرف بڑھا جب کہ شارق زمان ابھی بھی اس پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ جیسے نظریں اس وجود کی حشر سامانیوں سے ہٹنے کو انکاری ہو گئی ہوں۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ پاک دامن عورت کسے کہتے ہیں؟'' اپنی یہی آواز ہر وقت اس کے تعاقب میں دوڑتی تھی اور اب.....

پاک دامن عورت کا یہ کون سا روپ تھا۔ وہ ایک دم نظریں جھکا گیا۔ دل میں احترام جاگا۔

''بیٹھو بیٹا کھڑے کیوں ہو۔'' اماں نے لاؤنج کی تمام لائٹس آن کر دیں۔ شارق نواز سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا اس طرح کہ نویرہ عقب میں ہو گئی۔

نویرہ نے شکر ادا کیا میگزین سینے سے لگائے بغیر ادھر اُدھر دیکھے اس نے ناک کی سیدھ میں چلتی اپنے کمرے میں آ کر ہی دم لیا۔

''یا اللہ.....'' کوفت سے اس کا برا حال تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ اس حلیے میں کسی کزن چچا وغیرہ کے سامنے آ جائے۔ نبیل بھائی کے سامنے کبھی کبھار دوپٹے کا خیال نہیں رہتا تھا مگر کندھوں اور سینے پر پھیلا ہوتا تھا۔ رضا حمید سے وہ لاکھ بے تکلف تھی مگر اس سے بے تکلفی کے باوجود اس کے سامنے بغیر دوپٹے کے کبھی نہیں آئی تھی اور اب.....

دوپٹہ بستر پر پڑا ہوا تھا اٹھا کر اس نے کندھوں پر پھیلا لیا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ہیئر برش کو جلدی جلدی بالوں میں پھیرنے لگی۔ لمبے گھنے سیاہ بال ریشم کی طرح ملائم تھے۔ بالوں کا جوڑا بنا کر ہیئر پن لگائی۔ اس نے دوپٹہ اچھی طرح سر پر جمایا۔

''کیا ضرورت تھی مجھے بغیر ڈوپٹے کے کمرے سے نکلنے کی۔'' ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے اس نے خود کو کوسا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"یہ شارق بھائی بھی کتنے عجیب ہیں۔ پہلے کبھی کوئی تعلق نہیں تھا..... نہ ملنا، نہ ملانا، نہ ہنسنا، نہ بولنا اور کیسے ایک دم بدلنے لگے ہیں اور وہ دیکھتے کیسے ہیں۔ پہلے تو کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا اتنے تو آدم بیزار تھے مگر اب..... ایک دفعہ نظر اٹھے تو جھکتی نہیں ہے..... اب بھی کیسے منہ پھاڑ کے دیکھ رہے تھے۔ جیسے پہلی دفعہ دیکھ رہے ہوں۔"

شارق زمان کی نگاہوں سے اسے الجھن سی ابھی تک محسوس ہو رہی تھی، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی بھی ان کی نگاہیں اس کے وجود کا طواف کر رہی ہوں۔ کو[illegible] حال تھا۔

"نویرہ بیٹا کہاں ہو؟" کمرے سے باہر اماں کی پکار سنائی دی تو وہ اپنے خیالوں سے چونکی۔

"جی اماں....." وہ ایک دم دروازے میں آئی۔

"شارق اور نواز آئے بیٹھے ہیں..... کھانے پینے کے لیے کچھ لاؤ۔" انہوں نے کہا تو اس نے سر ہلایا لیکن چہرے کی الجھن رفع نہ ہوئی۔

"یہ دونوں کیوں آئے ہیں..... خیریت ہے ناں....." نواز تو خیر منگنی کے بعد دوسری دفعہ ان کے گھر آیا تھا لیکن شارق زمان بھی منگنی والے دن ہی مہمان بن کر آیا تھا۔

"کہہ رہے تھے کہ نبیل نے دونوں کو بلوایا ہے۔ شاید کوئی کاروباری کام ہے بس نبیل بھی پہنچ رہا ہوگا۔ کھانے کے لیے میں نے پوچھا ہے منع کر رہے ہیں۔ چائے وغیرہ لے آؤ میں ادھر ہی ہوں....." اماں جلدی سے ہدایت دیتی پلٹ گئیں۔

کچن میں آ کر اس نے چائے کا برتن رکھا فریج میں کافی کچھ محفوظ تھا۔ دوپہر میں ہی اس نے کباب بنائے تھے۔ سموسے بھی تھے۔ اس کے علاوہ کیک اور کٹلس بھی تھے۔ سب کچھ نکال کر اس نے اوون میں گرم کیا۔ نمکو بسکٹ، کیک، کباب، سموسے اور کٹلس وغیرہ سے ٹیبل ٹرالی سجا کر وہ چائے کی طرف پلٹی جو ان کو گرم کرنے کے دوران بنا چکی تھی۔ ٹرالی سلیقے اور طریقے سے سجا کر وہ ادھر ہی چلی آئی۔

دونوں اماں سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو گفتگو کا تسلسل ٹوٹا۔ چائے بنا کر اس نے باری باری دونوں کو دی۔

"شکریہ..... شارق نے تو یونہی کپ تھام لیا جب کہ نواز نے شکریہ کہا۔

"نویرہ! پتا تو کرو نبیل کب تک آ جائے گا۔" اماں کو چائے کا کپ تھمایا تو انہوں نے کہا وہ سر ہلا کر ٹیلی فون اسٹینڈ کی طرف چلی آئی۔

شارق زمان نے دیکھا۔ وہ نمبر ملا رہی تھی۔ سروقد، مناسب سراپا، خوبصورت، دلکش خدوخال تھے۔

سلیقے سے اچھی طرح سر پر دوپٹہ جمایا ہوا تھا۔

مکمل دھیان و توجہ سے وہ نمبر ملا رہی تھی۔

شارق زمان غیر اختیاری کیفیت سے لاشعوری طور پر اسے دیکھے گیا۔

کال مل گئی تھی وہ دھیمے لب و لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"آپ کب پہنچ رہے ہیں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ شارق زمان کا پورا وجود کان بن گیا۔

"جی..... دونوں ہی ہیں۔ جی..... چائے دی ہے میں نے..... جی..... اماں پاس ہی ہیں..... اچھا جلدی آئیں۔" یکطرفہ گفتگو شارق زمان نے بغور سنی تھی۔ نواز اماں سے باتوں میں مصروف تھا جب کہ اس کی پوری توجہ اس وجود کی طرف تھی۔ ریسیور رکھ کر وہ پلٹی تو سیدھی نظر شارق زمان کی اٹھی نظروں سے جا ٹکرائی۔ شارق زمان کی آنکھوں میں سلگتی، مچلتی ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ وہ لق دق رہ گئی۔ ایک نگاہ نظریں ہٹا کر دوبارہ سے دیکھا تو وہ اسی طرح ہی متوجہ تھا۔ انتہائی ریلیکس موڈ میں بایاں بازو صوفے کی پشت پر پھیلائے دائیں ہاتھ میں چائے کا مگ تھامے۔ نویرہ ایک دفعہ پھر سلگ اٹھی۔

گرین لباس میں اس کی خوبصورت رنگت بہت نمایاں تھی بلکہ کندن کی طرح دمک رہی تھی۔ اس نے انتہائی ناگواری سے شارق زمان کی نگاہوں میں دیکھا۔ نویرہ کی آنکھوں کی برہمی بہت نمایاں تھی۔ شارق زمان نگاہ پھیر گیا۔ شارق زمان کے نگاہ پھیر لینے پر وہ مزید الجھی۔

"یہ شارق بھائی ایسی حرکتیں کیوں کر رہے ہیں..... ہوسکتا ہے یہ ان کا نارمل انداز ہو۔ میری ہی چھٹی حس غلط سمجھ رہی ہو۔" وہ الجھ کر خود کو ہی موردِ الزام ٹھہرا گئی۔

"اماں! نبیل بھائی بس پانچ منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔" اس نے اماں کو بتایا تھا۔ اماں نے سر ہلایا۔ یقیناً نواز کی موجودگی میں نویرہ کا اب بھلا کیا کام تھا۔ وہ باہر کی طرف لپکی۔

"بیٹھو نویرہ۔" شارق زمان اسے باہر نکلتے دیکھ کر ایک دم کہہ اٹھا۔ وہ چونک کر رکی۔

"نہیں شارق بھائی..... مجھے کچن میں کچھ کام ہے۔ آپ پلیز اماں سے باتیں کریں۔"

شارق کا یوں روکنا اسے حقیقت میں ناگوار گزرا تھا۔ تاہم لہجے پر قابو پا کر اس نے وہاں موجود سائیڈ تپائی پر رکھی دال کی ٹرے اٹھا کر کچن میں چلی آئی۔

"شارق بھائی کی ان حرکتوں کا کیا مطلب ہے؟ آخر وہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" ٹرے سلیب پر پٹختے وہ کتنی دیر تک ساکت کھڑی رہی۔

"آخر مجھے شارق بھائی کی نظروں کی ناگواری بار بار اتنی شدت سے کیوں محسوس ہو رہی ہے۔"

وہ اب سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔

وہ گزشتہ تمام ملاقاتیں یاد کرنے لگی۔ یہ ملاقات سلام دعا سے زیادہ نہ تھی۔ ایک ادھ نظر کے تبادلے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی لیے تو وہ لاشعوری طور پر شارق زمان کی کم گو شخصیت سے متاثر تھی۔ ان کے اندر کی تلخی کا راز جاننے کی جستجو سینے میں اکثر سر اٹھاتی تھی۔ ابھی کل کی ہی تو بات تھی کہ جب اس کے دل میں شارق زمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے کی خواہش بھی ابھری تھی۔ اپنی خوشیاں اسے دیکھ کر اس کے دکھ لے کر مگر اب.....

"ہوسکتا ہے میرا وہم ہو..... جس بات سے مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے ہوسکتا ہے وہ ان کی عادت ہو۔ میں کون سا ان کو بہت گہرائی سے جانتی ہوں۔" اس نے پھر کوئی توجیہ نکال لی۔

تھوڑی دیر میں نبیل بھائی بھی پہنچ گئے۔ وہ ان دونوں کو لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور اماں کچن میں چلی آئیں۔

PDFSTORE.BLOGSPOT.COM

"تم کھانے پینے کا بندوبست کرو..... ہوسکتا ہے نبیل انہیں کھانے پر روک لے۔"

"پھر تو دال چاول نہیں پکاؤں، کوئی اور چیز بنالیتی ہوں۔"

"ہوں یہ بھی اچھا ہے ساتھ میں دال چاول بھی پکالو۔ صبح نبیل خاص طور پر کہہ کر گیا تھا کہ کتنے دن ہوگئے ہیں دال چاول کھائے ہوئے۔" اماں نے کہا تو وہ سر ہلا کر فریج کی طرف بڑھی۔

فریج میں چکن بھی تھا اور چھوٹا گوشت بھی۔ وہ سوچنے لگی کہ تھوڑے سے وقت میں آرام سے کون سی چیز بن سکتی ہے پھر کچھ سوچ کر اس نے دونوں گوشت نکال لیے۔ دال گوشت کے ساتھ اس نے روٹیاں بنالیں البتہ چکن پلاؤ ساتھ ضرور بنایا تھا۔ سلاد رائتہ میٹھے میں کسٹرڈ بنالیا۔ جلدی میں وہ صرف یہی کرسکتی تھی۔

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ کھانا ٹیبل پر لگا کر اس نے اماں کو اندر بھیجا تاکہ وہ ان کو کھانے پر بلا لائیں۔ وہ پانی کا جگ بھر کر ٹیبل پر لائی جب اماں کے ساتھ وہ تینوں آگئے۔

"اتنا اہتمام..... ہم مہمان تھوڑی ہیں..... آپ نے تو چچی اماں تکلف کر ڈالا۔" نواز ٹیبل دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ اماں ہنس دیں۔

"ابھی کہاں اہتمام کیا۔ نویرہ جلدی میں صرف یہی بنا سکی۔" وہ ایک طرف کھڑی اماں کی بات پر مسکرادی۔ وہ لوگ بیٹھ گئے۔

"چکن پلاؤ و دال گوشت۔ زبردست مزہ آگیا۔" دال چاول کے ساتھ گوشت نبیل بھائی کی محبوب غذا تھی۔ ڈونگے سے ڈھکن اٹھا کر وہ خوش ہو رہے تھے۔

"ہماری نویرہ سے اچھا دال گوشت و چکن پلاؤ کوئی اور بنا ہی نہیں سکتا۔" نبیل باری باری شارق اور نواز کے لیے کھانا نکالتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"آؤ نویرہ ادھر کیوں کھڑی ہو۔ بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔" ایک تو نواز فاروق کی موجودگی پھر شارق کی وجہ سے وہ انکار کرگئی۔

"میں کھا چکی ہوں..... پلیز آپ لوگ کھائیں....." اس نے سلیقے سے معذرت کی۔

شارق زمان نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"تم ہمارے ساتھ کھانا نہیں چاہتیں یا پھر نواز کی موجودگی میں پرہیز کر رہی ہو۔" بظاہر مذاق تھا جیسا کوئی بھی کزن ازراہِ تفنن کرتا ہے مگر نویرہ کو اماں اور نبیل بھائی کی موجودگی میں بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اسے کچھ تو کہنا ہی تھا نواز اس کی طرف دیکھ کر مسکرادیا۔

"ہمارے بزرگوں کا ادب و لحاظ رکھنے والے ہیں۔ چاہے وہ نواز ہو یا پھر نویرہ۔ چچازاد ہونے کی حیثیت سے بھی ایک اٹوٹ تعلق ہے مگر جو نیا تعلق بنا ہے وہ اپنی جگہ مسلّم ہے۔" اماں نے بھی شارق کی بات کا جواب دیا تھا۔

وہ ایک لحظہ کو لاجواب ہوگیا۔

"پھر تو دونوں کو پردے میں بٹھا دینا چاہیے آپ کو۔" مسکرا کر وہ پھر کہہ رہا تھا۔ اماں کے ساتھ نبیل بھی ہنس دیا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں..... منگیتر سے بڑھ کر یہ دونوں کزن ہیں..... اب ہمارا خاندان اتنا دقیانوسی بھی نہیں کہ یوں پابندیاں لگائے جس سے بے جا حبس کا احساس ہو۔" نبیل بھائی نے شارق کو تفصیلی جواب دیا۔

"تو پھر نویرہ کو یہیں بیٹھ کر ہمارے ساتھ کھانا کھانا چاہیے۔ چچی اماں اور نبیل کو کوئی اعتراض نہیں۔" شارق نے خود ہی کہا تھا اماں اور نبیل بھائی خاموش رہے۔

نویرہ کو شارق کا یہ رویّہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔

"بات اعتراض کی نہیں۔ بات شرم و حیا اور رکھ رکھاؤ کی ہے۔ پلیز آپ لوگ تکلف مت کریں۔ اماں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے لیجیے گا۔" شارق کو جواب دے کر اس نے اماں کو بھی کہا اور پھر وہاں سے نکل گئی۔

نواز نے معنی خیز انداز میں شارق زمان کو آنکھوں ہی آنکھوں میں تاڑا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔

"اسے کہتے ہیں شرم و حیا اور رکھ رکھاؤ۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھرک رہی تھی۔ شارق نے سر جھٹکا۔

"واقعی شرم و حیا اور رکھ رکھاؤ یہی ہے۔" کھانا کھاتے ہوئے وہ مسلسل اسی بارے میں سوچ رہا تھا۔

✿.....✿.....✿

کالج سے واپسی پر علی اسے گھر لے جانے کے بجائے پھپھو کے ہاں لے آیا۔ اس نے بہت منع کیا، امی کی ناراضی کا ڈراوا بھی دیا لیکن وہ بھی اپنی من مانی کر کے ہی رہا۔ فرح پھپھو کے ہاں آکر بھی وہ امی کی ناراضی کے خوف سے ہولتی رہی۔

انکل اور وقار بھائی تو آفس میں تھے۔ ہادی آپی اور پھپھو کے علاوہ ستارہ باجی بھی تھیں جو آج ہی میکے آئی تھیں۔ پھپھو اسے اتنے عرصے بعد اپنے گھر میں دیکھ کر بہت خوش تھیں۔ اس کی خوب آؤ بھگت ہو رہی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے علی کو واپس چلنے کا کہا تو پھپھو نے سختی سے منع کر دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں اتنی جلدی جانے کی۔ تین مہینے بعد تم یہاں آئی ہو اور اتنی جلدی جانے کے لیے بھی تیار ہوگئی ہو۔" فرح نے بے چارگی سے پھپھو کو دیکھا۔ امی کا خوف نہ ہوتا تو ضرور رکتی مگر اب وہ کیا بتاتی کہ امی، پھپھو اور ان کی فیملی سے کتنا خار کھاتی ہیں۔

"آپ کو بتایا تو ہے کہ یہ علی کا بچہ مجھے سیدھا کالج سے یہاں لایا ہے۔ امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ تیسرا گھنٹہ چل رہا ہے۔" علی کی طرف شکایتی انداز سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا تو پھپھو نے ایک دم علی کی طرف رخ کیا۔

"علی تم گھر چلے جاؤ، فرح آج یہیں رہے گی، میں سعید سے فون پر بات کرلوں گی۔ کل تمہارے پھوپا یا وقار کوئی چھوڑ آئے گا۔" انہوں نے فوراً ہی اس مسئلے کا حل نکال لیا۔ ستارہ اور ہادی آپا خاموشی

POKSTUFF.BLOGSPOT.COM

سے مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ فرح تو پھپھو کے اس نئے آرڈر پر بھونچکا سی رہ گئی۔

''نہیں پھپھو..... پھر کسی دن آ جاؤں گی۔ آج نہیں۔ یوں بغیر بتائے چلے آنے پر امی بہت خفا ہوں گی اور مزید رکنے پر نہ..... بابا..... نہ.....'' اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

''ہادی مجھے موبائل دو میں خود طاہرہ سے بات کر لیتی ہوں کہ فرح آج یہیں رکے گی۔'' انہوں نے نیا حکم دیا تو فرح علی کو دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ ہادی آپا نے موبائل میں نمبرز ڈائل کر کے پھپھو کو تھمایا تو فرح خاموشی سے دیکھنے لگی۔ امی پھپھو اور ان کی فیملی کو سخت ناپسند کرتی تھیں اور فرح کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ اگر وہ یہاں رک گئی تو امی کا موڈ سخت خراب ہو جائے گا لیکن پھپھو سے بحث کون کرے۔

''وعلیکم السلام..... کیسے ہو سمعان بیٹے؟'' سمعان بھائی کا نام سن کر فرح حیران ہو گئی کہ وہ تو اس وقت آفس میں ہوتے ہیں لیکن آج گھر پر تھے۔

''الحمدللہ..... میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں..... تم سناؤ طاہرہ کہاں ہے؟'' وہ پوچھ رہی تھیں اور فرح خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ارے..... اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے۔ فرح اور علی ادھر ہیں میرے ہاں۔ بچے ہیں خیال نہیں رہا کہ پہلے فون کرتے..... فرح تو ابھی بھی پریشان ہو رہی ہے، یہ لو خود بات کر لو۔'' انہوں نے موبائل فرح کو تھما دیا۔

''السلام علیکم بھائی.....'' پھپھو کی یکطرفہ گفتگو سے وہ کچھ نہ کچھ تو سمجھ گئی تھی۔

''میں نے علی کو منع بھی کیا تھا..... وہ مان ہی نہیں رہا تھا۔ میں نے اسے کہا بھی تھا کہ امی کو کم از کم فون کر کے اطلاع ہی دے دے لیکن کہہ رہا تھا کہ امی سے جوتے کھانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں۔'' فرح نے جوں کے توں علی کے الفاظ سمعان کو پہنچائے۔

''پھپھو نہیں آنے دے رہیں..... کہہ رہی ہیں آج یہیں رکوں۔'' اس نے پھپھو کی طرف دیکھا وہ اس کی طرف ہی متوجہ تھیں، فوراً موبائل اس سے لے لیا۔

''فرح یہاں رکے گی علی کو بھیج دیتی ہوں۔ اتنے عرصے بعد اگر غلطی سے وہ آ گئی ہے تو کیا ہوا۔ اس میں نے کہہ دیا ہے کل تمہارے پھوپا یا وقار چھوڑ آئیں گے..... بیگ اس کے پاس ہے یونیفارم بھی ہے یہیں سے کالج چلی جائے گی۔''

''اگر..... مگر..... کچھ نہیں..... میں نے طاہرہ کو اطلاع دینے کے لیے کال کی تھی۔ خیر وہ بات نہیں کرنا چاہتی تو اور بات ہے تم اسے اطلاع دے دو..... اچھا ٹھیک ہے، اللہ حافظ۔'' پھپھو نے موبائل بند کر کے ہادی آپا کو تھماتے ہوئے فرح کو دیکھا۔

''سمعان کو کہہ دیا ہے میں نے، تم آج یہیں رہو گی۔ طاہرہ سے وہ خود ہی بات کر لے گا۔ اب آرام سے بیٹھو۔ تمہارا اپنا گھر ہے۔ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو۔'' پھپھو کی بات پر وہ کچھ پرسکون ہو گئی۔ اسے پتا تھا اب سمعان بھائی امی کو سمجھا لیں گے۔

''پھر پھپھو میں جاؤں۔'' علی نے پوچھا تو پھپھو نے سر ہلا دیا۔

''علی تو ہر ہفتے ایک چکر لگا لیتا ہے لیکن تمہیں تو مہینوں گزر جاتے ہیں یہاں قدم رکھے۔ ہر بار میں تایا ابو اور سمعان کو کہتی ہوں تمہیں بھی ساتھ لائیں مگر نہ جی۔ اب علی کو میں نے کہا تھا، شکر ہے آج اسے خیال آ ہی گیا۔'' ہادی آپا نے کہا تو وہ ہنس دی۔ وہ اچھی طرح سے علی کی چالاکی سمجھ گئی تھی۔

علی کے چلے جانے کے بعد وہ کچھ دیر پھپھو کے ساتھ باتیں کرتی رہی پھر پھپھو لیٹنے چلی گئیں تو وہ ستارہ باجی کے ساتھ ان کے کمرے میں آ گئی۔

''پچھلے ہفتے اتوار کو ہم سب چھوٹے ماموں کے ہاں گئے تھے۔ انہوں نے کھانے پر انوائٹ کیا تھا۔ نوشین تو شرمائی لجائی رہی لیکن زرش نے خوب نوشین کا ریکارڈ لگایا۔'' ستارہ باجی مسکرا کر بتا رہی تھیں۔ جب اچانک چلتے چلتے وہ ان کی اسٹڈی ٹیبل کے قریب آ کر رک گئی۔ شادی سے پہلے بھی ستارہ کا کمرہ ایسے ہی تھا اور اب بھی۔ ستارہ سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ شادی کے بعد سسرال کی بھی لاڈلی بن گئی تھی۔ وہ ان کی اسٹڈی ٹیبل پر پڑی کتابیں کھنگال رہی تھی کہ کتاب میں سے ایک صفحہ نکل کر ٹیبل پر گر گیا۔ جیسے ہی فرح نے وہ پیج اٹھایا تو ستارہ نے پیچھے سے جھانک کر کہا۔

''کیا دیکھ رہی ہو۔''

''کچھ نہیں..... کتابیں دیکھ رہی تھی۔ آپ کے پاس شاعری کا اچھا خاصہ مجموعہ ہے۔'' وہ صفحے کی تہیں کھول ہی رہی تھی کہ اچانک ستارہ نے اس کے ہاتھ سے صفحہ کھینچ لیا۔

''یہ بہت خاص صفحہ ہے۔ تمہارا دیکھنا منع ہے؟ انہوں نے ایک دم صفحہ اپنی مٹھی میں بھینچ لیا۔ فرح نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''کیوں.....'' ایسی بھی اس میں کیا بات ہے جو میں نہیں دیکھ سکتی؟'' فرح کو ستارہ کی حرکت سے تجسس ہوا۔ شرارتاً چھیڑا تو وہ ہنس دی۔

''بہت خاص بات ہے۔'' کچھ ہجر کی کہانی ماہتاب کی زبانی ہے۔'' تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔'' وہ اسے شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ہوسکتا ہے قادر بھائی سے متعلق کوئی سیکرٹ ہو۔ اس نے سوچا۔ ستارہ کی ایک شاعری کی ڈائری اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی۔ اچانک اس کا ذہن الجھ گیا۔

''یہ رائٹنگ.....'' اسے یاد کر کے بھی کچھ یاد نہ آیا۔

''ستارہ آپی! آپ کی لکھائی تو بہت پیاری ہے۔ جیسے صفحے پر موتی پرویا ہوا ہو۔''

''ہوں..... سعد بھی یہی کہتا ہے بلکہ اسے تو میری رائٹنگ اتنی پسند ہے کہ جب بھی میں اسے خط لکھتی ہوں تو جواباً میری رائٹنگ کی تعریف میں خط لکھنا نہیں بھولتا اور اس کے تعریفی خطوط پڑھ کر قادر بہت ہنستے ہیں۔ قادر کی لکھائی اتنی صاف نہیں ہے۔ وہ بھی میری رائٹنگ کو بہت پسند کرتے ہیں۔''

''سعد بھائی کب تک واپس لوٹیں گے.....'' کتابیں چھوڑ کر وہ بستر پر آ بیٹھی۔ ستارہ بھی اس کے قریب چلی آئی۔

BOOKSLIFE.BLOGSPOT.COM

"امی کہتی ہیں جلدی آ جائیں لیکن بھائی کا ارادہ ابھی چند ماہ اور وہاں رکنے کا ہے۔ وہ وہاں مزید کچھ پریکٹس کرنے کے موڈ میں ہیں۔"

"ذوباریہ بھابی کے علاوہ یہ دوسرا بندہ ہوگا جو ہمارے خاندان میں ڈاکٹر ہوگا۔" ستارہ نے سر ہلایا۔

"اور وہ بھی ہارٹ اسپیشلسٹ۔" ستارہ کے لہجے میں اپنے ذہین ترین بھائی کے لیے فخر اور مان تھا۔

"آپ کی اور سعد بھائی کی بہت زیادہ انڈراسٹینڈنگ ہے۔ ہیں ناں....."

"ہوں.....قادر بھی یہی کہتے ہیں۔ میں ہر وقت سعد بھائی.....سعد بھائی کرتی رہتی ہوں تو اکثر وہ جھنجلا بھی جاتے ہیں۔ جب بھی سعد کا فون آتا ہے تو اس سے میری بہت شکایتیں کرتے ہیں۔" فرح مسکرا کر دیکھنے لگی تو اچانک ستارہ کو کچھ یاد آ گیا۔

"ارے ہاں سعد بھائی نے اپنی تصویریں بھیجی ہیں دیکھو گی....." اس نے سر ہلایا تو وہ بیگ سے موبائل نکال لائی۔ "ڈاکٹر سعد جمال" کی ڈھیروں تصویریں تھیں۔ ہر تصویر میں اس کی وجاہت و شخصیت کا وقار بھرپور تاثر چھوڑ رہا تھا۔

"زبردست.....سعد بھائی تو بڑے ہینڈسم ہوگئے ہیں۔ آپ کے موبائل کا رزلٹ بھی بہت اچھا ہے۔ ہر تصویر اتنی کلیئر ہے کہ حد نہیں۔"

"میری تقریباً روز ایک گھنٹہ سعد سے چیٹنگ ہوتی ہے۔ کبھی کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے کال بھی کرتے ہیں۔ کچن میں چائے بناتے۔ اسٹڈی کرتے بہت اچھے لگتے ہیں۔" ستارہ سعد کی تعریفوں میں مصروف ہو چکی تھی۔ فرح مسکراتی رہی۔

اس کی جب بھی ستارہ سے ملاقات ہوتی تھی ہر بار ان کا موضوع گفتگو صرف سعد جمال کی ذات ہوا کرتی تھی۔ سعد یہ ہے' وہ ہے' یہ کرتا ہے' وہ کرتا ہے۔ اب سعد ایسا ہو گیا۔ آج کل سیر کے لیے فلاں جگہ گیا ہوا ہے۔ اس بات سے وہ یہ اندازہ لگا سکی کہ ستارہ کی سعد کے ساتھ اس قدر انڈراسٹینڈنگ ہے کہ اس کی گفتگو کسی اور موضوع کی طرف جا ہی نہیں سکتی۔

"میں بھائی کو بتاؤں گی کہ تم نے انہیں ہینڈسم کا لقب دیا ہے۔ اپنی تعریف سن کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ ابھی میں انہیں SMS کرتی ہوں کیسے فوراً ری پلے کرتے ہیں۔"

ستارہ شادی کے بعد بھی نہیں بدلی تھی۔ اسی طرح کھلکھلاتی، مسکراتی لاابالی پن کا مظاہرہ کرتی رہتی تھی۔ ستارہ کی انگلیاں تیزی سے ایس ایم ایس لکھ رہی تھیں۔ فرح بستر پر بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

"میں نے ایس ایم ایس سینڈ کر دیا ہے، دیکھنا کیسے ری پلے کرتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر فرح کے صاف و شفاف چہرے کو دیکھا۔ جس پر بڑی متانت بھری مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔

"کیا لکھا ہے؟" فرح نے پوچھا۔

"جو بھی لکھا وہ جانے دو بس دیکھو میسج پڑھتے ہی کال کیسے آتی ہے۔" ابھی ستارہ کے الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ موبائل ٹون بجنے لگی۔

"دیکھو آ گئی کال.....بڑی کوئیک سروس ہے سعد بھائی کی۔" فرح کھلکھلا کر ہنس گئی۔ "سعد بھائی

ہیں....." ستارہ نے فوراً کال ریسیو کی۔

"وعلیکم السلام۔" ستارہ کے لہجے میں ہی کیا آنکھوں میں بھی ایک پراسراری چمک تھی۔

"ابھی فرح کہہ رہی تھی کہ بڑی کوئیک سروس ہے سعد بھائی کی....." ہنستے ہوئے ستارہ نے اس کا حوالہ دیا تو فرح جھینپ سی گئی۔

"بات کرواؤں.....؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔ فرح نے ایک دم نفی میں سر ہلایا۔

سمعان بھائی اور ابو کے پاس اکثر سعد کی کالز آتی رہتی تھیں۔ جب سے وہ گیا تھا شاید ہی فرح کی کبھی بات ہوئی ہو۔ ایک جھجک سی تھی۔

"فرح انکار کر رہی ہے۔" ستارہ نے اس کا انکار سعد تک پہنچا دیا۔ لہجے میں اب بھی شرارت تھی۔

"اچھا.....دھمکیاں تو مت دو کرواتی ہوں۔" ستارہ نے موبائل اس کی طرف بڑھایا تو فرح نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر انکار کر دیا۔

"مجھے نہیں کرنی کوئی بات وات۔" اس نے بدستور سر نفی میں ہلایا۔

"کر لو کچھ نہیں ہوتا۔" ستارہ نے اس کے کان سے موبائل لگا دیا۔ مجبوراً فرح کو بات کرنا پڑی۔

"السلام علیکم۔" اس کی نگاہ ستارہ کی مسکراہٹ پر تھی وہ کچھ پزل سی ہو رہی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" دوسری طرف سے سعد کی بڑی پرجوش بھاری آواز سنائی دی۔ "کیسی ہو؟"

"جی ٹھیک ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔ ستارہ ابھی بھی اس کے پاس بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

"آج تم ہمارے ہاں کیسے آ گئیں.....میں نے تو سنا ہے تمہیں ہمارے ہاں آنا سخت برا لگتا ہے۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں.....بس فرصت ہی نہیں ملتی۔" پزل تو وہ اب بھی ہو رہی تھی مگر بات کرتے ہوئے پراعتماد بھی تھی۔ سعد جمال اس کا سگا پھوپی زاد تھا کوئی غیر تھوڑی تھا۔ یہی اعتماد کافی تھا۔

"یوں کہو ممانی جان کا ڈر ہے جو تمہیں آنے سے روکتا ہے۔" فرح چپ رہی۔ "اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟"

"بہت اچھی....." اس نے مختصراً کہا پھر اس سے پہلے کہ سعد کچھ اور کہتا اس نے موبائل ستارہ کو تھما دیا اور خود اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"ہیلو.....ہاں سعد میں ہوں ستارہ.....میں کیا جانوں؟ میں نے تو بات کروائی ہے اب وہ بات نہیں کرنا چاہتی تو میرا کیا قصور۔" ستارہ کہہ رہی تھی۔ فرح نے کھڑکی کھول دی۔

"اوکے دیکھوں گی.....تم نے ذمہ داری ہی ایسی کندھوں پر ڈالی ہوئی ہے اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ ٹھیک ہے پھر بات ہوگی.....نہیں آج رات نہیں.....ہاں ٹھیک ہے کل ہوگی۔ اچھا بابا.....میں ایم ایم ایس کر دوں گی۔ اب خوش.....اوکے اپنا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ....."

باہر دیکھتے ہوئے بھی فرح کی توجہ ستارہ کی گفتگو پر تھی۔ اس نے موبائل بستر پر پھینک کر فرح کو دیکھا۔

"تم نے سعد سے بات کیوں نہیں کی.....؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ فرح نے پلٹ کر دیکھا۔

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

"کی تو ہے۔"

"خاک کی ہے.....سلام دعا۔بس حال چال۔ بے چارے نے اتنی دور سے کال کی تھی اور تم بھی ناں۔" فرح کھڑکی سے ہٹ کر دوبارہ ستارہ کے پاس آ بیٹھی۔

"آپ سب کو پتا ہے میں اپنے بھائیوں کے علاوہ دیگر لڑکوں حتیٰ کہ کزنز تک سے بھی برائے نام گفتگو کرتی ہوں چاہے وہ ماموں زاد ہوں یا خالہ زاد.....آپ لوگوں کی تو بات ہی اور ہے۔کبھی کبھار سعد بھائی کی کال سمعان بھائی کے پاس آئے تو وہ بات کروا دیتے ہیں۔تب بھی میں اتنی ہی گفتگو کرتی ہوں۔" اس نے رسان سے جواب دیا تو ستارہ مسکرا دی۔

"چلو جانے دو....." ستارہ نے دوبارہ موبائل اٹھا لیا۔

"میرا آج رات یہیں ٹھہرنے کا پروگرام ہے۔ قادر سے کہہ چکی ہوں۔ دونوں مل کر خوب باتیں کریں گی۔" وہ موبائل سے اپنی تصویر بنا رہی تھی۔ساتھ ساتھ زبان بھی چل رہی تھی۔

"تمہاری تصویر بناؤں؟" ستارہ نے کیمرے میں اس کو فوکس کیا تو فرح جھینپی۔

"اچھی نہیں آئے گی۔" اس نے عذر تراشا۔

"فکر مت کرو.....میرے موبائل کیمرے کا رزلٹ بہت اچھا ہے۔" ستارہ نے تصویر بنالی تو فرح نے دیکھا تصویر واقعی بہت اچھی آئی ہے۔انتہائی کلیئر و شفاف۔"

"زبردست....." وہ سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

"سفید یونیفارم میں عموماً تصویر کلیئر نہیں آتی لیکن واقعی آپ کے کیمرے کا رزلٹ بہت اچھا ہے۔" ستارہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر چند بٹن اور دبائے تھے۔فرح صرف اس کی تیزی سے چلتی انگلیاں دیکھتی رہی پھر یکدم وہ مسکرانے لگی تو فرح جو ستارہ کو بغور دیکھ رہی تھی حیران ہوگئی۔

"کیا ہوا.....؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.....سیکرٹ ہے.....کبھی موقع ملا تو بتاؤں گی۔ چلو باہر چلتے ہیں، ہادی بھائی کو دیکھتے ہیں کیا کر رہی ہیں....." موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔فرح کو ستارہ کی پراسرار مسکراہٹ کچھ عجیب سی محسوس ہوئی پھر سر جھٹک کر وہ بھی اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

یہاں لاہور میں موسم کیا بدلا سارا شیڈول بدلتا چلا گیا۔نومبر کے مہینے کا آخر چل رہا تھا۔سردی میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔نویرہ کی روٹین بھی اسی طرح بدلتی جا رہی تھی۔سردیوں کے لیے لحاف نکالنا ان کے گھرانے کی مخصوص تیاریاں تھیں۔ نئے سرے سے سارے گھر کی ترتیب بدلی جاتی۔اس سارے عمل میں وہ اور بھابی گھن چکر بن کر رہ گئی تھیں۔ اللہ اللہ کر کے ان کا کام ختم ہوا تو نویرہ نے سلائی مشین پکڑ لی۔ بھابی اور وہ سردیوں کی شاپنگ کر کے لائی تھیں۔نبیل بھائی کے ملبوسات ریڈی میڈ ہی تھے۔ایک دو سوٹ سلوانے والے تھے جو انہوں نے اپنے درزی کو دے دیے تھے۔البتہ باقی سب کے کپڑوں، کی سلائی کی ذمہ داری نویرہ کے ذمے تھی۔سب کے دو دو سوٹ تھے۔سب سے پہلے اس نے اماں کے کپڑے سیے۔ ایک دن میں ہی کام ختم ہو گیا۔ اگلے دن اس نے بھابی کے کپڑوں کی کٹنگ کی، اپنے اور گڑیا کے کپڑوں کے لیے اسے کچھ میٹریل خریدنا تھا۔اس نے بھابی کو کہا تو انہوں نے اسے رمشا کو فون کر کے بلوا کر ساتھ جانے کو کہا۔

"پتا نہیں وہ فارغ بھی ہوگی کہ نہیں....."

"تم فون کر کے دیکھ لو.....ہو سکتا ہے فارغ ہی ہو.....گڑیا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ورنہ میں خود ہی چلتی۔" گڑیا کو آج کچھ بخار تھا۔نویرہ نے فون کیا تو رمشا نے ہی ریسیو کیا۔سلام دعا کے فوراً بعد وہ مطلب پر آ گئی۔

رمشا مجھے بازار جانا ہے۔گڑیا کی طبیعت ٹھیک نہیں، بھابی نہیں جا رہیں تم اگر فارغ ہو تو رضا کے ساتھ چلی آؤ۔ دونوں مل کر چلتی ہیں۔"

"فارغ تو میں ہوں لیکن رضا.....اچھا آپ ایسا کریں میں رضا کو بتاتی ہوں کہ آپ کی کال ہے اسے کہیے گا تب ہی میں آ سکوں گی۔"

"ٹھیک ہے بلاؤ اسے میں خود بات کر لیتی ہوں۔" نویرہ نے کہا تو وہ ہولڈ کرنے کا کہہ کر چلی گئی۔

پانچ منٹ بعد رضا لائن پر آ گیا۔سلام دعا کے بعد جب نویرہ نے اسے رمشا کو ساتھ لانے کا کہا تو اس نے ایک دم انکار کر دیا۔

"آئی ایم سوری..... میں نہیں آ سکتا مجھے نواز بھائی کے پاس ان کی اکیڈمی جانا ہے۔"

صاف کہو.....تم رمشا کی وجہ سے انکار کر رہے ہو۔" رمشا سے اس کی بیزاری سارا خاندان ہی جانتا

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

تھا۔ یوں ایک دم رضا کے انکار کر دینے سے اس نے بھی کہہ دیا۔

"نہیں انکار تو نہیں ہے۔ یہ تو آپ رمشا سے بھی پوچھ لیں "نواز بھائی کی اکیڈمی جانے" کی سزا ابو کے ذریعے اس کی نافذ کردہ ہے۔ ذرا بھی تاخیر ہو جائے تو نواز بھائی فوراً ابو کو رپورٹ کر دیتے ہیں اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں ابو کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتا۔" اس کا لہجہ اگرچہ تلخ تھا مگر سچا تھا۔ نویرہ چپ ہو گئی۔

"ٹھیک ہے تم پانچ منٹ نکال کے اکیڈمی جاتے ہوئے رمشا کو ہمارے ہاں چھوڑ بھی تو سکتے ہو۔ ہم دونوں بآسانی جا سکتی ہیں۔ پلیز اچھے بھائی ہونا انکار نہیں کرنا۔ میرا آج بازار جانا بہت ضروری ہے ورنہ پھر کتنے دن لگ جائیں گے۔"

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مان گیا۔ وہ نویرہ کو انکار نہیں کر سکتا تھا یہ تو وہ بھی جانتی تھی۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد گیٹ پر رضا کی بائیک کا ہارن سنائی دینے لگا۔ اماں گیٹ کھولنے گئیں۔ رضا باہر سے چلا گیا البتہ رمشا ساتھ ضرور تھی۔

"تھینک گاڈ تم آئی ورنہ تو رضا سے کچھ بعید نہ تھا۔" رمشا سے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔ رمشا نے بغور دیکھا۔ اس دن رضا سے جھڑپ کے بعد اس کا دل نویرہ سے مزید اچاٹ ہو گیا تھا مگر۔

"ایسا بھی کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں ہے۔" وہ بغور جائزہ لے رہی تھی۔ رضا کے لیے اسے پانچ منٹ برداشت کرنا ناممکن تھا۔ کہاں وہ نویرہ کے کہنے پر اسے چھوڑنے چلا آیا تھا۔ وہ تو شکر تھا کہ وہ باہر سے چلا گیا ورنہ وہ ضرور کچھ الٹا سیدھا بولتی۔ رضا کی توجہ ایک منٹ بھی نویرہ کی طرف مبذول ہو اسے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا۔ نویرہ چادر اچھی طرح اپنے گرد لپیٹے، بیگ کندھے پر ڈالے تیار تھی۔

"کچھ کھاؤ پیو گی.....؟" بھابی نے پوچھا تو رمشا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"آؤ پھر چلتے ہیں۔ تین بج رہے ہیں بازار میں بھی کچھ وقت لگے گا۔ شام سے پہلے گھر بھی آنا ہے۔" نویرہ نے شاپنگ بیگ تھام لیا جس میں سوٹوں کی کترنیں اور کٹنگ پیس تھے جن پر چھپائی بھی کروانی تھی اور کچھ میچنگ کا میٹریل بھی خریدنا تھا۔

بازار پہنچ کر پہلے نویرہ نے کپڑوں پر چھپائی کروائی پھر متعلقہ میٹریل لیا جن میں نلکیاں، لیسیں، دھاگے وغیرہ شامل تھے۔ اس کے بعد اس نے چند اور ضروری میچنگ کی چیزیں لیں۔ ان سب میں انہیں دو گھنٹے لگ گئے۔

"مجھے اپنے کالج کی جرسی اور شال خریدنی ہے۔ ساتھ میں گھریلو استعمال کے ایک دو سوٹ لینے ہیں۔ مارکیٹ کے اندر چلتے ہیں۔ وہاں اچھی ورائٹی ملتی ہے۔" رمشا کی بات پر وہ دونوں مارکیٹ کے اندر آ گئی تھیں۔

اس نے اپنی خریداری کی۔ ایک جرسی کے بجائے دو جرسیاں لیں۔ شال کے علاوہ جوتے اور گھریلو سوٹ اور دیگر کاسمیٹکس کی روزمرہ کی اشیا لی تھیں۔

"یہاں سے کیا لینا ہے؟" نویرہ کا خیال تھا کہ وہ سب کچھ خرید چکی ہے لیکن اسے جینٹس کی دکان

میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ رک گئی۔

"آپ آئیں نا مجھے رضا کے لیے کچھ چیزیں لینی ہیں۔ پھپھو نے پیسے دیے تھے کہ لے آنا۔" اس نے رضا کے لیے تین شرٹس اور جینز لیں۔ اس کے علاوہ کفلنکس اور دو ٹائیوں کے ساتھ ٹائی پن بھی۔ وہاں ان کو کافی وقت لگا۔ رمشا کو کوئی بھی چیز پسند نہیں آ رہی تھی۔ اپنی شاپنگ اس نے منٹوں میں کی تھی لیکن رضا کے لیے ہر چیز وہ دیکھ بھال کر لے رہی تھی۔ اس کے ہر انداز میں رضا کے لیے بے پناہ محبت جھلک رہی تھی۔ نویرہ دل ہی دل میں متاثر ہوئی۔

سارا کچھ پیک کروا کر وہ دونوں وہاں سے نکل آئیں۔ رضا کے لیے رمشا نے ہر چیز اپنی پسند سے لی تھی۔ بعض چیزوں کے لیے نویرہ نے مشورہ بھی دیا تو پسند آنے کے باوجود رمشا نے وہ چیزیں نہیں لی تھیں۔ یہ بات نویرہ نے بھی محسوس کی تھی مگر اس نے ٹوکا نہیں تھا کہ ان معاملات میں بعض لڑکیاں حد سے زیادہ جذباتی ہوتی ہیں اور رمشا کی رضا سے نسبت اور محبت سارا خاندان جانتا تھا۔

"بہت لکی ہے رضا جسے تم جیسی محبت کرنے والی لڑکی مل رہی ہے۔" ٹیکسی کی تلاش میں ادھر اُدھر دیکھتے نویرہ نے کہا۔ رمشا کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ آ ٹھہری۔ تلخی سے نویرہ کو دیکھا اور پھر سختی سے ہونٹوں کو بھینچ گئی مبادا کچھ تلخ نہ کہہ دے۔

"کاش یہ حقیقت رضا بھی جان لے۔ وہ سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ کاش میں اسے بتا سکتی۔" رمشا نے اپنے لب بھینچ لیے تھے۔ نویرہ نے بخوبی محسوس کیا کہ اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا لیکن.....

"رضا ابھی کم عمر اور جذباتی سا لڑکا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں ٹھہراؤ آ جائے گا۔ تم اس کے متعلق ٹینشن نہ لیا کرو۔ بہت سے لڑکے شروع میں اس طرح رشتہ طے ہو جانے پر شاکی ہوتے ہیں مگر پھر رفتہ رفتہ حقیقت کو قبول کر لیتے ہیں۔ وہ بھی کر لے گا....."

رمشا کے چہرے کی تلخی اور لب بھینچ لینے سے نویرہ یہی سمجھی کہ وہ ہرٹ ہوئی ہے اسی لیے اسے سمجھانے لگی۔

"ایک بات طے ہے نویرہ آپی! میرے اور رضا کے درمیان جس نے بھی آنے کی کوشش کی ناں تو میں اس کے ساتھ بہت برا کروں گی۔ میں کسی چیز پر صبر کر لینے والی لڑکی نہیں ہوں جو چیز میری ہے، وہ بس میری ہے۔ میں کسی دوسرے وجود کی مداخلت گوارا نہیں کروں گی۔ رضا جن خیالوں میں زندگی گزار رہا ہے اور جن آسمانوں پر اڑ رہا ہے اسے کہہ دیجیے گا اس سراب سے نکل آئے ورنہ منہ کے بل گرے گا۔" اس کی آواز رندھ گئی۔ نویرہ نے ایک گہری سانس لی۔ اسے رمشا پر ترس بھی آیا اور پیار بھی۔ تاہم اس نے کچھ بھی کہنے سے اجتناب کیا کہ اس کی مزید حوصلہ شکنی نہ ہو۔

سڑک پر کوئی سواری نہیں مل رہی تھی۔ مغرب کی اذان وہیں کھڑے کھڑے ہو گئی۔ آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلنے لگا تو نویرہ پریشان ہو گئی۔

"اف.....اتنی دیر ہو گئی.....نماز بھی قضا ہو گئی ہے.....اب نجانے کب سواری ملے گی"۔

BESTURDUNOVELS.COM

''یہاں سے تو شاید ممکن نہیں ہے۔ چلیں مین روڈ پر چلتے ہیں شاید کوئی سواری مل جائے۔'' رمشا کی بات پر اس نے سر ہلایا۔ تھوڑا تھوڑا کر کے بھی ان کے پاس کتنا سامان ہو گیا تھا۔ ابھی وہ دونوں مین روڈ پر پہنچی ہی تھیں کہ ایک گاڑی ان کے سامنے آ کر رکی۔

''تم دونوں یہاں اس وقت.....؟'' کھڑکی کے شیشے سے جھانکتے چہرے کو دیکھ کر دونوں ایک لمحے کو پزل ہوئیں پھر سنبھل بھی گئیں۔ یہاں شارق زمان کو دیکھ کر دونوں ہی حیران تھیں۔

''آپ.....'' وائٹ چادر میں نویرہ کا کچھ چہرہ چھپا ہوا تھا جب کہ رمشا کا چہرہ نمایاں نظر آ رہا تھا۔ شاید اسی لیے شارق زمان کے لیے انہیں پہچاننا آسان ہو گیا۔ ورنہ وہ اکیلی ہوتی تو وہ انہیں کبھی نہ پہچانتا۔

''ہوں..... یہاں کیوں کھڑی ہو، تم دونوں؟''

''ہم شاپنگ کے لیے آئی تھیں۔ سواری نہیں مل رہی تھی۔ اسی لیے یہاں آ گئے کہ شاید کوئی سواری مل جائے۔'' نویرہ خاموش رہی۔ رمشا نے ہی بتایا۔

''اکیلی آئی تھیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا رمشا نے سر ہلایا۔ ''آؤ بیٹھو..... میں ڈراپ کر دوں گا.....'' شارق نے رخ موڑ کر پچھلا دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی فرنٹ ڈور بھی۔

''تم آگے بیٹھ جاؤ میں پیچھے بیٹھ جاتی ہوں۔'' نویرہ نے رمشا کے ہاتھ سے سامان لے کر پچھلی سیٹ پر رکھ دیا اور خود بھی بیٹھ گئی۔ رمشا بھی اس کے ساتھ بیٹھنے لگی تو اس نے کہا۔ شارق زمان کا جو امیج خاندان بھر میں بنا ہوا تھا اسی بنا پر رمشا اس سے اچھا خاصا خوف کھاتی تھی لیکن اب ناچار اسے فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا ہی پڑا۔

سارا راستہ خاموشی میں گزرا۔ شارق نے گاڑی نویرہ کے گھر کے سامنے روکی تو رمشا فوراً باہر نکلی۔

''آپ اندر نہیں آئیں گے؟'' اسے باہر گاڑی کھڑی کرتے دیکھ کر نویرہ نے پوچھا۔ وہ اس سے مخاطب ہونا نہیں چاہتی تھی مگر رواداری بھی کسی چیز کا نام ہے۔

''آتا ہوں، تم دونوں چلو میں یہ سامان لے آتا ہوں.....'' اسے سامان سمیٹتے دیکھ کر شارق نے کہا تو وہ خاموشی سے رمشا کے ساتھ اندر چلی آئی۔ شارق جب سامان لے کر اندر آیا تو نویرہ دوپٹہ اوڑھ کر لاؤنج میں بیٹھی پانی پی رہی تھی۔

''السلام علیکم.....'' لاؤنج میں سبھی تھے۔ نبیل بھائی، اماں اور بھابی وغیرہ۔ شارق نے سب کو مشترکہ سلام کیا۔ اماں سے پیار اور نبیل سے مصافحہ کر کے اس نے سارے شاپرز ٹیبل پر ڈھیر کر دیے۔

''یہ تم دونوں کو کہاں مل گیا؟'' نبیل بھائی نے حیران ہوتے ہوئے نویرہ کو دیکھ کر پوچھا۔

''ہم واپس آ رہے تھے۔ سواری نہیں مل رہی تھی تبھی مین روڈ پر یہ مل گئے۔'' بھابی رمشا کو پانی کا گلاس تھما کر اماں کے پاس جا بیٹھیں۔

''میں تو آفس سے سیدھا گھر کی طرف جا رہا تھا تو رمشا پر نظر پڑ گئی۔ بغور دیکھا تو پتا چلا کہ نویرہ بھی ہے۔ گاڑی روک کر پوچھا تو معلوم ہوا سواری نہیں مل رہی۔''

شارق نبیل سے باتوں میں مصروف ہو چکا تھا۔ وہ کچن میں چلی آئی۔ جلدی سے اس نے شارق کے لیے ایک گلاس اورنج شیک بنایا۔ ٹرے میں گلاس رکھ کر وہ ابھی کچن سے نکلی نہیں تھی کہ پیچھے ہی رمشا چلی آئی۔

''کیا کر رہی ہیں..... رمشا کو وہاں مردوں میں بیٹھنا اچھا نہیں لگا تھا تبھی ادھر آ گئی۔

''کچھ نہیں۔ تم ایسا کرو شارق بھائی کو یہ دے آؤ۔ پیاس لگی ہو گی اتنی دیر میں، میں ٹیبل پر کھانا لگاتی ہوں کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ بھابی نے تقریباً سبھی کچھ تیار کر رکھا ہے۔ تم اب کھانا کھا کر ہی جانا۔ انکل تو لیٹ ہی آئیں گے تمہیں لینے۔ میں فون کر دیتی ہوں۔'' رمشا چلی گئی تو اس نے جلدی سے برتن نکالے بھابی چلی آئیں تو دونوں نے مل کر ٹیبل لگائی۔

''بھابی فی الحال میرا کچھ بھی کھانے کا موڈ نہیں ہو رہا..... میں کمرے میں جا رہی ہو۔

''رمشا کو اچھی طرح کھلائیے گا۔'' پچھلی دفعہ جب شارق ان کے ہاتھ آیا تھا تو اس کی آنکھوں کی عجیب سی کیفیت نے نویرہ کو اپنی جگہ بہت کانشس کر دیا تھا۔ اسے شارق کی آنکھوں کے زاویے جب بھی یاد آتے تھے اس کے اندر ناگواری کی کیفیت سی سرائیت کر جاتی تھی اور اب بھی اس کا دل ٹیبل پر سب کی موجودگی میں کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ نجانے کیوں نویرہ کے دل میں شارق زمان کی جانب سے ایک گرہ سی پڑ گئی تھی۔ کمرے میں آ کر وقت دیکھا عشا کی اذانیں ہو چکی تھیں۔ وضو کر کے اس نے ہائے نماز بچھائی۔ مغرب کی قضا اور عشا کی دونوں نمازیں ادا کر کے وہ دعا مانگ رہی تھی جب رمشا لی آئی۔

''میں شارق بھائی کے ساتھ گھر جا رہی ہوں۔ گھر فون کیا تھا رضا تو لینے نہیں آئے گا۔ انکل کو اب نی رات گئے کیا تکلیف دوں۔ میں نے کہہ دیا کہ میں کسی کے ساتھ خود ہی آ جاؤں گی۔ اب شارق ائی جا رہے ہیں تو میں نے کہہ دیا، مجھے چھوڑ دیں۔ آپ کو سلام کرنے آئی تھی۔''

''تم اکیلی شارق بھائی کے ساتھ جاؤ گی؟''

''تو اور کیا ظاہر ہے اکیلی ہی جاؤں گی۔''

''نہیں، میرا مطلب ہے تمہیں اکیلے نہیں جانا چاہیے۔ تم نبیل بھائی کے ساتھ چلی جانا میں انہیں ہہ دیتی ہوں۔ تم شارق بھائی کے ساتھ مت جانا۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔ اس کی یہ بات سن کر رمشا ران ہو گئی۔

''مگر..... میں تو انہیں کہہ چکی ہوں۔''

''منع کر دو..... تم ان کے ساتھ نہیں جاؤ گی..... بس میں نے کہہ دیا ہے؟''

رمشا، نویرہ کے اس انداز پر مزید حیران ہو گئی۔

''لیکن کیوں؟'' رمشا کو نویرہ کے یوں حق جتانے پر تھوڑی حیرت ہوئی۔

''مجھے ان پر قطعی اعتماد نہیں ہے۔ مجھے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے عجیب سا خوف آتا ہے۔ نے ایک بات شدت سے نوٹ کی ہے وہ کوئی بھی ہو میں یا تم ان کی نگاہیں اندر تک جھانک رہی

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

ہوتی ہیں۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت ہوتی ہے۔ شاید ہوس یا شاید حقارت۔ کچھ ہوتا ضرور ہے۔ آئی ڈونٹ نو۔'' وہ خود کنفیوز ہوگئی تھی۔ رمشا خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ زیادہ شارق سے نہیں ملی تھی لیکن اس کے متعلق جو بھی سنا تھا وہ بھی.....

''محسوس تو کچھ ایسا میں نے بھی کیا لیکن میرا تو ان سے سامنا بھی بہت کم ہوتا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ کچھ غلط حرکت کریں گے۔ ہم ان کی رشتے دار ہیں۔ تھوڑا بہت تو لحاظ ہوگا انہیں۔''

''ضروری نہیں ہے کہ ہم تجربہ کرنے بیٹھیں۔ اگر عورت کی چھٹی حس اسے مرد کے معاملے میں کسی ''خطرے کا سائرن'' دے تو اس ''سائرن'' کو کبھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ تم احتیاط کرنا میں ان کی سگی تایا زاد ہوں جب کہ تم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھی۔ رمشا نے سر اثبات میں ہلایا۔

نویرہ سے رضا کے معاملے میں لاکھ بغض و نفرت سہی مگر اس وقت اس کے بھلے کو ہی کہہ رہی تھی فوراً مان گئی۔

''چلو آؤ، وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ تم انکار کر دینا..... گھبرانا نہیں۔'' وہ دونوں کمرے سے نکل آئیں۔ شارق واقعی انتظار کر رہا تھا۔

''آئی ایم سوری شارق بھائی مجھے ابھی نویرہ آپی سے کچھ کام سیکھنا ہے میں نبیل بھائی کے ساتھ چلی جاؤں گی..... آپ کا شکریہ.....'' وہ آرام سے کہہ رہی تھی۔ شارق کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ شاید حقارت..... یا شاید تذلیل کا احساس۔ پہلے کہہ کر یوں اب انکار کر دینا۔ وہ کھٹک گیا۔ اس نے پہلے رمشا اور پھر نویرہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی ایک سردسی کیفیت تھی۔ گاڑی کی ڈم لائٹ میں وہ ٹھیک سے نہیں دیکھ پایا۔ یہاں آ کر وہ اس کے سامنے زیادہ دیر ٹھہری بھی نہیں تھی کہ وہ اسے بغور دیکھتا لیکن اب نویرہ کے ہر انداز میں ایک ٹھہراؤ تھا لیکن اس کی آنکھوں میں شارق زمان کو اپنے لیے ایک حقارت بھری ملامت محسوس ہوئی تھی۔ وہ ایک دم نگاہیں پھیر گیا۔

''اوکے میں چلتا ہوں.....'' وہ دوبارہ رمشا یا نویرہ کی طرف دیکھے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔ نویرہ نے سر جھٹکا اور خاموشی سے اپنی شاپنگ چیک کرنے لگی۔ جو ابھی بھی ٹیبل پر پڑی ہوئی تھی۔ رمشا اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

وہ وہاں سے نکل تو آیا لیکن اب شارق زمان کے اندر ایک الاؤ سا جل اٹھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کوئی چیز دل و دماغ کو کچوکے لگا رہی ہے۔

''نویرہ احسان.....'' اس نے تنفر سے سوچا۔ آج بہت عرصے بعد اس کے اندر وہی پرانی تلملاہٹ بیدار ہوئی تھی۔

''آئی ول کل یو..... آئی کل یو.....'' لڑکھڑاتے وجود سے اس نے بیڈ پر دھری ہر چیز تہس نہس کر دی۔ کتنے دن ہوگئے تھے وہ اپنے آپ کو سنبھال رہا تھا۔

لڑکی عجیب انداز میں اس کے دل میں اترتی جا رہی تھی یوں کہ اب اسے ہر طرف، ہر وقت نو

ہی نویرہ دکھائی دیتی تھی۔ اس کی آنکھیں، اس کی شفاف پیشانی، اس کی باتیں، اس کا دوپٹہ اوڑھنے کا انداز وہ اس کی کزن تھی۔ بارہا ان کے گھر آ چکی تھی مگر اس نے آج تک اس کا بے ترتیب دوپٹہ نہیں دیکھا تھا۔ اس کے انداز میں ہمہ وقت عجیب سا رکھ رکھاؤ، وقار اور تمکنت سی ہوتی تھی اور یہی چیز شارق زمان کے دل کے تاروں کو چھیڑتی تھی یوں کہ وہ اسے چھو کر محسوس کرنے کو مچل اٹھتا تھا۔ نویرہ، نواز کی منگیتر ہے اسے اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بس ایک دفعہ اس کے دل میں اس لڑکی کو بہت قریب سے دیکھنے کی خواہش بارہا جاگی تھی اور ہر بار اسے خود سے لڑنا پڑتا مگر آج.....

آج شارق زمان کو نویرہ کی آنکھوں میں اپنے لیے حقارت اور نفرت دکھائی دی تھی۔ اس نے اور رمشا نے گھر ڈراپ کر دینے کی آفر قبول کر لی تھی مگر گھر میں ایک جھلک کے بعد وہ اسے دکھائی نہیں دی تھی۔ رمشا کے ہاتھ سے ''اورنج شیک'' پیتے، ٹیبل پر کھانا کھاتے، بعد میں نبیل سے تھوڑی دیر گپ شپ لگاتے۔ ہر آہٹ پر اس کا دل مچلا تھا، اس کی مزید ایک جھلک دیکھنے اور وہ دکھائی بھی دی تھی۔ رمشا نے اسے گھر ڈراپ کر دینے کو کہا تھا۔ وہ اس کا انتظار کر رہا تھا اور جب وہ واپس آئی تو آ کر انکار کر دیا۔ اس کے انکار میں شارق زمان کو ایک بے اعتمادی و بیزاری کی جھلک محسوس ہوئی اور پھر نویرہ کی آنکھوں میں جھانکتے اسے ایک پل میں اپنا آپ مجروح ہوتے لگا۔ کتنی ہتک محسوس ہوئی تھی، اس لیے وہ چپ چاپ وہاں سے نکل تو آیا لیکن گھر میں آتے ہی اس کی برداشت ختم ہوگئی تھی۔ نویرہ کی آنکھوں کی حقارت شارق زمان کو بری طرح مسترد ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ اسے زندگی میں پہلی دفعہ کوئی ''صنف نازک'' بھائی تھی اور قسمت کی کیا ستم ظریفی تھی وہی اس کے لیے بری طرح شکست کا سبب بن گئی۔ نویرہ میں نجانے ایسی کیا خاص بات تھی جو دل ہر بار بری طرح اس کی طرف کھنچتا تھا۔ کمرے کی ہر چیز پر اپنا غصہ نکال کر وہ بے دم ہو کر بستر پر گر گیا۔

''یہ ناانصافی میرے ساتھ ہی کیوں..... کیوں کیا نویرہ نے میرے ساتھ ایسا..... کیوں.....'' اس کا ہر جذبہ بہت شدت لیے ہوئے تھا۔

وہ نفرت کرتا تھا تو شدت سے۔

وہ دوستی کرتا تھا تو شدت سے۔

اور اب یہ پسندیدگی۔

پتہ نہیں یہ پسندیدگی محبت تھی کہ نفرت مگر شارق زمان کے اندر طلب بن کے ابھر رہی تھی۔ اشتعال تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اپنی کیفیت سے وہ خود بھی بے خبر تھا۔ نجانے وہ شدتوں کے کس مقام پر تھا۔ اس کے جذبے کن چاہتوں کے آئینہ دار تھے۔ یہ چاہتوں، یہ شدتوں کا کون سا درجہ تھا وہ نہیں جانتا تھا مگر اتنا سمجھ ضرور پا رہا تھا کہ ہر آہٹ پر اس کا دل نئے انداز میں دھڑکا تھا۔ ہر نظر (اٹھنے والی) چاہتوں کی پیامبر تھی۔ اپنی کیفیت اپنی محبت، کچھ بھی تو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ بس ذہن میں صرف یہی تھا کہ وہ سخت انداز میں بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔ نویرہ نے جس طرح بداعتقادی کی نگاہ کی تھی اور رمشا کے انکار نے جو شگاف روح پر ڈالا تھا اس شگاف سے اس کی روح بلبلا اٹھی تھی۔

POESTUFF.BLOGSPOT.COM

"نویرہ....." اس کی آنکھوں کے سامنے آدھا چھپا چہرہ آسمایا تھا۔ جذبات کا تلاطم بہت بپھرا ہوا تھا۔ پہلے درد اور تھا لیکن اب درد اور تھا مگر سلگنا وہی تھا۔ نویرہ اس کے اعصاب پر اس بری طرح کیوں حاوی ہو چکی تھی وہ نہیں جانتا تھا۔ اور نہ ہی جاننے کی کوشش کی تھی مگر اتنا ضرور سمجھ رہا تھا کہ نویرہ کی ذات اس کے لیے بہت اہمیت اختیار کرتی جا رہی ہے یوں کہ وہ ذرا سی بھی جھلک نہ دکھائے تو وہ بھڑک اٹھتا ہے۔ اس کے اندر اشتعال خیز مادہ پھوٹ پڑنے کو بے تاب ہو جاتا ہے۔ ہر چیز کو تہس نہس کر دینے کو تیار ہو جاتا۔

✿.....✿.....✿

وہ گنگناتی ہوئی کچن سے نکلی لیکن لاؤنج میں شائستہ بیگم کو فون پر مصروف دیکھ کر رک گئی۔

"اتنا سب ہو گیا اور زرش نے مجھے بتایا تک نہیں۔" ان کی دکھ بھری آواز پر زرش ٹھٹک گئی۔

"یا خدا اب کیا کر دیا میں نے۔" وہ دل ہی دل میں پریشان ہو گئی۔

"یہ سب طاہرہ نے قیصرہ آپا سے کہا تھا..... اوہ خدا..... اسی ڈر سے میں اسے وہاں جانے سے منع کرتی تھی لیکن زرش نے بھی حد کر دی۔ پتا ہے ناں طاہرہ کی فطرت کا کیوں زبان چلائی اس نے....." زرش کو سمجھنے میں تھوڑی دقت ہوئی تھی لیکن وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ ماما کس سے بات کر رہی تھیں اور بات کی نوعیت کیا ہے۔

"بچی نہیں ہے وہ..... خدا کی پناہ ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ اس واقعہ کو گزرے اور اس نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا..... اور کیا قیامت آئی ہے..... سمعان احمد سے دستبرداری ہی کیا کم تکلیف دہ ہے جو اب طاہرہ ان ہتھکنڈوں پر اتر آئی ہے۔" شائستہ بیگم سخت غصے میں تھیں۔ زرش کا دل خوف سے ہولنے لگا۔ ان کے موڈ سے اپنی کم بختی کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا۔

"اور تو اور مجھ سے سمعان اور فرح کسی نے بھی ذکر نہیں کیا۔ چند دن پہلے آئے تھے تینوں بہن بھائی، زرش اور نوشی کو ساتھ لے کر "سی سائیڈ" گئے تھے۔ بالکل نارمل تھے۔ مجھے بھی اندازہ نہ ہو سکا۔ زرش کا زاویہ تھوڑا سا مختلف تھا لیکن میں نے یونہی ٹال دیا کہ میرا وہم بھی ہو سکتا ہے....."

شائستہ بیگم کی زرش کی طرف سے پشت تھی۔ زرش فوراً وہاں سے کھسک گئی اور اپنے کمرے میں آ کر وہ چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس دن تائی امی نے جو بھی کہا اور جواباً زرش نے جو بھی کہا سوائے نوشین یا تایا کی فیملی کے کوئی نہیں جانتا تھا لیکن یہ بات چھپی رہنے والی تو نہ تھی۔ امی کا خوف تھا جس نے اسے شائستہ بیگم کے سامنے کچھ بھی کہنے سے روکے رکھا تھا ورنہ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ بات ان کو کسی نہ کسی طرح پتا چل ہی جائے گی۔ وہ کمرے میں بیٹھی ابھی الجھ ہی رہی تھی جب ایکدم دروازہ دھکیل کر شائستہ بیگم اندر داخل ہوئی تھیں۔ زرش فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ماما!....." شائستہ بیگم بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔ زرش نے خود کو سنبھالا۔

"تم اس دن جب طاہرہ کے ہاں گئی تھی تو کیا ہوا تھا؟" سخت تحکم بھرا انداز تھا جس میں قطعی لچک نہ

تھی۔ اس معاملے میں وہ اسی طرح سخت تھیں۔ زرش کا دل لرزا۔

"ماما!..... کس دن.....؟ کیا بات ہے؟" اس نے ٹالنے کو زبان کھولی ہی تھی لیکن شائستہ بیگم کے تیور دیکھ کر چپ رہ گئی۔

"آپ کو جب سب کچھ پتا چل ہی گیا ہے تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں۔" مجرمانہ سا انداز تھا۔ شائستہ بیگم نے تاسف بھری نظر ڈالی۔

"بڑی شرم کی بات ہے، وہاں اتنا کچھ ہو گیا اور تم نے مجھ سے ذکر کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ آج بھی میں نفیسہ آپا کے ہاں فون نہ کرتی تو ہادی یہ سب نہ بتاتی۔ قیصرہ کی زبان نہیں توپ ہے جس میں سے بارود نکلتا ہے۔ سارے خاندان میں تمہاری زبان درازی اور طاہرہ کی مظلومیت کے ڈھنڈورے پیٹ رہی ہے اور تم یہاں اتنی مطمئن ہو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔" ان کا غصہ حد سے بڑھا ہوا تھا۔ زرش نے کن اکھیوں سے دیکھا۔ ماما سے خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا..... تائی جان، جان بوجھ کر بات بڑھا رہی تھیں۔ انہوں نے آپ کے لیے بہت سی غلط باتیں کہی تھیں، مجھ سے برداشت نہیں ہوا تو جواباً میں بھی سب کہہ گئی۔" مجرمانہ انداز میں وہ اعتراف کر گئی تھی۔ شائستہ بیگم لب بھینچ کر رہ گئیں۔

"ادھر بیٹھ کر آرام سے مجھے ساری تفصیل بتاؤ..... خود بھی صوفے پر بیٹھ کر اسے کہا تو وہ بیٹھ گئی۔ شائستہ بیگم نے ساری بات سنی پھر کتنی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ زرش کن اکھیوں سے ماں کے رنگ بدلتے چہرے کا جائزہ لیتی رہی۔

"اسی لیے میں تمہیں وہاں نہیں جانے دیتی..... کل کو کوئی بڑی بات بھی ہو سکتی ہے۔ طاہرہ تو اپنے ہوش و حواس گم کر بیٹھی ہے لیکن یہ قیصرہ آپا، زرشان کی چالاکیاں نہیں سمجھ سکتیں، ان سارے حالات کے ذمہ دار یہی ہیں۔ اب دیکھنا سارے خاندان میں تمہاری ذرا سی کم عقلی کیا گل کھلاتی ہے۔" انتہائی پریشانی سے وہ کہہ رہی تھیں۔

"آئی ایم سوری ماما..... میں اس لیے نہیں گئی تھی، تائی امی بہت غلط بول رہی تھیں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ چپ رہوں لیکن..... وہ ندامت سے چپ ہو گئی۔

"بس اب کبھی ادھر نہیں جاؤ گی۔ کوئی ضرورت نہیں پرائی آگ میں جھلسنے کی۔ تم ہمیں انتہائی عزیز ہو۔ بس تم ادھر نہیں جانا..... انہوں نے قطعی لہجے میں کہہ دیا۔ زرش بے چارگی سے دیکھنے لگی۔ کچھ کہنے کو منہ کھولا پھر بند کر گئی اس وقت ماما کے سامنے کچھ بھی کہنا سودمند نہیں تھا بلکہ فضول ہی تھا۔

"تم نے مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا؟" انہوں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پھر پوچھا۔

"آپ ناراض ہوتیں اور دوبارہ تایا جان کے ہاں جانے سے منع کر دیتیں۔ پھر فرح نے بھی منع کیا تھا کہ آپ خوامخواہ پریشان ہوں گی۔ میں نے نوشی کو بتایا تھا۔" شائستہ بیگم اس کی بات پر تاسف سے گردن ہلا کر رہ گئیں۔

"جیسے اب تو میں بہت خوش ہو رہی ہوں..... طنزیہ لہجہ تھا۔ زرش شرمندہ ہو گی۔

PDF-STUFF.BLOGSPOT.COM

"آئی ایم سوری..... پلیز پاپا سے ذکر نہ کیجیے گا۔ وہ پریشان ہوں گے....."

"تو بندہ ایسی حرکت کرے ہی کیوں جس سے دوسرے پریشان ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "خیر جب بات مجھ تک پہنچ گئی ہے تو وہ ان تک بھی پہنچ جائے گی۔ اس سے پہلے کہ غلط انداز میں ان تک پہنچے مجھے پہلے ہی انہیں آگاہ کر دینا چاہیے اور تم بھی سن لو، ایسے معاملات والدین سے چھپانے والے نہیں ہوتے۔ بتا دینا فائدہ مند رہتا ہے۔ وہ بڑے ہوتے ہیں اور ان معاملات کا بہتر سدباب کر سکتے ہیں۔" وہ اسے تنبیہ کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

زرش نے سکون بھری سانس لی کہ اتنے میں ہی عافیت رہی ورنہ اپنے گلے میں لٹکے لاکٹ کو مٹھی میں بھرے وہ یونہی سوچوں میں گم رہی۔

"اب ماما کا یہ نیا حکم..... تایا ابو کے ہاں نہیں جانا..... یہ تو بہت مشکل ہے۔ ایک ہفتہ تو ہو گیا ہے ادھر نہیں جا رہی ہے تو جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے۔ اگر واقعی ماما نے نہ جانے دیا تو؟" وہ نئی سوچ لے کر الجھ گئی۔ "میں سمعان بھائی سے بات کروں گی..... کہوں گی ماما نے ان کے ہاں آنے سے منع کر دیا ہے۔ وہ تایا ابو سے بات کریں اور تایا ابو کی بات ماما کبھی نہیں ٹال سکتیں۔" ماما تو کچن میں چلی گئی ہوں گی ابھی فون کرتی ہوں۔" اپنی سوچ پر عملدرآمد کرنے کے لیے وہ فوراً کمرے سے نکل آئی۔ پہلے ماما کی کچن میں اچھی طرح موجودگی کنفرم کر کے وہ لاؤنج میں آ گئی۔

سمعان احمد کا موبائل نمبر ملاتے ہوئے وہ انتہائی محتاط تھی۔ کال جا رہی تھی پھر سمعان احمد نے کال ریسیو کر لی۔ اب اس کی مصروف سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"السلام علیکم....." سمعان احمد کہہ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام..... سمعان بھائی۔" دوسری طرف سمعان احمد زرش کی آواز سن کر ایک لمحے کو رکا پھر متوجہ ہوا۔ "زرش تم....."

"ہوں....." اس نے آہستہ سے کہا اگر ماما آ جاتیں تو شامت آ جاتی۔ "آج پتا ہے کیا ہوا۔" وہ جلدی جلدی سمعان احمد کو سب بتا دینا چاہتی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" دوسری طرف سے وہ ہر کام چھوڑ چکا تھا۔ اس دن "سی سائیڈ" والے دن کے بعد اب اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دل ایکدم کھلنے لگا تھا۔

"کچھ نہ پوچھیں مرتے مرتے بچی ہوں۔ وہ تو خیریت ہو گئی ورنہ آج میں گئی تھی۔" زرش کا انداز ڈرامائی تھا۔

"کیوں کیا بات ہے؟ صاف صاف بتاؤ..... تم ٹھیک تو ہو نا۔" دوسری طرف وہ ایک دم پریشان ہو گیا تھا۔ وہ ہنس دی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آج ہادی آپا کو ماما نے فون کیا تھا تو انہوں نے ماما کو میری اور تائی امی کی جھڑپ بتا دی۔ کچھ نہ پوچھیں ماما کا غصے سے برا حال تھا۔ خیر مجھ سے زیادہ سخت تو نہیں ہوئیں لیکن آپ کے ہاں جانے پر پھر پابندی لگ گئی ہے۔"

دوسری طرف سمعان نے ایک پرسکون سانس لی۔ تاہم بات نظر انداز کی جانے والی بھی نہ تھی۔

"ہادی لوگوں کو کس طرح سارے واقعہ کا علم ہوا ہے؟"

"شاید قیصرہ خالہ کے ذریعے۔ ماما کی باتوں سے تو یہی لگ رہا تھا کہ تائی امی نے ان سے ذکر کیا تھا اور پھر انہوں نے سارے خاندان والوں میں....."

سمعان احمد خاموشی سے سنتا رہا۔

"سمعان بھائی اب میں کیا کروں؟..... قسم سے اس دن میرا لڑنے کا قطعی ارادہ نہ تھا۔ میں بڑی مشکل سے ماما سے پرمیشن لے کر انتہائی خوشی خوشی گئی تھی لیکن تائی امی کا کوئی قصور نہیں پہلے بھی تو ایسا ہوتا رہا ہے شاید مجھے ہی خود پر کنٹرول کرنا نہیں آیا۔ اب ماما کا یہ نیا حکم کہ اب میں آپ کے گھر نہیں جاؤں گی..... اب کیا کروں..... بڑی مشکل ہے..... مر جاؤں گی میں....." آخر میں وہ روہانسی ہو گئی تھی۔ سمعان احمد نے ایک گہری سانس لی۔

نکلنے کو اس کے آخری جملے کے کئی مفہوم نکل سکتے تھے لیکن سمعان احمد کا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔

"آپ تایا ابو سے بات کریں وہ ماما کو سمجھائیں گے تو ماما منع نہیں کریں گی۔ ایک مرتبہ انہوں نے نہیں کہہ دیا تو مطلب نہیں ہی رہے گا اور اتنے دن آپ لوگوں سے میں دور نہیں رہ سکتی..... آپ سے تو بالکل بھی نہیں....."

سمعان احمد اس کے جملوں پر چپ سادھے رہا۔

"سمعان بھائی..... سن رہے ہیں نا....." دوسری طرف مکمل خاموشی محسوس کر کے اس نے پوچھا تو سمعان نے سر ہلایا۔

"ہاں..... ٹھیک ہے۔ میں ابو کو کہوں گا کہ وہ تمہیں خود لے آئیں۔"

"تھینک یو..... آپ بہت اچھے ہیں....." وہ ایک دم چہک اٹھی اس کی آواز میں موجود کھلکھلاہٹ سن کر سمعان احمد کا دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔

"سنو ماما کا موڈ ابھی تک نارمل نہیں ہوا ہے..... تمہیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔"

"آپ فکر نہ کریں..... انہیں اب مجھ سے قطعی کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ میں ان سے بھی سوری کر لوں گی..... اگرچہ میرا قصور نہیں تھا۔" وہ کہہ رہی تھی سمعان نے گہری سانس لی۔

"ٹھیک ہے میں اب فون بند کر رہی ہوں۔ ماما کو پتہ نہیں کہ میں نے آپ کو کال کی ہے۔ آپ بھی ذکر نہ کیجیے گا پلیز..... ورنہ وہ خفا ہوں گی....." سمعان احمد ہنس دیا۔

"تم بھی عجیب ہو..... اور کچھ....." شدتوں سے لبریز آواز میں بھاری پن بھی آ سمٹا تھا مگر ادھر ایسی حس نہیں تھی جو ان چاہتوں کی شدتوں کو محسوس کرتی۔

"بس یہی بات تھی..... ماما کو منانا اب آپ کی ذمہ داری ہے۔ ماما آنے والی ہیں میں پھر فون کروں گی۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ..... سمعان احمد نے بھی کہا اور اس نے جلدی سے فون بند کر دیا۔

BOOKSFUF.BLOGSPOT.COM

"تھینک گاڈ.....اب سمعان بھائی تایا جان کو کہہ کر بات ختم کروادیں گے۔" لاکٹ کو ایک دفعہ پھر مٹھی میں دبوچے وہ خوش تھی.....بہت خوش.....نجانے کیوں۔

❁.....❁.....❁

پھپھو کے گھر سے وہ اگلے ہی دن کالج سے واپس آ گئی تھی۔ پھوپا جان چھوڑ کر گئے تھے۔ امی کا موڈ اگر بہتر نہیں تو برا بھی نہیں تھا۔ آج سارا دن کالج میں پرسکون گزرا تھا لیکن گھر واپسی پر پہلے ہی مرحلے پر اس کی جان شکنجے میں پھنس گئی۔

علی کے ساتھ بائیک پر آئی تھی، علی بائیک کھڑی کر کے اندر بڑھ گیا تو وہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ بیگ اسٹڈی ٹیبل پر رکھ ہی رہی تھی کہ بالکل کورے سفید لفافے پر نظر ٹھٹک گئی۔

"یہ کیا ہے؟" حیرت سے دیکھتے ہوئے اس نے لفافے کو اٹھا لیا۔ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ کچھ بھی تو نہیں لکھا ہوا تھا۔ بالکل صاف شفاف جیسے ابھی نکال کر رکھا ہو۔ کونے سے فرح نے ہلا کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ ہے مگر کاغذ کے سوا اسے کچھ اندازہ نہ ہوا۔ فرح نے لفافہ کھولا تو گلابی لیٹر پیپر کی تہیں لگی ہوئی تھیں۔

"یا اللہ یہ کہیں اس شخص نے تو نہیں بھیجا۔" اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی۔ "نہیں.....اگر اس شخص نے بھیجا ہوتا تو کم از کم اس کے اوپر مہر لگی ہوتی، میرا ایڈریس لکھا ہوتا....." کاغذ کھولنے سے پہلے وہ شش و پنج میں تھی کہ کھولے کہ نہیں۔

"مگر.....جب مجھے پھول اور کارڈز ملا تھا تب بھی بیرونی لفافہ بالکل کورا تھا اور اب بھی.....لیکن یہ کاغذ....." فرح کے باقاعدہ ہاتھ کانپنے لگے۔ ڈرتے ڈرتے اس نے کاغذ کھولا۔

"لاکھ پردوں میں رہوں بھید میرے کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے....."

فرح پہلی دو لائنوں پر ہی ٹھٹک گئی۔ اتنی صاف شستہ لکھائی۔ جیسے ہر لفظ موتی میں پرویا ہو....." یہ لکھا....." وہ الجھ کر رہ گئی سر جھٹک کر اس نے پھر پڑھنا شروع کیا۔

"تیرا اصرار کہ چاہت کا کبھی اظہار نہ ہو
واقف اس غم سے میرا حلقۂ احباب نہ ہو۔
تو مجھے ضبط کے صحراؤں میں کیوں رولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے۔"

فرح کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"یا اللہ!....." وہ خوف سے کانپ کر رہ گئی....."یہ کون ہے.....اور میرے کمرے میں اس ٹیبل پر یہ خط کیسے پہنچا۔ وہ الجھ گئی۔

یہ بھی کیا بات ہے کہ چھپ چھپ کے تجھے پیار کروں
اگر کوئی پوچھ ہی بیٹھے تو میں انکار کروں

وقت کی ہر بات کو دنیا کی نظر تولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے۔

اس موسم میں بھی فرح کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگ گئے تھے۔ ہر لفظ جذبوں سے گندھا ہوا تھا۔

"میں نے اس فکر میں کاٹی کئی راتیں، کئی دن
میرے شعروں میں تیرا نام نہ آئے لیکن
جب تیری آنکھ میری سانس میں رس گھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے"

اس قدر شدت تھی لفظوں میں، حرف حرف جذبوں سے لبریز تھا۔

"یا اللہ....." یہ کون ہے.....؟ مزید بھی کچھ لکھا ہوا تھا مگر فرح کے اندر کچھ بھی پڑھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے لرزتی پلکوں سے دوبارہ کاغذ کو دیکھا۔

تیرے جلووں کا اثر تو میری ایک ایک غزل
تو میرے جسم کا سایہ ہے تو یوں کترا کے نہ چل
پردہ داری تو خود اپنا بھرم کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے

آخر میں کچھ نہیں لکھا تھا۔ صرف یہ شاعری ہی تھی فرح سخت اذیت میں گرفتار ہو چکی تھی۔

"کون ہے.....آخر کون ہے۔" وہ وہیں کرسی پر کہنیاں ٹکائے بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے اس کے ہر انداز سے اذیت جھلک رہی تھی۔

"میں سمعان بھائی کو دکھاؤں بھی تو کیا.....میری اپنی ساکھ ہی خراب ہو گی۔ بھائی لاکھ دوست ہوں مگر رہیں گے وہی روایتی بھائی۔ پتا نہیں کیا ری ایکشن ہو ان کا۔" اس کی سوچ نجانے کہاں کہاں بھٹکنے لگی۔

"فرح بی بی جی....." ملازمہ کی آواز پر وہ فوراً سیدھی ہو گئی۔ وہ دروازے پر کھڑی تھی۔ فرح نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "علی صاحب کہہ رہے ہیں کہ سخت بھوک لگی ہوئی ہے فوراً ٹیبل پر آ جائیں۔ کھانا میں نے لگا دیا ہے بیگم صاحبہ بھی انتظار کر رہی ہیں۔ فرح نے سر ہلا دیا۔

وہ پلٹ رہی تھی جب اچانک اس نے پکارا۔

"سنو.....وہ پلٹ کر دیکھنے لگی فرح کو سمجھ نہ آئی کہ کیا کہے۔

"یہ لفافہ.....کس نے ادھر رکھا ہے۔" وہ ابھی تک اسی بات میں الجھی ہوئی تھی۔ لفافہ پکڑ کر اس کے سامنے کیا۔

"یہ میں نے رکھا ہے....." فرح کو مزید حیرانی ہوئی۔

"تم نے.....؟" وہ حیرت زدہ تھی۔

EDESTUFF.BLOGSPOT.COM

"جی.....بابا (چوکیدار) کو بیگم صاحبہ نے بازار بھیجا تھا تو ایک آدمی آیا تھا۔ میں نے ہی گیٹ کھولا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ "فرح سعید احمد کو دے دیں۔ میں نے لاکر آپ کی ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔"

"کوئی پوسٹ مین تھا؟" اس نے سر اٹھایا۔

"نہیں جی.....اچھا خاصا آدمی تھا۔ موٹر سائیکل پر آیا تھا اس نے بیل بجائی پھر آپ کا نام لیا اور دے کر چلا گیا۔ عام طور پر جو ڈاکیا آتا ہے وہ تو نہیں تھا کوئی نیا آدمی تھا....." وہ سوچ کر بتا رہی تھی۔ فرح متوحش نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ٹی سی ایس کا کوئی ورکر ہوگا....." فرح نے کہا، اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں صاحب لوگوں کی ڈاک آتی رہتی ہے اب تو میں بھی پہچاننے لگی ہوں۔ یہ تو کوئی نیا ہی آدمی تھا پہلے کبھی نہیں دیکھا....." فرح نے سر ہلایا۔

"اچھا تم جاؤ.....میں کپڑے چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ چلی گئی تو فرح نے ایک نظر پھر کاغذ پر ڈالی۔

"اگر مجھے پتا چل جائے کہ یہ کون ہے تو میں اس کو قتل کر ڈالوں۔" وہ انتہائی نفرت سے سوچ رہی تھی۔ کاغذ اور لفافہ دونوں ٹیبل کی دراز کے اندر پٹخے اور وارڈ روب سے کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گئی۔

اکیڈمی سے آنے کے بعد کھانا کھا کر وہ کچھ دیر ٹی وی لگا کر بیٹھ گیا۔ امی نے اسے رمشا کو لانے کا کہا تھا مگر وہ چپ سادھے بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر پہلے نبیل بھائی رمشا کو چھوڑ گئے تھے۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ چلے گئے۔ وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اب اس نے خود کو مصروف کر لیا تھا۔ ذہنی و روحانی طور پر بھی وہ پہلے سے بہتر تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اسے نوریہ یاد نہیں تھی، اس کی محبت دل دماغ کو الجھاتی نہیں تھی۔ بہت تکلیف دیتی تھی لیکن اس نے اس درد سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ سوائے رمشا کے کوئی بھی تو اس کے اندر کے موسم کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ ابو کے لیکچر کے بعد وہ مسلسل اکیڈمی جا رہا تھا۔ اسے خود اندازہ ہو رہا تھا کہ تعلیم کے معاملے میں وہ حد سے زیادہ غفلت برت چکا ہے۔ اب دلجمعی سے وہ اپنا مستقبل بنانا چاہتا تھا۔

کتابیں لے کر وہ بستر پر آ بیٹھا۔ رات کے ساڑھے دس ہو رہے تھے۔ ان کے گھر میں سب کو ہی رات میں جلد اپنے کمروں میں گھس جانے کی عادت تھی۔ گھر میں چار ہی افراد ہوتے تھے۔ حمید صاحب، زبیدہ بیگم رمشا اور وہ خود۔ اس لیے کھانے کے فوراً بعد سب اپنے اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے۔ آج کچھ دیر نبیل وغیرہ کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے بہت دنوں بعد اس کے اندر پھر سے نوریہ کے نام کی ہلچل ہونے لگی تھی۔ نبیل بھی نوریہ کی طرح شائستہ اطوار و عادات کا مالک تھا اور یہی وہ عادات و اطوار تھیں جس نے اس کے دل کو نوریہ کی طرف کھینچ لیا تھا۔ کتابیں کھولے وہ لاشعوری طور پر اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

آج اس نے کال کی تھی اسے رمشا کو چھوڑنے کو کہا تھا۔ رمشا سے لاکھ بیزار سہی مگر وہ نوریہ کو بھی انکار نہ کر سکا اور پھر اس کے گھر کے دروازے سے پلٹ آیا۔ رمشا نہ ہوتی تو ضرور اندر جاتا۔ بہت دن ہو گئے تھے اسے دیکھے ہوئے۔ شارق زمان کے گھر اسے دیکھا تھا پھر اس کے بعد بہت دل چاہنے کے باوجود نہ جا سکا تھا۔

"نوریہ....." اس کے لبوں سے نام نکلا۔

رضا کو کتاب کے ہر صفحے، ہر حرف میں نوریہ کا عکس جھلملاتا محسوس ہوا۔

"نوریہ آپ کو پتا ہے میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں.....میرے دل میں ہر جگہ آپ ہیں۔ میری سوچوں میں، میرے خیالوں میں، میری ہر طرف.....ہر طرف....." شعور میں جھلملاتی نوریہ کے مکمل عکس سے وہ مخاطب تھا۔ "مجھے خود بھی پتا نہ چلا یہ محبت کینسر کی طرح میرے وجود میں سرایت کرتی چلی گئی۔ میں تو خود سے بھی آنکھیں نہیں ملا پاتا۔ آپ کے سامنے تو ساری عمر سر جھکا رہے گا۔" اپنی ہتھیلی پر "نوریہ" لکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر ایک درد سمٹ آیا تھا۔

"چکور کی قسمت میں صرف چاند پر فدا ہونا ہے۔ دیوانہ وار چکر لگانا ہے.....میرے ہاتھوں کی لکیروں میں آپ کا نام نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے میں تو کہیں بھی نہیں ہوں مگر میں اپنے دل کو کیسے سمجھاؤں جسے ہر آن، ہر لمحہ، نوریہ، نوریہ ہی سوجھتا ہے۔ خود سے، زبردستی سے، نام لکھ لینے سے کوئی میرا تو نہیں ہو سکتا۔" انگلی سے نام کو چھوتے ہوئے وہ خود فراموشی کی کیفیت میں غرق تھا اور نجانے کب تک یہ خود فراموشی رہتی جب دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟" گیارہ بج رہے تھے اس نے دروازے کی طرف دیکھا رمشا اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں دو کپ رکھے ہوئے تھے۔ رضا کی بھنویں تن گئیں۔

"تم.....؟" کتابیں سمیٹتے اس نے ناگواری سے پوچھا۔

"میں نے پھپھو اور انکل کے لیے چائے بنائی تھی سوچا تمہیں بھی دے دوں۔" ٹرے اس نے بستر پر رکھ دی۔ رضا جو نیم دراز تھا وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کپ پکڑ کر رمشا نے اس کی طرف بڑھایا۔ رضا نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر چائے کا مگ تھام لیا۔ رمشا نے خوشگوار حیرت سے رضا کو دیکھا۔ وہ اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ جلدی سے پلکوں کی چلمن گرا گئی۔ رخسار سرخ ہو گئے۔ رضا نے ناگواری سے یہ منظر دیکھا۔ محبوب کی ایک ذرا سی بے توجہی کی نگاہیں بھی کسی طرح گل رنگ کر دیتی ہیں۔ رمشا کو اپنے چہرے سے حرارت پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ عرصے بعد رضا کی بھرپور نگاہ اس پر پڑی۔

اپنا مگ لے کر وہ سائیڈ پر رکھی کرسی پر جا بیٹھی.....رضا کو رمشا کی یہ حرکت ناگوار تو گزری مگر اس وقت وہ کسی بھی قسم کی دھما چوکڑی کے لیے تیار نہ تھا۔ خاموشی سے اس نے مگ لبوں سے لگا لیا۔ چائے اچھی بنی ہے رضا نے ایک گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"تم نے پوچھا نہیں.....شاپنگ کیسی ہوئی؟" رمشا نے اپنے بیٹھنے کی توجیہ پیش کر دی تھی۔ رضا نے گہری سانس لی۔ اپنے کمرے میں اس کی موجودگی بے مقصد تو نہ تھی۔

EDITSITE.BLOGSPOT.COM

"یہ خواتین کا شعبہ ہے۔ میں بھلا کیا پوچھ سکتا ہوں....." تلخی اب بھی برقرار تھی۔ رمشا نے واضح طور پر اس کی تلخی محسوس کی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں پوچھنا چاہیے تھا کہ نویرہ آپی کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی تھی۔" رمشا اپنی فطرت سے باز نہیں آئی تھی۔

رضا نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ جی چاہا کہ چائے کا یہ گرم بھرا ہوا کپ رمشا کے خوبصورت سرخ و سفید چہرے پر انڈیل دے جو اسے اذیت پہنچانے کا کوئی لمحہ بھی جانے نہیں دیتی۔ بڑی مشکل سے اس نے خود پر قابو پایا۔

"تو پھر.....؟ نہایت نپا تلا انداز تھا رمشا نے صرف ایک نگاہ کی۔ رضا کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ وہ نگاہیں پھیر گئی۔

"نویرہ میں ایسی کیا بات ہے جو مجھ میں نہیں۔" اپنے مگ پر شہادت کی انگلی پھیرتے وہ پوچھ رہی تھی۔ رضا کے دل کے تار جھلملائے۔ ایک انتشار سا اندر تک پھیلتا چلا گیا۔ اس نے جھنجلا کر مگ سائیڈ ٹیبل پر پٹخ دیا۔ یہ لڑکی باز نہیں آئے گی۔ اسے کوفت ہونے لگی۔

"اگر ایسی ہی الٹی سیدھی گفتگو کرنی ہے تو فوراً میرے کمرے سے نکل جاؤ۔" وہ اس سے زیادہ خود پر کنٹرول نہیں کر سکتا تھا۔ جارحانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

رمشا نے ایک نگاہ بھر کے اسے دیکھا۔ انتہائی غصے میں بھی وہ دل کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا۔ جب کہ وہ تو تھی اس کی دیوانی۔

"میں تو سیدھی سادھی گفتگو کرنے آئی تھی مگر جانے کہاں سے ہمارے درمیان نویرہ آ جاتی ہے اور پھر نویرہ کے سوا کچھ اور رہتا ہی نہیں۔" رندھی ہوئی آواز میں وہ کہہ رہی تھی۔ رضا نے بمشکل خود کو کچھ تلخ کہنے سے روکا۔

"یہ صرف تمہاری ذہنی اختراع ہے....." وہ اور کیا کہہ سکتا تھا۔

"اور میں۔" تمہاری زندگی میں کہاں ہوں.....؟" جھلملاتی آنکھیں اٹھا کر وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔ رضا لب بھینچے کھڑا رہا.....اور پھر چہرہ موڑ لیا۔

"کہیں بھی نہیں....." رمشا رضا کے چہرہ موڑنے پر ٹوٹ سی گئی تھی۔ خود کلامی کا انداز تھا۔ رضا خاموش رہا۔

"آج نویرہ کے ساتھ شاپنگ کرتے وقت کتنی دفعہ میرا دل چاہا تھا کہ میں کسی دکان سے تیزاب خرید کر اس کے منہ پر انڈیل دوں اگر میں نہیں تو وہ بھی نہیں۔"

"رمشا....." رضا، رمشا کی اس قدر جذباتیت پر چیخ اٹھا۔

"دیکھا کتنی تکلیف ہوئی ہے تمہیں..... مجھے بھی ہوتی ہے۔ اتنی ہی، اس سے بھی زیادہ.....جب تم اس کے لیے اس طرح ری ایکٹ کرتے ہو۔" وہ شدت پسندی کی انتہا پر تھی نجانے چاہتیں کیا تھیں یہاں تو صرف شدتیں تھیں۔ وہ بھی اس سے کچھ قدموں کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ رضا نے سر جھٹکا جیسے

وہ لاعلاج ہو، پاگل ہو۔

"تم پاگل ہو.....تم سے سر کھپانے سے بہتر ہے کہ انسان کسی دیوار پر سر دے مارے۔" وہ بولا بھی تو پھاڑ کھانے والے انداز میں، شدت پسندی لیے ہوئے۔

"اور تمہاری نویرہ صاحبہ عقل کل ہیں۔ خاندان کی سعادت مند، تمیز دار سلجھی ہوئی بیٹی جو بھی آتا ہے تعریفیں کرتا چلا جاتا ہے۔ نویرہ یہ ہے، وہ ہے اور تم....." وہ رک گئی۔ "تمہارے نزدیک میں پاگل ہوں.....ہاں میں پاگل ہوں تم سے محبت کرتی ہوں یہ میرا پاگل پن ہے۔ کاش میں نویرہ کو کچھ کہہ سکتی۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے میں اسے کچھ نہیں کہتی.....کچھ بھی نہیں.....انتہائی خواہش کے باوجود اس کے منہ پر تھوک بھی نہیں سکتی.....اور اس کی اماں بی والی نصیحتیں سن لیتی ہوں۔" وہ ہذیان بک رہی تھی۔ رضا انتہائی برداشت و ضبط سے سب سنتا رہا۔

"میرا خیال ہے تم اس وقت حواس میں نہیں ہو.....نویرہ کے ساتھ وقت گزار کر آئی ہو، نویرہ کا "ہوّا" کچھ زیادہ ہی تمہارے سر پر سوار ہو چکا ہے۔ اس طرح کے ڈرامے کر کے تم میرے دل میں نفرت تو کاشت کر سکتی ہوں۔ محبت نہیں....." وہ انتہائی نفرت سے کہہ رہا تھا۔ رمشا کے دل کو کچھ ہوا۔

وہ اس کے لیے اپنا آپ مٹاتی جا رہی تھی اور وہ تھا کہ.....

"جاننا چاہتی ہو کہ نویرہ میں ایسی کیا خاص بات ہے جو تم میں نہیں....." وہ جیسے ایک دم بپھر اٹھا، اس کے ہذیان بکنے سے۔

"تو پھر سنو....." اس نے رمشا کا بازو دبوچا تو چائے چھلک کر رمشا کے ہاتھ کو جلاتی کپڑوں کو بھی خراب کرتی چلی گئی۔

"اس میں تم جیسی ادائیں نہیں ہیں.....تمہاری جیسی گندی، کمینی فطرت نہیں رکھتی.....اس میں تمہاری جیسے بے باکی نہیں ہے.....اس کا کردار ایسا ہے کہ انسان کی نگاہیں حیا و ادب سے جھک جائیں.....جب کہ تم.....تمہیں تو اس بات کی بھی پروا نہیں کہ تم اس وقت میرے کمرے میں ہو۔ میرے سامنے یوں بے باکی سے اظہار محبت کر رہی ہو.....نفرت ہے مجھے تم سے.....سمجھیں۔ نفرت ہے.....اس نے جھنجوڑ کر اس کا بازو چھوڑ دیا۔

رمشا بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ کس قدر نفرت سے اس نے اسے دھتکار دیا تھا۔

"تم کیا جانو محبت کیا ہے۔ تم تو محبت کے ہجے تک نہیں جانتی.....کوئی بھی مرد کسی بھی عورت کے منہ سے محبت کا اظہار سن کر اس عورت کو تمغے نہیں پہنائے گا۔ نفرت سے دھتکار دے گا، سنا تم نے....." رضا نے اسے دو کوڑی کا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ بس اسے دیکھتی ہی جا رہی تھی۔

"جاؤ یہاں سے.....آئندہ رات کے وقت میرے کمرے میں آنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ نویرہ سے تم نفرت کرتی ہو۔ ٹھیک ہے مگر تم نے کبھی نویرہ کو ایک لفظ بھی کہا یا کسی بھی قسم کی تخریب کاری کی کوشش کی تو ہمارے درمیان یہ جو نام نہاد تعلق ہے اسے ختم کرنے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگاؤں

FREEPDF.BLOGSPOT.COM

گا۔" انتہائی بپھرا ہوا طیش بھرا انداز تھا۔

"تم....." رمشا نے سختی سے کچھ کہنا چاہا تھا کہ رضا نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کی طرف دھکیلا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے.....تم جو بھی کرنا چاہتی ہو باہر جا کر کرو، جو بھی بکواس کرنی ہے باہر رہ کر کرو.....میرے کمرے میں آنے کی کوئی ضرورت نہیں....." اسے دروازے سے باہر دھکیلتے ہوئے انگلی اٹھا کر تنبیہ کر کے کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا۔

"رمشا کی ہذیانی بدکلامی نے رضا کو انتہائی اذیت پہنچائی تھی۔ چائے سے بھرا کپ اٹھا کر اس نے دیوار پر دے مارا۔ چھناکے کی آواز سے کپ تو ٹوٹا تھا مگر چائے دیوار کے ساتھ قالین کو بھی گل رنگ کر گئی تھی۔

"آئی ہیٹ یو رمشا.....آئی ہیٹ یو....." بستر سے ٹرے اٹھا کر اس نے کونے میں پٹخ دی۔ رمشا اس کے اندر کی آگ کو نئے سرے سے پھر دہکا گئی۔ وہ نویرہ کے نام کے جذبوں کو تھپک تھپک کر سلاتا تھا اور رمشا کے ایک ہی وار سے وہ پھر نئے سرے سے بلبلا اٹھتے تھے.....اس وقت بھی رضا کو اپنا تن من دھن جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اندر پھر سے نئے سرے سے آگ ہی آگ دہکتی محسوس ہوئی تھی۔

✿.....✿.....✿

نواز یونیورسٹی سے جلدی فارغ ہو گیا تھا۔ باقی وقت گزارنے کو وہ شارق زمان کے آفس چلا آیا تھا۔ کتنی دیر مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہی تھیں۔ لنچ ٹائم پر دونوں آفس سے اٹھ آئے تھے۔ ان کا ارادہ کسی اچھے سے ہوٹل میں لنچ کرنے کا تھا۔ اس وقت دونوں بیٹھے لنچ کر رہے تھے۔

آج تائی جان کا فون آیا تھا خاص طور پر تمہارے لیے۔" کھانا کھاتے ہوئے اچانک نواز نے کہا۔ شارق نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"میرے لیے۔" اس کی آواز میں استعجاب تھا۔

"وہ چاہتی ہیں کہ تم شادی کر لو.....وہ بیمار ہیں، معذور ہیں۔ انہیں اس عمر میں ایک ایسے وجود کی اشد ضرورت ہے جو سارا گھر سنبھال سکے تاکہ ان کی پریشانی ختم ہو سکے۔ جب بھی میری ان سے بات ہوتی ہے وہ یہی کہتی ہیں کہ میں تم کو شادی پر آمادہ کر لوں.....چاہے تم کسی بھی لڑکی کو سلیکٹ کرو وہ اسے بیاہ کر لے آئیں گی۔" نواز نے تفصیلی بتایا۔ شارق نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"آج کل یہ ٹاپک ہم دونوں کے درمیان کچھ زیادہ ہی ڈسکس نہیں ہونے لگا ہے....." شارق نے کہا تو نواز ہنس دیا۔

"ہونا بھی چاہیے۔ تم سے عمر میں چھوٹا ہوں لیکن شادی کر رہا ہوں امی اور ابا جی بہت جلد نویرہ کو گھر لا رہے ہیں اور ایسے میں تم یونہی چھڑے چھانٹ پھرو گے، کچھ تو شرم کرو۔ خود پر نہیں تو بڑی اماں پر ہی ترس کھاؤ۔ اس بڑھاپے میں انہیں ترسا رہے ہو۔" نواز نے اسے شرم دلانا چاہی لیکن وہ جامد تاثرات لیے اسے دیکھتا رہا۔ خاص طور پر نویرہ کے نام پر اس کے اندر ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ احساس کے تار جھنجلا اٹھتے۔ وہ بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں پہلے بھی بارہا تمہیں کہہ چکا ہوں کہ پلیز لیو دس ٹاپک.....تمہیں خوشی ہوتی ہے مجھے تکلیف دے کر....." اس نے تکلیف سے پوچھا تو نواز نے ٹھٹک کر دیکھا۔ شارق کے چہرے پر عجیب سے تاثرات رقم تھے۔ کچھ غیر مبہم سے۔ انجان سے۔

"ایٹی تھنگ از سیریس.....؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ شارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔

شارق مجھے نجانے کبھی کبھار کیوں محسوس ہوتا ہے کہ تمہارے اس طرح انکار کے پیچھے کوئی خاص وجہ ہے۔ کہیں کوئی دل کا معاملہ تو نہیں....." وہ شروع میں تو سنجیدہ رہا اور آخر میں تھوڑا سا شرارتی ہو گیا۔ شارق نے سر تھام لیا۔

"تمہاری گنگا ہمیشہ الٹی ہی بہتی ہے۔ بلی کو چھیچھڑوں کے خواب۔ کہہ تو وہ اب بھی مذاق میں رہا تھا لیکن اس کے لہجے میں ایک سنجیدگی تھی نواز ہنس دیا۔

"خواب بے جا نہیں ہوتے۔ کچھ ہو تو گھڑا بنتا ہے.....نقطے سے کہانی بنتی ہے۔ یوں شادی کے معاملے میں تمہارا انکار کرنا میں یقین ہی نہیں کر سکتا کہ کوئی بات ہی نہ ہو۔"

"تمہاری سوچ ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ تمہاری سوچ پر پابندی تو نہیں۔" شارق زمان پھر سے کھانا کھانے لگا تھا۔ نواز ایک دو لمحے اسے غور سے دیکھتا رہا۔

"تم سے تو کچھ کہنا ہی فضول ہے....." پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے اس نے ایک تاسف بھری نگاہ کی۔ شارق نے مطلق دھیان نہ دیا۔

کھانا ختم ہو چکا تھا۔ شارق نے چائے کا آرڈر دیا۔ ویٹر برتن سمیٹ کر لے گیا۔

"پھر بھی یار تم نے اپنی فیوچر لائف کے متعلقہ کچھ تو پلاننگ کی ہو گی ناں۔ ٹھیک ہے ماضی میں کچھ بھی ہوا ہو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان ساری زندگی کی خوشیاں اپنے اوپر حرام کر لے۔" نواز اب بالکل سنجیدہ تھا۔ شارق خاموش رہا۔

"زندگی میں بہت سے لوگ ملتے ہیں.....اچھے برے، زندگی برے کے اثر سے رک نہیں جاتی، چلتی رہتی ہے۔ تم اپنی والدہ اور بہن کے حصار سے خود ہی نکلنا نہیں چاہتے۔ ان کے سحر سے اپنے ذہن کو آزاد کرو۔ زندگی بہت خوبصورت ہو جائے گی۔" شارق خاموش رہا۔ اسے نواز کے منہ سے اپنی ماں اور بہن کا حوالہ اچھا نہیں لگا اگر سامنے نواز نہ ہوتا تو وہ اس حوالے کی نوبت بھی نہ آنے دیتا۔

"میں جانتا ہوں یار اماں اس مسئلے کو لے کر بہت پریشان رہتی ہیں مگر فی الحال اس مسئلے کو جوں کا توں ہی رہنے دو تو بہتر ہے۔" اس نے بات ختم کرنے کو کہہ دیا تھا۔

نواز شارق کو بغور دیکھتا رہا۔ بھینچے ہونٹ، کشیدہ اعصاب، الجھے تیور۔ ضرور کہیں کوئی گرہ تھی جو الجھی ہوئی تھی مگر کیا.....وہ اندازہ نہ کر سکا۔

"ہیلو.....شارق زمان" دونوں خاموشی سے چائے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب شارق زمان اپنے عقب سے آتی آواز پر پلٹا۔

"زیبا کیانی....." سجی بنی، پور پور بنی سنوری سامنے کھڑی تھی۔ شارق زمان کو لاسٹ ٹائم میں

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

ہونے والی ''زیبا کیانی'' سے جھڑپ یاد آ گئی۔ اس کے بعد شاید وہ ایک دو دفعہ ہی کلب جا سکا تھا مگر اب زیبا کیانی۔ وہ اکیلی تھی۔ اونچی ہیل میں اس کا دراز قد اور بھی نمایاں تھا۔ خوبصورت قیمتی دیدہ زیب پرس کو جھولاتی وہ آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ وہ انتہائی خوبصورت مگر..... اس وقت دو آتشہ بنی ہوئی تھی۔

''ہیلو.....'' نواز بھی بڑے غور سے دیکھ رہا تھا پھر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی معنی خیزی سمٹ آئی تھی۔ شارق نظر انداز کرتے ہوئے زیبا کو دیکھ رہا تھا۔

''کہاں ہوتے ہو آج کل؟ کلب بھی بہت کم آنے لگے ہو۔ ایمان سے اب تو وہاں رونق ہی نہیں لگتی.....'' وہ خود ایک رونق تھی جہاں بھی قدم رکھ دے روشنی بکھر جاتی تھی مگر شارق زمان کے معاملے میں وہ ایسی ہی تھی بے باک سی۔

''مجھے کہاں ہونا ہے..... پرانا ممبر ہوں وہاں جب دل چاہے گا آ جاؤں گا۔'' وہی لاپروا انداز تھا۔ زیبا نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''بے چارہ دل..... تمہارے ساتھ دل کا بڑا مسئلہ رہتا ہے۔ ایک میں ہوں کہ لاسٹ ٹائم ہونے والی جھڑپ بھلائے پھر تم سے مخاطب ہوں مترتم ہو کر..... ایمان سے میں نے تم جیسا خود پسند بندہ نہیں دیکھا۔ اب انسان کو اتنا بھی پراؤڈلی نہیں ہونا چاہیے۔ دوستوں میں تھوڑا بہت تو چلتا ہی رہتا ہے۔'' پرس کو متواتر ہلاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔ نواز کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کیے۔ شارق زمان کو کوفت ہونے لگی۔ اس وقت وہ اس بات کے قطعی موڈ میں نہ تھا۔ اس دوران ویٹر چائے رکھ گیا تھا۔ زیبا کو شارق نے بیٹھنے کی آفر نہیں کی۔ نواز کو عجیب سا لگا۔ شارق اپنے مگ میں چائے انڈیل رہا تھا۔ اس نے مطلق زیبا کی بات کا جواب دینے کی کوشش نہیں کی۔

''پلیز، آیئے بیٹھیے..... چائے پئیں۔'' شارق چائے کے سِپ لینے لگا تھا۔ نواز کو اچھا نہیں لگ رہا تھا اس لیے اس نے اسے آفر کی۔ زیبا نے نخوت سے سر جھٹکا۔ شارق کا نظر انداز کرنا بہت کھلا تھا۔

''نو تھینکس..... بن بلائے سلام دعا کر لیتی ہوں لیکن بن بلائے مہمان کبھی نہیں بنتی۔ خود پسندی مجھ میں بھی حد سے زیادہ ہے۔ میرے پاپا کا ڈیلی گیشن آیا ہوا ہے ان کے ساتھ میٹنگ ہے۔ بڑے دنوں بعد شارق کو دیکھا تو رک گئی۔ اوکے اینگری ینگ مین پھر کبھی ملیں گے..... باقاعدہ۔ سی یو.....'' وہ پرس ہلاتی ہلاتی چلی گئی۔ نواز نے اب تاسف سے شارق کو دیکھا۔

''بڑے افسوس کی بات ہے۔ چلو سیدھے منہ بات نہ کرتے کم از کم جواب تو دیتے۔

''تم اس معاملے سے متعلق کچھ نہیں جانتے اس لیے کچھ بھی کہنا فضول ہے۔''

''میں جانتا ہوں..... تم ہو ہی ڈھیٹ۔'' نواز نے کلس کرنگ میں اپنے لیے چائے نکالی۔

''ویسے یہ لڑکی..... مجھے خاصی مشکوک لگی ہے..... بڑی اپنائیت جتا رہی تھی تم سے کہیں کوئی چکر وکر تو نہیں.....'' نواز نے آنکھ مٹکا کر پوچھا۔ شارق تاسف سے گردن ہلا کر رہ گیا۔

''میری چوائس اب اتنی گری ہوئی بھی نہیں ہے۔ ایسی لڑکیاں ایسی جگہوں پر تو سجتی ہیں گھر کی

چار دیواری میں نہیں۔'' انتہائی تلخی سے شارق نے کہا تو نواز کو بہت برا لگا۔

''تو پھر تم ایسی لڑکیوں کے ساتھ وقت کیوں گزارتے ہو۔ یہ بھی تو درست حرکت نہیں ہے۔ تم اپنے لیے ہر طرح سے پرفیکٹ، مومن اور پاک باز عورت چاہتے ہو کبھی خود بھی سوچا ہے کہ تمہاری زندگی میں داخل ہونے والا وجود بھی یہ ڈیمانڈ کر سکتا ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔ شارق اذیت سے ہنس دیا۔

''ہوں..... بہت مرتبہ اسی لیے تو شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' سراسر مذاق اڑانے والا انداز تھا لیکن تھا سچ.....

''تمہارا کوئی علاج نہیں..... بجائے اس کے کہ تم خود کو سنوارو کسی پاک باز وجود کے قابل بناؤ..... غلط فیصلہ کر کے بیٹھ گئے ہو۔'' نواز مزید چڑا۔ وہ برہم ہو رہا تھا۔ شارق نیم وا آنکھوں میں عجیب سی کیفیت لیے دیکھنے لگا۔

''چلو اب..... بہت وقت گزار لیا..... مجھے ابا جی کے پاس بھی جانا ہے۔ آج انہوں نے بلایا تھا۔ کبھی تم بھی ادھر کا چکر لگا لیا کرو..... کاروبار کا جائزہ لے لیا کرو..... ابا جی اکیلے کیا کچھ سنبھالیں۔'' نبیل اب ان کے ساتھ شیئرز کی بنیاد پر کام تو کر رہا ہے لیکن پھر بھی اتنے بڑے کاروبار کو ابا جی سنبھالے ہوئے ہیں۔ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کرتا ہوں کہ سارا فارغ وقت ان کو دیا کروں مگر پھر بھی ان پر بہت بوجھ ہے.....'' وہ کہہ رہا تھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ شارق نے بھی اس کی تقلید کی۔ واقعی بہت وقت ہو چکا تھا۔ اب چلنا چاہیے۔

شارق نے ویٹر کو بل پے کیا اور پھر دونوں ہوٹل سے نکل گئے۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

سمعان احمد نے نجانے سعید احمد سے کس طرح بات کی تھی کہ اگلے ہی دن تین بجے کے قریب اسے لینے آئے تھے۔ ماما نے انہیں ہر طرح سے ٹالنا چاہا تھا لیکن انہوں نے بھی بغیر کچھ جتائے اپنی ضد جاری رکھی تھی۔ آخر کار ماما کو ہار ماننا ہی پڑی۔

''ٹھیک ہے آج آپ زرش کو لے جائیں..... مگر واپس بھی چھوڑ جائیں گے۔ اپنے کو نہیں بھیجوں گی بے شک۔ اپنا گھر ہے مگر دلوں میں کشیدگیاں ہوں تو پھر اپنے گھر بھی بے گھر کر دیتے ہیں۔''

شائستہ بیگم کا انداز رنجیدہ تھا سعید احمد خاموش رہے، سمعان نے کل ان سے بات کی تھی۔ آج ہی آفس سے وقت نکال کر وہ تین چار دنوں کے لیے زرش کو اپنے گھر لے جانے کے لیے آئے تھے۔ شائستہ مشکل سے ہی مانی تھی مگر مان گئی تھی۔ وہ بھی اس شرط پر کہ صرف آج جائے گی اور واپس بھی آئے گی۔ رہے گی نہیں۔

''تم فکر نہیں کرو..... اب وہاں کوئی بات نہیں ہوگی، طاہرہ کو میں سمجھا چکا ہوں مجھے بھی زرش اتنی ہی عزیز ہے۔ جتنی تم لوگوں کو۔ زرش کا کل بھی وہ اپنا گھر تھا اور آج بھی رہے گا۔ میرے دل سے ابھی تک یہ ملال ہی نہیں جاتا کہ تم لوگ اس گھر کو چھوڑ کر یہاں آ بسے۔'' سعید احمد کی آواز میں بھی دکھ آ ٹھہرا تھا۔ اسی میں ہم سب کی بقا تھی۔ رشتوں میں یہ جو تھوڑی بہت مروّت باقی ہے اس کی بدولت ہے ورنہ تو بہت پہلے سے سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ خالہ اماں کا انتقال کیا ہوا سب کچھ بدل گیا۔'' شائستہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ زرش کو انہوں نے کچن میں بھیجا۔ نوشین اپنے کمرے میں تھی۔ تبھی اس موضوع پر بات ہوگئی تھی ورنہ بچیوں کے سامنے وہ اس قسم کے تذکرے نہیں کرتے تھے۔

''میں زرش کو بھیجتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر چلی گئیں۔

سعید احمد نے دروازے تک شائستہ کا تعاقب کیا۔ شائستہ ان کی سگی خالہ زاد تھی۔ سعود کے ناطے انہیں نفیسہ آپا کی طرح ہی عزیز تھی۔ مگر حالات نے کبھی رشتوں کو نکھرنے نہیں دیا اور پھر طاہرہ کی بدولت تو ہر رشتہ ہی دھند میں لپٹ گیا تھا۔

زرش لاؤنج میں آئی تو اس کے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کی ٹرے تھی۔ مل تو وہ پہلے ہی چکی تھی۔ اس نے گلاس تایا ابا کو تھمایا۔ انہوں نے محبت سے زرش کو دیکھا۔

''زرش شائستہ بھی یہیں چلی آئیں۔ بھائی صاحب تمہیں لینے آئے ہیں..... تم چلی جانا..... مگر

رات سے پہلے واپس بھی آنا ہے۔ اب جاؤ جا کر نوشین کو اٹھاؤ کافی دیر ہوگئی ہے اس سوئے ہوئے تایا سے مل لے آ کر.....'' وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔ زرش سر ہلا کر واپس پلٹ آئی۔ نوشین کو اٹھا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ رہنا تو تھا نہیں پڑھائی کا بھی موڈ نہیں تھا۔ اس نے کپڑے نکال کر باتھ روم کا رخ کیا۔ لباس بدل کر شولڈر بیگ لے کر وہ لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ تایا جان نوشین سے بھی چلنے کو کہہ رہے تھے۔ وہ انکار کر رہی تھی زرش سے ہٹ کر وہ طاہرہ بیگم کے رویّے سے سخت چڑتی تھی اس لیے بہت کم وہاں جاتی تھی۔

''نوشی جاؤ چلی جاؤ۔ واپسی پر فون کر دینا میں ڈرائیور کو بھیج دوں گی۔'' ماما نے کہا تو نوشین انکار نہ کر سکی۔

''ڈرائیور کیوں..... سمعان خود چھوڑ جائے گا۔ جاؤ نوشین جلدی سے کپڑے چینج کر کے آؤ۔'' تایا ابو نے کہا تو نوشین اپنے کمرے میں چلی گئی۔

تایا ابو کے ساتھ دونوں جب گھر پہنچیں تو سارے گھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ فرح اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ علی اپنے کمرے میں بند تھا۔ البتہ طاہرہ بیگم کچن میں ماجدہ کے ساتھ مصروف تھیں۔ گاڑی کے ہارن پر وہ کچن سے نکلیں لیکن لان میں گاڑی سے سعید احمد کے ساتھ زرش اور نوشین کو نکلتے دیکھ کر انہیں پتنگے لگ گئے۔

''یہ شخص مجھے کبھی سکھ سے نہیں رہنے دے گا..... وہ کلس کر رہ گئیں۔

''السلام علیکم تائی امی.....'' دونوں نے قریب آ کر سلام کیا۔ سعید احمد بھی ساتھ تھے۔ مجبوراً طاہرہ کو سر ہلانا پڑا۔ ورنہ لب دانتوں تلے دبائے ہوئے تھے۔ سعید احمد نے ایک اچٹتی نظر ڈالی اور پھر آگے بڑھ گئے۔ دو قدم چلے پھر پلٹ کر دیکھا وہ دونوں وہیں کھڑی تھیں۔

''آؤ تم دونوں..... اپنا گھر ہے ادھر ہی کیوں رک گئی ہو.....'' انہوں نے پکارا۔ دونوں آگے بڑھ آئیں۔ سعید احمد کا بھتیجیوں کے ساتھ یہ رویّہ دیکھ کر طاہرہ بیگم کے سینے پر سانپ لوٹ گیا تھا۔

سعید احمد کے ساتھ وہ لاؤنج میں آ بیٹھیں۔ نہ چاہتے ہوئے انہیں بھی ادھر آنا پڑا۔

''علی اور فرح کہاں ہیں؟۔ ٹائی ڈھیلی کرتے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''دونوں اپنے کمروں میں سو رہے ہیں۔'' طاہرہ نے کہا۔

''جاؤ زرش دونوں کو اٹھا دو۔'' انہوں نے زرش کو بھیجا۔

فرح بڑی گہری نیند میں غرق تھی۔ زرش نے ہولے سے اس کے بستر پر بیٹھتے اس کا بازو تھاما۔

''فرح.....'' وہ کسمسائی لیکن زرش کے دو تین بار ہلانے پر اٹھ بیٹھی۔ زرش کو دیکھ کر حیران ہوگئی۔

''ارے تم..... تم تو آج کہہ رہی تھی چچی جان نے تمہیں یہاں آنے سے منع کر دیا ہے لیکن تم.....''

''تایا ابو کے ساتھ آئی ہوں اور مزے کی بات یہ ہے کہ میرے ساتھ نوشین بھی ہے۔'' اس نے مسکرا کر بتایا تو فرح پہلے تو حیران ہوئی پھر فوراً بستر سے اتری۔

''واقعی.....'' نوشین بہت کم آتی تھی اسی لیے فرح کا حیران ہونا بجا تھا۔ زرش نے سر ہلایا۔

PDF-UFBLOGSPOT.COM

"میں جا رہی ہوں علی کو اٹھا کر آ جاؤ تایا ابو بلا رہے ہیں۔"

فرح باتھ روم میں گھسی تو وہ کمرے سے نکل آئی۔ نوشین اور تایا ابو باتیں کر رہے تھے۔ تائی امی غائب تھیں۔

"اٹھ گئے دونوں....." انہوں نے پوچھا۔

"فرح کو اٹھا دیا ہے وہ علی کو اٹھا لائی۔" وہ تایا کے ساتھ ہی آ بیٹھی۔

تھوڑی دیر میں فرح اور علی بھی آ گئے۔ تایا ابو اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ماجدہ کو فرح نے کھانے کی ایک طویل لسٹ تھمائی پھر چاروں خود ہی کچن میں چلے آئے تھے۔ طاہرہ بیگم کے تیور بگڑے تھے۔ تاہم انہوں نے زبان سے کسی بھی قسم کی بات کا اظہار نہیں کیا۔

"امی آج یہ چاروں مل کر کھانا پکائیں گی اس لیے آپ کی چھٹی۔" علی نے طاہرہ بیگم سے کہا۔

"میری کیوں چھٹی..... میری ساری عمر کچن سنبھالتے گزری ہے اور تم میری چھٹی کروا رہے ہو۔" انہیں علی کی بات ذرا نہ بھائی۔ سختی سے کہا تو علی سٹپٹا کر ہنس دیا۔

"آپ کی مستقل چھٹی تھوڑی کروا رہا ہوں۔ آپ ان پر سپرویژن کیجیے گا۔ آج دیکھتے ہیں زبان کے علاوہ ان میں اور کیا کیا جوہر ہیں۔" اس نے فرح کو چڑایا۔

"تائی امی! یقین کریں ہم اتنا برا بھی نہیں پکائیں گے۔ ماجدہ ہے ناں ہمارے ساتھ پھر آپ بھی ہمیں بتاتی جایئے گا۔" نوشین نے دھیرج سے کہا۔ طاہرہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ سعید احمد کے سامنے وہ بے بس تھیں ورنہ کچن تو کیا وہ انہیں گھر میں بھی کبھی گھسنے نہ دیتیں۔ انہوں نے ماجدہ کو دو تین ہدایات دیں اور کچن سے نکل گئیں۔ زرش نے سکون کی سانس لی۔

"تھینک گاڈ تائی امی کا موڈ نارمل رہا ورنہ میں تو ڈر رہی تھی کہ اب شامت آئی کہ تب آئی....." زرش نے کہا تو نوشین نے گھورا وہ فوراً زبان دانتوں تلے دبا گئی۔

"سوری میں بھول گئی تھی کہ زبان سی کے رہنا ہے....." زرش کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ چاروں ہنس دیے۔

ان چاروں میں کوکنگ صرف ماجدہ اور نوشین کو ہی آتی تھی۔ فرح اور زرش ہیلپر تھیں۔ علی ان چاروں کا سر کھا رہا تھا۔ گاہے بگاہے علی اور فرح جا کر طاہرہ بیگم سے کوئی نہ کوئی ترکیب پوچھ آتے تھے۔

مغرب کے بعد سمعان احمد گھر لوٹا تو کچن میں زرش کے ساتھ نوشین کو دیکھ کر خوشگوار حیرت سے دوچار ہو گیا۔

"نوشین بھی ہے..... بھئی زبردست۔ ویسے علی تم نے دیکھا تھا آج سورج کس سمت سے نکلا تھا۔" دونوں کے سلام کرنے پر سمعان احمد نے برجستہ کہا تو کچن میں قہقہے گونج اٹھے۔

"سمعان بھائی پلیز....." نوشین نے فوراً احتجاج کیا۔ سمعان مسکرا دیا۔ نگاہ بھٹک کر زرش کی طرف جا اٹھی جو ٹیبل پر بیٹھی پیاز کاٹنے کے ساتھ زور شور سے آنسو بھی بہا رہی تھی۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے۔" فرح کباب تل رہی تھی۔ ماجدہ آٹا گوندھ رہی تھی۔ نوشین ہانڈی کی طرف متوجہ تھی۔ علی ان سب کو چیزیں دے رہا تھا۔ ساتھ ساتھ کباب سے بھی انصاف کرتا جا رہا تھا۔ سمعان احمد نے دلچسپی سے پوچھا۔

"آج کچن کی شامت آئی ہوئی ہے۔ یہ نیم حکیم ہم پر اپنے تجربات آزمائیں گی....." علی کی چونچ ہلی۔ فرح نے بھنا کر اسے چمچ مارا۔

"شرم کرو۔ سب سے زیادہ کھا بھی تم رہے ہو۔ بریانی تم چکھ چکے ہو۔ کباب آدھے سے زیادہ تم اپنے پیٹ میں ٹھونس چکے ہو پھر بھی ہمیں نیم حکیم کہہ رہے ہو۔" فرح کی بات سن کر نوشین مسکرا دی۔

"امی کہاں ہیں؟" کچن کے معاملے میں طاہرہ ماجدہ پر بھی کم ہی بھروسہ کرتی تھیں کجا کہ ان چاروں کو کھلی چھٹی دی ہوئی تھی۔

"امی لاؤنج میں ہیں۔" علی نے کہا۔

"ویسے کیا کچھ بن رہا ہے۔" مرغ روسٹ کرنے کی خوشبو اور کبابوں کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ سمعان نے خوشبو کو سونگھتے ہوئے کہا۔

"ماجدہ نے بریانی بنائی ہے۔ نوشی نے چکن روسٹ اور روٹیاں بنانے کی ذمہ داری لی ہے۔ میں کباب بنا رہی ہوں اور ہم سب مل کر قورمے کا ستیاناس کریں گی۔" فرح نے تفصیلی بتایا تھا۔ سمعان نے دیکھا کہ زرش پیاز کاٹ چکی تھی۔ وہ اب بیسن کے سامنے کھڑے ہو کر منہ ہاتھ دھو رہی تھی۔

"اور زرش کیا بنا رہی ہے؟" وہ تولیے سے منہ صاف کرتی ہوئی پلٹی تھی۔ سمعان نے پوچھا۔

"یہ سویٹ ڈش تیار کر چکی ہے۔ باقی سارا سامان اس نے اور علی نے تیار کر کے دیا ہے۔ ہم تو صرف پکا رہی ہیں۔" نوشین نے مسکرا کر بتایا۔

"کھانے کا ذائقہ بھی ہو گا یا بس ایسے تیار کیا تم لوگوں نے۔" سمعان کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

"صاحب جی یہ تو آپ کھا کر ہی فیصلہ کیجیے گا۔" ماجدہ نے بھی حصہ لیا۔ زرش مسلسل مسکرا رہی تھی مگر بالکل خاموش تھی۔ سمعان نے یہ بات شدت سے محسوس کی۔

"او کے پھر ڈنر پر ہی بات ہو گی۔ اس وقت فرح ڈیئر اچھی سی چائے تیار کر کے کمرے میں بھیجو بہت تھکن ہو رہی ہے۔ اتنی دیر میں، میں ذرا فریش ہو لوں....." سمعان وہاں سے چلا گیا۔

"زرش! تم فٹافٹ چائے تیار کر لو۔ سمعان بھائی گھر آتے ہی سب سے پہلے چائے پیتے ہیں اور علی تم مامی کو دیکھو وہ کیا کر رہی ہیں اور ابو کو بھی۔ زرش چار کپ چائے بنا لینا۔ امی، ابو اور میرے لیے۔" علی چلا گیا۔

زرش آئینے میں اپنی سرخ آنکھیں دیکھ رہی تھی جب فرح کے کہنے پر وہ خاموشی سے برتن میں پانی ڈال کر چائے بنانے لگی۔ فرح کو تھوڑی سی حیرت ہوئی۔ جب وہ یہاں آئی تھی تو کچھ شوخ سی تھی مگر اب..... اس نے سر جھٹکا..... لیکن کوئی چیز اس کے اندر کلک کرتی رہی تھی۔ زرش نے چائے بنا کر ماجدہ کے ہاتھ طاہرہ بیگم اور سعید صاحب کے لیے بھجوائی۔ ایک کپ نکال کر اس نے پلیٹ میں رکھ کر

PDF-STORE-BLOGSPOT.COM

ڈھک دیا۔

"میں یہ کپ سمعان بھائی کو دے آؤں کوئی کام رہ گیا ہے تو بعد میں بتا دینا۔ میں آ کر کر دوں گی۔" فرح سے کہہ کر وہ چلی آئی تھی۔

بہت عرصے بعد یوں اس انداز میں وہ اس گھر میں تھی۔ جیسے استحقاق بھرا انداز ہو۔ وہ لوگ جب یہاں تھے تو یہی گھر تھا، اسی طرح تھا مگر اب وہ لوگ نہیں تھے۔ دوریاں ایسی تھیں کہ پاٹی نہیں جا سکتی تھیں۔ یہ گھر، اس کے مکین ہر چیز بدل گئی تھی، جب سے گھر بدلا تھا۔ اس کی کتنی خواہش تھی کہ دوبارہ سے یہاں شفٹ ہو جائیں۔ شروع کے برسوں میں اس نے ماما پاپا سے بہت ضد کی تھی حتیٰ کہ ٹینشن سے بیمار بھی پڑ گئی تھی مگر ماما پاپا نہیں مانے تھے اگر بات صرف تائی امی کے رویے کی ہوتی تو شاید یہ گھر دو گھروں میں تبدیل ہو جاتا۔ وہ لوگ کہیں اور نہ جاتے مگر بات کچھ اور تھی۔ بڑوں نے کبھی بچوں کے درمیان معاملے کو آنے نہیں دیا تھا لیکن اس کے باوجود طاہرہ بیگم کے رویے نے ہر ایک کو احساس دلایا تھا کہ معاملہ کچھ اور ہے مگر کیا۔ وہ جب بھی اس گھر میں آتی تھی الجھ جاتی اور یہی الجھن ہر بار انتہائی بے عزت ہونے کے باوجود اس گھر میں دھکیل لاتی تھی۔ جیسے کہ اب سمعان احمد کے کمرے کے دروازے پر اس نے دستک دی تھی۔

"یس کم ان....." وہ اندر داخل ہو گئی۔ سمعان احمد باتھ لینے کے بعد تولیے سے سر رگڑ رہا تھا۔ زرش کو چائے لاتے دیکھ کر ایک دھیمی سی مسکراہٹ سمعان کے ہونٹوں پر آ [illegible]۔ زرش جھجکی۔

"یہ چائے....." اس نے کپ آگے بڑھایا۔ سفید شلوار قمیض میں سمعان احمد کا دراز سراپا بہت نمایاں تھا۔ اس نے ٹاول اسٹینڈ پر لگا کر اس کے ہاتھ سے کپ تھام لیا۔

"بیٹھو....." سمعان نے کہا تو زرش نے نفی میں گردن ہلائی۔ اس کی آنکھوں میں ابھی بھی ہلکی سی سرخی تھی۔ شاید پیاز کی وجہ سے۔ سمعان نے بغور دیکھا تو وہ جانے کو پلٹی۔

"زرش....." اس کی پکار پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ فوراً اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ "کیا بات ہے..... پریشان ہو؟" سمعان نے پوچھا۔ زرش نے حیران ہو کر دیکھا پھر ہنسی۔

"نہیں....."

"تو پھر الجھی ہوئی ہو..... کیا بات ہے۔ امی نے کچھ کہا ہے.....؟"

زرش حیران ہوئی کہ انہوں نے کیسے جان لیا کہ وہ الجھی ہوئی ہے۔"

"کچھ نہیں سمعان بھائی..... بس وہی بات جو ہر بار اس گھر میں آنے کے بعد مجھے اذیت سے دوچار کر دیتی ہے۔" وہ افسردگی سے کہہ رہی تھی۔ سمعان نے ایک گہری سانس لے کر کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔ چائے کا ذائقہ اچھا تھا۔ اس کو زرش کے ہاتھ کی بنی چائے کی اچھی طرح پہچان تھی۔

"مجھے کوئی نہیں بتاتا ماما، پاپا نے گھر کیوں چھوڑا جب کہ ہمارا پورشن ابھی بھی اسی طرح ہے۔ آپ لوگوں کے حصے میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن وہاں۔ تب تو میں کم عمر تھی مگر اب تو حالات سمجھ سکتی ہوں اب بھی کوئی نہیں بتاتا صرف تائی امی کا رویہ تو اصل وجہ نہیں ہوگی۔ نجانے کیوں میرا دل کہتا ہے

اس کے علاوہ بھی کوئی بات ہے۔" وہ کہہ رہی تھی سمعان نے استعجاب سے اسے دیکھا۔ یہ کم عمر سی لڑکی اپنی عمر سے بڑے مسائل میں الجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے فوراً اسے ٹوکا۔

"تم ان مسائل میں مت الجھو۔ سوائے ٹینشن کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"کیوں.....؟" وہ سوالیہ نشان بنی اس کے سامنے تھی۔

سمعان کی نظریں اس کے سفید چہرے پر ٹک گئیں۔ الجھا الجھا سا سرخ چہرہ، شہد رنگ آنکھیں، سبک خرام پلکیں، خمیدہ ہونٹ کچھ بھی تو نظر انداز کیے جانے والا نہ تھا۔ زرد سوٹ میں ملبوس اپنے وجود کی تمام تر خوبصورتی سمیٹے اس کی نظروں کے حصار میں تھی۔

"اگر اس کیوں کا جواب میرے پاس ہوتا تو میں تمہیں ضرور دیتا۔ تم اپنے چھوٹے سے دماغ پر زیادہ زور نہ ڈالو تو بہتر ہے۔" سمعان احمد نے اپنی یک دم بدلتی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اسے ٹالا۔ وہ شکایتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"سب مجھے ہمیشہ کیوں ٹال جاتے ہیں..... تم کم عمر ہو، چھوٹی ہو۔ چھوٹا سا دماغ ہے تمہارا اس لیے زور نہ ڈالو..... وغیرہ..... وغیرہ..... اب میں اتنی چھوٹی بھی نہیں ہوں۔" وہ ناراضی سے کہہ رہی تھی۔ سمعان احمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے شگوفے پھوٹ پڑے۔ اس نے بات ہی ایسی کی تھی۔ اس نے بغور دیکھا..... مسکراتی نگاہوں سے اس کا وجود جانچا۔

"آپ مسکرا کیوں رہے ہیں.....؟" اس نے مزید خفگی کا اظہار کیا۔ سمعان کی آنکھوں میں خوشنما رنگ آ ٹھہرے۔ زرش کے گلے میں جھولتا لاکٹ "Z-S" کے الفاظ سمعان احمد کو عجیب سا سرور بخش رہے تھے۔

"تمہاری باتوں پر میں مسکراؤں نہ تو اور کیا کروں....." مسکراہٹ ضبط کیے بغیر اس نے کہا۔ زرش نے خفا نظروں سے اسے دیکھا۔

"سبھی مجھے بچی سمجھتے ہیں ماما اتنی تاکیدیں کرتی ہیں کہ حد نہیں..... آج بھی آتے ہوئے اتنی نصیحتیں اف اللہ..... آپ بتائیں، بھلا آپ سے مجھے کیا خطرہ ہو سکتا ہے جو وہ کہتی ہیں کہ میں آپ سے زیادہ فرینک نہ ہوا کروں حد میں رہا کروں۔ علی بھی تو ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتیں جب کہ آپ....." وہ کم عقل، احمق سب کہے جا رہی تھی۔ سمعان احمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سمٹتی چلی گئی۔ انتہائی اذیت پہنچی تھی اس کے الفاظ سے۔"

"یہ..... یہ..... چچی امی نے کہا....." اس نے پوچھا جب کہ لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

"تو اور کیا..... وہ کہتی ہیں کہ تائی امی کو میرا آپ سے گھلنا ملنا اچھا نہیں لگتا اسی لیے میں آپ سے دور رہوں تو بہتر ہے۔ آپ میرے بھائی ہیں۔ بھلا وہ ایسا کیوں کہتی ہیں..... مجھے ان کی بات سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ چلیں تائی امی کا تو رویہ ہی ایسا رہتا ہے جب کہ ماما..... وہ بھی انہی کی طرح برتاؤ کرنے لگ گئی ہیں۔ تائی امی کے سامنے آپ سے بات نہ کروں۔ آپ کی کسی بات کا جواب نہ دوں..... کیوں.....؟ کیوں کر رہے ہیں سب لوگ میرے ساتھ ایسا....." وہ سوالیہ نشان بنی کھڑی

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

تھی۔وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

چچی اور امی کے رویوں سے وہ کس قدر الجھی ہوئی تھی وہ بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔

"سمعان بھائی! پتا نہیں یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں سب سمجھ رہی ہوں اتنی بچی بھی نہیں ہوں۔ یہ ٹھیک ہے میں آپ سے حد سے زیادہ اٹیچ ہوں۔ آپ سے وہ باتیں بھی کہہ جاتی ہوں جو نہیں کہنی چاہیے لیکن میرا دل تو صاف ہے۔ ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں نے آپ لوگوں کو اپنا بھائی سمجھا ہے۔ لوگ کچھ بھی کہیں مگر جب ماما مجھے اس طرح کی نصیحتیں کرتی ہیں تو مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ آپ ماما سے بات کیجیے گا وہ تو کم از کم اور لوگوں کی طرح باتیں نہ کیا کریں۔ تائی امی کی باتیں نظر انداز کر سکتی ہوں مگر ماما....."

سمعان احمد نے ایک گہری سانس لی..... یہ یک طرفہ جذبات انسان کو کس طرح گھائل کر دیتے ہیں۔ وہ اس اذیت کا احساس کر سکتا تھا۔

چچی کو بیٹی کی ساکھ پیاری تھی اور امی کو اپنی ضد۔

درمیان میں کون پس رہا تھا۔

وہ دونوں ہی۔

زرش رویوں کی زد پر تھی۔

اور وہ جذبوں کی شدتوں کی زد پر۔

اسے چھوڑنا محال تھا اور اپنانا اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ۔ کیا زرش مجھے اس نئے تعلق سے قبول کرے گی۔ اس کی پیشانی پر موجود دونوں بھنوؤں کے درمیان تل پر نظریں جمائے وہ کچھ سوچنے سے قاصر تھا۔

یہ یکطرفہ جذبوں کا انجام کیا ہوگا۔

وہ سوچ کر الجھ گیا..... جبکہ وہ کہہ رہی تھی۔

"میں خود کو یہاں آنے اور آپ سے بات کرنے سے نہیں روک سکتی..... کبھی نہیں روک سکتی۔ اس احساس سے ہی میری سانسیں تھمنے لگتی ہیں کہ کبھی مجھے اس گھر سے تعلق توڑنا پڑے گا۔ جس طرح پاپا نے توڑ لیا ہے۔ جب سے ہم لوگ اس گھر سے گئے ہیں انہوں نے پلٹ کر اس گھر میں قدم نہیں رکھا۔ ماما بھی عثمان بھائی کی شادی پر آئی تھیں۔ وہ بھی پھپھو اور تایا ابو کے بار بار منانے پر اور ہم لوگ..... اسی لیے تو ضد کر کے میں یہاں آ جاتی ہوں کہ یہ تعلق ٹوٹے نہیں۔ نام نہاد ہی سہی برقرار تو رہے۔ پائیداری نہ سہی رشتے کا نام تو رہے....." وہ رو رہی تھی۔

سمعان احمد ششدر سنتا رہا۔ اتنی گہری باتیں کرنے لگی تھی یہ لڑکی۔

"پتا نہیں آپ لوگوں کو میری باتیں کیوں احمقانہ محسوس ہوتی ہیں جب کہ میرا دل آپ سب کے لیے بہت دکھی ہوتا ہے....." وہ ایک دم کہہ کر کمرے سے نکل گئی اور وہ خاموش لب دبائے کھڑا رہا۔ آنے والے حالات کا اسے اندازہ تھا مگر اس رخ پر بھی چلے جائیں گے اس نے کبھی سوچا نہیں تھا

اور اب زرش۔

اس کی آنکھوں کے جھلملاتے آنسو۔

اس کی آواز کا درد۔

کچھ بھی تو نہیں سوچا تھا۔

کیا واقعی ہمارا تعلق ریت پر نشان کی مانند تھا جسے جب چاہے مٹا دیا جائے۔ وہ سوچنے لگا۔

واپسی پر سمعان احمد انہیں چھوڑنے آیا۔ زرش فرنٹ سیٹ پر تھی جب کہ نوشین پچھلی سیٹ پر۔ اپنے دل کی بھڑاس نکال کر زرش ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اس کا موڈ اچھا خاصا شگفتہ ہو چکا تھا جب کہ سمعان احمد مسلسل گہری سوچ میں غرق تھا۔ طاہرہ بیگم کے سامنے وہ خاصا محتاط رہا۔ غلطی سے بھی اس نے زرش یا نوشین وغیرہ سے بے تکلفی کا اظہار نہ کیا۔ جب کہ سعید احمد، فرح، علی مسلسل ان کو باتوں میں الجھائے ہوئے تھے اور اب جب وہ ان کو ابو کے کہنے پر چھوڑنے آ رہا تھا تو بھی امی کے چہرے کی ناگواری اس کو بہت کچھ سمجھا چکی تھی۔

زندگی میں ان سب معاملات سے بھی دوچار ہونا تھا۔ اس کو اندازہ ہو رہا تھا۔

"سمعان بھائی! کیا بات ہے..... اتنے چپ چپ کیوں ہیں....." گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی نوشین محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے فوراً پوچھا۔

"نہیں نوشی! کوئی بات نہیں یونہی چپ تھا۔ تم سناؤ تمہارے سسرال والوں کا کیا حال ہے۔" سمعان احمد نے پوچھا تو نوشین کنفیوژ سی ہو گئی۔ سسرال کے نام پر اس کا ہمیشہ یہی حال ہوتا تھا۔ زرش سمجھتی تھی اسی لیے خوب ریکارڈ لگاتی تھی، اب بھی چہکی۔

"سمعان بھائی! اس کے سامنے سسرال کا نام نہ لیا کریں۔ سسرال کے نام پر یوں شرمانے لگ جاتی ہے جیسے سسرال میں بیٹھی ہو۔" سمعان احمد ہنس دیا۔

"تم تو چپ کرو بی جمالو....." زرش کے یوں بیچ میں بولنے پر نوشی کو تپ چڑھی۔

"دیکھا کیسی بن رہی ہے..... چاہے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں۔"

نوشی کا جی چاہا کہ کوئی چیز زرش کے سر پر دے مارے۔

"بکواس نہیں کرو۔" اس نے دوپٹہ کو زرش پر مکھی اڑانے والے انداز میں لہرایا۔

"عفان بھائی کی اکثر کال آتی رہتی ہے۔ وہ بے چارے نوشی سے بات کرنے کو مچلتے رہتے ہیں اور بی بی ہے کہ فون کے پاس بھی نہیں پھٹکتی۔"

زرش نے سمعان احمد کو بتایا۔

سمعان نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بغور دیکھا۔

کھلکھلاتا ہنستا چہرہ عجیب بہار دے رہا تھا۔

کوئی فکر، کوئی ٹینشن نہ تھی۔

شام والے رویے کا عکس ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہا تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"سمعان بھائی یہ بکواس کر رہی ہے۔ اس چڑیل کی باتوں کا یقین مت کیجیے گا۔" نوشی نے فوراً تردیدی بیان جاری کیا۔ اس کو دونوں بہنوں کی ہلکی پھلکی نوک جھوک اچھی لگ رہی تھی۔

"اچھا جی میں چڑیل ہوں تم کیا ہو؟" اس نے نوشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چڑیل کی بہن....." اس نے برجستہ کہا۔ اس نے مصنوعی خفگی سے سمعان کو دیکھا۔

"سمعان بھائی آپ بھی....." اس نے آنکھیں دکھانا چاہیں مگر سمعان احمد کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر اس نے نوشی کو تنبیہ کی۔

"تمہیں تو میں گھر جا کر پوچھ لوں گی..... دیکھنا کیا حشر کرتی ہوں تمہارا..... عفان بھائی کو فون کر کے تمہاری کارستانیاں بتاؤں گی....." اس نے دھمکی دی۔ نوشی نے ہاتھ ہلایا۔

"آئس کریم کھاؤ گی تم دونوں.....؟" گاڑی آئس کریم پارلر کے قریب سے گزری تو سمعان نے پوچھا۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔ میں ضرور کھاؤں گی....." زرش نے فوراً ہامی بھری۔ نوشی نے بھی سر ہلایا۔ اس نے جگہ دیکھ کر کار پارک کی۔

آئس کریم پارلر کافی وسیع تھا۔ اس کے ساتھ دونوں اندر آ گئیں۔ وہ ان کو ایک ٹیبل کی طرف لے آیا۔ اپنا اپنا پسندیدہ فلیور منگوا کر تینوں نہ صرف باتیں کر رہے تھے بلکہ آئس کریم سے بھی انصاف کر رہے تھے۔ جبھی آئس کریم کھاتے زرش کی نگاہ سامنے اٹھی۔ جانا پہچانا چہرہ تھا مگر اس کے ساتھ موجود لڑکا۔

اس نے نوشی کو ٹہوکا دیا۔ وہ متوجہ ہوئی تو اسے سامنے دیکھنے کا اشارہ کیا۔ سمعان احمد سائیڈ پر تھا ورنہ دونوں پر ضرور توجہ دیتا۔

نوشی بھی اس لڑکی اور لڑکے کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ دونوں کونے کی ایک ٹیبل پر جا بیٹھے۔

"کیا بات ہے تم دونوں ایک دم چپ کیوں ہو گئی ہو۔" سمعان نے پوچھا اور پھر نوشی کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ زرش سمعان احمد کو بغور دیکھ رہی تھی۔ سمعان احمد ان ہی کی طرح حیران ہوا تھا پھر ایک دم سر کو جھٹکا۔

"یہ فوزیہ آپی ہیں مگر ان کے ساتھ یہ لڑکا کون ہے؟" نوشین نے پوچھا۔

"پتا نہیں..... ہوگا کوئی جاننے والا....." اس نے کندھے اچکائے۔

"مگر پھر بھی جس طرح قیصرہ خالہ کے نظریات ہیں ان کے مطابق رات کے اس پہر ایک اجنبی لڑکے کے ساتھ یوں پارلر میں ہونا خاصا حیران کن ہے۔" زرش خاموش تھی نوشین کہے بغیر نہ رہی۔ فوزیہ کا ابھی تک دھیان ادھر نہیں گیا تھا ورنہ ضرور دیکھتی۔

"بھئی میں کیا کہہ سکتا ہوں، ہوگا ان کا پرسنل معاملہ۔ تم اپنی آئس کریم کی طرف دھیان دو پگھل رہی ہے۔" اس کو صرف حیرت ہوئی تھی۔ یہ لڑکا اس کے لیے بھی قطعی اجنبی تھا۔ تاہم اس نے کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ اسی لیے نوشی کو ٹال دیا۔

"سمعان بھائی! آپ کو اتنا مطمئن بھی نہیں ہونا چاہیے تھوڑا بہت تو دھیان دینا چاہیے۔ تائی امی فوزیہ آپی کو آپ کے لیے پسند کر چکی ہیں....." زرش نے کہا۔

"تم....." اس نے اسے کچھ کہنا چاہا پھر خاموش ہو گیا۔

"چلیں ہمیں کیا..... تائی امی زیادہ بہتر جانتی ہیں جب وہ رسک لے رہی ہیں تو پھر....." زرش نے کندھے اچکائے۔ سمعان احمد پھر بھی خاموش رہا وہ اس سلسلے میں ان سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سعید احمد اس سلسلے میں طاہرہ بیگم سے بات کر چکے تھے۔ یہ معاملہ فی الحال دب چکا تھا۔ اسی لیے وہ مطمئن تھا۔

آئس کریم سے فارغ ہو کر اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب نکالا تو اس میں لاکٹ تھا۔

"یہ نوشی تمہارے لیے ہے..... لیا تو زرش کے ساتھ ہی تھا مگر اس دن تمہیں دینا یاد نہ رہا آج یاد آیا تو آتے ہوئے لے آیا تھا کہ واپسی پر تمہیں دے دوں گا۔" اس نے ہتھیلی نوشی کی طرف بڑھائی۔ نوشین ایک دم سٹپٹا گئی۔ زرش کے لاکٹ کی ہی طرح کا لاکٹ تھا۔ بس فرق صرف یہ تھا کہ اس پر "N-S" کے الفاظ کندہ تھے۔

"یہ میرے لیے....." اسے حیرت ہوئی۔

"ہوں تم دونوں کے لیے بنوائے تھے۔ زری کو اس دن دے دیا تھا تمہارا میرے پاس تھا۔ آج یاد آیا تو ساتھ لے آیا....." نوشین شش و پنج میں تھی کہ لے کہ نہ لے۔

"اب پکڑ بھی لو..... دیکھ کیا رہی ہو..... تمہارے لیے ہے۔" زرش مسکرا کر دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ نوشین نے جھجکتے ہوئے لاکٹ اٹھا لیا۔

"اب پہن بھی لو....." اس نے محبت سے کہا تو نوشین نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں گھر جا کر ماما سے اجازت لے کر پہنوں گی....." وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"کیوں..... اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ فرح کو بھی دیا تھا، زرش کو بھی اور تمہیں بھی۔"

"اتنا مہنگا گفٹ..... ماما ناراض نہ ہو جائیں۔" اس کے لہجے میں خفگی محسوس کر کے اس نے فوراً توجیہ پیش کی۔

"نہیں ہوں گی، پہن لو..... اور اب چلو....." وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نوشی نے زرش کو دیکھا۔

"پہن لو..... ماما کچھ نہیں کہیں گی....."

اس نے لاکٹ پہن لیا۔ وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

بے اختیار نظر زرش کی طرف اٹھی وہ سر پر دوپٹہ جمائے ہوئے تھی ورنہ اس کے گلے میں موجود لاکٹ ضرور نظر آتا۔

"تھینک یو سمعان بھائی....." نوشین اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

سمعان بل پے کر کے ان کے ساتھ باہر آ گیا۔

فوزیہ اور وہ لڑکا ابھی تک کونے والی ٹیبل پر موجود تھے۔ زرش نے باہر نکلنے سے پہلے نظر ان پر ڈالی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

فاروق چچا آئے تھے' اماں سے انہوں نے نواز اور نویرہ کی شادی کی بات کی تھی۔ کافی دیر تک بیٹھے رہے اور پھر سوچ کر جواب دینے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔ اماں نے نبیل بھائی سے رات بات کی تھی انہوں نے ساجد بھائی اور ساجدہ باجی سے صلاح مشورہ کر کے فیصلہ کرنے کو کہا تھا۔

اماں نے صبح ہی دونوں جگہ فون کر کے رائے لی تھی۔ دونوں نے کہہ دیا کہ جیسا وہ لوگ مناسب سمجھیں کرلیں۔ اماں نے حمید صاحب سے بھی فون پر بات کی تھی۔ انہوں نے بھی کہہ دیا تھا کہ نیک کام میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ جتنا جلدی نمٹ جائے اچھی بات ہے۔ سو اماں نے ہر طرف سے تسلی بخش جواب پا کر فاروق صاحب کو فون کر دیا تھا کہ وہ لوگ آج رات کھانے پر آجائیں اور پھر مل بیٹھ کر جو بھی تاریخ مناسب سمجھتے ہیں رکھ لیتے ہیں۔ خاندان کی ہی بات تھی کونسا باہر کا معاملہ تھا اسی لئے انہوں نے فون کر کے حمید چچا کے علاوہ شارق زمان اور فاروق وغیرہ سب کو رات کھانے پر انوائٹ کرلیا تھا۔

وقت تھوڑا تھا اور کام بہت سے' سب سے بڑی ذمہ داری کھانے ہی کی تھی۔ سب ہی ود فیملی انوائٹڈ تھے ساتھ میں نبیلہ بھابی کی پوری فیملی بھی تھی۔ ساجدہ باجی احمد بھائی وغیرہ سبھی ہی تھے۔ ساجدہ باجی جلدی آ گئی تھیں۔ تینوں مل کر کچن کا کام سنبھالے ہوئے تھیں۔

شام تک مہمان آنے شروع ہو گئے تھے۔ حمید چچا کے ہاں سے چچا اور چچی تھے۔ رضا اور رمشاء دونوں ہی نہیں آئے تھے۔ نبیلہ بھابی کی ساری فیملی تھی' بھابیاں بھائی والدہ وغیرہ۔ فاروق چچا کے ہاں سے بھی سبھی بیٹیاں داماد چچی اور چچا خود تھے۔ البتہ شارق نہیں آیا تھا۔ نبیل بھائی دو دفعہ فون کر چکے تھے مگر وہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ اماں نے نبیل کو کہا بھی تھا کہ شارق واجدہ خالہ کو ساتھ ضرور لائے انہوں نے شارق کو پیغام بھی دیا تھا لیکن وہ ابھی تک غائب تھا۔

مغرب کے بعد تک گھر میں اچھی خالی چہل پہل تھی۔ ساجدہ باجی' نبیلہ بھابی اور ان کی بھابیوں نے آ کر نویرہ کو کچن اور دیگر کاموں سے بے دخل کر دیا تھا۔

تھا تو صرف تاریخ مقرر کرنے کا معاملہ مگر ان کے ہاں پھر بھی خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس دفعہ بھی اچھا خاصا اہتمام ہوا تھا۔ سبھی خاندان کے افراد تھے مگر نویرہ' اپنے کمرے میں ہی بند رہی تھی۔ باہر کیا ہو رہا ہے کیا نہیں' کون آ رہا ہے ابھی تک کون نہیں پہنچا۔ حمیرا (نواز کی چھوٹی بہن) اسے ہر دو منٹ بعد آ کر خبر دے جاتی تھی۔

فیروزی سوٹ پہنے سلیقے سے سر پر دوپٹہ جمائے وہ اپنے کمرے میں ہی تھی۔ جو بھی آتا تھا خصوصاً خواتین اس کے کمرے میں ہی دھرنا مارے بیٹھ جاتا تھا۔

نواز کی چاروں بہنیں یہیں تھیں۔ شوخ و چنچل ایک سے بڑھ کر ایک۔ سوائے حمیرا کے سبھی شادی شدہ تھیں۔ نویرہ ان کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔

''شارق بھائی آ گئے ہیں بڑی امی بھی ہیں۔ شارق بھائی بازوؤں میں اٹھا کر انہیں اندر لائے

ہیں۔ وہ ثناء اور شمائلہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی جب حمیرا نے اندر آ کر اطلاع دی تھی۔ بڑے عرصے بعد بڑی امی خاندان کی کسی تقریب میں شرکت کر رہی تھیں۔ ورنہ اپنی معذوری کے باعث انہوں نے کہیں آنا جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ نویرہ کی منگنی پر بھی وہ نہیں آئی تھیں۔

''بڑی دیر کی ہے شارق بھائی نے آنے میں۔'' حمیرا سے بڑی زارا نے کہا تھا۔

''لیکن آ تو گئے ہیں نا۔ ''دیر آید درست آید'' اسی کو کہتے ہیں۔''

حمیرا ہنسی..... نویرہ خاموش رہی۔ شارق زمان کے گزشتہ رویوں نے اس کے دل میں ایک گرہ سی ڈال دی تھی۔ اب اسے شارق زمان کے ذکر سے کوفت اور بیزاری محسوس ہوتی تھی۔ شارق کے متعلق اس کے تمام نیک اور اچھے جذبات خواب و خیال ہو چکے تھے۔ شارق زمان کی تمام مظلومیت اسے اس کا بہروپ لگنے لگی تھی۔ کبھی وہ اسے معصوم اور حالات کا ستایا ہوا محسوس ہوتا تھا لیکن اب اسے لگ رہا تھا کہ شارق زمان کی بہت سی خرابیاں اس کی اپنی پیدا کردہ ہیں۔ اس رات شاپنگ سے واپسی پر اس کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے شارق زمان جس طرح بار بار اسے بیک مرر سے دیکھ رہا تھا اسے سخت کوفت محسوس ہوئی تھی۔

اور پھر ان کے گھر آنے کے بعد روشنی میں دیکھنے پر اسے نجانے کیوں شارق زمان میں غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا۔ شارق کی آنکھوں کی رنگت اس کے دیکھنے کا انداز اس کی چال کی غیر ہمواری نویرہ کے دل میں ایک گرہ سی ڈال گئی تھی اور پھر وہ دوبارہ اس کے سامنے نہیں گئی تھی۔ اسے شارق زمان کی آنکھیں انتہائی گھٹیا لگی تھیں۔ بے باک سی۔

رمشاء اس کے ساتھ گھر جانا چاہتی تھی نویرہ کو اچھا نہیں لگا تھا جو چیز اسے پنے لئے کھٹک رہی تھی وہ رمشاء کے لئے کیسے سودمند مان لیتی۔ اس کے اپنے خدشات تھے کہ اس نے رمشاء کو شارق زمان کے ساتھ جانے سے منع کر دیا تھا اور پھر اس کے جانے کے بعد نبیل بھائی کے ساتھ اسے گھر بھیجا تھا۔

شارق کی سرگرمیوں سے تقریباً سارا خاندان ہی واقف تھا مگر اس کے باوجود ہر کوئی اسے بھرپور عزت دیتا تھا۔ کبھی ان لوگوں میں نویرہ بھی تھی لیکن اب اس کے دل میں شارق کی طرف سے بال آ گیا تھا سو وہ اسے عزت کے قابل بھی نہیں سمجھتی تھی۔

''چلو آؤ نویرہ بڑی امی سے مل آئیں۔''

وہ خیالوں کی دنیا میں غرق تھی ثناء کی پکار پر چونکی۔

''جی..... کیا کہا ہے؟'' اس نے پوچھا تو ثناء نے اپنی بات دہرائی۔ وہ سبھی جا رہی تھیں نویرہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں..... اتنے مہمانوں میں بھلا میں جاتی اچھی لگوں گی۔''

''کچھ نہیں ہوتا..... چلو آؤ اٹھو..... اپنے خاندان کے سبھی مرد حضرات ہیں ایک دفعہ چل کر سب سے سلام دعا تو کر آؤ' امی اور چچی تمہیں یہیں مل گئی ہیں۔ بس جا کے سب سے مشترکہ سلام لینا اور بڑی امی کے پاس تک جانا اللہ خیر صلہ۔'' شمائلہ نے مشورہ دیا تھا۔ وہ تینوں کو دیکھنے لگی۔

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

"چلو اٹھو بھئی..... کچھ نہیں ہوتا..... آؤ....." زارا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا۔

لاؤنج میں سبھی براجمان تھے۔ ایک طرف مرد تو دوسری طرف خواتین۔ وہ جھجک رہی تھی۔

زارا اور شمائلہ اسکے ساتھ تھیں اسے کچھ حوصلہ ہوا۔

"السلام علیکم۔"

اس نے ایک اچٹتی نظر ڈالی تھی۔ سب نے دیکھا تھا وہ فوراً سر جھکا گئی۔

"چلو آؤ بڑی امی ادھر ہیں ان کے پاس چلتے ہیں۔" ثناء نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف رکھے صوفوں کی طرف بڑھ گئی تھی وہ اس کے ساتھ کھنچی چلی گئی۔

"السلام علیکم بڑی امی کیسی ہیں آپ۔" واجدہ بیگم کے پاس جا کر ثناء نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" ثناء ان کے سامنے جھکی تھی انہوں نے اس کے سر پر پیار کیا تھا۔ پھر انہوں نے نویرہ کو دیکھا۔ وہ بھی ان کے سامنے جھکی تھی۔ انہوں نے بہت محبت سے سر پر پیار کر کے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"آؤ بیٹھو ادھر۔" انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ان کے دائیں طرف جگہ تھی وہ بیٹھ گئی۔

حمیرا، شمائلہ، زارا سبھی آ کر ملی تھیں۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے بڑی امی۔" نویرہ نے پوچھا تھا۔ وہ مسکرا دیں۔

"اللہ کا شکر ہے۔ وہ جس حال میں رکھے اس کا کرم ہے۔"

باقی سب پھر باتوں میں مصروف ہو چکے تھے نویرہ کو واجدہ خالہ سے خاص انسیت تھی۔ اب بھی وہ ان سے چھوٹے موٹے سوال کرنے لگی تھی۔ وہ بڑی محبت سے جواب دے رہی تھیں۔

"رفعت باجی کب تک پاکستان کا چکر لگا رہی ہیں۔ فون تو آتا رہتا ہوگا ان کا۔"

شارق زمان کے علاوہ واجدہ خالہ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی وہ بھی اتنی دور جدہ میں جا آباد ہوئی تھیں۔ سال دو سال بعد آنا ہوتا تھا اور سارے خاندان کو ان کی آمد کا انتظار رہتا تھا۔

"کہہ تو رہی تھی کہ اگلے دو تین ماہ میں چکر لگائے گی۔ دیکھتے ہیں کب آتی ہیں۔" نویرہ نے سر ہلایا پھر اس نے حاضرین پر سرسری نظر ڈالنے کو سر اٹھایا تھا ورنہ وہ مسلسل سر جھکائے ہوئے تھی۔

اس کے سامنے ہی صوفے پر نبیل بھائی، احمد بھائی اور شارق زمان تینوں براجمان تھے۔ نبیل اور احمد بھائی باتوں میں الجھے ہوئے تھے۔ شارق زمان البتہ خاموش بیٹھا انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بے تاثر چہرہ، بے تاثر نگاہیں..... نویرہ کے دیکھنے پر بھی اس نے نگاہیں نہیں پھیری تھیں۔

نویرہ کی بھنویں تن گئیں۔

شارق زمان کے یہی انداز و اطوار نویرہ کو ناگواری کے سمندر میں دھکیل دیتے تھے۔ وہ اب بھی نگاہیں پھیر گئی۔

"یہ شخص کیا چاہتا ہے۔ کیوں کر رہا ہے یہ سب؟" وہ الجھ کر رہ گئی۔

"میں آتی ہوں بڑی امی۔" وہ وہاں سے جلدی سے اٹھ آئی تھی۔ کچن میں آ کر گلاس میں پانی نکال کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

"پہلے بھی شارق زمان یہی تھا اور میں بھی..... اب کیا بدل گیا ہے جو وہ مجھ پر نظر اٹھا کر جھکانا بھول جاتا ہے۔ اتنی بے باکی"۔ وہ کلس کر رہ گئی۔

خالی گلاس کاؤنٹر پر رکھتے وہ مسلسل اسی نہج پر سوچ رہی تھی۔

اندر سے مسلسل باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ قہقہے تھے، چہکاریں تھیں، نویرہ کا دل دوبارہ اندر جانے کو نہ چاہا، وہیں اسٹول کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"اور یہ رضا کیوں نہیں آیا..... اور نہ ہی رمشاء..... خیریت ہو..... سبھی ہیں سوائے ان دونوں کے۔ مجھے کال کر کے پتہ تو کروانا چاہئے۔ چچی کہہ رہی تھیں کہ موڈ ہوگا تو بعد میں آ جائیں گے۔ اتنا تو وقت ہو گیا ہے اب کب آئیں گے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ لاؤنج میں تو سبھی تھے وہ نبیل بھائی کے کمرے میں چلی آئی۔ کال ملائی تو رمشاء نے ریسیو کی۔ سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا کہ "کیوں نہیں آئے دونوں۔" تو جواباً بہت اکھڑا ہوا انداز تھا۔

"آپ کی شادی کی تاریخ ہی طے ہونی ہے، ایسی کون سی "شاہی تقریب" ہے جس میں ہم دونوں کی شرکت بہت لازمی ہے۔" نہایت تلخی تھی زبان میں، نویرہ حیران ہوئی۔

"رمشاء....." رمشاء کا طنزیہ انداز تو بارہا محسوس ہوا تھا مگر یہ تلخی..... "یہ بات کرنے کا کونسا انداز ہے..... میں نے یونہی فون کیا تھا۔ تم تو....." نویرہ چپ ہو گئی۔

"سوری..... لیکن مجھے اسی طرح بولنا آتا ہے۔ رضا کی کمی محسوس ہو رہی ہے تو اس کے موبائل پر کال کریں ادھر تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ سوائے زخموں پر نمک چھڑکنے کے۔" پہلے سے زیادہ جلا بھنا انداز تھا۔ نویرہ گردن ہلا کر رہ گئی۔

"رضا سے جھگڑا ہو گیا ہے کسی بات پر۔" اس کی عقل یہیں تک جاتی تھی۔

"جھگڑا..... ہونہہ..... اس سے کون جھگڑتا ہے۔ اسے تو خوابوں سے فرصت نہیں..... نارسائی کا غم منا رہا ہے وہ اور میں اس سے جھگڑوں گی۔" انتہائی تلخ انداز تھا نویرہ کے خاک پلے نہ پڑا۔

"تمہاری باتیں میرے سر سے گزر رہی ہیں....." نویرہ نے کہا تو دوسری طرف وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

"ہنس کیوں رہی ہو؟" نویرہ کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا۔

"شکر کریں ہنس رہی ہوں اور اس بات کا بھی شکر کریں کہ میری باتیں آپ کے سر سے گزر رہی ہیں۔ آرام سے نواز بھائی کو پیاری ہوں سونفل پڑھوں گی۔" نویرہ کو یکدم اس کے لہجے سے حقارت سی محسوس ہوئی۔

"رمشاء....." نویرہ کو یقین ہو چلا کہ واقعی رمشاء کا دماغ چل گیا ہے۔

"پتا نہیں آپ میں ایسی کیا بات ہے میں چاہوں بھی تو حد سے نہیں گزر سکتی اور جس دن میرا ضبط

PAKSOCIETY.COM

اور اختیار جواب دے گیا اس دن میں وہ سب کچھ کر گزروں گی خواہ میرا اپنا ہی سب کچھ برباد کیوں نہ ہو جائے۔ سنا نویرہ آپی آپ نے یہ بات رضا کو بھی سمجھا دیجئے گا بڑی سنتا ہے وہ آپ کی۔"

غم و غصے سے کہتے وہ ایکدم کھٹاک سے فون بند کر چکی تھی۔ نویرہ ریسیور تھامے حیران و ششدر بیٹھی رہ گئی۔ رمشاء کی غیر مبہم سی باتیں' جلا بھنا انداز' تلخ لب و لہجہ کچھ بھی تو نظر انداز کئے جانے والا نہ تھا۔

"پتا نہیں اب ان دونوں میں کیا بات ہوئی ہے جو رمشاء یوں بی ہیو کر رہی ہے۔" وہ تفکر سے سوچ گئی۔

وہ فون رکھ کر باہر نکل آئی تھی۔ باہر اب بھی قہقہوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ نویرہ کا ارادہ اپنے کمرے میں جانے کا تھا جبھی راہداری سے گزرتے لاؤنج سے نکلتے شارق زمان کو دیکھ کر وہ رک گئی۔ شارق زمان بھی دیکھ چکا تھا نویرہ کو لاؤنج کے دروازے کے سامنے سے گزر کر اپنے کمرے میں جانا تھا' وہ راستے میں رکا ہوا تھا۔

"مبارک ہو دو ماہ بعد کی تاریخ طے پا گئی ہے۔ بڑا لکی ہے نواز۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا' نویرہ کے دل میں اگر اس کی طرف سے بدگمانی نہ آ چکی ہوتی تو ضرور جواب دیتی مگر اب..... وہ لب بھینچ کر خاموش رہی تھی۔

"کیا بات ہے..... بڑا روکھا پھیکا انداز ہے تمہارا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ بات کرنے کے موڈ میں تھا۔ نویرہ کو کوفت ہوئی۔ تاہم اس نے اپنے تاثرات پر قابو پائے رکھا۔

"جی..... الحمدللہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" شارق مسکرایا۔ اور بغور دیکھا۔ فیروزی سوٹ میں سر پر اچھی طرح دوپٹہ جمائے وہ ہمیشہ کی طرح بہت پراعتماد دکھائی دے رہی تھی۔ وہ حسین تھی مگر اس کی شخصیت کی سب سے بڑی خوبی اس کے کردار کی پختگی تھی۔ وہ خاندان بھر کی چاہی جانے والی لڑکی تھی۔ ہر کوئی عزت کرتا تھا اس کی..... اور ایسے میں شارق زمان کے دل میں اس کا احساس کروٹیں نہ لیتا تو کیا کرتا۔

"اس دن بھی تم ملی ہی نہیں گھر آتے ہی کمرے میں گھس گئی تھیں اور جاتے وقت دکھائی دی تھیں۔" وہ کہہ رہا تھا نویرہ نے بمشکل کچھ تلخ کہتے اپنی زبان روکی۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں' کوئی بھی ہو میں کم ہی گھلتی ملتی ہوں کزنز سے تو قطعی نہیں۔" اندر کی تلخی دباتے اس نے آرام سے جواب دیا تھا۔

"مگر رضا سے تو تمہاری بہت اچھی انڈراسٹینڈنگ ہے۔ سنا ہے میں نے وہ تمہاری کوئی بات نہیں ڈالتا۔" نویرہ نے ایک گہری سانس لی۔

"جی کہہ سکتے ہیں مگر اب ایسی کوئی بات نہیں رہی..... وہ اپنی تعلیم میں مصروف ہوتا ہے۔ اب تو شاید ہی ملاقات ہوتی ہے۔" نہایت تحمل سے جواب دیا تھا۔ شارق نے سر ہلایا۔

"ویسے آج اچھی لگ رہی ہو۔ یہ فیروزی کلر تم پر بہت جچ رہا ہے۔" شارق کا سادہ سا انداز تھا مگر انداز میں موجود اثر سادہ نہ تھا نویرہ ایکدم سرخ ہوئی تھی۔ ناگواری تو تھی ہی مگر ایک حجاب کی لہر بھی

آ ٹھہری تھی۔

شارق نے بغور دیکھا' اس کا رنگ بدلتا چہرہ' خوبصورت گہری آنکھوں پر سایہ فگن پلکوں کی لرزش کپکپاتے ہونٹ' ہر انداز ہی قاتل تھا' اس کے سینے میں موجود دل پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔

"جی..... پلیز راستہ دیں مجھے کمرے میں جانا ہے۔" ایک پل لگا تھا اسے کنفیوز ہونے میں مگر اگلے ہی لمحے اس کے لہجے میں ناگواری سمٹ آئی تھی۔ سارا حجاب ایک طرف ڈالے وہ کہہ رہی تھی۔ شارق ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب سے گزر کر اندر جانا چاہتی تھی جبھی لہراتا دوپٹہ شارق کے وجود کو چھوتا راہداری میں رکھی لوہے کی ٹیبل میں پھنسا تھا۔ نویرہ تیزی سے پلٹی تھی' دوپٹہ کھنچاؤ لگنے سے سر سے اتر چکا تھا۔ نویرہ کے لمبے سلکی بال اس کی ساری پشت پر بکھر آئے تھے۔ شارق دم سادھے دیکھے گیا۔

"اف..... یہ کیا مصیبت ہے۔" ایک تو بال کھلے تھے دوسرا دوپٹہ پھنس چکا تھا۔ کچھ شارق زمان کی موجودگی نویرہ کو فت کے ساتھ ساتھ کنفیوز بھی ہوا تھی تھی۔

"لائیں میں نکال دیتا ہوں' اس طرح دوپٹہ پھٹ جائے گا۔" دوپٹہ کا کونہ کھینچنے سے سلاخ کے اندر پھنس چکا تھا۔ نویرہ نے تیزی سے جھٹکے سے کھینچ کر نکالنا چاہا تھا جب شارق ایکدم آگے بڑھا تھا۔

"نہیں..... پلیز میں نکال لوں گی....." ایک ہاتھ سے لمبے بال سمیٹے دوسرے ہاتھ سے دوپٹہ نکال رہی تھی۔ شارق اس کے منع کرنے پر خاموشی سے دیکھے گیا۔

جھٹکے سے کھینچ کر اس نے کونہ نکال لیا تھا۔ نئے دوپٹے میں کتنا بڑا سوراخ ہو گیا تھا وہ دھیان دیئے بغیر تیزی سے چلی گئی تھی۔ شارق زمان اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے کمرے میں گھس چکی تھی۔ نویرہ کے لمبے بال واقعی خوبصورت تھے۔ اس کے ذہن میں بالوں کی آبشار جم کر رہ گئی تھی۔

"شارق تم ادھر کھڑے ہو۔ کھانا لگانے لگے ہیں چلو آؤ' بڑی امی تمہارا پوچھ رہی ہیں' پھر ٹیبل پر چلتے ہیں۔ خواتین یہیں کھائیں گی۔" وہ ابھی تک دروازے کو گھور رہا تھا' جہاں سے وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ نبیل کی بات پر پلٹ کر دیکھا تھا کچھ سمجھ نہ آئی تھی مگر وہ اس کی تقلید میں اس کے پیچھے چل دیا تھا۔

✿.....✿.....✿

نویرہ کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ ۲ فروری طے پائی تھی' بروز سوموار۔ اس وقت دسمبر کا آغاز تھا۔ درمیان میں پورا جنوری تھا' کافی دن تھے سو ہر کوئی مطمئن تھا۔ فروری کے بعد ساجدہ باجی اور نواز کی بہنوں کے بچوں کے ایگزیمز تھے سو اسی لئے فروری کا مہینہ ہی طے ہوا تھا۔ فروری میں اگرچہ سردی ہوتی تھی مگر موسم تھوڑا بہت بدل بھی چکا ہوگا۔ سو ہر پہلو کا جائزہ لیکر ہی تاریخ طے پائی تھی۔

حمید صاحب نے گھر واپسی پر آ کر رمشاء کو دن طے ہو جانے کی خبر سنائی تو اس نے شکر ادا کیا تھا۔ "شکر ہے نویرہ کی شادی ہوگی تو یہ رضا بھی کچھ ہوش کے ناخن لے گا۔" وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

"رضا کہاں ہے۔ سو گیا ہے کیا؟" زبیدہ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"نہیں..... لاؤنج میں بیٹھا ہے۔" بہت چاہنے کے باوجود نہ کہہ سکی کہ "نارسائی کا غم منا رہا ہے" جب سے رضا کو نویرہ کے شادی کے دن طے پانے کی خبر ملی تھی وہ گم صم ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی اس کیفیت سے بھی رمشاء جھلس رہی تھی۔ جلے پیر کی بلی بنی ہوئی تھی۔ رضا نے آج ان کے ہاں جانے سے انکار کر دیا تھا رمشا جانے کو تیار تھی مگر پھر وہ نہ گئی۔ اندر سے وہ مطمئن تھی، خوش تھی کہ نویرہ جلد از جلد رخصت ہو رہی ہے۔ کم از کم نویرہ کی طرف سے رضا کے متعلق اس کی ٹینشن تو کم ہو گی لیکن رضا کا انداز بھی اسے جھلسا رہا تھا۔

"وہاں سب تم دونوں کا پوچھ رہے تھے۔ بے شک بڑوں کی تقریب تھی مگر تم دونوں بھی چلتے تو اچھا لگتا' حمیرا' نبیلہ' نویرہ بار بار تم دونوں کو یاد کر رہی تھیں۔" زبیدہ نے کہا تھا' رمشاء چپ رہی۔ آج سے پہلے وہ اس خاندان کی ہر تقریب اٹینڈ کرتی تھی مگر اب.....

پھوپا اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ زبیدہ لاؤنج کی طرف بڑھی۔

"میں رضا کو دیکھوں تم چائے بنا لاؤ' تھکن سی ہو رہی ہے۔" وہ لاؤنج میں چلی گئی تھیں۔ رمشاء کچن میں چلی آئی۔ چائے بنا کر پہلے اس نے حمید صاحب کے کمرے میں پہنچائی تھی پھر ٹرے میں تین گلاس لیکر وہ لاؤنج میں آ گئی۔

بڑے صوفے پر رضا لیٹا ہوا تھا' لیکن اس کا سر زبیدہ کی گود میں تھا۔

"تم نے بتایا کیوں نہیں تمہیں اتنا تیز بخار ہے..... جسم پھنک رہا ہے تمہارا....." رمشاء ٹیبل پر ٹرے رکھتے ٹھٹکی۔ وہ گم صم تھا یہ تو وہ جانتی تھی مگر بخار..... وہ فکر مند ہوئی۔

"کیا ہوا..... بخار ہو گیا ہے..... مگر صبح تک تو یہ ٹھیک تھا؟" اس نے پھوپی کی شکل دیکھی' رضا نے سر اٹھا کر ناگواری سے اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہوں میں..... کچھ نہیں ہوا مجھے..... بخار ہی ہے ذرا سا مر تو نہیں گیا جو اتنا فکر مند ہو رہی ہیں۔" پھاڑ کھانے والا انداز تھا۔ رمشاء تو رمشاء زبیدہ بیگم بھی حیران رہ گئیں۔

"رضا بھلا ایسی بدفالیں منہ سے نکالتے ہیں۔ اتنا تیز بخار ہے کم از کم بتایا تو ہوتا۔" رضا ان سے اس لب و لہجے میں کبھی مخاطب نہیں ہوا تھا مگر' انہوں نے اس کے بال سنوار کر پچکارا۔ اکلوتی اولاد تھا بے حد عزیز۔ نجانے اب اسے کیا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ فکر مند ہوئیں۔

"چلیں اب پتا چل تو گیا ہے۔" اسی طرح منہ چھپائے وہ کہہ رہا تھا۔ رمشاء چپ چاپ کھڑی دیکھے گئی۔

"کھانا کھایا؟" چچی کو نئی فکر ہوئی۔ رمشاء کو دیکھا اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں..... کھانا کیوں نہیں کھایا تم نے اس طرح تو طبیعت زیادہ خراب ہو گی۔" انہوں نے اس کا سر اٹھایا تھا۔ سرخ انگارہ آنکھیں' انہیں خوف محسوس ہوا۔

"دل نہیں چاہ رہا..... جب دل چاہے گا تو کھا لوں گا۔ اس وقت تنگ نہیں کریں مجھے۔" خفا خفا بے زار انداز تھا۔ زبیدہ نے رمشاء کو دیکھا وہ بھی چپ چاپ تھی۔

"چلو..... کھانا نہیں کھانا دودھ پی لو۔ میڈیسن لے لو۔ جاؤ رمشاء دودھ لے آؤ۔" انہوں نے رمشاء کو کہا تھا وہ فوراً جانے کو پلٹی تھی۔

"نہیں..... مجھے کچھ نہیں کھانا پینا..... بس ٹھیک ہوں میں....." تلخی اب بھی تھی۔

"کھاؤ گے نہیں تو ٹھیک کیسے ہو گے۔ یہ بخار بستر پر بھوکے پیاسے پڑے رہنے سے نہیں اترے گا۔ جاؤ رمشاء دودھ اور دوا لے کر آؤ۔"

رمشاء چلی گئی تھی۔ زبیدہ نے بیٹے کو بغور دیکھا۔ آنکھیں بند کئے وہ بالکل چپ چاپ تھا۔ ایسی کیفیت رضا کی تبھی ہوتی تھی جب وہ کسی چیز کی ٹینشن لیتا تھا۔ اکلوتا لاڈلہ بیٹا تھا اس کی ایک ایک عادت سے واقف تھیں۔

"رضا! کیا بات ہے۔ کس چیز کی ٹینشن لے رہے ہو؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔ رضا نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ ہنوز جانچ رہی تھیں۔ رضا کی سرخ جھلستی آنکھیں پل بھر کو اٹھی تھیں پھر جھک گئیں۔

"امی....." وہ سسک اٹھا تھا۔ زبیدہ حیران ہوئیں۔

"رضا....." اکلوتی اولاد کا یوں بری طرح سسک اٹھنا ان کا دل کانپ اٹھا۔ "کیا بات ہے؟ جلدی بتا مجھے ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔" وہ ایکدم متوحش ہو گئیں۔

"مجھے..... مجھے....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ زبیدہ کی بے تابی بڑھی۔

"ہاں بولو کیا مجھے....." انہوں نے اسے حوصلہ دیا۔

"مجھ سے وعدہ کریں میں جو بھی مانگوں گا مجھے دیں گی۔" وہ مچل اٹھا۔ دونوں ہاتھ تھام لئے۔ "وعدہ کریں..... پلیز..... ورنہ میں مر جاؤں گا....." وہ بلک اٹھا تھا۔ وہ بھول گیا تھا وہ اس وقت کہاں ہے کس کے سامنے ہے' کیا کہنے جا رہا ہے۔ بس یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ کھیلن کو چاند مانگ رہا تھا۔ اگر اسے چاند نہ ملتا تو مر جاتا۔

"رضا..... میری جان..... سنبھالو خود کو کیا بات ہے۔ بتاؤ جلدی کرو۔" وہ ماں تھیں بیٹے کی حالت پر تڑپ اٹھی تھی۔ کب اس طرح تڑپ کر اس نے کبھی کچھ مانگا تھا اور اب.....

"وعدہ کریں۔ میری بات مانیں گی۔" وہ بچوں کی طرح ضد کر رہا تھا۔ ہر حال میں منوانے والا انداز تھا۔ حواس بے حواس تھے۔

زبیدہ نے رضا کے گرم ہاتھ تھام لئے۔ مضبوطی سے مٹھیوں میں جکڑ لئے۔

"میری جان..... میرے چندا..... تو کہہ تو سہی۔ تیری ماں تیرے لئے تو اپنی جان بھی دے دے گی۔" اس وقت وہ کچھ بھی مانگتا وہ دے دیتیں۔ رضا کی حالت ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

"مجھے..... مجھے..... نویرہ چاہئے۔"

لفظ کیا تھے دھماکا ہوا تھا۔

جھناکے سے دودھ کا بھرا گلاس اور پلیٹ رمشاء کے ہاتھ سے گر گئے تھے۔ زبیدہ بیگم بھی ہکا بکا تھیں۔

POESTUFF.BLOGSPOT.COM

ایک نظر دروازے میں کھڑی بے حس وحرکت رمشاء پر ڈالی اور پھر رضا کو دیکھا۔ جوان کے دونوں ہاتھ تھامے آنسو بھری آنکھیں لئے کھیلن کو چاند مانگ چکا تھا لیکن کانچ پر پاؤں پڑ گیا تھا اور پھر کوئی چیز اس کا وجود چھیدنے لگی تھی۔ ایک تکلیف کی سرد لہر تھی جو رگ وپے میں اندر تلک سرائیت کرتی گئی۔ خون ابل پڑا تھا مگر وہ بے حس وحرکت دیوار کو تھام کر وہیں ٹھہر گئی تھی۔ جیسے اب جسم میں جان نہ رہی ہو۔

"مجھے نویرہ چاہئے..... ہر حال میں چاہئے۔ مجھے وہ نہ ملی تو میں مرجاؤں گا۔" وہ رو پڑا تھا۔ رمشاء بے تاثر نگاہوں سے رضا کو دیکھے گئی۔

قیامت آچکی تھی۔ اسی دن سے وہ ڈرتی تھی اور یہ دن آچکا تھا۔ زبیدہ بیگم کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ رضا کیا کہہ رہا ہے۔

"رضا....." وہ پکاریں۔

"مرجاؤں گا..... بہت صبر کیا ہے..... بہت برداشت کیا ہے..... مگر امی مجھے صرف اور صرف نویرہ چاہئے....." اس کی ایک ہی تکرار تھی۔ ایک ہی نام تھا ہونٹوں پر۔ "نویرہ..... نویرہ..... نویرہ"

بخار سے پھنکتا جسم، لرزتے ہاتھ، برستی آنکھیں۔

زبیدہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھیں۔

"خبردار تو نے مزید ایک لفظ بھی کہا۔ نویرہ..... اوہ میرے اللہ..... رضا تجھے ہو کیا گیا ہے..... نویرہ..... کہہ دے کہ تو مذاق کر رہا ہے۔ یا اللہ یہ کیا ہے۔" ان کے حواس بحال ہو چکے تھے۔ اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑا لئے۔ رضا نے بے تابی سے دوبارہ ہاتھ جکڑ لئے۔

"امی..... خدا کے لئے..... بڑی چچی سے بات کریں..... مجھے نویرہ نہ ملی تو میں مرجاؤں گا۔"

زبیدہ حیران نظروں سے دیکھے گئیں۔ یہ خواب نہیں تھا حقیقت تھی۔ رضا کا مطالبہ۔

"نہ..... نہیں..... رضا اس کے بعد کبھی منہ سے ایسی بات مت کرنا، نویرہ کسی کے نام سے منسوب ہے۔ خاندان میں بھونچال آجائے گا۔ اپنی اور نویرہ کی عمر کا فرق ہی دیکھ۔ کیوں ہمیں خاندان بھر کی لعنت ملامت کروائے گا۔ خاندان سے نکلوائے گا کیا۔"

"کچھ بھی ہو..... نویرہ مجھے نہ ملی تو میں مرجاؤں گا۔" وہ ہذیاتی انداز میں کہتا اٹھ بیٹھا تھا۔

رمشاء بے حس وحرکت رضا کو دیکھے گئی۔

یہ محبت تھی..... رضا کی محبت تھی، اور جس سے محبت تھی وہ رمشاء نہیں نویرہ تھی۔

"زبان بند کرو اپنی..... بخار تمہارے دماغ کو چڑھ گیا ہے۔ آئندہ ایسی غلط بات کہتے ہوئے سو دفعہ سوچنا۔" زبیدہ سختی سے کہتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"سو دفعہ سوچا ہے۔ پل پل مرا ہوں..... نہیں صبر ہوتا۔" اس نے ماں کے ہاتھ تھام لئے تھے۔

زبیدہ بے بسی سے دیکھے گئیں۔

"نویرہ کے دن طے ہو گئے ہیں۔ ۲ فروری کو شادی ہے اس کی۔ کچھ تو سوچ، کیوں مجھ کو بے عزت

کروائے گا۔ تمہارا باپ ہی کیا کم غصے والا ہے۔ ہاتھ سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال کھڑا کرے گا اگر میرے منہ سے تمہاری طرح کی ایک بات بھی نکلی تو۔"

"امی....." وہ بے بسی سے ماں کے ہاتھوں پر اپنا سر ٹکا گیا۔

"دیکھ رضا..... نویرہ تجھ سے کم از کم کتنے سال بڑی ہے۔ خاندان کی وہ واحد لڑکی ہے جو ہر دلعزیز ہے۔ تیرا باپ تو ایک قیامت لے آئے گا۔ مجھے یوں رسوا نہ کر۔"

"اور جو میں مرجاؤں تو؟" رضا کا انداز دھمکی آمیز تھا۔ زبیدہ تڑپ اٹھیں۔

"ایسی بدفالیں منہ سے نہ نکال..... تو ہزاروں سال جیئے مگر یہ میرے بس میں نہیں۔ پھر تو رمشاء سے منسوب ہے۔ مرتے بھائی بھاوج کو میں نے زبان دی تھی اور تو جانتا ہے تیرا باپ تجھے گھر سے نکال دے گا۔ بڑے پکے ہیں وہ اپنے اصولوں میں۔" ایکدم اس کے پاس بیٹھ کر رضا کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کے پیشانی چومی تھی۔

"میں مرجاؤں گا....." ضدی، ہٹیلا انداز تھا۔ زبیدہ ساکت دیکھتی رہ گئیں۔

"رضا....." انہوں نے سختی سے ٹوکا۔ رضا مچل اٹھا۔

"محبت کرتا ہوں اس سے..... پتا نہیں کب سے..... ہوش سنبھالا تو ہر طرف وہ تھی اور اب وہ مجھ سے دور ہو رہی ہے۔ میرا دل بند ہو رہا ہے۔ کوئی نہیں سمجھتا مجھے۔" وہ رو دیا تھا۔ رمشاء کی بھی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

پاؤں سے خون بہہ بہہ کر گرے قالین کو سرخ کرتا جا رہا تھا مگر اسے پرواہ ہی نہ تھی۔

"اور تم نے مجھ سے تعلق توڑا تو میں مرجاؤں گی۔" رمشاء کا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر کہے مگر زبان تک نہ ہلا سکی۔

"آئندہ نویرہ کا نام بھی نہ لینا۔ بس اپنے دل میں ہی یہ راز چھپا لے۔ جو تو چاہتا ہے وہ کبھی ہونے والا نہیں....." زبیدہ نے سختی سے کہا تھا۔ رضا شکایتی انداز سے دیکھتا رہا۔

"آپ ایک دفعہ چچی لوگوں سے بات تو کریں۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو پھر میں دوبارہ ضد نہیں کروں گا صرف ایک دفعہ..... پلیز۔" وہ منت پر اتر آیا۔

"رضا....." زبیدہ کو اب غصہ آنے لگا تھا۔ "تو سمجھتا کیوں نہیں۔ خاندان بھر میں ہمیں رسوا کروائے گا تو..... بات صرف اتنی نہیں کہ وہ منسوب ہے یا اس کے دن طے ہو چکے ہیں بات یہ ہے کہ وہ تجھ سے عمر میں بڑی ہے اور اس خاندان میں عمروں کا فرق ساری عمر قائم رہتا ہے۔ ذلیل ہو جائیں گے ہم، وہ چھوٹا بھائی سمجھتی ہے تجھ کو اور تو ہے کہ..... تمہیں شرم تو نہ آئی ایسا سوچتے ہوئے بھی....." وہ رو دی تھیں۔ رضا جذباتی ہوا۔

"وہ کچھ بھی سمجھیں..... مگر میں تو ان سے محبت کرتا ہوں۔ خاندان والے کچھ بھی کہیں، مجھے ہر حال میں وہ چاہئے۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا..... خبردار تم نے آئندہ میرے سامنے ایسی بکواس بھی کی تو..... میں

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

ایسی ماں نہیں ہوں جو اولاد کی جائز ناجائز پوری کرنے کو کسی اور کا گھر برباد کروں..... ساری عمر کے لئے وہ لڑکی معتوب ٹھہرائی جائے گی اگر ایک دفعہ بھی خاندان بھر میں تیری بات نکل آئی تو..... ہم جو رسوا ہوں گے علیحدہ کیا تو نہیں جانتا' اس خاندان کے اصول....."

وہ سمجھا رہی تھیں' غصے سے' محبت سے رضا چپ چاپ دیکھے گیا۔

زبیدہ کا انکار اس کے دل کو دو حصوں میں تقسیم کر رہا تھا اور پھر ایکدم وہ اٹھا تھا۔

"رضا....." زبیدہ نے پکارا تھا' مگر وہ پروا کئے بغیر تیزی سے باہر نکلنا چاہتا تھا لیکن دروازے میں بکھرے کانچ اس کے پاؤں کو زخمی کرتے چلے گئے۔ وہ لڑکھڑایا تھا۔ کانچ اندر تلک اتر گئے تھے۔

"اف....." وہ تکلیف سے وہیں تھم گیا تھا۔

"رضا....." زبیدہ ایکدم تڑپ کر رضا کی طرف لپکی تھیں۔

رضا کا بازو تھاما..... تکلیف سے وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ کس نیت سے جا رہا تھا۔

"ارے یہ تو کھب گئے..... تم ادھر بیٹھو۔"

انہوں نے رضا کا بازو پکڑ کر دوبارہ قریبی صوفے پر بٹھا دیا تھا۔ خون بل بل بہہ رہا تھا۔

رضا نے پاؤں میں پھنسا کانچ نکالا۔

"رمشاء تمہارا پاؤں بھی زخمی ہے اور اتنی دیر سے تو یونہی کھڑی ہے ادھر بیٹھ۔" زبیدہ کی رمشاء کے پاؤں پر اب نظر پڑی تھی۔ اسے بھی بازو سے پکڑ کر رضا کے ساتھ ہی بٹھا دیا تھا۔

دونوں ایک ہی طرح کے زخم سے گھائل تھے۔ ایک ہی طرح کی تکلیف تھی مگر دل ایک نہ تھے۔ نجانے کیوں..... رمشاء کی آنکھیں بھر آئیں۔

زبیدہ دونوں کو چمکتی بھری آنکھوں سمیت دیکھتی باہر نکل گئی تھیں کہ دونوں کے پاؤں پر لگانے کو کچھ لے آئیں۔

رمشاء چپ تھی۔ رضا کے الفاظ نے' اس کی باتوں نے اس کا ذہن بالکل صاف کر دیا تھا اور رضا..... اس کے دماغ پر صرف ایک ہی بھوت سوار تھا "نوریہ کا حصول۔"

اس وقت اسے نہ کچھ اور سمجھ آ رہا تھا اور نہ ہی سمجھنا چاہتا تھا۔

زبیدہ بیگم جلدی سے فرسٹ ایڈ باکس لے آئی تھیں۔

"اتنے گہرے زخم ہیں۔" ان کی آواز رندھی ہوئی تھی جبکہ دونوں کو ہی پروا نہ تھی۔

دونوں ہی بے حس' بے تاثر انداز میں بیٹھے رہے۔

گھر میں آج کل سعید احمد اور طاہرہ بیگم کی طرف سے سکون تھا' اور یہ سکون ایسا تھا کہ سارا گھر ایک خوشگوار سی تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ طاہرہ اور سعید احمد کے آپسی تعلقات بہت خوشگوار ہو گئے تھے مگر یہ ضرور ہوا تھا کہ ہر روز چوبیس گھنٹے گھر میں جو معرکے والی فضا چھائی رہتی تھی وہ کم ہوئی تھی۔ کئی دن ہو گئے تھے پرسکون ماحول تھا۔ طاہرہ بیگم سعید احمد کی باتوں کی وجہ سے اپنی زبان بند رکھے ہوئے

تھیں تو سعید احمد سمعان احمد کی وجہ سے کچھ اور زرش کا بھی احساس تھا۔ جان گئے تھے کہ سمعان اور زرش کا معاملہ جنگ و جدل سے حل ہونے والا نہیں' آرام سے سکون سے اور دھیرج سے حل ہوگا۔

سعید احمد کو سمعان احمد کی رائے بھی کافی معقول لگی تھی اور پھر اس کے اثرات بھی اچھے خوشگوار تھے اس لئے انہوں نے اب غلطی سے بھی زرش کو سمعان کے لئے لانے کا ذکر کرنے سے اجتناب کر لیا تھا۔ زرش کو سعود احمد کم از کم گریجویشن سے پہلے کبھی رخصت نہیں کرے گا۔ انہوں نے ٹھنڈے انداز میں سوچا' تو یہی حل نکلا کہ فی الحال خاموشی اختیار کی جائے۔ دو تین سال بعد جب بھی موقع ملا وہ اپنی منوا کر رہیں گے۔ پھر یہ تو سمعان کی بھی دلی خواہش تھی یہ ٹھیک تھا کہ انہوں نے طاہرہ سے ضد باندھ لی تھی مگر زرش بڑی عزت وقار اور مان کے ساتھ اس گھر میں آئے یہ ان کی بھی خواہش تھی سو سمعان احمد کی بات پر عمل کر کے گھر میں سکون تو آ ہی گیا تھا۔

ان ہی پرسکون دنوں میں عثمان اور زوباریہ کی حمزہ کے ساتھ آمد ایک خوشگوار سرپرائز ہی ثابت ہوئی تھی۔

اتوار کے دن سب ہی گھر پر تھے۔ لیٹ اٹھے تھے، سو ناشتہ بھی لیٹ کر رہے تھے۔ دس بجنے والے تھے جب سب ڈائننگ ٹیبل پر براجمان تھے۔ ماجدہ فرح اور طاہرہ ناشتے کا انتظام کر رہی تھیں۔ سمعان اخبار کے ساتھ ساتھ پراٹھے سے انصاف کر رہا تھا علی اور سعید احمد پوری طرح ناشتے پر توجہ دیئے ہوئے تھے جب عثمان کی آواز آئی تھی۔

"السلام علیکم۔" تینوں ہی چونک گئے تھے۔ ایسا سرپرائز..... تینوں ہی گنگ تھے۔

"السلام علیکم....." چوکیدار بابا بیگ تھامے ہوئے پیچھے ہی تھا۔ حمزہ کو عثمان نے اٹھایا ہوا تھا۔ زوباریہ بھی ساتھ کھڑی مسکرا کر سلام کر رہی تھی۔

"ارے عثمان زوباریہ تم دونوں....." سعید احمد ایک دم سنبھلے فوراً سیٹ سے اٹھے اور لپک کر عثمان کو سینے سے بھینچ لیا۔ حمزہ عثمان کے بازو میں تھا اس والہانہ گرفت پر احتجاج کرا اٹھا۔

انہوں نے مسکرا کر اسے بازو میں اٹھا لیا تھا۔ والہانہ چومتے انہوں نے زوباریہ کو دیکھا وہ مسکراتی ان کے قریب ہوئی۔

"کیسے ہیں پاپا آپ؟" سعید احمد نے بہت شفقت سے اس کے سر پر پیار کیا تھا۔ عثمان اب سمعان اور علی سے مل رہا تھا۔

"امی..... فرح دیکھیں کون آیا ہے؟" عثمان کے گلے لگے علی نے کچن کی طرف منہ کر کے کہا تھا۔ فرح پہلے برآمد ہوئی تھی ہاتھ میں ٹرے میں آملیٹ اور پراٹھا تھا۔ ڈائننگ روم کا منظر دیکھ کر حیران ہوئی۔

"عثمان بھائی..... بھابی....." حیرت سے پکارتی وہ ایکدم بھاگی چلی آئی تھی۔ ٹرے ٹیبل پر پٹخ کر اس نے زوباریہ کو والہانہ پن سے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔

"سچی بھابی مجھے یقین نہیں آ رہا..... کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔" زوباریہ سے جدا ہو کر

POESTUFF.BLOGSPOT.COM

بازوؤں سے مضبوطی سے جکڑے وہ بے یقین تھی۔

"نہیں تم خواب نہیں دیکھ رہی ہو ہم بہ نفس نفیس یہاں ہیں۔"

عثمان بھائی اس کے پاس چلے آئے تھے اس نے زوباریہ کو چھوڑ عثمان کے بازوؤں میں پناہ لی..... عثمان نے فرح کی پیشانی چومی تھی۔

"کیسی ہے ہماری گڑیا؟" کتنی محبت اور شفقت تھی عثمان کی آواز میں فرح کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک..... اور یہ موٹو کیسا ہے؟" علی حمزہ کو اچھال رہا تھا۔ فوراً عثمان کا حصار توڑ کر اس کی طرف بڑھی۔ ایک سال کا حمزہ کپڑوں میں پیک اچھا خاصا صحتمند تھا اس نے اٹھالیا۔

"علی یہ کیسا شور ہے؟ کون آیا ہے؟" طاہرہ کی بھی آواز آئی تھی۔ پھر وہ خود دکھائی دیں۔ عثمان اور زوباریہ کو دیکھ کر ان کا بھی وہی حال ہوا تھا جو سب کا ہو چکا تھا۔

"عثمان....." وہ بے تابی سے آگے بڑھی تھیں۔

"السلام علیکم....." عثمان نے سلام کیا تھا۔ انہوں نے ساتھ چمٹالیا۔ کتنی دیر تک چمٹائے رکھا۔ جب سے عثمان دور ہوا تھا انہیں بہت عزیز ہو گیا تھا۔

"السلام علیکم ماما۔" زوباریہ بھی تھی انہوں نے مسکرا کر اسے بھی بازو میں سمیٹ لیا۔

سبھی ایک طرف دیکھتے مسکرا رہے تھے۔ محبتوں کا یہ ملاپ خاصا خوشگوار تھا۔

"گھر کی یاد کیسے آ گئی..... فرصت مل گئی تم دونوں کو۔"

فرح کے بازوؤں سے حمزہ کو لے کر پیار کرتے انہوں نے شکوہ کیا تھا۔

باقی سب دوبارہ اپنی سیٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔ عثمان اور زوباریہ بھی بیٹھ گئے۔

سعید احمد کے دائیں طرف پہلی چیئر پر طاہرہ بھی آ بیٹھیں۔ ان کے ساتھ والی سیٹ پر زوباریہ تھیں۔

"فرصت کہاں ماما؟ اتنی ٹف روٹین ہوتی ہے' بہت دل چاہ رہا تھا سب سے ملنے کو چھٹی لے کر آئے ہیں۔" زوباریہ بھابی نے کہا تھا۔

زوباریہ بھابی گائنا کالوجسٹ تھیں۔ آرمی کے اسپتال میں ڈاکٹر تھیں جبکہ عثمان بھائی آرمی میں ہی انجینئر تھے۔

اسلام آباد میں ہی ہوتے تھے۔ اپنی جاب کی وجہ سے کم ہی آنا ہوتا تھا۔

زوباریہ بھابی کی پوری فیملی آرمی میں تھی۔ بھائی' بھابیاں' والد' چچا وغیرہ۔ زوباریہ بھابی کے والد عثمان بھائی کے آفیسر تھے۔ انہیں عثمان بھائی زوباریہ کے لئے پسند آ گئے تھے انہوں نے عثمان سے مراسم بڑھائے اور پھر اپنی بیٹی سے ملوایا تھا اس طرح عثمان اور زوباریہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگ گئے تھے۔ جن دنوں ہادیہ اور عثمان کی بابت گھر میں ٹینشن چل رہی تھی۔ عثمان بھائی نے زوباریہ بھابی کا نام لے لیا تھا۔ اس طرح سعید احمد اور طاہرہ کو اپنی اپنی ضد پس پشت ڈال کر دونوں کی شادی کرنا پڑی تھی۔ شروع میں طاہرہ کا زوباریہ سے تھوڑا بہت کھچاؤ رہا تھا لیکن پھر رفتہ رفتہ ٹھیک ہوتی

چلی گئیں۔ اس میں کچھ ہاتھ زوباریہ بھابی کا بھی تھا۔ وہ انتہائی خوش مزاج اور ملنسار طبیعت کی مالک خاتون واقع ہوئی تھیں' کوئی بھی ان کی سلجھی ہوئی طبیعت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

"ہمارا کتنے دنوں سے پلان بن رہا تھا لیکن جاب کی وجہ سے نکلنا نہیں ہو رہا تھا۔ آج کل میں چھٹیاں منظور ہوئی تھیں۔ پہلی فلائٹ سے ہی یہاں پہنچے ہیں انشاء اللہ ایک ہفتہ تک یہیں رہیں گے۔"

عثمان بھائی نے بتایا تو فرح خوش ہو اٹھی۔ پورے ایک ہفتے کے لئے عثمان اور زوباریہ ان کے ہاں رہیں گے۔ وہ اس تصور سے ہی جھوم اٹھی تھی۔

"شکر ہے تم لوگوں کو بھی رہنے کا خیال آیا۔ ہم تو ترس گئے تھے حمزہ اور زوباریہ کی شکل دیکھنے کو....." حمزہ کو سعید احمد نے ابھی بھی اٹھایا ہوا تھا۔ وہ بہت "بیبا" بچہ تھا۔ سب کے پاس ہی چلا جاتا تھا۔

"آپ لوگ بھی تو کم ہی آتے ہیں۔ کبھی کبھار سمعان بزنس کے سلسلے میں چکر لگالے تو بھی رکتا نہیں ہے۔ ہماری تو مجبوری ہے' علی فرح اور ماما آپ بھی تو چکر نہیں لگاتے۔" زوباریہ نے کہا تھا طاہرہ مسکرا دیں۔

"علی اور فرح تو پڑھائی میں الجھے رہتے ہیں۔ چھٹیاں ہوں گی تو سب آئیں گے۔" سمعان نے کہا تھا۔

"چلو فرح فٹافٹ ماجدہ کو کہو ناشتہ تیار کرے۔ میں آتی ہوں۔ عثمان' زوباریہ کو بھوک لگی ہوگی۔"

فرح اٹھ کر فوراً چلی گئی تھی۔

وہ عثمان اور زوباریہ سے مزید حال احوال پوچھتی رہیں۔ اتنی دیر میں فرح دونوں کے لئے کولڈ ڈرنکس لے آئی تھی۔

"تم لوگ پراٹھا لوگے ناشتے میں یا پھر....." طاہرہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے ہاتھ کے پراٹھے سبھی شوق و رغبت سے کھاتے تھے۔

"میں تو پراٹھا کھاؤں گا بہت عرصہ ہو گیا ہے آپ کے ہاتھ کا پراٹھا کھائے۔" عثمان نے کہا تھا تو زوباریہ نے بھی سر ہلا دیا۔

"تم لوگ یہ پیو..... میں فٹافٹ تیار کر لاتی ہوں۔"

وہ چلی گئی تھیں عثمان پچھلی دفعہ آیا تھا تو گھر میں ہر وقت ٹینشن دکھائی دی تھی جبکہ اب ایک خوشگوار سی تبدیلی محسوس ہوئی تھی۔ امی کا رویہ' ابو کا انداز..... بڑے عرصے بعد یوں ٹیبل پر امی ابو دونوں قریب بیٹھے دکھائی دیئے تھے۔

"خیریت..... گھر میں ماحول پہلے سے کچھ چینج ہے؟"

کولڈ ڈرنک پیتے عثمان نے سبھی کو دیکھا تھا۔ سعید احمد مسکرا دیئے۔ عجیب پراسراری مسکراہٹ تھی۔

"ہوں..... ماما کا رویہ بھی کچھ ہٹ کر ہے....." زوباریہ بھی کہہ رہی تھی۔

سمعان احمد نے بھی ایک گہری سانس لی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"کیا بات ہے۔ ماما زرش کے لئے راضی ہوگئی ہیں یا پھر فوزیہ کے لئے تم۔" زوباریہ بات ادھوری چھوڑ کر سمعان احمد کو دیکھنے لگ گئی تھیں۔

"ابھی تو آپ لوگ آئے ہو' آرام سے بیٹھو' کھاؤ پیو' گھر کا ماحول سمجھ میں آجائے گا۔ اتنی جلدی کس بات کی ہے۔ تمہاری ماں کی ضد کتے کی اس دم کی طرح ہے جو سو سال بھی نلی میں رہے باہر نکالیں تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہتی ہے۔ آہستہ آہستہ تم لوگ بھی جان جاؤ گے' اپنی ماں کے خوشگوار موڈ کی وجہ۔" سعید احمد طنزیہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"تم لوگ بیٹھو..... کھاؤ پیو..... میں ذرا فریش ہولوں۔" وہ ڈائننگ روم سے باہر نکل گئے تھے۔

عثمان نے سمعان کو دیکھا۔ وہ ہونٹوں پر انگلی پھیر رہا تھا۔ عثمان نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر موقع مناسب نہ جان کر منہ بند کر گیا۔

"تمہاری بزنس کی مصروفیات کیسی چل رہی ہیں۔" عثمان نے سمعان سے پوچھا تھا۔

"بس وہی..... ابو اور چچا جان آفس سنبھالتے ہیں اور میں ڈیلی گیشنز کو کبھی یہاں' کبھی وہاں' کبھی لاہور اور کبھی اسلام آباد آج کل میں وہاں باقاعدہ آفس اسٹارٹ کرنے کا سوچ رہا ہوں۔ ابو نہیں مان رہے اس طرح مجھے وہاں مستقل رہنا ہوگا جبکہ ابو اور چچا کے خیال میں میری یہاں زیادہ ضرورت ہے۔ ابھی تو دونوں ہی نہیں مان رہے دیکھتے ہیں آگے کیا کرتے ہیں۔"

"انشاء اللہ ٹھیک ہی ہوگا..... اور فرح علی تم دونوں پڑھائی کے علاوہ کیا کرتے رہتے ہو۔" زوباریہ بھابی نے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں..... سو لیا' جاگ لیا' کھا لیا' پی لیا اور جب زرش آجاتی ہے تو اس کے ساتھ وقت گزار لیتے ہیں۔ مگر اس کے بعد اسٹڈی کرتے ہیں۔ علی کبھی دوستوں کے ساتھ نکل جاتا ہے اور جس دن امی منع کر دیں اس دن علی کا موڈ دیکھنے والا ہوتا ہے۔ سارا دن میرا سر کھاتا ہے۔

"اور تم کیا کرتی ہو....."

"بھابی مت پوچھیں۔ یہ لڑکی مجھے کس کس انداز میں زچ کرتی ہے۔ علی کیرم کھیلیں' علی آئس کریم لادو..... علی آؤ ٹی وی دیکھتے ہیں۔' علی آؤ لان میں چکر لگاتے ہیں۔ کچھ نہ پوچھیں اس کی فرمائشیں ہی نہیں پوری ہوتیں۔"

وہ بھی شروع ہو چکا تھا عثمان زوباریہ سمعان سمیت وہ دونوں بھی ہنس دیئے تھے۔ اس دوران طاہرہ معہ پراٹھوں کے آگئی تھیں اور پھر دونوں ناشتے میں مصروف ہوگئے تھے۔

بہت عرصے بعد ان کے گھر میں ایک ایسے بھرپور دن کی شروعات دیکھنے کو مل رہی تھیں۔

ہادیہ اور وقار اپنے بیٹے کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ ہادی آپی کا کچھ دن رہنے کا موڈ تھا۔ ماریہ باجی اور زویا باجی پھپھو کے ہاں تھیں۔ جتنے دن وہ ادھر تھیں ہادی آپا ادھر آگئی تھیں۔ وقار بھائی آئے تو صرف چھوڑنے تھے لیکن ممانی کے بار بار اصرار پر وہ رات ٹھہرنے کا پروگرام بنا بیٹھے تھے۔ کچھ سنڈے تھا' کام بھی کچھ نہ تھا سو اگلے دن صبح صبح رخصت ہونے کا ارادہ تھا۔ مغرب تک ان کے گھر میں کافی چہل پہل رہی تھی۔ مغرب کے بعد اچانک ہی اپنے گھر عثمان اور زوباریہ کو دیکھ کر سبھی حیران ہوئے تھے۔ سلام دعا' آنے' نہ جانے کے گلے شکوے کتنی دیر تک یہی باتیں ہوتی رہی تھیں۔

رات کے کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔ زرش سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔ سب کو دے کر وہ اپنا کپ لے کر بھابی کے پاس آبیٹھی۔

"اسٹڈی کے علاوہ اور کیا کرتی ہو تم دونوں؟" ان کے دائیں بائیں دونوں ہی تھیں۔ سو دونوں سے ہی اس نے پوچھا تھا۔

"کرنا کیا ہے..... کالج سے آنے کے بعد کچھ دیر آرام کیا جاتا ہے۔ نوشی' یاسمین اور ماما کے ساتھ کچن کے کاموں میں لگ جاتی ہے' میرا موڈ ہوتا ہے تو میں بھی ہاتھ بٹا دیتی ہوں ورنہ ادھر ادھر ہی چکراتی رہتی ہوں۔ کبھی تایا ابو کے ہاں چلی جاتی ہوں بس اپنی تو یوں ہی گزر رہی ہے۔" زرش نے لاپروائی سے کندھے اچکائے تھے۔

"اور چچی جان نوشی کے سسرال والے کیسے ہیں۔ کب تک شادی متوقع ہے۔"

زوباریہ بھابی کتنے عرصے بعد کراچی آئی تھیں سو ہر ایک کے متعلق دریافت کر رہی تھیں۔

"دیکھتے ہیں کیا کرتے ہیں' اچھے لوگ ہیں' ذاتی طور پر تو پہلے ہی خاصے مراسم تھے ستارہ کی شادی کے بعد رشتہ داری بھی ہوگئی تھی۔ اب تو نوشی کی سسرال ہے بہت اچھے سلجھے ہوئے لوگ ہیں۔ شادی پر وہ لوگ تو زور دے رہے ہیں ہم ہی ابھی ٹال رہے ہیں۔"

"کیوں....." پاپا' عثمان بھائی اور وقار اور بھائی تینوں ٹی وی کے سامنے بیٹھے باتوں میں مصروف تھے وہ سب ان سے کافی دور ہٹ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"نوشی ابھی اسٹڈی میں مصروف ہے۔ ہادی کی بھی کم عمری میں شادی کر دی تھی ابھی گریجویشن مکمل نہ ہوئی تھی کہ شادی کی ذمہ داری ڈال دی' وہ تو وقار ہیلپنگ شوہر تھا کچھ عرصہ صبر کئے رہا۔ آرام سے

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

ہادی نے ایگزیم دیئے تھے اور اس کے بعد ہی ہادی گھریلو کاموں میں الجھی تھی۔ اللہ نے قسمت اچھی لکھی ہے' بیٹا بھی جلدی ہوگیا مگر نوشی کے ساتھ یہ سب نہیں دہرانا چاہتے۔ آرام سے گریجویشن کے ایگزیمز دے پھر دیکھیں گے۔'' ماما نے تفصیلی کہا تھا۔ ہادی ہنسی جبکہ نوشین جھینپی تھی۔

''اور کیا..... یہ میرا ہی ماما کو مشورہ تھا ورنہ شادی کے بعد شوہر صبر کہاں کرتے ہیں۔ اور دہرے کام بھی کرو۔ شوہروں کو بھی راضی کرو اور پڑھائی بھی ہو۔''

زرش اور نوشی خاموش ہی رہیں کہ گفتگو ہی ایسی تھی۔

''بھابی آپ پھپھو کے ہاں جائیں گی.....'' زرش نے پوچھا تو وہ اثبات میں گردن ہلا گئی۔

''ہاں ارادہ تو ہے..... پھر پورے ایک ہفتے کے لئے آئے ہیں سبھی سے ملوں گی۔''

''حمزہ کو ہی لے آتے کتنا عرصہ ہوگیا ہے اسے دیکھے ہوئے۔ تب تو تین ماہ کا تھا اب تو بڑا ہوگیا ہوگا۔'' نوشین کی بات پر زوباریہ نے گردن ہلائی۔

ساتواں منتھ چل رہا ہے..... بڑا ایکٹو ہوگیا ہے۔ بڑا خیال رکھتی ہوں اس کا پھر میری ماما کا گھر بھی نزدیک ہے۔ ڈیوٹی آورز میں ماما کے ہاں بھیج دیتی ہوں۔ مجھ سے زیادہ تو وہ ماما لوگوں سے اٹیچ ہے۔ بڑا شرارتی ہے۔ ذرا تنگ نہیں کرتا..... عثمان بھی بڑی تعریف کرتے ہیں بس لانا چاہ رہی تھی مگر ماما نے (طاہرہ بیگم) نے منع کردیا کہ خوامخواہ نظر لگ جائے گی۔ ہے بھی تو بڑا پیارا سا۔'' زوباریہ کی بات پر سبھی مسکرادیں۔

''جب ماں باپ اتنے پیارے ہوں تو بچے بھی پیارے ہوتے ہیں۔ آپ نے طیب کو دیکھا ہے کیسا تیز ہے پورے ایک سال کا ہے۔ پھپھو تو ہر وقت اسے ساتھ رکھتی ہیں۔ میرے سے زیادہ وہ پھپھو سے اٹیچ ہے۔'' ہادی اپنے بیٹے کا بتا رہی تھی جو تھوڑی دیر پہلے ہی سویا تھا۔ ہادی آپا اسے کمرے میں لٹا آئی تھیں۔ اسی لئے تو آرام سے بیٹھی ہوئی تھیں۔

''اور چچی جان آپ سنائیں باقی خاندان والوں کی..... کیسے ہیں سب' خاص طور پر قیصرہ خالہ وغیرہ۔'' زوباریہ نے پوچھا تو قیصرہ کے نام پر شائستہ کا موڈ بگڑا۔

''ٹھیک ہیں سبھی..... آتی رہتی ہیں سبھی کے ہاں البتہ قیصرہ کے ہاں کم ہی جاتی ہوں' ادھر ادھر آتے جاتے ملاقات ہوجاتی ہے۔ قیصرہ کی طبیعت ہی ایسی ہے کہ میرا جی خراب ہونے لگتا ہے اس سے ملتے ہوئے۔ خود ہی کوشش کرتی ہوں کم ہی سامنا ہو۔'' انہوں نے صاف کہا تھا۔

''آتی رہتی ہیں ہمارے ہاں تو..... پھپھو اور ان کا ہر بار کسی نہ کسی بات پر معاملہ خراب ہو ہی جاتا ہے اور ہر بار اب نہ آنے کی قسم کھا کر جاتی ہیں مگر پھر آجاتی ہیں۔ حوصلہ قیصرہ خالہ کا سارے خاندان کی خبر رکھتی ہیں۔ ادھر کیا ہو رہا ہے' تایا جان کے ہاں کس کی کس سے لڑائی ہوئی ہے۔ ماموں وغیرہ سب کے سلسلے میں ان کی معلومات بڑی اپ ٹوڈیٹ ہوتی ہیں۔ کبھی کبھار تو مجھے ان پر بڑی حیرت ہوتی ہے۔ ''چل تو چل'' والی طبیعت ہے ان کی ایمان سے۔'' ہادی آپا نے تفصیلی جواب دیا تھا۔

''اور ان کی بیٹی..... کیا نام ہے اس کا..... ہاں فوزیہ..... وہ کیسی ہے اپنی شادی پر دیکھی تھی' تب

سرسری نظر ڈالی تھی اس کے بعد قیصرہ خالہ کے ہاں جانے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ عثمان خود بھی ان سے پہلو بچاتے ہیں۔ اب سمعان کے سلسلے میں اس کا نام سن کر اسے دیکھنے کا اشتیاق ہوگیا ہے۔''

''ہے تو اچھی..... خوبصورت ایجوکیٹڈ..... طبیعت کی بھی ٹھیک ہے مگر..... غصے کی تیز ہے۔ سمعان احمد سے قطعی مختلف اور پھر اس کا ذہن بھی سمعان سے نہیں ملتا..... بڑا فرق ہے دونوں میں خاص طور پر قیصرہ خالہ کی بڑی مانتی ہے۔ اور یہ قیصرہ خالہ کیسی ہیں یہ تو آپ اچھی طرح اندازہ لگا چکی ہوں گی۔'' ہادی آپا نے ہی بتایا تھا۔

زوباریہ نے سر ہلایا۔

''آج کل ماریہ باجی کی نند صبا جس یونیورسٹی میں ایم کام کر رہی ہے، وہیں فوزیہ بھی ہوتی ہے' بتا رہی تھیں ماریہ باجی کہ بقول صبا یونیورسٹی کے ایک لڑکے کے سے اس کا افیئر چل رہا ہے۔ اکثر ہوٹلنگ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ قیصرہ خالہ بھی جانتی ہیں مگر جان بوجھ کر سمعان احمد کے سر منڈنے کو تیار ہیں۔''

ہادی آپا کی یہ نئی تازہ دی جانے والی انفارمیشن پر زرش نے نوشی کو دیکھا۔

''ہوسکتا ہے ایسی بات ہو مگر ہمیں کیا۔ تم قیصرہ کے معاملے میں چپ ہی رہا کر۔ کچھ بھی مت کہا کرو..... قیصرہ جانے اور اس کی بیٹی۔'' ماما نے ہادی آپا کو ٹوک دیا تھا۔

''خوامخواہ ہم پر الزام آجائے گا..... پہلے ہی کوئی قصور نہیں ساری عمر سے سزا کاٹ رہے ہیں۔'' شائستہ کی آواز رندھی تھی پھر انہوں نے قابو پالیا۔

ایکدم ماحول عجیب سی کثافت کی زد پر آگیا تھا۔

''ہادی آپا..... اس رات جب سمعان بھائی ہمیں چھوڑنے آئے تھے نا اور آئس کریم بھی کھلائی تھی اس جگہ پر ہم نے فوزیہ باجی کو دیکھا تھا ان کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا۔ کافی اٹریکٹو پرسنالٹی تھی۔ سمعان بھائی نے بھی دیکھا تھا۔ حیران ہوئے تھے..... ہم نے تبصرہ کیا تو ہمیں ٹوک گئے۔ لیکن وہ بالکل اجنبی آدمی تھا اور رات کے دس کے قریب دونوں وہاں تھے۔ ہے نا حیرت کی بات۔''

نوشی نے بتایا تھا۔ ہادی کے ساتھ زوباریہ بھی چونکیں جبکہ ماما نے نوشی کو گھورا۔

وہ نوشی وغیرہ کے منہ سے پہلے ہی سارا قصہ سن چکی تھیں۔

''چھوڑ اس بات کو ہمیں کیا..... پرائی لڑکی کے متعلق ہم کیوں اندازے لگائیں۔ رات کے اس پہر یقیناً ماں باپ کے علم میں ہوگا ہی کہ ان کی اولاد کہاں ہے۔ ہوسکتا ہے وہ لڑکا اس کے لئے اجنبی نہ ہو۔ نوشی تم لوگ اب اس بات کو کسی اور کے سامنے مت کہہ دینا۔ خواہ مخوا ایک نیا عذاب کھڑا ہوجائے گا۔ ہماری بات تو جنگل میں آگ کی طرح پھیلتی ہے۔ چاہے وہ طاہرہ کی بات ہو یا ہماری۔'' انہوں نے فوراً منع کیا تھا۔ نوشی سر جھکا گئی۔

''ویسے ماما یہ زیادتی ہے۔ طاہرہ خالہ پٹ سے کسی کی بھی اولاد کے متعلق کوئی بھی بیان جاری کردیتی ہیں۔ اپنی اولاد سے متعلق انہیں کچھ ہضم نہیں ہوتا۔ ہمارے تینوں گھروں سے متعلق کوئی بھی

بات ہو وہ اشتہار بنا دیتی ہیں۔ اور اپنی بات قبر کے ہول میں بھی کھلنے نہیں دیتیں۔ سمعان بھائی والا معاملہ ہی لے لیں' تایا ابو کیا چاہتے ہیں یا سمعان بھائی کی کیا خواہش ہے' سارے خاندان میں انہوں نے ڈھنڈورا پیٹ دیا ہے۔ چلو یہیں تک بات رہتی تو ٹھیک تھا انہوں نے تو حد کردی۔ تائی امی کو ایک منٹ کے لئے پرسکون ہونے نہیں دیا۔ لمحہ بہ لمحہ فون کرکر کے انہوں نے وہ آگ لگائی کہ تائی اور تایا کے درمیان ایک جنگ سی چھڑ گئی تھی اور پھر مزے لے لے کر وہ خاندان کے سارے گھروں میں جاجا کر بتاتی ہیں کہ آج فلاں بات پر سعید احمد طاہرہ سے جھگڑا ہے' کونسا گھر ہے جہاں جھگڑے نہیں ہوتے مگر تایا اور تائی کی زندگی قیصرہ خالہ نے تماشا بنادی ہے۔"

ہادی بھری بیٹھی تھی سب کہے گئی۔ آواز دھیمی تھی سو صرف یہ چاروں ہی سن سکیں۔

"پھر بھی بیٹا دل تو ہمارا بھی دکھتا ہے' ہم نے ایک زندگی یہ تصفیے کراتے گزاری ہے۔ بھائی صاحب اور طاہرہ میں کیا بات تھی یہ علیحدہ کہانی ہے۔ یہ دونوں پرسکون زندگی گزار سکتے تھے' طاہرہ کے سب بہن بھائیوں نے پوری کوشش کی تھی مگر یہ قیصرہ ہی تھی جس نے طاہرہ کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ ہم تو سچ کہتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ اسی سچ کی بدولت وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہوگئے تھے جب بھی پرانی باتیں یاد آتی ہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے پھر بھی ہم کیا کرسکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ایک طرف خاموش بیٹھے حالات کا رخ دیکھیں کبھی تو بہتری آئے گی ہی نا۔"

"لیکن چچی جان اس طرح خاموش رہنے سے بھی بعض اوقات حالات بگڑ جاتے ہیں۔ عثمان بتاتے ہیں سمعان وغیرہ آپ سے حد سے زیادہ اٹیچ ہیں پھر بھی آپ یہ بات کہہ رہی ہیں جبکہ سمعان احمد کسی بھی طرح اس فوزیہ کے لئے سوٹ ایبل نہیں ہے تو پھر آپ اسٹینڈ کیوں نہیں لیتیں۔ آپ کا پہلا حق بنتا ہے۔"

"بات اس رخ پر آچکی تھی کہ شائستہ بیگم نے زرش اور نوشی کو دیکھا' ہادی خاندانی معاملات میں کسی حد تک باخبر ہوچکی تھی کہ ہر طرف سے اسے خبر ملتی رہتی تھی جبکہ نوشی اور زرش.....

"تم دونوں اٹھو اندر جاؤ..... ہر وقت بڑوں کی باتوں پر ہی توجہ مت دیا کرو یہ خاندانی جھمیلے تمہارے کسی کام کے نہیں.....اٹھو جاؤ شاباش۔" انہوں نے صاف کہتے دونوں کو کہا تھا۔ دونوں جو آرام سے بیٹھی سن رہی تھیں گہری سانس لے کر اٹھ بیٹھیں۔ نوشی سمجھ چکی تھی کہ ماما نے زرش کی وجہ سے دونوں کو اندر بھیجا ہے' وہ زرش کو لیکر ہادی کے کمرے میں چلی گئی جہاں طیب سویا ہوا تھا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا چچی جان۔" زرش اور نوشین کے جانے کے بعد زوباریہ نے وہی سوال دوبارہ اٹھایا تھا۔

"میں اسٹینڈ کیسے لوں؟ ہم لوگ اس پوزیشن میں نہیں ہیں۔ سمعان ہمیں لاکھ عزیز سہی' میں نے اسے گود میں کھلایا ہے' ہادی سمعان سے ایک سال چھوٹی ہے۔ عثمان سمعان میرے ہاتھوں میں پل کر جوان ہوئے ہیں مگر یہ نفرتوں کے سلسلے بہت جان لیوا ہیں۔ مجھے مان ہے ان بچوں پر مگر میں ان کو عذاب کی بھٹی میں کیسے جھونک دوں۔ پھر زرش بھی ایسی عمر میں ہے جہاں فہم وشعور کے بجائے

جذباتیت حاوی رہتی ہے۔ سمعان سے وہ لاکھ اٹیچ سہی مگر میں اسے کسی جہنم میں نہیں دھکیل سکتی۔ طاہرہ جس مقام پہ ہے ایسے حالات میں ہمارا قدم پیچھے بڑھالینا ہی بہتر ہے۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ پاپا نے سمعان اور زرش کے رشتے کے سلسلے میں باقاعدہ آپ لوگوں سے بات کی تھی؟" شائستہ بیگم کے جواب میں زوباریہ نے فوراً کہا تھا۔

"ہاں کی تھی تب تمہارے چچا نے زرش کی کم عمری کا کہہ کر ٹال دیا تھا۔" شائستہ نے اسی دھیمے انداز میں جواب دیا تھا۔

"مگر کیوں..... مجھے تو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عثمان کی دادی جان کی بھی یہی خواہش تھی کہ عثمان یا سمعان میں سے کسی ایک کی آپ کی کسی ایک بیٹی سے شادی ہو چلو ہادی اور نوشی کی بات ہی دوسری تھی' عثمان کی میرے ساتھ کمٹ منٹ تھی لیکن سمعان اور زرش کے معاملے میں سوچا تو جاسکتا تھا نا۔"

"ضرور سوچتے بیٹا اگر طاہرہ خود آکر پوری عزت وشان اور دلی آمادگی سے ہماری بیٹی کے لیے بات کرے تو..... ورنہ زرش ہمیں بھاری نہیں ابھی پڑھ رہی ہے' پہلے تعلیم مکمل کرے گی پھر اس کی شادی کا بھی سوچیں گے۔ ابھی تو اسے ضدیں کرنے اور اپنی بات منوانے سے ہی فرصت نہیں۔ وہ گھر داری خاک کرے گی۔" زوباریہ نے ہادی کو دیکھا اس کا چہرہ مطمئن تھا۔ جیسے وہ اپنی ماما سے سو فیصد اتفاق کرتی ہو۔

"چلیں اس پوائنٹ کو بھی جانے دیتے ہیں مگر اگر کبھی سمعان احمد نے خود آپ سے زرش کے لئے بات کی تو پھر کیا کہیں گی۔" زوباریہ نے وہ بات کہہ دی تھی، جو انہوں نے کبھی سوچی بھی نہ تھی۔

"عثمان سمعان کی تربیت میرے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ ان کی نگاہ بدلنے سے ہی میں ان کے اندر کا موسم پڑھ لیتی ہوں۔ میں جانتی ہوں سمعان زرش میں دلچسپی رکھتا ہے اس نے زبان سے کبھی اظہار نہیں کیا اور نہ ہی وہ میرے سامنے اظہار کرے گا۔ اپنے بچوں کو میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔" ان کے اندر اعتماد تھا' زوباریہ دیکھ کر رہ گئی۔

"اور اگر کبھی سمعان نے زرش سے اظہار کردیا تو پھر؟" اس بات پر ہادیہ اور شائستہ بیگم دونوں الجھ کر رہ گئی تھیں۔

"بڑوں کے معاملے میں یہ کہہ لیں کہ سمعان ان کا ادب لحاظ کرکے خاموش رہے گا اور اگر زرش کو اپنے دل کی بات بتا کر وہ راضی کرلے تو پھر بھی آپ یہی کہیں گی۔" زوباریہ نے دونوں کو کشش وپیچ میں ڈال دیا تھا۔

"جذبے بے لگام ہوتے ہیں۔ ان پر بند نہیں باندھے جاسکتے اور پھر سمعان احمد جس جذبے کا اسیر ہے اس میں تو اور بھی مشکل ہے۔ زرش کم عمر جذباتی ضرور ہوگی مگر چاہے جانے کی خواہش ہر لڑکی میں فطری ہوتی ہے اور جب سمعان احمد جیسا ہر لحاظ سے مکمل انسان کسی کی خواہش کرے اور وہ وجود لاعلم بھی نہ رہے تو میرا نہیں خیال زرش کا ذہن اس حقیقت کو قبول کرنے سے انکار کرے گا۔ محبت' چاہت ایسے جذبات ہیں جنہیں مجبوراً کسی کے دل میں پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ جذبے خود آگے بڑھ کر اپنا آپ

BDISTRIFIBLOGSPOT.COM

منوالیتے ہیں اور کبھی سمعان کے جذبوں نے زرش سے اپنا آپ منوالیا تو پھر.....؟"

زوباریہ سوالیہ نشان بنی بیٹھی تھی۔ شائستہ بیگم کے پاس کوئی بھی جواب نہیں تھا۔ وہ نگاہیں پھیر گئیں۔

کچھ دیر بعد انہوں نے سر اٹھایا تھا' زبان کے علاوہ زوباریہ کی آنکھوں میں بھی یہی سوال تھا۔

"تو پھر اس مقام پر طاہرہ کو ضد توڑنا ہوگی۔ میری بیٹی کو وہی عزت' وہی مقام اور مان دینا ہوگا جو اس کا حق ہوگا۔ بحیثیت بہو وہ ڈیزرو کرتی ہوگی..... مجھے سمعان عزیز ہے لیکن کوئی بھی ماں اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے کنوئیں میں دھکیل نہیں سکتی۔ طاہرہ کو خود آ کر ہم سے زرش کو مانگنا ہوگا۔ پچھلے تمام حوالے بھلا کر اسے نئے رشتے استوار کرنا ہوں گے ورنہ کچھ بھی ممکن نہیں۔" زوباریہ مسکرادی تھی۔

"چلیں جی میری دعا ہے اللہ بہتری کرے..... یہ محبتوں' چاہتوں کی باتیں ہیں۔ ایسے رشتے میں یہی جذبے اچھے لگتے ہیں۔ اللہ حالات سنوارے۔ فی الحال تو میرا خیال ہے پاپا اس بات کو دبا گئے ہیں ان کا خیال ہے کہ زرش ابھی اپنی تعلیم مکمل کرلے جب حالات سازگار ہوں گے تو وہ اپنا حق بھی استعمال کرلیں گے۔ بس آپ لوگ تیاری کریں۔ مجھے لگ رہا ہے انشاء اللہ حالات بدلیں گے۔"

زوباریہ بہت مطمئن تھی۔ بہت پرامید اور آسودہ حال۔

شائستہ نے ایک گہری سانس لی تھی۔ دل ہی دل میں آمین کہا تھا۔ سمعان انہیں کس حد تک عزیز تھا کاش وہ زوباریہ کو بتا سکتیں۔

❁.....❁.....❁

رضا بیمار تھا' ذہنی طور پر وہ اس قدر اپ سیٹ تھا کہ بستر کا ہو کر رہ گیا۔ دو تین دنوں میں ہی وہ نچڑ کر رہ گیا تھا۔ زبیدہ بیگم ہر کسی سے اس کی بیماری کی وجہ چھپا گئی تھیں مگر وہ اور رمشاء جانتی تھیں کہ رضا کس طرح زبیدہ کے سختی سے انکار پر ٹوٹا ہے۔ اسے نوریہ چاہئے۔ زبیدہ بیگم حمید صاحب سے بات کریں۔" اس کی ایک ہی ضد تھی لیکن زبیدہ بیگم کو اسے چپ کرانے اور زبان بند کرنے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کرنے پڑ رہے تھے مگر رضا کسی بھی طرح نہیں مان رہا تھا وہ اتنا ضدی نہیں تھا مگر اس مقام پر آ کر اس کی ضد حد سے گزر رہی تھی۔

"رضا بند کرو اپنی یہ ضد..... آنے والا وقت تمہیں دکھائی نہیں دے رہا مگر میری جان نکل رہی ہے۔ تمہارا باپ تمہیں اور مجھے گھر سے نکال دے گا پھر مانگتے رہنا نوریہ کو..... اگر ایسا کچھ ہوا تو کچھ کھا کے مرجاؤں گی میں بھی۔" وہ اسے ہر طرح سے سمجھا بجھا چکی تھیں اس وقت بھی رات کے اس پہر بھی اس کی وہی ضد تھی کہ حمید صاحب اور خاندان والوں سے بات کریں۔ زبیدہ کو ایکدم غصہ آیا تھا سب کہہ دیا۔ اس وقت کمرے میں صرف وہ دونوں تھے۔

"دیکھ رضا..... تیرا دماغ خراب ہوا ہے میرا نہیں۔ اپنے باپ کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ سارے خاندان میں اتنا غصیلہ اور تندمزاج کوئی نہیں ہے۔ ورنہ تو انہیں کسی بات پر غصہ نہیں آتا اگر آتا بھی ہے تو پھر وہ حد کردیتے ہیں۔"

رضا چپ رہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں ہوسکتا..... کچھ بھی....." کتنی دیر بعد بولا تو کتنا مایوس تھا۔ زبیدہ کا اپنا دل کٹنے لگا۔

'ہاں کچھ بھی نہیں ہوسکتا..... تو ضد چھوڑ دے..... رمشاء اتنی اچھی تو ہے' تیری ہم عمر ہے..... پھر کس بات کی ضد ہے۔ بڑے بڑے لوگوں کو اس مقام پر اس عمر میں جذبات بہکا دیتے ہیں وہ تیری طرح ضد تو نہیں کرتے۔ خود کو سنبھال لیتے ہیں۔ تو بھی خود کو سنبھال۔"

"میں بہکا تو نہیں ہوں..... نہیں بہکا میں....." وہ سرہانے میں منہ چھپا گیا۔

رات کے اس پہر رضا کی خراب طبیعت کے باعث وہ اس کے پاس چلی آئی تھیں۔ حمید صاحب اور رمشاء کب کے سو چکے تھے۔ زبیدہ نے رضا کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"رمشاء سے نفرت ہے مجھے..... نہیں پسند وہ مجھے....." وہ نفرت سے کہہ رہا تھا۔ زبیدہ لب سی گئیں۔

"تو مجھے رسوا کروائے گا....." وہ روہانسی ہوگئیں۔ "تو نے اپنی ضد نہ چھوڑی تو میں کہہ دیتی ہوں خدا کی قسم کھا کے مرجاؤں گی۔" دوپٹے میں منہ چھپا کر وہ بھک کر رونے لگ گئیں۔

رضا نے سرہانے سے چہرہ نکال کر ماں کو دیکھا..... اپنی ضد میں اسے کچھ بھی تو یاد نہیں تھا کسی کا بھی تو خیال نہیں رہا تھا صرف اپنے دل کی مان رہا تھا۔ یہ بھی نہ سوچ رہا تھا کہ اس کی ضد سے کیا کیا طوفان آسکتے ہیں۔

"بات سن میری' آج میں تجھے سب بتاتی ہوں پھر خود فیصلہ کرنا ایسے رشتے کیسے کیسے طوفان لاتے ہیں۔" اپنا چہرہ صاف کرکے وہ کہہ رہی تھیں۔

رضا نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"میں اس خاندان کے لئے بالکل غیر ہوں۔ اماں کے محلے میں ہمارے گھر کے سامنے حاجی غفار صاحب رہتے تھے۔ بڑے نیک طبیعت اور سلجھے ہوئے انسان تھے دو ہی ان کے بیٹے تھے۔ ساتھ ہی ان کا بھائی رہتا تھا ان کے چار بچے تھے۔ تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ تینوں بیٹے شادی شدہ تھے' بیٹی کا خالہ کے ہاں رشتہ طے تھا مگر وہ اور غفار صاحب کا چھوٹا بیٹا ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ والدین کا خوف تھا کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ لڑکی تو خود کو سنبھال گئی مگر لڑکے سے اپنا آپ سنبھالا نہ گیا۔ ادھر لڑکی کی شادی طے ہوئی ادھر لڑکے نے گھر میں اس لڑکی کا رشتہ مانگنے کا شوشہ چھوڑ دیا۔ خاندانی لوگ تھے۔ زبان کا کہا ہر حال میں پورا کرنے والے۔ غفار صاحب نے بہت بیٹے کو سمجھایا مگر بیٹے کی ضد نہ ٹوٹی پھر لڑکے کی ماں بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ تھک ہار کر غفار صاحب نے چھوٹے بھائی سے بات کی وہ تو سنتے ہی بھڑک اٹھے۔ ان کے تینوں بیٹے مرنے مارنے پر تل گئے۔ جب انہیں علم ہوا کہ رمضان (لڑکا) ان کی بہن کو پسند کرتا ہے۔ بات بڑھتے بڑھتے خاندان والوں تک پہنچ گئی۔ لڑکی کا قصور تھا کہ نہیں مگر اس پر طرح طرح کے الزام لگے اور پھر اس کی خالہ رشتہ توڑ گئی۔ غفار صاحب شرمندہ بھی تھے انہوں نے دوبارہ بھائی سے بات کی تو ان کے بیٹے طیش میں آگئے۔ کھڑے کھڑے انہوں نے اپنی بہن کو قتل کرڈالا تھا۔ رمضان کو بھی مارنا چاہا مگر وہ بچ گیا اور بھاگ نکلا۔ دو گھر تباہ

PAKSOCIETY.COM

ہو گئے۔ کیس پولیس تک پہنچ گیا۔ دونوں خاندان پولیس سے چھپتے پھر رہے تھے۔ غفار صاحب کا بھائی اسی صدمے سے انتقال کر گیا۔ بیٹے بے گھر ہو گئے تھے اور رمضان کا کچھ پتا نہ تھا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ رمضان کو بھی قتل کر دیا گیا ہے۔ وہ بھاگ تو گیا تھا مگر بعد میں لڑکی کے بھائیوں نے اسے ڈھونڈ کر مار دیا تھا۔ واللہ اعلم..... مگر ایک لڑکے کی ضد سے دو گھر تو تباہ ہو گئے۔ اگر وہ صبر کر لیتا حالات پر چھوڑ دیتا تو ضرور اس کے لئے بہتری نکل آتی مگر ہوا کیا؟ اس کی ضد نے لڑکی کی جان لی جو لی پورا گھر بھی تباہ کیا۔ پتا نہیں رمضان مر گیا یا زندہ ہے..... قاضی صاحب وہ محلہ ہی چھوڑ گئے۔ لڑکی کے بھائی کچھ عرصہ جیل میں رہے اور پھر دے دلا کر کیس ختم کروا لیا۔ اب وہ بھی وہ محلہ چھوڑ گئے ہیں کہاں ہیں کچھ علم نہیں۔ میں بہت چھوٹی تھی جب یہ سارا واقعہ ہوا تھا پھر بڑی ہوئی تو ماں باپ نے شادی کر دی۔ قسمت سے تمہارا باپ بھی بے حد غصیلا ملا۔ مگر اچھے ہیں۔ غصہ کرتے ہیں مگر عزت بھی دیتے ہیں۔ مگر خاندان والوں کے معاملے میں وہ بے حد حساس ہیں۔ زمان کی بیوہ واحدہ آپا سے کلام نہیں کرتے کہ ان کے میاں تمہارے چچا کے طور طریقے ٹھیک نہ تھے۔ خاندان سے باہر اکیلے اپنا کاروبار شروع کیا کہ وہ خاندان میں اپنے غصے سے خود ہی خائف رہتے ہیں۔ ایسے میں بتاؤ میں کیا کروں تم کہتے ہو کہ نویرہ تمہارے جذبات سے بے خبر ہے۔ اسے تو کچھ پتا ہی نہیں۔ میں کیسے اس کی صاف ستھری ہنستی بستی زندگی کو اجاڑنے کا سامان کروں۔"

رضا لب بھینچے سب سن رہا تھا۔

"رمشاء سے تمہارا رشتہ طے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ میں تمہیں اچھی طرح باور کروا دوں کہ تمہیں ہر حال میں رمشاء سے شادی کرنا ہوگی۔ اگر کبھی تم نے انکار یا اعتراض کیا تو پھر میں اور تم جانیں۔ ان کا ہم سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ انہوں نے رمشاء کے باپ کو زبان دی ہے اور وہ زبان پر جان دینے والے آدمی ہیں۔" وہ رو دی تھیں۔ رضا تب بھی خاموش رہا۔

"تم اپنے آپ کو سنبھالو..... اس عمر میں بندہ بہک جاتا ہے۔ مگر عقلمند اور مکمل انسان وہی ہے جو جذبات کو عقل پر حاوی نہ ہونے دے۔ نویرہ کی اگر میں بات کر بھی لوں مگر اس خاندان میں کوئی نہیں مانے گا۔ نویرہ نے ہی اگر انکار کر دیا اور تم سے نفرت کا اظہار کر دیا تو پھر بولو کیا کرو گے تم؟"

رضا خاموشی سے آنکھیں بند کر کے بازو رکھ کے کروٹ بدل گیا۔

"میں نویرہ پر کوئی بہتان نہیں باندھ سکتی۔ اگر میں تمہاری فیور میں کہہ دوں کہ نویرہ نے تم پر پیان باندھا ہے تو پھر میں مجرم ہوں گی کہ نویرہ کا کردار، اس کی عادات، اس کے اطوار، خاندان کا ہر بندہ آنکھیں بند کر کے اس کی گواہی دے سکتا ہے۔ ہم چھوٹے ہیں۔ خاندان والے کبھی پلٹ کر دیکھیں گے نہیں۔" وہ اب بھی کہہ رہی تھیں رضا نے کچھ نہ کہا۔

"تمہیں یہ سب اس لئے بتا رہی ہوں کہ تم جذبات میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھو۔ نویرہ تمہارے لئے قابل صد احترام ہے۔ وہ نواز کی منگیتر ہے۔ کچھ وقت گزرے گا وہ اسی خاندان کی بہو ہوگی..... تمہیں ہی اپنے اوپر بند باندھنا ہوں گے ورنہ پھر مجھے کچھ مت کہنا۔ میں ہر حال میں تمہارے باپ اور

خاندان والوں کا ساتھ دوں گی۔"

رضا اب بھی خاموش تھا۔

"سنبھالو اپنے آپ کو..... بیمار پڑ کے بھی اپنا ہی نقصان کر رہے ہو۔ رمشاء کی زبان بند ہے اگر کل کو کسی کے سامنے اس کی زبان کھل گئی نا تو پھر ہاتھ ملتے رہ جائیں گے ہم..... چلتی ہوں میں..... آرام سے سونے کی کوشش کرو..... میرا بیٹا بہت سمجھدار ہے..... اپنی ماں کی مجبوری اچھی طرح سمجھ گیا ہوگا۔"

وہ اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔

زبیدہ کے جانے کے بعد رضا اٹھ بیٹھا..... بخار اب بھی تھا۔ پاؤں کا زخم اب بھی تکلیف دے رہا تھا مگر سینے میں جلتی آگ بہت اذیت ناک تھی۔

اپنے دل کی بات ماں کے سامنے آشکار کر کے نہ ہی وہ پچھتا رہا تھا اور نہ ہی شرمسار تھا لیکن ماں کی باتیں اس کی منتیں اس کی نصیحتیں.....

رضا نے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا لی۔

"مر جاؤں گا اگر نویرہ سے دستبردار ہوا تو....." وہ ایک بار پھر سسک اٹھا۔

دل پر کچھ اختیار نہ تھا۔

"یہ محبت' یہ جذبے' یہ چاہتوں اور شدتوں کے کھیل اتنے اذیت ناک کیوں ہوتے ہیں..... کیوں....." اپنے درد پر وہ خود ہی بلبلا اٹھا تھا۔

اماں نے چچی زبیدہ کے ہاں فون کیا تو پتا چلا رضا بیمار ہے۔ تین چار دن سے مسلسل بخار ہے۔ رمشاء بھی کچھ ٹھیک نہ تھی۔ فون رکھ کر انہوں نے بھابی اور نویرہ سے ذکر کیا تو وہ بھی متفکر ہوئیں۔ اماں نے رات کو جانے کا کہا تھا۔

نبیل بھائی شام کو گھر لوٹے تو اماں اور نویرہ چچا کے ہاں جانے کو تیار تھیں۔ بھابی نہیں جا رہی تھیں۔ بس نبیل بھائی کا انتظار تھا۔ یہ ان کے خاندان کا اصول تھا کہ چاہے کسی بھی گھر میں کوئی بیمار ہو سب ہی عیادت کو جاتے تھے۔ چاہے بیماری عام نوعیت کی ہو یا شدید۔

نبیل بھائی ان کو لے کر آ گئے تھے۔ چچی بہت محبت اور خوش اخلاقی سے ملی تھیں۔ رمشاء چپ چاپ سی تھی۔ اسے بھی بخار تھا لیکن رضا کی طبیعت زیادہ ہی خراب تھی۔ ان کے تھوڑی دیر بعد فاروق چچا اور چچی چلے آئے تھے انہیں بھی بھابی نے فون کر کے بتایا تھا۔

سبھی اس وقت رضا کے کمرے میں تھے۔

"رضا..... کیا بات ہے..... طبیعت اتنی خراب کیوں کر لی ہے تم نے۔ تم تو بخار وغیرہ کو کچھ نہیں گردانتے اور اب....." نویرہ اس کے پاس کرسی پر آ بیٹھی۔ شگفتہ انداز تھا۔ رضا نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کر دیکھا۔

پرپل کلر کے لباس میں سر پر سلیقے سے دوپٹہ جمائے متانت سے مسکراتی رضا کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی تھی اس نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔

"رضا.....!" کوئی جواب نہ پا کر نویرہ نے دوبارہ پکارا۔

وہ تب بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ نویرہ نے پلٹ کر رمشاء کو دیکھا۔ ان کے آنے کے بعد ہی وہ بھی آ کر کمرے میں ہی ایک طرف کشن پر آ بیٹھی تھی۔

"تمہیں بھی بخار چڑھ گیا..... رضا کا ساتھ تم نے ضرور دینا تھا۔" اس کا انداز چھیڑنے والا تھا۔ رمشاء کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ آ ٹھہری۔

"بس شاید موسم کا اثر ہے۔ ڈاکٹر گھر آ کر چیک کر رہا ہے میڈیسن بھی یوز کروا رہی ہوں انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" زبیدہ چچی نے ہی جواب دیا تھا۔

"ہاں آج کل موسم اثر انداز ہو جاتا ہے۔ پھر سردیوں کا موسم تو فوراً ہی اثر کر جاتا ہے۔" بڑی چچی نے بھی کہا۔ نویرہ اٹھ کر رمشاء کے پاس قالین پر کشن پر آ بیٹھی۔ رمشاء کا ہاتھ تھاما تو آگ کی طرح دہک رہی تھی۔

"کتنا تیز بخار ہے تمہیں تو رمشاء..... کوئی گرم کپڑا بھی نہیں پہنا ہوا۔ اس طرح لاپروائی سے طبیعت مزید خراب ہو جائے گی۔" نویرہ نے فکرمندی سے رمشاء کا بخار سے سرخ تپا تپا چہرہ دیکھا۔ رمشاء گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"میں بھی کتنی دفعہ اسے کہہ چکی ہوں مگر یہ دونوں میری سنتے کب ہیں۔ دونوں ہی اکلوتے ہیں اور لاڈلے بھی۔ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں میری محبت کا۔" زبیدہ چچی آبدیدہ ہو گئیں۔

"بدلتا موسم تو ہر کسی پر اثر انداز ہو جاتا ہے یہ تو پھر دسمبر کی سردی ہے۔ احتیاط تو ضروری ہے نا۔ ورنہ ایک دفعہ بندہ بیمار پڑ جائے تو پورے سال کے لئے پڑ جاتا ہے۔" اماں نے بھی کہا۔

"جاؤ رمشاء بیٹا جرسی وغیرہ پہن کر آؤ..... جاؤ شاباش۔" حمید چچا نے کہا تو رمشاء اٹھ کر چلی گئی تھی۔ نویرہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ دونوں چچا اور نبیل بھائی رضا کے بستر پر ہی بیٹھے ہوئے تھے جبکہ اماں چچی اور زبیدہ چچی سائیڈ کی کرسیوں پر تھیں۔

"میڈیسن کے ساتھ پرہیزی خوراک بھی کھلاؤ۔ بچے میں کمزوری نہ ہو گی۔" بڑی چچی نے چھوٹی چچی کو کہا تو انہوں نے سر ہلایا۔

"سب کچھ ہی کھلا رہی ہوں..... رمشاء تو انکل کے کہنے پر کچھ نہ کچھ کھا ہی رہی ہے یہ رضا تو کچھ منہ کو لگا ہی نہیں رہا....." چچی نے شکایتی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ جواب ضد تو چھوڑ چکا تھا مگر بولنا بھول گیا تھا۔

"بری بات رضا..... کتنا پریشان کر دیا تم نے سب کو....." نویرہ نے ادھر بیٹھے ہی لتاڑا۔ وہ تب بھی آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔

"سو رہا ہے شاید....." چچی نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اور پھر کہا تھا۔

"آئیں ہم باہر چلتے ہیں۔ خوامخواہ شور سے نیند خراب ہو گی۔" اماں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ باقی سب نے بھی ان کی تقلید کی۔

لاؤنج میں آ کر سبھی بیٹھ گئے تھے۔ رمشاء جرسی پہن کر آئی تو نویرہ نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ بغور رمشاء کا چہرہ دیکھا۔ انتہائی زرد بخار سے تپا چہرہ تھا۔ نویرہ کو کسی بات کا احساس ہوا۔

"کیا بات ہے مشی! کہیں تم دونوں میں کوئی بات تو نہیں ہوئی۔" نویرہ نے دل کی بات کہنے میں تامل نہیں برتا تھا۔ رمشاء نے جواباً ایسی نظروں سے نویرہ کو دیکھا کہ وہ سٹپٹا گئی۔ تاہم منہ سے کچھ بھی نہیں کہا۔

باقی بڑے باتوں میں مصروف ہو چکے تھے وہ دونوں ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔

"کیا بات ہونی ہے ہم میں.....؟" تلخ لہجہ تھا' نویرہ ایکدم خائف ہوئی۔

"یونہی..... تم دونوں جھگڑتے رہتے ہو اسی لئے پوچھ لیا تھا۔ ورنہ....."

"ٹھیک ہیں ہم دونوں۔ موسم شاید کچھ زیادہ ہی اثر انداز ہو گیا ہے۔" وہی تلخی اب بھی تھی۔ نویرہ گہری سانس لے کر رہ گئی مگر اندر ہی اندر کوئی چیز کلک ضرور کر رہی تھی۔

کال بیل ہوئی تو رمشاء اٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔ باقی سب نواز اور نویرہ کی شادی کے معاملات کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔

"السلام علیکم....." نویرہ توجہ سے سب کو سن رہی تھی اس آواز پر چونک کر پلٹ کر دیکھا۔

دروازے میں نواز کھڑا تھا اور اس کے عقب میں شارق زمان' پیچھے ہی رمشاء تھی۔ نویرہ کو امید نہ تھی کہ نواز یہاں دکھائی دے گا وہ فوراً سر جھکا گئی۔

"وعلیکم السلام۔" چچی اور چچا نے باآواز بلند کہا تھا۔

نواز نے سب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ کونے کے صوفے پر پرپل سوٹ میں ملبوس نویرہ کو دیکھ کر وہ بھی ٹھٹکا۔ نویرہ سر جھکائے ہوئے تھی۔ ایک دھیمی سی مسکراہٹ نواز کے ہونٹوں کو چھو گئی تھی۔

وہ دونوں اندر بڑھ آئے تھے۔ باری باری سب سے سلام دعا کی تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے نبیل کا فون آیا تھا کہ رضا کی طبیعت ٹھیک نہیں شارق کے موبائل پر۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا سوچا چل کر عیادت کر آئیں۔ مگر یہاں تو سبھی موجود ہیں۔" رمشاء نویرہ کے ساتھ آ بیٹھی تھی۔ وہ دونوں سائیڈ صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"ہاں بس اچانک خراب ہو گئی تھی۔" زبیدہ بیگم خوامخواہ شرمندہ ہو گئی تھیں۔

"کہاں ہے رضا.....؟" شارق نے پوچھا تھا۔

"کمرے میں ہے۔ دوائی کھلائی تھی شاید سو گیا ہے۔" حمید چچا نے جواب دیا تھا۔

"اور تم سناؤ..... تمہاری طبیعت کیسی ہے۔ نبیل بتا رہا تھا کہ تم بھی کچھ علیل ہو۔" شارق کا رخ نویرہ کے ساتھ بیٹھی رمشاء کی طرف ہوا تھا۔ رمشا شارق زمان کے براہ راست پوچھنے پر گھبرا گئی۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"خاک ٹھیک ہے۔ اتنا تیز بخار ہے کہ ہاتھ نہیں لگایا جا رہا....." بڑی چچی نے فوراً کہا تھا۔

"میڈیسن یا ٹریٹمنٹ وغیرہ؟" نواز نے چچی کو دیکھا انہوں نے گردن ہلائی۔

PDFOFTHEBLOGSPOT.COM

"سب ہو رہا ہے بس....."

"انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نواز نے دلاسہ دیا۔

چچی زبیدہ مہمانوں کے لئے چائے وغیرہ کا بندوبست کرنے اٹھیں تو نویرہ بھی وہاں سے نکل آئی۔ نواز کی موجودگی میں تو ویسے بھی اسے شرم آ رہی تھی۔

"کیا کر رہی ہیں چچی.....؟ وہ کچن میں ہی چلی آئی۔ چچی چائے کا برتن چولہے پر چڑھا رہی تھیں۔

"چائے بنانے لگی تھی.....تم کیوں اٹھ آئیں۔" انہوں نے ایک نظر بغور دیکھا۔ انتہائی سلجھی ہوئی، ٹھہری طبیعت کی مالک ان کی پسندیدہ ترین لڑکی تھی مگر رضا.....ان کے دل سے ہوک اٹھی۔ یوں لگا کوئی چیز دل سے ٹوٹ کر گری ہو۔

"وہاں سب کی موجودگی میں مجھے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ لائیں میں چائے بناتی ہوں۔" اس نے اپنی خدمات پیش کیں۔ زبیدہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں.....تم بیٹھو میں کر لوں گی۔"

"کچھ نہیں ہوتا چچی جان.....میرا اپنا گھر ہے۔ بھلا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی اچھی لگوں گی۔" اس نے چچی کو پیچھے ہٹا دیا تھا اور خود چولہے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"بڑا خوش قسمت ہے نواز.....تم جیسی لڑکی اسے شاید ہی کہیں ملتی..... اللہ تمہیں خوشیاں دے، چاہتیں نصیب کرے۔ مقدر اچھا کرے....." انہوں نے دعائیں دی تھیں۔ نواز کے نام پر وہ جھینپ گئی۔

منگنی کے دوران تو نہیں مگر دن طے ہونے کے بعد وہ لاشعوری طور پر نواز کو سوچنے لگی تھی۔

"رمشاء بھی کچھ کم نہیں..... بڑا خوش نصیب ہے رضا..... یوں کہیں اس خاندان کے لڑکے بیویوں کے معاملے میں بڑے خوش نصیب واقع ہو رہے ہیں۔" اس نے بات ہنسی میں ٹالی تھی۔ چچی تلخی سے مسکرا دیں۔

"کاش اپنی خوش نصیبی کا یقین وہ بدنصیب بھی کر لے۔" ان کی آواز رندھ گئی۔ نویرہ فوراً متوجہ ہوئی۔

"کیا بات ہے دونوں میں کوئی ان بن ہو گئی ہے۔"

"ان بن ہوتی تو کوئی بات بھی تھی مگر وہ....." رضا کی تکلیف اس کی بیماری نے ان کو بہت پژمردہ اعصاب بنا ڈالا تھا۔

نویرہ نے چچی کو بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

"وہ سرے سے اس رشتے کو ہی کوئی اہمیت نہیں دے رہا..... وہ تو....." کچھ کہتے کہتے وہ ایکدم دانتوں تلے زبان دبا گئیں۔

"اتنا فکرمند مت ہوا کریں..... دونوں ابھی امیچور ہیں۔ عمر کے ساتھ ساتھ سنبھل جائیں گے پھر دیکھئے گا رضا کیسے نہیں مانے گا۔ خود کہے گا....." نویرہ نے بھرپور دلاسا دیا۔ چچی نے اپنے بہتے آنسو

صاف کئے۔ ایک نظر نویرہ پر ڈالی۔ دھیمی مسکراہٹ لئے کتنی مطمئن اور پراعتماد تھی۔ خاندان کا ہیرا تھی یہ لڑکی۔

"آہ.....ہا....." انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔ "رضا.....کس مصیبت میں تو نے مجھے ڈال دیا ہے۔"

وہ اذیت سے سر جھکا گئیں۔

نویرہ چائے کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے فریج سے دیگر لوازمات نکالنے لگیں۔

نویرہ نے چائے بنا کر چائے دانی میں ڈالی۔ چچی ٹرے میں سب کے لئے کپ رکھ چکی تھیں۔

ٹرے سجا کر وہ باہر نکلی تھیں۔

"تم بھی آ جاؤ.....سب کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی لو۔" نکلنے سے پہلے نویرہ سے کہا۔ وہ سر ہلا گئی۔

چچی زبیدہ چلی گئی تھیں، وہ یونہی کھڑی رہی۔

نواز کی موجودگی میں وہ اندر جانے سے جھجک رہی تھی۔ منگنی سے پہلے یا بعد میں آمنے سامنے آنے سے کوئی روک ٹوک نہ تھی مگر اب دن طے ہو جانے سے ایک پردہ خودبخود درمیان آ ٹھہرا تھا۔

وہ اسٹول گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ پانچ منٹ بعد رمشاء دو کپ تھامے چلی آئی۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہیں۔" ایک چائے کا بھرا مگ اسے تھما کر اس نے پوچھا تھا۔

"یونہی اندر سبھی تھے۔ بس دل نہیں مانا اندر جانے کو۔" سِپ لیتے اس نے سرسری کہا تھا۔

"یوں کہیں نواز بھائی کی موجودگی میں اندر نہیں جانا چاہ رہیں۔" رمشاء کی بات پر جھینپ گئی۔

"یہ بھی بات ہے۔ مجھے نہیں علم تھا کہ اس طرح آمنا سامنا ہو سکتا ہے ورنہ میں نہ آتی۔"

"خاندان میں یہ سب تو چلے گا ہی جب تک شادی نہیں ہو جاتی۔ آپ کب تک چھپیں گی۔ کہیں نہ کہیں تو آمنا سامنا ہو ہی جائے گا۔ جس طرح آج....." رمشاء قدرے خوشگوار موڈ میں تھی سو ہلکی پھلکی باتیں کر رہی تھی نویرہ مسکرائی۔

"ہوں.....مگر پھر بھی مجھے احتیاط تو کرنی ہی چاہئے۔" وہ مسلسل چائے کے سِپ لے رہی تھی۔

رمشاء نے بغور نویرہ کا چہرہ دیکھا۔

سرخی مائل بھرا بھرا چہرہ..... گہری کالی اور..... سنجیدگی سے مسکراتی آنکھیں اور ان پر سایہ فگن لانبی پلکیں۔ سلیقے سے سر پر جمایا دوپٹہ۔ ایک لمحے کو رمشاء خود بھی مبہوت رہ گئی تھی۔ نویرہ کی خوبصورتی میں نجانے کونسی ایسی ادا تھی جو دیکھنے والے کو ایک لمحہ بغور دیکھنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ جیسے وہ خود آنکھ جھپکنا بھول گئی تھی۔ وہ بے دھیانی سے کپ پر انگلی پھیرتی گئی۔

"کیا بات ہے.....اتنی محویت سے کیا دیکھ رہی ہو۔" اپنے چہرے پر رمشاء کی نگاہوں کا رقص محسوس کر کے اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"آپ بہت خوبصورت ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی نویرہ ہنس دی۔

"مائی گاڈ.....اس لئے تم اتنے غور سے دیکھ رہی تھیں۔" ہنسی روک کر اس نے رمشاء کو دیکھا جو

EKTISHAF.BLOGSPOT.COM

بہت سنجیدہ تھی۔

"نہیں..... میں دیکھ رہی ہوں کہ اس قدر خوبصورتی تو خدا نے مجھے بھی دی ہے آپ میں ایسی کیا خاص بات ہے جس کا خاندان کا ہر فرد معترف ہے۔" انتہائی سنجیدگی سے وہ پوچھ رہی تھی۔ نویرہ نے حیرت سے دیکھا۔ رمشاء کی آنکھوں میں کوئی انجانا احساس کروٹیں لے رہا تھا وہ سمجھ نہ پائی۔

"پاگل ہو تم..... کوئی خاص بات نہیں..... میں تو ایک عام سی خدا کی مخلوق ہوں۔ تمہاری طرح..... شاید تم سے بھی کم درجہ....." اس نے انکساری سے کہا تھا۔ رمشاء نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں اگر مجھ سے کم درجہ ہوتیں تو کبھی اس قدر اہمیت کی حامل نہ ہوتیں۔ کوئی آپ کے لئے مجھے یوں ریجیکٹ نہ کرتا۔"

لفظ تھے کہ کیا تھے۔

نویرہ ہکا بکا رہ گئی۔

رمشاء مکمل حواسوں میں تھی یا بے حواس تھی۔

نویرہ کچھ نہ سمجھ پائی۔

"مذاق نہیں کرو یار..... کیوں ایسی الجھی الجھی باتیں کر رہی ہو..... مجھے ایک لفظ نہیں پلے پڑا۔" نویرہ نے کہا تھا۔ رمشاء کے اندر سے ایک تند خیز لہر اٹھی تھی جی چاہا ایکدم نویرہ کو کھری کھری سنا دے مگر..... رمشاء لب بھینچ کر کاؤنٹر سے پشت لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"رضا مجھے ریجیکٹ کر چکا ہے۔ وہ تو شروع سے ہی ریجیکٹ کرتا آیا تھا مگر....."

اس کی آواز رندھ گئی اور پھر مسلسل آنسو بہتے چلے گئے۔

نویرہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ کس طرح اسے تسلی و تشفی کے الفاظ کہے۔

"پلیز رمشاء..... بی بریو! کچھ نہیں ہوتا..... دیکھنا اس لڑکے کو کیسے سیدھا کرتے ہیں ہم لوگ..... تمہیں آج رلا رہا ہے تو معافیاں مانگے گا دیکھنا۔" اس نے دلاسا دیا۔ رمشاء نے اپنے آنسو صاف کر لئے۔ نویرہ کو دیکھا۔ وہ محبت و شفقت سے دیکھ رہی تھی۔ رمشاء دیکھے گئی۔ کتنا خار کھاتی تھی وہ نویرہ سے۔ کتنا غلط سوچتی تھی وہ اس کے بارے میں..... دل چاہتا تھا کہ وہ سامنے ہو تو منہ نوچ لے۔ چیخ چیخ کر بے عزت کر کے دھتکار دے۔

مگر.....

مگر کچھ بھی تو نہیں کر پاتی تھی۔

نویرہ سامنے ہوتی تھی تو رمشاء لفظ بھول جاتی تھی۔ بہت چاہنے کے باوجود نفرت سے بے عزت نہ کر پاتی تھی۔ بہت خواہش کے باوجود منہ نہ نوچ پاتی تھی۔

اور رضا.....

وہ اس پر مرتا تھا۔

وہ اس کے لئے مر رہا تھا۔

وہ اس کے لئے بخار میں تپ رہا تھا۔

وہ اس کے لئے مجنوں بن رہا تھا۔

اور وہ خود..... وہ تلخی سے ہنس دی۔

"کیا ہوا ہے....." نویرہ نے پوچھا' وہ سر ہلا گئی۔

"سب کچھ ہو چکا ہے نویرہ آپی۔ اب تو شاید کچھ بھی نہیں رہا۔" رمشاء آنکھوں میں نمکین پانی لئے ہوئے تھی۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

دونوں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

شارق زمان اور نواز دونوں ہی دروازے پر کھڑے تھے۔

"آپ.....؟" رمشاء نے فوراً آنکھیں صاف کی تھیں۔

"ہم رضا کے کمرے میں جا رہے تھے مگر تم دونوں کو دیکھ کر رک گئے۔ کوئی "جذباتی سین" چل رہا ہے کیا؟"

یہ شارق زمان تھا نویرہ غیر محسوس انداز میں رمشاء کی اوٹ میں ہوئی تھی۔ شارق زمان کی تیز نگاہوں سے یہ حرکت مخفی نہ رہ سکی تھی۔ وہ تو یونہی نواز کے کہنے پر چلا آیا تھا۔ کیا پتا سامنے یہ بھی ہو گی۔ پہلی نظر اسی وجود پر پڑی تھی اور پھر کائنات بے رنگ ہو گئی تھی۔ سارے رنگ صرف ایک وجود میں سمٹ کر رہ گئے تھے۔

اور اب بھی پرپل سوٹ میں اپنے سابقہ انداز میں اس کے سامنے تھی۔ اسی کو دیکھنے کے لئے ہی تو وہ رکا تھا اور اب یہ دل

"نہیں..... بس یونہی..... ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں....." رمشاء نے وضاحت کی تھی۔ نواز نے مسکرا کر نویرہ کو دیکھا۔

جھینپی جھینپی سی پہلے سے قدرے مختلف دکھائی دی۔

اس نے ایک گہری استحقاق بھری نگاہ ڈالی۔

رشتہ آہستہ آہستہ مستحکم ہوتا جا رہا تھا۔ دل میں جگہ بناتا جا رہا تھا۔

"ادھر ادھر کی باتوں میں کبھی آنسو نہیں نکلتے۔" شارق نے کہا تھا۔ رمشاء پزل ہو گئی۔

شارق زمان ان کے ہاں کم ہی آتا تھا مگر جب بھی آتا وہ اس کے سامنے آنے سے ضرور پزل ہو جاتی تھی۔

"کبھی تو بات نہ بھی ہو تو بھی آنسو نکل آتے ہیں شارق بھائی۔ ادھر ادھر کی باتیں تو پھر کوئی معنی رکھتی ہیں۔" نویرہ بولنا نہیں چاہتی تھی مگر رمشاء کو پزل دیکھ کر ایکدم کہہ گئی۔

شارق مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ میں ایسی بات ضرور تھی کہ نویرہ بول کر شرمندہ ہوئی۔

"صحیح کہہ رہی ہے نویرہ..... کبھی بے معنی سی بات پر بھی دل رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت تو رمشاء

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

پھر بھی بخار کی حالت میں ہے اور رضا کی بھی کنڈیشن میرا خیال ہے کچھ ایسی ہی ہوگی۔" معنی خیز انداز صاف چھیڑنے والا تھا۔ رمشاء اب جھینپ بھی گئی۔

نویرہ کی مسکراہٹ آ ٹھہری۔

ایک نگاہ کی تھی نواز کی طرف وہ بھی دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں میں پہلے سے ہٹ کر کوئی خاص چمک تھی وہ فوراً پلکوں کی چلمن گرا گئی۔

"خیریت نویرہ صاحبہ! ہمارے آتے ہی آپ ادھر پردہ کر بیٹھی تھیں۔" شارق کی گلفشانی اسے مزید خجل کر گئی۔

"خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں..... میں تو یونہی چچی جان کی ہیلپ کو آ گئی تھی۔" اس نے بات پھیری تھی نواز کا قہقہہ برجستہ تھا۔

"یوں کہئے مجھ سے چھپنے کو یہاں آ بیٹھی تھی۔"

آج تو نواز کا ہر انداز ہی نرالا تھا۔ نویرہ کے چھکے چھوٹ گئے۔

نواز یوں برملا کہہ دے گا اس کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

"بڑوں کے سامنے اب میں یوں بے شرمی سے وہاں بیٹھی بڑی اچھی لگتی نا۔" وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

نواز ہنس دیا۔ شارق مسکرا بھی نہ سکا۔

نواز اور نویرہ کا تعلق ایک اٹل حقیقت بن کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ جسے وہ ہمیشہ ذہن سے جھٹک دیا کرتا تھا مگر اب..... ایک پھانس سی دل میں چبھتی محسوس ہوئی۔ نواز کا ہنسنا..... نویرہ کا شرمانا' چھپنا' شارق کو زہر لگنے لگا۔

"خیر بری بھی نہ لگتی۔ ہمارے خاندان میں پردے کا کوئی خاص رواج نہیں ہے۔" برجستہ جواب تھا۔

نویرہ کلسی..... جی چاہا اپنا ماتھا پیٹ لے کہ کیوں بولی تھی مگر.....

شارق کے سامنے نواز کی یہ دیدہ دلیری ایک آنکھ نہ بھائی۔

رمشاء خاموش تھی۔

"چلو یار رضا کو بھی دیکھ لیں..... پھر گھر بھی چلنا ہے اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔" نواز کی بات شارق کو بھی اچھی نہ لگی تھی۔

شارق کا جی چاہ رہا تھا کہ نواز کو ایکدم منظر سے ہٹا دے یا پھر نویرہ کو غائب کر دے۔ نواز کی آنکھوں کی چمک..... ہونٹوں کی مسکراہٹ..... سب ایکدم زہر لگنے لگا تھا۔

نویرہ سے اس کا کوئی باقاعدہ تعلق تو نہ تھا صرف کزن ہی تو تھی مگر یہ رقابت' یہ جھلسنا' یہ اذیت۔

وہ بھنا کر رہ گیا۔ شارق کا ایکدم یہاں سے چلے جانے کو جی چاہا۔

"چلتے ہیں یار..... اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ رضا آرام کر رہا ہوگا۔ دو منٹ بات تو کرنے دو۔"

شارق نے نواز کے بازو کو شکنجے میں جکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا تھا۔

"بڑوں میں سے کوئی آ گیا نا تو پھر مزے سے دو منٹ بات کرنا۔" دانت چبا کر شارق کلسا تھا نواز ہنس دیا۔

نویرہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تمہیں اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے۔ بات ہی تو کر رہا ہوں..... کونسا میں....." نواز بات ادھوری چھوڑ کر مسکرایا تھا۔

نویرہ کا جھکا سر مزید جھک گیا۔

"یا اللہ! آج یہ نواز کو کیا ہو رہا ہے..... یہ پہلے تو اتنے بے باک نہ تھے۔"

"چلتے ہو کہ میں دوں فاروق چچا کو آواز....." شارق نے دھمکی دی تھی جو کارگر رہی۔

"خدا تم جیسا دوست نہ دے۔ پورے آستین کے سانپ ہو تم۔" نواز مسکراتا اس کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔ نویرہ نے اپنا کب کی رکی ہوئی سانس خارج کی۔

رمشاء بھی کچھ پرسکون ہوئی۔

"یا خدا..... آج نواز بھائی کو کیا ہو گیا تھا۔"

رمشاء کہہ رہی تھی' نویرہ نے دھیان نہ دیا۔

"آئندہ میں کبھی کسی کے ہاں نہیں آؤں گی۔ حد ہے..... کتنے بدتمیز ہو رہے تھے یہ نواز صاحب بھی۔"

وہ دل ہی دل میں سوچ کر رہ گئی۔

❁.....❁.....❁

پچھلے ایک ہفتے سے شارق زمان کے معمولات میں فرق آ گیا تھا۔ میگزین کے دفتر وہ بہت کم جا رہا تھا، زیادہ تر وقت مختلف دوستوں کے ساتھ گزارتا اور رات گئے تک کلب چلا جاتا۔ گھر آنے جانے کی اس کی روٹین بھی بدلی تھی اور بھی بہت سی ایکٹی ویٹیز میں فرق آیا تھا۔ اس رات بھی وہ گھر جانے کے بجائے "ینگسٹ کلب" چلا آیا۔ روز کی طرح آج بھی وہاں محفل پُر رونق تھی۔ مرد خواتین، ٹولیوں میں موجود خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ شارق زمان نے سارے ہال پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ زیبا کیانی اسے دیکھ چکی تھی۔

"ہائے....." اس نے وہیں سے ہاتھ ہلایا۔

شارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ ٹھہری، جواباً ہاتھ ہلا کر وہ اپنی مخصوص ٹیبل پر آ بیٹھا۔

"آج تم لیٹ آئے ہو....." زیبا کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اپنی ساتھی کو چھوڑ کر اس کے پاس چلی آئی تھی۔ سرخ ململ کے لباس میں وہ ریشم کی کوئی ڈوری محسوس ہو رہی تھی۔ انتہائی نازک، بے انتہا سبک رو۔ ہار سنگھار سے مزین سرتاپا قیامت۔

شارق زمان کے ہونٹوں پر خیر مقدمی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ یہاں ہر روز زیبا سے مل رہا تھا۔ زیبا پچھلے گلے شکوؤں کو بھلا کر شارق زمان سے پھر اسی طرح ایڈجسٹ کر چکی تھی

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

جیسے پہلے تھی اور شارق نے بھی اس کی پیش قدمی کو قبول کر لیا تھا۔

"بیٹھو.....بس دوستوں میں وقت کا احساس ہی نہ ہوا۔"

زیبا اس کے سامنے والی چیئر پر ٹک گئی۔ لانبی انگلیوں والے ہاتھ اس نے ٹیبل کی چکنی سطح پر رکھ دیے تھے۔ شارق نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا۔ روئی کے گالوں کی طرح تھے۔ شارق زمان نے بارہا ان کی نرمی محسوس کی تھی۔

"میں نے پاپا کو تمہارے بارے میں بتایا ہے.....وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" ویٹر ان کے پاس آیا تو شارق نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ چلا گیا تو زیبا نے کہا۔ وہ تعجب سے زیبا کو دیکھنے لگا۔ وارفتہ نگاہیں، شارق کے چہرے کا ایک ایک نقش جذب کر رہی تھیں۔ شارق کی نگاہوں میں ناگواری کی کیفیت آ ٹھہری۔ تاہم اس نے کسی بھی قسم کے احساس کا مظاہرہ مناسب نہ سمجھا۔

"کیوں؟" سادہ اور کچھ حد تک پُرشوق انداز تھا۔ زیبا کھلکھلائی۔

"یو آر مائی بیسٹ فرینڈ.....اور پاپا جانتے ہیں ان کی لاڈلی کوئی چھوٹی موٹی چیز پسند نہیں کرتی اور اگر کر بھی لے تو اس کی تعریف نہیں کرتی اور اگر کرتی بھی ہوں تو اس میں واقعی کوئی بات ہوتی ہے.....پاپا سے میں تمہارا بہت ذکر کر چکی ہوں۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

شارق زمان اس کی بات کا پس منظر سمجھنے کے باوجود سپاٹ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"پاپا کہہ رہے تھے کہ تم سے پوچھ لوں، جب بھی فارغ ہو انوائٹ کر لوں....." اپنے ریشمی ملائم بال ہاتھ سے سلجھاتے ہوئے وہ بہت سرسری انداز میں کہہ رہی تھی۔ جیسے معمول کی بات ہو۔

"اگر میں ان سے نہ ملنا چاہوں تو؟" اس کی آواز میں ایسا تاثر تھا کہ زیبا پہلی بار چونکی.....بغور شارق زمان کے سپاٹ چہرے کو دیکھا۔ ایک دم اسے احساس ہوا کہ کچھ دنوں سے شارق زمان کے اندر کچھ سرد پن سا ہے۔ اب آہستہ آہستہ اس کا مزاج سمجھنے لگی تھی۔

"تو تمہیں زبردستی لے جاؤں گی۔" بے تکلفی سے کہتے اس نے اپنا مرمریں موی ہاتھ ٹیبل پر رکھے شارق زمان کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ شارق زمان زیبا کے اعتماد پر دل ہی دل میں عش عش کر اٹھا۔

"زبردستی، میرے ساتھ تو میرے باپ نے بھی نہیں کی تھی جب تک وہ زندہ تھے، تم زبردستی کا لفظ بھول جاؤ۔" شارق زمان نے مسکرا کر کہا تو زیبا نے تعجب سے دیکھا۔ یہ پل پل بدلتا ہوا شخص اس کے لیے ایک معمہ تھا۔

"تم انکار کر رہے ہو؟" زیبا کے لہجے میں ناراضی در آئی تھی۔ شارق نے نفی میں گردن ہلائی۔

"جب کہو گی میں تمہارے والد سے مل لوں گا، مگر تمہارے ساتھ کہیں جا کر نہیں۔ جنہیں مجھ سے ملنا ہے وہ خود چل کر آئیں اور دوسرے، ملنے کی وجہ جانے بغیر تو میں کسی کو بھی ملاقات کا شرف نہیں بخشتا۔" لاپروا اور معذرت خواہانہ انداز تھا۔ زیبا کو ناگواری محسوس ہوئی مگر وہ پی گئی۔ یہ شخص اس کے دل کو اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ اسے قطعی کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"تم انہیں میرے میگزین والے دفتر لے آنا یا ادھر کلب میں ہی مل لوں گا۔" زیبا کے ہاتھ کے نیچے

سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے شارق نے مسکرا کر کہا۔ زیبا کا جی چاہا کہ ٹیبل پر پڑا ایش ٹرے اٹھا کر اس مغرور شخص کے سر پر دے مارے۔

"تم عجیب و غریب شخص ہو.....میں نے تم جیسا شخص پوری زندگی میں نہیں دیکھا۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم سمجھے نہیں کہ میں تمہیں کیوں اپنے والد سے ملوا رہی ہوں۔" ناراضی سے بھرپور تاثر تھا۔ اس کے چہرے پر اور تاثر سج بھی رہا تھا۔ شارق ہنس دیا۔

"سمجھ تو میں بہت کچھ رہا ہوں.....اب ہر بار انسان کی سمجھ اسے صحیح کا سگنل بھی نہیں دیتی۔ بعض اوقات الجھا بھی دیتی ہے.....پھر بھی میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے والد سے کیوں ملوانا چاہتی ہو۔"

اس نے ایک گہری سانس لی پھر بولی.....'میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں.....؟" بہت ہی سادہ، صاف اور بغیر کنفیوز ہوئے زیبا کیانی نے کہہ دیا تھا۔ شارق زمان اسے دیکھنے لگا۔ زیبا کی بے باکی پر اسے حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ جس سوسائٹی کی لڑکی تھی وہاں اسی طرح بے دھڑک دل کی بات کہی جاتی تھی۔ وہاں جذبے یوں ہی کلبوں کی راتوں میں بے مول ہوتے تھے لیکن شارق نے.....؟ کرسی کی پشت سے کمر ٹکا کر چہرے کا رخ موڑ لیا۔

"میرا نہیں خیال کہ اپنی گزشتہ کسی بھی ملاقات میں، میں نے تمہیں کوئی ایسا تاثر دیا ہو کہ تم اتنی بڑی بات کہہ دو....." اس نے کہا۔

زیبا نے الجھ کر دیکھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"صاف مطلب ہے کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا.....؟"

زیبا کے لیے یہ بات کسی دھچکے سے کم نہ تھی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ کتنی دیر تک وہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہی۔ شارق زمان اسے انکار کر رہا تھا۔ زیبا کیانی کو۔ کروڑوں کی تنہا وارث کو جس پر ہزاروں مرتے ہوں وہ خود چل کر اس کے پیچھے آئی تھی۔ اسے شادی کی آفر کی اور یہ شخص انکار کر رہا ہے اسے غصہ آنے لگا۔

"تم نے مجھے چیٹ کیا.....یو چیٹر۔" وہ ایک دم طیش میں آ گئی۔

شارق زمان کی بھنویں تن گئیں۔

"میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا.....میرا تمہارے ساتھ ویسا ہی رویہ ہے جیسا یہاں دیگر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے.....ہاں شروع میں جب تم نے یہ کلب جوائن کیا تھا تب تمہارے ساتھ کچھ بے تکلف ہوا تھا لیکن اپنی طبیعت اور مزاج کی وجہ سے میں بہت جلد پیچھے بھی ہٹ گیا تھا۔ اس کے بعد جو بھی ہوا یہ تمہاری پیش قدمی تھی۔ اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں....." زیبا کے طیش میں آنے پر شارق زمان نے بھی ایک دم بھڑک کر ٹوک دیا۔ زیبا یوں آئینہ دکھائے جانے پر اسے دیکھنے لگی۔ واقعی ہر بار وہ خود اس کی راہ میں آئی تھی۔ اس نے تو کبھی نہیں بلایا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں مانتی ہوں، میں ہی تمہارے پیچھے خوار ہو رہی ہوں مگر میں تمہارے ساتھ سیریس

BESTUFF.BLOGSPOT.COM

ہوں.....میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں.....'' شارق کے مزاج کو وہ کچھ نہ کچھ تو سمجھنے ہی لگی تھی۔ ایک دم احساس ہوا کہ وہ واقعی طیش زدہ ہو رہی تھی۔ فوراً اپنے اندر اٹھتے ہوئے اشتعال کو دبا کر نہایت نرمی سے کہا۔

''مگر میں شادی نہیں کرنا چاہتا.....'' اس کی بات کو اس نے فوراً رد کیا۔

''کیوں، کیا خامی ہے مجھ میں؟ خوبصورت ہوں۔ ویل آف، ایجوکیٹڈ ہوں۔ صاحب جائیداد ہوں۔ اپنے باپ کی ساری جائیداد کی تنہا وارث ہوں اور کیا چاہیے تمہیں۔'' ایک دم اس نے کہا تو شارق ہنس دیا۔

''میری بات شاید تمہاری سمجھ میں نہیں آئی.....میں تمہاری بات ہی نہیں کر رہا بلکہ میں شادی ہی نہیں کرنا چاہتا.....'' زیبا کی گنوائی گئی تمام خوبیوں کو نظرانداز کرتے اس نے کہا تو زیبا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیوں.....؟''

''اب یہ میرا خالص ذاتی مسئلہ ہے، تم کو بتانے سے رہا.....ایک دم شارق زمان کے لہجے میں اجنبیت در آئی۔ جیسے اکثر اچانک سمٹ آتی تھی۔

زیبا نے بغور دیکھا۔ سرد سے تاثرات لیے اجنبی لہجے میں کہتا وہ اسے عجیب سا شخص ہی لگا۔

''محبت کرتے ہو کسی سے.....'' وہ پوچھ رہی تھی۔ شارق نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ ہنوز جانچ رہی تھی۔ وہ ہنس دیا۔ شارق کی ہنسی میں ایک طنز تھا۔ زیبا کچھ اندازہ نہ لگا سکی۔

''اگر میں کہوں ہاں تو.....؟'' وہ ٹیبل کی طرف آگے کو جھک آیا تھا۔ زیبا نے ایک دم شارق کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں عجیب سی کیفیت تھی۔ انجان سی۔ کم از کم وہ اس کیفیت کو محبت کا نام نہیں دے سکتی تھی۔

''ناممکن، جو شخص اپنے آپ سے محبت نہ کرنا جانتا ہو وہ کسی اور سے خاک کرے گا۔''

یہ شخص اس کے لیے واقعی کسی معمے سے کم نہ تھا۔

شارق کا زوردار قہقہہ گونجا اور پھر وہ ہنستا ہی چلا گیا۔ زیبا کو اس کی ہنسی بہت گراں گزری وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

''آئی ایم سوری.....'' وہ ہاتھ اٹھا کر کہہ رہا تھا پھر ہنس دیا۔ زیبا نے بھنا کر اٹھنا چاہا تو شارق نے فوراً اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ وہ حیران ہو کر ٹھہر گئی۔

''پلیز سٹ ڈاؤن.....'' زیبا اپنے ہاتھ کے اوپر دھرے گندمی مردانہ مضبوط ہاتھ کو دیکھتی رہ گئی..... وہ بیٹھ گئی۔ تاہم چہرے کے تاثرات تبدیل نہ کر پائی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے مجھ جیسا شخص کسی سے محبت کر سکتا ہے؟'' شارق زمان اب سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ زیبا نے کچھ نہ کہا صرف اسے دیکھتی رہی۔

''نہیں.....میں کسی سے محبت نہیں کر سکتا.....کبھی نہیں.....اور شاید.....'' وہ رک گیا۔ زیبا کو

دیکھا۔ وہ صرف خوبصورت ہی نہیں، خوبصورت ترین تھی۔ اس جیسی لڑکی کو نظرانداز کرنا کفران نعمت سے کم نہ تھا۔

''بہت زیادہ نہیں تو کچھ نہ کچھ تم میرا فیملی بیک گراؤنڈ تو جانتی بھی ہوگی۔'' وہ کہہ رہا تھا زیبا نے الجھ کر دیکھا۔

''یہاں موجود تقریباً ہر شخص، ہر دوسرے شخص کے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں جانتا ہے۔ تمہیں بتاؤں جب میں نے یہاں آنا شروع کیا تو بہت سی آنٹیز کے لیے میں باعث توجہ بنا لیکن جیسے جیسے ان کے علم میں میرا فیملی بیک گراؤنڈ آتا گیا تو وہ مجھ سے لاتعلقی اختیار کرتی گئیں۔ یہاں اس ٹیبل پر میں سارا وقت اکیلے بیٹھ کر جاتا ہوں تو اس میں میرا اپنا کوئی ہاتھ نہیں۔ میرا فیملی بیک گراؤنڈ ان کو میری جانب آنے سے روکے رکھتا ہے۔ ایسے میں تم سے شادی.....'' وہ ایک دفعہ پھر ہنس دیا۔ ''تم اپنے والد کو میرے بارے میں مکمل معلومات دو انہیں میری فیملی ہسٹری بتاؤ ذرا، وہ تمہیں مجھ سے شادی کا مشورہ تو دور کی بات سلام دعا کا مشورہ بھی نہیں دیں گے۔'' طنزیہ لہجہ آخر میں مذاق اڑانے والا تھا۔ وہ اب پھر ہنس دیا۔ زیبا چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''میں مانتا ہوں میری طبیعت اور مزاج میں شدت پسندی ہے۔ میں یہاں آتا ہوں تو بہت سی چیزوں، بہت سی باتوں سے بھاگ کر آتا ہوں۔ یہاں وقت گزارنا مجھے اپنے کمرے کی گھٹن سے نجات دلاتا ہے۔ یہاں کی رنگینیوں میں اپنے ذہن و دل کو الجھا کر اپنے دل میں پنپتی بہت سی خواہشات کو مار دیتا ہوں۔ یہی میرا ماضی، یہی میرا حال اور شاید مستقبل بھی.....تم زندہ دل لڑکی ہو، تمہارے سامنے زندگی اپنی تمام تر رنگینیوں سمیت منتظر ہے۔ کیوں مجھ جیسے بدمزاج شخص کے پیچھے اپنا وقت برباد کرتی ہو۔ انجوائے یور لائف پریٹی گرل.....انجوائے.....'' وہ اب مسکرا کر اس کا ہاتھ تھپ تھپا رہا تھا۔ زیبا چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

''تم اپنے ماضی کی وجہ سے ایسی زندگی گزار رہے ہو.....جان بوجھ کر.....'' کچھ لمحے خاموشی میں گزرے۔ اسی خاموشی کو پھر زیبا نے ہی توڑا۔

''شاید.....یا شاید نہیں.....دراصل بہت عرصہ ہوا، میں نے اپنے آپ میں جھانکنا چھوڑ دیا ہے.....ایک بات بتاؤں، جب انسان کے نزدیک زندگی بے کار ہو جائے تو وہ جیسے مرضی گزرے اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا.....یا شاید معنی رکھتا ہو.....بہرحال میری زندگی کی ترجیحات میں شادی کا لفظ کہیں بھی نہیں ہے۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ زیبا جو اس کا ایک ایک لفظ تولنے کی کوشش میں تھی فوراً بولی۔

''اور محبت.....'' اس نے شارق کی آنکھوں میں جھانکا جیسے وہ کوئی راز پانا چاہتی ہو۔ ''کیا یہ لفظ بھی تمہاری زندگی کی ترجیحات سے بے دخل ہو چکا ہے.....'' وہ پوچھ رہی تھی۔ شارق کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''ہاں شاید.....'' شارق نے کندھے اچکائے۔ زیبا نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے گردن

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

ہلائی۔

"تم صرف اپنے آپ کو برباد کر رہے ہو..... چلو آج کی گفتگو سے تمہاری ذات کا ایک سرا تو ہاتھ آیا..... تمہاری باتوں کا یہ مطلب نہیں کہ میں کنوینس ہو چکی ہوں۔ تم مجھے پسند آئے ہو اور تمہاری بے توجہی، لاپروائی بھی مجھے تم سے بدظن نہیں ہونے دے رہی اور نہ ہی میں کبھی ہوں گی۔ میری فیملی، تمہارے فیملی بیک گراؤنڈ سے متعلق کچھ بھی کہے۔ آئی ڈیم کیئر..... مجھے صرف تمہاری ذات سے سروکار ہے اور ہمیشہ رہے گا..... اوکے میں چلتی ہوں پھر ملیں گے۔" وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

شارق زمان کو حیرت ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یہ سب سن کر، تعلق توڑ کر، اس کی انسلٹ کر کے جائے گی مگر اس طرح آرام سے اس کا چلے جانا۔ شارق زمان لب بھینچ گیا۔

✿.....✿.....✿

زوباریہ بھابی نے فرح اور علی کے پرزور اصرار پر "ہاکس بے" کا پروگرام بنایا تھا۔ بدھ کا روز تھا، علی اور فرح دونوں نے ہی رات کو پروگرام طے کر لیا تھا کہ کل چھٹی کرنی ہے۔ بھابی کی تجویز پر نوشین اور زرش کو بھی ساتھ چلنے کی آفر کی۔ فون پر بھابی نے ہی چچی سے اجازت لی۔ طاہرہ بیگم کو زوباریہ کی سعود احمد کی فیملی سے اس قدر بے تکلفی قطعی نہیں بھائی۔ ایک تو ان کے ہاں جانا اور پھر اب دونوں بہنوں کو انوائٹ کرنا۔ دل تو چاہا کہ زوباریہ کو ٹوک دیں مگر نتیجتاً بدمزگی کا خدشہ تھا۔ سو تلخ گھونٹ پی گئیں۔ بہت عرصے بعد ان کی ساری اولاد اس طرح اکٹھی کسی پروگرام میں پوری خوشی و آمادگی سے شریک ہو رہی تھی، سو برداشت کر گئیں۔

ساری تیاری رات کو ہی کر لی گئی تھی۔ پروگرام کے مطابق وہ دس بجے کے قریب گھر سے نکل آئے تھے۔ سعید احمد نے خود نوشین اور زرش کو پک کر کے ہاکس بے پہنچنے کا کہا تھا۔ سمعان احمد، عثمان، علی، فرح اور طاہرہ بیگم سبھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ وہاں انہوں نے سارے دن کے لیے ہٹ کرائے پر لیا تھا۔ سامان وغیرہ رکھ کر وہ لوگ سمندر کی طرف دوڑے۔ چھٹی کا دن تو تھا نہیں، اسی وجہ سے لوگ بھی کم تھے۔ اِکا دُکا فیملیز دکھائی دے رہی تھی۔ اسی لیے وہ سبھی بہت اطمینان سے پانی میں اچھل کود کر کے انجوائے کر رہے تھے۔

حمزہ طاہرہ بیگم کے پاس تھا۔ بھابی، عثمان بھائی، سمعان احمد، فرح، علی پانچوں فٹ بال کھیل رہے تھے جب سعید احمد نوشین اور زرش کو لے کر آ گئے۔

دونوں نے دور سے ہی ان پانچوں کو ہاتھ ہلا کر اپنی آمد سے آگاہ کیا۔ طاہرہ بیگم کو سلام کر کے وہ ہٹ میں اپنا بیگ اور جوتے اتار کر ان لوگوں کے قریب چلی آئیں۔

"السلام علیکم....." فٹ بال کے پیچھے بھاگتا سمعان احمد رک گیا۔ گہرے جامنی لباس میں تمتماتی رنگت لیے بالوں کو لمبے اسکارف سے باندھے ہیرے کی طرح جگ مگ کرتی نگاہوں کی چمک دیکھنے والی تھی۔ زرش، فرح اور زوباریہ سے ہاتھ ملا کر اب عثمان اور علی سے ہاتھ ملا رہی تھی۔ سمعان احمد فٹ بال لے کر ان کے قریب ہی چلا آیا۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہو تم دونوں.....؟" فٹ بال علی کی طرف اچھال کر سمعان احمد نے دونوں کو باری باری دیکھا۔ دونوں ہی مسکرا دیں۔ سمعان احمد نے نوشین سے مصافحہ کے بعد زرش کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے بھرپور جوش سے تھاما۔

"بالکل اے ون..... پتا ہے سمعان بھائی مجھے رات سے ہی اتنی خوشی ہو رہی تھی۔ بہت عرصے بعد آپ لوگوں کے ساتھ "ہاکس بے" کا پروگرام..... مائی گاڈ..... میں بتا نہیں سکتی کہ میں کتنی خوش ہوں....."

خوشی سے تمتماتا چہرہ..... بغیر کچھ سنے بھی پڑھا جا سکتا تھا کہ وہ کتنی خوش ہے۔ سمعان کی آنکھوں میں خوش نما رنگ آ ٹھہرے۔ مسکرا کر اس کا ہاتھ چھوڑا۔

"پتا چل رہا ہے ہمیں..... اس لیے تو چچی جان سے اجازت لی تھی تم دونوں کے لیے۔ ورنہ تم دونوں کے بغیر کچھ مزہ نہ آتا....."

زوباریہ بھابی کی چاہت پر نوشین نے انہیں محبت سے دیکھا۔

"ماما شاید اجازت نہ دیتیں اگر آپ کال نہ کرتیں۔ آتے ہوئے سو ہدایات ساتھ باندھی ہیں انہوں نے....." اس نے ہنس کر بتایا۔

"چلو پھر میرا شکریہ ادا کرو۔ ورنہ اس وقت تم لوگ کالج میں ہوتیں۔" بھابی کی بات پر دونوں ہنس دیں۔

وہ دن بھرپور انداز میں گزرا۔ دسمبر کا مہینہ ہونے کی وجہ سے سمندر کا پانی بھی کافی ٹھنڈا تھا لیکن وہ لوگ انجوائے بھی خوب کر رہے تھے۔ گرم کپڑوں میں ملبوس ان کا زیادہ وقت ریت پر چیختے چلاتے اور انجوائے کرتے ہوئے گزرا۔

سعید احمد کچھ فاصلے پر بیٹھے سب کو انجوائے کرتے گاہے بگاہے دیکھ لیتے تھے البتہ طاہرہ بیگم کبھی ان کے پاس چلی آتیں اور کبھی ہٹ کے اندر چلی جاتیں۔ اس عمر میں ٹھنڈا پانی ان کے جوڑوں کے لیے نقصان دہ تھا، سو وہ ان لوگوں کے کھانے پینے کے انتظام میں ہی لگی رہیں۔ ماجدہ ان کے ساتھ تھی۔ دوپہر کا کھانا سب نے مل کر کھایا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا اور پھر کچھ دیر سبھی ستانے کو لیٹ گئے۔ واپسی کا ارادہ رات گئے تھا۔ خوبصورت ہٹ میں جس کو جہاں جگہ ملی وہیں لیٹ گیا۔ زرش بھابی، فرح، نوشین چاروں کتنی دیر تک باتیں کرتی رہیں پھر ایک ایک کر کے سبھی سو گئیں۔ یہ چاروں ایک ہی کمرے میں تھیں باقی لوگ دوسرے کمرے میں۔

زرش کی آنکھ کھلی تو سبھی ابھی تک سوئے ہوئے تھے۔ اس نے وقت دیکھا تین بج رہے تھے اس کا مطلب تھا کہ وہ صرف ایک گھنٹہ ہی سو پائی تھی۔ اس نے نوشین کا کندھا ہلایا۔

"نوشی اٹھو....." اس نے پکارا۔ نوشی کسمسائی۔

"کیا ہے سونے دو....." یہ کہہ کر اس نے کروٹ بدل لی۔

زرش اس کی نیند پر لعنت بھیجتے اور دوپٹہ سنبھالتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کولر سے گلاس میں پانی نکال کر

PDF STUFF BLOGSPOT.COM

اس نے منہ پر دو تین چھپاکے مارے۔ کلی کر کے وہ ہٹ کے ٹیرس میں آ کر کھڑی ہوگئی۔ ٹیرس سے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کا نظارہ بہت بھرپور تھا۔

زرش کا جی سمندر کی لہروں کے ساتھ دور تک جانے کو مچلنے لگا۔ اب تک وہ سبھی تایا ابو کی بھرپور ہدایت کے تحت صرف ریت تک ہی محدود رہے تھے۔ پانی کے اندر تک جانے کی غلطی نہیں کی تھی کہ موسم سرد ہے۔ آگے تک نہیں گئے تھے مگر اب، جب تک وہ لوگ اٹھ کر باہر آتے اس نے لہروں کا تعاقب کر کے واپس بھی آ جانا تھا۔ وہ خاموشی سے ٹیرس سے ہٹ گئی اور جوتے وہیں ٹیرس کی سیڑھیوں پر اتار کر ہٹ سے باہر نکل آئی۔

''ویسے مجھے یوں تنہا نہیں آنا چاہیے تھا۔'' تھوڑی دور ہی چلی تھی کہ اس کا دل اسے ملامت کرنے لگا۔ وہ سر جھٹک کر چلتی رہی۔ گیلی ریت کی ٹھنڈی، سرد ہوائیں اس کے بدن کو عجیب سا سرور بخش رہی تھیں۔ وہ ایک دم سب بھول بھال گئی۔ سمندر اسی طرح اسے دیوانہ بناتا تھا۔ ہر بار وہ یہاں آ کر بیگانہ ہو جاتی تھی۔ لہریں اس کے پاؤں کو چھو رہی تھیں۔ وہ پانی میں چلتی رہی یہاں تک کہ پانی گھٹنوں تک آ گیا۔

''واہ.....! کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ کیا تھا میں فرح کو ہی ساتھ لے آتی۔'' اس وقت لوگ تھے مگر کم..... کہیں کہیں دکھائی دے رہے تھے۔ لوگوں کو دیکھتے ہوئے وہ واپس پلٹی لیکن چٹانوں کو دیکھ کر وہ ادھر چلی آئی۔ وہ ایک اونچی چٹان پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ ٹانگیں پانی میں لٹکائے وہ جھک جھک کر ہتھیلیوں میں مسلسل پانی بھرنے کی کوشش میں تھی۔ چٹان کافی اونچی تھی۔ اس کے ساتھ کئی چٹانیں تھیں۔

''تم یہاں اکیلی کیوں آئیں.....؟'' سمعان احمد کی آواز پر وہ ایک دم ڈر گئی تھی۔ فوراً سر اٹھا کر دیکھا۔ سمعان احمد عقب میں تھے۔

''آپ..... اف اللہ..... حد کرتے ہیں آپ بھی..... ڈرا کے رکھ دیا.....''

اس کا دل خوف سے کانپنے لگا اور اس کے ہاتھ سنسنا رہے تھے۔ ایک خفت بھری نظر سمعان پر ڈالی۔ جو اسے ہی گھور رہا تھا۔

''تم اکیلی کیوں آئیں.....؟'' اس کے ڈرنے کی پروا کیے بغیر دوبارہ وہی سوال دہرایا۔

''یونہی..... باقی سب سو رہی تھیں..... میرا دل چاہا یہاں آنے کو سو میں چلی آئی.....'' اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔ سمعان احمد کو اس کا یہ انداز ذرا نہ بھایا۔ اردگرد دیکھا۔ اس وقت یہ جگہ تقریباً سنسان ہی تھی، کم ہی لوگ تھے۔ ایسے میں زرش کو یوں اکیلے چلے آنا اور اس جگہ بیٹھنا۔ وہ تو سمعان کی یونہی آنکھ کھل گئی۔ ٹیرس پر ٹہلتے یونہی چٹانوں کی طرف نگاہ چلی گئی۔ کافی فاصلہ تھا مگر وہ پھر بھی پہچان گیا تو فوراً یہاں آیا۔

''اتنا لاپروا نہیں ہونا چاہیے۔ کم از کم لڑکی ذات کو قطعی نہیں..... ایسی جگہوں پر اکیلے گھومنا پھرنا بعض اوقات بہت خطرناک ثابت ہوتا ہے۔'' اس کے پاس ہی چٹان پر بیٹھتے سمعان نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔ زرش کو ایک دم احساس ہوا وہ واقعی غلطی کر چکی ہے۔

''آئی ایم سوری..... آپ کو پتا ہے سمندر مجھے کتنا اچھا لگتا ہے۔ مجھے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ٹیرس پر کھڑی تھی کہ اچانک دل یہاں آنے کو مچل اٹھا۔'' وہ اپنی ازلی معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ سمعان نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ سورج کی صاف شفاف کرنیں براہ راست اس کی چمکتی دمکتی جلد کو مزید جگمگا رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں کی سنہری رنگت کتنی خیرہ کن تھی۔ سمعان احمد ایک دو لمحے کے لیے مبہوت سا ہو گیا۔ لاپروائی سے کندھے پر ڈالا دوپٹہ۔ بلوخوبصورت اسکارف میں جکڑے بال اور گالوں پر چھوتی شریرلٹ۔

سمعان احمد نے ہاتھ بڑھا کر چہرے پر جھولتی شریرلٹ کو انگلی کے ذرا سے خم سے پیچھے کیا۔

''پھر بھی احتیاط ضروری ہوتی ہے۔ تم ہم میں سے کسی کو اٹھا لیتی.....'' سمعان احمد کی آواز بوجھل سی عجیب احساس لیے ہوئے تھی۔ زرش ایکدم الجھی۔ چونک کر سمعان احمد کو دیکھا۔ وہ اس پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ وہ جھجکتے ہوئے عجیب سے احساس کا شکار ہوگئی۔

سمعان احمد سے لاکھ انسیت و بے تکلفی سہی مگر بحیثیت لڑکی ایک جھجک خود بخود وقت گزرنے کے ساتھ ان کے درمیان آ ٹھہری تھی۔ کبھی سمعان احمد کے معاملے میں وہ خود بے خود ہو جاتی تھی لیکن اس وقت اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ جسے وہ کوئی نام نہ دے سکی مگر وہ سر جھٹک گئی۔

''سمعان بھائی کیا بات ہے.....؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں.....؟'' وہ سمعان احمد کی مسلسل گہری جائزہ لیتی نگاہوں سے خائف ہوگئی۔ دل اندر ہی اندر سکڑنے، سمٹنے اور پھیلنے لگا تھا۔

سمعان احمد ایک دم نگاہ پھیر گیا۔ اپنی بے خودی و بے اختیاری خود ہی خفت سے دوچار کر گئی۔ جذبوں میں ارتعاش برپا ہو گیا۔ سمعان احمد نے جھک کر ہتھیلی میں پانی بھرا۔

زرش کو سمعان کی اس حرکت سے کچھ اندازہ نہ ہو سکا۔ ناسمجھی میں اس نے کندھے اچکائے۔

''سمعان بھائی.....'' اس نے پکارا پھر بھی سمعان نے سر نہ اٹھایا۔ ہتھیلی سے ایک گرتے قطرے کو دیکھنے لگا۔

''ہوں.....'' جھکے سر سے ہی کہا۔

''ایک بات پوچھوں.....؟'' جھجکتا انداز تھا۔ سمعان نے سر اٹھایا اور زرش کو دیکھا۔ وہ الجھی ہوئی محسوس ہوئی۔

''ہوں.....''

''آپ کسی کو پسند کرتے ہیں.....؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ ایک پل کو سمعان کے اندر ایک سناٹا سا چھا گیا۔ ہر طرف ایک ہی سوال تھا۔ ''آپ کسی کو پسند کرتے ہیں.....؟''

''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' سمعان احمد نے فوراً خود کو سنبھالا..... سنجیدگی سے اس کا چہرہ جانچا۔

''بس یونہی..... دیکھیں نا..... گھر میں آج کل صرف ایک ہی ٹاپک چل رہا ہے ''آپ کی شادی'' ماما، پاپا اکثر اس قسم کی باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ہادیہ آپی آئی ہوئی ہیں وہ بھی یہی باتیں کر رہی ہیں۔ بس ان کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ آپ خود کسی کو پسند کرتے ہیں.....'' کتنے آرام سے وہ

BEST LIFE BLOGSPOT.COM

سمعان احمد کے دل کے انتشار کو بے بسی و بے خودی کی زد میں لے آئی تھی۔ کتنے سکون سے وہ دل کے تاروں پر ہاتھ مار گئی تھی۔ سمعان احمد نے لب بھینچ لیے۔ بمشکل دل میں مچلتے جذبوں کو زبان دینے سے روک پایا۔ وہ ایک انسان تھا۔ عام سا انسان مگر اپنی بشری کمزوری پر قابو پاتے ہوئے خود کو روک لیا۔

''پاگل ہو تم..... ایسی کوئی بات نہیں..... میں جب بھی شادی کروں گا امی ابو کی باہمی رضامندی سے ہی کروں گا۔ امی، ابو کی پسند میری پسند ہو گی.....''

''مگر تائی امی تو فوزیہ آپی کو آپ کے لیے لانا چاہتی ہیں اور پتا ہے سمعان بھائی فوزیہ آپی کسی اور کو پسند کرتی ہیں۔ اس رات جب ہوٹل میں ہم نے فوزیہ آپی کو دیکھا تھا۔ ان کے ساتھ جو لڑکا تھا۔ شاید وہی تھا..... آپ نے دیکھا ہے ناں.....؟''

وہ بتا رہی تھی۔ سمعان احمد کو ناگواری کا احساس ہوا.....

''تم اپنی عمر کے مطابق باتیں کیا کرو..... فوزیہ کیا کرتی ہے یا کیا نہیں تمہارا ہیڈک نہیں۔ اپنی پڑھائی پر توجہ دو..... ہادیہ بھی کیا بچکانہ باتیں کرتی ہے تم لوگوں کے سامنے..... چچی امی منع نہیں کرتیں.....''

سمعان کے یوں ناگوار لہجے پر زرش ایکدم حقیقت سے ارتعاش کی زد پر آ گئی۔ اسے یونہی دل میں یہ بات کھٹک رہی تھی سو کہہ دی۔ کیا پتا تھا سمعان احمد یوں ڈانٹ دے گا۔

''آئی ایم سوری..... ماما تو منع کرتی ہیں مگر..... اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔''

''مگر تم لوگ ضرور سن لیتی ہو..... بڑی بری بات ہے یوں چھپ کر باتیں سننا۔''

''نہیں..... نہیں..... چھپ کر کب سنتے ہیں..... وہ لوگ آپس میں ڈسکس کر رہی ہوتی ہیں یونہی کانوں میں پڑ جاتی ہے.....'' سمعان کے ڈانٹنے والے انداز پر اس نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔ سمعان نے بغور دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔ وہ کچھ زیادہ ہی خفا ہو رہا تھا۔ نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''اپنی پڑھائی پر توجہ دیا کرو..... آگے بڑی زندگی پڑی ہے ان باتوں کے لیے۔ یہ خاندانی معاملات ڈسکس کرنے کے لیے نہیں ہوتے ہیں مگر ان کو یوں سوچنا اور سوال کرنا بعض اوقات ذہن کو بھی الجھا دیتا ہے۔ کوشش کرو کہ کبھی ان معاملات میں نہ الجھو۔ سوائے تکلیف و اذیت کے کچھ ہاتھ آنے والا نہیں۔'' زرش کا ہاتھ تھام کر ہولے سے تھپ تھپاتے ہوئے سمعان احمد نے سمجھایا تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔ سر ہلانے سے زرش کے گلے میں جھولتا لاکٹ بھی حرکت کرنے لگا۔ ''Z.S'' کے الفاظ پر سمعان احمد کی نظریں بھٹک گئیں۔

''یہ لاکٹ تمہارے گلے میں بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔ جب خریدا تھا تو اندازہ نہیں تھا کہ اتنا خوبصورت اور قیمتی ہے مگر اب.....'' ہاتھ بڑھا کر انگلی پینڈل کی نوک پر رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا، زرش جھینپ گئی۔

''تمہارے کالج میں اجازت ہے ایسی جیولری پہننے کی۔'' سمعان احمد نے ہاتھ ہٹا لیا۔ زرش نے فوراً

غیر محسوس انداز میں دوپٹہ گلے میں لپیٹ لیا۔ اس کی، اس حرکت پر سمعان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگنے لگی۔

''نہیں.....'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''فرح نے بھی پہن رکھا ہے، تم نے بھی..... فائن نہیں ہوتا تم لوگوں پر.....'' سمعان نے مزید پوچھا۔ ہیروں کی طرح جگمگاتی آنکھیں جھک گئی تھیں۔ گھنی اور لانبی پلکیں لرز رہی تھیں۔ زرش کے وجود میں ایسی دلکشی پہلی دفعہ سمعان احمد کو محسوس ہوئی۔ (یعنی یہ لڑکی میری گہری نگاہ کو پڑھنا بھی جانتی ہے) ایک نیا احساس جاگا تھا۔

''کالج کے اوقات میں ہم دونوں گلے سے اتار لیتی ہیں..... گھر آ کر پھر پہن لیتی ہیں۔'' وہ بتا رہی تھی۔ سمعان مسکرا دیا۔

''اوکے ویل..... اٹھو اندر چلتے ہیں۔ باقی لوگ اٹھ گئے ہوں گے.....'' سمعان احمد چٹان سے اتر چکا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ زرش کی طرف بڑھایا لیکن اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ چٹان اونچی تھی۔ بیٹھتے ہوئے تو وہ اچھل کر بیٹھ گئی تھی۔ اب اترتے ہوئے چھلانگ لگا کر اترنا پڑتا۔ نیچے گھٹنوں تک پانی تھا۔ ذرا سا پھسلتی تو پانی میں گرتی۔ اس نے دوسری چٹان کی طرف دیکھا، وہ تھوڑی چھوٹی تھی۔ اس پر چھلانگ لگا کر وہ آرام سے دوسری طرف کود سکتی تھی۔ وہ چٹان پر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آرام سے..... دھیان سے پاؤں جما کر اترو.....'' سمعان احمد اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سر ہلا کر اس نے دوسری چٹان کو دیکھا۔ دونوں چٹانوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ اس نے لاپروائی سے چھلانگ لگائی مگر پاؤں مضبوطی سے جمنے کے بجائے لڑکھڑا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا توازن برقرار رکھتی دوسری طرف گہرے پانی میں جا گری۔

''زرش..... زری.....'' زرش کو گرتے اور چیخ مارتے دیکھ کر سمعان احمد چیخا اور جلدی سے اس کی طرف گہرے پانی میں کود گیا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

رضا کا بخار اترا تو انتہائی خاموشی سے زندگی کے دیگر معمولات بھی شروع ہو گئے۔ کالج اکیڈمی کا سلسلہ پھر چل نکلا مگر زبیدہ کے سمجھانے کا اثر تھا یا پھر انکار کا۔ اس نے زبان پر دوبارہ نویرہ کا نام نہیں لیا لیکن وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اس کی خاموشی زبیدہ اور رمشا کو بہت کچھ سمجھا رہی تھی مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

آج وہ کالج سے آنے کے بعد لیٹ گیا تھا۔ اکیڈمی بھی نہیں گیا تھا۔ سارا وقت کمرے میں ہی پڑا رہا تو زبیدہ بیگم کو تشویش ہوئی۔ وہ محسوس کر رہی تھیں کہ رمشا اب رضا کے معمولات و کاموں میں حصہ نہیں لیتی۔ وہ کچھ کہتی تو وہ کام کر دیتی تھی ورنہ رضا سے خود دور ہی رہتی۔ پہلے تو ان کا دل چاہا رمشا کو بھیجیں وہ پوچھے تو سہی کہ اکیڈمی کیوں نہیں گیا مگر پھر خود ہی چلی آئیں۔

وہ تمام روشنیاں گل کیے لیٹا تھا۔

"رضا....." انہوں نے پکارا پھر آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی۔ رضا نے تیز روشنی سے بچنے کے لیے ایک دم آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

وہ اس کے پاس بستر پر آ گئیں۔

"کیا بات ہے..... طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کالج سے آنے کے بعد نہ کچھ کھایا، نہ پیا تب سے لیٹے ہوئے ہو۔ اکیڈمی بھی نہیں گئے..... خیریت ہے ناں؟" نہایت تشویش سے کہتے اس کے بالوں پر ہاتھ رکھا۔ رضا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مزید فکرمند ہو گئیں۔

"رضا..... کیا بات ہے.....؟ ہٹاؤ بازو..... میں کچھ کہہ رہی ہوں....." انہوں نے خود ہی رضا کا بازو اس کے چہرے سے ہٹا دیا مگر رضا کا چہرہ دیکھ کر انہیں ایک جھٹکا لگا۔ سرخ انگارہ آنکھیں..... نمی سے تر چہرہ..... انتہائی خوفناک لگ رہا تھا۔ وہ اس وقت.....

"رضا....." وہ بے یقینی سے پکارنے لگیں۔

"آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ کیوں نہیں دیتیں.....؟" انتہائی تلخی سے اس نے ان کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا۔

"بس دل نہیں چاہ رہا اکیڈمی جانے کو..... اور اب میں وہاں نہیں جاؤں گا..... بتا دیجیے گا ابو کو..... زہر لگتا ہے مجھے فاروق نواز....." وہ ایکدم ابل پڑا۔ زبیدہ ششدر رہ گئیں۔

"یہ کیا پاگل پن ہے رضا..... آہستہ بولو....." انہوں نے ڈانٹا۔ وہ سر جھٹک کر اٹھ بیٹھا۔

"کیا چاہتی ہیں آپ، اب جینا بھی چھوڑ دوں۔ آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ میں پاگل ہوں، مجھے پاگل پن سمیت میرے حال میں جینے دیں۔ جائیے یہاں سے..... جائیں....." کتنے دنوں بعد وہ واپس اپنی جوبن پر آیا تھا۔ وہی مشتعل انداز..... ضدی لہجہ..... زبیدہ کا دل رک رک کر چلنے لگا۔

"تم مجھے رسوا کر کے رہو گے....." ان کا دل چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔

رضا نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"فاروق نواز..... بڑا ہے تم سے..... بھائی کی جگہ ہے۔ اتنی نفرت کیوں کر رہے ہو..... اس طرح تو تم خود کو تباہ و برباد کر لو گے..... اس میں بھلا نواز کا کیا قصور۔ تمہیں اپنے آپ کو سنبھالنا چاہیے۔ ایسی بھی کیا عمر کہ انسان دیوانگی کا ہاتھ تھام لے۔ بی ایس سی آنرز کے آخری سال میں ہو، اب اتنے بچے بھی نہیں ہو کہ تمہاری ہر ضد کو بچے کی ضد کہہ کر میں تمہارا ساتھ دوں۔" انہیں رضا کے رویے سے شاک پہنچا تھا۔ رضا چپ بیٹھا رہا..... انہوں نے اچھا خاصا سخت لہجہ اپنایا تھا۔

مجھ سے برداشت نہیں ہوتا..... کچھ بھی برداشت نہیں ہوتا۔ آپ ابو سے بات کر کے دیکھیں تو سہی..... ابھی ایسا بھی وقت نہیں گزرا حالات سنبھل سکتے ہیں۔"

انہوں نے بے انتہا غصے سے رضا کو دیکھا۔ رضا نے ان کا ہاتھ تھاما تو ایکدم جھٹک دیا۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو رضا..... ایسا کبھی نہیں ہو سکتا..... میں نے تمہیں کتنا سمجھایا ہے مگر تم اسی مقام پر ہو..... اسی جگہ پر....." وہ دکھ سے چپ ہو گئیں۔

"مجھے بھی تو کوئی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا....." اس نے شکایتی نظروں سے ماں کو دیکھا۔ زبیدہ نظریں چرا گئیں۔ وہ غلط چیز کے لیے ضد کر رہا تھا۔ وہ کھیلنے کو چاند مانگ رہا تھا تو کیا وہ اس کے ہاتھ میں انگارہ تھما دیتیں۔ وہ جانتی تھیں کہ کتنی رسوائی ہے اس میں مگر وہ اسے کیسے سمجھاتیں۔

"رضا میری بات کان کھول کر سن لو..... قیامت تک تمہارے باپ سے یا کسی سے بھی میں ایسی بات نہیں کروں گی جس سے نویرہ کی رسوائی ہو۔ ہاں اگر تم نے زبان کسی اور کے سامنے کھولی تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے..... سچ کہہ رہی ہوں اسی وقت کچھ کھا کے مر جاؤں گی....." انہیں اب رضا کی ضد غصے سے دوچار کرنے لگی تھی۔

ماں کی اس دھمکی پر وہ بے یقینی سے دیکھنے لگا۔

"آپ مجھے دھمکی دے رہی ہیں۔" بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ اس کی ہر جائز ناجائز بات میں اس کا ساتھ دینے والی ماں اس بات پر کچھ کھا کر مر جانے کی دھمکی دے رہی تھی۔

"میری ضد بے جا تو نہیں۔" اس کا لہجہ دکھی ہو گیا۔ زبیدہ کا دل کٹنے لگا۔ تاہم انہوں نے خود کو سخت بنائے رکھا۔ ذرا سی ہمدردی رضا کے حق میں غلط ہو سکتی تھی۔

"اتنی جائز بھی نہیں۔ تم اسے دھمکی سمجھو یا کچھ اور..... تم بے شک ہماری اکلوتی اولاد ہو لیکن اس

PDFSHARE.BLOGSPOT.COM

خیال میں مت رہنا کہ تمہارا ساتھ دوں گی۔ کچھ کھالوں گی مگر نہ خود رسوا ہوں گی، نہ نویرہ کو ہونے دوں گی۔ بہتر ہے زبان بند ہی رکھو.....'' وہ اسے سختی سے جتا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

رضا کی آنکھوں کی سرخی ایکدم بڑھ گئی۔

''تم نواز کے پاس اکیڈمی نہیں جانا چاہتے ہو مت جاؤ..... میں تمہارے باپ سے بات کرلوں گی مگر تمہارا یہ سال بہت اہم ہے اسے ضائع مت کرو..... اپنی پڑھائی پر توجہ دو..... وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اب کی بار انہوں نے نرمی سے کہا تو رضا نے منہ پھیر لیا۔ زبیدہ ایک دو منٹ ٹھہریں کہ شاید وہ کچھ کہے مگر پھر کمرے سے نکل آئیں۔

کچن میں رمشا رات کے کھانے کا اہتمام کر رہی تھی۔ انہوں نے اسے بغور دیکھا۔ سی گرین سوٹ میں وہ بہت پیاری اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ رضا اور رمشا دونوں ہم عمر ہی تھے۔ ایک حادثے میں والدین کا انتقال ہوگیا تھا تب سے انہوں نے رمشا کو اپنے گھر میں ہی رکھ لیا تھا۔ رمشا کے مرتے والدین سے انہوں نے رمشا کو اپنی بیٹی بنا کر رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور اب رضا کی ضد.....

انہوں نے سر جھٹکا۔

''کیا کر رہی ہو.....؟'' وہ کچن کے اندر چلی آئیں۔ وہ پھوپی کو دیکھ کر پلٹی پھر مسکرائی۔

''چکن پلاؤ بنانے کا ارادہ ہے۔ مسالہ تیار کر رہی ہوں۔ انکل کو بہت پسند ہے ناں۔ چکن پلاؤ رضا بھی بہت شوق سے کھاتا ہے۔''

انہوں نے اس پر ایک گہری نظر ڈالی۔ روانی میں آج کتنے دنوں بعد اس کے منہ سے رضا کا نام سن رہی تھیں ورنہ وہ اب رضا سے نہ صرف خود دور رہتی تھی بلکہ اس کے ذکر تک سے اجتناب برت رہی تھی۔

''کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کے معاملے میں دونوں باپ بیٹا بھلا کب ضد کرتے ہیں صبر شکر سے جو مل گیا کھا لیتے ہیں مگر ''ضد'' کے معاملے میں دونوں ایک جیسے ہیں۔ رضا بالکل باپ پر گیا ہے۔ مجھے تو اب اس سے خوف آنے لگا ہے.....''

وہ فریج سے دودھ نکال کر چائے بنانے کی نیت سے چولہے کی طرف بڑھیں۔ زبیدہ کی بات سن کر رمشا کے تاثرات بدلنے لگے۔

''اللہ ہدایت دے..... میں تو سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں۔ مجھے تو ہول اٹھتے ہیں کہ اگر کسی دن ضد میں یا انجانے میں وہ کسی اور کے سامنے نویرہ کا نام لے بیٹھا تو کیا ہوگا۔ قیامت نہ آجائے گی خاندان بھر میں..... میں جانتی ہوں اس خاندان کے مردوں کو باہر جو مرضی، من مانی کر آئیں گھر کے اندر کی عورت کو کوئی میلی آنکھ سے بھی دیکھ لے، الٹا سیدھا سوچ لے تو جان لینے پر تل جاتے ہیں۔'' انہوں نے برتن میں پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دیا۔ رمشا لب بھینچے سنتی رہی۔

''نویرہ کو میں جانتی نہ ہوتی تو پہلا خیال دل میں یہی آتا کہ اس نے میرے بیٹے کو غلط راہ پر لگایا ہے، اب اپنا ہی ''بیٹا'' کم عقلی دکھائے تو دوسروں کو کیا الزام دوں۔ نویرہ کی شرافت، کردار کی پاکیزگی

کی گواہی سارا خاندان دے گا۔ ایک طرف کردے گا ہمیں اگر کسی کو رضا کے جذبات کی بھنک بھی پڑ گئی تو.....''

وہ کتنی دیر رضا سے الجھ کر آئی تھیں۔ اندر وحشت بسیرا کر چکی تھی۔ دل کا غبار نکالنے کے لیے رمشا کے سوا کوئی اور وجود بھی تو نہ تھا۔ رمشا کو اس ذکر سے کتنی اذیت اور تکلیف ہوتی ہوگی وہ بخوبی اندازہ لگا سکتی تھیں۔

رمشا کا دل ایکدم اچاٹ ہونے لگا۔ کتنے شوق سے آج وہ پلاؤ بنانے کے ارادے سے آئی تھی مگر اب پھوپی کی گفتگو..... وہ خاموشی سے کام کرتی رہی۔ جتنی دیر میں زبیدہ نے چائے بنائی، اتنی دیر میں اس نے ابلتے پانی میں چاول ڈال کر چولہے کی آنچ تیز کردی۔

زبیدہ نے ایک کپ میں چائے ڈال کر اس کے پاس رکھی اور دوسرا کپ لے کر وہ کچن سے باہر نکل گئیں۔

''رضا کو دے آؤں..... کمرے میں بند نجانے کیا کیا سوچتا رہتا ہے پھر طبیعت خراب کرلی تو سردی کے موسم میں برا حال ہو جائے گا۔ ضدی ہے، کم عقل ہے، جذبات کا سمندر تلاطم خیز ہے، اللہ ہدایت دے۔ آہستہ آہستہ سمجھاتی رہوں گی تو شاید سمجھ ہی جائے۔'' وہ ایک گہری اور ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔

زبیدہ بیگم کے کچن سے جاتے ہی رمشا نے چیخ چولہے پر پٹخا۔ آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔ اس نے اپنے لب سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

''رضا میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی..... نویرہ تمہیں کبھی ملنے والی نہیں لیکن میری طرف سے منہ موڑا تو سب کچھ ملیا میٹ کردوں گی..... کچھ بھی باقی نہیں رہنے دوں گی۔ نہ تمہیں، نہ تمہاری نویرہ کو.....'' اس کے اندر سب تہس نہس کر دینے کی آگ جل رہی تھی۔ وہ نفرت کی انتہا پر تھی۔

گزشتہ دنوں اس نے جس قدر نویرہ سے نفرت کی تھی، جتنی بددعائیں اسے دی تھیں۔ یہ صرف وہی جانتی تھی۔ رضا سے وہ متنفر و کھنچی کھنچی سی رہ رہی تھی مگر اندر کی آگ جوں کی توں تھی۔ رضا کو اس کی پروا ہی کب تھی۔ یہ احساس ہی اسے ذلت کی گہرائیوں میں جا دھکیلتا تھا۔ رضا نے نویرہ کے لیے اسے ریجیکٹ کیا تھا۔ وہ یہ بھول نہیں پا رہی تھی۔

پاؤں لڑکھڑایا اور وہ بے توازن ہو کر ٹھاٹھیں مارتے پانی میں جا گری۔ خوف سے اس کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔

''زرش..... زری.....'' سمعان چند لمحے کچھ بھی سمجھ نہیں پایا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا تھا تاکہ وہ اسے تھام کر نیچے اترے مگر وہ ہاتھ نظر انداز کر کے کچے کی طرف سے خود اترنے لگی اور ایک دم گری اور جب وہ سمجھا کہ سچویشن کیا ہے تو وہ فوراً دوسری طرف آ گیا۔

''سمعان بھائی.....'' وہ گری ضرور تھی اس کے ماتھے پر چٹان کا سرا لگنے سے گہری چوٹ آئی تھی۔

PDF STORE.BLOGSPOT.COM

سمعان احمد کو اپنی طرف دیکھ کر اس نے اپنے منتشر ہوتے حواس سنبھالنے کی کوشش کی مگر درد سے نڈھال وہ ریت پر جھکتی چلی گئی۔

"زری.....تم ٹھیک تو ہونا.....؟" پانی اتنا گہرا نہیں تھا۔وہ دونوں ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھے۔ اوندھے منہ تھی۔سمعان احمد نے فوراً اسے کندھوں سے تھاما۔

"زری....." وہ جھکی ہوئی تھی صرف ایک دفعہ سمعان کو پکار کر وہ خاموش ہوگئی تھی۔سمعان احمد چیخا۔اس کو سیدھا کیا۔اس کے ماتھے کے بائیں طرف کنپٹی کے قریب سے خون کی لکیر بہہ رہی تھی۔

"او مائی گاڈ.....زرش یہ تو بلیڈنگ ہو رہی ہے۔" سمعان کو ایک لمحے کے لیے کچھ سمجھ نہیں آئی کہ کیا کرے۔زرش درد کی شدت سے نڈھال ہو رہی تھی۔تکلیف دبانے کو لب بھینچ رکھے تھے۔ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی لہروں سے دونوں ہی بھیگ چکے تھے۔

"اٹھو.....چلو.....ہٹ میں چلتے ہیں....." سمعان احمد نے اس کے گرد بازو پھیلایا اور سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کی مگر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"مجھ سے نہیں چلا جاتا.....میرا سر گھوم رہا ہے....." دوپٹہ ماتھے پر رکھ کر اس نے سمعان کو دیکھا۔

"کیا ہوا ہے.....؟" اس سے پہلے کہ سمعان احمد جواب میں کچھ کہتا عقب سے آئی آواز پر دونوں ہی چونکے۔سعید احمد اور علی دونوں ہی کھڑے تھے۔زرش کے ماتھے سے خون بہتے دیکھ کر دونوں ہی ایکدم پریشان ہوگئے۔

"زری.....یہ کیا ہوا.....؟ کیسے لگی چوٹ....." سعید احمد ایکدم آگے بڑھے تو سمعان ایک طرف ہو گیا۔سعید احمد نے بے تابی سے اسے تھاما.....وہ جو بمشکل اپنی تکلیف برداشت کر رہی تھی رو دی۔

"تایا ابو....." وہ ان کے بازو میں منہ چھپا کر رو دی.....انہوں نے سمعان کو دیکھا۔

"کیا ہوا.....کیسے لگی چوٹ....."

"یہاں سے گر گئی.....پاؤں پھسل گیا تھا۔" اس نے چٹان کی طرف اشارہ کیا۔

"علی بہن کو سہارا دو.....چلو زرش اندر ہٹ میں چلتے ہیں....." انہوں نے متفکر کھڑے علی کو پکارا تو وہ فوراً آگے بڑھا۔سعید احمد اور علی دونوں کے سہارے سے وہ ہٹ تک آئی۔اندر بھی اٹھ چکے تھے۔

"ہائے.....زری یہ کیا ہوا....." جیسے ہی وہ دونوں کے سہارے اندر داخل ہوئی نوشی اور فرح دونوں ہی دیکھ کر چیخ اٹھیں۔

"گر گئی ہے....." علی نے بتایا۔نوشی کا دل خون دیکھ کر کانپنے لگا۔

"کیسے.....؟" نوشی نے فوراً اس کا بازو تھاما۔زرش کے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔انہوں نے ہٹ کے کمرے میں لا کر اسے بٹھا دیا۔

زوباریہ بھابی اس کے دوپٹے سے ہی اس کا زخم صاف کرنے لگیں۔

"زخم زیادہ گہرا نہیں مگر بینڈیج تو ضرور ہوگی ورنہ بلیڈنگ نہیں رکے گی....."

اس کے اردگرد سبھی موجود تھے۔

"یہ وہاں کر کیا رہی تھی.....جب ہم سب یہاں تھے تو یہ اکیلی وہاں کیوں گئی....." طاہرہ بیگم علی کی زبانی چوٹ لگنے کی وجہ سن چکی تھیں، ایکدم ناگواری سے کہا۔

ان کی تیز، ناگوار آواز پر کسی اور نے دھیان دیا ہو یا نہ دیا ہو مگر سمعان اور سعید احمد دونوں ہی چونکے۔سمعان نے ماں کا چہرہ دیکھا۔

"کس قدر نفرت انگیز نظروں سے وہ زرش کو دیکھ رہی تھیں۔وہ سن کھڑا رہ گیا۔

"بچی ہے.....چلی گئی تھی کیا پتا تھا چوٹ لگ جائے گی....." سعید احمد بھی تاثرات نوٹ کر چکے تھے۔وہ بھی تلخی سے بولے۔

"اب اتنی بھی بچی نہیں.....سب چال بازیاں جانتی ہوں۔" اب کے انہوں نے اندر کی کھولپن کا برملا اظہار کیا۔کسی کی بھی موجودگی کا خیال نہیں کیا۔سبھی حیران ہوئے کہ یہ اچانک انہیں ہو کیا گیا ہے۔ زرش نے الجھ کر دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا.....؟" سعید احمد بات کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے مگر طاہرہ بیگم کے لب و لہجے میں چھپی کاٹ انہیں ہضم نہیں ہوئی۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں....." وہ تیز اور تلخ آواز میں کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔سمعان نے تعجب سے باپ کو دیکھا جو اپنے غصے کو بمشکل کنٹرول کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر پہلے جب طاہرہ بیگم کی آنکھ کھلی تھی تو کمرے سے نکل آئیں۔سمعان کو نہ پا کر انہوں نے یونہی دوسرے کمرے میں جھانکا تو زرش بھی موجود نہیں تھی۔ان کے اندر گویا آگ کے گولے جل اٹھے۔سمعان کے جذبات سے آگہی نہ بھی ہوتی تب بھی وہ زرش کو کبھی برداشت نہ کر پاتیں اور اب.....ان کا ذہن بہت دور تک، بہت غلط انداز میں سوچ رہا تھا۔اندر ہی اندر کھول رہی تھیں۔اسی لیے انہوں نے علی کو اٹھا کر باہر بھیجا تھا۔اسی وقت سعید احمد بھی اس کے ساتھ ہو لیے تھے مگر اب زرش اور سمعان دونوں کو اچھا خاصا بھیگا دیکھ کر ان کے تن بدن میں بھڑکتی آگ مزید سلگنے لگی۔ان کا ذہن بہت دور تک سوچ رہا تھا۔

سعید احمد کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی طاہرہ کی رفاقت کا پس منظر کچھ کچھ سمجھ رہے تھے۔انہیں اپنے بچوں کے سامنے بیوی کے اس لب و لہجے پر رہ رہ کر تاؤ آ رہا تھا۔

"یہ زوباریہ، نوشی اور زرش بھی کیا سوچتی ہوں گی....." انہوں نے سلگتی نظر دروازے کے باہر ٹیرس پر جھکے طاہرہ بیگم کے وجود پر ڈالی پھر تلخی سے سر جھٹکا۔سمعان احمد ان کے ایک، ایک تاثر کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

"زوباریہ بیٹا!.....زیادہ پریشانی والی بات تو نہیں ہے....." انہوں نے اپنے غصے کو پس پشت ڈال کر پوچھا جواب ٹشو سے زرش کے زخم کو صاف کر رہی تھی۔زوباریہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں پاپا.....لیکن ڈاکٹر کو دکھا دینا چاہیے.....فرسٹ ایڈ کا سامان ہوتا تو میں ہی ڈریسنگ کر دیتی لیکن ابھی ڈاکٹر کو دکھا دینا چاہیے۔سمندری پانی زخموں کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے....."

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

انہوں نے سر ہلایا پھر جیب سے چابی نکال کر بالکل خاموش کھڑے سمعان احمد کی طرف بڑھائی۔

''جاؤ سمعان زرش کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ..... بینڈیج وغیرہ کروا کر لے آؤ رات تو یہیں ہیں۔ ایسے میں زخم خراب بھی ہو سکتا ہے۔''

سمعان احمد نے تعجب سے باپ کو دیکھا۔ گاڑی کی چابی تو اس کے اپنے پاس بھی تھی لیکن سعید احمد کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔

''جی..... میں اپنی گاڑی نکالتا ہوں آپ زرش کو لے آئیں.....'' دوسرے کمرے میں جا کر اس نے اپنا پرس اٹھایا جو لیٹنے سے پہلے اس نے سائیڈ پر رکھا تھا اور اٹھنے کے بعد اٹھانا بھول گیا تھا۔

گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر زرش کو بٹھا کر سعید احمد نے دروازہ بند کر دیا۔

''دھیان سے لے جانا..... اور زرش بیٹا پریشان نہیں ہونا، چھوٹا سا زخم ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا.....''

طاہرہ بیگم کی ضد میں وہ جان بوجھ کر زرش کو سمعان کے ہمراہ بھیج رہے تھے۔ ٹیرس پر جھکی طاہرہ بیگم دونوں کو جاتا دیکھ کر بل کھا کر رہ گئیں۔ وہ پاؤں پٹختی وہاں سے ہٹ گئیں۔ سمعان نے گاڑی اسٹارٹ کی تو سعید احمد پیچھے ہٹ گئے۔

''زیادہ درد تو نہیں ہو رہا ہے۔'' خون رک چکا تھا تاہم تکلیف تو برقرار تھی۔ سمعان نے پوچھا تو زرش مسکرائی۔

''ہوں..... ہو رہا ہے..... میری اپنی غلطی ہے، مجھے اکیلے وہاں نہیں جانا چاہیے تھا اگر چلی گئی تھی تو ادھر چٹان پر جا کر نہیں بیٹھنا چاہیے تھا۔ کتنی اونچی تھی، بیٹھ تو آرام سے گئی مگر اترتے ہوئے پاؤں پھسل گیا۔'' وہ سر جھکائے ندامت سے کہہ رہی تھی..... سمعان نے اسے ایک نظر دیکھا۔

''تائی امی کو میرا اکیلے سمندر کے کنارے جانا اچھا نہیں لگا ناں۔''

سمعان احمد کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی معصومیت اور ناسمجھی پر مسکرائے یا پھر اذیت سے سر جھٹک دے۔

طاہرہ بیگم کے تاثرات، لب و لہجہ کی تلخی اور اندر کی کھولن نہ سمجھتے ہوئے ہی سمعان احمد اپنی ماں کی بات کی کاٹ کی تہہ میں الجھ گیا۔

''تم اکیلی کب تھی، میں تمہارے ساتھ تھا.....'' وہ طاہرہ بیگم کے لہجے کی تلخی سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ سمعان نے اندازہ لگایا۔ شائستہ نے اسے کتنی نصیحتیں کر کے بھیجا تھا۔ سمعان احمد نے اس کی ندامت کم کرنا چاہی۔

''پھر بھی میں اکیلی ہی گئی تھی..... سبھی اندر تھیں..... آپ تو بعد میں آئے تھے.....'' اس نے گاڑی ڈرائیو کرتے سمعان احمد کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھا۔ سمعان ہنس دیا۔

تھوڑی دیر میں سمعان احمد اسے لیے ڈاکٹر ظفر کے کلینک میں آ چکا تھا۔ ڈاکٹر ظفر مختلف ہاسپٹلز میں وزٹ کے ساتھ ساتھ اپنا ذاتی کلینک بھی چلا رہا تھا۔ اس وقت وہ اپنے کلینک پر ہی ہوتا تھا۔ کہیں اور جانے کے بجائے وہ زرش کو یہیں لے آیا۔

''ڈاکٹر ظفر اندر ہیں.....؟'' ریسپشن پر موجود لڑکی سے سمعان احمد نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا وہ چونکہ بارہا یہاں آ چکا تھا۔ اسی لیے وہ جانتی تھی۔

''چلو آؤ.....'' اپنا خون آلود دوپٹہ تو وہ وہاں ہٹ میں ہی چھوڑ آئی تھی۔ بھابی نے اسے اپنی چادر اوڑھا دی تھی۔

ڈاکٹر ظفر اور اس کی فیملی سے وہ بارہا مل چکی تھی مگر پہلی دفعہ اس کے کلینک آئی تھی۔ اسی لیے جھجک رہی تھی۔ سمعان احمد نے اس کی جھجک محسوس کر کے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ زرش کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہوا تو ڈاکٹر ظفر کسی پیشنٹ کے ساتھ مصروف تھا۔

''السلام علیکم.....''

سمعان کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ چونکا پھر تعجب کا شکار ہو گیا۔ کافی دنوں بعد سمعان کو دیکھ رہا تھا لیکن جیسے ہی نظر اس کے عقب سے جھانکتے وجود پر پڑی تو خوشگوار حیرت سے مریض کو وہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''وعلیکم السلام..... تم یہاں خیریت؟'' اس نے سمعان کو آگے بڑھ کر گلے لگایا۔ اندر داخل ہوتے ہی سمعان نے زرش کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا جسے ظفر نے بھی دیکھا تھا۔

''آپ زرش ہی ہیں..... کیسی ہیں آپ.....؟'' وہ جھینپ گئی۔ فوراً سر ہلایا۔

''آئیں بیٹھیں پلیز.....'' اس نے ٹیبل کی طرف رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں بیٹھ گئے۔

''ایک منٹ میں ذرا اپنے پیشنٹ کو دیکھ لوں.....'' اس نے معذرت خواہانہ مسکراہٹ سے دیکھتے ہوئے اپنے مریض کی طرف توجہ دی۔ پانچ منٹ میں فارغ ہو کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہاں اب فرمایئے۔ سمعان احمد صاحب..... اتنے عرصے بعد کیسے میرے غریب خانے کی یاد آ گئی.....'' وہ طنزیہ کہہ رہا تھا۔ سمعان مسکرایا۔

''پہلے اپنی ان مریضہ کو دیکھ لو..... پھر طنز فرما لینا.....'' اس نے ساتھ بیٹھی زرش کی طرف اشارہ کیا۔ وہ فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

''کیوں کیا ہوا.....؟'' اس نے فوراً زرش کو دیکھا جو پیشانی تک چادر پھیلائے بیٹھی تھی۔ پہلی دفعہ وہ اسے یوں چادر میں لپٹی لپٹائی دکھائی دی بہت حیرت ہوئی۔

''گرنے سے پیشانی پر چوٹ لگ گئی ہے..... ذرا چیک کر لو شاید ڈریسنگ کی ضرورت ہے۔'' ظفر نے فوراً سمعان کی بات پر سر ہلایا۔

''آپ ادھر آئیں.....''

وہ خاموشی سے اٹھ کر مریض والی مخصوص چیئر پر آ بیٹھی۔

''کہاں چوٹ آئی ہے؟'' ظفر نے پوچھا تو اس نے آہستگی سے چادر پیشانی سے ہٹا دی۔ ایک دو منٹ اس نے زخم کا جائزہ لیا پھر اپنی کولیگ لیڈی ڈاکٹر کے پاس نرس کے ہمراہ بھیج دیا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"ویسے بھائی تمہیں اس چاند کے ٹکڑے کے ہمراہ میری یاد کیسے آ گئی۔ شہر میں اور بھی بہت سے ڈاکٹر ہیں....." ڈاکٹر ظفر نے طنز فرمایا تو سمعان ہنس دیا۔

"مگر ان میں ڈاکٹر ظفر نہیں ہے....." سمعان کی بات پر اس نے گھورا پھر ہنس دیا۔

"زرش کو چوٹ کیسے لگی؟" چیئر کو چھوڑتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ہاکس بے" کا پروگرام تھا وہیں چٹان پر سے پاؤں پھسلا تو گر گئی۔" سمعان کی بات پر اس نے سر ہلایا۔

"اکیلے تھے کہ....." ظفر کی ادھوری بات پر سمعان نے اسے گھورا۔

"پوری فیملی کے ساتھ تھے.....شرم کرو....."

"ہاں تو یوں کہو ناں تم پروگرام کا کہہ رہے تھے.....اب پروگرام میں تو کیا کچھ آ سکتا ہے اور انسان بہت کچھ سمجھ سکتا ہے۔" اس کے ہونٹوں پر مچلتی شرارتی مسکراہٹ کو سمعان نے تاسف سے دیکھا۔

"تمہارا ذہن صرف انہی خرافات میں الجھ سکتا ہے اور کچھ نہیں....."

"ہاں ذہن، ذہن کی بات ہے....." اس نے سمعان کو بتانا چاہا تھا۔ سمعان نے غصے سے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"زرش کو تمہارے ساتھ آتے دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ ویسے تم کب مٹھائی کھلا رہے ہو۔ تمہارے گھر والے اس معاملے کو کب تک فائنل کر رہے ہیں؟"

ڈاکٹر ظفر سے سمعان نے بہت سی باتوں کا ذکر مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اسی لیے اب بھی چپ ہو گیا۔

"بہت جلدی ہے تمہیں مٹھائی کھانے کی....." اس نے بات اڑانا چاہی تو ظفر ہنس دیا۔

"آف کورس.....میرا ایک ہی تو چہیتا یار ہے اس کی منگنی کی مٹھائی نہ کھاؤں تو ڈوب مرنے کا مقام ہے....."

"تو پھر ڈوب مرو.....ابھی مٹھائی کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں....." سمعان کا انداز بہت سرسری تھا۔ ظفر نے اسے غور سے دیکھا۔

"وجہ.....؟"

"کوئی خاص نہیں.....امی، ابو جب تک کسی ایک فیصلے پر متفق نہیں ہو جاتے تمہاری مٹھائی کی حسرت، حسرت ہی رہے گی....." سمعان نے اب بھی سرسری انداز میں بتایا۔

ظفر نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ سمعان جس قدر سرسری انداز میں بات کر رہا تھا، معاملہ اتنا بھی سرسری نہ تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا۔

"اگر انکل آنٹی کبھی ایک فیصلے پر متفق نہ ہوئے تو؟" اس کی زبان پر خدشہ آ ٹھہرا۔

"تو وقت بہتر فیصلہ کرنے والا ہے....." سمعان احمد نے کندھے اچکائے۔

"اور زرش.....بھول پاؤ گے اسے؟" وہ متفکر سا پوچھ رہا تھا۔

"کیا وہ اس قابل ہے کہ کوئی اسے بھول پائے....." ٹیبل پر انگلیاں پھیرتے سمعان نے کہا تو ڈاکٹر ظفر کئی ثانیے تک سر کو جنبش دیے بغیر سمعان کو دیکھتا رہا۔ جس کے لہجے میں ایکدم بے چارگی اور ملال سمٹ آیا تھا۔

"اور زرش کیا وہ واقعی ابھی تک بے خبر ہے....." سرسراتا ہوا سوال تھا۔ سمعان ہنس دیا۔ ظفر کو سمعان کی ہنسی میں خود آزاری کی کیفیت محسوس ہوئی۔

"تم اس سے بات کر کے دیکھو.....اپنے جذبات سے آگاہ کرو.....شاید کوئی بہتر راہ نکل آئے....."

"نہیں....." سمعان نے نفی میں سر ہلایا۔ "اسے کسی بھی طرح کی بات بتا کر میں اس کی معصومیت تباہ نہیں کرنا چاہتا۔ وہ بے خبر ہے اور بے خبر ہی رہے تو اچھی بات ہے۔ امی، ابو شاید ہی متفق ہوں۔ ایسے میں اپنی الجھنوں میں اسے بھی میں گھسیٹ لوں کیا یہ اچھا ہوگا۔" آخر میں سمعان نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر ظفر کو دیکھا تو اس نے تائید میں سر ہلا دیا۔ اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر زرش کو انٹر ہوتے دیکھ کر لب سی گیا۔ سمعان احمد نے بھی رخ موڑ کر دیکھا۔ اسی طرح چادر کو اپنے گرد لپیٹے وہ اس کی طرف چلی آئی۔ پیشانی پر بینڈیج کر دی گئی تھی۔

"ہو گئی ڈریسنگ.....؟" زرش نے سر ہلایا۔ وہ بیٹھی نہیں تھی۔ سمعان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو یار.....چائے منگواتا ہوں پی کر جانا.....میں زرش کا ویٹ کر رہا تھا....." اس نے انٹرکام کا ریسیور اٹھایا۔

"نہیں یار، فی الحال اس کی ضرورت نہیں.....پھر کبھی سہی.....وہاں ہٹ میں سبھی انتظار کر رہے ہوں گے....." سمعان نے سہولت سے انکار کیا۔ "کوئی میڈیسن وغیرہ؟" سمعان نے پوچھا۔

"یہ کریم لکھ رہا ہوں زخم کو ایک ہی دن میں مندمل کر دے گی۔ ساتھ میں پین کلرز ہیں۔ درد میں افاقہ دیں گی....." اس نے چٹ میں چند الفاظ گھسیٹ کر نسخہ سمعان کی طرف بڑھایا۔

"کوئی فیس وغیرہ....." سمعان نے پرس نکالا۔

"سمعان.....؟" ڈاکٹر ظفر نے پیپر ویٹ اٹھا لیا۔ اس کے اس انداز سے سمعان تو ایک طرف زرش بھی ہنس دی۔

"اوکے.....تم حساب کتاب کر لینا کسی دن ڈنر پر چلیں گے۔" سمعان نے پرس واپس جیب میں رکھ لیا۔ ڈاکٹر ظفر نے برا مناتے ہوئے کہا۔

"دیکھ رہی ہیں مس زرش.....مروت نام کو نہیں ہے اس بندے میں.....اور مجال ہے کبھی احسان لے لے کسی کا.....شرمندہ کر کے رکھ دیتا ہے، یہ بندہ....."

سمعان احمد مسکرانے لگا۔

"ڈنر کی فکر نہ کرو.....فیس کا الگ کھاتہ رکھ لو پھر کبھی معاملہ کلیئر کروں گا۔ ڈنر ڈن جب کہو گے میں آ جاؤں گا.....بشرطیکہ زرش بھی ساتھ ہو کیوں زرش ساتھ دیں گی ہمارے ساتھ ڈنر میں؟" اس نے

PDFSTIFFBLOGSPOT.COM

براہ راست زرش کو مخاطب کیا۔ وہ ایک دم جھینپی پھر سمعان احمد کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''آہ..... حسرت ان غنچوں پہ جو بن کھلے ہی.....'' سمعان کی طرف معنی خیز نظروں سے تکتے اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔ سمعان نے تنبیہی نظروں سے گھورا..... مگر وہ کب باز آنے والا تھا۔

''جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے حال ہمارا باغ تو سارا جانے ہے۔'' اس نے سر کھجاتے سر دھنا۔

''ظفر.....'' سمعان کو اس کی گنگناہٹ پر ٹوکنا پڑا۔ زرش خوامخواہ پزل ہو رہی تھی۔ ظفر ہنس دیا۔

''اوکے..... بیسٹ وشز..... گڈ لک.....'' سمعان سے ہاتھ ملاتے ہوئے بھی وہ شرارت سے باز نہیں آیا۔

وہاں سے نکل کر زرش کو سمعان گاڑی میں بیٹھنے کا کہہ کر خود میڈیکل اسٹور کی طرف بڑھ گیا۔ میڈیسن لے کر وہ لوٹا تو زرش گاڑی سے ٹیک لگائے منتظر تھی۔

''چلو بیٹھو۔'' زرش کے ہاتھ سے گاڑی کی چابی لے کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ زرش کے لیے کھول دیا۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر زرش نے چادر پیشانی سے ہٹالی۔ پیشانی کے بائیں جانب کنپٹی کے قریب بینڈیج کی گئی تھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے..... درد تو نہیں ہو رہا.....'' سمعان نے گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے پوچھا۔ زرش نے نفی میں سر ہلایا تو سمعان نے مطمئن ہو کر گاڑی اسٹارٹ کی۔

✿.....✿.....✿

آج پھر اس کے اندر ایک تلاطم برپا تھا۔ ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ ہر چیز جلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، اس ایک چہرے کو دیکھنے کی طلب اتنی شدید تھی کہ وہ آفس سے اٹھ کر سیدھا اس کے گھر کی طرف چلا آیا مگر بند گیٹ کے سامنے گاڑی روکے وہ کتنی دیر ساکت و جامد اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا۔

''اندر جا کر کیا کہوں گا کہ کیوں چلا آیا میں اور نوریہ وہ کیا سوچے گی.....'' شارق زمان دیوانگی کی نجانے کس حد پر تھا۔ غور و فکر، سوچ و سمجھ کی حد سے بالاتر..... نوریہ کی طلب دن بدن اس کے اندر بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اس کے لیے نہیں تھی..... وہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا تھا مگر یہ پاگل دل۔ بعض اوقات دل بری طرح رسوا کرواتا ہے۔ یہ دل کے معاملات بھی عجیب ہوتے ہیں وہ کچھ کروا لیتے ہیں جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

کبھی اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں ایسا کوئی بے بسی و لاچاری بھرا مقام آئے گا جب وہ اپنے دل کے ہاتھوں ہی بے بس ہو جائے گا۔ کتنی تاویلیں، ہزاروں بہانے گڑھ کر وہ دل کو سمجھا چکا تھا لیکن یہ دل کچھ سمجھنے پر آمادہ ہی نہ تھا۔

وہ اپنی ہی بے لگامی دور کرنے کو دوبارہ وہ سب کچھ اختیار کر رہا تھا۔ وہی پرانے دوستوں کی صحبت، وہی رنگ و بو کی محفلیں..... ہزار جتن کر رہا تھا وہ ایک دل کے لیے مگر دل کسی اختیار میں نہ تھا۔ کسی طرح قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ صرف ایک رٹ تھی..... ''نوریہ..... نوریہ..... نوریہ.....'' وہ کچھ بھی نہ مانتا

مگر خاندانی اصول و قواعد اس کے سامنے پھن پھیلائے آ کھڑے ہوتے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا اگر ایک دفعہ اس کی زبان سے نوریہ کا نام اس انداز میں کسی بڑے نے سن لیا تو ہر طرح کا تعلق توڑ لیں گے۔ اسے تعلق کی پروا نہیں تھی۔ اسے رشتوں کی بھی پروا نہیں تھی۔ جب زندگی کا سب سے اہم تعلق، اہم رشتہ اس کا نہ بن سکا تو باقی رشتوں کو وہ خاک اہمیت دیتا لیکن یہاں بات دل کی تھی۔ اس کی طلب کی تھی۔ دل نے پہلی دفعہ ٹوٹ کر کسی کو چاہا تھا۔ کسی کا تقاضا کیا تھا مگر ہزار مصلحتیں اس کے پاؤں زنجیروں سے جکڑے بیٹھی تھیں۔ کتنی بندشیں، کتنی مشکلیں تھیں جو اس کی راہ میں حائل تھیں۔

وہ مشکل پسند بندہ ضرور تھا۔ اسی مشکل پسندی نے اسے کس کس منزل سے نہ گزارا تھا حتیٰ کہ اپنی ذات کو بھی مشکل بنا لیا تھا۔ لوگ اس سے محبت ضرور کرتے تھے مگر پیٹھ پیچھے نفرت بھی دوگنی کرتے تھے۔ وہ جانتا تھا، سب سمجھتا تھا مگر اب سمجھنے کا دور گزر چکا تھا۔ عادتیں پختہ ہو چکی تھیں۔ بہت چاہنے کے باوجود بھی وہ پرانی حرکتوں سے ہاتھ کھینچ نہیں سکا تھا لیکن یہ دل کی طلب.....

شارق زمان نے ایک گہری سانس حلق سے خارج کر کے گاڑی سے باہر قدم رکھا۔ گاڑی لاک کر کے اس نے گیٹ بجایا۔ پانچ منٹ بعد خالہ نے گیٹ کھولا۔

''السلام علیکم.....'' وہ فوراً سلام بجا لایا۔

''ارے شارق آیا ہے..... وعلیکم السلام..... جیتے رہو.....'' انہوں نے ایک دم خوش ہو کر پیار کیا۔

''آؤ..... آؤ اندر چلو.....'' وہ دروازے سے ہٹ گئیں تو وہ اندر آ گیا۔ وہ اسے لاؤنج میں لیے چلی آئیں۔

شام سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے کا وقت تھا۔ بھابی رات کے کھانے کا اہتمام کرنے میں مصروف تھیں جب کہ نوریہ لاؤنج میں قالین پر بیٹھی فریم میں قمیض لگائے موتی لگانے میں مصروف تھی۔

''آ جاؤ بیٹا..... اندر آ جاؤ.....''

وہ لاؤنج کے دروازے پر رک گیا۔ اماں نے کہا تو نوریہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ شارق زمان کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔ فوراً سر سے پھیلا دوپٹہ دوبارہ جمایا۔

''السلام علیکم.....'' وہ اندر آ گیا۔ نوریہ نے سر ہلایا۔

''کیسی ہو؟'' گڑیا اس کے پاس ہی قالین پر اپنے کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ شارق زمان اس کے مقابل صوفے پر ٹک گیا۔

''میں الحمدللہ ٹھیک ہوں..... آپ سنائیں..... خالہ جان کیسی ہیں؟'' ٹانگیں سمیٹ کر اپنی نشست بدل کر وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''بالکل ٹھیک ہیں..... ہاں کبھی کبھار طبیعت خراب ہو جاتی ہے تو ڈاکٹر کو بلانا پڑتا ہے..... ورنہ تو ٹھیک ہی ہیں.....'' شارق زمان نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''نبیل ابھی تک نہیں آیا.....'' ارد گرد دیکھتے ہوئے شارق نے پوچھا۔

''نہیں..... آج کل لیٹ آ رہا ہے..... تقریباً مغرب کے بعد ہی آتا ہے۔'' اماں نے کہا تو اس نے

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

سر ہلا دیا۔ ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے نظریں واپس نویرہ پر آ ٹھہری تھیں۔ چند ثانیے وہ دیکھتا رہا۔ وہ موتی لگانے میں مصروف تھی ورنہ شارق کی محویت پر ضرور ناگواری کا اظہار کرتی۔

''نبیل سے کوئی کام تھا.....؟'' اماں نے پوچھا تو شارق زمان خفت کا شکار ہو گیا۔

''نہیں..... یونہی ادھر سے گزر رہا تھا سوچا آپ لوگوں کی خیریت بھی معلوم کرتا چلوں۔'' اس نے سکون سے کہا۔ نویرہ نے ایک پل کو سر اٹھا کر دیکھا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

اماں ایک دم خوش ہو گئیں۔ شارق کم ہی آتا تھا لیکن اب ان کے ہاں آنے لگا تھا۔ ان کے لیے یہ خوشی کا مقام تھا۔ وجہ جو بھی تھی ان کا ذہن کہیں اور جا ہی نہیں سکتا تھا۔ بس اسی بات پر ہی خوش تھیں کہ اسے بھی رشتوں کی قدر کا احساس ہونے لگا ہے۔

اماں اور شارق بڑی خالہ کی طبیعت کو ہی ڈسکس کرنے لگے۔ نویرہ اپنا کام کرتی رہی۔ اس دوران نبیلہ کچن سے ادھر آئی تو شارق کو دیکھ کر حیران ہو گئی۔

''ارے شارق صاحب آئے ہیں..... کیسے ہیں آپ.....؟''

''ٹھیک ہوں آپ سنائیں.....؟'' شارق کھڑا ہو گیا۔ سلام دعا کر کے بیٹھا تو نبیلہ بھی نویرہ کے پاس آ بیٹھی۔

''نبیلہ بیٹا! شارق کے لیے کھانے پینے کو کچھ لے آؤ۔'' اماں کے کہنے پر وہ فوراً اٹھ کر چلی گئی۔

''آپا کی طبیعت کی طرف سے بڑی فکرمندی رہتی ہے۔ اس عمر میں معذوری اللہ کسی دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ بڑا دل دکھتا ہے..... ڈاکٹر وغیرہ سے بات کر کے دیکھو ہو سکتا ہے مصنوعی ٹانگ کا بندوبست ہو ہی جائے۔'' اماں کے کہنے پر شارق نے سر ہلایا۔

''ڈاکٹر سے تو مسلسل رابطہ رہتا ہے۔ فزیوتھراپسٹ سے ہر ماہ ملاقات ہوتی ہے۔ اب اماں کا تفصیلی چیک اپ ہونا ہے مگر اماں خود ہی ابھی مصنوعی ٹانگ لگوانے کے حق میں نہیں ہیں۔ آپ لوگ سمجھائیں شاید آپ کی بات مان جائیں۔''

نویرہ نے سر اٹھا کر دیکھا وہ خالہ کے متعلق واقعی فکرمند دکھائی دے رہا تھا۔ ورنہ خالہ سے متعلق اس کا رویہ خاصا سرد ہی ہوتا تھا۔

''اللہ بہتری کرے گا۔ میں آپا سے بات کروں گی..... ہو سکتا ہے مان ہی جائیں۔ اس طرح کم از کم اپنا بوجھ تو خود سہار سکیں گی.....'' بہن کی معذوری سے متعلق اماں کتنی پریشان و متفکر رہتی تھیں نویرہ اچھی طرح جانتی تھی وہ مسکرا کر دوبارہ سر جھکا گئی۔

''ضرور کیجیے گا..... میری تو بات مانتی ہی نہیں صرف ایک شرط..... آپ بات کر کے دیکھ لیں ہو سکتا ہے آپ کی بات مان لیں۔''

اماں نے سر ہلایا تو نبیلہ بھابی ٹرے میں چائے بسکٹ وغیرہ کے لوازمات اٹھائے چلی آئیں۔

''آپ ان کی صحت کے لیے ان کی شرط مان کیوں نہیں لیتے.....''

شرط کیا تھی سارا خاندان جانتا تھا۔ بھابی نے چھوٹی تپائی پر لوازمات سجاتے ہوئے شارق زمان کو

دیکھا۔

''ہاں بیٹا اور کتنی دیر کرو گے اپنی شادی میں۔ تم نبیل اور نواز ہم عمر ہی ہو بس سال دو سال کا فرق ہی تم تینوں میں۔ اس بڑھاپے میں آپا کی ساری امیدیں تم سے ہی وابستہ ہیں۔ کب تک یونہی رہو گے۔ نبیل کی ماشاء اللہ سے بیٹی ہے۔ نواز بھی ایک دو ماہ کے وقفے سے کنارے لگ جائے گا۔ اب صرف تم رہ جاتے ہو۔ آپا کو اصل پریشانی تمہاری طرف سے ہے۔ ان کی خواہش اتنی بے جا بھی نہیں..... مانا کہ تم ان کو سگی ماں نہیں گردانتے مگر انہوں نے تمہیں ہمیشہ سگی اولاد سے بڑھ کر ہی چاہا ہے۔'' انہوں نے بھی ایکدم وہ موضوع چھیڑ دیا تھا۔ جس سے وہ ہمیشہ پہلو تہی کر جاتا تھا۔ بعض اوقات تو بھڑک بھی اٹھتا تھا۔ اب بھی لب بھینچ گیا۔

نبیلہ نے شارق کو چائے کا مگ تھمایا تو اس نے خاموشی سے تھام لیا۔ بھاپ اڑاتی چائے کے کپ کو گھورتے اس نے ایک نظر نویرہ کو بھی دیکھا جو بظاہر اپنے کام میں مصروف تھی مگر ساری توجہ ادھر ہی مبذول تھی۔ اب بھی شارق کی نگاہ سے نگاہ ملی تو فوراً سر جھکا لیا۔

شارق زمان کے اندر ہر طرف دھواں دھواں سا سماں ہونے لگا۔

''خاندان کے باقی لڑکوں کو اپنی پسند بتانے کی کھلی اجازت ہی نہیں ملتی مگر آپ کو تو یہ خصوصی رعایت بھی حاصل ہے پھر دیر کس بات کی ہے۔'' نبیلہ بھی کہے بغیر نہ رہ سکی تھیں۔ شارق نے گرم کپ کو منہ سے اٹھا لیا۔ گھونٹ بھرا تو ایک دم ہونٹ جل اٹھے فوراً کپ ہونٹوں سے پرے ہٹایا۔

''اگر پسند و نہ پسند کا مسئلہ ہے تو بتائیں ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ بھروسہ کر سکتے ہیں ہم پر.....'' آخر میں نبیلہ کا انداز شرارت آمیز تھا۔ شارق تلخی سے ہنس دیا۔ اماں بھی مسکرائیں۔ نظر پھر نویرہ کے جھکے سر پر جا ٹھہری۔ سیدھی صاف شفاف مانگ۔ آدھا سر دوپٹہ سے ڈھانپا ہوا تھا۔ شارق کی نگاہ اس پر اٹک گئی۔

''پسند.....'' وہ زیرِ لب بڑبڑایا اور پھر کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

''میرے چچا کی بیٹیاں بڑی پیاری، سلجھی ہوئی ہیں اگر کہیں تو بات چلاؤں دراصل چچی جان ان کے رشتوں کے متعلق آج کل بڑے ہاتھ پیر مار رہی ہیں۔ کیا خیال ہے؟''

اب کے نویرہ نے بھی مسکرا کر سر اٹھایا۔ شارق ایک دم نبیلہ کی بات پر گھبرا گیا۔ جیسے وہ واقعی رشتے کے لیے ہامی بھروا کر ہی اٹھیں گی۔

''نہیں..... نہیں..... پلیز کن باتوں کو لے بیٹھیں۔ کوئی اور بات کریں۔''

نبیلہ کھل کر ہنسی۔ شارق کی گھبراہٹ نے ایک عجب لطف دیا۔ سبھی ہنس دیں۔

''یہ بندہ اس ذکر سے گھبرا بھی سکتا ہے؟'' نویرہ کو شدید حیرت ہوئی جو خاصی خوشگوار بھی تھی۔

''شارق بھائی آپ خوامخواہ تاخیر کر رہے ہیں، آپ کو ایک چانس مل رہا ہے ابھی تو ہر کوئی آپ کی منتیں کر رہا ہے بعد میں آپ ترسیں گے کوئی مذاق میں بھی نہیں پوچھے گا۔''

مسلسل خاموش اپنے کام میں مصروف نویرہ کے اس مذاق پر شارق کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری

POESHEEBLOGSPOT.COM

ہوتی چلی گئی۔

''ابھی تم اپنی شادی کے بکھیڑوں سے نمٹو، میری فکر نہ کرو۔ اپنے لیے میں خود ہی کافی ہوں۔'' اس نے بھی مذاقاً کہا۔ نویرہ شادی کے ذکر پر جھینپ گئی۔

''تبھی اتنی دیر کر رہے ہیں۔'' نبیلہ بھابی نے اس کے آخری جملے کا جواب دیا۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''کہتے ہیں..... صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔''

وہ کہہ تو بھابی کو رہا تھا مگر دیکھ صرف نویرہ کو رہا تھا۔ وہ بھی متوجہ تھی ایکدم سٹپٹا گئی۔ شارق کی نگاہوں کی عجیب سی کیفیت ایکدم نویرہ کے اندر کچھ کلک کر گئی۔ پچھلے کچھ عرصے سے وہ جو شارق کی طرف سے بدگمان ہو رہی تھی، آج شارق کی نگاہوں کی شرافت محسوس کر کے وہ پہلے کی طرح منظر سے غائب نہیں ہوئی مگر اب ایک دم شارق کی بات نے اسے سر جھکانے پر مجبور کر دیا۔ ایکدم چہرے پر وہی ہر بار در آنے والا ناگواری کا احساس جاگا جو شارق کی نگاہوں سے اس کے چہرے پر چھا جاتا تھا۔

''ہر کسی کے ساتھ یہ مثل صادق نہیں آتی۔ بعض اوقات ''صبر کا پھل کڑوا بھی ہو جاتا ہے۔'' ناگواری کی ایک لہر جو اس کے چہرے پر چھائی تھی اس کا اثر زبان کی کڑواہٹ میں بھی آ گیا۔

شارق زمان نویرہ کی بات پر اچھا خاصا محظوظ ہوا تھا۔

''مثلاً.....'' اس نے براہ راست نویرہ کے چہرے کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لے لیا تھا۔

نویرہ الجھ گئی۔ اپنی بات کہہ کر پچھتائی..... شکایت و ناگواری کی کیفیت لیے شارق کو دیکھا۔

''یہ مثال تو آپ خود ہی بہتر جانتے ہوں گے، میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ انسان کے صبر کے پھل میں اس کے کردار اور شخصیت کی پختگی کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔''

اس نے براہ راست شارق زمان پر چوٹ کی۔ شارق زمان ایکدم لب بھینچ گیا۔

نبیلہ بھابی اور اماں کو بھی نویرہ کی بات انتہائی بری لگی۔

''نویرہ۔'' شارق کے چہرے کی سرخی ایکدم بڑھ گئی۔ اماں نے فوراً ٹوکا۔ نویرہ نے سر جھٹکا۔

''انسان کو سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے۔ ہر وقت بلا سوچے سمجھے بولنے کی عادت اچھی نہیں ہوتی۔'' اماں کو اس کا سر جھٹکنا مزید برا لگا۔

شارق خاموش رہا مگر اندر ہی اندر ایک آگ جل اٹھی، یہی بات اسے تکلیف دیتی تھی۔ اسی لیے وہ ایک عرصے سے اس ذکر سے بھاگ رہا تھا۔ نویرہ کی طرف دل تو اب راغب ہوا تھا۔ وہ تو کب سے شادی نہ کرنے کے فیصلے پر ڈٹا ہوا تھا لیکن اس وقت نویرہ کی بات دل میں تیر کی طرح گھپ گئی۔

''آئی ایم سوری شارق بھائی اگر آپ کو برا لگا ہو تو میں نے تو یونہی سرسری سا کہہ دیا تھا۔'' اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

''چلیں آج آپ بتا ہی دیں کس قسم کی لڑکی چاہتے ہیں۔ ہم بڑی اماں کی مدد کریں گے لڑکی تلاش کرنے میں۔'' نبیلہ بھابی نے پھر وہی بات چھیڑ دی۔ اسے آج یہاں آنا خاصا مہنگا پڑ رہا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا سب کو ہو کیا گیا ہے۔ ہر کسی کو میری شادی کی فکر پڑی ہوئی ہے۔ گھر میں اماں۔ ادھر آپ لوگ اور دوسری طرف نواز..... کہتے ہیں شادی کا تجربہ خاصا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے، اسی لیے وہ عقل مند ہے جو یہ تجربہ نہیں کرتا۔'' وہ اس قسم کے ماحول، اس قسم کی بے تکلفی اور مذاق کا عادی نہ تھا مگر خود کو یوں نشانہ بنتے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے اس نے جوابی کارروائی کی تو بھابی نے اسے گھورا۔

''ہرگز نہیں..... مردوں کو تو شادی سے فرق ہی نہیں پڑتا بلکہ ان کے تو عیش ہی عیش ہوتے ہیں سمجھیں۔ شادی تو عورت کی زندگی میں تبدیلی لاتی ہے۔ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ جو بھی شادی نہ کرے وہ عقل مند ہوتا ہے بلکہ بعض لوگ نہ کر کے بھی کم عقلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ نے سنا تو ہوگا۔ میاں بیوی، گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ جب ایک پہیہ ہی نہیں ہوگا تو گاڑی کیسے چلے گی اور یہ بھی سنا ہوگا کہ ہر مرد کی کامیابی کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اس لیے اب وہ دور گزر گیا جب عورت کو ڈی گریڈ کیا جاتا تھا بلکہ آج کا دور برابری کا ہے۔ ہر چیز سے لے کر رشتوں تک میں برابری۔ چاہے وہ رشتہ میاں بیوی کا ہی کیوں نہ ہو۔'' بھابی شروع ہوئیں تو کہتی چلی گئیں۔ ان کی یہ باتیں سن کر شارق مسکرا دیا۔

''آپ جب کسی ایک مفروضے پر کاربند ہو کر کسی فیصلے پر جم جاتے ہیں تو بھی یہ روش بعض اوقات تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ شادی بیاہ کھیل نہیں۔ نہ ہی محض تفریح کا سامان ہے۔ نکاح سنت نبوی ہے۔ یہ ایک مقدس فریضہ ہے۔ یوں کہیں نکاح ایک قلعہ ہے۔ اس قلعے کے اندر آ کر مرد اور عورت شیطان کے شر سے بچ جاتے ہیں۔ بہت سی برائیوں اور سیاہ کاریوں سے بھی بچ جاتے ہیں۔'' بھابی نے بڑی سنجیدگی سے گفتگو کا رخ اس طرف موڑا کہ جہاں شارق زمان کی اپنی ذات موضوع بحث بن سکتی تھی۔ شارق ایک ایک لفظ بغور سنتا اور پہلو بدلتا رہا۔ اب اسے احساس ہونے لگا کہ اس نے یہاں آ کر غلطی کی ہے۔

اب ایسی بھی کیا بے اختیاری کہ انسان صرف ایک وجود کے لیے اپنی ذات کو یوں موضوع بحث بنوا ڈالے۔ شارق زمان کے چہرے کے نہ صرف تاثرات بدل گئے تھے بلکہ وہ لب بھی بھینچ گیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس قدر واضح تھے کہ اماں نے بغور شارق کا چہرہ دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں نبیلہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

''چھوڑو ان باتوں کو تم سناؤ اخبار کے علاوہ اور کیا کرتے رہتے ہو۔ فاروق بھائی کے ہاں بھی جاتے ہو یا نہیں.....'' انہوں نے خود ہی موضوع بدل دیا۔

شارق کے بھینچے لب ایکدم گہری سانس کی صورت اختیار کرتے ہوئے پرسکون ہو گئے۔

''جی صرف اخبار کے دفتر ہی جاتا ہوں۔ فاروق چچا اکیلے میں کاروبار دیکھتے ہیں۔ نواز اور چچا جان خبر کر دیتے ہیں، خود کبھی جانے کا دھیان ہی نہیں آیا۔ یوں کبھی فرصت ہی نہیں ملتی۔'' چائے باتوں کے دوران کب کی ختم ہو چکی تھی۔ مزید کسی چیز کی طرف اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ خالی کپ آگے بڑھ

BOOKSUFI.BLOGSPOT.COM

کے تپائی پر رکھ کر وہ خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو بیٹا.....رات کا کھانا کھا کر جانا۔ مغرب ہونے کو ہے۔ نبیل بس تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔" اسے اٹھتا دیکھ کر اماں نے فوراً کہا۔ شارق نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں چلتا ہوں۔ ایک دو دوستوں سے بھی ملنا تھا، بس ادھر سے گزرا تو چلا آیا پھر کبھی چکر لگاؤں گا۔"

نویرہ نے دیکھا بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس اچھا خاصا وجیہ لگ رہا تھا۔ یہ سچ تھا کہ شارق زمان خاندان بھر میں اپنی وجاہت و شخصیت کی خوبصورتی میں بے مثل تھا مگر اس کے کردار نے اس کی طرف سے نویرہ کا دل اچاٹ کر دیا تھا۔ تبھی شارق نے اسے دیکھا اور نویرہ کی نظریں ملیں۔ شارق زمان کی آنکھوں کی کیفیت تھی یا پھر کیا بات تھی کہ ایک کوندا سا لپکا تھا۔

نویرہ نے فوراً سر جھکا لیا۔

"یہ شارق بھائی مجھے ہمیشہ اس انداز سے کیوں دیکھتے ہیں۔ دل ایکدم کانپنے لگ جاتا ہے۔ عجیب شخص ہیں۔" اگلے ہی پل ناگواری کے ایک گہرے احساس نے نویرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ایسے ہی تاثرات اس کے چہرے پر بھی چھا گئے تھے۔

وہ اماں سے اجازت لے کر آگے بڑھا۔ واپس پلٹتے اور دروازے کی طرف جاتے ہوئے بھی اس نے کئی بار نویرہ کی طرف دیکھا مگر نویرہ نے دوبارہ اس کی طرف دیکھنا تو دور کی بات چہرہ ہی موڑ لیا۔

"یہ میرا دل ہر بار شارق زمان کی آنکھوں کی پراسراریت بلکہ ناگواریت کیوں مجھ پر آشکار کر دیتا ہے۔ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ کیا چاہتے ہیں؟" وہ الجھ چکی تھی۔ فریم پر موتی لگانے میں اس کا دھیان بٹ چکا تھا۔ اسے ایکدم سے شارق زمان کی شخصیت سے بیزاری و نفرت کا احساس ہونے لگا۔

✿.....✿.....✿

"ہاکس بے" کے اگلے دو روز تک عثمان اور زوباریہ رہے تھے۔ ایک دن پھپھو کے ہاں چلے گئے تھے اور اس کے اگلے دن امی کے دونوں ماموؤں اور خالاؤں کے ہاں ہو آئے تھے۔ آج ان کی واپسی تھی۔ ساری تیاری وغیرہ مکمل تھی۔ سمعان احمد انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا اور جاتے ہی فون کر دینا۔" طاہرہ بیگم نے عثمان کو دیکھتے ہوئے خاص تاکید کی تھی پھر انہوں نے زوباریہ کو گلے لگایا۔ حمزہ کو سمعان نے پہلے ہی اٹھایا ہوا تھا۔ سب سے مل کر وہ لوگ گاڑی میں آ بیٹھے۔ گاڑی سمعان احمد ڈرائیو کر رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر عثمان تھا جب کہ زوباریہ پچھلی سیٹ پر حمزہ کو گود میں لیے ہوئے تھی۔

"یار! ذرا چچا ابو کی طرف گاڑی موڑ لو ملتے ہوئے چلتے ہیں، ان کو بھی خدا حافظ کہہ لیں ورنہ ان کا دل خراب ہوگا....." جیسے ہی سمعان مین روڈ پر گاڑی لایا تو عثمان نے فوراً کہا۔

"سمعان نے پلٹ کر دیکھا۔ شاید اسی لیے وہ لوگ جلدی گھر سے نکل آئے تھے۔ اس نے خاموشی سے گاڑی دوسری سمت موڑ لی۔

"ویسے سمعان! امی کے رویے سے تم نے نوٹ کیا ہے۔ وہ پہلے سے کچھ بدلی بدلی ہیں۔ اس دفعہ جس طرح انہوں نے ہماری آؤ بھگت کی ہے پہلے کبھی اس طرح انہوں نے ہمیں ویلکم نہیں کیا۔" اچانک عثمان نے کہا۔

"تو اور کیا.....ماما کا رویہ مجھ سے بھی کچھ کھنچا کھنچا ہوتا تھا لیکن اس دفعہ تو انہوں نے اگلی پچھلی ساری کسر نکال دی۔ زوباریہ بھابی بھی مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔ سمعان مسکرا دیا، یہ بات اس نے بھی نوٹ کی تھی مگر امی کے رویے کے پیچھے موجود محرک کا وہ خود بھی اندازہ نہیں لگا پایا تھا۔

"امی سے تو نہیں مگر ابو سے بات ہوئی ہے میری، تمہاری شادی کے متعلق کہہ رہے تھے کہ تمہارے کہنے پر انہوں نے خود ہی اس موضوع کو فی الحال ٹال دیا ہے۔"

"ہوں.....میں نے خود ابو کو منع کر دیا تھا۔ خوامخواہ دونوں گھروں میں ایک ٹینشن سی کری ایٹ ہو رہی تھی۔ امی بھی حد سے زیادہ جذباتی ہو رہی تھیں، زرش کو انہوں نے سختی کے ساتھ مسترد کر دیا تھا۔ صاف لفظوں میں تو نہیں مگر انہوں نے اسے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی پھر میں نے خود ہی سوچا تو یہی مناسب لگا کہ فی الحال اس ٹاپک کو یہیں رہنے دیں اور دوسری طرف زرش بھی پڑھ رہی ہے اس طرح یوں صرف کشیدگی ہی پیدا ہو رہی تھی اور کچھ بھی خاص نہیں ہو رہا تھا۔" سمعان نے بتایا تو عثمان نے سر ہلا دیا۔

"سمعان نے بالکل صحیح کہا ہے.....زرش ابھی پڑھ رہی ہے۔ چچا جان اتنی جلدی تو زرش کو رخصت نہیں کریں گے۔ اس طرح ہو سکتا ہے امی جان کی ضد بھی ٹوٹ جائے اور ان کے دل میں بھی زرش کے لیے جگہ بن جائے۔" زوباریہ نے بھی رائے دی۔

"زرش میں ابھی بچپنا بہت ہے۔ لاابالی سی طبیعت کی مالک ہے۔ کچھ چچا جان اور چچی جان کی بے حد لاڈلی بھی ہے۔ ہو سکتا ہے تب تک وہ بھی میچور ہو جائے۔" یہ زوباریہ کی دوسری رائے تھی۔ جس سے سمعان کو ذرا بھی اختلاف نہ تھا۔

وہ لوگ چچا کے ہاں پہنچے تو اس وقت گھر میں بالکل خاموشی تھی۔ شائستہ بیگم ان کو لان میں مل گئیں۔ سمعان کی گاڑی اندر آتے دیکھ کر وہ فوراً ان کی طرف چلی آئیں۔

"السلام علیکم چچی جان۔" زوباریہ نے سلام کیا تو انہوں نے اسے گلے لگایا اور زوباریہ سے حمزہ کو اپنی گود میں لے لیا۔

"جا رہے ہو تم لوگ....." پچھلی سیٹ پر بیگ دیکھ کر انہوں نے سمعان اور عثمان کو دیکھا۔

"ہوں.....بس اتنی ہی چھٹیاں تھیں۔ ایک گھنٹہ بعد کی فلائٹ ہے۔ سوچا چلے چلتے ہیں آپ سے بھی مل لیں گے۔" عثمان قریب چلا آیا۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کو لے کر اندر چلی آئیں۔

"گھر میں بڑی خاموشی ہے۔" زوباریہ نے اردگرد دیکھا۔

"ہاں.....نوشی کالج گئی ہے۔ فرح نے تم لوگوں کی وجہ سے چھٹی کی تھی تو زرش بھی نہیں گئی کہ وہ

PDFSLIDE.BLOGSPOT.COM

اکیلی جا کر کیا کرے گی۔ تمہارے چچا جان کی طبیعت آج کچھ ٹھیک نہیں تھی کمرے میں لیٹے ہوئے ہیں۔" انہوں نے تفصیلی جواب دیا۔

"کیوں کیا ہوا..... ان کی طبیعت کو۔" چچا کی طبیعت کا سن کر تینوں ہی پریشان ہو گئے۔

"ہونا کیا ہے۔ وہی دل کا درد..... رات کو اچھے بھلے تھے۔ صبح آفس کی تیاری کر رہے تھے کہ سینے میں درد شروع ہو گیا۔ میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ نوشی کالج جا چکی تھی، زرش گھر پر تھی۔ اسی نے ڈاکٹر زبیری کو کال کی۔ انہوں نے آ کر میڈیسن دی۔ انجیکشن بھی لگائے۔ ابھی لیٹے ہوئے ہیں۔ زرش ان کے پاس کمرے میں ہی ہے۔" شائستہ بیگم کے چہرے پر گزرے لمحوں کا عکس تھا اور تکلیف تھی۔

سمعان احمد نے ایکدم آگے بڑھ کر انہیں کندھوں سے تھاما۔

"ہمیں کال کیوں نہیں کی۔ فون کر دیا ہوتا ہم آ جاتے۔ شکر ہے طبیعت سنبھل گئی ہے اگر زیادہ خراب ہو جاتی تو؟"

چچا اور چچی کے معاملے میں وہ کس قدر حساس تھا یہ سبھی جانتے تھے۔ ناراضی و شکوے سے کہا تو وہ سب مسکرانے لگے۔

"اللہ کا شکر ہے اب طبیعت بہتر ہے۔" انہوں نے تسلی دی۔

"میں دیکھتا ہوں....." وہ انہیں وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

جب سمعان کمرے میں داخل ہوا تو زرش بستر پر دراز سعود احمد کا سر دبا رہی تھی۔ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ کسی بات پر مسکرا رہے تھے۔ سمعان کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر زرش نے سر اٹھایا۔

"ارے سمعان بھائی آپ....."

"السلام علیکم۔" سمعان آگے بڑھ آیا۔ سعود احمد نے بھی سمعان کو دیکھا۔ انہوں نے مسکرا کر اس کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ سمعان احمد نے ان سے ہاتھ ملا کر ان کے قریب ہی جگہ پکڑ لی۔ تبھی عثمان، زوباریہ اور سائستہ بھی چلے آئے۔

"ارے عثمان اور زوباریہ بھی ہیں۔" وہ ایکدم اٹھ بیٹھے۔ انہوں نے عثمان کو گلے لگایا۔ زوباریہ کو پیار کیا۔

"جا رہے ہو تم لوگ.....؟" وہ جانتے تھے آج ان کی فلائٹ ہے۔ عثمان نے سر ہلایا۔

"ہم لوگ آپ سے ملنے آئے تھے مگر یہاں آ کر چچی نے بتایا کہ آپ کی طبیعت خراب ہے۔" عثمان نے تفکر سے پوچھا تو وہ ہنس دیے۔

"طبیعت کیا خراب ہونی ہے بس دل چاہ رہا تھا بیگم سے خدمت کروانے کو۔" ان کا انداز ہی ایسا تھا کہ سب ہی ہنس دیے۔ شائستہ بیگم نے انہیں گھورا۔

"خدا کا خوف کریں۔ صبح ہمارے ہاتھ اور پیروں سے جان نکلی جا رہی تھی اور اب کیسے مذاق سوجھ رہا ہے۔" انہیں ایکدم صبح کا واقعہ یاد آ گیا جب سعود احمد کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی اور ان کو کچھ

سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ "اگر زرش گھر پر نہ ہوتی اور ڈاکٹر زبیری کو فون نہ کرتی تو نجانے کیا ہوتا..... اس تصور سے ہی ان کا دل کانپ اٹھا تھا۔

اور کیا، سچی بھابی صبح پاپا کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ یکدم ہی دل میں اتنا درد اٹھا تھا۔"

سعود احمد دل کے مریض تھے۔ ایک دو دفعہ پہلے بھی تکلیف ہو چکی تھی لیکن سیریس حالت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ زرش کی بات پر وہ مسکرائے۔

"یہ دونوں ماں بیٹی تو بس یونہی خوفزدہ ہو رہی ہیں۔ معمولی درد تھا۔ اب تو بالکل ٹھیک ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر سب کو یقین دلانا چاہا۔

"پھر بھی آپ کو خیال رکھنا چاہیے۔ دل کا معاملہ ہے۔ ڈاکٹر زبیری ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں اچھی طرح ٹریٹ منٹ کروائیں۔" عثمان نے مشورہ دیا۔

"شام کو میرے ساتھ چلیے گا۔ ڈاکٹر زبیری کے کلینک میں خود سارے ٹیسٹ کرواؤں گا۔ خدانخواستہ کوئی سیریس بات تو نہیں۔" شائستہ بیگم کے لہجے اور زرش کے اترے چہرے سے سمعان نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ انہیں کس قسم کا درد ہوا ہوگا۔ ورنہ وہ عام حالات میں اپنی تکلیف گھر والوں پر ظاہر بھی نہیں کرتے۔ سمعان نے تشویش سے کہا۔

"کیا ہو گیا ہے یار تم لوگوں کو..... اللہ کا شکر ہے بالکل فٹ فاٹ ہوں۔ معمولی درد تھا بس....."

"یہ ہر دفعہ اسی طرح ٹال جاتے ہیں۔ اس دفعہ کوئی بات نہیں سنی۔ تم آ جانا میں خود تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ ڈاکٹر زبیری سے بات کروں گی۔" شائستہ نے سعود احمد کے لاپروا انداز پر فوراً کہا۔ انہوں نے بیگم کو دیکھا مگر وہ نظریں پھیر گئیں۔

"کیا کرتی ہو بیگم! تم نے ان بچوں کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا۔ ملنے آئے تھے یہ لوگ تو۔" انہوں نے اپنی طرف سے سب کا دھیان ہٹانا چاہا۔ خاص طور پر شائستہ بیگم کا۔

"ہم لوگ تو مل کر چلے ہی جائیں گے مگر آپ کو اپنی طبیعت کا خیال رکھنا چاہیے۔" زوباریہ نے بھی کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"آپ ہمارے ہاں آیئے گا ہم انتظار کریں گے آپ کا۔ آنے والے دنوں میں بچوں کی دسمبر کی چھٹیاں تو ہو رہی ہیں۔ زرش اور نوشی کے ہمراہ چکر لگایئے۔" عثمان نے آخر میں کہا تو زرش ایکدم پرجوش ہو گئی۔

"تو اور کیا پاپا..... آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم اس دفعہ ضرور اسلام آباد جائیں گے۔ اس طرح آپ کی طبیعت پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔" وہ ان کے دائیں طرف تھی۔ بائیں طرف سمعان احمد تھا۔ سائیڈ میں زوباریہ اور عثمان تھے۔

"چلو دیکھیں گے۔ فرصت ملی تو ضرور چکر لگائیں گے۔" انہوں نے ہامی بھری۔

"بھابی ہم سب آئیں گے۔ ہادی آپا کو بھی ساتھ لے کر آئیں گے..... فرح، علی اور اس نے سمعان کی طرف دیکھا۔ "سمعان بھائی آپ چلیں گے ناں ہمارے ساتھ۔" اس نے سمعان سے سے

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

پوچھا۔

"پتا نہیں....." سمعان نے کندھے اچکائے۔"دراصل آفس روٹین میں شاید ہی وقت ملے۔" دوسری صورت میں وہ انکار کر رہا تھا۔

"یار چلے آنا.....تھوڑا سا وقت نکال لینا ایک دو دن کے لیے۔" عثمان نے کہا تو اس نے فی الحال سر ہلا دیا۔وہ جانتا تھا دسمبر کے مہینے میں انتہائی مصروفیت کے دن ہوں گے مشکل سے ہی وقت نکل پائے گا۔

"بیگم بچوں کی تواضع کے لیے کچھ لے آؤ۔ چائے وغیرہ....." انہوں نے سائیڈ کرسی پر بیٹھی شائستہ بیگم سے کہا تو وہ فوراً سیدھی ہوگئیں۔ان کی باتوں میں لگ کر وہ بھول ہی گئی تھیں۔

"نہیں چچی جان.....فلائٹ میں اب تھوڑا ہی وقت ہے۔ہم تو بس کھڑے کھڑے ہی خدا حافظ کہنے آئے تھے۔اب چلنا چاہیے۔" عثمان نے منع کر دیا۔سمعان بھی گھڑی دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا چچا جان اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ چیک اپ ضرور کروا لیجیے گا۔" زوباریہ بھی اٹھ گئی پھر وہ سب ان سے مل کر کمرے سے نکل آئے۔زرش بھی ان کے ساتھ چلی آئی۔کمرے سے نکلتے ہوئے شائستہ بیگم نے الماری سے دو شاپنگ بیگ نکالے۔

"یہ تم لوگوں کے لیے میں نے تحفے لیے تھے۔پرسوں شاپنگ کے لیے گئی تھی۔تم تینوں کے لیے، لیے ہیں۔" انہوں نے باہر آ کر بیگز زوباریہ کو تھمائے۔

انہیں یقین تھا کہ یہ لوگ ملنے ضرور آئیں گے۔زوباریہ شرمندہ ہوگئی۔

"آپ نے تو یونہی تکلف کر ڈالا۔"

"کوئی تکلف نہیں ہے.....ان میں میرے اور نوشی کی طرف سے بھی دو دو گفٹ بیگ ہیں آپ اور حمزہ کے لیے۔" زرش نے کہا۔

"تھینک یو سو مچ آپ لوگوں کا.....آپ ضرور آیئے گا۔ہم انتظار کریں گے۔" وہ بیگ گاڑی میں رکھ کر چچی کے گلے لگ گئی پھر اس نے زرش کو بھی گلے لگایا۔عثمان بھائی نے ان سے حمزہ کو لے لیا تھا۔ شائستہ بیگم نے عثمان کو پیار دیتے ہوئے حمزہ کا رخسار چوما پھر مٹھی میں دبے کئی نوٹ اس کی جیب میں ٹھونس دیے۔

"یہ.....یہ کیا کر رہی ہیں آپ....." عثمان نے چچی کو منع کرنا چاہا مگر انہوں نے کوئی بات نہیں سنی۔

"شرم کرو اتنے عرصے بعد ہماری بہو اور پوتا آیا ہے وہ کیا خالی ہاتھ جاتے اچھے لگتے.....یہ پیار ہے۔تمہیں کیوں اعتراض ہو رہا ہے؟" سمعان احمد ایک طرف کھڑا مسکراتے ہوئے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"آپ پاپا کو فون کر کے یاد کرواتے رہیے گا۔اس دفعہ آپ کے ہاں آنے کا پروگرام پکا ہے یہ نہ ہو کہ ٹال جائیں....." وہ لوگ گاڑی میں بیٹھے تو زرش زوباریہ کی طرف مسکراتے ہوئے جھک گئی۔سمعان احمد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"میں چچا جان کو شام میں ڈاکٹر زبیری کے پاس لے جاؤں گا۔آپ تیار رہیے گا....."

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے سمعان احمد نے شائستہ بیگم کو خاص تاکید کی۔وہ مسکرا دیں۔سمعان نے گاڑی ریورس کر کے آگے بڑھائی تو دونوں نے ہاتھ ہلایا۔جواباً زوباریہ نے بھی ہاتھ ہلایا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

سمعان شام سے کچھ پہلے ہی سعود احمد کو لینے آ گیا۔شائستہ بیگم ساتھ جانے کو تیار ہوگئی تھیں مگر عین وقت پر نوشی کے سسرال سے ہارون پاشا کی فیملی کا فون آ گیا کہ وہ لوگ سعود احمد کی عیادت کو آ رہے ہیں۔انہیں نفیسہ آپا کے ہاں سے علم ہوا تھا کہ سعود احمد کی طبیعت خراب ہے جب کہ نفیسہ پھپھو کے ہاں زرش نے فون کر کے ہادی آپا کو پاپا کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع دی تھی۔شائستہ بیگم نے اپنا جانا ملتوی کر دیا۔سمعان سعود احمد کو لے کر چلا گیا تو شائستہ بیگم مہمانوں کی آمد تک ان کی تواضع کے لیے کچن میں گھس گئیں۔آدھ گھنٹے بعد ہارون پاشا ان کی بیگم اور عفان تینوں آ گئے۔شائستہ بیگم مہمانوں کے پاس لاؤنج میں چلی گئیں اور وہ دونوں کچن میں کام کرتی رہیں۔دونوں جا کر مہمانوں سے مل آئیں پھر ایک دفعہ جا کر نوشی چائے دے آئی۔زرش کچن میں ہی یاسمین کا ہاتھ بٹاتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد پھپھو، ہادی آپا، وقار بھائی اور جمال ماموں چلے آئے۔دونوں بہنیں جا کر ان سے بھی ملیں اور پھر نوشین نے دوبارہ ٹرالی تیار کی تو اب کی بار زرش چائے سرو کرنے لاؤنج میں آئی۔

ابھی وہ چائے سرو کر کے فارغ بھی نہیں ہوئی تھی کہ تایا ابو، علی اور فرح آ گئے۔

"یا اللہ.....آپ لوگ اکٹھے نہیں آ سکتے تھے۔ایک ایک کر کے آ رہے ہیں۔" فرح سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے گھورا۔وہ کچھ سمجھی نہیں بس مسکرا دی۔

"ہم تو چچا جان کی مزاج پرسی کو آئے ہیں۔" وہ علی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔وہ مزید کپ لینے کچن میں بھاگی.....چائے تو وہاں تھی مگر کپ کم تھے۔

"تایا ابو، علی اور فرح بھی آئے ہیں....." یاسمین کے ساتھ مل کر پھلکے بناتی نوشی کو اس نے بتایا تو وہ حیران ہوگئی۔

"واقعی....."

"ہوں.....بڑے عرصے بعد پھپھو، تایا ابو اور تمہارے سسرالی ایک جگہ اکٹھے ہوئے ہیں۔یا تمہاری منگنی پر ہم سب اکٹھے ہوئے تھے۔"

"واقعی.....اچھا پاپا آ گئے؟"

"نہیں.....ماما سب کو دوبارہ سے بتا رہی ہیں کہ پاپا سمعان بھائی کے ساتھ ڈاکٹر زبیری کے پاس گئے ہیں۔" اس نے ٹرے میں کپ رکھے تو سمعان احمد کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

"سمعان بھائی آ گئے۔" اس نے دو کپ مزید ٹرے میں رکھے۔

وہ لاؤنج میں آئی تو پاپا اور سمعان بھی اندر آ چکے تھے۔دونوں اب سب سے مل رہے تھے پھر پاپا تایا ابو کے ساتھ بیٹھ گئے۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"کیا کہہ رہے تھے ڈاکٹر زبیری.....؟" ماما نے پوچھا۔ وہ خاموشی سے کپوں میں چائے ڈال رہی تھیں مگر سارا دھیان ادھر ہی تھا۔

"کچھ بھی نہیں..... میں نے اپنے سامنے ای سی جی کروائی ہے نارمل کنڈیشن تھی۔ ڈاکٹر زبیری نے میڈیسن لکھ دی ہیں۔ میں لے آیا ہوں بس پرہیز کرنے کو کہا ہے۔ فکر والی کوئی بات نہیں ہے۔" سمعان احمد نے بتایا۔

"شکر ہے اللہ کا....." ماما ہی نے نہیں وہاں موجود ہر شخص نے یہ کلمات ادا کیے، کسی نے بآواز اور کسی نے دل میں۔

"جب زرش کی کال آئی تو مجھے اس وقت سے بہت فکر ہو رہی تھی۔ دل بیٹھا جا رہا تھا۔ آپ لوگوں نے مجھے صبح اطلاع کر دی ہوتی۔" ہادی آپا نے ماما کو دیکھا تو پاپا ہنس دیے۔

"میں سارا دن اسے منع کرتا رہا مگر اسے چین نہیں پڑ رہا تھا۔ تمہیں بتا کر ہی دم لیا۔" زرش نے چائے کا کپ انہیں تھمایا تو انہوں نے اسے چپت لگائی۔

"اچھا کیا تھا..... یہ فون نہ کرتی تو کسی کو بھی پتا نہ چلتا۔" پھپھو نے کہا تو وہ مسکرا کر پلٹی اور ٹرے میں رکھا ہوا کپ اس نے سمعان کی طرف بڑھا دیا۔ سمعان نے کپ تھاما تو وہ خالی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر ایک طرف رکھے کشن پر جا بیٹھی۔

بڑے سب ادھر اُدھر کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ سمعان، عفان سے محوِ گفتگو تھا۔ خواتین ایک دوسرے سے۔ فرح اسے اشارہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں کچن میں آئیں تو ماما بھی چلی آئیں۔

"کھانا تیار ہے۔" انہوں نے نوشی سے پوچھا پھر فوراً آگے بڑھ کے برتن چیک کرنے لگیں۔

"تقریباً سب کچھ ہی تیار ہے۔ یاسمین ڈائننگ روم کا دروازہ کھولو، یہ کرسیاں اور میز ادھر لگاؤ۔ مہمان زیادہ ہیں کہیں ڈائننگ روم کی کرسیاں کم نہ ہوں۔ نوشی، زری فٹافٹ کھانا لگاؤ۔" انہوں نے تینوں سے کہا تو فرح بھی ان کے ساتھ ہو لی۔ چکن کا سالن، ساتھ چاول اور پھلکے تھے۔ کم وقت میں بس یہی بن سکا تھا۔ ٹیبل سیٹ کر کے انہوں نے سب کو ڈائننگ روم میں بلا لیا۔

"میں ادھر اکیلا بیٹھا بور ہو رہا ہوں سب اپنی باتوں میں مصروف ہیں کسی کو میری پروا ہی نہیں۔" علی مظلومیت کا اشتہار بنا دھڑام سے بستر پر گرا۔ زرش نے اسے ایک مُکا جڑ دیا۔ اسے، اس کا بیٹھنے کا یہ انداز انتہائی زہر لگتا تھا۔

"شرم کرو بدتمیز..... ایسے بیٹھتے ہیں۔" اس نے گھورا تو وہ ہنس دیا۔

"میرے نزدیک تو ایسے ہی بیٹھا جاتا ہے۔" اس نے مونگ پھلی کی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو نوشی نے پلیٹ اس کی پہنچ سے دور کر دی۔

"یہ ہمارا حصہ ہے....."

"تو میرا حصہ کہاں ہے.....؟" اسے کم سے نوشی سے ایسی بے مروتی کی امید نہیں تھی۔

"جہاں سے تم آئے ہو....." فرح نے کہا تو اس نے دانت پیسے۔

"میں تم لوگوں کے لیے یہاں آیا ہوں....."

"ہم نے تمہیں بلایا تو نہیں تھا پھر جہاں لڑکیاں ہوں وہاں لڑکوں کا کیا کام؟"

علی کا جی چاہا کہ زرش کا سر پھاڑ دے۔

"بڑی بے مروت ہو تم لوگ....." وہ ڈرائی فروٹ کی طرف سے ناامید ہو کر نیم دراز ہو گیا۔

"کس کی چغلیاں ہو رہی تھیں؟"

"کم از کم تمہاری نہیں۔" زرش نے اسے منہ چڑایا۔

"تم لوگ میری کر بھی کیسے سکتی ہو..... مجھ جیسا نیک اور شریف لڑکا پورے خاندان میں نہیں ہوگا۔" اس نے لمبی ہانکی تینوں کو ہنسی آ گئی۔

"ماشاء اللہ کیا کہنے تمہاری نیکی اور شرافت کے....." نوشی نے بھی چڑایا تو وہ ہنس دیا۔

"کوئی شک ہے؟"

"ایسا ویسا....." فرح کے کہنے پر اس نے، اسے گھورا۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"بہنیں بھائیوں کے بارے میں زیادہ اچھی طرح جانتی ہیں۔" زرش نے اسے مزید چڑایا۔ اس سے پہلے کہ وہ جوابی کارروائی کرتا دروازے پر ناک کرتے سمعان، عفان اور ہادیہ آپا چلی آئی تھیں۔

"تم لوگ ادھر کیوں آ بیٹھے.....؟" سمعان اور عفان سامنے صوفے پر بیٹھ گئے تھے جب کہ ہادیہ آپا نے زرش کے قریب جگہ پکڑ لی۔

"بڑوں کی اپنی باتیں ہو رہی تھیں۔ وہی بزنس کی گفتگو ایک طرف بیٹھ کر بور ہونے سے بہتر ہے ہم یہاں آ بیٹھیں۔" فرح نے چلغوزے چھیل کر کھاتے ہوئے جواب دیا تھا۔ کوشین براہ راست عفان پاشا کی نگاہوں کی زد میں تھی بالکل مقابل وہ تھوڑا سا فرح کی طرف کھسکی تو عفان مسکرا دیا۔

"آپ سنائیں عفان بھائی کیا کرتے رہتے ہیں آپ....." بڑوں کے درمیان تو بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا اب موقع ملا تو فرح نے پوچھا۔

"کچھ نہیں سارا دن ابو کے ساتھ ان کے آفس میں ہی ہوتا ہوں۔"

"تم لوگوں کے دسمبر ایگزامز کب شروع ہو رہے ہیں۔" لاپروائی سے مونگ پھلی اور چلغوزوں سے انصاف کرتی زرش پر سمعان کی نظر پڑی تو ایکدم یاد آیا۔

"بس شروع ہونے والے ہیں۔ شاید ایک دو دن میں ڈیٹ شیٹ مل جائے۔" فرح نے ہی جواب دیا۔

"دسمبر ووکیشن سے پہلے ختم ہو جائیں گے کہ نہیں....."

"میرا خیال ہے دسمبر سے پہلے ہی ختم ہوں گے۔ رزلٹ وغیرہ بعد میں ہی ہوگا۔" اس دفعہ زرش نے جواب دیا تو سمعان نے سر ہلایا۔

"ہوں..... نوشی اور علی تم دونوں کے کب تک ہیں۔"

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

"میرا بھی تقریباً یہی شیڈول ہے۔" علی نے کہا۔ پھر سمعان نے نوشی کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے چھٹیوں کے بعد ہی ہوں گے....." اس نے دھیمے سے کہا۔

"کیوں خیریت ہے؟" سمعان کے یوں خاص طور پر پوچھنے پر علی نے دریافت کیا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔ میرا خیال ہے دسمبر کی چھٹیوں میں اسلام آباد کا پروگرام سیٹ رہے گا۔ کیوں عفان چلو گے ہمارے ساتھ....."

ان کو بتا کر سمعان نے عفان کو دیکھا جب کہ وہ چاروں اس پروگرام پر خوش تھیں۔

"کیا واقعی اس دفعہ پروگرام ڈن ہو گیا ہے۔" زرش ایکدم پرجوش ہو گئی تھی۔

"ہوں..... ڈاکٹر نے چچا جان کو کچھ ہفتوں کے لیے "بیڈ ریسٹ" کی تاکید کی ہے۔ اب ایک انسان سارا دن بستر پر پڑے پڑے بھی بیزار ہو جاتا ہے۔ عثمان بھائی بھی آفر کر گئے ہیں۔ چچا جان کو میں منالوں گا تم لوگ اپنا شیڈول دیکھ لو..... ایک ہفتہ کافی رہے گا....." سمعان نے سنجیدگی سے کہا۔

"یاہو....." علی تو ایسے پروگراموں کا شوقین تھا۔ اس نے نعرہ لگایا۔

"تم نے بتایا نہیں عفان.....؟"

"میں فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتا۔ آنے والے دنوں میں بزنس مصروفیات نجانے کیا ہوں۔"

"مصروفیات کا کیا ہے..... آپ بس طے کریں وقت خود بخود نکل آئے گا۔" زرش نے فوراً کہا تو وہ ہنس دیا۔

"او کے دیکھیں گے....." اس کا انداز ٹالنے والا تھا۔

"اور ہادیہ آپا آپ کو بھی چلنا ہے۔ پھپھو سے بات کر لیجیے گا....." اس نے ابھی سے پروگرام طے کرنا شروع کر دیا تھا۔ زرش نے خاموشی سے مسکراتی ہادیہ کو بھی کہا تو وہ چونکی۔

"میرا جانا مشکل ہی ہے..... گھر سے مشکل ہی نکلنا ہوتا ہے۔"

"کوئی نہیں..... آپ ضرور جائیں گی میں ممانی جان اور پھپھو سے خود بات کر لوں گی۔"

"تم لوگوں کو بس خدا موقع دے سیر سپاٹوں کا....." وہ ہنس دیں۔

"تو اور کیا اتنے عرصے بعد تو کوئی پروگرام بن رہا ہے..... اتنی ٹف پڑھائی میں تھوڑی بہت تو انجوائے منٹ ہونی چاہیے۔" علی نے کہا تو سمعان نے اسے گھورا وہ خجل سا ہو گیا۔

"تمہاری پیشانی کا زخم اب کیسا ہے۔"

وہ سب "اسلام آباد کے پروگرام" کو ڈسکس کرنے لگ گئی تھیں جب سمعان احمد کی آواز پر زرش نے سمعان کو دیکھا پھر اپنی پیشانی پر لگی سنی پلاس کو چھوتے ہوئے ہنس دی۔

"ٹھیک ہے اب تو..... ایک ادھ دن میں یہ سنی پلاس سے بھی جان چھوٹ جائے گی....." ہادیہ نے بھی دیکھا۔ وہ اس کی پیشانی کی چوٹ کے متعلق لاعلم تھیں۔

"کیا ہوا تھا پیشانی پر....."

"بس گر گئی تھی..... چوٹ لگ گئی....." اس نے لاپروائی سے کہا۔

"تمہیں بھی سکون نہیں ہے..... ہر وقت بچوں کی طرح اچھلتی کودتی رہتی ہو۔ ضرور کہیں سے چھلانگ لگائی ہو گی۔ انسانوں کی طرح چلنا تو آتا ہی نہیں تمہیں۔ کسی دن خدانخواستہ کوئی بڑی چوٹ لگ گئی تو....." وہ ایکدم متفکر ہو گئیں۔

زرش نے سمعان کو دیکھا ہادیہ کی بات پر وہ مسکرا رہا تھا تو وہ ہنس دی۔

"سمعان بھائی ہیں ناں میری ہر چوٹ پر پردہ ڈالنے والے۔ فوراً ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔" انتہائی شرارتی انداز تھا۔ ہادیہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ ٹھہری پھر اس نے سمعان کو دیکھا۔ زرش کی طرف دیکھتے ہوئے سمعان کی آنکھوں میں ایک عجیب سا احساس تھا۔

"سمعان ساری عمر تمہارے ساتھ نہیں رہے گا۔" ایکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے انہوں نے وہ بات کہہ دی۔ جس پر سمعان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ایک سیکنڈ میں سمٹ گئی۔ سمعان کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ زرش ہنس دی۔ لاشعوری طور پر وہ گلے میں موجود زنجیر کو انگلی پر لپیٹ رہی تھی۔ سمعان نے ایک نظر دیکھا اور پھر نظر پھیر لی۔

بعض اوقات مذاق میں بیان کی گئی حقیقت بھی کتنی تلخ ہوتی ہے۔ سمعان احمد کو ایکدم اندازہ ہوا۔

"ہادی آپا امید اچھی ہونی چاہیے..... اگر یقین ڈانواں ڈول ہوتا ہے تو ہاتھ آئی کامیابی بھی ناکامی میں بدل جاتی ہے۔ میرا تو یقین ہے وقت ضرور بدلے گا۔ کس خاندان میں چھوٹی موٹی چپقلش نہیں ہوتی بس دل کشادہ ہونے چاہئیں۔ راستے خود بخود بنتے جاتے ہیں۔"

سمعان احمد نے حیرت سے فرح کو دیکھا۔ ہادیہ کی سنجیدگی کا جواب اس نے بھی اتنی ہی سنجیدگی سے دیا تھا۔ ہادیہ کے ہونٹ مسکرا دیے۔ ایک نگاہ پھر سمعان پر ڈالی وہ اب صرف اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"میں اگر کچھ کہوں گا تو بات بہت دور تک جائے گی۔ میرا خیال ہے، میرا ابھی چپ رہنا ہی بہتر ہے ورنہ تمہاری بات کا جواب میرے پاس ہے اور بہت اچھا جواب ہے۔"

سمعان احمد نے کہا تو ہادیہ کھل کر ہنس دی۔

"سوری تم دونوں بہن بھائی تو ایکدم سیریس ہو گئے۔ میں نے یونہی ایک بات کی تھی۔" انہوں نے زرش کی موجودگی کا احساس کرتے ایکدم بات ٹالی ورنہ بات نکلتی تو بہت دور تک جاتی۔

سمعان احمد نے بھی عفان سے دوسری بات شروع کر دی۔ زرش کی موجودگی میں وہ بھی کوئی بات نہیں چھیڑنا چاہتا تھا۔ ورنہ ہادیہ کی بات دل میں بہت تکلیف دے رہی تھی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

وہ گھر کی صفائی ستھرائی سے فارغ ہوئی تھی کہ بڑی چچی کی کال آ گئی۔ وہ اسے ساتھ لے جا کر شاپنگ پر جانا چاہتی تھیں۔شادی کے لئے انہیں نویرہ کی پسند کی اشیاء خریدنی تھیں۔ بات انہوں نے اماں سے کی تھی' ان کی اجازت سے ہی وہ انہیں لینے آ رہی تھیں۔اماں نے ہی کال ریسیو کی تھی پھر نویرہ کو تیار ہونے کو کہا تھا۔نویرہ خاموشی سے کمرے میں چلی آئی تھی۔ وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو بڑی چچی حمیرا اور شمائلہ آپی کے ہمراہ آئی بیٹھی تھیں۔ وہ ایک پل کو جھجکی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے مشترکہ سلام کیا۔

چچی نے محبت سے اسے گلے لگا لیا۔شمائلہ اور حمیرا سے بھی مل کر وہ ایک طرف بیٹھی تھی۔

''بعد میں بیٹھنا۔اٹھو چلو ہمارے ساتھ' حمیرا نے کالج سے چھٹی کی ہے شمائلہ کو بھی سسرال سے بلوایا ہے کتنے دنوں سے پروگرام بن رہے تھے مگر گھر سے نکلنا ہی نہیں ہو رہا تھا۔'' چچی نے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹھیں ابھی چچی چائے وغیرہ پی کر جایئے گا۔'' بھابی بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں مگر انہوں نے ہاتھ سے منع کر دیا۔

''نہیں.....بازار میں کچھ وقت لگ جائے گا۔ پھر کبھی سہی۔'' اماں نے ایک دو دفعہ اصرار کیا تھا مگر چچی کے صاف انکار پر انہوں نے بھی زیادہ نہ کہا۔''اماں سے اجازت لے کر وہ باہر آئے تو گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر نواز ان کا منتظر تھا۔نواز پر نگاہ پڑتے ہی نویرہ کے قدم ٹھٹکے تھے اس نے گھبرا کر چچی کو دیکھا وہ مسکرا دی تھیں۔

نواز نے اسے سلام کیا تو وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔نواز کے ساتھ حمیرا بیٹھ گئی جبکہ وہ شمائلہ آپی کے ساتھ چچی کے ہمراہ پچھلی سیٹ پر تھی۔

''ہمیں شادی کے لئے جیولری خریدنی تھی' ساتھ میں کچھ کپڑے بھی۔ پہننے تو تمہیں ہی ہیں' اچھی بات ہے تم مرضی سے اپنے پسند کے کلرز لے لو۔'' شمائلہ نے کہا تھا۔

''مجھے بھی ابھی سب کچھ خریدنا ہے۔ کچھ بھی نہیں لیا۔اگلے دنوں ہمارا ٹرپ جا رہا ہے مری' اسلام آباد سوچا کچھ ٹرپ کے لئے شاپنگ کر لوں' پورے پانچ دنوں کا پروگرام ہے۔ میرا اور رمشاء دونوں کا جانے کا ارادہ ہے۔''

حمیرا کی بات پر اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

''نویرا! جیولری کے نئے ڈیزائن آئے ہوئے ہیں۔ میں پچھلے ہفتے گئی تھی جیولر کے پاس۔ بہت اچھے لگے تھے، دیکھ لینا جو بھی جی کو اچھا لگے آرڈر دے دیں گے۔'' رضیہ چچی نے نویرہ کے جھینپے جھینپے گولڈن چادر کے ہالے میں اپنا عکس دکھاتے چہرے کو دیکھا تھا۔نواز بیک مرر سے نظر آتے نویرہ کے جھکے سر پر گاہے بگاہے نگاہ ڈال لیتا تھا۔

نواز کو میں کتنے دنوں سے کہہ رہی تھی مگر یہ فارغ ہو تب نا..... آج بھی میں نے زبردستی اس کی یونیورسٹی سے چھٹی کروائی ہے۔ یہ لڑکا کبھی ہاتھ نہیں آتا۔بس اپنے ہی جھمیلے ہیں اس کے..... یونیورسٹی سے اکیڈمی' میں بھاگ دوڑ.....اس کے ابو کہہ بھی رہے تھے کہ ان کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹاؤ مگر یہ سنتا کب ہے؟ بس اپنے ہی شوق ہیں اس کے.....'' نواز ہنس دیا تھا۔

''ظاہر ہے میری طبیعت کاروبار کے جھمیلوں میں کہاں سیٹ رہتی ہے؟ ابو کے ساتھ جب بھی فارغ ہوتا ہوں چکر لگا تو لیتا ہوں۔ یہ پڑھانا میرا شوق ہے۔ پھر میں کونسا اکیلا ہوں یونیورسٹی میں پیریڈز لیتا ہوں۔ اکیڈمی میں کوالیفائیڈ ٹیچرز رکھے ہوئے ہیں تقریباً وہی سب کچھ ہینڈل کرتے ہیں۔ اب اچھا خاصا وقت ابو کے ساتھ صرف کر رہا ہوں پھر بھی آپ کو گلہ رہتا ہے۔'' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے نواز نے پلٹ کر کہا تھا۔نویرہ نے یونہی سر اٹھا کر دیکھا تو نظر ملی تھی' وہ فوراً نگاہ پھیر گئی۔ایک لمحے کو لگا کہ جیسے بجلی کوند گئی ہو۔ چچی کے ساتھ وہ پہلے جیولر کی دکان پر آئے تھے۔ اچھی خاصی جیولری تھی' سنار نے کئی ڈیزائن دکھائے تھے۔ ہر ڈیزائن ہی اپنی مثال آپ تھا' وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔حمیرا' شمائلہ' نواز تینوں ہی چچی کو مشوروں سے نواز رہے تھے۔

''یہ دیکھو نویرہ کیسا ہے؟'' چچی نے ایک گولڈ کا ہار سیٹ اٹھا کر اس کے سامنے کیا تھا۔

''بہت اچھا..... بہت زبردست.....'' وہ چاروں کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔نواز عقب میں کھڑا تھا۔نویرہ کے گردن ہلانے پر اس نے فوراً کہا تھا۔

''مگر امی جان آج کل ڈریس کے ساتھ میچنگ جیولری چل رہی ہے۔سوٹ وغیرہ کا تو کہیں پتا ہی نہیں ہے۔ یہ نہ ہو کہ جیولری ڈریس کے ساتھ میچ ہی نہ کرے۔'' حمیرا نے کہا تو شمائلہ نے بھی سر ہلایا۔

''ہم آرڈر دے دیتے ہیں نا' ڈریس کا انتخاب کر کے موتی وغیرہ میچنگ ڈلوا لیں گے۔ کیوں نویرہ؟'' وہ ہر معاملے میں اس کی رائے مانگ رہی تھیں۔نویرہ نے مسکرا کر گردن ہلائی تھی۔

اور اس کے بھی تقریباً ساری شاپنگ میں انہوں نے نویرہ اور نواز کی پسند کو مدنظر رکھا تھا۔ ہر چیز نویرہ سے پوچھ کر لی جا رہی تھی۔نواز سے مشورہ کیا جا رہا تھا۔ دونوں بہنیں بڑی پرجوش تھیں ساتھ میں چچی جان بھی۔

آخر میں وہ لوگ برائیڈل ڈریس کے لئے دو تین گھنٹے خوار ہوئے تھے۔شمائلہ اور نواز کو کوئی ڈریس پسند ہی نہیں آ رہا تھا۔کتنی دکانیں چھان ماری تھیں۔تھک ہار کر چچی بیگم نے ایکدم کہہ دیا۔

''مجھ سے نہیں اب کسی اور دکان میں جا کر مغز کھپائی کی جاتی۔عجب ہو تم دونوں بہن بھائی' کچھ پسند

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

ہی نہیں آ رہا۔ نویرہ کو بھی خوار کر رہے ہو تم دونوں' کیا سوچتی ہوگی یہ.....'' نواز مسکرایا تھا۔

''کچھ نہیں سوچیں گی یہ..... شادی ایک ہی دفعہ ہوگی کم از کم ڈریس تو اپنی پسند کا ہو۔'' آج نواز کا موڈ حیران کن حد تک کافی شوخ ہو رہا تھا۔ ساری شاپنگ کے دوران وہ اسی طرح کے چٹکلے چھوڑ رہا تھا۔ اچھی خاصی پر اعتماد نویرہ شرم کی پوٹلی بن کر رہ گئی تھی۔ اب بھی نواز کی بات پر جھینپ گئی۔

''تم نے پہننا نہیں ہے..... نویرہ تو کوئی مین میخ نہیں نکال رہی بس تم دونوں بہن بھائی کی ناک تلے کوئی لباس نہیں نچ رہا۔'' وہ واقعی تھک چکی تھیں۔ اس لئے ان کا رویہ بجا تھا۔

''مگر دیکھنا تو مجھے ہی ہے نا۔ کم از کم میری دلہن کا برائیڈل ڈریس تو میری پسند کا ہونا چاہئے۔'' نویرہ کی طرف دیکھتے نواز نے مسکرا کر کہا تھا۔

نویرہ کو اپنے رخسار دہکتے محسوس ہوئے۔ چچی جان بھی ہنس دیں۔ ''خوب کہی تم نے۔''

''تو جاؤ..... تم دونوں بہن بھائی نویرہ کو ساتھ لے جاؤ پسند کرلاؤ اب میں ایک انچ بھی یہاں سے نہیں ہلنے والی۔ گاڑی کا دروازہ کھولو میں حمیرا کے ساتھ اندر بیٹھتی ہوں۔ تم لوگ فارغ ہو کر آ جانا۔''

نویرہ نے چچی کے اس حکم پر فوراً ان کو دیکھا تو وہ مسکرا رہی تھیں۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ہم تھوڑی دیر میں لوٹ آئیں گے۔ تب تک امی اور حمیرا ادھر ہی انتظار کرتی ہیں۔'' شمائلہ نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

نواز نے سر ہلا کر گاڑی ان لاک کی اور ہاتھ میں پکڑا سامان اندر ڈال دیا۔

شمائلہ اور چچی جان بھی اندر بیٹھ گئی تھیں۔

''جلدی آ جانا۔'' انہوں نے خاص تاکید کی تھی۔

پتہ نہیں نواز کیسا سوٹ چاہ رہا تھا جو پسند ہی نہیں آ رہا تھا۔ دو تین دکانیں مزید چیک کرنے کے بعد نویرہ بھی الجھ گئی۔ وہ اب تک مکمل خاموش تھی۔ کسی بھی قسم کی رائے کا قطعی اظہار نہیں کیا تھا مگر اب اکتا گئی تھی۔ اگلی دکان میں داخل ہوئے تو وہ بوریت محسوس کر رہی تھی۔ کچھ تھکن تھی اور کچھ اکتاہٹ' شمائلہ اور نواز ابھی بھی پر جوش تھے۔ اسے حقیقتاً حیرت ہوئی۔ زنانہ شاپنگ سے متعلق نواز کی معلومات بڑی زبردست تھیں۔

''نویرہ یہ ڈریس دیکھو کتنا خوبصورت ہے۔'' سیلز گرل نے شمائلہ کے کہنے پر ایک ڈریس دکھایا، ایک لمحے کو تو نویرہ کی بھی آنکھیں چندھیا گئیں۔ انتہائی باریک نفیس کام تھا۔

''ہوں.....'' اس نے سر ہلایا۔ ڈیپ ریڈ کلر میں لہنگا سیٹ تھا۔ لہنگے' کرتی اور دوپٹے تینوں پر کام دیکھنے کے لائق تھا۔

''آپ بتائیں نواز بھائی کیسا ہے؟ دیکھنا تو آپ نے ہی ہے ناں۔'' شمائلہ نے اسے چھیڑا تھا' وہ کھل کر ہنسا۔ پھر نویرہ کو دیکھا وہ فوراً سر جھکا گئی۔

''اس میں شک نہیں ہے لیکن پچھلے تین گھنٹے میں نے اس لئے خوار نہیں کئے کہ مجھے کوئی ڈریس پسند نہیں آ رہا تھا بلکہ میری خواہش تھی کہ نویرہ اپنی پسند کا اظہار خود کرے مگر مجھے اب لگ رہا ہے کہ آج کا

دن تو ایک طرف' مزید دو تین دن بھی خوار ہوتے رہے تو یہ محترمہ کبھی منہ سے کچھ نہیں کہیں گی۔''

نویرہ نے بے حد حیرت و استعجاب سے نواز کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ جیسے موتیوں کی چمک ہو۔

''امی' حمیرا اور تم نے جو بھی چیز پسند کی ہے انہوں نے صرف گردن ہلائی ہے مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ کہیں ان کو سعادت مندی مہنگی نہ پڑ جائے کم از کم دلہن کا ڈریس تو اپنی پسند کا ہو۔'' وہ طنز نہیں کر رہا تھا مگر نویرہ شرمندہ سی سر جھکا گئی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ چچی جان نے ہر چیز مجھ سے پوچھ کر ہی لی ہے۔'' اس نے اتنے سارے وقت میں پہلی دفعہ لب کشائی کی تھی۔ شمائلہ ہنس دی۔

''نواز کو تمہارے ہر بار سر ہلانے پر تعجب ہو رہا تھا کہ کہیں تمہیں کچھ چیز ناپسند نہ ہو۔ ہمارے ساتھ تم پہلی اور آخری بار شاپنگ کر رہی ہو' بعد میں تم کو ڈسٹرب کرتے رہتے اسی لئے نواز بائی کو تمہاری پسند کی فکر تھی۔ مجھے بار بار کہہ رہے تھے کہ کہیں تم سعادتمندی میں نہ ماری جاؤ' اپنی پسند کا اظہار کرو۔'' شمائلہ مزے سے بتا رہی تھی۔ نویرہ کے ہونٹ ایکدم مسکرا اٹھے تھے۔

''شکریہ خیال رکھنے کا۔ آپ لوگ میرے لئے جو بھی خریدتے وہ مجھے دل و جان سے پسند آتا کیونکہ اس محبت میں جو خلوص اور چاہت ہے وہ شاید میری پسند میں بھی نہ ہو..... میں اب اتنی سطحی لڑکی نہیں ہوں۔ آپ کو میری سعادتمندی پر شبہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔'' اس نے براہ راست نواز کو دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

''یہ سوٹ پسند آیا؟'' نواز نے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔

''دل سے؟'' آج تو نواز کا موڈ ہی نرالا تھا وہ ایکدم سٹپٹا گئی۔ شمائلہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ نویرہ مزید جھینپی۔

''پتہ نہیں..... دیکھنا تو آپ کو ہے جو اچھا لگے لے لیں۔'' نواز کی شرارت وہ خوب سمجھ رہی تھی فوراً رخ بدل کر کہا تھا۔ شمائلہ کی ہنسی رکنے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

''مگر پہننا تو تم کو ہے نا۔'' نواز فوراً رخ بدل کر اس کے سامنے آیا تھا۔ نویرہ اس گل افشانی پر مزید زچ ہوئی۔ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا جس کی آنکھوں کی شرارت بھرپور تھی۔

''پلیز نواز.....''

نواز فاروق کو ایکدم لگا جیسے نویرہ کے ہونٹوں سے پھول مہکے ہوں۔ اس کی نظر پیشانی تک چادر میں چھپے چہرے پر بھٹک بھٹک گئی۔ نویرہ کے اس ڈھکے چھپے انداز میں بھی ایسی دلکشی تھی جو دل کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ نواز کتنے لمحے اس کے سرخ جھلملاتے رخساروں پر سایہ فگن لانبی لرزتی کانپتی پلکوں سے نظریں نہ ہٹا پایا تھا۔

''ہوں..... اوں..... نواز بھائی.....''

شمائلہ نے مسکرا کر بھائی کا بازو تھاما تو وہ کھل کر مسکرایا۔ نویرہ کے شرماتے لجاتے سراپے پر ایک

POFSHEF.BLOGSPOT.COM

بھرپور نگاہ ڈالی۔نویرہ کے لئے مارے حجاب کے سر اٹھانا محال تھا۔

"میرا خیال ہے.....سوٹ تو پسند ہو ہی چکا ہے۔ پے منٹ کریں تو پھر چلنے کی کریں۔ امی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

شائلہ کی بات پر وہ آگے بڑھ گیا تھا تو نویرہ نے خاموشی سے شائلہ کا ہاتھ تھاما۔ اسے اپنے ہاتھ کی لرزش کا بخوبی احساس تھا مگر اس وقت مجبور تھی۔

یہ نواز بھی کتنے بے باک ہو رہے ہیں.....اب میں کبھی ان کے ساتھ نہیں آؤں گی۔ اور یہ..... دیکھ کیسے رہے تھے.....اف اللہ....." نویرہ کو اپنا ننھا دل ابھی تک کانپتا محسوس ہو رہا تھا۔

ایک پل میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ چچی جان کے کسی بھی اس قسم کے پروگرام میں شامل نہیں ہوگی۔ خاص طور پر نواز کی موجودگی میں تو قطعی نہیں۔

نواز پے منٹ کر کے واپس آیا تو وہ خاموشی سے شائلہ کا ہاتھ پکڑے واپسی کو ہولی۔ مگر دل کی حالت کا ابھی بھی وہی عالم تھا۔

❁.....❁.....❁

وہ کچن سمیٹ کر اپنے کمرے میں جا رہی تھی مگر لاؤنج میں آتی آواز پر اس کے قدم ٹھٹکے تھے۔

بن تیرے کیا ہے جینا
میرے دل کی رانی تو
میری خوشیوں کا موسم
میرے خوابوں کی تعبیر
میرے سپنوں کی تصویر
بن تیرے کیسی ہار
وہ جیت ہو ہار
تیرے سنگ ہے سب کچھ
بن تیرے ہو تو بے کار
بن تیرے کیا ہے جینا

پورے کمرے میں ایک عجیب سا ماحول طاری تھا۔ وہ اتنے دنوں بعد اس کے کمرے کے قریب پھٹکی تھی۔

رضا حمید کے گزشتہ رویوں نے اسے اپنی ذات میں محدود ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اس سے دانستہ گریز کرنے لگی تھی۔ نویرہ کے لئے اس کی جذباتیت پچھلے دنوں جس طرح عروج پر تھی آنے والے دنوں نے اسے اپنی ذات میں سمٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

رضا کی وہی روٹین تھی۔ کالج اکیڈمی اور پھر گھر آ کر رات کے کھانے کے بعد اپنے کمرے میں بند ہو جانا لیکن آج وہ خلاف معمول نہ صرف لاؤنج میں موجود تھا بلکہ سی ڈی پلیئر سے آتی آواز پر وہ

صوفے پر بیٹھا اپنے پاؤں کو مسلسل حرکت بھی دے رہا تھا۔ کتاب اس کی گود میں کھلی پڑی تھی مگر وہ کہیں اور گم تھا۔

رمشاء دروازے کے فریم میں جم گئی۔

رضا کے سرخ چہرے کی رنگت گلوکار کی آواز سے ہم آہنگ ہونے لگی۔

تیری پائل کی چھن چھن
تیری سانسوں کا سرگم
تیری خوشبو تیری پریت
یاد آئے میرے میت
جو تجھ پر لکھے تھے
وہ سارے میرے گیت
ساری خوشیاں سپنے تیرے ہیں تیرے ساتھ
بن تیرے کیا ہے جینا.....

رمشاء کا چہرہ دھواں دھواں ہونے لگا۔

وہ اس شخص کو کتنا چاہتی تھی کاش وہ اسے بتا سکتی؟ وہ اس کے لئے کیا تھا کاش وہ اپنا آپ اس پر آشکار کر سکتی؟

وہ اگر اس کے ہتک آمیز رویے سے پیش آنے کے بجائے ایک کزن، ہم راز دوست کی طرح اپنے دل کی بات شیئر کرتا تو شاید وہ اس کی خواہش میں اپنا آپ وار دیتی مگر.....

رمشاء نے آنکھوں میں بھر جانے والی نمی انگلی کی پور سے ہٹائی۔ اس وقت لاؤنج کا ماحول گیت کے بول رمشاء کے اندر کے ماحول سے جیسے ہم آہنگ ہوتے جا رہے تھے۔

وہ خاموشی سے یک ٹک رضا حمید پر نظریں گاڑے کھڑی رہی۔ اس کی آنکھوں میں پگھلا دینے والی تپش تھی۔ ایک ایسا احساس تھا کہ پتھر بھی متوجہ ہو جائے۔

رمشاء جاوید اس کے سامنے ہی دروازے کے فریم سے کمر ٹکائے ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔

رضا حمید کے چہرے پر اگلے ہی لمحے ناگواری سمٹ آئی تھی۔ رمشاء بھی جیسے کسی خیال سے چونکی۔ رضا کے متوجہ ہونے پر فوراً سیدھی ہوئی۔ رضا نے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ کنٹرول سے سی ڈی پلیئر آف کیا تھا۔

وہ خود سے اگر ہارا تھا تو اپنی ماں کے سامنے دل کی خواہش کے رائیگاں جانے پر خود سے برہم تھا۔ اور اس لڑکی سے۔ اس کا بس چلتا تو رمشاء جاوید کو اپنی پوری حیات سے ہی بے دخل کر دیتا۔

"کیا بات ہے؟" وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

رضا حمید اس کی نگاہوں کے احساس سے جھنجلا گیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے پکارنا بلکہ پوچھنا پڑا تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"آج بڑے دنوں بعد سی ڈی پلیئر کی آواز سن رہی ہوں۔ حیرت ہو رہی ہے۔ لگتا ہے اپنے اندر کا احوال جواد احمد کی زبانی سنانے کے موڈ میں تھے۔ مگر افسوس نہ ہی یہاں نویرہ ہیں اور نہ ہی پھپھو بیگم جن کی مامتا تمہارے لئے بیدار ہو جائے۔" رمشاء اس سے الجھنا چھوڑ چکی تھی۔ اس نے دل میں پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اب کچھ بھی ہو جائے وہ نویرہ کے معاملے میں اس شخص سے نہیں الجھے گی مگر اب زبان نے حرکت کی بھی تو پھر وہی کھولن تھی جس کی بدولت گزشتہ کئی روز سے وہ سرتاپا جل رہی تھی۔

"شٹ اپ....." رضا حمید ایک دم چھتایا کہ اسے نظر انداز کیوں نہیں کر پایا۔ نویرہ کے سلسلے میں اس کی یہ گوہر افشانی اسے پھر سرتاپا سلگا گئی تھی۔ ایک دم ہونٹ بھینچ کر مزید کچھ تلخ کہنے سے خود کو باز رکھا۔ بڑی چبھتی، تلخ نگاہ اس کی طرف کی۔

سرخ کنٹراس کے گھریلو حلیے میں گولڈن جرسی میں شال کندھے پر ڈالے وہ اچھی خاصی جاذب نظر لگ رہی تھی۔ اگر اس کا دل کہیں اور مبتلا نہ ہوتا..... یار مشاء اسے ناپسند نہ ہوتی تو شاید اس وقت صورتحال مختلف ہوتی۔ رضا حمید نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"میں اس وقت تم سے کسی بھی قسم کی بکواس کے موڈ میں نہیں ہوں۔ جاؤ یہاں سے۔" اس کی بات پر رمشاء کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ آ ٹھہری تھی۔

وہ جانے کے بجائے دروازے سے ہٹ کر اندر آ گئی۔ رضا نے تلخی سے ہونٹ کاٹ لئے۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا رضا! ہم دونوں اپنی اپنی ذات کے غم منانے کے بجائے ایک دوسرے کو اہمیت دیں۔ میں تمہارے لئے کوئی غیر تو نہیں ہوں۔ خونی رشتہ ہے میرا تم سے..... سگے پھوپی زاد ہو تم میرے..... کیا انکار کر سکتے ہو اس تعلق سے؟" وہ اس کے مقابل صوفے پر آ بیٹھی تھی۔

رضا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر تلخی سے ہنس دیا۔

"بشرط کہ تم صرف پھوپی زاد کی حد تک ہی رہو تو....." اس نے جتایا تھا۔ باقاعدہ صاف تمسخر اور مذاق اڑانے والی ہنسی تھی۔ رمشاء ایک دم چیخ گئی۔

"تم میری توہین کر رہے ہو....." اس کی انا بلبلا اٹھی تھی۔

"سوری....." رضا نے اگلے ہی لمحے کہا تھا مگر انداز اب بھی وہی تھا۔ مذاق اڑاتا۔ "میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ میری ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ میں تم سے گریز ہی کروں۔ میں اپنا غم مناؤں یا کچھ بھی کروں تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔ تم میرے معاملات سے دور ہی رہا کرو تو بہتر ہے۔" خاصا دل شکن، تضحیک آمیز رویہ تھا۔ رمشا دیکھ کر رہ گئی۔

"اور جو ہمارے درمیان رشتہ ہے وہ..... اس کو کس کھاتے میں ڈالو گے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی زبان سے پھسل گیا تھا۔ رضا نے ایک گہری سانس لی۔

"زبردستی کے رشتے کبھی پائیدار نہیں ہوتے اور رشتے بھی ماننے دل کے قبول کرنے سے اہمیت رکھتے ہیں ورنہ پانی پر بنے نقش تو اکثر بے حیثیت ہوتے ہیں۔" یونہی صوفے پر اطمینان سے بیٹھے پاؤں ہلاتے وہ کہہ رہا تھا۔ رمشاء کے اندر کی آگ ایکدم بھڑک اٹھی۔ وہ جذباتی تھی وہ جانتی تھی،

اس میں اشتعال انگیزی حد سے زیادہ ہے وہ اقرار کرتی تھی مگر وہ رضا سے کس حد تک فیئر تھی اسے بتا نہیں سکتی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ پانی پر بنے نقش تو اکثر بے حیثیت ہوتے ہیں۔ نویرہ کے سلسلے میں بھی تمہاری جذباتیت کے خیال سے میری بھی یہی رائے ہے۔" اگلے ہی لمحے وہ مقابلے پر اتر آئی تھی۔ اس نے اس پر چوٹ کی تھی۔ اپنی توہین وہ بھی یوں صاف انداز میں کیسے گوارا کر لیتی۔

رضا نے تلخی سے اسے گھورا۔ وہ نہایت اطمینان سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

"اور جہاں تک رشتے کی پائیداری یا اہمیت کا تعلق، دل کے قبول کرنے یا ماننے سے ہوتا ہے تو درست کہہ رہے ہو تم۔ میرے اور تمہارے تعلق کو میں کیا سارا خاندان نہ صرف مانتا بلکہ قبول بھی کرتا ہے۔"

وہ ہنسی اور ایکدم کندھے اچکائے۔ رضا کا جی چاہا ہاتھ میں پکڑی کتاب اس کے سر پر دے مارے۔

"ہاں یاد آیا مجھے، آج میں نواز بھائی کے ہاں گئی تھی۔" وہ اسے مسلسل تیکھی، غیظ بھری نظروں سے گھور رہا تھا۔ جب ایکدم ہنس کر اس نے بات پلٹی تھی۔

نواز کے نام پر رضا کے اندر ایک دم خطرے کا الارم بجنے لگ گیا۔ رمشاء کوئی ذکر بے معنی نہیں کرتی تھی۔ ضرور نواز کے ہاں جانے میں بھی کوئی کہانی ہوگی۔ آج وہ اکیڈمی نہیں گیا تھا۔ ایک دوست کے ہاں چلا گیا تھا۔ نواز بھی اکیڈمی میں نہیں تھا۔ سو کسی کو علم نہیں ہو سکا کہ وہ اکیڈمی سے غیر حاضر ہے۔

"حمیرا کو شاپنگ کے لئے جانا تھا آج اس نے چھٹی کی تھی۔ میں ان کے ہاں گئی تھی۔ شام کے بعد وہ لوگ شاپنگ کر کے لوٹے تھے۔ نویرہ آپی ان کے ہمراہ تھیں۔ نواز بھائی شمائلہ آپی، حمیرا اور چچی امی سب گئے تھے۔ بڑی زبردست شاپنگ کی ہے انہوں نے شادی کے لئے۔ میں تو دلہن کا سوٹ دیکھ کر ہی حیران رہ گئی۔ نواز بھائی کی پسند سے ساری شاپنگ ہوئی ہے۔ بڑے موڈ میں تھے وہ آج اور تمہیں جو نویرہ آپی کی شرم و حیا بڑا اٹریکٹ کرتی ہے تم وہاں ہوتے تو دیکھتے کیسے مظاہرے ہو رہے تھے۔ شرم و حیا کے۔" رمشاء بھس میں چنگاری بھرنا خوب جانتی تھی۔ نہایت تمسخرانہ انداز تھا۔

"بکواس بند کرو....." وہ واقعی لوڈ..... ہوا تھا۔ نواز اور نویرہ کے متعلق وہ کچھ غلط سن ہی نہیں سکتا تھا۔

"تم انتہائی گھٹیا سوچ کی مالک ہو....." وہ کلس کے رہ گیا۔

رمشاء کے اندر ایک دم ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑے تھے۔

"شکریہ نوازش..... ویسے تمہاری نویرہ آپی بڑا پوچھ رہی تھیں تمہارا..... کہہ رہی تھیں کہ تم ان کے گھر کا راستہ ہی بھول گئے ہو۔ کسی دن چکر لگا لینا..... جواب تو میرے پاس بڑا زبردست تھا لیکن پھر خاموش رہی کہ کہیں تمہاری نویرہ آپی کی توہین نہ ہو جائے اور تم میرے سر ڈنڈے بجانے بیٹھ جاؤ۔"

وہ واپس اپنی جون میں لوٹ چکی تھی۔ رضا نے تاسف بھری نظروں سے لب بھینچے اور رخ موڑ لیا۔

"پھپھو کہہ رہی تھیں کہ کسی دن شاپنگ کے لئے چلیں گے ظاہر ہے نویرہ آپی کی شادی ہے، تم بے شک غم مناؤ مگر میرے لئے تو خوشی کا مقام ہے۔ پھر شادی تو ایک دفعہ زندگی میں ہوتی ہے کونسا نویرہ

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

آپی کی بار بار ہوگی۔ زبردست طریقے سے شادی میں شرکت کرنے کا ارادہ ہے۔ وہ بھی نواز بھائی کی طرف سے۔ حمیر اور میرا ارادہ ایک ہی طرح کی ڈریسنگ کرنے کا ہے۔ ویسے تم اپنی نویرہ آپی کو کیا گفٹ دو گے؟ چھوٹے سے دوست جیسے بھائی ہو تم ان کے۔" وہ جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام بخوبی جانتی تھی۔

رضا حمید تو اس کی عام سی بات پر بھڑک اٹھتا تھا یہ تو پھر واضح طنز تھا۔

"شٹ اپ' دفعہ ہو جاؤ یہاں سے..... اتنی دیر سے میں تمہیں برداشت کر رہا ہوں۔ اب تم نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں ہاتھ اٹھانے سے گریز نہیں کروں گا۔" رضا حمید کے ضبط کا مظاہرہ صرف یہیں تک تھا بھڑک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم چاہے کچھ بھی کہہ لو....." جواباً وہ بھی کھڑی ہوئی۔

"رمشاء....."

"میرا ہی دماغ خراب ہے جو ہر دفع انتہائی تذلیل کے بعد پھر ذلیل ہونے آ جاتی ہوں۔ تم جیسے شخص سے تو کلام بھی کرنا نہیں چاہئے۔ تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ کوئی محبت سے پیش آئے۔"

"تو پھر کیوں اتنی دیر سے ٹائم ویسٹ کر رہی ہو' جاؤ تمہیں خود سے کلام کرنے کا انوی ٹیشن تو نہیں بھیجا تھا میں نے۔" ٹھنڈا ٹھار لہجہ سراسر تمسخرانہ تھا۔ رمشاء نے بھنا کر اسے پھر سینٹرل ٹیبل پر پڑی ایش ٹرے کو دیکھا۔ وہ مسکرا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تھا اور مسکراتی نظروں سے اس کو سلگتے دیکھنے لگا۔

"ویسے اپنے بارے میں تم نے بالکل درست کہا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اپنی اس قدر عزت افزائی پر اب تک ڈوب کر مر چکا ہوتا۔" وہ ڈبو ڈبو کر مار رہا تھا۔

"دراصل اس میں بھی تمہارا کوئی قصور نہیں..... نویرہ کے سلسلے میں تم خود کو جتنا بھی ڈی گریڈ کرو اتنا ہی کم ہے۔ نویرہ سے جلنے یا حسد کرنے کے بجائے اپنے اندر اس جیسی صفات پیدا کرو تو ہو سکتا ہے میں تمہیں گھاس ڈال ہی لوں۔" ٹھنڈے ٹھار لہجے میں اس نے رمشاء کو غصے کے گراف کو آسمان پر لے جانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

"اس کی صفات اپناتی ہے میری جوتی..... میں جو ہوں' جیسی ہوں کی بنیاد پر بالکل درست ہوں۔ نویرہ سے میں جلتی ہوں' حماقت ہے تمہاری۔ دنیا بھر کی خوبیاں تمہیں اور تمہاری نویرہ بی بی کو ہی مبارک ہوں۔"

رضا حمید کی توقع کے عین مطابق رمشاء کا غصہ سوا نیزے پر تھا۔ غصے سے سرخ انار چہرہ۔ تمسخر اڑاتے تیور اور لب و لہجہ۔ وہ کھل کر ہنسا..... اتنی دیر سے وہ سلگ رہا تھا اب اسے سلگتے دیکھنے کا اپنا ہی مزہ تھا۔

رضا کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ اپنی آگ کی تپش دوسروں کی طرف منتقل کرنا کتنا دلچسپ کھیل ہے۔ بلکہ انتقامی کھیل۔

"تمہارا کیا خیال ہے جس طرح تم مجھے زچ کرنے آتی ہو میں تمہاری ان حرکتوں سے خائف ہو کر

نویرہ کو بھول جاؤں گا۔ بھول ہے تمہاری' اپنے چھوٹے سے دماغ کو کبھی استعمال کرنا بھی سیکھ لو۔ نویرہ بے شک میری قسمت میں نہیں لیکن میری زندگی میں تمہارا بھی کہیں کوئی نام نہیں ہے۔ زبردستی رشتہ بنانے اور لوگوں کو باور کرانے سے کوئی آپ کا ہمسفر نہیں بن جاتا۔"

اس قدر صاف اور دوٹوک لب و لہجے پر وہ چند پل پتھر کی طرح ساکت و جامد رہی تھی پھر ایک دم چیخی۔

"پتھر ہو تم..... انتہائی سنگدل اور کٹھور..... اللہ کرے..... اللہ کرے....."

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ آنکھوں میں آ جانے والی نمی اور رندھے گلے نے کچھ کہنے ہی نہ دیا۔

"دیکھ لوں گی تمہیں بھی اور تمہاری نویرہ آپا کو بھی۔" غصے سے کہتی' ایک شکایتی' اذیت بھری ملامتی نظر ڈال کر وہ تیزی سے نکل گئی تھی۔

رضا حمید نے انتہائی کرب سے ہونٹ دانتوں تلے دبا لئے پھر سر جھٹکا۔

فرح اور زرش کے ٹیسٹ شروع ہو چکے تھے۔ سعود احمد صاحب کی بھی طبیعت ایک دو دن میں سنبھل گئی تھی۔ وہ آفس بھی جانے لگ گئے تھے مگر سعید احمد اور سمعان احمد کوئی کام نہیں کرنے دیتے تھے۔ مین آفس چونکہ ایک ہی تھا' تینوں کے علیحدہ علیحدہ رومز اور کام تھے' اس لئے سعود احمد کا سارا کام سمعان اور سعید احمد پر آ پڑا تھا۔ زرش اور فرح سنجیدگی سے اپنے ڈیسمبر ٹیسٹ میں مصروف تھیں۔ دونوں ہی کالج کی نہایت ذمہ دار اور لائق طلبا میں سرفہرست تھیں۔ تمام اساتذہ کی خصوصی توجہ سے فیض یاب رہتی تھیں۔

آج زرش کا فرح کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کا ارادہ تھا۔ ٹیسٹ کے بعد وہ گھر آ گئی تھی۔ نوشی ابھی کالج سے نہیں لوٹی تھی۔ آج اس کا کوئی پریکٹیکل تھا' وہ لیٹ تھی' کھانے کے بعد زرش نے شائستہ بیگم کو فرح کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کرنے کا بتا کر اجازت چاہی تھی کچھ دیر سوچنے کے بعد انہوں نے خصوصی ہدایت کے ساتھ اجازت دے دی تھی۔

دو بجے کے قریب وہ تایا کے ہاں پہنچی تھی۔ جس دن تایا ابو اسے اور نوشی کو لے کر آئے تھے اس کے بعد آج وہ آئی تھی۔ ڈرائیور کو چلتا کر کے اندر چلی آئی تھی۔

"نہیں آپا! بہت مشکل ہے۔ سعید احمد کبھی نہیں ماننے والے۔"

وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو طاہرہ بیگم کو فون کے ساتھ مصروف دیکھ کر رک گئی۔

ان کی پشت داخلی دروازے کی طرف تھی اس لئے زرش کی آمد سے قطعی بے خبر تھیں۔ زرش سوچ میں پڑ گئی کہ انہیں متوجہ کرے کہ نہ کرے۔

"بہت مشکل ہے' چلیں میں سمعان کی خواہش کو اہمیت ہی نہیں دیتی لیکن سعید احمد مجھے یوں تن تنہا فیصلہ کر لینے پر سولی پر ہی لٹکا دیں گے۔"

تائی امی کہہ رہی تھیں زرش کے کچھ پلے نہ پڑا تھا کہ گفتگو کا اصل موضوع کیا ہے۔

PDFSTUDE.BLOGSPOT.COM

"ہونہہ..... ساری عمر یونہی زندگی نہیں رہتی اگر شائستہ کی ہی حکمرانی کروانی ہے مجھے اس گھر میں تو اسے یہاں سے نکلوایا کیوں تھا۔" انتہائی نخوت بھرا تمسخرانہ انداز تھا۔ زرش الجھ گئی۔

"آپ کچھ بھی کہیں آپا..... دولت کی مجھے پروا نہیں..... سعود احمد کی ساری جائیداد ظاہر ہے اس کی بیٹیوں کے نام ہی تو ہے۔ سنا ہے میں نے ہادیہ کے نام کے شیئرز وہ وقار کے نام منتقل کرنے کا سوچ رہے ہیں۔"

طاہرہ بیگم کی باتیں زرش کے دماغ میں واقعی نہیں بیٹھ رہی تھیں لیکن موضوع گفتگو ان کی ذات تھی تو وہ چپ سادھے سنتی گئی۔

"نوشی کو بھی دے دلا کے ہی رخصت کریں گے دونوں میاں بیوی۔ رہ گئی زرش سنا ہے اس کے نام بھی اچھی خاصی جائیداد ہے۔ یہ "احمد منزل" کا سعود احمد والا پورشن اور مری والا کاٹیج کے علاوہ لاہور والا گھر زرش کے نام ہے۔"

زرش حیران ہو کر سن رہی تھی۔ اتنی معلومات تو اسے بھی نہیں تھیں۔ جبکہ طاہرہ بیگم اور بھی بہت کچھ گنوا رہی تھیں۔

"بزنس میں نفیسہ آپا کے علاوہ دونوں بھائیوں کا جو حصہ بنتا ہے اس میں بھی سعود احمد کا سارا کاروبار ظاہر ہے اس کی بیٹیوں کے نام ہی ہے۔ رہ گئی شائستہ تو جس گھر میں رہ رہے ہیں وہ اسی کے نام ہے۔ "احمد گارمنٹس" تو سمعان کے نام ہے جبکہ باقی کاروبار عثمان سمعان علی فرح کے حصے پر سعید احمد چلا رہے ہیں۔ یہ سارا اثاثہ بچوں کا ہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ میرے بچوں کا مستقبل محفوظ ہے۔ فوزیہ اپنی بیٹی ہے میری زوباریہ کا فیملی بیک گراؤنڈ بھی مضبوط ہے۔ مگر وہ سب لوگ گارمنٹ یا بزنس جائیداد کے معاملے میں ہمارے ہم پلہ تو نہیں مگر حیثیت والے ہیں۔"

گھر میں بالکل خاموشی تھی اس خاموشی میں دھیمے سے گفتگو کرتی طاہرہ بیگم کا ایک ایک لفظ زرش کے اندر حیرت کی دنیا آباد کر رہا تھا۔

"آپا! دل تو میرا بھی خون کے آنسو روتا ہے..... فوزیہ کے لیے میں نے کس کس کی مخالفت مول نہیں لی۔ ایک دفعہ پھر اپنی گھر ہستی داؤ پر لگا رہی ہوں مگر کیا فائدہ..... آپ کے شکوے بجا ہیں..... لیکن میری بھی تو سنیں جو بھی باہر سے آئے گی راج کرے گی۔ عثمان کا تو کاروبار میں صرف حصہ ہے سمعان احمد جتنی محنت کرتا ہے سعید احمد اس کے عوض اس کے لئے علیحدہ کاروبار شروع کرنے جا رہے ہیں۔ فوزیہ آتی تو دل کو سکون رہتا نجانے آنے والی کیسی ہوگی۔ زوباریہ فطرت کی اچھی ہے ورنہ عثمان دور پردیس میں ہیں میرے تو دل کو ہول اٹھتا ہے۔ کچھ کہوں تو مجھے ہی الزام دینے لگتے ہیں سب....." آخر میں ان کی آواز رندھ گئی تھی۔

"نہیں آپا یہ کبھی نہیں ہو سکتا..... مر کر بھی نہیں..... اگر ایسا ہوا تو سعید احمد کچھ بھی کر لیں پر میرا فیصلہ نہیں بدلے گا..... اپنی ساری اولاد میں مجھے سمعان احمد سب سے زیادہ عزیز ہے اور اس کے لئے وہی کلموہی رہ گئی ہے۔"

نجانے وہ اب کس کو کوس رہی تھیں زرش کے تو کچھ پلے نہ پڑا۔

"سمعان کو میں جانتی ہوں وہ میری مرضی کے بغیر باپ کی بھی نہیں مانے گا اور سعید احمد نے کہا ہے کہ وہ کچھ عرصہ سمعان کی شادی نہیں کرنا چاہتے۔ میں چپ ہو گئی ہوں کہ ان کے اندر بھائی کی محبت کا جو طوفان ٹھاٹھیں مار رہا ہے ذرا تھم لے پھر سوچوں گی کیا کرنا ہے۔"

زرش الجھ گئی تھی دونوں میں ہونے والی یہ گفتگو کم ہی پلے پڑ رہی تھی۔

"ہاں سنا تو میں نے بھی ہے۔ بلکہ سعید احمد اور سمعان احمد دونوں نے ہی کہا تھا کہ میں چلوں عیادت کر آؤں مگر آپا آپ جانتی ہیں سعید احمد کے طعنوں کے بعد انتہائی ذلیل کر کے گھر سے نکالنے کے بعد میں اس شخص کی شکل بھی، دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ بھائیوں اور ماں باپ کی ضد کے سامنے ہار گئی پھر آپ نے سمجھایا تو دوبارہ یہاں چلی آئی ورنہ دل سے تو ابھی بھی دھواں اٹھتا ہے۔ آج تک سعید احمد کا رویہ تکلیف دیتا ہے۔ کبھی دل چاہتا ہے کہ دیواروں سے سر پھوڑ پھوڑ کر روؤں۔ میں نے اس کٹھور سنگدل شخص پر اعتبار کیا تھا۔ بھول کس سے نہیں ہوتی مگر بھول تو وقتی تھی کوئی میرے دل میں جھانک کر نہیں دیکھتا یہاں کیسی آگ لگی ہوئی ہے۔ ساری عمر گزر گئی ایک رات بھی سکون سے نہیں سو پائی ہوں۔ اتنی ذلت کاش آپا میرے بس میں ہو تو میں اس عورت کا منہ نوچ لوں۔ کتنی خوش ہے میرے گھر میں آگ لگا کر۔ کتنا چیخی تھی میں سعید احمد کے سامنے اعتبار قسمیں دلائل ثبوت کیا نہیں میں نے اس سنگدل شخص کے سامنے پیش کیا مگر اس کے دل میں پتھر فٹ ہو گیا تھا۔ آپ بھی تو گواہ ہیں کیسے مجھے گھر سے نکل جانے کو کہا تھا۔ اپنے بچوں کے لئے آج یہاں ہوں ورنہ....."

طاہرہ بیگم اب رو رہی تھیں ان کی سسکیاں زرش کے دل کو عجیب سے درد سے دوچار کر رہی تھیں۔

"ہاں..... یہ نفرت میرے اندر زہر بن کر دوڑتی ہے۔ دونوں میاں بیوی کا نام بھی سنوں تو دل چاہتا ہے آگ لگا دوں اور اب ساری عمر گنوا کے اعتبار مجروح کروا کے بے اعتباری کی زندگی جی کے پھر اس عورت کی بیٹی گھر لے آؤں نہیں آپا! فوزیہ کا نام اس لیے لیتی ہوں کہ آپ کے مجھ پر بڑے احسان ہیں جب ذلیل کر کے اس گھر سے نکالی گئی تھی تو آپ نے رہنے کو چھت دی تھی۔ جب سب بہن بھائیوں نے ساتھ چھوڑا تھا آپ سہارا بنی تھیں۔ احسان فراموش نہیں ہوں مگر مجبور ہوں میں سعید احمد کے سامنے فوزیہ کے لئے نہیں لڑ سکتی۔ وہ شخص ساری عمر کا انعام "طلاق" کی صورت بھی دینے سے گریز نہیں کرے گا..... آپ کچھ بھی کہہ لیں خود غرض احسان فراموش مگر اب اس عمر میں یہ خاک سر میں نہیں ڈلوا سکتی۔ میں نے سب کچھ کر دیکھا ہے مگر سعید احمد کے سامنے ہار گئی ہوں۔"

وہ اب باقاعدہ رو رہی تھیں۔

زرش ساکت کھڑی تھی۔

طاہرہ بیگم کی باتیں گریہ وزاری اس سے یہ گتھی نہیں سلجھنے والی تھی۔

"ہاں ایک دفعہ پھر دیکھوں گی مگر ابھی نہیں..... کچھ عرصہ ٹھہر جائیں آپ کو جلدی کس بات کی ہے۔ نہ میں کہیں بھاگی جا رہی ہوں اور نہ ہی سمعان احمد۔ یہ جو زرش والا معاملے ذرا ٹھپ

PDFCHUT.BLOGSPOT.COM

ہو جائے.....دھول بیٹھ جائے' چند ماہ انتظار کرلیں پھر انشاء اللہ میں کوشش کروں گی وعدہ نہیں کرتی' یہ نہ ہو کہ میرے زور دینے پر سمعان بھی وہی کام کر بیٹھے جو عثمان نے کیا تھا مگر امید تو نہیں.....سمعان احمد کا اندازہ ہے مجھے اس کے اندر عثمان والی سرکشی نہیں ہے۔ وہ مجھے' میری رائے کو اہمیت دیتا ہے۔ اب کی بار سعید احمد پر پریشر ڈالنے کے بجائے سمعان پر ڈالوں گی۔ جذباتی طور پر مجبور کروں گی۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔'' وہ اپنے آنسو صاف کر کے پھر کہہ رہی تھیں۔

''نہیں آپا ابھی نہیں.....ابھی سمعان احمد والا معاملہ تو دیکھ لیں کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے' پھر فرح کا نام لیجئے گا۔ اللہ رکھے میری اکلوتی بیٹی ہے' تین بھائیوں کی اکلوتی بہن' جو کچھ بھی ہم کریں کم ہے۔ دولت' جائیداد' بینک بیلنس سب کچھ تو اسی کے نام ہے۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔ ابھی وہ بچی ہے' اس کی عمر ہی کیا ہے۔ پھر سعید تو میرے منہ سے فرح کے لیے اسجد کا نام سن کر ہی بھڑک اٹھیں گے۔ آہستہ آہستہ گھر میں ذکر کروں گی' امید نہیں دلاتی۔''

زرش بے حد حیرت سے سب سن رہی تھی۔

یہ ذکر کس سلسلے میں ہے اسے کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا مگر کچھ بھی واضح نہیں ہو رہا تھا۔ خاص طور پر سمعان کے سلسلے میں اپنا نام سن کر وہ الجھ سی گئی تھی۔

''اچھا آپا فرح سوئی ہوئی ہے' اٹھنے والی ہے پھر کبھی کال کروں گی۔ آپ فکر نہیں کریں' کسی دن آؤں گی پھر سوچیں گے ابھی وقت نہیں ہے ان باتوں کا' یقین کریں مجھ پر اپنی بات سے نہیں پھرنے والی۔ سمعان کے معاملے میں سعید احمد اس قدر برہم ہے فرح کے معاملے میں نہ جانے کیا کہیں۔''

زرش فوراً دروازے کی اوٹ میں ہوئی تھی۔

اسجد قیصرہ خالہ کا بیٹا تھا۔ فوزیہ کے برعکس وہ کافی سلجھا ہوا تھا مگر اب طاہرہ کے منہ سے فرح کے لئے اسجد کا نام سن کر زرش کچھ حیران سی رہ گئی تھی۔

''اچھا پھر ٹھیک ہے۔ میں دو تین دن میں چکر لگاؤں گی.....فرح کو بھی دسمبر کی چھٹیاں ہوں گی اگر سعید احمد مانے تو شاید رہنے کو بھیجوں.....پھر اللہ حافظ۔''

انہوں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔ زرش ایکدم باہر نکل گئی تھی۔ اسے یوں ایکدم اپنے سامنے دیکھ کر نجانے طاہرہ بیگم کا کیا ری ایکشن ہوتا اس لئے فوراً ان کا سامنا کرنے سے گریز کیا تھا۔

یوں کسی کی باتیں سننا اگرچہ غیر اخلاقی حرکت تھی مگر زرش خود کو یہ سب سننے سے نہیں روک پائی تھی۔ پھر گفتگو میں جو باتیں نمایاں تھیں انہوں نے زرش کے اندر کے تجسس کو ایک نئی ہوا دی تھی۔ وہ اندر جانے کے بجائے اپنے والے پورشن میں نکل آئی۔ یہ کبھی ان کے زیر استعمال تھا مگر اب یہ حصہ بند تھا۔

وہ آہستگی سے چلتی لان کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی' سارا پورشن لاکڈ تھا۔ وہ سیڑھیوں پر بیٹھی کاریڈور کو دیکھے گئی۔

وہ ان راہداریوں میں پلی بڑھی تھی۔

یہ گھر ان کا تھا' بائیں طرف کا کمرہ اس کا تھا۔ اسے اکیلے سونے میں اکثر ڈر لگتا تھا اسی لئے روزانہ فرح کو اپنے پاس بلا لیتی تھی اور اب.....

زرش کی آنکھوں میں نمی سی سمٹ آئی۔

یہ گھر دادا ابو احمد صاحب نے خود بنوایا تھا' بہت ارمانوں اور خواہش کے ساتھ وہ سعید احمد کے لئے طاہرہ اور سعود کے لئے شائستہ کو بیاہ کر لائے تھے۔ شائستہ دادی کی بھانجی تھیں۔ انہوں نے نفیسہ آپا کی شادی اپنی سالی کے بیٹے سے کی تھی اور جواباً ان کی بیٹی اپنے چھوٹے بیٹے کی خواہش پر مانگ لی تھی۔ شائستہ بیگم خالص سعود احمد کی پسند تھیں۔ شائستہ کی کزن طاہرہ بھی تھیں جو سعید احمد کو اپنی لاپروائی اور معصومیت کی بدولت بے حد پسند آئی تھیں' اس طرح دونوں بھائیوں کی شادی ایک ہی دن ایک ہی گھر میں ہوئی تھی۔ اوپر تلے گھر تھے' شروع میں طاہرہ ایڈجسٹ نہیں کر پائی تھی یا نجانے کیا وجہ تھی پھر ان کے ہاں عثمان کی پیدائش ہوئی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد عثمان نے پوری ''احمد منزل'' میں خوشی کی نوید سی بھر دی تھی۔ عثمان کے دو سال بعد سمعان پیدا ہوا تھا اور سمعان کے ایک سال بعد سعود احمد کے ہاں ہادیہ۔

اور پھر نجانے کیا ہوا' کیسی ہوا چلی تھی کہ سمعان احمد کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ہی طاہرہ روٹھ کر قیصرہ کے پاس چلی گئی تھیں۔ سعید احمد نے سمعان کو اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ روتے بلکتے سمعان احمد کو شائستہ بیگم نے حقیقی بیٹے کی طرح سمیٹ لیا تھا اور پھر وقت گزرنے لگا تھا۔ طاہرہ بیگم کے روٹھ کر اپنی بہن کے ہاں جا کر بیٹھ جانے کے سلسلے میں چہ مگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ ایک کان سے دوسرے کان تک اور پھر بات پھیلتی چلی گئی۔ احمد صاحب ابھی حیات تھے' دونوں خاندانوں کی عزت کا جنازہ نکلتے دیکھ رہے تھے' انہوں نے سعید احمد پر ہر طرح کا دباؤ ڈالا کہ وہ طاہرہ کو لے آئیں۔ اپنے بچوں کے لئے ہی مگر ان کی ناں' نہیں ٹوٹی تھی۔ پھر ایک دن وہ خود ہی اپنی بیوی کے ساتھ جا کر طاہرہ کو لے آئے تھے' کیسے لائے یہ الگ کہانی تھی۔ طاہرہ کی آمد نے پورے گھر کو ایک نئی ٹینشن سے دوچار کر دیا تھا۔ طاہرہ اور سعید احمد کے درمیان حائل ہونے والی خلیج ایسی تھی کہ وقت بھی اسے نہ پاٹ سکا۔ شائستہ کے ہاں نوشین نے جنم لیا تھا اور پھر دو سال بعد طاہرہ کے ہاں فرح نے۔ نوشین کی پیدائش کے بعد شائستہ بیگم کو بیٹے کی بڑی خواہش تھی لیکن نوشین کی پیدائش کے تین سال بعد ان کی گود میں زرش چلی آئی تھی۔ سنہرے بالوں والی' ہیروں کی طرح جگمگاتی آنکھوں والی گڑیا کا سب نے ہی بڑے پرجوش انداز میں خیر مقدم کیا تھا۔ زرش کا نام سمعان نے رکھا تھا۔ زرش سمعان کے اسکول میں اس کی ٹیچر تھی جو اسے بہت پسند تھی۔ اور پھر جیسے زرش سمعان احمد کی زندگی کے معاملے میں شامل ہوتی چلی گئی۔ فرح اور زرش دونوں کا بہت خیال رکھتا تھا۔ وہ عام بچوں سے ہٹ کر تھا۔ اپنی پڑھائی کے بعد کا سارا وقت وہ ان دونوں کو دیتا تھا اور پھر وقت بیتنے لگا۔

زرش کی پیدائش کے ایک سال بعد طاہرہ نے پھر ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔ جو علی تھا۔ شائستہ بیگم کی زرش کے بعد بڑی خواہش تھی کہ ان کے ہاں بھی بیٹا ہو مگر شاید قدرت کو ان کا صبر مطلوب تھا ان کی

FREE COPY BLOGSPOT.COM

خواہش کبھی پوری نہ ہوسکی۔ انہوں نے بیٹے کے لئے دل میں موجود ساری محبت، ساری ممتا عثمان علی اور خاص طور پر سمعان پر لٹادی۔

وقت آہستہ آہستہ سرکنے لگا۔

پہلے احمد صاحب کا انتقال ہوا اور پھر اس گھر کا بٹوارا..... طاہرہ اس گھر میں رہنا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کی ضد تھی کہ یا شائستہ لوگوں کو علیحدہ کریں یا وہ اس گھر میں رہیں گی۔ نفیسہ آپا نے دونوں پورشنز میں دیوار کر لینے کو کہا تھا مگر سعود احمد کو بھی ایک ضد سی بندھ گئی تھی۔ انہوں نے وہ گھر چھوڑ دیا تھا نہ صرف وہ گھر چھوڑا سب تعلق بھی چھوٹے۔ بچے تو مل لیتے تھے مگر بڑوں کی کشیدگی ایسی تھی کہ ملنا ملانا نہ ہونے کے برابر تھا پھر جب دادی جان کا انتقال ہوا تو دونوں بھائیوں کے درمیان کشیدگی بھی ختم ہوگئی۔ لیکن طاہرہ بیگم کی انا برقرار رہی۔ ادھر سعود احمد کی۔ دونوں ایک دوسرے کے گھروں میں نہ آئے نہ گئے۔ دونوں گھروں کے بچے عجیب سی کشیدگی کی زد میں تھے' اس سارے قصے کا پس منظر کیا تھا کوئی بتانے پر آمادہ نہ تھا۔

وقت اپنے اثرات چھوڑتا کافی آگے بڑھ چکا تھا۔ دونوں گھروں میں بچوں کی شادیوں کی باتیں ہونے لگیں مگر جھگڑے کی صورت میں۔

سعید احمد اور سعود نے مرتی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ دونوں بھائی اپنی اولاد کے معاملے میں ضرور کچھ سوچیں گے۔ پرانے تعلق نئے رشتوں کی بنیاد بنیں گے مگر کیا ہوا سعود احمد سعید احمد کے گھر کے جھگڑے سے خائف ہو کر نفیسہ آپا کے بیٹے وقار کے لئے ہاں کر بیٹھے۔ سعید احمد بہت برہم ہوئے۔ پھر راضی ہوگئے۔ عثمان نے زوباریہ کو پسند کر کے ان کی ساری برہمی دور کردی۔ دونوں کی شادی کے بعد ان کا ارادہ سمعان احمد کے لئے نوشین کو مانگنے کا تھا۔ انہوں نے اشاروں میں سعود سے بات بھی کی تھی مگر انہوں نے اس سے پہلے کہ وہ اپنی خواہش کا باقاعدہ اظہار کرتے' اپنے دوست کے بیٹے سے نوشی کا رشتہ طے کردیا تھا۔ سعید احمد ہکا بکا رہ گئے تھے لیکن اب کے انہوں نے دل کی بات کہنے میں دیر نہیں کی تھی۔ سمعان کے لئے زرش کو مانگ کر انہوں نے سعود احمد کو حفاظتی اقدامات کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں دیا تھا۔ مجبوراً انہیں ہامی بھرنا پڑی تھی لیکن اب طاہرہ بیگم کے رویے نے انہیں الجھا دیا تھا۔ دوسری طرف سعود احمد بھی سمعان کے متبادل ڈھونڈ رہے تھے۔ سعید احمد اس بات سے بے خبر تھے مگر وقت کب اور کیسے کس طرف رخ موڑتا ہے کوئی نہیں جانتا۔

زرش سمعان سے متعلق رشتے والی ہر بات سے بے خبر تھی اور یہ بے خبری سب کی دانستہ کوششوں سے تھی۔ وہ اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ یہ گھر یہ ''احمد منزل'' کو جسے دادا جان نے اپنی اولاد کے لئے بڑے ارمانوں سے بنوایا تھا' اس کا ایک حصہ تو آباد تھا مگر دوسرا لاکڈ تھا۔ اس حصے کی صفائی سعید احمد ہر ہفتے اپنی نگرانی میں کرواتے رہتے تھے مگر جب مکین نہ ہوں تو خالی دیواروں کے گھر گھر نہیں بنتے۔

لان کی سب سے اوپری سیڑھی پر کاریڈور کے ستون سے ٹیک لگائے وہ نجانے کب کی سو چکی تھی۔

نہ جانے کیا کچھ یاد کرتے' بیتے لمحوں کے نقش پا ڈھونڈتے وہ کب تک موتی بہاتی رہی تھی۔

آنسوؤں کے نشان اس کے رخساروں پر تھے۔

گھٹنوں میں سر دیئے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی۔

نزدیک ہی اس کا بیگ نوٹ بک اور کتابیں دھری ہوئی تھیں۔

سمعان احمد گاڑی اندر لا کے' پارک کر کے اپنے پورشن کی طرف بڑھ رہا تھا جب اچانک نگاہ اس پورشن کی طرف اٹھ گئی تھی۔ سمعان احمد کو سیڑھیوں پر بیٹھے ستون کے ساتھ ٹیک لگائے گھٹنوں میں سر دیئے' وجود پر حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ آج وہ جلدی اٹھ آیا تھا' کل صبح اسے لاہور ایک ارجنٹ کام سے جانا تھا۔ اس کے لئے اسے ضروری تیاری کرنا تھی۔ تمام ضروری امور اس نے اپنے pc پر نوٹ کر لئے تھے اب صرف پرنٹ نکالنے تھے۔ اسی لئے جلدی لوٹ آیا تھا کہ فریش ہو کر کچھ دیر آرام کر کے وہ کمپیوٹر پر کام کرلے گا۔ مگر اب زرش کو دیکھ کر وہ اپنا بیگ اور چابی ٹیبل پر رکھ کر اسی طرف چلا آیا۔

''زرش.....!'' سمعان نے اسے آواز دی تھی مگر اس کے وجود میں جنبش تک نہیں ہوئی تھی۔

یہ آج یہاں کیسے' اور یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہے۔ کہیں امی سے کوئی جھگڑا وگڑا نہیں ہوگیا۔ پر سوچ نظروں سے اسے دیکھتے سمعان پنجوں کے بل اوپری سیڑھی پر آ بیٹھا تھا۔

''زرش.....'' سمعان احمد نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

''زری!'' وہ بہت گہری نیند میں تھی شاید..... سمعان کو اب تشویش لاحق ہوئی۔

زرش کا گھٹنوں کے گرد لپٹا بازو زور سے ہلا دیا۔

وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔ حیران ہو کر اپنے سامنے گرے کوٹ سوٹ میں پنجوں کے بل بیٹھے سمعان احمد کو دیکھا۔

''آپ.....'' وہ الجھ سی گئی۔ وہ تو شاید کچھ سوچ رہی تھی۔ وہ حیران ہو کر ارد گرد دیکھنے لگی۔

''میں یہاں کیسے آ گئی؟'' اس کا ذہن ابھی بھی بیدار نہیں ہوا تھا۔

سمعان احمد اس کے چہرے پر آنسوؤں کے مٹے نشان' بھیگی پلکیں اور چہرہ بدلتے رنگ پر بغور نظریں جمائے ہوئے تھا۔

دونوں ہاتھوں سے پیشانی کو تھامتے زرش کے ذہن میں ایکدم جھماکا ہوا تھا۔ وہ فرح کے ساتھ کمبائنڈ اسٹڈی کے لئے آئی تھی۔ فرح نے آنے کی خاص تاکید کی تھی۔ مگر تائی کی باتیں سن کر وہ ادھر آ نکلی تھی اور گزری باتوں' بیتے لمحوں کو یاد کرتے آنسو بہاتے نجانے کب آنکھ لگ گئی۔

''کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' اسے یوں بے حواس الجھا الجھا دیکھ کر سمعان احمد کو تشویش لاحق ہوگئی تھی۔

''جی میں ٹھیک ہوں' آپ کب آئے''

سمعان احمد اس کو بغور دیکھ رہا تھا وہ نظریں چرا گئی تھی۔ سیدھی ہو کر کتابیں اٹھاتے پوچھا تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"زرش.....میری طرف دیکھو....." وہ کتابیں اٹھا رہی تھی جب سمعان نے اس کے ہاتھ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا تھا۔ زرش نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کیا بات ہے.....امی وغیرہ نے کچھ کہا ہے؟" اس کے لہجے میں بے حد تشویش تھی۔ وہ ہنس دی۔

"نہیں..... بھائی.....بھلا تائی جان مجھے کیوں کچھ کہیں گی.....میرا اور فرح کا آج کمبائنڈ اسٹڈی کا پروگرام تھا' اسی لئے میں آئی تھی مگر یہاں آ کر اس طرف چلی آئی اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس پورشن میں آ کر میری کیفیت کیا ہوتی ہے اور میں کن احساسات کا شکار ہوتی ہوں۔"

سمعان احمد نے اس کی بات پر گہری سانس لی ورنہ وہ اندر سے ٹھٹک گیا تھا کہ کہیں آج پھر اس کی امی جان سے کوئی تلخ کلامی نہ ہو گئی ہو۔

"تم روئی ہو....." سمعان کے تفہیمی انداز پر وہ شرمندگی سے سر جھکا گئی۔

"بس آنسو نکل آئے۔"

"تمہاری جذباتیت نہیں جائے گی۔ حقیقت کو فیس کرو یہ اسی طرح ہونا تھا۔ تم لوگ یہاں سے نہ جاتے تو ان دونوں حصوں میں دیوار ہوتی۔" سمعان کا لہجہ انتہائی رسانیت لئے ہوئے تھا' وہ الجھ گئی۔

"کیوں؟ بچپن میں بھی تو تائی امی کا یہی رویہ تھا' تب تو ایسی کوئی صورتحال نہ تھی۔ دادا جان کے انتقال کے فوراً بعد ایسی کیا صورتحال ہو گئی کہ معاملہ اس حد تک پہنچ گیا؟" وہ جرح پر اتر آئی تھی۔

سمعان خاموشی سے لب بھینچ گیا۔

"سمعان بھائی مجھے بتائیں' ورنہ کسی دن یہ سب سوچتے میری شریانیں پھٹ جائیں گی۔ جب ہم لوگ اس گھر سے گئے تھے تو میں بہت چھوٹی تھی مگر آپ سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے' ماما' پاپا' تایا ابو اور تائی امی کے درمیان ہونے والا وہ جھگڑا جس کی وجہ سے ہم بے گھر ہوئے تھے' مجھے اچھی طرح یاد نہیں مگر جہاں تک خیال پڑتا ہے آپ سمعان بھائی اور ہادیہ آپی صورتحال کی سنگینی اور اصل نوعیت سے باخبر تھے۔"

سمعان کا وہی ہاتھ جو اس کے ہاتھ کے اوپر تھا اس نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ سمعان لب بھینچ کر دیکھے گیا۔

"زرش! یہاں جو مہین سا پردہ حائل ہے اسے اسی طرح رہنے دو۔ ورنہ تم اس سے زیادہ الجھو گی۔ وقت بہت بڑا استاد ہے وہ سب بتا دے گا۔ صبر کرو۔"

سمعان اس کی گرفت سے ہاتھ نکال کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ زرش نے سر اٹھا کر شکایتی نظروں سے سمعان کو دیکھا۔ اپنے دراز قد سمیت زرش کو وہ اس سے کسی ماورائی کہانی کے کردار شہزادے سے کم نہیں لگا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو.....اٹھو اندر چلو.....وہاں تو شاید کسی کو تمہاری آمد کی خبر بھی نہیں۔" سمعان کی بات پر اس نے سر جھٹکا۔

"بس بات نہیں کریں مجھ سے.....جب آپ مجھے اس طرح ٹالتے ہیں تو بہت برے لگتے ہیں۔

کسی شہزادے کی کہانی کے دیو سے بھی برے۔" منہ پھلا کر کہا گیا تھا۔

سمعان اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔ وہ مزید برہم ہوئی۔

"واقعی پاگل ہوں میں..... ہر دفعہ علم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں بتائیں گے پھر بھی میں بات کہہ کر گنوانے کو پوچھ لیتی ہوں۔ ہر کوئی مجھ سے کچھ نہ کچھ چھپا ہی رہا ہوتا ہے۔ پتہ نہیں ایسے کیا اسرار ہیں جو کھلنے میں ہی نہیں آتے۔"

وہ اب خود سے الجھ رہی تھی۔ سمعان مسکراتی مچلتی نگاہوں سے دیکھے گیا۔ ہلکے فیروزی شیڈ کے سوٹ میں ہم رنگ دوپٹہ لئے' حد سے زیادہ جاذب نظر لگ رہی تھی۔ اس کا انداز لاپروا ہوتا تھا مگر ایک بلور کا سا نازک پن تھا۔ دوپٹہ سلیقے سے سر پر جمایا ہوا تھا۔ چہرے پر بکھرتی سمٹتی خفگی کی اوٹ میں چھپی دھنک آنکھوں کے بلوریں کانچ سے چھلکتی ناراضگی' لاپروائی و بے نیازی اور سب سے بڑھ کر اپنی ذات کی سحر انگیزی سے بے خبر معصومیت و بھولا پن.....

سمعان کے مسکراتے لبوں کی رعنائی یکدم بڑھ گئی۔

آنکھوں کی ضوفشانی میں ان گنت جذبے کروٹ لینے لگے۔

"لاؤ یہ مجھے پکڑاؤ....." بھاری کتابوں کا پلندہ تھام رکھا تھا سمعان نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بے پناہ خفگی سے ان کی سمت دیکھا۔

سمعان کی آنکھوں کے رنگ اس وقت اتنے گہرے تھے کہ ایک لمحے کو زرش کچھ کہہ بھی نہ سکی۔

"نہیں رہنے دیں' اٹھا لوں گی میں خود ہی۔" اس نے سمعان سے بری طرح ناراض ہونے کا سوچ لیا تھا۔ فوراً عمل بھی کیا۔ کالج بیگ کندھے پر ڈال کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی تبھی ہاتھ میں پکڑی کتاب سب سے نچلی سیڑھی پر جا گری۔

"اوف....." وہ کوفت کا شکار ہوئی۔ دو سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگ کر زرش کتاب اٹھانے کو جھکی تو دوپٹہ سر سے سرک کر کندھوں پر آ ٹھہرا۔

"یا اللہ اب نئی مصیبت....." وہ آتے ہوئے نہا کر آئی تھی۔ سنہری سلکی بال اگرچہ بہت لمبے نہیں تھے مگر خوبصورت بے پناہ تھے۔ جھکنے سے آگے آ گئے۔

سمعان احمد کے لئے یہ منظر پہلے سے زیادہ دلکش تھا۔

مہکتے گھنے سنہری بالوں کے ہالے میں اس کا سرخ قندھاری انار کی طرح دہکتا چہرہ ہیروں کی چمک لیے ہوئے تھا۔ سمعان احمد کو اس لمحے اپنا آپ بے بس ہوتا محسوس ہوا۔

"زری....." وہ کتاب اٹھا کر سیدھی ہوئی تو جھٹکے سے بالوں کو پیچھے کر کے سمعان کو دیکھا۔

"ناراض ہو گئی ہو' بہت محبت سے دریافت کیا تھا۔

وہ محسوس کرتی تو پتہ چلتا اس لہجے کے رچاؤ میں کیسے جذبے بول رہے ہیں۔ ان آنکھوں کے والہانہ پن میں کونسے احساسات چھپے بیٹھے ہیں۔

"مگر آپ کو میری ناراضی کی کیا پروا؟ ہٹیں سامنے سے مجھے اندر جانا ہے۔ فرح انتظار کر رہی

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

ہوگی۔"

سمعان اس کے سامنے دیوار کی طرح ایستادہ تھا۔ لمبا دراز قد سمعان کے مقابلے میں وہ بالکل گڑیا ہی لگ رہی تھی۔ چھوٹی سی' نازک سی' سمعان احمد دھیمے سروں میں ہنس دیا۔

"اب ایسا بھی کچھ نہیں۔ جتنی تمہاری ناراضگی کی پروا مجھے ہوتی ہے شاید ہی کسی اور کو ہو۔" اس نے چہرہ پھیر کر سمعان کو دیکھا پھر طنزیہ ہنسی۔

"شکریہ نوازش....." سمعان کی گہری جائزہ لیتی نظروں میں ایک بھرپور عکس تھا۔ جھلملاتا' مسکراتا' وہ کلسی۔

سمعان نے ہاتھ بڑھا کر اس سے کتابیں لے لی تھیں پھر سامنے سے ہٹ گیا۔

"چچی جان نے آنے کی اجازت باآسانی دے دی تھی؟" ساتھ چلتے اس سے پوچھا تو اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"ہمارے اس پورشن کے لان کی مالی دیکھ بھال نہیں کرتا' کتنا ارف ہو رہا ہے سارا لان' چلیں گھاس تو ٹھیک ہے مگر پودے دیکھیں ذرا....." اردگرد جائزہ لیتے وہ رک گئی تھی۔ پھر گلاب کے پودے کی طرف چلی آئی جس پر سرخ پھول تھے مگر پودے کی حالت انتہائی خستہ تھی۔

"اوف.....سب پودوں کا ستیاناس ہو رہا ہے۔ کسی دن میں مالی بابا کو لیکر اتوار کو چکر لگاؤں گی سارے لان کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔"

سمعان اسی طرح کھڑے مسکراتے دیکھتا رہا۔

وہ گلاب کے پودے سے پھول توڑ رہی تھی جبکہ کانٹا اس کی انگلی میں چبھ گیا تھا۔

"سی" اس نے فوراً ہاتھ پیچھے ہٹایا تھا۔

"کیا ہوا؟" سمعان فوراً اس کی طرف آیا تھا۔

"کچھ نہیں کانٹا چبھ گیا ہے۔" دوسرے ہاتھ سے انگلی کو دباتے وہ پھونک مار رہی تھی۔ اس کی انگلی پر سرخ خون کی بوندیں نمایاں تھیں۔ سمعان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بلیڈنگ ہونے لگی ہے۔" سمعان نے ہاتھ کی نرماہٹ اچھی طرح محسوس کی تھی۔ صاف شفاف مخروطی انگلیوں سے سجا روئی کی طرح نرم ہاتھ تھا۔ جسے چھونے سے ہی اس کے وجود کی نزاکت کا احساس پوری طرح اجاگر ہو جاتا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ ظاہر ہے جہاں پھول ہوں گے وہاں کانٹے بھی ہوں گے اور جب بندہ پھولوں سے چھیڑخانی کرے گا تو یقینی طور پر کانٹے بھی چبھیں گے۔ یہ نارمل سا چبھا ہے۔" انگلی کو جھٹکنے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"پکڑو ان کو....." سمعان نے کتابیں اس کے دوسرے ہاتھ میں تھمائی تھیں۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال نکالا اور پھر اس کی انگلی صاف کی۔

زرش ہنس دی۔

"آپ تو سیریس ہو گئے ہیں چھوٹا سا زخم ہے۔"

"زخم چھوٹا ہو یا بڑا.....وہ زخم ہوتا ہے اور زخم کی ہر حال میں پروا کرنی چاہیے ورنہ ناسور بن سکتا ہے۔"

بہت سنجیدہ لہجہ تھا' زرش کی ہنسی تھم گئی۔

"اندر چل کر فرح سے کوئی دوا لے کر لگاؤ۔ زخم چھوٹا ہو یا بڑا نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔"

وہ پھر ہنس دی تھی۔ سمعان اس کی جتنی کیئر کرتا تھا وہ خود پر مغرور ہونے لگتی تھی۔ اب بھی اسے خود پر رشک آیا۔

"ماما سچ کہتی ہیں مجھے بگاڑنے بلکہ لاڈ اٹھا اٹھا کر ضدی بنانے میں سب سے زیادہ ہاتھ آپ کا ہے۔"

اس کی ناراضی ایسی ہی تھی منٹوں میں ختم ہونے والی۔ اس بات پر سمعان احمد بھی مسکرا دیا۔

"زیادہ اٹھلانے کی ضرورت نہیں..... میں لاڈ بھی ایک حد تک اٹھاتا ہوں اور ناجائز بات پر خفا بھی بری طرح ہوتا ہوں۔" سمعان احمد نے اسے ڈرانا چاہا تھا وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ صاف شفاف ہنسی سمعان احمد کے اندر گھنٹیاں سی بجاتی چلی گئی۔

"اوکے مائی لارڈ..... کوئی پروا نہیں.....آپ کی ہر خفگی سر آنکھوں پر۔" برجستہ انداز میں بھرپور کوشش تھی سمعان احمد یک ٹک دیکھے گیا۔

"میں اب اندر چلوں یہ نہ ہو کہ فرح گھر فون کر کے ماما سے پوچھ رہی ہو اور گھر جا کر سر منڈواتے ہی اولے پڑنے والی صورتحال ہو۔" وہ ہنستی مسکراتی اندر بڑھ گئی تھی۔

سمعان احمد کی نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ وہ ان کے پورشن کی سیڑھیوں کو عبور کرتی اندر غائب ہو گئی تھی۔ سمعان احمد نے ایک گہری سانس لیتے ہاتھ میں پکڑے رومال کو دیکھا۔ رومال پر کئی جگہ سرخ بوندوں کے نشان سمعان احمد کے اندر ایک انوکھا احساس جگا گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

آفس میں وہ مصروف تھا جب اس کے سیکریٹری نے کسی ملاقاتی کی اطلاع دی تھی۔

"کون ہے؟"

"سر پتہ نہیں۔ میں نے نام پوچھا تھا مگر وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ سے خود ملنا ہے۔ آپ کو ہی اپنے بارے میں بتائیں گی۔" سیکریٹری کی اطلاع پر شارق زمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے بھیج دیں۔" وہ ابھی بھی فائل کھولے مصروف تھا جب دستک کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا۔ شارق زمان کو سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر ایک جھٹکا لگا تھا۔ اسے زمین و آسمان گھومتے محسوس ہوئے۔ برسوں بعد ہی نہیں شاید زندگی میں وہ پہلی بار اس چہرے کو پورے ہوش و حواس میں اپنے روبرو دیکھ رہا تھا۔

اسے یوں لگا وہ بالکل ساکت ہو گیا ہے۔

BEST UPDATE BLOGSPOT.COM

"السلام علیکم۔"

یہ آواز ہتھوڑے کی صورت میں شارق زمان کو اپنے حواسوں پر لگتی محسوس ہوئی۔ اذیت کی اک لہر اٹھی رگ و پے میں دور تلک سرائیت کرتی چلی گئی۔

"بیٹھنے کو نہیں کہو گے۔"

وہ پتھر کا شاید بن چکا تھا۔ بغیر پلکیں جھپکائے دیکھے جا رہا تھا جب دروازے میں ایستادہ وجود اندر چلا آیا تھا اور اسکے سامنے کھڑا مسکرا کر مخاطب تھا۔

"بدر آرا بیگم۔" شارق زمان کے ہونٹوں پر بے آواز جنبش ہوئی تھی۔

یہ عورت کبھی اس کی ماں تھی مگر.....

وہ نہیں جانتا تھا کہ ممتا کا ذائقہ کیا ہوتا ہے۔

اسے اس عورت کی گود کی گرمی.....

محبت کی نرمی.....

ممتا کی شدت نصیب نہیں ہوئی تھی۔

اس کے سامنے ہلکے سبز لباس میں ملبوس زیورات سے سجی میک اپ سے آراستہ عورت کھڑی تھی۔ جس میں اسے کہیں بھی اپنی "ماں" کی پرچھائیں دکھائی نہ دی تھی۔ اسے یہ عورت صرف "بدر آراء بیگم" دکھائی دی تھی۔

"آفس تو بڑا خوبصورت بنایا ہوا ہے۔ لگتا ہے باپ کا سارا پیسہ تم نے اسی پریس خانے کو اسٹیبلیش کرنے میں لگا دیا ہے۔ بڑا زبردست ہے میگزین اکثر پڑھتی رہتی ہوں میں۔"

بدر آرا بیگم کو شاید توقع تھی کہ وہ اسی طرح پتھر ہو جائے گا اسی لئے بغیر اس کے کسی ردعمل کا انتظار کئے کرسی گھسیٹ کر نہ صرف بیٹھ چکی تھی بلکہ ناقدانہ و سراہتی نگاہوں سے آفس کا بھی جائزہ لیا تھا۔

شارق زمان کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی تھی۔

اشتعال انگیزی کی ایک شدید لہر اٹھی تھی۔

اس نے کرسی کی ہتھیوں کو مضبوطی سے جکڑ لیا۔

دانتوں تلے لب دبا لئے۔

"شہوار نے ذکر کیا تھا تمہارا..... دل تو میرا تم سے ملنے کو ہر وقت بے تاب رہتا ہے مگر جب سے یہ میگزین پڑھنا شروع کیا ہے ہر وقت تمہارے پاس پہنچنے کو دل کرتا ہے۔ ہر دفعہ دل کو مار لیتی تھی کہ شاید تم کیا ردعمل ظاہر کرو۔ فون پر تو تم نے بے عزت کر دیا تھا لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود کو یہاں آنے سے نہ روک پائی۔ میں تمہاری ماں ہوں ایسے کیوں دیکھ رہے ہو۔ پہچان تو لیا ہو گا تم نے..... ہے نا....."

پتہ نہیں ماں کا یہ کونسا روپ تھا اس کے گھر میں جو ماں تھی وہ تو اس عورت کے بالکل برعکس تھی پھر یہ عورت اور اس کی یہ گلفشانی..... شارق زمان کے اندر لاوا پک رہا تھا۔ نجانے وہ خود پر کیسے کنٹرول

کر رہا تھا۔

آواز میں مضبوطی رقت آمیزی طاری کئے وہ عورت اسے صرف ایک طوائف لگی تھی اور کچھ نہیں۔

یہ عورت اسے صرف جنم دینے کا سبب بنی تھی اور اس کے والد کی زندگی میں صرف اپنے نفس کی بھوک مٹانے آئی تھی۔ دولت پر لٹو ہو جانے والی عورت بیٹی کو لے کر بھاگ جانے والی عورت اس کی ماں کیسے ہو سکتی تھی۔

نجانے وہ اپنے آپ پر کیسے کنٹرول کر رہا تھا وہ خود بھی حیران تھا۔

اس عورت کو ملیامیٹ کر دینا اپنے جنون کے ہاتھوں تباہ و برباد کر دینا اس کا خواب تھا اور اب یہ سامنا بھی ہوا تو کس موڑ پر.....

"کیوں آئی ہو تم یہاں بدر آرا بیگم....."

وہ جب بولا تو اس کا لہجہ انتہائی سرد، سفاک اور جامد تھا۔

ٹھٹھرا دینے والا سرد پن تھا۔

ایک لمحے کو اس کے لہجے کی چٹانی سختی پر بدر آراء بیگم بھی خائف ہوئی تھی۔

"میں تم سے ملنے..... میرا دل....."

"شٹ اپ....." لاوا ایکدم پھٹ پڑا تھا۔

اس نے ہاتھ مار کر ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے پرے پھینک دی تھی۔

فائلیں دور جا گری تھیں۔

بدر آرا بیگم تو ایک لمحے کو ڈر سی گئی تھی۔ ادھورے لفظ حلق میں ہی کہیں اٹک گئے۔

"تم جیسی کاروباری ذہنیت رکھنے والی عورت کیا جانے کہ دل کیا ہوتا ہے؟ رشتے کیا ہیں؟ ماں کیا ہوتی ہے؟ تم بدر آراء بیگم مطلب کی بات کرو برسوں بعد شاید زندگی میں پہلی بار تم میرے سامنے آئی ہو۔ کونسی مطلب براری ہے جو تمہیں یہاں تک کھینچ لائی ہے وہ بولو....."

گرجتا برستا پھنکارتا لہجہ تھا بدر آراء بیگم تو ششدر رہ گئی۔

اتنی نفرت اتنی تذلیل وہ شاید کسی اور ہی تصور میں یہاں تک چلی آئی تھی مگر اب.....

"میرا باپ ایک شریف عزت دار آدمی تھا۔ اس کی بدقسمتی کہ بیوی ہونے کے باوجود تم جیسی بدچلن بدکردار طوائف عورت کے چنگل میں پھنس گیا۔ تم نے اس کی محبت وفاداری شریف النفسی کا کیا خوب تحفہ دیا کہ اس کے خاندان کی عزت کو چوروں کی طرح چرا کر لے گئی۔ مجھے اس لئے چھوڑ گئی کہ میں تمہارے دھندے پر پورا نہیں اترتا تھا اور شاید اس میں بھی تمہاری کوئی پلاننگ تھی۔ تمہارے بڑھاپے کے لئے شاید واپسی کی راہ کھلی رہنے کی ایک امید..... یا شاید میرے باپ کی جائیداد کا لالچ..... شاید بلیک میلنگ کا کوئی ذریعہ..... مگر افسوس میں نے تمہاری جیسی عورت کے پیٹ سے جنم ضرور لیا ہے مگر میری ماں میرے گھر میں ہے جس کی عزت وفاداری پاکبازی کی قسم ایک زمانہ کھاتا ہے جس کا چہرہ غیر محرم کی نظروں سے اس طرح پاک صاف ہے جس طرح وہ ہونا چاہئے۔ میں شکر ادا

PDF FILE.BLOGSPOT.COM

کرتا ہوں مجھے تربیت دینے والے ہاتھ تمہارے نہیں' اس ماں کے تھے جو کھانے کے لقمے بنا کر میرے منہ میں ڈالتے ہوئے بھی قرآن کی آیتوں کا ورد کرتی تھی اور تم..... حقیقت کیا ہے تمہاری..... تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا میں تم پر اور تمہاری بے حیا بیٹی پر..... میں نے تمہیں پہلے بھی منع کیا تھا میرے سامنے کبھی مت آنا..... دفعہ ہو جاؤ یہاں سے..... دفعہ ہو جاؤ۔" ادھر سے ادھر چکر لگاتے چیختے چلاتے اپنے اندر کے لاوے کو وہ باہر نکال رہا تھا۔

بدر آراء بیگم شاید یہ توقع نہیں کر رہی تھی۔

اس قدر تذلیل کا شاید اسے امکان نہیں تھا۔

"شارق زمان....." اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"خبردار..... تمہاری غلیظ زبان سے میں اپنا نام سنا بھی پسند نہیں کرتا۔ تم یہاں سے چلی جاؤ اس سے پہلے کہ میں تمہاری طرح کمینگی کے مظاہرے پر اتر آؤں۔ تم جیسی عورت مجھے جنم دینے کا سبب ضرور بنی ہے مگر میری رگوں میں جس عزت دار شریف گھرانے کا خون ہے وہ مجھ سے جو تقاضا کرتا ہے' یہ نہ ہو کہ میں اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھوں۔ وہ کام جو میرا باپ نہ کر سکا میں کر دکھاؤں۔ تم یہاں سے چلی جاؤ..... ابھی اسی وقت..... فوراً....."

اذیت' شدت پسندی غیظ بھرے لہجے کا مظاہرہ کرتے وہ واقعی ہوش وحواس کھونے کو تھا۔

بدر آراء بیگم ڈر گئی کہ کہیں واقعی وہ اسے کچھ کہہ نہ دے۔

"میں تم سے بات....."

"دفعہ ہو جاؤ..... آئی سے گیٹ لاسٹ۔"

اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر شارق زمان پھٹ پڑا تھا۔

بدر آراء بیگم خوفزدہ ہو کر باہر بھاگی تھی۔ اگر وہ ایک لمحہ بھی مزید وہاں ٹھہرتی' شارق زمان اپنے ہاتھوں سے اس کا گلہ دبانے میں قطعی دیر نہ لگاتا۔ اس کے تیور یہی بتا رہے تھے۔

"آئی ہیٹ یو..... گو ٹو ہیل....."

دروازے کو زور سے بند کرتے وہ چیخا تھا' پوری قوت سے' کمرے میں اس کی آواز گونج اٹھی تھی۔

وہ درد وہ شدت پسندی اور اشتعال انگیزی جس کے مظاہرے سے وہ خود کو ہر بار روکتا تھا' بڑی مشکل سے خود کو سمجھا بجھا کر راضی کرتا تھا۔ ایک دم اس نے اسے بے حواس کر دیا تھا۔ وہ ٹوٹے ہوئے اعصاب لئے سائیڈ پر رکھے صوفے پر گر گیا تھا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

فرح اور زرش کے دسمبر ٹیسٹ کے سلسلے میں صرف دو پیپرز باقی تھے۔ سعود احمد نے اسلام آباد جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ کچھ اپنی طبیعت کی وجہ سے ڈاکٹر کے مشورے پر اور کچھ عثمان ہادیہ کے بار بار فون پر ان کے ہاں آنے کی دعوت پر انہیں اپنا پروگرام سیٹ کرنا ہی پڑا تھا کہ آؤٹنگ بھی ہو جائے گی اور طبیعت بھی سیٹ ہو جائے گی۔ زرش کے ٹیسٹ ختم ہوتے ہی اگلے دن روانگی کا پروگرام تھا۔

نوشین اور زرش بہت زیادہ ایکسائیٹڈ تھیں' کتنے عرصے بعد یوں کہیں جانے کا پروگرام بنا تھا۔ بچپن میں وہ ہر سال مری' لاہور وغیرہ کا ایک چکر ضرور لگاتے تھے مگر پھر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ کم ہوتا چلا گیا تھا۔ اب بھی تقریباً ایک دو سال بعد یہ پروگرام بنا تھا۔ زرش نے فون کر کے ہادیہ کو بتایا تو اس نے ساتھ جانے سے معذرت کر لی۔

نفیسہ پھپھو کو اب اکثر جوڑوں کا درد لاحق رہنے لگا تھا۔ اکثر رات کو ان کی تکلیف بڑھ جاتی تھی۔ بیٹیاں ان کی ساری بیاہی جا چکی تھیں۔ گھر میں صرف ہادیہ ہی ہوتی تھی۔ سعد امریکہ میں اور جمال ماموں اور وقار بھائی سارا دن آفس میں' ایسے میں ہادیہ آپا کا دل پھپھو کو تنہا چھوڑ کر جانے کو نہیں چاہتا تھا۔

شائستہ بیگم اس کی مجبوری سمجھتی تھیں' اسی لئے انہوں نے نوشی اور زرش کو خود ہی منع کر دیا تھا کہ وہ ہادیہ کو ساتھ چلنے پر مجبور نہ کریں۔ دونوں کے دل مرجھا سے گئے تھے۔ ان کے ہر پروگرام میں ہادیہ ضرور شامل ہوتی تھی مگر اس دفعہ.....

غفان سے زرش نے بات کی تو اس نے بھی معذرت کر لی کہ ان دنوں اسے اپنے کام کے سلسلے میں چند دنوں کے لئے آؤٹ آف سٹی جانا تھا۔ زرش منہ بنا کر رہ گئی۔

فرح اور علی تیار تھے تایا ابو سے اس نے بات کر لی تھی۔ وہ خود تو نہیں جا سکتے تھے کہ سعود احمد کے بعد سارا کام انہیں دیکھنا تھا۔ طاہرہ بیگم تو ویسے ہی نہیں جانا تھا۔ البتہ انہوں نے فرح علی اور سمعان کے سلسلے میں اجازت دے دی تھی۔ سمعان احمد بزنس کے کام کے سلسلے میں دو دن کے لئے لاہور گیا تھا مگر وہاں جا کر اسے دو کے بجائے پانچ دن لگ گئے۔ زرش شدت سے منتظر تھی کہ سمعان واپس آئے تو ان سے بات کرے کہ وہ بھی ان کے ساتھ اسلام آباد چلیں مگر سمعان کی واپسی ممکن ہی نہیں ہو رہی تھی۔

BOOKSFIFF.BLOGSPOT.COM

"کیا مصیبت ہے یار! خدا خدا کر کے بڑی مشکلوں سے ایک عرصے بعد پروگرام بنا ہے۔ سوائے فرح اور علی کے ہمارے ساتھ کوئی اور چلنے کو راضی ہی نہیں ہے۔"

وہ پیپر دے کر کالج سے لوٹی تھی۔ کھانا کھا کر اس نے یونہی سمعان کا نمبر ملایا تھا۔ مگر اس نے کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ ان کے گھر کے نمبر سے کی جانے والی سمعان کال ڈراپ کر دے۔ اس نے آفس کا نمبر ملایا۔ سمعان کسی میٹنگ میں تھا اس نے لاہور آفس کے سیکریٹری کو سمعان سے بات کروانے کو کہا تھا۔ سمعان نے کال ریسیو بھی کر لی تھی مگر جب زرش کی آواز سنی تو فوراً ڈانٹ دیا تھا۔

"تمہیں سکون نہیں ہے..... میں اس وقت اتنا مصروف ہوں فی الحال وقت نہیں ہے میرے پاس..... تھوڑی دیر بعد فارغ ہو کر بات کروں گا۔"

زرش سے اس لہجے میں سمعان نے کبھی بات نہیں کی تھی۔ مگر اب سمعان احمد کے لہجے پر غصہ آ رہا تھا ریسیور پٹخ کر اس نے غصے سے کہا تو نوشی حیران ہوئی۔

"خیریت.....؟"

"سمعان بھائی لاہور جا کر بیٹھ گئے ہیں۔ پتہ نہیں ایسے کون سے کام ہیں جو ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہے۔ ابھی کال کی ہے میں نے سوچا کہ ان سے بات کر لوں وہ بھی ہمارے ساتھ جا رہے ہیں کہ نہیں مگر ڈانٹ کے رکھ دیا ہے کہ بہت مصروف ہوں فرصت نہیں ہے میرے پاس..... تھوڑی دیر بعد بات کروں گا۔"

اس نے باقاعدہ سمعان کے لہجے کی نقل اتاری تھی۔ نوشین ہنس دی۔

"تمہیں غصہ نہیں آ رہا ہے، ہادی آپا بھی نہیں جا رہیں۔ عفان بھائی نے بھی منع کر دیا ہے بس فرح اور علی تیار ہوئے ہیں۔ سمعان بھائی کا کچھ پتا ہی نہیں ہے۔"

وہ دونوں اس وقت لاؤنج میں تھیں اور ماما کمرے میں جبکہ پاپا آفس میں۔ طبیعت تو ان کی نارمل ہی تھی۔ آفس بھی جا رہے تھے مگر ڈاکٹر نے زیادہ کام کرنے سے منع کیا تھا۔

"ہو سکتا ہے اس دفعہ سمعان بھائی ہمارے کسی پروگرام میں شریک نہ ہوں۔ تایا ابو تو آفس کا کام سنبھالتے ہیں، باقی سارے جھمیلے میٹنگز ملاقات وغیرہ سب کچھ وہی ہینڈل کرتے ہیں۔ اس آفس سے اس آفس تک سارا دن ان کی ورزش ہوتی ہے۔ پاپا کے جانے کے بعد تایا ابو اکیلے شاید نہ سنبھال پائیں ہو سکتا ہے سمعان بھائی اس دفعہ نہ جائیں۔"

نوشی نے آرام سے بتایا تھا۔

"نہیں..... سمعان بھائی کے بغیر بھلا کوئی مزہ آئے گا۔ ہمیں اکیلے جا کے بھی پھر کیا کرنا ہے۔ رہنے دیتے ہیں۔ ہادی آپا، سمعان بھائی کے بغیر بھلا کچھ اچھا لگے گا۔"

وہ الجھ گئی تھی نوشی چپ ہی رہی۔ اگلے ایک گھنٹے تک وہ پیپر کی تیاری کے بجائے نوشی کا دماغ ہی چاٹتی رہی تھی۔

سہ پہر ڈھل رہی تھی جب سارا دن کڑھتے اس کی ذرا آنکھ لگی تھی۔ سرہانے رکھے ٹیلی فون اسٹینڈ پر فون کی تیز بزر نے اسے ہڑبڑا کر اٹھا دیا تھا۔

"لاحول ولاقوۃ" بمشکل ہی تو سو پائی تھی، سمعان سے بات نہ کرنے کا تناؤ تھا کہ پیپر بھی اچھی طرح یاد نہیں کر پا رہی تھی۔ اور اب یہ فون.....

اس نے فون کو گھورا۔

اٹھ کر سی ایل آئی پر جگمگاتے نمبر کو دیکھا تو ساری کلفت ایک دم کافور ہو گئی۔ لاہور آفس کا نمبر تھا۔ اس نے فوراً ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو؟" سمعان کی آواز سن کر اس کا پچھلا رویہ یاد آ گیا۔

"بڑی جلدی یاد آ گیا پوچھنا۔ آپ تو بڑے مصروف تھے۔ وقت نہیں تھا آپ کے پاس، ہم سے بات کرنے کو..... اس نمبر پر بات کرنے کی اب فرصت کیسے مل گئی آپ کو۔" اس کے طنزیہ لہجے پر سمعان احمد ہنس دیا۔

"بہت مصروف تھا یار! بہت اہم میٹنگ تھی۔ یوں سمجھ لو کچھ گھپلے تھے، مارکیٹنگ منیجر سے ڈسکشن کر رہا تھا۔ موڈ بہت خراب ہو رہا تھا میرا اس وقت، اوپر سے تمہاری کال شاید کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا میں..... خیریت تھی نا....." سمعان احمد جیسے بہت سہولت اور فرصت سے بات کر رہا تھا۔ آخر میں اس کے استفسار پر اس کے اندر کوفت کا سارا غبار چھٹ گیا تھا۔

"بالکل خیریت نہیں تھی۔ اب بھی آپ کال نہ کرتے تو پانی پت کی لڑائی سے بھی شدید جھڑپ ہوتی۔ جب سے کالج سے لوٹی ہوں آپ کا نمبر ملا کر میری انگلیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ اوپر سے آپ کا بیزار ڈانٹنے والا انداز..... دل چاہ رہا تھا کہ میرے سامنے ہوں تو....."

"تو" کے آگے اس کی سوچ ہی نہیں جا سکی تھی۔

"تو کیا کرتی.....؟"

"تو بہت زیادہ لڑتی آپ سے۔" اس نے فوراً کہا تھا۔ "پانچ دن ہو گئے ہیں آپ کو لاہور جا کر ڈیرے جمائے ہوئے۔"

"آیا تو واقعی میں دو دن کے لئے تھا مگر یہاں آ کر ایسا الجھا کہ فرصت ہی نہیں مل پا رہی۔ اس دفعہ لاہور کا وزٹ لمبا ہو گیا تھا۔ پچھلے وزٹ میں مارکیٹنگ اور اکاؤنٹ منیجر کا سلیکشن کر کے میں کراچی آیا تھا لیکن اس دفعہ ان دونوں بندوں نے ملی بھگت سے ایسے گھپلے کئے ہوئے ہیں کہ میں حقیقت میں چکرا کر رہ گیا ہوں۔ چچا جان کو پچھلے دنوں یہاں سے مسلسل بریفنگ مل رہی تھی۔ ان کے علم میں یہ بات تھی شاید اس مسئلے کی انہوں نے ٹینشن لی تھی کہ طبیعت زیادہ بگڑ گئی۔ اسی لئے مجھے خود آنا پڑا تھا۔ معاملہ اچھا خاصا سلجھ گیا ہے۔ شاید کل تک میں واپس آ جاؤں۔"

سمعان کی بات پر وہ خاموش ہی رہی کہ بزنس کے جھمیلوں میں اس کی معلومات صرف کتابی حد تک

BESTURDU.BLOGSPOT.COM

تھی۔ اس کی خاموشی پر سمعان کو احساس ہوا تو خود ہی بات پلٹ دی۔

"کال کیوں کی تھی۔ خیریت تھی نا۔"

"پاپا کچھ دنوں کے لئے آؤٹ آف سٹی جانے پر راضی ہو گئے ہیں۔ پتا ہے سمعان بھائی پاپا نے اسلام آباد جانے کا پروگرام بنایا ہے۔ پرسوں روانہ ہو رہے ہیں۔ ہم لوگ کل ہمارا لاسٹ پیپر ہے۔"

زرش کو بھی یاد آیا تو فوراً اصل بات بتائی۔

"ہاں جانتا ہوں میں۔ چچا جان تو شاید جانے کو راضی ہی نہیں تھے مگر عثمان بھائی اور ابو کے اصرار پر انہیں بمشکل آمادہ کر پایا ہوں میں۔ اچھا ہے کچھ دنوں اسلام آباد رہ آئیں طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا۔ یہاں کے کام میں اور ابو دیکھ لیں گے۔"

"تو کیا آپ نہیں جا رہے ہمارے ساتھ؟" سمعان کی بات پر وہ ایکدم متفکر ہوئی تھی۔

"نہیں..... ان دنوں تو بالکل فرصت نہیں ہے۔ کل کراچی پہنچوں گا تو شام کو ہی کچھ لوگوں سے ملنا ہے۔ بہت سے کام جو میرے ذمے ہیں ادھورے پڑے ہیں۔ پھر چچا جان کی غیر موجودگی میں ابو پر بہت بوجھ آ پڑے گا۔"

سمعان نے سلیقے سے اپنی مصروفیات کی فہرست گنوائی تھی۔

"کوئی نہیں..... آپ جا رہے ہیں ہمارے ساتھ۔ یہاں کے کام ہو جائیں گے۔ اتنے ورکرز ہیں کسی بھی امپلائز کو کہئے گا وہ کر لے گا۔ آپ بس ہمارے ساتھ جا رہے ہیں۔ میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔"

"سوری یار..... میرے پاس بالکل فرصت نہیں ہے۔ تم جانتی تو ہو کہ....." سمعان نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اس نے ایکدم برہمی سے ان کی بات کاٹ دی۔

"بہانے نہیں بنائیں میرے سامنے..... اتنے عرصے بعد یہ پروگرام بنا ہے۔ اگر آپ نہیں جا رہے تو میں پاپا کو کہہ دیتی ہوں وہ ماما کے ساتھ چلے جائیں' ہم نہیں جاتے۔ ہادیہ آپا کی اپنی مصروفیات ہیں' عفان بھائی بھی منع کر چکے ہیں اور آپ بھی..... یوں کہیں آپ تائی امی کی وجہ سے ہمارے ساتھ جانا نہیں چاہتے۔" انتہائی ناراضگی سے اس نے بات مکمل کی تھی۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو۔ ہر معاملے میں ضد اچھی نہیں ہوتی۔ امی کا اس پروگرام سے بھلا کیا ذکر، پہلے بھی تو تم لوگوں کے ہر پروگرام میں میں جاتا رہا ہوں انہوں نے کبھی منع نہیں کیا، اس دفعہ مصروف ہوں۔ فرصت ہوتی تو ضرور چلتا۔" سمعان نے رسانیت سے کہا تھا۔ زرش نے خفگی سے سر جھٹکا۔

"آپ کسے بہلا رہے ہیں مجھے یا اپنے آپ کو..... بات فرصت کی نہیں بات یہ ہے کہ آپ خود بھی جانا نہیں چاہ رہے۔ پہلے بات اور تھی آپ کی شادی کا ایشو نہیں چل رہا تھا' اب بات اور ہے اور یقیناً ہمارے ساتھ جائیں گے تو تائی امی ناراض ہوں گی' پہلے بھی تو آپ ہماری خاطر ہر مصروفیت کو پس پشت ڈال لیتے تھے جب کہ اب....." خفگی سے وہ بات ادھوری چھوڑ گئی۔

دوسری طرف سمعان بالکل خاموش تھا۔

"اس پروگرام سے میری شادی کے ایشو کا بھلا کیا تعلق؟"

"یہ تو آپ اپنی والدہ ماجدہ سے ہی پوچھیں تو بہتر ہے۔ میرے علم میں تو اب اور بھی بہت کچھ ہے۔ بڑی لمبی سوچ میں ہیں تائی امی..... قیصرہ خالہ کی نظر آپ پر ہو یا نہ ہو تایا ابو کی جائیداد پر ضرور ہے۔ آپ نہ سہی فرح تو ہے ناں۔ ویسے امجد بھائی فوزیہ آپی کے مقابلے میں خاصے ڈیسنٹ اور معاملہ فہم ہیں۔ نجانے قیصرہ خالہ کے ہاں ایسا شخص کیسے پیدا ہو گیا تھا۔"

اس دن تائی امی کی گفتگو گھر آ کر یاد کرتے بہت سے پوائنٹس اس کی ناقص عقل میں آئے تھے۔ اپنے بارے میں وہ ابھی بھی گومگو کی کیفیت میں تھی لیکن قیصرہ خالہ کی سمعان احمد کے لئے فوزیہ کے رشتے کے سلسلے میں دلچسپی اور فرح کا نام کسی لالچ کی عکاسی کر رہا تھا کسی کو بھی صاف دکھائی دے رہا تھا اس نے اس گفتگو کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا مگر اب جذباتی لہجے میں وہ سب کہہ گئی اور پھر زبان دانتوں تلے دبا لی۔

دوسری طرف سمعان کا ری ایکشن اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ زری..... کیسی جائیداد..... یہ فرح اور امجد کی کیا بات ہے؟" اپنے معاملے میں وہ زرش سے کیا کبھی نوشی سے بات کرنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا لیکن فرح کے معاملے میں فوراً سنجیدہ ہوا۔

"کچھ نہیں بس یونہی زبان پھسل گئی۔"

زرش کہہ کر پچھتائی کہ اصل صورتحال سے وہ خود بھی بے بہرہ تھی۔ وہ اسے بھلا کیا بتاتی؟ یکطرفہ گفتگو سے اسے جو سمجھ آ رہا تھا ہو سکتا ہے معاملہ اس کے برعکس ہو۔

"کچھ بھی نہیں..... مذاق کر رہی تھی میں۔" اس نے فوراً ٹالا۔

"زرش....." سمعان نے ٹوکا تھا۔ "مجھے اصل بات بتاؤ..... یہ فرح اور امجد کا کیا قصہ ہے۔"

سمعان احمد بالکل سنجیدہ تھا۔ زرش کو ہنسی آ گئی۔ اسے ایک دم سمعان کو زچ کرنے کو شرارت سوجھی تو کہہ دیا۔

"کوئی قصہ وصہ نہیں ہے۔ میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔ آپ بتائیں' ہمارے ساتھ جا رہے ہیں کہ نہیں۔" ہنسی دبا کر اس نے دوبارہ پوچھا تو دوسری طرف چند ثانئے کو بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

"میں نے اسی لئے کال کی تھی، علی اور فرح تو جا رہے ہیں' تایا ابو سے آپ تینوں کی اجازت مل چکی ہے مجھے، اگر آپ نہ گئے نا تو پھر دیکھئے گا میں کیا کرتی ہوں۔ مجھ سے کبھی کلام کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں فرصت کا کہہ کر آپ مجھے بہلا لیں گے۔ کیا میں آپ کو نہیں جانتی' آپ کو نہیں سمجھتی۔ اب میں اتنی بچی بھی نہیں ہوں کہ معاملے کی اصل نوعیت نہ جان سکوں۔"

دوسری طرف سمعان نے گہری سانس لی تھی۔

"تم اپنی سوچ میں آزاد ہو' میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اسلام آباد جانے کا میرے پاس ابھی تو وقت نہیں

FEEFSTUFF.BLOGSPOT.COM

ہے۔ کل کراچی آ رہا ہوں ابھی تو بہت سے کام باقی ہیں۔ پھر تم سے تفصیلی بات ہوگی اور ذرا یہ جو بات یونہی کہہ دی ہے۔ فرح اور امجد کے سلسلے میں جو زبان پھسلی ہے کوئی کہانی گڑ لینا۔ آؤں گا تو تفصیل سنوں گا۔ فی الحال اللہ حافظ۔"

دوسری طرف سمعان احمد نے فون بند کر دیا تھا وہ ریسیور کو گھورتے کلس کر رہ گئی۔

"سمعان بھائی آپ کو ہر حال میں جانا ہوگا اگر نہ گئے تو پھر دیکھئے گا میں کیا کرتی ہوں۔"

ریسیور واپس کریڈل پر جماتے وہ پرسوچ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

کل پیپر تھا ابھی اسے اچھی خاصی تیاری بھی کرنی تھی۔

رات کے کسی پہر واجدہ خالہ واش روم سے گر گئی تھیں۔ شاکرہ جو اس رات شارق زمان کے گھر نہ آنے کی وجہ سے ان کے کمرے میں ہی تھی پریشان ہوگئی تھی۔ واجدہ بیگم بے ہوش ہو چکی تھیں۔ شاکرہ نے شارق کا موبائل نمبر ملایا تھا مگر وہ آف تھا' پھر اس نے ظہور بابا کو بلوایا انہوں نے فون کر کے نواز کو واجدہ بیگم کے گرنے اور مسلسل بے ہوشی کی اطلاع دی تھی۔ نواز کال سنتے ہی چلا آیا تھا۔ واجدہ بیگم کی طبیعت سیریس تھی۔ شاید دوسری ٹانگ میں بھی کوئی فریکچر کا مسئلہ ہو گیا تھا۔ وہ مسلسل ہوش و خرد سے بے گانہ تھیں۔ نواز نے انہیں فوراً ہاسپٹل پہنچایا تھا۔

نواز نے شارق کے نمبر پر کئی بار کال کی تھی مگر کوئی رسپانس ہی نہ ملا۔ تنگ آ کر اس نے خالدہ چچی کے ہاں نمبر ملایا اور نبیل کو واجدہ بیگم کی ساری کنڈیشن بتا کر فوراً ہاسپٹل پہنچنے کو کہا تھا۔

نبیل کے ساتھ خالدہ بیگم اور نویرہ بھی ہاسپٹل پہنچے تھے۔ واجدہ بیگم رات کے کسی پہر واش روم میں گئی اور وہیل چیئر الٹ گئی تھی کچھ گرنے اور اپنے وجود کے دباؤ کی وجہ سے ان کی دوسری ٹانگ بھی فریکچر ہو چکی تھی۔

ایک گھنٹے بعد ان کو ہوش آ گیا تھا مگر ٹانگ کے فریکچر کی تکلیف ان سے برداشت کرنا ممکن نہ تھا ڈاکٹرز نے ان کو دوبارہ ٹرینکولائزر کے زیر اثر ہوش و حواس سے بے گانہ کر دیا۔

نویرہ اور خالدہ بیگم متفکر آنسو بہاتے ان کی صحت یابی کی مسلسل دعائیں مانگتی رہیں جبکہ نبیل اور نواز ادھر ادھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔

ساری رات گزر گئی صبح تک ان کی ٹانگ کی سرجری ہو چکی تھی۔ وہ ابھی بھی ہوش و حواس سے بے گانہ تھیں۔ سرجری کے بعد ڈاکٹرز نے انہیں روم میں شفٹ کر دیا۔ شارق ابھی لاپتہ تھا' نبیل اور نواز کو رہ رہ کر شارق کی لاپروائی غیر ذمے داری پر تاؤ آ رہا تھا۔ اس کی عادات و روٹین سے وہ بے خبر تھے مگر اماں کے سلسلے میں وہ اس حد تک غیر ذمہ دار ہوگا انہیں اندازہ نہیں تھا اگر شاکرہ واجدہ بیگم کے پاس نہ ہوتی تو نجانے اب تک کیا ہو چکا ہوتا۔ وہ دونوں ہی اس "کیا ہو چکا ہوتا" کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔

واجدہ خالہ کے روم میں منتقلی کے بعد خالدہ بیگم اور نویرہ دونوں ان کے پاس چلی آئیں۔

خالدہ بیگم بہن کو چت لیٹے سفید چادر میں چھپے وجود کو دیکھ کر رو دیں۔ ان کی یہ بہن بے انتہا

صبر والی' شاکر خاتون تھیں۔ کیا کچھ نہیں سہا تھا انہوں نے۔ شوہر کی بے وفائی و کج ادائی' غیر عورت کی تحقیر و ذلت اور سب سے بڑھ کر اولاد نرینہ سے محرومی۔

"امی حوصلہ کریں۔ میری نبیل بھائی سے بات ہوئی ہے۔ کہہ رہے تھے کہ فکر والی زیادہ بات نہیں' بس گھٹنے کے اوپر سے ٹانگ کی ہڈی ٹوٹی ہے سرجری ہوگئی ہے' انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

خالہ اماں کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا اپنا دل بھی بھر آنے کو تھا مگر خود پر صبر کر کے ماں کو سمجھایا۔

"صبر ہی تو کر رہی ہوں اب تک..... آپا کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی مجھ سے۔ میری اتنی صابر' گنوں والی آپا کے ساتھ یہ سب بھی ہونا تھا۔ ساری عمر شارق کے لئے انہوں نے اپنا آپ مار ڈالا مگر نتیجہ کیا نکلا ہے۔ اس شخص کو پروا ہی نہیں۔ پتہ نہیں کہاں ہے؟ سوتیلی سہی ماں تو تھی۔ کچھ تو خیال کیا ہوتا اس نے۔" وہ دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

نویرہ خاموشی سے سنتی رہی کہ وہ سچ کہہ رہی تھیں' اس کا اپنا دل اس وقت چاہ رہا تھا کہ کہیں سے شارق زمان کو ڈھونڈ لائے اور اس کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجوڑ ڈالے' آخر کس جرم کی سزا وہ بڑی اماں کو دے رہا تھا۔ اس نے آنکھوں میں آئی نمی پوروں سے صاف کی۔

اماں کو وہیں چھوڑ کر کمرے سے باہر آئی تو سائیڈ کی چیئر پر نبیل اور نواز دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ دو فرد کمرے میں جا سکتے تھے اسی لئے وہ دونوں باہر تھے۔

نواز نے اسے دیکھا دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے کافی پژمردہ سی دکھائی دی۔

"دیکھ لیا بڑی اماں کو....." نبیل کے استفسار پر اس نے سر ہلایا۔

"نبیل بھائی اماں بہت پریشان ہو رہی ہیں' آپ ایسا کریں انہیں لے کر گھر چلے جائیں یہاں وہ خالہ امی کو دیکھ کر متفکر ہی ہوتی رہیں گی۔" دوپٹے سے سرخ ناک رگڑتے ہوئے اس نے کہا تو نبیل کو بھی یاد آیا اور اس نے پلٹ کر نواز کو دیکھا۔

ٹوٹے بکھرے اعصاب' گزری رات کی خستہ حالی و پریشانی۔

وہ واجدہ خالہ کی وجہ سے بڑا خوار ہوا تھا۔

"ہاں صحیح ہے نواز یار تم ایسا کرو اماں کو لے کر گھر چلے جاؤ' انہیں ہمارے ہاں چھوڑ دینا یہاں میں اور نویرہ ہیں۔ ساری رات تم پریشان ہوتے رہے ہو جا کر تھوڑا سا ریسٹ کر لو ویسے بھی اب صبح ہو چکی ہے اماں کی خراب طبیعت کا سن کر یہاں کوئی نہ کوئی آ ہی جائے گا۔" نویرہ نے خاموشی سے نواز کو دیکھا' واقعی رات جس طرح وہ بڑی اماں کے لئے بھاگ دوڑ کر رہا تھا' وہ لوگ تو کافی بعد میں یہاں پہنچے تھے۔ نجانے وہ اماں کو لے کر یہاں کیسے پہنچا تھا اگر کچھ دیر ہو جاتی تو نجانے ان پر کیا بیتتی۔

نویرہ کے دل میں نواز کے لئے موجود احترام مزید گہرا ہوا۔

"ہاں تھوڑی دیر بعد چلا جاتا ہوں ابھی ہلکا ہلکا اندھیرا باقی ہے۔"

شب خوابی کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں بالوں کو انگلیوں سے بکھیرتے اس نے یونہی سامنے نظر اٹھائی تو شارق کو آتے دیکھ کر رک گیا۔ نبیل اور نویرہ نے بھی اس کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ تیز تیز قدم

POKSTUFF.BLOGSPOT.COM

اٹھاتا شارق زمان سیڑھیاں چڑھتا اوپر ہی آ رہا تھا۔

نویرہ نے لب بھینچ لئے۔

"میں دیکھوں اماں کیا کر رہی ہیں۔" وہ منظر سے ہٹ گئی تھی۔

"کیا حال ہے اماں کا....."

دونوں لب بھینچے اسے صرف گھور رہے تھے۔ شارق الجھا۔

"تم دونوں جواب کیوں نہیں دے رہے۔ میں پوچھ رہا ہوں اماں کیسی ہیں۔" اس نے پہلے سے زیادہ پریشانی سے پوچھا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ گھر پہنچا تھا۔ شاکرہ سے ساری صورتحال کا علم ہوا تھا۔ نواز شاکرہ کو ہاسپٹل کا بتا کر آیا تھا وہ فوراً یہاں بھاگا تھا مگر اب ان دونوں کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔

"تم کون ہوتے ہو یہ سوال کرنے والے' تمہاری بلا سے وہ جائیں بھاڑ میں۔" نبیل جو شارق زمان کی اس غیر ذمہ داری پر تپا بیٹھا تھا۔ ایک دم طیش میں آ گیا۔

"تم....." شارق کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ انتہائی طیش بھرا' روکھا غصیلہ لہجہ تھا۔ وہ سختی سے لب بھینچ گیا۔

وہ پہلے ہی حد سے زیادہ ٹینشن میں تھا اوپر سے نبیل کا رویہ۔

"تم خود کو کیا سمجھتے ہو۔ کوئی افلاطون سی چیز..... تمہارا کیا خیال ہے بڑی اماں کو تمہارے سہارے کی ضرورت ہے' تم بھلا انہیں کیا سہارا فراہم کر سکتے ہو۔ کس چیز کا بدلا تم ان سے لے رہے ہو۔ وہ معذور' تنہا' بے بس لاچار عورت اب اتنی بھی بے سہارا نہیں ہے' ہم تمہاری محبت میں تمہیں کچھ نہیں کہتے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اب ہم اماں کو تمہارے سہارے مرنے کے لئے نہیں چھوڑیں گے۔ تم اپنی ذات کو نجانے کس گنبد میں بند کر کے ان رشتوں کا ماتم کر رہے ہو جو کبھی تمہیں میسر آئے ہی نہیں اور جو میسر ہیں ان کو تم اپنی حماقتوں و نادانیوں سے گنوا دو گے سن لو مجھ سے۔"

واجدہ اماں کی اس ساری حالت کا ذمہ دار انہیں شارق زمان ہی لگ رہا تھا۔ اسی لئے نبیل کے جی میں جو آیا اس نے کہہ دیا۔

شارق زمان لب بھینچے کشیدہ اعصاب لئے صرف سن رہا تھا۔

"ویسے بھی تم نے بڑی اماں کو کونسا سگی ماں مانا ہے۔ انہوں نے تمہاری خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ کاش تم میں احساس و مروت ہوتا تو ان کی ممتا' ان کی تربیت کی ہی لاج رکھ لی ہوتی۔ ساری ساری رات تمہاری خیر خواہی کے لئے پریشان ہونے والے وجود سے بھلا تمہیں کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ تمہیں تو سوائے اپنے احساسات' محرومیوں و کمزوریوں کے علاوہ کوئی اور دکھائی کب دیتا ہے تم تو....."

"نبیل....." شارق نہایت خاموشی سے نبیل کی ساری بکواس سن رہا تھا۔ انداز ایسا تھا کہ کسی بھی لمحے پھٹ پڑے گا۔ اس کا چہرہ ہتک و ذلت سے سرخ پڑ رہا تھا۔ کسی بھی لمحے اس کا ضبط چھلک جانے کو بے تاب تھا۔ نواز جو بغور شارق پر نظریں جمائے ہوئے تھا وہ ایکدم اس کے چہرے سے اندرونی

حالت کا اندازہ لگا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ نبیل کچھ مزید سخت سست کہتا اس نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر اسے چپ رہنے کا اشارہ دیا تھا۔

"اماں کی ٹانگ میں فریکچر ہو گیا ہے۔ گھٹنے کے اوپر سے ٹانگ ٹوٹی ہے۔ جب شاکرہ نے مجھے کال کی تو میں فوراً پہنچا تھا' وہ بے ہوش تھیں ابھی تک بے ہوش ہیں۔ ڈاکٹرز نے ٹیسٹ وغیرہ کے بعد سرجری کر دی ہے۔ فی الحال تو وہ ٹرینکولائزر کے زیر اثر ہیں ہوش آتا ہے تو کچھ کہا جا سکتا ہے۔"

نبیل نواز کا ہاتھ جھٹک کر کمرے میں چلا گیا تھا۔ نواز نے آہستگی سے بتایا تو شارق کے اندر ندامت کا ایک سمندر موجزن ہو گیا۔

بغیر نواز کو دیکھے وہ اسی کمرے کی طرف بڑھا جدھر نبیل داخل ہوا تھا۔

خالدہ بیگم نے شارق کو دیکھ کر اپنی بہتی آنکھیں صاف کیں۔

نویرہ نے بھی ایک نظر ڈال کر دوبارہ خالہ کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

وہ خاموشی سے چلتا اماں کے بستر کے قریب آیا۔

اماں کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔ جیسے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

کل سے بدر آراء بیگم سے سامنے کے بعد وہ تو اس دنیا سے کیا اپنے آپ سے روٹھا بیٹھا تھا۔ نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا تھا۔ کب شام ہوئی' کب رات گزری اسے تو کسی بات کا ہوش ہی نہ تھا۔ اب بھی ساری دنیا سے کٹ کر وہ واپس گھر کے راستے پر پلٹا تھا مگر گھر میں داخل ہوتے ہی شاکرہ کی زبانی یہ روح فرسا خبر سنی۔

"صاحب جی میں نے آپ کے موبائل پر رابطہ کرنے کی بڑی کوشش کی مگر آپ کا موبائل بند تھا۔" شاکرہ نے ساری صورتحال بتا کر کہا تو دل پر منوں بوجھ آ گرا۔ وہ اماں کو اپنی طرف سے کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا تھا مگر ہر دفعہ دل پر منوں بوجھ آ گرتا اور یہاں آتے ہی نبیل کی ساری بکواس سن کر شارق زمان کو اپنے اوپر سے اختیار اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔

"فکر نہیں کرو یار..... بڑی اماں اب ٹھیک ہیں' اصل کنڈیشن کا علم تو ان کے ہوش میں آنے یا پھر سرجری کے بعد ہی ہو گا تاہم ڈاکٹرز وغیرہ اطمینان دلا رہے تھے۔" نبیل شارق پر اچھا خاصا برس چکا تھا جواباً شارق نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

وہ اتنی باتیں سن کر خاموش رہنے والا انسان نہیں تھا۔ لاوے کی طرح پھٹ پڑنے والا شخص تھا۔ نبیل کو اپنے رویے کا ایکدم احساس ہوا تو بغیر کچھ مزید کہے یا جتائے اسے بتانے لگا۔

شارق کے ہونٹوں پر ایک مجروح سی مسکراہٹ آ بکھری۔

سر اٹھا کر نبیل کو دیکھا وہ تسلی آمیز انداز میں مسکرایا تو نگاہ نبیل کے ساتھ کھڑی نویرہ پر ٹک گئی۔

بڑی سی چادر میں وہ خاصی متفکر سی لگی۔ شارق کے دیکھنے پر وہ اپنی جگہ سے ہلی اور خاموشی سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

شارق نے دروازے تک اس کے قدموں کا تعاقب کیا۔

BEESTUFF.BLOGSPOT.COM

"اماں آئیں آپ گھر چلیں۔ نواز ساری رات کا جاگا ہوا ہے' وہ بھی جا کر تھوڑا سا آرام کر لے۔ شارق ابھی یہیں ہے پھر نویرہ کو بھی یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ جا کر تھوڑا سا آرام کر لیں تب تک اماں کو بھی ہوش آ جائے گا تو پھر لے آؤں گا۔" خاموشی سے مسلسل آنسو بہاتی خالدہ بیگم کو نبیل نے کہا تو وہ سر ہلاتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

واجدہ بیگم کے ہوش میں آنے میں خاصی دیر تھی۔ ان کا اپنا دل بھی بہن کو اس حالت میں دیکھ کر ضبط کھو رہا تھا اس لئے انہوں نے نبیل کی بات پر سر ہلایا تھا۔ بہن کو دیکھ کر وہ کمرے سے نکل آئیں۔ نویرہ ان کو باہر آتے دیکھ کر فوراً ان کی طرف لپکی۔ نواز اردگرد کہیں بھی نہیں تھا۔

"کیا ہوا آپ باہر کیوں آ گئیں؟ خالہ جان ٹھیک تو ہیں نا۔"

"ہوں....." انہوں نے سر ہلایا۔

"گھر جا رہی ہوں۔ آپا کو دیکھ دیکھ اپنی طبیعت بھی خراب ہو رہی ہے۔ نبیلہ بھی گھر پر اکیلی ہے۔ شارق آ گیا ہے۔ یہ نواز کدھر گیا ہے۔"

اسے بتاتے اردگرد دیکھتے انہوں نے پوچھا تو اس نے لاعلمی میں کندھے اچکائے۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں یا....." بات ادھوری چھوڑ کر اماں کو دیکھا۔

"نہیں تم ٹھہر جاؤ..... کھانا وغیرہ تیار کروا کر نبیل کو بھیجتی ہوں پھر نبیل کے ساتھ گھر آ جانا نبیلہ رک جائے گی۔ میں بھی جاؤں گی تو سہولت رہے گی۔"

اس نے سر ہلایا' نبیل بھی باہر آیا تو نواز کو نہ پا کر پوچھنے لگا۔

"نواز کہاں ہے؟"

"پتا نہیں' جب میں باہر آئی تھی تو کہیں بھی نہیں تھے۔ ہو سکتا ہے گھر چلے گئے ہوں۔" اس کے جواب پر نبیل نے سر ہلایا تھا۔

"ہم لوگ جا رہے ہیں' تم خالہ اماں کا خیال رکھنا۔ ویسے اب شارق آ گیا ہے فکر والی کوئی بات نہیں مگر تم بھی خیال رکھنا۔"

دونوں اسے تاکید کر کے چلے گئے تھے۔

وہ کچھ دیر کمرے سے باہر رہی تھی مگر اب صبح ہونے کی وجہ سے راہداری میں آمد و رفت بڑھ چکی تھی۔ وہ وہاں رکنے کے بجائے کمرے میں چلی آئی۔ شارق خالہ اماں کے قریب ہی سرہانے کھڑا تھا۔ بازو سینے پر لپیٹے' کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ نویرہ کو دیکھ کر بھی اس کے انداز میں فرق نہیں آیا تھا۔

"تم لوگ کب آئے تھے؟" کچھ دیر بعد شارق کی آواز پر نویرہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"رات دو بجے کے قریب نواز کی کال آئی تھی نبیل بھائی کے نمبر پر....." مختصراً جواب ملا تھا۔

"آپ کہاں تھے.....؟ نبیل بھائی' نواز سب نے آپ کے موبائل پر بار بار رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر....." دوائیوں کی شیشیوں کی ترتیب درست کرتے اس نے پوچھا تھا۔

شارق کو یاد آیا موبائل تو اس نے آفس سے نکلتے ہی بیل ہونے پر غصے سے آف کر کے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پھینک دیا تھا۔ وہ آن ہوتا تو کوئی اطلاع ملتی۔

"نواز چلا گیا؟" اس کو بغیر جواب دیئے شارق نے مزید پوچھا تو نویرہ نے سخت نظروں سے دیکھا۔

وہ ادھر ہی متوجہ تھا۔ سادہ سی نظریں تھیں وہ فوراً رخ موڑ گئی۔

وہ جب سے شارق زمان کی طرف سے بدظن ہوئی تھی ان کے دل و دماغ میں اس کے متعلق خطرے کا الارم بجا تھا۔ وہ اس سے یونہی کترانے لگی تھی مگر اب۔

"پتا نہیں....."

وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

تبھی نواز دروازہ دھکیلتا اندر آیا۔

اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں چینی کے بھاپ اڑاتے کپ تھے۔

"ساری رات کی بھاگ دوڑ میں میرے اعصاب شل ہو گئے تھے' سوچا چائے ہی پی جائے..... یہ چچی جان اور نبیل کہاں ہیں۔"

ٹرے دوائیوں والی ٹیبل پر رکھ کر وہ سیدھا ہوا تو دونوں کو نہ پا کر پوچھا۔

"اماں اور بھائی گھر چلے گئے ہیں۔" ٹرے میں پانچ کپ تھے' یقیناً وہ سب کے لئے چائے تیار کروا کر لایا تھا۔ نویرہ کی بات پر اس نے سر ہلایا۔

"لیں چائے پئیں۔" اس نے کپ اٹھا کر اسے تھما دیا تھا جو نویرہ نے خاموشی سے پکڑ لیا۔ شارق اور نواز دونوں ہی چائے پی رہے تھے۔ چائے بہت مزیدار نہیں مگر اچھی تھی۔

"ہاسپٹل کی کینٹین سے بنوا کر لایا ہوں' اتنی اچھی ہے نہیں گزارے لائق ہے۔"

وہ شارق زمان سے کہہ رہا تھا' نویرہ نے محسوس کیا جیسے وہ شارق کو بولنے پر آمادہ کرنا چاہ رہا ہو جبکہ وہ مسلسل خاموش تھا۔

"ویسے بھائی تم تھے کہاں؟"

وہی سوال جو نویرہ نے کیا تھا مگر وہ ٹال گیا اب نواز کے لبوں پر تھا۔

"اسی دنیا میں تھا۔" تلخ سا جواب دیا نویرہ دیکھ کر رہ گئی۔

"وہ تو مجھے بھی پتہ ہے اگر اسی دنیا میں نہ ہوتے تو یہاں کیا کرتے۔ کھانا کب سے کھایا ہے' ویسے بھوک وغیرہ تو لگی ہو گی۔"

نویرہ نواز کے رویے پر حیران ہوئی۔

بڑی اماں کی اس وقت کی حالت کا ذمہ دار سراسر شارق زمان تھا اس کے باوجود نواز اس کے لئے متفکر ہو رہا تھا۔ اس کے دل میں اک گرہ سی پڑی۔

اپنی اتنی اچھی جان چھڑکنے والی خالہ سے اس قدر غیر ذمہ داری کا سلوک کرنے پر اس کا جی چاہ

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

رہا تھا کہ وہ شارق زمان کو صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دے۔

''تم چپ نہیں رہ سکتے؟'' جواب بے انتہا تلخ تھا۔ نویرہ نے تعجب سے دیکھا۔

''یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔'' وہ سر جھٹک گئی۔

''رہ سکتا ہوں مگر مجھے اس وقت سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارے ساتھ کس قسم کا سلوک کروں۔ نبیل کی طرح اپنے اندر پنپنے والے غصے کا اظہار کروں یا تمہاری یہ مجروح' خستہ حالت دیکھ کر تم سے دردمندی کا اظہار کروں۔ کیا ہو گیا ہے یار تمہیں۔ تم کیوں کر رہے ہو ایسا' کاش تم جان سکو ہم سب تم سے کس قدر محبت کرتے ہیں اور بڑی اماں ان کی محبت کا کوئی نعم البدل ہی نہیں ہے۔ اس وقت یہ جو اس طرح اس بستر پر پڑی ہوئی ہیں تو تمہاری وجہ سے ہیں' کچھ احساس ہے تمہیں۔''

نواز نے کچھ دھیمے کچھ پرجوش انداز میں اسے باور کرانا چاہا تو وہ لب بھینچے انتہائی غصیلے انداز میں نواز کو دیکھنے لگا۔

''تم نے اگر یہی سب بکواس کرنی ہے تو بے شک یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اس وقت تمہاری کسی بھی قسم کی سخت یا ہمدردانہ گفتگو کا متحمل نہیں ہوں۔ میں اس وقت جس ذہنی خلفشار اور خلجان سے گزر رہا ہوں کاش تم جان سکو..... تمہاری کوئی بھی الٹی سیدھی بات پر ایسا ہو کہ میرا ہاتھ اٹھ جائے۔''

بہت تلخ لہجے میں کہتے ہوئے اپنا نچلا ہونٹ' دانتوں تلے دبائے سرد غصیلی نگاہوں سے گھورتے اس نبیل کی بھی چپ کر کے پی جانے والی بکواس کا جواب دیا تھا۔ چہرہ الگ جذبات کی حکمرانی سے آگ اگل رہا تھا۔

نواز نے بغور دیکھا۔ اس وقت وہ اس قدر شکست و ریخت کا شکار محسوس ہوا کہ اسے خود اندازہ ہوا کہ وہ غلط موقع پر اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ گیا ہے۔ اس نے ایک خاموش نگاہ نویرہ پر ڈالی جو بالکل خاموش تماشائی کا کردار نباہ رہی تھی۔

''ہم سب تمہارے خیر خواہ ہیں۔ تم ہاتھ اٹھانے کی بات کرتے ہو، تم قتل بھی کر دو گے تو اف نہیں کروں گا مگر میرے دوست تم خود ذرا سوچو یوں انتہائی جذباتی' شدت پسند طبیعت کا مظاہرہ کر کے نہ صرف اپنے ساتھ دشمنی کر رہے ہو بلکہ ان رشتوں کے ساتھ بھی جو تمہارے اردگرد تمہاری ڈھال بنے ہوئے ہیں۔ کبھی اندازہ تو لگاؤ۔ اپنی ذات کے گنبد سے نکل کر ان رشتوں کی لذت بھی محسوس کر کے دیکھو ہر دکھ ہر پریشانی پر جذباتی دھچکا کم لگنے لگے گا۔ بلیومی۔''

بہت رسان سے' بہت محبت سے وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

نویرہ کے لئے یہ سب نیا تھا وہ حیرت سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

سخت بھینچے ہوئے تیور لئے کشیدہ اعصاب کے مالک شارق زمان کو اور' دھیمے' ٹھنڈے پرسکون لہجے میں سمجھاتے نواز فاروق کو۔

''آپ غلط موقع پر غلط انسان پر اپنی کوشش ضائع کر رہے ہیں۔ جو انسان خود ہی اپنی کمزوریوں کو اپنے اوپر حاوی کر کے اپنی تباہی کا سبب بنانے پر تل جائے تو اسے ہم یا آپ کیسے بچا سکتے ہیں۔ یہ

ماشاء اللہ خود صاحب عقل ہیں۔ اپنے نفع و نقصان کا اندازہ لگانے والے ہیں' انہیں خود احساس ہونا چاہئے کہ اپنی جذباتی شدت پسند طبیعت کے ہاتھوں وہ کیا کچھ گنوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہمارے کہنے پر انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہو۔ یہ صاحب ذمہ دار ہیں۔''

خالی مگ واپس ٹرے پر رکھ کر کچھ تلخی کچھ طنز سے کہتے نویرہ احسان نے اپنے اندر کی ساری کڑواہٹ باہر نکالی تھی.....

شارق تو ایک طرف نواز نے بھی چونک کر نویرہ کو دیکھا۔

نویرہ کے چہرے پر صرف برہمی کے ہی آثار نہ تھے اور بھی کئی ناقابل فہم سے تاثرات تھے، نواز کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

''نواز صاحب ان کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ ان سے سب ہی محبت کرتے ہیں اور یہ ان کی محبتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانا خوب جانتے ہیں۔ خاص طور پر خالہ اماں کی محبت کا.....'' اتنی تلخی تھی کہ شارق بغیر کچھ کہے گھورے گیا۔

''انہوں نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو ایک بند گلی کے سرے پر کھڑا کر لیا ہے۔ ہوش و خرد کے مالک صاحب عقل انسان ہیں انسان کے جذبات کو خود پر کبھی سوار نہ ہونے دیتے مگر یہ چاہیں تب نا..... انسان کو اللہ نے اتنی طاقت ضرور دی ہے کہ وہ خود کو غلط راہ سے بچا سکے۔ بہرحال یہ اپنے اچھے برے کے خود ہی ذمہ دار ہیں۔ آپ کی کسی بات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یہ اس وقت غصے کی وجہ سے سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اپنا وقت ضائع نہ ہی کیا جائے۔''

اس نے کتنی آسانی سے شارق زمان کے سامنے بڑے اعتماد سے اس کی ذات کا تجزیہ کیا تھا۔ شارق نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورتے خالی کپ ٹرے میں پٹختے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔ نویرہ تاسف سے اس کو جاتا دیکھتی رہی۔

✿.....✿.....✿

زرش کا خیال تھا کہ سمعان کراچی آتے ہی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا آخر کو اس نے فرح اور اسجد سے متعلق بات ہی ایسی کی تھی مگر اگلے دن آخری پیپر دے کر وہ گھر آئی تو سمعان احمد کا کہیں وجود نہ تھا۔ اس نے کئی بار کال کرنے کی کوشش کی تو کوئی رابطہ ہی نہ تھا۔ اب زرش کو پکا یقین ہو چکا تھا کہ سمعان ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتا اس لیے اس کو اگنور کر رہا ہے۔

ان لوگوں کی سب تیاری مکمل تھی۔ پروگرام کے مطابق کل صبح ان سب کو فرح اور علی کے ساتھ نکلنا تھا۔ فرح اور علی کو صبح سمعان احمد یا پھر تایا جان چھوڑ جائیں گے۔ اس ساری صورتحال سے وہ خاصی الجھ گئی تھی۔ نوشین بھی حیران تھی کہ ان کے ہر ہر پروگرام میں شریک ہونے والا سمعان احمد اس دفعہ ان کے ساتھ نہیں جا رہا ہے۔

اس نے فرح کے ہاں کال کی تو علم ہوا کہ تائی امی اپنے بھائی کے ہاں گئی ہوئی ہیں' سمعان احمد ابھی گھر لوٹا تھا۔ شام کے بعد اسے شاید پھر کسی میٹنگ میں جانا تھا۔ زرش کے لیے یہ اچھا موقع تھا اس

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

نے فوراً سمعان احمد سے بات کرنے کی ٹھانی۔

اجازت لینے کو شائستہ بیگم کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

وہ پیکنگ میں مصروف تھیں۔ کل صبح نکلنا تھا اس لیے وہ رات کو ہی سب کام ختم کر لینا چاہتی تھیں۔

"ماما! وہ ابھی فرح کی کال آئی تھی اس نے ایمرجنسی میں بلایا ہے۔ چلی جاؤں۔"

"کیوں؟" پیکنگ سے ہاتھ روک کر انہوں نے اسے دیکھا وہ کنفیوز ہوئی۔

"پتا نہیں کہہ رہی تھی کہ پیکنگ کرواؤں آ کر اس کے ساتھ..... چلی جاؤں پلیز۔"

ایمرجنسی کی وضاحت پر شائستہ نے زرش کو گھورنا چاہا تھا مگر اس کے انداز میں اتنی لجاجت تھی کہ انہوں نے چہرہ موڑ کر اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

"وہ بچی نہیں ہے' خود پیکنگ کر لے گی۔" انہوں نے ٹالا۔

"مگر مجھ سے پوچھ کر تو نہیں کرے گی نا..... میں نے اسے اس..... قسم کے ڈریس رکھنے کو کہا ہے' فوٹوگراف اچھی آئے گی مگر دیکھ لیجئے گا وہ یونہی عام سے ہی کپڑے اٹھا کر لے جائے گی اور پھر وہاں جا کر روئے گی..... پھر ہمارے کپڑوں پر ہاتھ صاف کرے گی۔"

شائستہ زرش کے انداز پر سمجھ گئیں کہ وہ جتنا بھی ٹال دیں وہ جان نہیں چھوڑے گی ان کا سر کھاتی رہے گی حتیٰ کہ اجازت نہ لے لے۔

"ٹھیک ہے چلی جاؤ..... میرا دماغ نہیں کھاؤ' ابھی تمہارے پاپا کی بھی پیکنگ کرنی ہے۔ یہ نوشی کہاں ہے اسے بھیجو میرا ہاتھ بٹانے اور ہاں جلدی آنا۔"

وہ سر ہلاتی کمرے سے نکل آئی تھی نوشی کو ماما کا پیغام دے کر ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہا تھا۔

وہ وہاں پہنچی تو فرح اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔

"تمہیں چین نہیں ابھی تو تم سے فون پر بات ہوئی تھی۔"

"سمعان بھائی کہاں ہیں؟" اس کی حیرانگی کو قطعی نظر انداز کرتے عجلت میں کہا۔

"کمرے میں ابھی کھانا کھا کر لیٹے ہیں مگر....."

وہ پیچھے نجانے کیا کہہ رہی تھی وہ تیزی سے کمرے کا دروازہ دھکیلتی اندر داخل ہو گئی تھی۔ سمعان احمد ابھی لیٹا ہی تھا ابھی شاید آنکھ لگی تھی اس دھاڑ سے دروازہ کھولنے پر اٹھ بیٹھا۔

زرش کو دیکھ کر حیران ہوا۔

"تم؟" سمعان سیدھا ہوا تھا۔

"ہاں میں..... آپ مجھے اس طرح نظر انداز کیوں کر رہے ہیں۔ میں مسلسل آپ سے رابطے کی کوشش میں ہوں مگر آپ کال ریسیو ہی نہیں کر رہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ یہاں آتے ہی مجھ سے ملیں گے مگر آپ یوں اطمینان سے ہیں' مجھے بتایئے آپ جان بوجھ کر مجھے نظر انداز کر رہے ہیں۔ صرف اس لیے کہ آپ کو ہمارے ساتھ اسلام آباد جانا نہ پڑے۔"

ایک تو اس کی آندھی طوفان کی طرح آمد اوپر سے یوں نان اسٹاپ بولنا۔ سمعان دلچسپی سے دیکھے

گیا۔

فرح بھی کمرے میں آ گئی تھی۔

"یہ تو خاصی عقلمند ہو گئی ہے۔ کیوں فرح؟" سمعان کا انداز چھیڑنے والا تھا۔ زرش جو پہلے ہی تپی ہوئی تھی مزید چڑھ گئی۔

"دیکھ لیا تم نے اپنے بھائی کو..... اب یہ میرا مذاق اڑائیں گے۔"

فرح مسکرا رہی تھی۔ وہ صوفے پر جا بیٹھی تو فرح بھی ساتھ آ بیٹھی۔

"سمعان بھائی سنجیدگی سے بتائیں آپ ہمارے ساتھ کیوں نہیں جا رہے۔ یہ پروگرام آپ نے ہی بنایا تھا۔ سب کو آپ نے راضی کیا تھا' اب آپ ہی نہیں جا رہے یہ کیا بات ہوئی بھلا۔" فرح کی بات پر زرش نے بھی سر ہلایا۔

"تو اور کیا....."

"یہاں مجھے بہت کام ہے' آج ہی یہاں پہنچا ہوں' جب سے آیا ہوں مصروف ہوں۔ شام کو پھر میٹنگ ہے۔ دو تین گھنٹے وہاں لگ جائیں گے۔ کل بھی یہی روٹین ہے۔ کھانے پینے تک کا وقت نہیں ملتا۔ ابو پر پہلے ہی بہت بوجھ ہے اگر میں بھی چلا گیا تو پھر وہ اکیلے یہ سارا کام کیسے سنبھالیں گے۔"

"بہانے بنا رہے ہیں صرف....." فرح بھائی کی بات پر فوراً ایمان لے آئی تھی۔ زرش نے سر جھٹکا۔ سمعان نے بے چارگی سے دیکھا۔ زرش کی ضد کبھی کبھار اس کے لیے سخت مشکل کا باعث بن جاتی تھی۔

"یہاں ایک سو ایک نہایت وفادار اور ایماندار ایمپلائز موجود ہیں۔ چند دن آپ نہیں ہوں گے تو کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا۔ آپ کل ہمارے ساتھ جا رہے ہیں یہ ڈن ہے' میں کوئی "ناں" نہیں سنوں گی۔" اپنی بات منوانے کا یہ انداز زرش کو بعض اوقات ضدی بنا دیتا تھا اسے کوئی پروا بھی نہ تھی سو مخصوص انداز لیے ہوئے تھی۔

"مگر مالک اور ایمپلائز میں بہت فرق ہوتا ہے۔ جہاں میری موجودگی لازمی ہے وہاں ایمپلائز بھلا کیا کر سکتا ہے۔" سمعان نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ زرش چپ چاپ دیکھے گئی' پھر غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کے یہ لنگڑے لولے عذر میری سمجھ میں نہیں آنے والے' یا تو صاف صاف انکار کر دیں یا پھر اصل وجہ بتائیں میں ایسے ٹلنے والی نہیں۔" اس کا انداز دوٹوک تھا۔

سمعان نے فرح کو دیکھا وہ بھی مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ آپ خود ہی اس سے نمٹ لیں تو بہتر ہے۔ میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔ زرش سے دماغ کھپانے کے بعد آپ کو یقیناً اس کی ضرورت پڑے گی۔" وہ چھیڑ کر باہر نکل گئی تھی۔

فرح کے جانے کے بعد سمعان نے بغور جائزہ لیا۔ سرخ قندھاری لباس میں وہ اپنی تمام تر دلکشی

PDFSUDI.BLOGSPOT.COM

کے ساتھ نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ سمعان کے دل کے تاروں کو کوئی جیسے بہت ہولے سے چھیڑ گیا تھا۔

وہ اسی طرح ایک ٹانگ کو جھلاتے دوسری پر وزن ڈالے ناراض کمسن بچے کی طرح اپنی ضد منوا لینے کے اعتماد سمیت کھڑی تھی۔

"ہاں اب کہو..... کیا کہہ رہی تھی تم؟" بیڈ کے کراؤن سے پشت ٹکائے نیم وا آنکھوں سے دیکھتے اسے چھیڑا۔

"آپ کل جا رہے ہیں ہمارے ساتھ۔" ناراض ضدی انداز تھا۔

"نہیں....." وہ چند ثانیے سمعان کو دیکھے گئی۔ ایک دم لاکٹ پر گرفت سخت ہوئی تھی۔

"کیوں؟"

"وجہ میں ابھی بتا چکا ہوں۔" سمعان نے دھیمے سے کہا تو وہ لب بھینچ گئی۔ غصے سے ہاتھ جھٹکا تو زنجیر سمیت پینڈل اس کے ہاتھ میں تھا۔

"آپ میری بات بھی نہیں مانیں گے' آپ کے بغیر قسم سے بالکل مزہ نہیں آئے گا۔" لاکٹ مٹھی میں دبائے اس کا انداز اب رام کرنے والا تھا۔ سمعان اس کے سارے انداز جانتا تھا۔ بے چارگی کے اس مظاہرے پر ہونٹ صرف مسکرائے تھے۔

"تم خوامخواہ ضد کر رہی ہو..... میری یہاں موجودگی بہت اہم ہے۔"

زرش کو ایک دم تپ چڑھی۔

"میں آخری دفعہ پوچھ رہی ہوں..... آپ ہمارے ساتھ جائیں گے یا نہیں۔" اگلے ہی پل غصے سے چیختے اس نے پھر وہی ضدی جارحانہ انداز اپنایا تھا۔

"نہیں....." سمعان کے معاملے میں اسے کبھی ضد نہیں کرنا پڑی تھی مگر اب وہ ایک دو منٹ لب بھینچے سمعان کو دیکھے گئی۔

"میرا خیال تھا کہ تائی امی کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں جا رہے مگر اب....." وہ سختی سے لب دانتوں تلے دبا گئی۔ "ٹھیک ہے..... نہیں تو نہ سہی..... مگر اب خیال رکھئے گا میں بھی زرش ہوں آپ کو ہماری پروا نہیں مجھے بھی نہیں..... آئندہ مجھ سے کلام کرنے یا کبھی میرے سامنے آنے کی بھی کوشش مت کیجئے گا۔ بہت برا کروں گی میں۔" غصے سے کہتی وہ پلٹی تھی۔

"زری....." سمعان نے پکارا تھا مگر وہ بغیر رکے، پلٹ کر دیکھے کمرے سے نکل گئی تھی۔

"کیا ہوا زری..... سمعان بھائی مان گئے؟" وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھی تھی فرح کی آواز پر رک گئی۔ وہ کچن سے نکل آئی تھی۔

اپنی مٹھی سامنے کی وہ خالی تھی' پھر ایک نظر فرح کو دیکھا۔ نجانے دل میں کیا ہوا' آنکھوں میں نمی تھی۔

"وہ نہیں مانے اور نہ ہی کبھی مانیں گے۔" غصے سے کہتے وہ پلٹی تھی۔

"مگر تم کہاں جا رہی ہو؟" اسے باہر کی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔

"جہنم میں۔" پھاڑ کھانے والا انداز تھا۔ پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی۔ پاؤں پٹختے وہ اپنی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ ڈرائیور موجود تھا' اس کے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

زرش کا غصہ اب ملال میں بدلنے لگ گیا۔ مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ مجھے پتا تھا سمعان بھائی آپ نہیں جائیں گے پھر بھی..... پھر بھی میں اپنی بات گنوانے کو آ گئی۔ میرا سارا مان ٹوٹ گیا۔ میری ساری ضد ختم ہو گئی۔

پتا نہیں کیوں اب آپ بدلنے لگ گئے ہیں۔ بہت بدل گئے ہیں۔ میری ناراضی کی بھی پروا نہیں آپ کو۔ سیٹ کی پشت سے سر ٹکاتے وہ سمعان احمد کے تصور سے نجانے کونسے شکوے کر رہی تھی۔ آنکھوں میں نمی سی آ ٹھہری تھی کہ زندگی میں پہلا پروگرام اس کے بغیر طے ہوا تھا۔

جانے کی ساری تیاری مکمل تھی۔ سامان گاڑی میں رکھوایا جا چکا تھا۔ آفس کی ذاتی ٹیوٹا گاڑی میں وہ لوگ اسلام آباد جا رہے تھے۔ ڈرائیور ان کا اپنا ہی تھا۔ نوشی خوب چہک رہی تھی جبکہ زرش خاصی پژمردہ تھی۔ کچھ سمعان کا رویہ اور کچھ اپنی حماقت' وہ خوش نہیں ہو پا رہی تھی۔ سب ہی تیار بیٹھے تھے۔ فرح اور علی کا انتظار تھا' جنہیں پروگرام کے مطابق ان کے ساتھ آنا تھا۔ اور اکٹھے ہی گاڑی میں اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا۔

پندرہ بیس منٹ کے انتظار کے بعد سمعان کے ساتھ دونوں بہن بھائی تھے۔ سمعان ان کو چھوڑنے آیا تھا۔ زرش نے سمعان کو دیکھ کر رخ موڑ لیا۔ سمعان نے بھی محسوس کر لیا تھا' وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اب اس سے سخت قسم کی ناراض ہو چکی ہے۔ وہ لوگ لان میں ہی ان کے منتظر تھے۔

"اچھا سمعان بیٹا! یہاں کا خیال رکھنا' ادھر گھر پر بھی چکر لگا لینا۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے شائستہ بیگم نے سمعان کو تاکید کی تو اس نے سر ہلایا۔ باقی بھی گاڑی میں بیٹھنے لگے تھے۔

"سمعان بھائی آپ بھی چلتے تو اچھا لگتا..... آپ کے بغیر پہلی دفعہ کہیں جا رہے ہیں سچی بہت مس کریں گے آپ کو۔" نوشین کہہ رہی تھی۔ سمعان نے زرش کو دیکھا۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اپنا بیگ کھولے نجانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

"اچھا سمعان بیٹا یہاں آفس کا کام ختم ہوتے ہی آنے کی کوشش کرنا ورنہ ہم سب ہی تمہیں مس کریں گے۔" شائستہ بیگم کی آواز پر اس نے مسکرا کر سر ہلایا

"جی بہتر۔" سمعان نے کن انکھیوں سے زرش کی طرف دیکھا۔ بیگ بند کر کے وہ اب باہر دیکھ رہی تھی۔ یعنی مکمل لاتعلقی کا اظہار تھا۔ اس کے اس انداز پر سمعان احمد کے سینے کے اندر کوئی چیز ٹوٹ کر گری تھی۔ فرح اور علی کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے بھی اپنی سیٹ سنبھالی تھی۔

پچھلی دو سیٹوں پر نوشی' زرش اگلی پر فرح اور علی تھے جبکہ درمیانی دو سیٹوں پر شائستہ اور سعود صاحب تھے۔ ڈرائیور اکیلے ہی تھا۔ گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی سمعان پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"آنے کی کوشش کرنا بیٹا۔" سعود احمد نے بھی کہا تھا وہ ہنس دیا۔ سمعان نے ہاتھ ہلا کر ان کو

BOOKSFIFE.BLOGSPOT.COM

خدا حافظ کہا تو جواباً سب نے ہی ہاتھ ہلایا تھا سوائے زرش کے۔ سمعان احمد کے دل کو پھر کسی نے زور سے بھینچ دیا تھا۔ گاڑی گیٹ سے نکلتی چلی گئی تھی۔

سمعان احمد نے ایک گہری سانس لی تھی۔ پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو سرخ ہتھیلی پر دھرا لاکٹ بمعہ زنجیر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ z.s کے الفاظ اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے تھے۔ کل شام زرش کے جانے کے بعد وہ تیار ہو رہا تھا جب ننگے پاؤں قالین پر چلتے صوفے کے قریب سے گزرتے اس کے پاؤں کے نیچے کوئی چیز چبھ گئی تھی فوراً پاؤں ہٹایا تو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ یہ وہی لاکٹ تو تھا جو اس نے زرش کو دیا تھا۔ کتنی چاہ، محبت واپنائیت سے اسے دیا تھا اور اس نے اس کا دیا تحفہ اتنی خاموشی کے ساتھ یہاں گرا دیا تھا۔

زرش ناراض ہو کر گئی تھی۔ وہ اپنی ضدی طبیعت کے باوجود اس دفعہ سمعان کو راضی نہ کر پائی تھی۔ وہ ناراض ہو کر جا رہی تھی تو سمعان کو اپنا دل اپنے اختیار سے باہر ہوتا محسوس ہوا تھا۔ دل چاہا تھا کہ اسے روک لے۔ اس کی بات مان لے، اسے مت جانے دے، اسے آواز دی تھی مگر وہ بغیر پلٹے دیکھے چلی گئی تھی۔

اور اب یہ لاکٹ.....!

کتنی دیر وہ حیران لاکٹ مٹھی میں دبائے بے چین رہا تھا۔

لاکٹ کی زنجیر بڑی بے دردی سے توڑی گئی تھی۔ اتنی مضبوط زنجیر ٹوٹی تھی دل کو تکلیف کیوں نہ ہوتی۔ بات تحفے اور اس کے قیمتی ہونے کی بھی نہیں ہوتی، بات تو اس کی نیت چاہ، محبت اور اٹوٹ تعلق کی تھی جو اس نے اپنے سب جذبوں میں لپیٹ کر شدتوں کی اس زنجیر میں پرو کر اپنی ساری چاہت کا عنوان بنایا تھا اور یہ "عنوان"

سمعان احمد نے مٹھی بند کر لی تھی۔

وہ یہ لاکٹ لے کر آج آیا تا کہ اسے واپس دے گا۔ اس کی ناراضی ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر اسے منا لے گا مگر یہاں آ کر زرش کے تیور، لاتعلقی کا بھرپور انداز دیکھ کر سمعان کو اس احساس نے شدت سے جکڑ لیا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہو کر گئی تھی۔

تم بھی خفا، لوگ بھی برہم ہیں دوستو
اب ہو چلا یقین کہ برے ہم ہیں دوستو

ایک مجروح سی مسکراہٹ سمعان احمد کے ہونٹوں پر ٹھہر کر دم توڑ گئی تھی۔

"صاحب جی..... گیٹ بند کر دوں یا آپ کو جانا ہے؟" چوکیدار کی آواز پر وہ خود فراموشی کی کیفیت سے چونکا تھا۔ چوکیدار ابھی تک منتظر تھا سمعان نے سر ہلا کر اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے چوکیدار کو ہدایات دے کر اس نے گاڑی وہاں سے نکال لی تھی۔

❁.....❁.....❁

نبیل بھائی صبح ہاسپٹل کے لیے ناشتہ لے کر نکلے تو نوریہ بھی ساتھ ہو لی۔ واجدہ خالہ کو تیسرا دن تھا

ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوئے۔ سارا خاندان دو دو دفعہ جا کر ان کی عیادت کر چکا تھا۔ نوریہ بھی تین دفعہ جا چکی تھی۔ نبیل کے ساتھ وہ ہاسپٹل پہنچی تو رضیہ چچی وہیں تھیں۔ سلام دعا کے بعد نبیل چلا گیا تو نوریہ نے کمرے پر نظر ڈالی، ہاسپٹل کا کمرہ خاصا وسیع تھا۔ ڈبل بیڈ روم تھا۔ رضیہ چچی کے علاوہ نرس پاس تھی۔

"خالہ جان! رات کون تھا آپ کے پاس؟" دوائیوں کو چیک کرتے اس نے پوچھا۔

"شارق رات یہیں تھا۔ صبح رضیہ آئی ہے تو گھر چلا گیا ہے۔ ابھی نکلا ہی ہے۔" واجدہ خالہ نے بتایا تو وہ مسکرا کر ان کے پاس ہی کرسی پر آ بیٹھی۔

"طبیعت خراب تو نہیں ہوئی، کوئی درد وغیرہ۔" واجدہ بیگم مسکرا دیں۔

"ہاں درد تو ہوتا ہے۔ ایک ہی کروٹ پر لیٹے لیٹے جسم ٹوٹنے لگا ہے۔"

"ہاں یہ تو ہوگا ہی آپ فکر نہیں کریں آپا! انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ نواز بتا رہا تھا کہ اس نے ڈاکٹر سے بات کی ہے۔ ذرا ٹانگ کا فریکچر ٹھیک ہو جائے تو مصنوعی ٹانگ لگ جائے گی۔" نوریہ کے بجائے رضیہ چچی نے کہا تو وہ اذیت سے سر ہلا گئیں۔

نوریہ نے بغور دیکھا۔

"رفعت باجی نے کوئی کال کی؟" ان کا موڈ بدلنے کو اس نے پوچھا تو انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں! دن میں دو دو تین تین دفعہ کرتی ہے۔ بڑی پریشان ہو رہی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ وہ پاکستان آنے کی کوشش کرے گی۔"

"اچھا یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" رفعت نے پچھلے سال پاکستان کا چکر لگایا تھا۔ نوریہ سن کر خوش ہو گئی۔

"ناشتہ لے کر آئی تھی میں..... سسٹر آپ خالہ کا منہ ہاتھ دھلوا دیں میں ناشتہ کرواتی ہوں۔"

چند مزید ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اسے خیال آیا تو فوراً ناشتے کا ٹفن کھولنے لگی۔

"چچی جان آپ کے لیے بھی کھانا نکالوں۔"

واجدہ خالہ کے پرہیزی کھانے کے علاوہ شارق وغیرہ کے لیے بھی کھانا تھا اب وہ یہاں تھا نہیں۔

"نہیں..... گھر سے نکلتے وقت میں ناشتہ کر کے چلی تھی۔ نواز کو یونیورسٹی کے لیے نکلنا تھا۔ وہی مجھے چھوڑ کر گیا ہے۔ تم آپا کو ناشتہ کرواؤ۔" برتنوں میں کھانا نکال کر ٹرے میں سیٹ کر کے وہ خالہ واجدہ کو ناشتہ کروانے لگی تھی۔ ناشتے کے بعد وہ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد خالہ کا دھیان بٹاتی رہی تھی۔

بارہ بجے کے قریب رضیہ چچی چلی گئیں تو خالہ جان بھی سو گئیں۔ نرس اسے کمرے میں موجود پا کر کافی دیر سے کمرے سے جا چکی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھی واجدہ خالہ کے متعلق ہی سوچ رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"السلام علیکم!" اپنی عادت کے مطابق اس نے فوراً سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام کون؟ نوریہ؟" دوسری طرف شارق تھا۔ نوریہ اگر اس کی آواز پہچان گئی تھی تو وہ بھی

THESUFF.BLOGSPOT.COM

پہچان گیا تھا۔

"جی.....امی....."

"تم کب آئیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"جی صبح نبیل بھائی کے ساتھ ناشتہ لے کر..... جب آپ نکلے تھے تھوڑی دیر بعد ہی۔"

"اچھا کیا تم آ گئیں۔ میں آفس میں ہوں' یہاں کوئی کام تھا سو آنا پڑا۔ میں اماں کی وجہ سے پریشان تھا لیکن اطمینان تھا کہ چچی جان ان کے پاس ہیں۔ فارغ ہوتے ہی کال کر رہا ہوں۔ کیا کر رہی ہیں اب اماں؟" شارق زمان خلاف معمول سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"سو رہی ہیں۔ میڈیسن لی تھی انہوں نے۔" اس نے مختصراً بتایا۔

"اور چچی جان؟"

"وہ گھر چلی گئی ہیں۔" اس نے بھی اسی کے لہجے میں کہا تھا۔

"اچھا..... اکیلی گئی تھیں کہ نواز آیا تھا انہیں لینے؟" وہ پوچھ رہا تھا نویرہ کو اس کا یہ سوال اور لہجے کی سنجیدگی کچھ عجیب سی لگی۔

"اکیلی گئی تھیں۔"

"اوہ....." دوسری طرف سے گہرا سانس لیا گیا تھا۔ نویرہ چپ ہی رہی۔

پھر شارق زمان نے مزید ایک دو منٹ باتیں کر کے فون بند کر دیا تھا۔ ان سے بات کر کے نویرہ پھر سے عجیب سے احساسات کا شکار ہو گئی۔ شارق زمان کے گزشتہ رویے' نگاہوں کی حرکتیں' وہ خالہ جان کے اس حادثے میں بھول چکی تھی مگر اب شارق زمان کی آواز سن کر پھر سب باتیں یاد آتی چلی گئیں۔ شارق زمان کا اسے عجیب الجھتی نظروں سے دیکھنا اس کے دیکھنے پر کبھی تو نظریں چرا لینا اور کبھی دیکھتے رہنا۔ وہ ایک دفعہ پھر الجھ گئی۔

خالہ جان ابھی تک دوا کے زیر اثر تھیں۔ انہیں دو تین گھنٹے مزید سونا تھا۔ جب بھی درد ہوتا تھا نرس ان کو یہ گولی دے دیتی تھی۔

وہ یونہی ٹہلتی رہی۔ ظہر کی اذان ہوئی تو وہ کمرے میں ملحقہ باتھ روم میں گھس گئی۔ وضو کر کے دوسرے بستر کی پائنتی کی طرف سے چادر اٹھا کر زمین پر بچھائی' وہ نماز ادا کر رہی تھی چار سنتیں ادا کر کے وہ فرض ادا کر رہی تھی جب ایکدم دروازہ کھول کر شارق زمان اندر داخل ہوا تھا۔ نویرہ کو کونے میں نماز میں مصروف دیکھ کر وہ ایک پل کو رکا تھا۔ ایک نظر اس پر ڈالی جب رکوع میں تھی۔ دوسری اماں پر' وہ گہری نیند میں تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے دوسرے بستر کے سرہانے آ بیٹھا۔ رات وہ یہیں تھا صبح رضیہ چچی کے آنے پر وہ گھر گیا تھا۔ پھر آفس چلا گیا۔ وہاں وہ مصروف ہو گیا لیکن خیال تھا کہ چچی اماں کے پاس ہو گی گمان نہیں تھا کہ یہ یہاں ہو گی۔ ورنہ صبح کا کھانا روزانہ نبیل لے کر آتا تھا۔ کبھی خالدہ چچی ساتھ ہوتی تھیں تو کبھی بھابی اور اب..... فون پر اس کی آواز سن کر شارق زمان کے اندر ایکدم اسے دیکھنے کی طلب سر ابھارنے لگی تھی۔ وہ جب بھی اماں کو دیکھنے ہاسپٹل آئی تھی وہ کبھی گھر چلا گیا ہوتا تھا یا

کبھی کسی ڈاکٹر کے پاس وہ پھر زیادہ دیر رکتی بھی نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی جاتی تھی۔ آج وہ سارا دن کے لیے آئی تھی۔ نبیل کے ساتھ آنے کا سن کر اس نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا۔

الجھے ہوئے دل و دماغ اس کی ہر حرکت پر مزید الجھ جاتے تھے۔

یہ لڑکی ہر روپ میں اس کی توجہ کھینچ لیتی تھی۔ اس کا ہر روپ دل موہ لینے والا ہوتا تھا۔ ہر انداز دل میں نیا احساس پیدا کرتا تھا اور آج اسے نماز کی حالت میں دیکھ کر شارق کے اندر عجیب سے احساسات پیدا ہونے لگے تھے۔

نویرہ نے سلام پھیر کر شارق کی طرف دیکھا۔ اس کی مکمل توجہ اس کی طرف تھی۔ نویرہ کے دیکھنے پر وہ ہلکے سے مسکرایا تھا۔

"السلام علیکم....." نویرہ نے آہستہ سے سر ہلا کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" پرجوش جواب ملا تھا۔ نویرہ جو کچھ دیر پہلے اسے ہی سوچ رہی تھی۔ اب اسے یوں کمرے میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کیسی ہو؟" نویرہ کی نماز ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی مگر شارق زمان کی موجودگی میں اس سے مکمل یکسوئی سے ادا بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ نماز ہمیشہ تنہائی میں ادا کرتی تھی اور اب.....

"ٹھیک ہوں۔" سارا وجود' سر چہرہ بڑی سی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ نماز کے اسٹائل میں لپٹی چادر نویرہ کے خوبصورت صحت مند چہرے کو مزید پررونق بنا رہی تھی۔ شارق زمان سے نظریں چرانا مشکل ہو گیا۔ اس کی نظریں نویرہ کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

"شارق بھائی ابھی میری نماز مکمل نہیں ہوئی' پلیز آپ کچھ دیر کے لیے باہر چلے جائیں۔" نویرہ نے دل و دماغ میں جو بات اٹکی تھی بلا جھجک کہہ دی۔

شارق زمان کے صرف چہرے کا رنگ ہی نہیں تیور بھی بدلے تھے۔

"کیوں.....؟" ایکدم وہ سردسی کیفیت کی لپیٹ میں آیا تھا۔ نویرہ کا اسے یوں منہ اٹھا کر کمرے سے چلے جانے کا حکم بہت گراں گزرا۔

"پلیز مائنڈ نہیں کیجیے گا' مجھے بالکل تنہائی میں نماز ادا کرنے کی عادت ہے۔ کسی کی موجودگی میں یکسوئی نہیں رہ پاتی۔ ابھی آپ کمرے میں داخل ہوئے تھے تو میرا دھیان بٹ گیا تھا۔ پلیز۔" مختصراً اس نے سنجیدگی سے وضاحت کر دی تھی۔ شارق زمان نے گہری سانس لی۔

"اوکے تم نماز ادا کرو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ لنچ کرو گی۔" وہ رسٹ واچ دیکھتے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ نویرہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں لنچ کا ٹائم تو ہے؟" شارق کو بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔ ایکدم اس نے سوچا تھا کہ اپنے اور نویرہ کے لیے کسی بھی نزدیکی ریسٹورنٹ سے کھانا پیک کروا لائے گا اب اس کا انکار.....

"صبح میں کھانا لے کر آئی تھی۔ کافی سارا ٹفن میں موجود ہے۔ اگر آپ کو بھوک لگی ہے تو لے لیں بلکہ ہاسپٹل کی کینٹین سے گرم کروا لائیں۔ صبح کا تیار کیا ہوا ہے' اب تو ٹھنڈا ہو گیا ہو گا۔"

PDFSHOP.BLOGSPOT.COM

"کیا ہے؟" مزید چند پل اسے دیکھتے رہنے کو دل نے اکسایا تو اس نے ٹفن ٹیبل سے اٹھالیا۔

"بریانی' ساتھ میں چنے کا سالن اور پھلکے ہیں۔"

"تم اماں کے لیے صبح یہ لے کر آئی تھیں؟" ٹفن کھول کر ڈبے دیکھتے اس نے نوریہ کا چہرہ دیکھا۔

اماں کو چونکہ باتھ روم کے استعمال میں ابھی مسئلہ تھا تو ان کو ڈاکٹرز کی ہدایت پر ہلکی پھلکی غذا استعمال کروائی جارہی تھی۔ اس لیے اس نے پوچھا تھا۔

"نہیں..... ان کے لیے علیحدہ کھانا تھا' وہ نچلی دراز میں ہاٹ پاٹ میں ہے۔" شارق زمان نے دوبارہ ٹیبل کی نچلی دراز کی طرف دیکھا۔ سرخ رنگ کا ہاٹ پاٹ رکھا ہوا تھا۔

"اوکے میں یہ گرم کروا کر لاتا ہوں۔ ویسے برتن ہیں کہ..... لے آؤں۔"

"نہیں یہ شاپر میں رکھے ہوئے ہیں گھر سے لے کر آئی تھی۔" اس کے بتانے پر اب شارق کے پاس یہاں رکنے کا مزید کوئی جواز نہیں رہا تھا۔ سو ٹفن اٹھا کر چلا گیا تھا۔ نوریہ جو اتنی دیر سے بمشکل خود کو کنٹرول کررہی تھی' اس نے ایک تلخ سی نظر دروازے پر ڈالی۔ شارق زمان کی اپنے اوپر ڈالی جانے والی ایک عام سی نظر بھی اسے اچھی طرح محسوس ہوجاتی تھی اور اب تو پھر.....

"پتا نہیں کیا ہوگیا ہے ان کو..... اللہ ہدایت دے۔" دوبارہ نیت باندھنے سے پہلے اس نے سوچا تھا۔

نماز ادا کر کے تسبیح کررہی تھی' جب دروازہ کھلا تھا۔ نوریہ نے پلٹ کر دیکھا' شارق کے ساتھ رضا کو دیکھ کر نوریہ کے چہرے پر ایک دم تازگی سی آ گئی تھی۔

"رضا! تم.....؟" وہ فوراً کھڑی ہوگئی تھی۔

"السلام علیکم....."

شارق نے آگے بڑھ کر برتن ٹیبل پر رکھے تھے۔ جبکہ رضا نے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" نوریہ جو تنہا شارق کی وجہ سے الجھی ہوئی تھی نرس بھی نہیں تھی اماں بھی سوئی ہوئی تھیں۔ اندر ایک چیز اس کا دل کاٹ رہی تھی اب رضا کو دیکھ کر وہ جیسے جی اٹھی تھی۔ یوں جیسے اجنبی لوگوں میں کوئی اپنا مل گیا ہو۔

"مجھے یقین نہیں آرہا یہ تم ہو....." وہ کہے بغیر نہیں رہی تھی۔ اس کے لہجے میں ایسی بات ضرور تھی کہ رضا تو ایک طرف شارق نے بھی تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ دھیمے انداز میں رہنے والی سلجھی سی طبیعت کی مالک لڑکی تھی۔ اس کی طبیعت کی ذرا سی بے تابی دونوں نے شدت سے محسوس کی۔ شارق نوریہ کے چہرے کی کھلتی رنگت کو ہی دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ شارق کی موجودگی میں وہ ہمیشہ گم صم' چپ چاپ لاپروا سنجیدہ سی لڑکی بنی رہتی تھی اور اب..... ایک واضح تغیر شارق زمان نے اچھی طرح محسوس کیا۔

"میں تائی امی کی طبیعت معلوم کرنے آیا تھا..... کالج سے سیدھا آیا ہوں۔ کیسی ہیں اب بڑی اماں.....؟" وہ کالج یونیفارم میں تھا۔ اس کے ہاتھ میں بکس' نوریہ کو وہ کالج یونیفارم میں ہمیشہ سے زیادہ اچھا سنجیدہ اور سلجھا ہوا لگا۔

"ظاہر ہے ٹانگ کا مسئلہ ہے فریکچر ہوئی ہے' اب آہستہ آہستہ ہی آرام آئے گا۔ تم کھڑے کیوں ہو بیٹھو نا۔"

اس نے فوراً اس کے قریب کرسی کھسکائی۔

شارق زمان کے لیے رضا کے لیے نوریہ کی یہ اپنائیت اور بے تکلفی نہ صرف نئی تھی بلکہ حیران کن بھی تھی۔ رضا خاموشی سے کرسی پر ٹک گیا۔

"چچی جان کیسی ہیں..... اور رشا کہاں ہے؟ اسے کہنا کسی دن ہمارے ہاں چکر ہی لگالے۔ اتنی بے مروّت ہے وہ لڑکی کہ خود سے کبھی نہیں آتی ہر بار مجھے اصرار کر کے بلوانا پڑتا ہے۔"

شارق زمان اسے دیکھتے دوسرے بیڈ کے سرہانے والی سائیڈ پر ٹک گیا تھا۔

"امی ٹھیک ہیں..... رمشا یہاں نہیں ہے' وہ آج صبح ہی اپنے کالج کی طرف سے حمیرا وغیرہ کے ساتھ ٹرپ پر گئی ہے۔ ان کے کالج کا ٹرپ مری کی سائیڈ میں گیا ہے۔"

"اوہ..... آئی سی....." نوریہ نے سر ہلایا' پھر چادر ڈھیلی کرتے وہ بھی دوسری کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"تم ہمارے گھر کیوں نہیں آتے؟" ہاتھ بڑھا کر بڑی اماں کے بستر کی چادر درست کرتے وہ پوچھ رہی تھی۔ رضا حمید حسن کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ نوریہ یہاں ہوگی۔ اگر علم میں ہوتا تو شاید کبھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ اب دل مسوس کر لب کاٹ رہا تھا۔ نوریہ کا انداز وہی تھا' بلکہ پہلے سے زیادہ اپنائیت بھرا تھا مگر وہ اب خوش فہمیوں سے نکل آیا تھا۔ وہ اسے ایک چھوٹا سا بچہ' بھائی یا پھر دوست سمجھ کر رکھتی ہے..... وہ اچھی طرح جان چکا تھا۔

"تم نے جواب نہیں دیا' تم کیوں نہیں ہمارے ہاں آتے۔" وہ اپنے ہاتھ کی تیسری انگلی کی انگوٹھی اتارتے چڑھاتے پوچھ رہی تھی۔ نوریہ کے ہاتھوں کی حرکت اور انگوٹھی پر رضا اور شارق دونوں کی نظر پڑی تھی۔ دونوں کے احساسات نے عجیب سے انداز میں کروٹ بدلی تھی۔

ایک کے اندر اذیت وتکلیف کے ساتھ نارسائی کا جذبہ تھا۔

تو دوسرے کے اندر ہیجان' جذباتیت کا لاوا برپا ہوا تھا۔

ایک کا جی چاہا کہ اسے اس حرکت سے منع کردے۔

دوسرے کا جی چاہا کہ اس کے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر دور پھینک دے۔

ایک اپنے جذبوں سے گھبرا کر فوراً سر جھکا گیا تھا۔

تو دوسرا غم وغصے کے لاوے کو ایکدم پھٹنے سے روکنے کے لیے فوراً اٹھ کر نوریہ کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

نوریہ نے چونک کر شارق زمان کو دیکھا۔

"تم رضا سے پھر انوسٹی گیشن کرلینا' مجھے بڑی سخت بھوک لگ رہی ہے۔ کھانا میں گرم کروالایا ہوں۔ اس سے پہلے کہ مزید ٹھنڈا ہو برتنوں میں نکالو۔" تحکم بھرے انداز میں نہ چاہتے ہوئے

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

بھی شارق زمان کے اندر کی کھولن باہر آ گئی تھی۔ نویرہ نے اس کا لہجہ اور تحکمانہ انداز صاف محسوس کیا تھا تاہم کچھ کہنے کے بجائے وہ خاموشی سے اٹھ کر برتنوں میں کھانا نکالنے لگی تھی۔

برتنوں میں کھانا نکال کر اس نے اخبار بستر پر بچھا کر کھانا چن دیا تھا۔

''آپ دونوں کھانا کھالیں مجھے بھوک نہیں' میں بعد میں کھالوں گی۔'' برتن صرف دو افراد کے لیے تھے جو اس نے لگا دیئے تھے۔ رضا کو بھی اس نے کہا تھا وہ جو ابھی تک سر جھکائے نجانے کیا کچھ سوچ رہا تھا' نویرہ کے کہنے پر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''نہیں' میں کھانا گھر جا کر کھاؤں گا۔ امی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اس نے عذر تراشا تھا۔

''کوئی نہیں..... اتنی جلدی میں جانے نہیں دوں گی۔ تھوڑی دیر رکو پھر چلے جانا۔ بلکہ کھانا کھاؤ..... ہاتھ دھو آؤ جاؤ شاباش۔'' وہ اسے اب بھی کم عمر کزن کی طرح ٹریٹ کر رہی تھی۔ رضا کے اندر ملال کی ایک لہر تیزی سے اٹھی اور تن من بھگو گئی۔

''تم بھی کھالو' میں اور رضا ایک ہی برتن میں کھا لیتے ہیں تم یہ لے لو۔'' وہ جو سمجھا تھا کہ وہ صرف برتنوں کی وجہ سے ان کے ساتھ شامل نہیں ہو رہی اس نے فوراً آفر کی تھی۔

''نہیں..... میں نے کہا نا مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے ایک دم سختی سے انکار کر دیا تھا۔ رضا کے معاملے میں جو لہجہ انتہائی نرم و گداز اور اپنائیت بھرا تھا۔

شارق زمان نے اس کے لہجے کی تبدیلی صاف محسوس کی تھی۔ پھر باقی وقت دونوں نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد نویرہ نے برتن سمیٹ کر بیگ میں ڈالے تھے۔ خالہ ابھی تک نہیں اٹھی تھیں۔ جبکہ اب انہیں اٹھ جانا چاہئے تھا۔

رضا گھر جانے کے لیے اٹھا تو نویرہ نے اسے فوراً روکا۔

''رضا! ایک منٹ!'' وہ رک گیا تھا۔ نویرہ بجائے اسے کچھ کہتی شارق زمان کی طرف پلٹی تھی۔

''شارق بھائی آپ شام تک یہیں ہیں نا۔'' وہ پوچھ رہی تھی اس نے سر ہلایا۔

''تو پلیز جب خالہ جان اٹھ جائیں تو ان کو یہ کھانا کھلا دیجئے گا' بلکہ نرس کو بلوا لیجئے گا وہ کھانا اور میڈیسن دونوں کھلا دے گی۔'' شارق کو کہہ کر وہ رضا کی طرف پلٹی تھی۔ ''تم گھر تو جا ہی رہے ہو ہمارے روڈ سے گزرتے ہوئے مجھے گھر چھوڑ دینا۔''

شارق نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ نبیل کے آنے تک رکے گی۔

''مگر تمہیں تو نبیل لینے آئے گا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''جی..... شارق بھائی' میں ضرور نبیل بھائی کے ساتھ جاتی مگر دراصل میری ایک دوست کو آنا تھا' میں بھول گئی تھی۔ وہ تو تھوڑی دیر پہلے مجھے اچانک یاد آیا ہے۔ وہ بس آنے والی ہو گی' پرسوں اس نے فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع دی تھی۔ پلیز آپ خالہ جان کو بتا دیجئے گا۔ چلیں رضا۔'' شارق کو بتا کر وہ برتنوں والا شاپر (بیگ) اٹھا کر بالکل تیار تھی۔

رضا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ ماضی میں وہ اس سے لاکھ بے تکلف سہی مگر اس کے ساتھ کہیں آئی

گئی نہیں تھی۔ نویرہ نبیل کے علاوہ کسی اور کے ساتھ کہیں نہیں جاتی تھی اور نویرہ نے کبھی مصلحتاً بھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اب وہ یہ کام کر رہی تھی۔ رضا حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جس نے چادر سے نہ صرف اپنے وجود کو اچھی طرح ڈھانپ لیا تھا بلکہ چہرہ بھی اس کی اوٹ میں آ گیا تھا۔

''مگر میں تو بائیک پر جاؤں گا۔ آپ کو مسئلہ تو نہیں ہو گا۔'' حیرت کے سمندر سے باہر نکل کر اس نے نویرہ سے کہا۔ شارق زمان لب بھینچے دونوں کو گھور رہا تھا۔ وہ نویرہ کا جھوٹ اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ نویرہ ایسے کیوں جا رہی ہے۔

نماز کے لیے جب اس نے اسے کمرے سے نکل جانے کو کہا تھا تو شارق زمان کو برا نہیں لگا تھا مگر اب اس کا رضا کے ساتھ اس کی بائیک پر جانا بہت برا لگ رہا تھا۔ وہ صاف اور واضح انداز میں اسے نظر انداز کر کے رضا کو اہمیت دے رہی تھی۔ شارق کو یہ اہمیت' نویرہ کا اپنائیت بھرا یہ لہجہ بہت ناگوار گزر رہا تھا مگر وہ خاموش تھا۔ اور اب شارق زمان کو ایکدم احساس ہوا کہ نویرہ نے رضا کو اہمیت دے کر اس کی ہتک کی ہے۔ اس کے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ وہ مٹھیاں بھینچے غصے سے کھولتے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

رضا نے نویرہ کے ہاتھ سے بیگ لے لیا تھا۔ وہ دونوں آگے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

''آئی ڈیم اٹ۔'' شارق کا جی چاہا تھا کہ وہ کمرے میں موجود ہر چیز کو تہس نہس کر دے۔ اپنے وجود سمیت ہر چیز۔ اس کے اندر ایکدم ایسا ہی اضطراب اٹھا تھا۔ ''نویرہ.....'' نویرہ نے اسے ناقابل اعتبار قرار دے کر جو طمانچہ مارا تھا اس کی شدت سے وہ بلبلا اٹھا تھا۔

''آئی ول کل یو رضا..... آئی ول کل یو۔'' اس وقت رضا اسے دنیا کا سب سے برا انسان محسوس ہوا۔ وہ رضا جو اس کے نزدیک ایک کم عمر لڑکے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا' آج اسے وہ اپنے روبرو کھڑا محسوس ہوا۔ جسے نویرہ نے اہمیت دی تھی اسے طمانچہ مار کر۔

✿.....❁.....✿

سمعان نے اسلام آباد عثمان کے گھر والے نمبر پر کال کی تو ملازمہ سے پتا چلا کہ وہ سب لوگ تین دن پہلے مری جا چکے تھے۔ مری والے گھر کا نمبر ملایا تو زوباریہ نے کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔ کون؟ سمعان؟'' انہوں نے فوراً آواز پہچانی۔

''جی۔''

''کیسے ہو؟'' انہوں نے پوچھا تو مسکرا دیا۔

''بالکل اے ون..... آپ سنائیں؟ خوب تفریح ہو رہی ہے پھر؟''

وہ اس وقت آفس میں تھا' دو تین دن وہ مسلسل مصروف رہا تھا۔ آج اس نے ارادہ کیا تھا کہ کال کر کے وہاں سب کی خیر خیریت دریافت کرے گا۔

''بالکل..... ویسے تم سے میں بہت سخت ناراض ہوں۔'' ان کے لہجے میں ایک دم شکوہ در آیا تھا

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

سمعان ہنس دیا۔

"وہ کیوں بھلا؟ مجھ ناچیز سے ایسی کیا خطا سرزد ہوگئی؟"

"تم آئے کیوں نہیں..... میں نے بابا کو کال کی تھی کہہ رہے تھے کہ اب تقریباً تم فارغ ہی ہو وہ تمہیں آج کل میں بھیج دیں گے مگر تم....." وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہوگئیں۔

"آپ کے پاپا کو کیا پتا ان کے علاوہ بھی چچا جان کے آفس کا بھی بہت سا کام ہے جو مجھ پر آپڑا ہے۔ اب سب کچھ میں ابو پر اکیلے چھوڑ کر تفریح کرنے چلا جاؤں کیا بھلا اچھا لگتا۔" زوباریہ کے ناراض لہجے پر اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"ایک دو دن کی بات ہے صرف..... اتنا وقت تو تم نکال ہی سکتے ہونا۔"

باقی سب کو پانچ دن ہوگئے تھے وہاں گئے ہوئے۔ شروع دو تین دن سمعان احمد نے مسلسل رابطہ رکھا تھا۔ درمیان میں دو دن کوئی کال نہیں آئی تھی' صرف اسی لیے کہ ادھر سے فوراً سب کچھ چھوڑ کر چلے آنے پر زور دیا جائے گا مگر اب زوباریہ کے مسلسل ایک ہی لہجے میں بات کرنے پر سمعان الجھ کر رہ گیا۔

"بات وقت کی نہیں ہے' یہاں' امی' ابو کو تنہا چھوڑ کر میں نہیں جاسکتا۔ آپ کو ہمارے گھر کے حالات کا اچھی طرح علم ہے امی ابو کے درمیان کسی بھی وقت کوئی بھی بات ایشو بن کر حد کراس کرسکتی ہے۔ امی ابو کو بس موقع چاہئے ہوتا ہے۔ اگر ہم بہن بھائی ان کے سامنے نہ ہوں تو نجانے اب تک کیا ہو چکا ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ میری غیر موجودگی میں وہ لوگ آپس میں الجھیں اور بات حد سے بڑھے۔ پلیز بھابی سمجھنے کی کوشش کرو۔"

سمعان کی بات پر دوسری طرف شکوہ کرتی زوباریہ ایکدم ندامت سے دوچار ہوئی۔

"سوری..... میرا اس طرف دھیان نہیں گیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں' میرا جانا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے' جتنا امی بنالیں گی۔ بزنس کے علاوہ میری کوشش ہوتی ہے کہ میں کہیں نہ جاؤں یا پھر فرح یا علی امی ابو کے پاس ہوں۔ ان کی موجودگی میں امی ابو تھوڑا بہت خود پر کنٹرول کرلیتے ہیں لیکن جب ہم سب منظر سے غائب ہوں تو امی کا پارہ ہائی ہوجاتا ہے۔ خاص طور پر چچا جان کی فیملی کے ساتھ وہ تو خواب میں بھی گوارہ نہ کریں گی اور آپ جانتی ہیں میں کم از کم امی کو اپنی طرف سے کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔"

اتنے دنوں کی اندر کی گھٹن سمعان احمد نے زوباریہ کے سامنے نکالی تھی۔ ورنہ وہ گھر سے آفس' آفس سے گھر کے معاملات میں خود کو بری طرح الجھا چکا تھا مگر ذہن کتنا بھی الجھا ہوا کیوں نہ ہو' جب دل الجھا ہو تو ہر مصروفیت انسان کو اذیت و تکلیف سے دوچار کردیتی ہے۔ اپنے آپ کو بے پناہ مصروف کرنے کے باوجود وہ خود کو تنہائی کے احساس سے نہ بچا پایا تھا۔ گھر میں فرح اور علی کے جانے سے پہلے ہی ہلکی سی چپقلش امی ابو کے درمیان ہو چکی تھی اور اب سمعان احمد اپنی طرف سے امی کو مزید ٹینشن میں مبتلا نہیں کرسکتا تھا۔

"چھوڑیں ان باتوں کو آپ بتائیں خوب انجوائے ہو رہا ہے۔"

"ہوں..... بہت مزہ آرہا ہے' ہم سب تمہیں بہت مس کررہے ہیں مگر خیر تقریباً روز کہیں نہ کہیں گھومنے نکلتے ہیں۔" انہوں نے موڈ بدلتے ہنس کر بتایا تھا۔

"آج کہیں نہیں گئے تھے؟"

"نہیں..... نتھیا گلی گئے ہوئے تھے مگر جلدی لوٹ آئے' زرش کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اسلام آباد میں تو وہ ٹھیک ہی تھی مگر مری آتے ہی اسے ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ بخار سے مسلسل تپ رہی ہے۔ آج ہمارے ساتھ چچی جان اور زرش نہیں گئی تھیں باقی ہم سب ہی گئے تھے۔"

انہوں نے یونہی تفصیلی بتایا تھا۔ زرش کی طبیعت کا سن کر ہی سمعان احمد پریشان ہوا تھا۔

"خیریت ہے نا..... زیادہ تو طبیعت خراب نہیں ہوگئی۔ کوئی میڈیسن یا ٹریٹمنٹ وغیرہ کروایا....." فوراً تشویش سے پوچھا تھا۔

"ہوں..... ہر روز صبح شام ڈاکٹر چیک کررہا ہے۔ میڈیسن بھی لے رہی ہے لیکن کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا۔" انہوں نے بتایا تو سمعان احمد کے دل کو کوئی عجیب سے انداز میں چھو گیا۔

"کہاں ہے وہ اس وقت؟" وہ اس سے ناراض تھی' سمعان احمد کی تقریباً شروع کے دو تین دن سب سے بات ہوتی رہی تھی سوائے اس کے' اور اب اس کی بیماری کا سن کر سمعان سے رہا نہ گیا۔ فوراً پوچھا۔ سمعان کے لہجے سے زرش کے لیے اتنی تشویش خصوصی طور پر نوٹ کی جاسکتی تھی۔

"کمرے میں ہے..... بستر میں لیٹی ہوئی تھی۔"

"بات ہوسکتی ہے میری اس سے۔" سمعان کا دل ایکدم اس کی آواز سننے کو مچل گیا تھا۔ سو فوراً کہہ بھی دیا تھا۔

"ٹھہرو ایک منٹ میں دیکھتی ہوں..... میں یہ کارڈلیس اسے دیتی ہوں اگر سو نہ گئی ہو تو بات کرلینا....." بھابی اسے کہہ کر چلی گئی تھیں' سمعان ریسیور کان سے لگائے متوجہ تھا۔

"زرش؟" دور سے بھابی کی آواز سنائی دی۔

"ہوں....." یہ زرش تھی۔ سمعان پوری طرح متوجہ ہوا۔

"زرش..... یہ تمہاری کال ہے۔"

"کس کی ہے؟" انتہائی ہلکی آواز تھی۔ سمعان اگر پوری طرح متوجہ نہ ہوتا تو شاید سمجھ بھی نہ پاتا۔

"سمعان ہے..... میں نے تمہاری طبیعت کا ذکر کیا ہے تو بات کرنا چاہتا ہے۔"

"کہہ دیں..... سو گئی ہوں..... مجھے نہیں کسی سے بات کرنی..... پلیز منع کردیں۔" انتہائی چڑچڑی تلخ سی آواز تھی۔ سمعان زرش کی ناراضی کا تصور کرکے ہی پریشان ہوگیا..... (ابھی تک یہ لڑکی ناراض تھی)

"زرش..... کتنی بری بات ہے..... اتنی دور سے سمعان نے صرف تمہارے لیے کال کی ہے۔ تمہاری طبیعت کا سن کر اتنا پریشان ہو رہا ہے..... آرام سے بات کرو۔" بھابی نے اسے شاید ڈانٹا

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

تھا۔ ''لو بات کرو۔''

''بھابی..... پلیز..... منع کر دیں۔'' اس کی انکاری آواز بہت واضح تھی۔

''زرش.....'' انہوں نے شاید ٹوکا تھا۔

''لائیں دیں.....'' ناراضی سے اس نے شاید کارڈلیس تھام لیا تھا۔

''ہیلو.....'' وہی ناراضی' بے پناہ خفگی' چڑچڑاہٹ کا واضح تاثر تھا۔ سمعان احمد نے ایک گہری سانس لی۔

''زرش.....'' سمعان نے بہت محبت وتوجہ سے پکارا تھا۔ یوں لگا جیسے اس پکار میں دل کے سارے جذبے بندھ گئے ہوں۔

''ہیلو..... ہیلو.....'' دوسری طرف صرف یہی آواز آ رہی تھی۔

''زری! یہ میں ہوں سمعان! آواز آ رہی ہے تمہیں۔'' اس کے ''ہیلو ہیلو'' کہنے پر سمعان نے تیزی سے کہا تھا مگر دوسری طرف زرش کی آواز سن کر سمعان بالکل چپ سادھ گیا۔

''ہیلو..... ہیلو..... بھابی لائن کلیئر نہیں ہے۔ پکڑیں اس کو۔ اب کال آئے نا تو مجھے ڈسٹرب نہیں کیجئے گا۔ سونا چاہتی ہوں اب میں۔ پلیز۔'' سمعان کو اس کا ایک ایک لفظ بہت واضح اور صاف سنائی دے رہا تھا اور وہ کہہ رہی تھی کہ لائن کلیئر نہیں ہے۔ سمعان نے لب بھینچ لیے۔ وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اتنی شدت' محبت اور اپنائیت سے پکارنے کے باوجود اس نے سمعان کی پکار کو درخور اعتنا نہ سمجھا تھا۔

وہ جو کہتی تھی کہ سمعان بھائی میں آپ سے نہ ملوں تو مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا' وہ سمعان سے ناراض تھی اور اس قدر ناراض کہ اس سے بات کرنا تو دور کی بات فون سننا بھی گوارا نہیں کر رہی تھی۔

''ہیلو.....'' بھابی کی آواز ماؤتھ پیس سے ابھری تو سمعان نے آہستگی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

وہ ناراض ہے۔ وہ بخار میں پھنک رہی ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سمعان احمد کا ذہن صرف انہی تین باتوں کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ اس نے کتنے مان اور یقین سے سمعان کو اپنے ساتھ چلنے کا کہا تھا اور سمعان کے انکار پر نہ صرف وہ اس سے بری طرح ناراض ہو چکی تھی بلکہ وہ سمعان کا تحفہ بھی اس کے کمرے میں ہی خاموشی سے گرا گئی تھی۔

سمعان احمد کا دل زرش کی خرابی طبیعت کا سن کر ایکدم سب کچھ یہیں چھوڑ کر مری اڑ کر چلے جانے کو اکسانے لگا۔

بہت ضدی ہو تم زرش..... بہت ضدی.....'' سمعان احمد کو لگ رہا تھا کہ یہ چھوٹی سی لڑکی اسے بری طرح ہار جانے پر مجبور کر رہی ہے۔

زرش کا بخار کچھ کم ہوا تو وہ شال اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر کمرے سے نکل آئی۔ مری میں آج

ان کا چوتھا دن تھا۔ آج برف باری بند تھی موسم تھوڑا سا بدلا تھا۔ سورج کبھی شکل دکھا کر کسی بدلی کی اوٹ میں جا چھپتا تھا۔ اس وقت وہ سب اس چھوٹے سے لکڑی کے بنے کاٹیج کے لان میں بیٹھے لڈو کھیل رہے تھے۔ زرش نے لکڑی کی بنی اس بالکنی سے نیچے چھانکا کتنا مکمل منظر تھا۔ سب کتنے خوش تھے' پاپا یہاں آ کر بہت فریش ہو گئے تھے' اور وہ خود بیمار ہو کر رہ گئی تھی۔ کراچی سے نکلتے وقت وہ سمعان احمد کے رویے اور انکار کی وجہ سے بدظن تھی مگر اسلام آباد آنے کے بعد بھی زرش کا موڈ نہیں بدلا تھا۔ کوئی چیز اسے اندر ہی اندر کلک کرتی رہی تھی وہاں گزارے تین دن وہ سخت اذیت میں گرفتار رہی تھی۔ سمعان کی کال آئی تو وہ ادھر ادھر ہو جاتی تھی۔ اس نے ہر پل ہر لمحہ ہر سیکنڈ سمعان احمد کو مس کیا تھا' اور اپنے اس طرز عمل بلکہ رویے پر وہ خود بھی حیران ہو گئی تھی۔ سمعان سے اس کی لاکھ انسیت ومحبت سہی مگر ایسی کیفیت اس کی زندگی میں پہلی بار ہو رہی تھی اور جب بھی اپنی اس کیفیت کا احساس ہوتا تو وہ خود سے الجھ پڑتی تھی۔ ''میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟'' وہ خود سے پوچھ پوچھ ہاری تھی۔

سمعان احمد ان کے لیے بہت خاص تھا اس کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا ان کی فیملی کے لیے لازم وملزوم تھا مگر ایسا بھی کیا کہ وہ صرف ایک انسان کو اپنے دل ودماغ پر اس طرح حاوی کر لے کہ بیمار ہو کر رہ جائے۔ مری آنے کے بعد سے لے کر وہ اب تک یہی سوچ سوچ کر الجھی اور الجھ الجھ کر مزید خود سے ناراضی کا اظہار کرنے لگی تھی۔

سمعان بھائی کو ہماری پروا نہیں تو پھر مجھے بھی نہیں۔'' ہر لمحہ ہر پل اس نے یہ کہہ کر خود کو بہلایا تھا مگر.....

''ہیلو زرش..... نیچے آ جاؤ..... بہت مزہ آ رہا ہے۔ یہ دیکھو ہم جیت رہے ہیں۔'' بھابی کی نظر اچانک بالکنی میں کھڑی زرش پر پڑی تو اسے پکارا وہ اپنی سوچوں سے نکل کر مسکرائی۔ سبھی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

زرش کمرے سے کیوں نکلیں۔ جاؤ شاباش کمرے میں یہاں تو بہت ٹھنڈ ہے۔'' ماما کی بھی نظر اس پر پڑی تو فوراً ہدایت دی تھی۔ وہ مسکرا کر رہ گئی۔

''کچھ نہیں ہوتا ماما! مجھے یہاں کھڑا ہونا بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

اس نے وہیں کھڑے کھڑے کہا تو پاپا نے اپنی اس چہیتی بیٹی کو ذرا غور سے دیکھا جس قدر ضد کر کے سب کو راضی کر کے اس نے یہ پروگرام ترتیب دیا تھا وہ یہاں آنے کے خیال سے جس قدر خوش تھی' یہاں آ کر وہ خوش نہیں تھی۔ ہر وقت مرجھائی مرجھائی اور افسردہ سی دکھائی دی تھی۔ اور پھر اس کی اس بیماری نے سعود احمد کو مزید الجھا دیا تھا۔

''ادھر آ جاؤ..... میرے پاس۔'' انہوں نے اشارہ کیا تو وہ گردن ہلاتی نیچے اتر آئی۔ نیچے اچھی خاصی ٹھنڈ تھی۔ لان میں قدم رکھتے ہی تیز سرد ہوا کے جھونکے نے اس کے وجود کو چھوا تھا۔ زرش نے کپکپا کر شال مزید مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹی۔

پاپا کے پاس پہنچی تو انہوں نے بازو وا کر لیا تو وہ ان کی کرسی کے بازو پر ٹک گئی۔

PDF-STUFF.BLOGSPOT.COM

''اب کیسا فیل کر رہا ہے ہمارا بیٹا!'' اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے سہلاتے انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا۔ زرش ہنس دی۔

سعود احمد کو اندازہ ہوا کہ کراچی سے آنے کے بعد وہ پہلی دفعہ یوں کھل کر ہنسی ہے۔

''فائن پاپا..... آپ خود دیکھ لیں اب تو مجھے ٹمپریچر بھی نہیں ہے۔ پہلے سے بہت بہتر ہوں۔'' ان کے ہاتھ میں اپنی کلائی دیتے وہ واقعی پچھلے دنوں سے بہت بہتر خوش اور قدرے ہشاش بشاش دکھائی دے رہی تھی۔ وہ مسکرائے..... بہت محبت سے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

''السلام علیکم.....'' علی کی بات پر وہ سب ہنس ہی رہے تھے کہ اس پکار پر سب ہی پلٹے۔

''سمعان بھائی۔'' فرح اور علی کی خوش نما چیخ سب سے نمایاں تھی۔ سمعان ہاتھ میں بیگ تھامے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ زرش بھی پلٹی اور ساکت ہوگئی۔

''سمعان!'' سعود احمد بھی فوراً اٹھے تھے۔

سمعان احمد مسکرا کر سب کو دیکھ رہا تھا۔ علی فرح' نوشی' بھابی' عثمان بھائی' چچا جان' شائستہ بیگم اور سعود احمد کی کرسی کے بازو پر حیرت سے دیکھتی زرش کو۔

''تمہارا تو کوئی پروگرام نہیں تھا آنے کا۔ اس وقت اچانک کہاں سے ٹپک پڑے۔'' سب کا ہی حیرت سے برا حال تھا۔ عثمان نے ہی اس حیرت کو توڑا تو سمعان احمد آگے بڑھ کر عثمان کے گلے لگ گیا۔

''بس اچانک ہی پروگرام بنالیا۔'' وہ اب سب سے مل رہا تھا۔

شائستہ بیگم سے پیار لے کر وہ اب سعود احمد صاحب کے گلے لگا تھا۔

زرش جو ابھی تک کرسی کے بازو پر ٹکی حیرت سے یک ٹک سمعان احمد کو دیکھے جا رہی تھی اسے یوں پاپا کے قریب دیکھ کر چونکی پھر فوراً کھڑی ہوئی تھی۔

''کیسی ہو تم؟'' چچا سے ملنے کے بعد سمعان نے اب اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ کزن سے مصافحہ کرنا ان کے ہاں عام سی بات تھی' علی' سمعان' عثمان' وقار بھائی سعد وغیرہ سبھی سے وہ ہاتھ ملاتی تھیں مگر اب سمعان کے استفسار پر وہ پزل سی ہوئی تھی۔ اس نے جواباً صرف سر ہلایا تھا۔

سمعان نے بہت گہری نظر سے زرش کے حیران مگر گھبرائے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔

اس کا پزل ہونا بہت اچھی طرح محسوس کیا۔ پیلا زرد چہرہ واقعی بتا رہا تھا کہ وہ گزشتہ دنوں کس تکلیف سے دوچار رہی ہوگی۔ وہ پہلے بھی بخار میں مبتلا ہوتی رہتی تھی مگر اتنی پیلی زرد اور آنکھوں کے نیچے حلقے کبھی واضح نہیں ہوئے تھے۔ سمعان نے ہلکے سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا تھا۔

''جیسے ہی کام سے فارغ ہوا فوراً چلا آیا پھر بہت سے لوگ ناراض تھے سوچا نامہ اعمال اب اتنا برا بھی نہیں ہونا چاہئے۔ فوراً رخت سفر باندھا اور آپ سب کے سامنے ہوں کیوں خوشی نہیں ہو رہی یا اچانک دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں۔'' سب کی طرف مسکرا کر دیکھتے ایک نظر زرش کو جتاتے اس نے پوچھا تو سب ہنس دیئے۔ زرش کا سر جھکا۔

''نہیں..... تمہارا سرپرائز بہت اچھا لگ رہا ہے۔ بہت اچھا کیا تم آگئے۔ تمہیں تو ہم سب نے بہت مس کیا ہے۔'' سعود احمد نے مسکرا کر سمعان کا کندھا تھپتھپایا تھا۔ سمعان نے داد طلب نظروں سے زرش کی طرف دیکھا تو وہ سنجیدگی سے رخ موڑ گئی۔ (یعنی کہ ابھی بھی معافی نہیں ملنے والی)

کن انکھیوں سے اسے دیکھتے سمعان دوسروں کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

زرش کی طبیعت کی خرابی اور پھر اس کا کال ریسیو نہ کرنا بلکہ اس سے بات نہ کرنا، نے سمعان کو یہاں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ہر چیز برداشت کر سکتا تھا مگر زرش کی ناراضی نہیں۔ اس کی طبیعت کا سن کر تو وہ خود کو عجیب سا بے بس محسوس کرنے لگا تھا اور اب اسے دیکھ کر ایک طمانیت کا احساس رگ و پے میں اترتا چلا گیا تھا۔ تاہم زرش کا سنجیدگی سے رخ موڑ لینا واضح کر گیا تھا کہ وہ ابھی تک ناراض ہے۔

''تم آئے کیسے..... کل کی برف باری سے رستہ تو خراب ہے؟'' وہ سب اندر چلے آئے تھے۔ عثمان نے پوچھا تو باقی سب بھی متوجہ ہوئے۔

''سیدھا ایئرپورٹ سے ہی آیا تھا۔ ٹیکسی ہائر کی تھی' راستہ خراب تھا ڈرائیو نے کافی دور اتار دیا تھا پیدل چل کر آیا ہوں۔''

''تم کال کر دیتے میں گاڑی لے کر آجاتا۔'' عثمان نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''اگر کال کر دیتا تو سرپرائز نہ رہتا۔''

''ہوں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے سمعان..... سمعان کو سامنے دیکھ کر تو ابھی تک یقین نہیں آرہا۔'' چچی کی آواز پر وہ کھل کر ہنسا تھا۔

زرش جو فوراً اندر اپنے کمرے میں آگئی تھی' اب باہر اس چھوٹے سے کاٹیج کے چھوٹے سے لاؤنج میں گونجتی آوازوں کو سن کر عجیب سے محسوسات کا شکار ہو رہی تھی۔ سمعان احمد کی اچانک آمد نے اسے بھی حیرت اور پھر خوشی سے دوچار کیا تھا۔ سمعان سے لاکھ ناراضی کا اظہار سہی مگر دل اندر ہی اندر خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ وہ اپنی کیفیت میں مزید الجھنے کے بجائے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند گئی تھی۔

رات کا کھانا جلدی کھالیا گیا تھا۔ میڈیسن کا اثر تھا کہ کیا تھا زرش فوراً بے خبر ہوگئی تھی۔ رات کو دوبارہ برف باری کا سلسلہ تو شروع نہیں ہوا تھا مگر دھند بہت بڑھ گئی تھی جس کی وجہ سے سردی بھی شدید تھی۔ دس بجے تک چھوٹے سے لاؤنج میں بیٹھے سبھی خوش گپیوں میں مصروف رہے تھے۔ آتش دان کے آگے بیٹھے خشک میوہ جات سے انصاف کرتے جیسے کسی کو کوئی فکر و ٹینشن ہی نہ تھی۔ سعود احمد سونے کے لیے اٹھے تو لڑکیاں بھی اٹھ گئیں۔ اس کاٹیج میں دو کمرے تھے اور ایک لاؤنج' کچن سیڑھیاں چڑھ کر اوپر بالکنی کے ساتھ تھا۔ یہ کاٹیج سعود احمد نے خریدا تھا۔ جب بھی ان لوگوں کا یہاں آنے کا پروگرام بنتا تھا وہ لوگ اسی کاٹیج میں ٹھہرتے تھے۔ بہت خوبصورت اور سجاوٹ سے بھرپور تھا۔ لکڑی کا دیدہ زیب کام اس کی خوبصورتی بڑھاتا تھا۔ سعود احمد اور شائستہ ایک کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے' زرش' نوشین' فرح اور زوباریہ حمزہ کے ساتھ دوسرے کمرے میں تھیں جبکہ علی اور عثمان لاؤنج میں

PDFBOOKFREE.BLOGSPOT.COM

میٹرس پر ہوتے تھے آج چونکہ ان کے ساتھ سمعان بھی تھا تو تینوں لڑکیوں کے جانے کے بعد بھی کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے پھر یونہی باتیں کرتے کرتے جانے کب آنکھ لگی تھی۔

سوتے سوتے اچانک زرش کو حبس کا احساس ہوا تھا' وہ گہری نیند سے بیدار ہوئی تھی۔ نائٹ بلب کی روشنی سے کمرہ بھرا ہوا تھا۔ وہ ساکت سی چاروں طرف دیکھے گئی۔ کھانا کھاتے ہی وہ میڈیسن لے کر سوگئی تھی کچھ میڈیسن کی تلخی اور کچھ اپنے ساتھ سوتی نوشین اور فرح کے جسموں کی حرارت زرش کو ٹھنڈے پسینے آتے محسوس ہوئے۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے لحاف ہٹا کر بستر سے باہر ٹانگیں نکال لیں۔ شال کے لیے ادھر ادھر ہاتھ مارا مگر کچھ نہ ملا تو فرح کا دوپٹہ ہی اٹھا کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ لاؤنج کی لائٹ روشن تھی۔ وہ تینوں باتیں کرتے سوئے تھے۔ لائٹ آف کرنا کسی کو یاد نہ رہا تھا۔ زرش کی نظر میٹرس پر لیٹے وجود پر پڑی۔ علی اور عثمان اکٹھے ہی تھے' لحاف اوڑھ رکھا تھا مگر سوتے میں وہ ان کے جسم سے اتر چکا تھا وہ مسکرا کر آگے بڑھی، جھک کر دونوں پر لحاف درست کیا سیدھی ہوئی تو نظر سیدھی کاؤچ پر لیٹے وجود پر پڑی۔ بغیر کسی گرم کپڑے کے صرف اونی چادر اوڑھے سمعان احمد مکمل نیند میں تھا۔ سمعان کو اپنے سامنے یہاں دیکھ کر وہ جس احساس سے دوچار ہوئی تھی ایکدم پھر اس کی لپیٹ میں آ گئی۔ سمعان احمد سے وہ خفا تھی اور مزید رہنے کا بھی ارادہ تھا مگر یوں لاتعلقی اختیار کرنا اسے جتنا بے بس کر رہا تھا وہ صرف خود جانتی تھی۔

وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آئی' الماری سے گرم کمبل نکال کر واپس لاؤنج میں آ گئی۔ بہت آہستگی سے غیر محسوس انداز میں اس نے کمبل گہری نیند سوئے وجود پر ڈال دیا تھا۔ ناراضی اور غصہ اپنی جگہ مگر وہ خود کو ایسا کرنے سے باز نہیں رکھ پائی تھی۔

لاؤنج کی لائٹ آف کر کے وہ اوپر کچن میں چلی آئی تھی۔ پانی کا ایک گلاس پی کر وہ کچن سے نکلی تو ٹھنڈے سرد جھونکے نے اس کا استقبال کیا تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی اتر گئی' ایک کپکپی رگ و پے میں اتر گئی تھی۔ فرح کا دوپٹہ اس تیز سرد جھونکوں کے سامنے کچھ بھی نہ تھا۔ میڈیسن کی وجہ سے وہ نیند پوری کر چکی تھی۔ یونہی بالکنی میں آ کھڑی ہوئی۔ اطراف میں ہر چیز گہری دھند میں لپٹی ہوئی تھی۔ سردی اوس اور تیز جھونکوں نے ماحول کو عجیب سا پراسرار بنا دیا تھا۔ زرش کے اندر ایک دم خوف کی لہر اٹھی تو وہ پلٹی مگر اپنے سامنے سیڑھیوں کے پاس کھڑے وجود کو دیکھ کر وہ پھر ساکت ہو گئی۔ سردی سے کپکپاتے وجود سمیت وہ فوراً نظر پھیر گئی۔

''آ..... آپ.....'' اگلے ہی لمحے وہ سختی سے ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی۔ ایکدم یاد آیا کہ وہ اس سے سختی سے خفا ہے۔

''تم اس وقت اتنی سردی میں یہاں کیا کر رہی ہو۔ مرنے کا ارادہ ہے کیا؟'' آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے سمعان احمد اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ زرش خاموش ہی رہی۔

''کوئی احمق ہی ہوگا جو اس موسم میں اس طرح آدھی رات کو سردی انجوائے کرنے یہاں آ نکلے۔ چلو نیچے پہلے ہی بیماری سے آدھی ہو رہی ہو۔'' سرمئی گرم چادر اپنے گرد لپیٹے سمعان نے ڈانٹنے کے

انداز میں کہا تو زرش نے بے پناہ خفگی سے انہیں دیکھا۔

''میں مروں یا جیوں' آپ جائیں یہاں سے میں نے دعوت نہیں دی آپ کو۔'' وہی خفا انداز۔ خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا تھا۔ سمعان احمد نے ایک گہری سانس لی۔ سخت خفگی بھرے جھنجھلائے لہجے پر وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

سردی سے زرش کا کانپتا وجود صاف محسوس ہو رہا تھا۔ کانپ وہ رہی تھی سمعان کو اپنے وجود میں کپکپی سی محسوس ہوئی۔

''ہر وقت احمقوں کی طرح ضد اچھی نہیں ہوتی..... چلو شاباش نیچے' ایسی سردی ہڈیوں میں بیٹھ جاتی ہے پہلے ہی کافی بیمار ہو۔'' آرام سے اسے کہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ جائیں۔'' سردی سے بجتے دانت' سمعان نے اسے گھورا مگر اسے اثر کہاں تھا۔

''ناراضی اور غصہ اپنی جگہ..... چلو نیچے.....'' سمعان احمد اسے اڑیل ٹٹو کی طرح اپنی جگہ پر کھڑے دیکھ کر آگے بڑھا تھا۔ ہاتھ تھام کر غصے سے کہا تو زرش بھی ایک لمحہ کو جھجکی۔

''میں خود چلی جاتی ہوں' ہاتھ چھوڑیں میرا۔'' سختی سے کہہ کر اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر سمعان احمد کی گرفت سخت تھی۔

''سمعان بھائی پلیز.....'' اس نے بے چارگی سے سمعان کو دیکھا۔

''ابھی تک ناراض ہو..... میرا نہ آنا تمہارے غصے کا سبب تھا اب تو یہاں ہوں پھر کیوں ایسا کر رہی ہو؟'' سمعان احمد کو ایک دم لگا تھا کہ وہ اندھیرے میں ہیروں کی طرح چمکتی اس لڑکی کی آنکھوں کے سامنے ہار جائے گا اور پھر بہت ہار کر اس نے زرش کو دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی۔

''میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ آئیں یا نہ آئیں۔ آپ اپنی مرضی سے آئے ہیں۔'' اسی خفگی سے وہ اپنی جگہ جمی ہوئی تھی۔

''کل بات کیوں نہیں کی تھی تم نے مجھ سے۔''

یہ جگہ ان باتوں کی باز پرس کے لیے مناسب نہ تھی مگر زرش کا ضدی انداز دیکھ کر سمعان احمد خود کو نہیں روک پایا تھا۔

''میری مرضی میں بات کروں یا نہ کروں۔ آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے؟ آپ کو بھلا کیا فرق پڑتا ہے' اور اب کیوں آئے ہیں وہیں اپنا کام نمٹاتے۔ ہم تو ویسے بھی پرسوں واپس جا رہے ہیں۔'' سمعان کے پوچھنے پر زرش بھی اپنی ناراضی ظاہر کیے بغیر نہ رہی تھی جو دل میں تھا کہہ دیا۔ سمعان نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''بہت ضدی ہو تم..... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس حد تک بھی جا سکتی ہو۔'' اس کا ہاتھ چھوڑ کر سمعان کو اس پر غصہ آنے لگا تھا۔ بجائے اس کی پرابلم سمجھنے کے، وہ خود اس کے لیے مسئلہ بن رہی تھی۔

زرش کا وجود سردی سے کپکپا رہا تھا' دوبارہ بیمار پڑ جانے کے خوف کے باوجود صرف سمعان کے سامنے مزید اپنے ضدی انداز کو لیے وہ ریلنگ کے پاس آ گئی تھی۔ تیز جھونکوں نے اس کے وجود کو چھوا

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

تو اس نے سختی سے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے دانتوں کو میوزک شروع کرنے سے بچایا۔ سمعان نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔ اگر اس کے بیمار پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا تو آدھی رات کو اس اندھیرے میں کھڑا اپنا وقت اور نیند خراب نہ کر رہا ہوتا۔

بہت آہستگی سے اپنے وجود سے گرم چادر ہٹا کر اس کے قریب آیا۔ وہ اس کی طرف پشت کیے اندھیرے میں گھور رہی تھی۔ گرم کپڑے کو اپنے وجود کے گرد لپٹتا دیکھ کر پلٹی تھی۔

"مجھے نہیں لینی یہ چادر۔ پلیز....." اس سے پہلے کہ وہ چادر اتارتی سمعان نے سختی سے اس کا بازو اپنی گرفت میں لیا تھا۔ سمعان کے اس جارحانہ انداز پر اس کے اندر کی ساری مزاحمت وہیں ڈھے گئی۔

سمعان نے غصے سے اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔

"تم خود کو سمجھ کیا رہی ہو..... مجھ جیسے اچھے بھلے انسان کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے..... صرف تمہارے غصے اور ضدی انداز کی وجہ سے میں یہاں ہوں۔ امی ابو کے درمیان سخت کشیدگی کی فضا چل رہی ہے۔ ہماری وجہ سے وہ صرف خود پر کنٹرول کر رہے تھے میں ان کو یوں لڑتا جھگڑتا چھوڑ کر یہاں آ کر مزے کرتا۔ تم نے مجھے اتنا ہی بے ضمیر سمجھ رکھا ہے نا..... صرف اور صرف تمہاری ناراضی کا احساس تھا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر آیا ہوں۔ اور تم ہو کہ....."

سمعان ایکدم آؤٹ ہوا تھا۔ سخت غصے اور اشتعال سے کہا تو زرش سہم سی گئی۔

اس کے نالج میں یہ بات نہیں تھی وہ تو صرف سمجھ رہی تھی کہ سمعان صرف ٹالنے کو انکار کر رہا ہے۔

"تم بجائے سچویشن سمجھنے کے، اس طرح ری ایکٹ کرو گی تو لازمی بات ہے کہ سامنے والے بندے کا بھی ٹمپرامنٹ لوز ہوگا۔" سمعان کو خود بھی ایکدم احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ سختی اور اونچی آواز میں محو کلام ہے تو فوراً خود پر کنٹرول کیا۔

"تم فی الحال اس کو اوڑھے رکھو یہ تم کو کاٹ نہیں کھائے گی۔ بے شک اس کے ساتھ بھی تم وہی حشر کرنا جو تم لاکٹ کے ساتھ کر چکی ہو..... مجھے نہیں پتا تھا کہ تمہارے نزدیک میرے دیئے گئے تحفے کی یہ ویلیو ہے۔" سمعان احمد نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر بیٹھا۔ وہ فوراً نظریں چرا گئی۔

ایک دم ندامت و شرمندگی کا احساس ہوا۔ اپنی ضدی فطرت بہت بری لگی۔ اسے سمعان احمد کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مارے شرمندگی کے سر نہ اٹھایا گیا۔

سمعان احمد نے بن کہے ہمیشہ اس کے مسائل کو سمجھا تھا تو پھر وہ کیوں اتنی ناسمجھ رہی، وہ بے بسی سے انگلیاں چٹخا کر رہ گئی۔

"سوری..... آپ مجھے یہ سب پہلے بھی تو بتا سکتے تھے۔ میں نے کتنی دفعہ پوچھا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ کتنی دفعہ میں نے کہا تھا کہ جب تک آپ مجھے اصل وجہ نہیں بتائیں گے میں انکار ماننے والی نہیں..... مجھے دکھ تھا کہ جب سارا پروگرام آپ نے سیٹ کیا، ماما پاپا کو راضی کیا تو پھر خود ساتھ چلتے ہوئے کیوں کترا رہے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ تائی امی کی ناراضی کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں آ رہے اور آپ یہ بات مجھے بتا نہیں رہے۔ مجھے آپ کے نہ بتانے پر غصہ آیا تھا۔ بات انکار کی نہیں

ہے، بات آپ کے پرابلم کو سمجھنے کی بھی نہیں ہے ناراضی اور غصہ تو مجھے اس بات پر تھا کہ آپ مجھے بھلا رہے ہیں جو بات اب بتا رہے ہیں وہ پہلے ہی کہی ہوتی تو میں اس طرح ری ایکٹ نہ کرتی۔ سارا قصور آپ کا ہے تو پھر مجھ پر ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا مجھے آپ سے اس طرح ناراض ہونے کا حق نہیں ہے کہ جب آپ ہماری سب خوشیوں میں لازم ہیں پھر اب کیوں نہیں۔ یہ تو پھر چھوٹی سی تفریح تھی۔"

بہت دھیمے سے وہ بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال گئی اور پھر اس کے جواب کی منتظر تھی۔

سمعان احمد دھیمے سے مسکرا دیا۔

"ہاں حق ہے..... مگر..... چھوڑو اس بات کو یہ بھی سچ ہے کہ میں امی کی وجہ سے بھی نہیں آنا چاہ رہا تھا۔ چچا وغیرہ کے ساتھ یوں تفریح پر آنا انہیں بہت ناگوار گزرتا۔ یوں بھی میں اس وقت یہاں ہوں یہ بھی ان کے نالج میں نہیں ہے۔ صرف ابو جانتے ہیں، امی کو میں بزنس میٹنگ کا کہہ کر ہی آیا تھا۔ تاہم میرے بعد امی ابو کے درمیان کوئی کشیدگی نہ ہو بس یہی فکر ہے۔"

"سوری..... مجھے صورتحال کا اندازہ ہوتا تو یہ سچویشن ہی نہ ہوتی۔ بہرحال، ریئلی سوری۔"

سمعان ہلکے سے مسکرا دیا۔ زرش کی یہی عادت اسے بہت بھاتی تھی کہ وہ اصل صورتحال جاننے کے بعد فوراً اپنی غلطی مان لیتی تھی۔

اصل بات سامنے آئی تھی تو زرش کو لگا وہ ایکدم ہلکی پھلکی ہو گئی ہے۔ بہت طمانیت سے اس نے چادر اپنے گرد اچھی طرح لپیٹی تھی۔ اس کی ناراضی بھی ایسی ہی ہوتی تھی اور صلح بھی، وہ دل میں بات نہیں رکھتی تھی۔ ورنہ.....!

گرم چادر کی وجہ سے زرش کو اپنے وجود کی کپکپاہٹ کم ہوتی محسوس ہوئی۔ چادر سے آتی مردانہ کلون کی مہک..... زرش نے ایک گہری سانس لی۔ پھر اپنی اس حرکت پر فوراً سمعان کو دیکھا کہ کہیں اس نے اس کی یہ حرکت نوٹ نہ کی ہو۔ سمعان نے نوٹ تو نہیں کی تھی زرش کے دیکھنے پر کھل کر مسکرایا تھا۔

"اب کیا خیال ہے ناراضی مزید چلے گی یا....." بات ادھوری چھوڑ کر سمعان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ ہنس دی۔

صاف نکھری اجلی ہنسی کا تاثر جیسے سرد فضا میں ٹھہر سا گیا۔ سمعان احمد کو اپنے اندر ارتعاش سا پیدا ہوتا محسوس ہوا۔ دل تھم تھم کر رکنے لگا۔

"نہیں..... میں ناراض نہیں تھی مگر آپ کے انکار نے مجھے بہت تکلیف دی تھی۔ آپ جانتے ہیں آپ سب کے لیے میں کتنی پوزیٹو ہوں۔ آپ میں سے کسی کے بھی رویے میں کوئی تبدیلی آئے مجھے کتنا ہرٹ کرتی ہے۔" ایسے جملے وہ اکثر اور بارہا کہتی تھی مگر یہ جملے سمعان کے اندر کس انداز میں اثر پذیر ہوتے تھے وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ اندر کی دنیا سمعان احمد کی بدلی تھی زرش کی نہیں۔ وہ جیسی شروع سے تھی ویسی ہی تھی۔ اندر باہر سے تو صرف سمعان احمد بدلا تھا۔ سمعان اب بھی اس کی بات کے زیر اثر اسے دیکھے گیا۔

FEEDSTUFF.BLOGSPOT.COM

"میں یہاں صرف پانی پینے آئی تھی مگر....." وہ پھر ہنس دی تھی۔ اس کا چہرہ اس کی آنکھوں کا خاص تاثر' اس کی پیشانی پر موجود دونوں بھنوؤں کے درمیان تل ہر چیز تو اس کی ہنسی کے تابع مسکرا اٹھی تھی۔ سمعان کا دل اس کی طرف ہمکنے لگا تھا۔

"ماما پاپا میں سے کوئی اٹھ گیا اور مجھے یہاں دیکھ لیا تو سمجھو کہ جوتے پکے ہیں۔ اس سے پہلے کہ دوبارہ بیمار پڑوں نیچے چلتے ہیں۔"

اس کے اندر کا موسم کیا ہلکا پھلکا ہوا تھا وہ خود بھی ہلکی پھلکی ہوتی چلی گئی تھی۔

"زرش....." وہ نیچے جانے کو پلٹی تھی' آواز تھی کہ اس کے پیروں پر کوئی زنجیر پڑی تھی۔ ایک لمحے کو تو اس پکار پر زرش بھی ساکت رہ گئی تھی۔

وہ پلٹی تھی' سمعان کے دیکھنے کا انداز' وہ الجھی تھی۔

"جی....." سمعان احمد مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"یہ لو اپنی امانت....." سمعان احمد نے بند مٹھی اس کے سامنے کی تھی۔ اس نے انتہائی تعجب اور حیرانی سے پہلے بند مٹھی کو اور پھر سمعان کو دیکھا۔ اس سے سمعان احمد اسے ناقابل فہم محسوس ہوا۔ جیسے کوئی پہیلی..... یا چھپا کوئی راز.....

"میری..... امانت....." وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائی۔

سمعان نے مسکرا کر سر ہلاتے مٹھی کھول دی تھی۔

"اوہ میرے اللہ....." خوشی و تعجب سے وہ ہلکی سی چیخی تھی۔ پھر سمعان کو دیکھا وہ صرف زرش کے چہرے کی روشنی دیکھ رہا تھا۔ اس کے تاثرات جانچ رہا تھا۔ زرش نے اٹھانے کو ہاتھ بڑھایا ابھی اس نے سمعان کی ہتھیلی پر رکھے لاکٹ کو اپنی انگلیوں سے چھوا ہی تھا کہ سمعان احمد نے مٹھی بند کر لی۔ زرش کا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت میں تھا۔ زرش نے مزید حیرت سے دیکھا۔

"آ..... پ....."

"تم نے یہ کیوں اتارا؟" سمعان پوچھ رہا تھا۔ زرش کا شرمندگی سے برا حال ہوا۔

"تمہارے نزدیک میرے تحفے کی یہ قدر تھی۔ اس کو اس طرح یوں بے دردی سے زنجیر توڑ کر وہی میرے کمرے میں پھینک آنا..... مجھے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ اس کا تو یہی مطلب ہوا نا کہ یا تو میں اچھا نہیں یا میرا تحفہ....." سمعان نے بہت سنجیدگی سے شکوہ کیا تھا۔ زرش سے سر نہ اٹھایا گیا۔ یہاں وہ غلط تھی۔ اور اپنی غلطی وہ مانتی بھی تھی۔

اس وقت سمعان نے جب انکار کیا تو اس نے زنجیر کو جھٹکا دیا تھا اور پھر زنجیر ٹوٹ گئی۔ سمعان کے انکار نے اتنی تکلیف دی تھی کہ اسے خود بھی سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کر چکی ہے۔ لاکٹ مٹھی سے نیچے گراتے واپس غصے سے گھر آتے اور اب تک ناراضی کا اظہار کرتے ہر پل ہر لمحہ اسے لاکٹ کا خیال آیا تھا اور اب.....

"ایم سوری..... آپ کو پتا ہے میں غصے میں ہر بات بھول جاتی ہوں۔ آپ کے گھر صرف آپ کو

منانے گئی تھی، جواباً آپ کا صاف انکار سن کر مجھے بھی غصہ آیا تھا۔ یہ تو یونہی زنجیر ٹوٹ گئی اور پھر....." وہ پھر ندامت سے سر جھکا گئی۔

"بات زرش! زنجیر توڑ دینے یا لاکٹ بے دردی سے پھینک دینے کی نہیں تھی' بات تو....." سمعان کچھ مزید کہتے کہتے ایکدم لب بھینچ گیا۔ زرش نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سمعان کے لہجے اور آنکھوں میں نجانے کیا خاص بات تھی کہ وہ ایکدم پزل ہوئی۔ وہ مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"سوری....." سمعان نے ایک گہری سانس لیتے اپنے ہاتھ میں دبے زرش کے ہاتھ کو دیکھا۔ سرد یخ انگلیاں سمعان کو پوری شدت سے ان کی نرماہٹ اور ٹھنڈک محسوس ہوئی۔

سمعان نے گرفت کھولی تو زرش نے لاکٹ اٹھا لیا۔

"اب دوبارہ اس کے ساتھ وہی حشر کرنا ہے تو مجھے ابھی سے بتا دو۔"

لاک کھولتے زرش ہنس دی تھی۔ پھر چادر تھوڑی سی سرسے سرکا کر اس نے وہیں کھڑے کھڑے لاکٹ پہنا تھا' سمعان احمد اسے دلچسپی سے دیکھے گیا۔

زرش کے گلے میں لاکٹ دیکھ کر سمعان احمد کے سارے وجود میں ایک طمانیت بھرا احساس گردش کرتا چلا گیا تھا۔

"آئندہ آپ کو یہ کہنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ اب ہر بار صرف ایک ہی چیز غصے کا نشانہ تو بننے سے رہی ہو سکتا ہے اگلی دفعہ....."

"زرش....." سمعان نے اسے شرارت سے کچھ کہتے ٹوک دیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ جیسے فضا کی ہر چیز گنگنا اٹھی ہو۔

"او کے..... تھینکس' ورنہ اس بات کے غم سے تو میں بیمار ہی پڑ گئی تھی۔ یہی سوچ سوچ کر کے غصے میں پھینک کیوں آئی اگر گم ہو گیا تو..... کسی کو بتا بھی نہیں سکتی جو خاطر ہوتی وہ علیحدہ..... ابھی تک کسی کی نظر میرے گلے پر نہیں پڑی تھی ورنہ....." وہ خود ہی ہنس کر پلٹ گئی تھی پھر رکی اور سمعان کی طرف آئی تھی۔

"آپ کی یہ چادر....." چادر اتار کر اس نے آگے بڑھائی تو سمعان نے مسکرا کر تھام لی۔ وہ واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔

"اب آپ بھی نیچے آ جائیں۔ یہ نہ ہو کہ کل مجھے الزام دے رہے ہوں کہ تمہاری وجہ سے میں بھی....." شرارت سے کہتی وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھی۔

سمعان نے اوپر کھڑے اسے مسلسل مسکراتے غائب ہوتے دیکھا تھا۔

وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ بچوں کی وجہ سے گھر میں رونق رہتی تھی مگر آج کل تو گھر خالی خالی لگنے لگا تھا۔ پہلے فرح اور علی گئے تھے تو وہ سارا دن ادھر سے ادھر چکراتی پھرتی تھیں۔ رات کو سمعان اور سعید احمد آ جاتے تو کچھ تنہائی کا احساس کم ہوتا تھا مگر دو دن ہوئے تھے سمعان بھی میٹنگ کا

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

کہہ کر گیا تھا وہ اکثر لاہور جاتا رہتا۔ ایک دو دفعہ اس نے کال بھی کی تھی' طاہرہ بیگم کو کچھ سکون رہا تھا۔ فرح اور علی کو وہ بہت مس کر رہی تھیں۔ سمعان یہاں تھا تو ایک دو دفعہ اس نے ان دونوں سے بات بھی کروادی تھی خود سے وہ کال نہیں کرتی تھیں کہ وہ ان دونوں کے چچا کی فیملی کے ساتھ جانے کے حق میں نہ تھیں۔ سعید احمد اور سمعان نے ان کو بھیجا تھا، اندر سے وہ راضی نہ تھیں۔ سعید احمد کے سامنے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھیں کہ وہ کسی بھی قسم کا لحاظ نہیں کرتے تھے اور اب سمعان بھی نہیں تھا۔ سعید احمد سارا دن باہر گزار کر رات گئے لوٹتے بھی تو فوراً کھانا کھا کر سو جاتے تھے۔ ایسے میں طاہرہ بیگم کو تنہائی کا احساس مزید..... ہو رہا تھا۔

ٹی وی دیکھتے ہوئے بھی ان کی ذہنی رو فرح علی اور سمعان کی طرف ہی بھٹکی ہوئی تھی۔ ٹی وی دیکھتے اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجنا شروع ہوگئی تھی۔ انہوں نے ٹی وی بند کر کے ریسیور اٹھایا۔

''السلام علیکم.....'' اجنبی آواز تھی وہ چونکیں۔

''وعلیکم السلام..... کون.....؟'' دوسری طرف سے فوراً تعارف کروایا گیا تھا۔

''اچھا تم..... کیسے ہو بیٹا؟'' انہوں نے خوش دلی سے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے آنٹی آپ سنائیں؟''

''کیا سنانا ہے بیٹا..... اکیلی بیٹھی بچوں کو یاد کر رہی ہوں۔'' وہ تنہائی کے احساس سے گھبرائی ہوئی تھیں۔ کوئی بات کرنے کو ملا تو فوراً دلی کیفیت کا اظہار کر دیا۔

''کیوں خیریت؟ کہاں ہیں سب لوگ؟''

''فرح اور علی تو اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ عثمان کی طرف..... اور سمعان کا تمہیں پتا ہی ہوگا۔ دو دن سے وہ بھی آفس کے کام کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا ہے۔'' انہوں نے تفصیلاً بتایا تھا۔

''اچھا..... سمعان لاہور میں ہے' کتنے دن ہوگئے ہیں میری اس سے بات ہوئے۔ آج ابھی کال کی تھی میں نے مگر اس کا نمبر آف تھا۔ اسی لیے گھر کال کر رہا ہوں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ آؤٹ آف اسٹیشن ہے۔''

''ہوسکتا ہے' وہ کسی میٹنگ میں مصروف ہو۔ ورنہ تو اس کا نمبر آن ہی ہوتا ہے۔''

''اچھا پھر آنٹی میں پھر ٹرائی کرتا ہوں آپ بھی کوشش کیجیے گا اگر اس کا نمبر آن ہوا تو مجھے بتا دیجیے گا مجھے اس سے ضروری بات کرنی تھی۔''

''ٹھیک ہے میں دیکھتی ہوں پھر کال کرتی ہوں۔ تم بھی کوشش کرنا۔''

''جی آنٹی ضرور..... اوکے پھر اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔''

ڈاکٹر ظفر کے فون کرتے ہی انہوں نے سمعان کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ وہ آف تھا۔ انہیں حیرت ہوئی' سمعان عموماً نمبر آف تو نہیں رکھتا تھا۔ پھر وہ مسلسل نمبر ٹرائی کرتی رہی تھیں۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ان کی کوشش کامیاب ہوگئی تھی۔ سمعان کے موبائل نمبر پر کال جا رہی تھی۔

''ہیلو.....'' دوسری طرف سے سمعان کے بجائے کوئی بوجھل سی نسوانی آواز سنائی دی تو طاہرہ بیگم الجھ گئیں۔

''سمعان.....'' سمعان کا نمبر کوئی اور ریسیو کرے' انہیں حیرت سے دوچار کر دیا تھا۔

''تم کون ہو اور سمعان کہاں ہے؟'' انہوں نے کچھ سختی سے پوچھا تھا۔

''وہ تو سو گئے ہیں بلکہ سبھی سو گئے ہیں۔ ابھی وہ لوگ لوٹے تھے آتے ہی سو گئے۔ یہ تو موبائل کی آواز سے میری آنکھ کھلی ہے۔ آپ کہتی ہیں تو میں سمعان صاحب کو اٹھا دیتی ہوں۔'' ملازمہ ٹائپ لہجہ تھا۔ طاہرہ بیگم کچھ اخذ نہ کر سکیں۔

''تم کون ہو؟''

''جی میں یہاں کام کرتی ہوں؟''

''کہاں؟'' سمعان کہاں ہیں وہ تو لاہور میں تھا تو پھر..... وہ مزید الجھیں۔

''یہاں صاحب جی کے ہاں..... اتنے دن ہوگئے تھے' سب لوگ مری گئے ہوئے تھے۔ آج ہی لوٹے ہیں۔ آپ کون ہیں مجھے بتا دیں' چھوٹے صاحب اٹھتے ہیں تو بتا دوں گی۔''

''مری..... چھوٹے صاحب' آج ہی لوٹے ہیں۔'' طاہرہ بیگم کا دماغ الجھ گیا۔ ''تمہارے صاحب کا کوئی نام بھی تو ہے..... کیا نام ہے جن کے ہاں تم کام کرتی ہو۔'' انہوں نے اب کے کچھ ڈانٹ کر پوچھا تھا۔

''عثمان صاحب' وہی جن کی بیگم ڈاکٹر ہیں۔ یہ لوگ کتنے دن سے اپنے چچا کی فیملی کے ساتھ گھومنے پھرنے مری گئے ہوئے تھے۔ آج ہی آئے ہیں۔ چھوٹے صاحب بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ ان کا موبائل یہاں ٹی وی کے پاس ہی پڑا رہ گیا ہے وہ خود سو گئے ہیں۔''

''عثمان!'' طاہرہ بیگم کو تو پہلے کچھ بھی نہ سمجھ آیا پھر جب ذہن نے کام کیا تو غصے سے ان کا برا حال ہونے لگا۔

''تو سمعان احمد مجھ سے لاہور کا کہہ کر خود چچا کی فیملی کے ساتھ ہے۔'' صدمے' غم و غصے سے ان کی ذہنی حالت ایکدم خراب ہوئی۔

''میں سمعان صاحب کو اٹھا دوں؟'' دوسری طرف سے ملازمہ پوچھ رہی تھی۔ انہوں نے غصہ سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ لاؤنج میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگیں۔

سمعان احمد نے آج تک ان سے جھوٹ نہیں بولا تھا مگر..... آج سمعان کی وجہ سے ان کا دل سخت تکلیف سے دوچار ہوا تھا۔

تو دو دن سے سمعان احمد مری میں ہے اور آج اسلام آباد میں۔'' وہ جوں جوں سوچتی جا رہی تھیں غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

''میری اولاد اب مجھ سے جھوٹ بھی بولنے لگی ہے اولاد بھی سمعان احمد۔'' انہیں ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

PKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

"تبھی سعید احمد اتنے مطمئن ہیں۔" اب ان کے غصے کا رخ دوسری طرف ہو گیا تھا۔

"یہ سب یہی شخص کر رہا ہے صرف اور صرف مجھے جلانے کو۔ مجھے اذیت دینے کو۔" غصے سے وہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"بس سعید احمد یہ آخری بازی سمجھ لو۔ سمعان احمد جو چاہ رہا ہے وہ میں مر کر بھی ہونے نہیں دوں گی۔ جو تمہاری خواہش ہے وہ میرے جیتے جی تو پوری نہیں ہوگی۔ زرش اس گھر میں کبھی نہیں آئے گی۔ میرے ہوتے ہوئے تو کبھی نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو....." وہ غصے اور انتقام سے سب کچھ بھول رہی تھیں۔

"سعید احمد اور کتنی دیر یہ سب کرو گے دیکھنا تم' میں کیا کرتی ہوں۔ جو میں کروں گی تم وہ بھی دیکھنا..... اگر میں خوش نہیں تو پھر شائستہ اور اس کی اولاد بھی نہیں....."

تنفر سے سوچتے وہ یہ سب بھول چکی تھیں کہ کسی کی اولاد کی خوشی سے ہی ان کی اپنی اولاد کی خوشی وابستہ ہے۔

❁.....❁.....❁

سمعان سو کر اٹھا تو زوباریہ کی ملازمہ اس کا موبائل لے کر آ گئی۔

زوباریہ کی یہ ملازمہ کافی پرانی تھی۔

"چھوٹے صاحب جی..... آپ کا یہ موبائل ٹی وی کے قریب پڑا ہوا تھا۔" وہ جو اپنے بیگ سے کپڑے نکال کر باتھ لینے کی تیاری میں تھا۔ سر اٹھا کر ملازمہ کو دیکھا۔ پھر موبائل اس کے ہاتھ سے تھام لیا۔

"صاحب جی ایک کال آئی تھی۔ کوئی عورت تھی آپ کا پوچھ رہی تھی۔" جھجکتے ہوئے وہ بتا رہی تھی۔

سمعان نے تعجب سے اسے دیکھا پھر موبائل کو کل سے اس نے آف کیا ہوا تھا۔ اسلام آباد آتے ہی آن کیا تھا اور اب یہ کال' نمبر دیکھا تو گھر کا تھا۔ سمعان کے ہوش اڑ گئے۔

"یہ تو گھر کی کال ہے..... امی نے کال کی ہوگی..... کیا کہا انہوں نے؟"

"جی کچھ بھی نہیں' آپ کا پوچھا تو میں نے کہہ دیا سو گئے ہیں..... اور....."

"اور..... پھر....." سمعان کو لگ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہو چکی ہے۔

"پھر پوچھا کہ میں کون ہوں؟" سمعان کے تیوروں سے وہ ڈر گئی تھی۔ جھجکتے ہوئے بتایا۔

"تو تم نے کیا کہا؟"

"میں نے بتا دیا کہ میں عثمان صاحب اور ڈاکٹر صاحبہ کے گھر کام کرتی ہوں۔" سمعان کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"پھر؟ اور کیا بتایا تم نے؟"

"میں نے اور تو کچھ بھی نہیں بتایا صرف یہی کہا کہ آپ لوگ تھوڑی دیر پہلے مری سے آئے ہیں اب سب سو گئے ہیں۔"

سمعان نے عجیب نظروں سے ملازمہ کو گھورا۔

وہ کہہ رہی تھی کہ اور تو کچھ بھی نہیں بتایا' اور کیا رہ جاتا ہے بتانے کو۔ سب کچھ ہی تو بتا چکی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ..... اور ہاں بھابی کو بھیجو۔"

نہانے کا ارادہ ملتوی کر کے وہ وہیں بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ دوسری طرف علی ابھی بھی بے خبر تھا۔ دونوں ایک ہی کمرے میں تھے تھکن کی وجہ سے آتے ہی سب ہی لیٹ گئے تھے۔

"تم نے بلوایا سمعان؟" زوباریہ فوراً چلی آئی تھیں۔

"جی....."

پھر سمعان نے زوباریہ کو ساری بات بتائی تو وہ بھی چپ رہ گئیں۔

"اب کیا کروں؟ وہاں تو امی جان کا غصے سے برا حال ہو رہا ہوگا۔ کال کروں یا نہیں۔"

"نہیں تم بات مت کرو' اس طرح تو وہ بہت بگڑیں گی۔ ایسا کرو پاپا کو کال کر کے بتا دو وہ خود ہی ہینڈل کر لیں گے۔"

"نہیں اس طرح تو وہی صورتحال ہوگی یعنی لڑائی..... جس سے میں بچنا چاہتا ہوں۔" زوباریہ کے مشورے پر فوراً نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"نہیں کچھ ہوتا' لاؤ میں پاپا سے بات کر کے آرام سے انہیں سمجھا دوں گی اور کہہ بھی دوں گی کہ وہ اس مسئلے میں ماما سے نہ الجھیں' کل تو تم لوگ ویسے بھی جا ہی رہے ہو۔ جا کر خود ہی ہینڈل کر لینا۔"

انہوں نے آرام سے مسئلے کا حل نکالا تو سمعان چپ رہا۔ اس وقت وہ خود بھی امی ابو دونوں میں سے کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتا تھا' سو خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"آپ بات کر کے دیکھ لیں پلیز ابو کو اس طرح سمجھائیے کہ اگر امی ان سے پوچھیں تو وہ الجھیں نہ کل اگر سب لوگ نہ بھی گئے تو میں چلا جاؤں گا۔ اس وقت میں باتھ لے لوں۔ آپ بات کر لیں۔"

موبائل زوباریہ کو تھما کر وہ خود باتھ روم میں گھس گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

وہ سب نو دس بجے کے قریب اسلام آباد پہنچے تھے۔ آج کا دن یہاں گزارنے کا تھا اور پھر کل کا ارادہ سب کا واپس کراچی روانہ ہونے کا تھا۔

زوباریہ نے سعید احمد سے بات کر کے ساری وجہ سمجھا اور طاہرہ بیگم سے نہ الجھنے کا وعدہ لے کر سکون کا سانس لیا تھا۔

دو بجے کے قریب سب ہی اٹھ چکے تھے۔ عثمان اور زوباریہ ان لوگوں کی وجہ سے چھٹی پر تھے۔ کل سے دوبارہ جاب پر جا رہے تھے۔ اس لیے کھانے کے بعد عثمان کا ان لوگوں کو "چھتر پارک" کی سیر کرانے کا ارادہ تھا۔ اسلام آباد میں آج موسم خاصا خوشگوار تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی بلکہ اب تو دو بجے کے بعد سہ پہر کی وجہ سے دھوپ کی تمازت بھی کم پڑ چکی تھی۔ چھتر پارک عثمان کے گھر سے ایک ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو پر تھا۔ وہ لوگ جب بھی اسلام آباد آتے یہاں ضرور آتے تھے۔

تین بجے کے قریب وہ لوگ گھر سے نکلے تھے۔ عثمان اپنی گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور فرح نوشین

POESTUFF.BLOGSPOT.COM

وغیرہ جس ٹیوٹا میں تھی اس کو سمعان احمد ڈرائیو کر رہا تھا۔ سعید احمد شائستہ بیگم' زوباریہ کی ملازمہ اور ڈرائیور عثمان کے ساتھ جب کہ فرح' نوشین' زرش' زوباریہ' حمزہ سب ہی ٹیوٹا میں تھے۔

راستے میں ان لوگوں نے کھانے پینے کا سامان خریدا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے تھیں۔

زرش کی طبیعت پچھلے دو دن سے خاصی سنبھل چکی تھی۔ اندرونی و بیرونی طور سے وہ بہت فریش تھی۔

گاڑی میں ان سب نے ادھم مچا رکھا تھا۔

پارک میں دونوں گاڑیاں آگے پیچھے رکی تھیں۔ ٹکٹ لے کر وہ پارک میں چلے آئے تھے۔

ملازمہ نے پارک میں گھاس پر چٹائی بچھا دی تھی۔ ماما' پاپا ادھر بیٹھ گئے تھے۔ وہ چاروں ان کے پاس آ گئیں۔ زوباریہ بھابی ملازمہ کو کھانے پینے کی چیزیں ایک طرف رکھنے کی ہدایت دے رہی تھیں۔

''ماما! ہم ندی کی طرف جائیں۔'' زرش نے شائستہ سے پوچھا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

''مگر دھیان سے..... علی تم ان تینوں کے ساتھ رہنا۔ لگتا ہے دو تین کالجز کے ٹرپ آئے ہوئے ہیں۔ یہ نہ ہو ہجوم میں ڈھونڈتے پھریں ان کو..... اور ہاں زرش تم پانی میں مت جانا ورنہ پھر بیمار ہو جاؤ گی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔'' اجازت دیتے ہوئے بھی انہوں نے حد بندی کر دی تھی۔ زرش نے بے چارگی سے منہ بسورا۔ علی منہ چڑا رہا تھا تو وہ دل ہی دل میں اسے کوسنے لگی۔

''جی ماما!''

شائستہ ہنس دیں۔ جانتی تھیں وہ جب بھی اسلام آباد آتی صرف پارک میں ندی سے چھیڑ چھاڑ کرنے ہی تو آتی تھی۔

''آپ نہیں آئیں گے.....'' نوشین نے ان پانچوں سے پوچھا۔

''نہیں تم لوگ جاؤ ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔'' عثمان بھائی کے کہنے پر وہ تو تینوں علی کے ہمراہ ندی کی طرف چلی آئی تھیں۔ پہلے کی نسبت اب ندی کافی خشک ہو چکی تھی۔ پتھروں سے بہتا پانی اب صرف تھوڑے ہی رقبے پر محیط تھا۔ وہ چاروں بڑے بڑے پتھروں پر پاؤں جمائے عین درمیان میں ایک بڑے سے پتھر پر آ بیٹھی تھی۔ علی بھی ساتھ تھا۔

''وہ دیکھو۔ دو لڑکیاں کافی دیر سے ہمیں دیکھ رہی ہیں۔ میں جب سے پارک سے نکلی ہوں نوٹ کر رہی ہوں۔'' نوشین جو پانی کے بجائے اردگرد کو زیادہ آبزرو کر رہی تھی' نے تینوں کو متوجہ کیا۔

زرش نے بھی سر اٹھا کر ادھر دیکھا جدھر نوشین دیکھ رہی تھی۔

''کون سی.....؟ وہاں کتنی لڑکیاں ہیں۔ کتنی تو ہمیں بھی دیکھ رہی ہیں۔'' علی بھی متوجہ ہوا تھا۔

''وہی جو بے پناہ ہنس رہی ہیں۔ وہ جو دو اکٹھی کھڑی ہیں جس کے ایک ہاتھ میں شاید کیمرہ ہے۔ دوسری کے ہاتھ میں براؤن بیگ..... نظر آیا.....'' وہ لڑکیاں بھی سمجھ چکی تھیں کہ یہ لوگ ان کی توجہ محسوس کر چکے ہیں تو رخ موڑ گئی تھیں۔

''زبردست..... لڑکیاں تو بڑی پیاری ہیں۔''

نوشین جو برملا خوب صورتی کی تعریف کرنے کی عادی تھی' نے کھلے دل سے ان کی تعریف کی۔

''ہاں۔ ریڈ سوٹ والی کچھ زیادہ ہی پیاری ہے۔ کیا خیال ہے.....'' علی نے بھی شرارت سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے ان کو چھیڑا۔ تینوں نے گھورا۔

''خیال کچھ برا بھی نہیں ہے مگر ان سے جو جوتے تمہیں کھانے ہیں وہ ہم سے کھا لو تو شاید ذلت سے بچ جاؤ۔''

زرش نے دوسرے پتھر پہ پڑے اپنے جوتے کی طرف اشارہ کیا تو وہ کھل کر ہنسا۔

''ویسے علی کا بھی کوئی قصور نہیں۔ ریڈ سوٹ والی تو دور سے ہی آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے۔ ذرا غور تو کرو اردگرد کئی لڑکے متوجہ ہیں اس کی طرف۔''

''چھوڑو بھی کیا ایک ہی لڑکی حسین ہے۔ ہم سا کوئی ہو تو سامنے آئے۔'' زرش نے نوشین کو چھیڑتے ہوئے کہا تھا۔

''لو آ گئے۔ اب بولو.....'' فرح نے جو سمعان احمد کو کچھ فاصلے سے اپنی طرف آتا دیکھ چکی تھی' نے شرارت سے کہا۔

''کیا مطلب.....'' اس نے فرح کو دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں کے تعاقب میں سمعان کو آتے دیکھ کر ہنس دی۔

''ہاں اس معاملے میں تو ہم بھی متفق ہیں کہ سمعان بھائی جیسا کوئی اور نہیں..... جو زرش کے مقابلے میں آئے۔'' علی برجستہ گویا ہوا تھا۔ زرش جھینپ کر رہ گئی۔

''بکو نہیں۔ خبردار اب بکواس کی تو..... وہ تو میرے بھائی ہیں۔'' خجل سا ہو کر اس نے علی کو ٹوک دیا۔ سمعان احمد اب نزدیک آ چکا تھا۔ علی نے زرش کے ''وہ تو میرے بھائی ہیں'' کے جواب میں کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ پھر لب بھینچ لیے۔ سمعان پتھروں کو پھلانگتا ان کے پاس ہی دوسرے پتھر پر آ بیٹھا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے.....؟'' علی کی گود سے حمزہ کو لے کر اچھالتے ہوئے انہوں نے تینوں لڑکیوں کو دیکھا۔

''آپ کی برائیاں ہو رہی ہیں۔'' زرش نے چھیڑنا چاہا۔

''ناٹ بیڈ۔ یقیناً تعریفی انداز ہی ہوگا۔'' وہ بھی مذاق سمجھ چکے تھے۔

''اسے کہتے ہیں اپنے منہ میاں مٹھو بننا۔ کیا خوش فہمی ہے.....'' علی نے تو بات ہی الٹا دی تھی۔

سمعان نے گھورا۔ تینوں لڑکیاں ہنس دیں۔

''ہاں تو ہم سمعان بھائی کی تعریف ہی کر رہے تھے۔'' فرح کو علی کا بولنا بالکل اچھا نہ لگا فوراً سمعان بھائی کی حمایت میں اور پھر شرارت سے بولی۔

''ہمارے سمعان بھائی جیسا کوئی ہے تو سامنے آئے۔''

شرارت سے سمعان کے بالکل مقابل بیٹھی زرش کو کندھوں سے چھوا تو زرش پھر پزل ہو گئی۔

''تم مجھ سے پٹو گی۔ میں پہلے ہی بیان جاری کر چکی ہوں۔'' اس کے خجل ہونے اور پھر صفائی دینے

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

والے انداز پر علی' فرح اور نوشین کے بلند بانگ قہقہے گونج اٹھے تھے۔

"سمعان بھائی پلیز! ان کو سمجھائیں۔" زرش جو اپنی ہی بات میں پھنس گئی تھی' نے فوراً سمعان کو درمیان میں گھسیٹا۔

"معاملہ کیا ہے؟" باری باری باقی تینوں کی شرارتی مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ زرش کا دعویٰ ہے کہ ان سا کوئی ہے تو سامنے آئے۔ جواباً فرح نے آپ کو نامزد کیا ہے اور یہ محترمہ کہہ رہی ہیں کہ آپ ان کے سگے..... سگے....."

"علی کے بچے....." زرش نے دوسرے پتھر پر پڑا جوتا اٹھا کر مارا تھا۔

"اوئی میری ماں..... سمعان بھائی سوچ لیں..... اتنی جلاد صفت لڑکی..... آپ کی شہ پر اتنی اکڑتی ہے یہ..... ورنہ....."

"علی....." سمعان کی ایک سخت تنبیہ پر علی فوراً ساری لن ترانی بھول گیا۔

"تم مائنڈ نہ کرو۔ بکواس کر رہا ہے یہ....." سمعان نے زرش کو کہا تو وہ کھا جانے والی نظروں سے علی کو اپنی شامت یاد رکھنے کی وارننگ دینے لگی اور علی اس کی وارننگ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں نظرانداز کرتا رفو چکر ہو گیا تھا۔

"ماما' پاپا اور بھیا' بھابی کہاں ہیں؟" نوشین نے سمعان سے پوچھا۔

"بھیا' بھابی شاید دوسری طرف نکل گئے ہیں۔ چچا جان اور چچی جان وہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے تھوڑی دیر میں وہ بھی ادھر آ رہے ہیں۔"

"ہوں۔"

"تم لوگ ادھر ہی آ کر بیٹھ گئی ہو..... گھومو پھرو....." علی جو سمعان کے ٹوکنے پر فوراً رفو چکر ہوا تھا اب کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔

✿.....✿.....✿

"حمیرا دیکھو وہی لڑکی۔ جسے تم نے "فیری لینڈ کی پری" کہا تھا۔"

"ارے ہاں یہ تو وہی ہے مگر وہ اس کے ساتھ پرنس چارمنگ کون ہے؟" حمیرا بھی فوراً متوجہ ہوئی تھی۔

"یار وہی ہے جو گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا جسے میں نے اپالو کا مجسمہ کہا تھا۔"

"ہاں وہی ہے۔ جب ہم نے اپنی بس سے اسے دیکھا تھا تو مجھے صرف سائیڈ نظر آئی تھی۔ یار واقعی یہ کسی اپالو کے مجسمے سے کم نہیں ہے کچھ زیادہ ہی ہے۔"

وہ لوگ اپنے کالج ٹرپ کے ساتھ اسلام آباد آئی ہوئی تھیں۔ پچھلے دنوں وہ مری میں تھیں۔ کل مری میں ان کا آخری دن تھا اور وہیں سڑک پر گاڑی کو اوورٹیک کرتے ان کی اس لڑکی بلکہ پوری گاڑی پر نظر پڑی تھی۔

اور آج اس پارک میں ان کو دوبارہ دیکھ کر وہ دونوں نہ صرف حیران ہوئی تھیں بلکہ محظوظ بھی ہوئی

تھیں۔ کل بھی یہ لڑکی گاڑی میں بیٹھی باقی دونوں لڑکیوں کے ساتھ مصروف تھی اور آج بھی وہ سب اکٹھی ہی تھیں۔ وہ بار بار ان کو پلٹ پلٹ کر دیکھ چکی تھیں مگر اب صرف یہ لڑکی اور لڑکا تنہا تھے۔

"یار کتنا پیارا بے بی ہے ان کا....." رمشا کو تو بچے بہت اچھے لگتے تھے۔ ایک دم مچلی۔ حمزہ بڑی شرافت سے سمعان کی گود میں تھا۔

"بالکل اپنے ماں باپ پر گیا ہے۔ بار لڑکی کے چہرے پر کتنی معصومیت ہے۔ اتنی نرمی اور آنکھوں کو دیکھو جیسے ہیروں کی طرح جگمگا رہی ہوں۔ حمیرا سیڑھیوں پر بیٹھے سمعان احمد اور زرش کے متعلق کہہ رہی تھی۔

"ویسے حمیرا لگتا تو نہیں یہ لڑکی اس بچے کی مدر ہے۔ اتنی ینگ اور کم عمر ہے مجھے تو یہ میٹرک کی اسٹوڈنٹ بھی نہیں لگ رہی۔"

"بعض لڑکیوں کی لُک ایسی ہوتی ہے کہ وہ اپنی عمر سے کئی سال کم دکھائی دیتی ہیں۔" حمیرا نے بڑی دادی اماں کی طرح جواب دیا تھا۔ رمشا نے اسے گھورا۔

"سنو..... اس کپل کی تصویر کھینچیں۔ کتنی پیاری کیوٹ اور معصوم سی لڑکی ہے اور اس وقت نجانے اسے کیا ہوا ہے۔ لگتا ہے بیمار ہے مگر تھوڑی دیر پہلے دوسری لڑکیوں اور لڑکے کے ساتھ تو مسکرا رہی تھی۔"

"مرواؤ گی۔ کوئی تصویر نہیں کھینچنی۔ تمہیں تو آج کل گدھی بھی خوب صورت لگ رہی ہے۔ ویسے خیریت ہے نا کہیں رضا صاحب سے تو فون پر ہیلو ہائے نہیں ہو رہی۔" حمیرا نے اسے رضا کے نام پر چھیڑا تو وہ جھینپ کر رہ گئی۔

"کیا حرج ہے۔ تصویر کھینچ لیتے ہیں۔ ایمان سے میں نے اتنا مکمل حسن وہ بھی اس قدر پُرسوز آج تک نہیں دیکھا۔ اتنا مکمل کپل تو کہیں نہیں ہوگا۔ والدین تو ایک طرف اتنا کیوٹ سا بے بی..... اوہو۔" اس نے دور سے ہی حمزہ کو پیار کیا تھا۔ حمیرا نے اسے ہاتھ مارا۔

"کوئی نہیں چلو یہاں سے۔ وہ مرد اب ہمیں بار بار دیکھ رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ شرافت سے ہمیں نو دو گیارہ کریں ہمیں خود ہی چلے جانا چاہیے۔" حمیرا اس کا بازو پکڑ کر دوسری طرف چلی گئی تھی۔

سمعان احمد جو ان دونوں لڑکیوں کو کافی دیر سے دھیمے سروں میں بار بار اپنی طرف متوجہ پا کر گفتگو کرتے دیکھ رہا تھا۔ ان کو دوسری طرف جاتے دیکھا۔

"چلو اب ادھر سے چلیں۔ سورج غروب ہونے والا ہے اٹھو۔" سمعان نے کہا اور حمزہ کو بازو میں اٹھائے ہاتھ سے اسے سہارا دے کر اپنے مقابل کھڑا کیا۔

"جھولے پر بیٹھو گی.....؟" سمعان نے پوچھا تو وہ پہلے تو انکار کرنے کے خیال سے گردن ہلانے لگی تو پھر سمعان کی اپنی ذات کے لیے اتنی فکرمندی محسوس کر کے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"زبردست۔ یہ رنجیدہ سی لڑکی مسکراتے ہوئے کتنی پیاری لگ رہی ہے۔" دور کھڑی رمشا کی چونچ پھر ہلی تھی۔ آواز کافی بلند تھی جو سمعان اور زرش تک بھی پہنچی تھی۔ الفاظ واضح نہ تھے البتہ دونوں نے

PDFSUCCESS.BLOGSPOT.COM

ضرور دیکھا تھا۔

زرش دیکھ کر حیران ہوئی۔

یہ وہی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک ریڈ سوٹ والی اور دوسری اسکن شیڈ میں ملبوس تھی۔ زرش کے دیکھنے پر وہ ریڈ سوٹ والی لڑکی قریب چلی آئی۔

''السلام علیکم۔'' حمیرا کا گھورنے کے باوجود اس نے قریب آ کر سلیقے سے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' سمعان نے تعجب سے لڑکی کو دیکھا۔ زرش نے خیر سگالی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا رکھی تھی۔

''جی میرا نام رمشا جاوید ہے اور یہ میری کزن' میری کلاس فیلو اور بہت اچھی دوست حمیرا فاروق ہے۔ ادھر آؤ نا۔'' اس نے بڑے اعتماد سے اپنا تعارف کروا کر اپنے سے دور کھڑی حمیرا کو بھی درمیان میں گھسیٹا۔ وہ اندر ہی اندر رمشا کی اس دیدہ دلیری پر اسے گھورتے لعنت ملامت کرتے پاس آئی۔

''السلام علیکم۔'' گھور کر رمشا کو دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔

''ہم لاہور سے اپنے ٹرپ کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔ پچھلے دنوں ہم مری میں تھے۔ اس سے پہلے ہم ناردرن ایریاز میں بھی دو دن رہ کر آئے ہیں۔''

سمعان نے ناسمجھی سے دونوں لڑکیوں اور پھر زرش کو دیکھا۔ اس سارے تعارف کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ سمعان اندازہ نہیں کر پا رہا تھا۔

''کل ہم نے مری سے واپسی پر اپنی بس سے آپ لوگوں کی گاڑی دیکھی تھی۔''

سمعان کو حیرت کے ساتھ یہ دونوں لڑکیاں اب مشکوک بھی لگیں۔

''تو پھر.....؟'' اب کے سمعان کے ہونٹوں سے یہ ضرور نکلا تھا۔

''آپ کی مسز بہت پیاری ہیں۔ بہت معصوم' کیوٹ اور اور.....'' رمشا کو تعریف کے لیے مزید الفاظ نہ ملے تو چپ ہو گئی۔

''جی..... ای.....'' سمعان نے عجیب نظروں سے ان لڑکیوں کو دیکھا۔ یہ لڑکی سمعان کو کچھ کھسکی ہوئی لگی..... ادھر زرش کو جو خود بھی جُز بُز ہو رہی تھی۔

''پلیز! آپ ڈائریکٹ اپنی آمد کا مقصد بیان کریں۔''

اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی گوہر افشانی کرتی۔ وہ اور زرش ایک دوسرے کے سامنے شرمندہ ہوتے۔ اس نے سامنے کھڑی لڑکی کو ٹوک دیا۔

''میں وہی بیان کرنے لگی تھی لیکن سوچا آپ ناراض نہ ہوں تو یہ ساری تمہید باندھی ہے۔ ویسے تمہید بھی کیا۔ ہم دونوں آپ دونوں سے بہت متاثر ہوئی ہیں۔'' اب کے زرش کو بھی سامنے کھڑی یہ لڑکی کافی دلچسپ لگی۔

''حمیرا کا خیال ہے کہ آپ فیری لینڈ کی باسی ''کوئی پری'' ہیں جو بھول کر ہماری زمین پر آ گئی ہیں۔ آپ کی صورت چہرے کا معصوم سا تاثر اور آنکھوں کی جگمگاہٹ..... ہماری دنیا کی کسی باسی کی یہ

خصوصیات نہیں ہو سکتیں اور میرا خیال ہے کہ آپ کسی اپالو سے کم نہیں بلکہ اس سے سو (۱۰۰) نہیں تو (۹۹) نمبر زیادہ ہی ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے نے حمیرا آپ کو پرنس چارمنگ کا خطاب دیا ہے جو کہ میرے نزدیک بالکل درست ہے۔''

اب کے سمعان اور زرش دونوں حیران ہو کر اس مسلسل بولتی رمشا کو گھور رہے تھے۔

''رمشا کی بچی..... بکواس بند کرو.....'' حمیرا اسے مسلسل ٹوک رہی تھی مگر اسے پروا ہی نہیں تھی۔

''اس ساری تعریفی گفتگو کا مقصد.....'' اب کے سمعان احمد سے رہا نہیں گیا تھا۔

''جی وہی تو میں بتا رہی ہوں..... وہ دراصل.....'' وہ چپ ہو گئی تھی۔

سمعان نے الجھ کر زرش کو دیکھا۔

''وہ دراصل ہمیں آپ کا کپل بہت اچھا لگا ہے۔ آپ کا یہ بے بی بھی بہت پیارا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ.....''

''کیا آپ ہوش میں تو ہیں.....'' ایک لمحے کو تو سمعان احمد بھی چکرا گیا تھا۔ زرش فوراً ہوش میں آئی تھی۔

''جی بالکل۔ اسی لیے تو میں آپ دونوں کی ایک اور آپ کے بے بی کی تصویر لینا چاہتی ہوں۔''

''کیا.....؟'' زرش کا منہ کھلا رہ گیا۔

''دیکھیں۔ آپ بالکل غلط سمجھ رہی ہیں ہم.....'' سمعان نے ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔ کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ وہ پھر نان اسٹاپ شروع ہو گئی۔

''پلیز انکار نہ کریں۔ ہم صرف تصویر لیں گی۔ ہم ایسی ویسی لڑکیاں نہیں ہیں۔ آپ ہم سے ہمارا فون نمبر لے لیں۔ حمیرا کو فوٹو گرافک کا جنون ہے۔ اس نے اس میں باقاعدہ ڈپلومہ کیا ہوا ہے۔ یہ بہت اچھی تصویر بناتی ہے۔ ہم آپ کے علاوہ بھی بہت سے اچھے چہروں کی تصویریں لے چکے ہیں۔ ہم تصویریں ڈیولپ کروا کے آپ کو بھیج دیں گی۔ پلیز انکار نہ کریں۔''

سمعان کی بات کو کاٹ کر وہ پھر اپنی ہی ہانکے گئی۔ سمعان نے زرش کو دیکھا۔ وہ سرخ چہرہ لیے شرمندگی سے نظریں چرا رہی تھی۔

اس لڑکی کی یہ بکواس اسے بہت گراں گزری تھی۔

''دیکھیے۔ آج نے جو بھی کہا ہے صحیح ہو گا..... لیکن آپ جو بھی سمجھی ہیں وہ غلط ہے۔ ہمارا آپس میں جو رشتہ ہے وہ.....'' سمعان نے پھر کہنا چاہا تھا مگر وہ پھر بولی۔

''دیکھیں۔ ہمیں کسی کے سامنے اتنی لمبی تمہید باندھ کر کسی کو منت کرنا نہیں پڑی۔ صرف ایک تصویر لیں گے۔ پلیز انکار نہ کریں۔'' اب کے حمیرا نے اصرار کیا تو سمعان نے کوفت سے زرش کو دیکھا۔ وہ ان لڑکیوں کو غصے سے دیکھ رہی تھی۔ سمعان کو لگا وہ جیسے بمشکل خود پر کنٹرول کر رہی ہو جیسے موقع ملتے ہی وہ ان سے الجھ پڑے گی جو سمعان کی بات سننے کو آمادہ ہی نہ تھیں

''او کے آپ لے لیں تصویر..... زرش کم آن۔''

BESTURDUNOVELS.BLOGSPOT.COM

اس سے پہلے کہ صورت حال مزید بگڑتی سمعان نے ان لڑکیوں کو ٹالنے کو رضامندی دے دی تھی۔ زرش کو امید نہ تھی۔ حیران ہو کر سمعان کو دیکھا۔

"آپ.....؟" وہ ہونٹ سی گئی۔ اگلے ہی پل وہ بپھر گئی۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.....؟ بجائے اس کے کہ آپ ان کو ڈانٹیں۔ ان کی غلط فہمی دور کریں۔ آپ خود بھی..... مجھے نہیں بنوانی کوئی تصویر....." اس کا سارا غصہ سمعان پر نکلا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ غصے سے وہاں سے چلی جاتی۔ سمعان نے اس کی کلائی تھام لی۔ رمشا اور حمیرا چپ چاپ دونوں کو دیکھے گئیں۔

"اب تم ان کی طرح بی ہیو مت کرو۔ چلو سمجھو ایک مذاق ہے۔ انجوائے منٹ ہی سہی..... کم آن پلیز....."

سمعان نے جو پہلے تو کچھ ایموشنل ہوا تھا مگر اب ان لڑکیوں کی باتیں اس کے دل کو چھو رہی تھیں۔ وہ چند سیکنڈ کے لیے یہ انجوائے منٹ چاہتا تھا۔

"مجھے نہیں پتا..... آپ ان کو بتائیں نا..... یوں اچھا نہیں لگتا۔ ان کو بتائیں ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے۔" وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔ رمشا اور حمیرا کچھ نہ سمجھ سکیں۔

"یہ لوگ تفریح کے لیے آئی ہیں۔ ان کی ایک چھوٹی سی خواہش ہے۔ پوری کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

"تو کریں آپ پوری۔ آپ اپنے ساتھ کسی کو بھی کھڑا کر لیں مجھے نہیں۔ آپ کے لیے کسی کی بھی فرمائش پر تصویر بنوا لینا عام سی بات ہے لیکن میرے لیے نہیں۔" غصے اور تلخی سے وہ بھول گئی تھی کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔

"زری..... زرش....." غصے سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر سمعان دنگ رہ گیا۔

رمشا اور حمیرا کو اندازہ نہ تھا کہ بظاہر اتنی معصوم اور بھولی بھالی نظر آنے والی لڑکی اندر سے اتنی سخت اور گہری ہو گی۔

"اوکے پلیز آپس دونوں آپ میں نہ الجھیں۔ ہم تو صرف اپنے شوق کی تسکین کے لیے تصویر لینا چاہ رہی تھیں۔ اگر آپ کو برا لگتا ہے یا آپ کی مسز کو ہمارے اس فعل میں کوئی غلط بات دکھائی دے رہی ہے تو اوکے جیسے آپ کی مرضی....."

دونوں کو الجھتے دیکھ کر حمیرا نے بات ختم کرنا چاہی تھی۔ آخر میں نے پروائی سے کندھے اچکائے تو زرش نے اسے "آپ کی مسز" کہنے کے جرم میں کینہ توز نظروں سے گھورا۔

سمعان نے کن اکھیوں سے زرش کے تاثرات جانچے۔

"نہیں آپ تصویر بنائیں۔ زرش کوئی حرج نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" سمعان نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے قریب کیا تھا۔ زرش جو پہلے ہی غصے سے کھول رہی تھی۔ اب ضبط کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"آپ لیں تصویر....." سمعان کی آفر پر حمیرا نے فوراً اپنا کیمرہ سیدھا کیا۔

"پلیز! آپ ذرا سائیڈ پر ہو جائیں۔ بیک میں جو منظر ہے بہت اچھی تصویر آئے گی۔" زرش کا غصے اور ضبط سے برا حال تھا۔ سمعان کی پروا نہ ہوتی تو وہ ایک منٹ یہاں نہ رکتی۔ لڑکی کی ہدایت پر دونوں نے سائیڈ بدلی تھی۔

حمیرا نے ایک کے بجائے دو تصویریں کھینچی تھیں۔ حمزہ کو سمعان نے ہی اٹھائے رکھا تھا۔ تصویر اتروا تے ہی زرش نے آہستگی سے سمعان کی گرفت سے اپنا بازو نکالا تھا اور بے پروائی سے دونوں لڑکیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جھولے پر جا بیٹھی۔

سمعان نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔

زرش کا یہ عمل مکمل لاتعلقی اور سخت ناراضی کا اظہار تھا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ یہ ہے ہمارا فون نمبر اور ایڈریس۔ آپ کا ایڈریس اس لیے نہیں لے رہی کہ آپ کی مسز پہلے ہی ہم پر شک کر چکی ہیں۔ ہم نے صرف تصویر لی ہے۔ ڈیولپ کروا کر آپ کو بھیجیں گی۔ ویسے آپ کا کپل بلکہ فیملی بہت پیاری ہے۔ لگتا ہے آپ اپنی بیوی سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ویسے وہ ہیں بھی بہت پیاری۔ ہماری وجہ سے آپ سے الجھ پڑیں۔ تھوڑی سی مغرور ہیں مگر جہاں اتنی ساری خوبیاں ہوں وہاں تھوڑی بہت اکڑ چلتی ہے۔"

وہ پھر سے نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔ زرش جھولے پر بیٹھی رمشا کو قتل کر دینے کے ارادے سے گھور رہی تھی۔

پھر وہ دونوں اللہ حافظ کہہ کر چلی گئی تھیں۔ سمعان نے ان کا دیا ہوا ایڈریس اپنی جیب میں ڈالا اور پھر زرش کی طرف قدم بڑھائے۔

زرش نے سمعان کو دیکھا اور سخت غصے کے اظہار کے طور پر چہرہ موڑ لیا۔

"بہت دیر ہو گئی ہے۔ سورج ڈوب چکا ہے۔ اب نیچے چلنا چاہیے کیا خیال ہے.....؟" زرش نے کھا جانے والی نظروں سے سمعان کو دیکھا۔ سمعان ہنس دیا۔

"اس طرح گھورو گی تو بھینگی ہو سکتی ہو۔ ذرا بھی اچھی نہیں لگ رہی۔ وہ دونوں اتنی تعریفیں کر کے گئی ہیں تمہاری اور اب تم وہ تعریفیں کنویں میں ڈال رہی ہو۔" سمعان کا مذاق زرش کو بہت برا لگ رہا تھا۔

"آپ نے ان کو اصل بات کیوں نہیں بتائی.....؟" اسے یہ بات ہی چبھ رہی تھی۔ باقی سب تو نظر انداز کیا جا سکتا تھا مگر.....

"تمہارے سامنے ہی کتنی دفعہ بتانے کی کوشش کی۔ کیا انہوں نے سنا.....؟" سمعان نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ سر جھٹک گئی۔

"آپ زبردستی بتا دیتے۔"

"کیسے.....؟ وہ مہلت دیتیں تو بتاتا....."

"ویسے ہی جیسے مجھے زبردستی تصویر بنوانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسی طرح انہیں بھی مجبور کر دیتے کہ وہ

PDFCLUB.BLOGSPOT.COM

آپ کی بات سنیں۔" سمعان کی اس کی بچکانہ بات پر ہنسی آ گئی۔

"اوہ میری کم عقل کزن! تمہیں میں جانتا ہوں' سمجھتا ہوں۔ تم سے میرا بے تکلفی اور اپنائیت کا رشتہ ہے جب کہ وہ انجان واجنبی لڑکیاں۔ انہیں میں کیسے مجبور کرتا..... اور اگر کوئی انسان ہم سے' ہمارے کسی عمل سے خوش ہوتا ہے تو خوش ہونے دیا جائے۔ آخر کیا حرج ہے....." آخر میں سمعان نے شرارت سے اس کا چہرہ دیکھا مگر غصہ کم نہ ہوا۔

"چاہے اس عمل سے ہمارا امیج ہی خراب ہو۔" شکوہ لبوں پر آ گیا۔

"کوئی نہیں ہوتا۔ یہ لڑکیاں ہمیں زندگی میں پہلی دفعہ ملی ہیں اور شاید آخری بار بھی....." سمعان کی بات پر وہ خاموش رہی۔

جو شرمندگی وندامت ہو رہی تھی وہ کیسے ختم ہوتی۔

سمعان احمد سے نظریں ملانے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

لڑکیوں کی باتوں پر نجانے سمعان دل میں کیا سوچے اسے یہ نئی فکر ستا رہی تھی۔

"چلیں اب....." سمعان کے کہنے پر خاموشی سے اٹھ کر ساتھ چل دی۔

لکڑی کے پل سے گزر کر واپس جانا تھا۔ نیچے جھیل میں بڑے بڑے پتھر تھے اور پانی بہہ رہا تھا اور یہ لکڑی کا پل تھا۔ زرش کی جان ایک دفعہ پھر ہوا ہونے لگی۔ بلندی سے ڈھلوان کی طرف پل تھا۔ زرش کا پل پر پاؤں رکھتے ہی سانس اٹکنے لگا۔ فوراً بے اختیار سمعان کا بازو تھاما۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" خوف سے کانپتی آواز میں اس نے کہا۔ سمعان احمد نے فوراً اسے بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔

بمشکل وہ پل کراس کر پائی تھی۔ زمین پر آتے ہی سمعان کا بازو ہٹائے وہ بھاگی تھی۔ ان چند لمحوں میں نجانے وہ کن محسوسات کا شکار ہوئی تھی۔ ان لڑکیوں کی گفتگو..... سمعان کا بے پروا انداز میں تصویر بنوالینا اور پھر اب پل عبور کرنا۔ وہ ہر لمحہ عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔

تھوڑی دور ہی علی فرح اور نوشی اسے مل گئی تھیں۔ وہ تینوں ان کی تلاش میں ہی نکلے تھے۔

"تم اکیلی..... سمعان بھائی کہاں ہیں.....؟ اور اتنی دیر کہاں لگا دی.....؟"

ایک دفعہ پھر پل سے گزرتے ہوئے اس کی رنگت پیلی زرد ہو چکی تھی۔ اس کی طرف تشویش سے دیکھتے ہوئے علی نے پوچھا تھا۔

"وہ پیچھے آ رہے ہیں۔"

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

اسے پھر اسی طرح زرد کملایا ہوا دیکھ کر نوشین کو بھی تشویش ہونے لگی۔ وہ خاموشی سے سر ہلا کر آگے بڑھ گئی تو تینوں اس کے پیچھے لپکے۔

شام کے قریب رمشا اور حمیرا کے کالج کا ٹرپ واپس لوٹا تھا۔ حمیرا نے گھر فون کر کے نواز کو بلا لیا تھا۔ وہ اپنی گاڑی میں دونوں کو لینے آیا تھا۔

"السلام علیکم۔" دونوں نے مشترکہ سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو تم دونوں؟"

پورے ایک ہفتے بعد نواز دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ مسکرا کر دونوں سے پوچھا۔

"بالکل اے ون۔ آپ سنائیں کیا حال چال ہے سب کا؟"

نواز نے دونوں کے لیے دروازے وا کر دیے تھے۔

حمیرا نواز کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ رمشا پچھلی سیٹ پر تھی۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ تم سناؤ کیسا رہا ٹرپ.....؟"

"بہت اچھا۔ بہت انجوائے کیا۔ قسم سے بھائی اتنا مزہ آیا کہ بتا نہیں سکتی۔" نواز نے ڈرائیونگ کرتے حمیرا کا جھلملاتا چہرہ دیکھا۔ وہ خاصی فریش لگ رہی تھی۔

"ہاں یاد آیا۔ اب بڑی اماں کا کیا حال ہے؟ مجھے ان کی وہاں کافی یاد آتی رہی۔ اب تو پہلے سے بہتر ہوں گی نا.....؟" حمیرا نے نواز سے پوچھا۔

"ہاں۔ پہلے سے بہتر ہیں۔ صبح ڈسچارج ہو کر گھر جا چکی ہیں۔ ڈاکٹرز کہہ رہے تھے کہ ہفتے بعد پلاسٹر کھول دیا جائے گا۔"

"گھر کیوں شفٹ ہوئیں..... ٹانگ کا معاملہ ہے۔ ہاسپٹل میں بہتر ٹریٹمنٹ ہوتا۔ پلاسٹر اترنے تک وہیں رکھتے....." رمشا نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

"شارق کو مسئلہ ہو رہا تھا۔ گھر سے آفس' آفس سے ہاسپٹل۔ ویسے گھر میں بھی وہی ٹریٹ منٹ دیا جا رہا ہے جو ہاسپٹل میں دستیاب تھا۔ شاکرہ کو پہلے ہی مکمل طور پر بڑی اماں کی خدمت کے لیے شارق نے رکھا ہوا تھا۔ صبح سے خالدہ چچی بھی وہیں تھیں۔ کہہ رہی تھیں چند دن وہ وہاں رہی گی۔ جب تک پلاسٹر نہیں اترتا۔"

"اچھا یہ تو اچھی بات ہے۔ خالدہ چچی تو بڑی اماں کے لیے سب سے بہتر ہیں۔ ویسے نویرہ آپی کا کیا حال ہے؟ مری سے کال کی تھی میں نے ان کو پھر بعد میں بات ہی نہیں ہوئی۔" حمیرا کو اب نویرہ کا

BOOKSFUT.BLOGSPOT.COM

خیال آیا۔

نواز نوریہ کے ذکر پر ہنس دیا۔

"یہ تو وہی بتا سکتی ہے وہ کیسی ہے؟ پہلے دن ہاسپٹل میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد نہ میں نے دیکھا ہے اور نہ میری موجودگی میں وہ زیادہ ہاسپٹل آتی ہے۔ پچھلے چند دن تو وہ ہاسپٹل گئی ہی نہیں۔"

رمشا خاموشی سے دونوں بہن بھائیوں کو سنتی رہی۔ نوریہ کے ذکر پر کوفت کا شکار ہو گئی مگر چپ رہی۔

"اور شادی کی تیاری کیسی جا رہی ہے۔ ذرا آپی وغیرہ نے کوئی چکر لگایا۔"

"ہاں امی کے ساتھ بازار گئی تھی زارا۔ ایک دفعہ امی نوریہ کو لے کر گئی تھیں۔ مزید تفصیل تم گھر جا کر امی سے خود پوچھ لینا۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔ میرا زیادہ وقت یونیورسٹی سے ہاسپٹل اور پھر اکیڈمی میں ہی گزرتا رہا۔"

"نواز بھائی مجھے پہلے میرے گھر چھوڑ دیجیے گا۔" مین روڈ سے گاڑی جیسے ہی سنگل روڈ پر آئی تو رمشا نے نواز کو کہا۔

"کیا بات ہے تم بڑی خاموش ہو؟" نواز نے بیک مرر سے اسے دیکھا۔

"میں آپ کو سن رہی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا حمیرا یاد سے کل پہلی فرصت میں تصاویر ڈیولپ کروا لینا۔" گھر نزدیک آ چکا تھا۔ رمشا نے حمیرا کو یاد دہانی کروائی تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔

"اور تم سناؤ کل کالج جانا ہے یا ریسٹ کرنا ہے....."

"نہیں۔ میرا دو دن تک کالج جانے کا قطعی موڈ نہیں ہے۔ ویسے بھی تمام لڑکیاں ٹرپ کی تھکن اتاریں گی، کم ہی جائیں گی۔ دو دن بعد دیکھیں گے۔" حمیرا کے پوچھنے پر رمشا نے انکار کیا تھا۔ نواز نے گاڑی ان کے گھر کے گیٹ کے سامنے روک کر بیل بجانا شروع کر دی تھی۔

جتنی دیر میں رمشا نے اپنا سامان سے بھرا بیگ اور دیگر چیزیں نیچے اتاری تھیں حمید صاحب نے گیٹ کھول کر باہر جھانکا تھا۔ رمشا اور پھر نواز کو دیکھ کر حیران ہوئے۔

"اسلام علیکم انکل۔"

رمشا نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا تھا۔ وہ اس کے سر پر پیار کر کے نواز سے علیک سلیک کرنے لگ گئے تھے۔ رمشا نے کالج پہنچتے ہی اطلاع کر دی تھی۔ زبیدہ بیگم کو پتا تھا کہ نواز حمیرا کو لینے جائے گا تو وہ اسے بھی چھوڑ دے گا۔ باقی گھر میں کسی کو بھی اس کی آمد کی خبر نہ تھی۔ اس لیے حمید صاحب حیران تھے۔ نواز باہر سے گاڑی واپس لے گیا تھا۔ حمید صاحب نے اسے اندر آنے کو کہا بھی تھا مگر وہ اندھیرا بڑھ جانے کی وجہ سے پھر کبھی پر ٹال کر نکل گیا تھا۔ رمشا اندر چلی گئی تھی۔ حمید صاحب بھی اس کا بیگ لیے اندر آ گئے۔

زبیدہ بیگم کچن میں تھیں۔ رمشا سیدھی ان کے پاس گئی تھی انہوں نے گلے لگا کر خوب پیار کیا ایک ہفتے کے ٹور نے رمشا کی رنگت پر اچھا خاصا اثر ڈالا تھا۔ وہ خاصی فریش اور تروتازہ لگ رہی

تھی۔ زبیدہ نے چائے کے ساتھ اس کی آؤ بھگت کی تھی۔

"رضا کہاں ہے؟ کہیں نظر نہیں آ رہا.....؟" گھوم پھر کر سارا گھر دیکھ کر اسے نہ پا کر وہ واپس زبیدہ کے پاس چلی آئی۔

"باہر نکلا تھا تھوڑی دیر پہلے آتا ہی ہو گا۔ تم نہا دھو کر فریش ہو لو۔ میں اتنی دیر میں کھانا تیار کرتی ہوں۔ تب تک رضا بھی آ جائے گا تو مل کر کھائیں گے۔" ان کی بات پر سر ہلاتے وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ نہا کر لباس بدل کر وہ خاصی فریش تھی۔ نہانے کے بعد بیگ سے کپڑے نکال کر ان کی جگہ پر رکھے۔ دھونے والے ایک جگہ اکٹھے کیے۔ جرسیاں، سویٹر سب نکال کر ایک طرف دھونے کے لیے الگ کیے۔ کل وہ یہ سب دھونے کا کام نمٹائے گی۔ وہ مکمل ارادہ کرتے ہوئے کمرے پر طائرانہ نگاہ ڈالے باہر نکل آئی تھی۔ اچانک اسے اسلام آباد میں "پارک" میں کی گئی اپنی حماقت یاد آ گئی تو ہنسی آ گئی۔ ان دونوں نے کیسے اس لڑکے اور لڑکی کو مجبور کر دیا تھا۔ ان دونوں کو تصویر بنوانا ہی پڑی۔

اپنی ہی جون میں ہنستے ہوئے اس نے کچن کے دروازے سے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ اندر سے باہر آتے رضا سے بری طرح ٹکرا گئی

"اوف....." رمشا کی آنکھوں کے سامنے تارے آ گئے اس کا سر رضا سے بری طرح ٹکرایا تھا۔

رضا بھی حیران رہ گیا۔ اپنا سر پکڑتا پیچھے ہٹا۔ بے یقینی سے رمشا کو دیکھا۔ گیلے بال پشت پر پڑے ہوئے تھے۔ دوپٹہ گلے میں لٹک رہا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں وہ کافی مطمئن اور آسودہ تھا اور اب وہ ایک دم نجانے کہاں سے آ ٹپکی تھی.....

"اندھے تھے کیا..... تمہیں پانچ فٹ دو انچ کی لڑکی نظر نہ آئی....." پیشانی کو سہلاتے ہوئے اس نے غصے سے رضا کو دیکھا۔ پورے ایک ہفتے بعد وہ نظر آ رہا تھا۔ دل ایک دم تمام حدیں توڑ کر باہر آنے کو مچلنے لگا تو وہ اس پر برس پڑی۔

"یہی خیال میرا بھی تمہارے بارے میں ہے۔ چلتے ہوئے تم بھی آنکھیں گروی رکھ دیتی ہو شاید۔" بے یقینی کی کیفیت سے نکل کر رمشا کا وجود مکمل ثبوت بنا اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا تو وہ بھی اپنی جون میں لوٹ آیا۔

"پیچھے ہٹو..... رستہ دو مجھے....." ایک ہفتے بعد بھی وہی طنزیہ لہجہ سننے کو ملا تھا۔ وہ کلس کر رہ گئی۔ "یہ شخص کبھی بھی محبت سے بات نہیں کر سکتا۔"

"مجھے بھی شوق نہیں ہے تمہارے راستے میں آنے کا....." اس نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا تھا۔ غصے سے اسے ایک طرف دھکیل کر وہ باہر نکل گیا تھا۔ وہ غصے سے کھولتی اندر بڑھی۔ زبیدہ بیگم کچن میں نہیں تھیں۔

"اجڈ..... جاہل..... ایک ہفتے بعد سامنا ہوا ہے تو وہی انداز..... بدتمیز....." غصے سے اس نے برتنوں میں جھانکنا شروع کر دیا تھا۔ زبیدہ بیگم نے پالک گوشت پکایا تھا۔ ساتھ میں چاول اور پھلکے تھے۔ چاول ابھی دم پر تھے۔ پھلکے تیار ہاٹ پاٹ میں تھے۔ رمشا کی بھوک ایک دم چمک اٹھی۔ مینو اس

POKSTUFF.BLOGSPOT.COM

کے حسبِ خواہش تھا۔

رات کا کھانا سب نے اکٹھے ہی کھایا تھا۔ زبیدہ بیگم اور حمید صاحب دونوں ہی اس سے ٹرپ کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ وہ انہیں مسکرا کر کھانا کھاتے ٹرپ کی مکمل روداد سنا رہی تھی۔ کھانے کے بعد اس نے زبیدہ بیگم کو کچھ بھی نہیں کرنے دیا تھا۔ برتن سمیٹ کر دھو کر اس نے چائے بنائی تھی۔

زبیدہ بیگم اور حمید صاحب ٹی وی دیکھتے باتیں کر رہے تھے۔ وہ سب کی چائے ادھر ہی لے آئی تھی۔ رضا نہیں تھا۔

"تم رضا کو کمرے میں ہی چائے دے کر آجاؤ۔ وہ شاید پڑھائی میں مصروف ہے۔" زبیدہ بیگم نے اس کے ہاتھ سے کپ لے کر کہا تو وہ سر ہلا کر رضا کا کپ لے کر اس کے کمرے سے چلی گئی۔ کمپیوٹر آن تھا۔ وہ کمپیوٹر چیئر پر بڑے ریلیکس موڈ میں بیٹھا ہوا تھا۔ کمپیوٹر اسکرین پر شاید کوئی فلم چل رہی تھی۔ دروازے پر کھڑے اندر جھانکتے ہوئے وہ یہی اندازہ لگا سکی تھی۔

"یہ چائے....." وہ خاموشی سے اندر آئی تھی یا پھر رضا بری طرح فلم میں مصروف تھا۔ اس نے کپ کی بورڈ کے پاس رکھا تو وہ چونکا۔

"تم....." رمشا پر نظر پڑی تو انتہائی ناگواری سے دیکھا۔ رمشا چائے کا کپ رکھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ پچھلے آٹھ دنوں سے کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی تھی سوائے رضا کے۔ کمرے کا جائزہ لے کر اس نے رضا کو دیکھا۔

وہ اب پھر کمپیوٹر اسکرین پر نظریں جما گیا تھا۔ جیسے رمشا کا اس وقت ہونا یا نہ ہونا ایک برابر ہو۔

رمشا کو آگ سی لگ گئی۔

رضا کے مسکراتے ہونٹ..... جگمگاتی آنکھیں..... مسلسل مونیٹر کی اسکرین کو گھورنا۔ وہ کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

"پھپھو تو کہہ رہی تھیں کہ تم پڑھائی میں مصروف ہو مگر کیا زبردست مصروفیت ڈھونڈی ہے تم نے۔ ویسے یہ کون سی فلم ہے؟"

کوئی انگلش مووی تھی اردو ڈبنگ میں۔ رضا نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"تم سے مطلب..... تم چائے دے چکی ہو تو اب جا سکتی ہو۔" رمشا کے لہجے پر وہ خود پر نہ پہلے کبھی کنٹرول کرتا تھا اور نہ ہی اب ضرورت سمجھی تھی۔

"میرے بعد ایسا کیا ہوا کہ یہ شخص اتنا بدلا ہوا ہے.....؟" رضا کی مسلسل جگمگاتی آنکھوں اور چہرے کے تاثر سے وہ کچھ بھی اخذ نہ کر پائی تھی۔

"بہت خوش ہو.....؟" اس سے رہا نہ گیا تو پوچھ لیا۔

رضا نے اسے مسلسل سر پر جمے دیکھ کر کمپیوٹر آف کر دیا تھا۔

"تم سے مطلب.....؟" چیئر سے اٹھ کر وہ سیدھا ہو کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اونچا لمبا قد۔ متناسب سراپا وہ اپنی عمر سے کافی بڑا اور صحت مند لگتا تھا۔ رمشا اپنے نازک سے سراپا سمیت اس کے

سامنے کچھ بھی نہ تھی۔ اس کا قد تو رضا سے چار پانچ انچ کم ہی تھا جب کہ رضا کا قد پانچ فٹ چھ انچ تھا اور اس جسامت کی وجہ سے لمبا بھی لگتا تھا۔

"تم بھول رہے ہو۔ تمہاری ذات سے سارے مطلب اب میرے ہی ہیں۔" رضا نے کافی رکھائی سے رمشا کا چہرہ دیکھا۔ اس ٹرپ نے اس کی شخصیت پر خاصا خوشگوار اثر چھوڑا تھا۔ وہ پہلے سے کافی نکھری نکھری محسوس ہوئی۔

"ہائنڈ اٹ۔ وہ سارے مطلب میرے قبول کرنے یا انکار کرنے پر انحصار کرتے ہیں۔" اس نے بھی دوبدو جواب دیا تھا۔

"میں اس وجہ کی تبدیلی دریافت کر سکتی ہوں.....؟ آٹھ دن پہلے تو تم نویرہ کے غم میں مبتلا اس کی شادی کی فکر میں دبلے پتلے ہو رہے تھے۔ اب ان آٹھ دنوں میں ایسا کیا ہو گیا کہ تم مسکرانے بھی لگے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہاری نویرہ آپی کی شادی رک گئی ہو۔ اگر تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو تو واپسی پر نواز بھائی کے ساتھ ہی آئی ہوں۔ ان کی باتوں سے ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہیں ہوا۔"

رمشا کے اندر شاید کوئی اور خوبی تھی کہ نہیں جلتی پر تیل کا کام کرنا خوب جانتی تھی بلکہ رضا کے اچھے خاصے موڈ کو غارت کرنا کوئی اس سے سیکھتا۔

"شٹ اپ..... تم پوری فتنہ ہو....." رضا کو پتہ نہیں تھا کہ یہ آتے ہی اس سے محاذ آرائی پر تل جائے گی۔

"تھینک یو مجھے نہیں پتا تھا۔" وہ جو اس کا جواب سن کر ہمیشہ بھڑک اٹھتی تھی۔ اب کی بار کورنش بجا لائی۔ رضا مزید جل بھن گیا۔ اندر ہی اندر حیران بھی ہوا کہ رمشا کی آبزرویشن اتنی ٹھیک کیسے ہے..... وہ تو واقعی آج کل خوش تھا..... ہواؤں میں اڑ رہا تھا..... مگر..... اس نے لب بھینچ کر اپنے سامنے کھڑی رمشا کو نفرت سے دیکھا۔

"ایسا کیا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے۔ مجھے نہیں بتاؤ گے.....؟"

ایک پل کے لیے رضا کے چہرے پر ٹھہر جانے والا تاثر رمشا کی تیز نگاہ سے بھلا کیسے بچ سکتا تھا' فوراً پوچھا۔

"میں اگر کہوں کہ..... محبت..... تو....." رضا کو بھی اسے جلانے کا خیال آیا تو ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر کہا۔

رمشا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"کیا.....؟" اس کے ذہن و دل میں نویرہ کا سراپا گھوم کر رہ گیا۔

"یہ کب اور کیسے ہو گیا.....؟" اس کے دل و دماغ میں یہ سوال چکرانے لگا۔

"کیا مطلب.....؟" اس نے پوچھا بھی تو کیا..... رضا کھل کر ہنسا۔

"اتنی عقل مند بنتی ہو تو وجہ بھی دریافت کر لو۔ مجھ سے کیا پوچھتی ہو....." اگلے ہی لمحے اسے جلتا بھنتا چھوڑ کر وہ یکسر لاتعلقی سے دوبارہ کمپیوٹر کرسی پر جا بیٹھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"رضا.....تم آرام سے مجھے بتاؤ تمہاری اس بکواس کا مطلب.....؟" اگلے ہی لمحے وہ غصے سے اس کی طرف گھومی۔ وہ ہنسنے لگا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ میں اتنا خوش ہوں..... یا مجھے کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے۔ ویسے اطلاع دینے کا شکریہ.....بعض اوقات انسان کو خود بھی پتا نہیں چلتا کہ اسے کوئی خزانہ مل گیا ہے جب تک دوسروں کی نظریں احساس نہ دلائیں۔" عجیب خود سے بیگانہ انداز میں کہتے ہوئے وہ پھر ہنسا۔ رمشا ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

"کہیں یہ نویرہ کے سامنے دل کی بات تو نہیں کہہ آیا۔"

رمشا کے دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہو چکی تھی۔ خوف سے اسے دیکھا جو مسرور سا واقعی خوش لگ رہا تھا..... جیسے ساری دنیا کی دولت سے بھی بڑھ کر کوئی چیز اسے مل گئی ہو۔ رمشا نے اس کی آنکھوں میں زندگی ہار جانے کی تڑپ و مایوسی دیکھی تھی اور اب.....یہ سب کچھ پا لینے کی خوشی کہاں سے آ گئی تھی۔

وہ تو اس لڑکے کی آنکھوں کا رنگ دیکھ کر اس کے اندر کی کیفیت کا اندازہ لگا لیتی تھی اور اب.....

"رضا! نویرہ کی شادی قریب ہے.....اگر تم نے کوئی ایسی ویسی حماقت کی تو دیکھنا پھر میں کیا کرتی ہوں....." اس سے کچھ نہ بن پڑا تو دھمکی پر اتر آئی۔ رضا نے انتہائی تاسف سے اسے دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ ٹرپ ظاہری کے ساتھ ساتھ اندرونی طور پر بھی تم پر اچھا خاصا اثر انداز ہو گا مگر.....افسوس..... بیمار ذہنیت لوگ ہمیشہ بیمار ہی رہتے ہیں۔ اب تمہاری انویسٹی گیشن ختم ہو چکی ہو تو پلیز تم جا سکتی ہو۔ میرا تم سے دماغ کھپانے کا قطعی کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

اس نے قطعیت سے کہتے ہوئے رمشا کو چلے جانے کو کہا تھا۔

رمشا غصے سے اسے گھورتی رہی پھر تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی تھی۔ رضا نے انتہائی تاسف سے گردن ہلائی پھر رمشا کی اپنے متعلق اتنی درست آبزرویشن پر حیران بھی ہوا۔

وہ واقعی بدلا بدلا تھا۔

مگر رمشا نے کیسے آتے ہی اس کے اندر کی کیفیت پڑھ لی۔ وہ تو خود بھی نہیں جانتا تھا کہ کیا بات اس کی خوشی کا سبب بنی ہے مگر وہ خوش تھا..... بہت زیادہ خوش۔ رضا کو اپنی یہ کیفیت اس دن سے محسوس ہو رہی تھی جب وہ بڑی امی کی عیادت کے لیے امی کے بار بار کے اصرار پر ہاسپٹل گیا تھا۔ وہاں نویرہ تھی۔ پہلے تو اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ اذیت سے دوچار ہوا تھا اور پھر نویرہ کا مسلسل اپنائیت بھرا رویہ دیکھ کر پھر سے جی اٹھا تھا اور پھر جب وہ واپسی پر اس کے ساتھ اپنے گھر جا رہی تھی تو رضا گم صم سا ہو گیا تھا۔ نویرہ کبھی بھی اس کے ساتھ بائیک پر کہیں نہیں گئی تھی اور تب وہ اس کے ساتھ بائیک پر جانے پر رضامند تھی۔

بائیک پر بیٹھتے ہوئے لمحہ بھر کو وہ جب رضا کا کندھا تھام کر پیچھے بیٹھی تھی۔ رضا کو وہ لمحے زندگی کا حاصل لگے تھے۔ اس نے بائیک اسٹارٹ ہونے کے بعد ہاتھ واپس ہٹا لیا تھا مگر اس کا لمس جیسے رضا

کے کندھے پر ثبت ہو چکا تھا.....ٹھہر گیا تھا۔

وہ اس کے پیچھے بیٹھی رضا کی کیفیت کو عجیب سے احساسات سے دوچار کرتی رہی تھی۔ اپنے گھر کے سامنے اتر کر اس نے رضا کو اپنے گھر اندر چلنے کو کہا تھا۔ اندر جا کر اس کے ہاتھ کی چائے پی۔ اس کے ساتھ خوش گپیاں لگائیں۔ رضا واپس اسی جون میں آ چکا تھا جس پر وہ کبھی تھا اور یہ کیفیت اس دن سے تھی۔ نویرہ کے ساتھ گزارے وہ چند گھنٹے رضا کو متاعِ حیات سے بھی بڑھ کر لگ رہے تھے۔ وہ تو ابھی تک ان لمحوں کی کیفیت میں مست تھا۔ وہ تو بھول ہی چکا تھا کہ نویرہ کی شادی بھی ہو گی۔ نواز بھی کہیں ہے۔ رمشا کا وجود اس کی ذات کے ساتھ کہیں نتھی ہے۔ وہ تو سب کچھ فراموش کیے ہوئے تھا۔

رمشا نے آتے ہی اسے دوبارہ حقیقت کی دنیا میں لا پٹخا تھا۔

سب کچھ پا کر ہار جانے کی کیفیت نے ایک دم رضا کے وجود کو اپنے حصار میں لیا تھا۔

✿.....❁.....✿

اگلے دن وہ سب لوگ اکٹھے ہی گھر لوٹے تھے۔ سمعان، فرح اور علی کے ساتھ گھر آیا تو شام گہری ہو چکی تھی۔ سعید احمد کو ان لوگوں کے آنے کی اطلاع سمعان کے فون کے ذریعے پہلے ہی تھی سو وہ ان کی آمد سے پہلے ہی گھر پر موجود تھے۔ اس کے پیچھے طاہرہ بیگم کو سمعان کی اسلام آباد میں موجودگی کا علم ہوتے ہی وہ سعید احمد سے الجھ پڑی تھیں۔ جواباً وہ بھی دوبدو ہوئے تھے تب تو طاہرہ بیگم خاموش ہو گئی تھیں مگر اب تینوں بچوں کو دیکھ کر انہیں پھر سے غصہ آنے لگا۔ علی اور فرح کے سلام کا جواب تو سر کے اشارے سے دے دیا مگر جب سمعان نے سلام کیا تو انہوں نے منہ پھیر لیا۔

سمعان نے کن اکھیوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے اپنے باپ کو دیکھا۔ انہوں نے آنکھ کے اشارے سے پروا نہ کرو کہا تو سمعان نے بے چارگی سے دوبارہ ماں کو دیکھا جو میگزین تھامے اس کی ورق گردانی میں مصروف تھیں۔

"امی! بہت بھوک لگی ہے۔ ویسے کھانے میں کیا ہے؟" علی جو طاہرہ بیگم کے تیور نوٹ تو کر چکا تھا پھر بھی پوچھا تو طاہرہ بیگم نے غصے سے گھورا۔

"میرا بھیجہ ہے....." جی تو چاہا ان کا کہ صاف کہہ دیں مگر سامنے بیٹھے شوہر کا لحاظ آ گیا جو ہمیشہ انہیں بے بس کر دیتے تھے۔

"پتا نہیں۔ ماجدہ سے پوچھ لو کچن میں ہی ہو گی۔" انہوں نے رکھائی سے کہا تو علی نے فرح کو دیکھا۔

طاہرہ بیگم پہلے صرف اپنے بچوں کے لیے کچن میں کام کرتی تھیں۔ اب بچے نہیں تھے تو انہوں نے کچن میں جھانکنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ماجدہ نے جو پکا دیا کھا لیا مگر اب کی بار تو سعید احمد کی بھی انہوں نے پروا نہ کی تھی۔ انہوں نے بھی طاہرہ بیگم کو نہیں ٹوکا تھا۔ جانتے تھے کہ بچوں کے آتے ہی وہ روٹین پر آ جائیں گی۔

وہ تینوں ماں کے رویے سے بدظن ہو کر اپنے اپنے کمروں میں گھس گئے تھے۔ ماجدہ نے کھانا لگایا

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

تو سب کو اطلاع دی۔ کھانے کے بعد فرح نے چائے بنائی تھی۔ آج کتنے دنوں بعد طاہرہ بیگم کو اپنے گھر کا ماحول میں پھر سے زندگی کی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ سعید احمد کو بھی یہی محسوس ہوا مگر دونوں ایک دوسرے سے انتہائی ضرورت کے تحت کبھی بات کرنا تو دور کی بات کبھی دیکھتے بھی نہ تھے مگر گھر کی رونق بحال ہوتے دیکھ کر دونوں کے محسوسات ایک سے تھے۔

علی اور فرح نے ماں باپ کے لیے کئی تحفے خریدے تھے۔ چائے پیتے ہوئے علی نے ماں کو بتایا تھا۔

طاہرہ بیگم اندر سے ان سے چچا کی فیملی کے ساتھ جانے پر کتنی ہی خفا تھیں مگر فرح اور علی کے قصے سنانے پر پوری طرح متوجہ تھیں۔

''ہم آپ کے لیے بہت سے تحفے لائے ہیں۔ میں لے کر آتی ہوں۔'' فرح فوراً چلی گئی تھی پھر ایک بیگ لے کر آ گئی۔

دونوں نے کئی خوب صورت چیزیں لی تھیں۔ گھریلو آرٹیفشل پیس..... سوٹ..... جیولری وغیرہ۔ طاہرہ بیگم علی اور فرح کے لائے ہوئے تحفے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''یہ جوتے میں نے نتھیا گلی سے آپ کے لیے لیے تھے۔ مجھے یہ فلیٹ سے بہت اچھے لگے تھے۔ ایڑی والے آپ پہنتی تو نہیں ہیں۔ میں نے یہ لے لیے۔''

فرح نے براؤن فلیٹ مگر کالے خوب صورت جوتوں کا جوڑا طاہرہ بیگم کے سامنے رکھا تو وہ دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

ان کی اولاد ان سے بہت محبت کرتی تھی۔ انہیں ایک دم احساس ہوا لیکن انہوں نے کہا کچھ نہیں۔

''اچھے ہیں نا.....؟'' فرح بڑی آس سے ماں کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی۔

''بہت اچھے ہیں۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا تو فرح خوش ہو گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ اب طاہرہ بیگم ان سے ناراض نہیں تھیں۔

''میرا اور آپ کا ایک ہی ناپ ہے۔ بس تھوڑے سے کھلے لیے ہیں۔ آپ کو بالکل فٹ رہیں گے۔'' طاہرہ نے پہن کر دیکھے جو واقعی فٹ تھے۔

''یہ میں نے ابو کے لیے کتابیں' بال پن اور ٹائی لی ہے۔'' اس نے سعید احمد کی چیزیں نکال کر انہیں تھمائیں تو وہ نہال ہو گئے۔

''میری بیٹی میرے لیے اتنا کچھ لے آئی۔ بیٹا بہت پیارا ہے سب کچھ.....'' انہوں نے اسے محبت سے ساتھ لگا کر کہا تھا۔ وہ خوشی سے ایک دم جی اٹھی۔ اس کے بعد علی ماں باپ کو اپنی لائی گئی چیزیں دکھا رہا تھا۔

''سمعان! تم کچھ نہیں لائے ہمارے لیے.....؟'' سمعان جو خاموشی سے فرح اور علی کو مسکراتے دیکھ رہا تھا' نے پہلے باپ کے پوچھنے پر انہیں مسکرا کر دیکھا پھر ماں کو ان کا مسکراتا چہرہ ایک دم سنجیدہ لگا۔

''لایا تو ہوں۔ اسی بیگ میں ہیں۔ پتا نہیں آپ کو پسند بھی آتی ہیں کہ نہیں.....'' ماں کے رویے

سے وہ کچھ بجھ کر رہ گیا تھا۔ کچھ بھی نہ کرتے ہوئے بھی اسے گناہ گار ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

''یار! دکھاؤ گے تو پتا چلے گا کہ کیا لائے ہو؟''

انہوں نے اس کی خاموشی ختم کرنا چاہی تھی۔ سمعان ہنس کر آگے بڑھا تھا۔ بیگ سے ایک شال اور خوب صورت پتھر کے بنے کنگن نکال کر طاہرہ بیگم کی طرف بڑھائے تھے۔

''یہ آپ کے لیے لایا ہوں۔''

طاہرہ' سمعان کے جھوٹ پر اس سے اس قدر خفا تھیں کہ ایک دم جی چاہا کچھ بھی لینے سے انکار کر دیں مگر پھر ہاتھ بڑھا کر چیزیں تھام لیں۔

''یہ چشمے کا فریم اور والٹ آپ کے لیے ہے۔'' سمعان نے دونوں چیزیں باپ کو دیں تو انہوں نے خوش دلی سے تھام لیں۔

''بہت پیاری ہیں۔ تم تینوں بہن بھائیوں کی چوائس تو بہت عمدہ ہے۔'' انہوں نے برملا سراہا تھا۔

''بس آپ کو پسند آ گئیں ہمارے لیے یہ کافی ہے۔'' باپ کی تعریف پر فرح پھولے نہیں سما رہی تھی۔

وہ تینوں کافی دیر تک ماں باپ کے ساتھ بیٹھے گزرے دنوں کا احوال سناتے رہے تھے۔ رات گیارہ بجے کے قریب سعید احمد لیٹ ہونے کا کہہ کر سونے اٹھے تو طاہرہ بیگم' علی اور فرح کو بھی سونے کا کہنے لگیں۔

''تھکن ہو گئی ہو گی تم لوگوں کو۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔'' انہوں نے کہا تو فرح اور علی شرافت سے چلے گئے۔ سمعان بھی اٹھ کر جانے لگا تو انہوں نے روک لیا۔

''تم بیٹھو۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

سمعان نے ماں کے رویے سے ان کے موڈ کا اندازا لگانا چاہا۔

''جی۔ خیریت.....؟''

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیا کہنے والی ہوں.....'' انہوں نے غصے سے ٹوکا تو سمعان ایک دو پل کو چپ ہو گیا۔

''آپ کو فرح اور علی کا چچا کی فیملی کے ساتھ جانا اچھا نہیں لگا تھا۔ آپ ان دونوں سے ناراض تھیں۔ میں صرف آپ کی وجہ سے سب کے ساتھ نہیں گیا تھا مگر عثمان اور بھابی کے روزانہ فون آ رہے تھے۔ مجبوراً مجھے بھی جانا پڑا تھا۔''

''تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا.....'' انہوں نے سخت خفگی سے جتایا۔

''جی۔ صرف آپ کی ناراضگی کی وجہ سے۔'' سمعان نے انتہائی سعادت مندی سے کہا تو طاہرہ کا ٹمپرامنٹ لوز ہونے لگا۔

''جب تمہیں علم ہو گیا تھا کہ مجھے پتا چل گیا ہے تو پھر تم نے کال کیوں نہیں کی.....'' انہیں اب مزید غصہ آ رہا تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"آپ تب بھی اتنا ہی ناراض ہوتیں....." مختصراً سمعان نے کہا تو انہوں نے غصے سے سمعان احمد کو چند لمحے دیکھا۔

سمعان احمد انہیں اپنی ساری اولاد میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔

"اب تو میں بہت خوش ہوں نا....." انہوں نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"مجھے آپ کے اس رویے کی وجہ کبھی سمجھ نہیں آئی۔ ہم آپ کی اولاد ہیں مگر ہمیں ہر وقت آپ کی ناراضی کا خوف لاحق رہتا ہے۔ میں نے کوئی غلط حرکت نہیں کی۔ صرف آپ کی ناراضی کے سبب آپ کو اصل وجہ نہ بتا سکا۔ ابو تو اچھی طرح جانتے تھے کہ میں اسلام آباد جا رہا ہوں اور اصل بات تو یہ ہے کہ انہوں نے ہی بہت اصرار سے مجھے بھیجا تھا۔" سمعان نے صاف اور سیدھی بات کی۔

"یوں کہو کہ تم اپنے باپ کی مان کر مجھے نیچا دکھانا چاہتے تھے۔" انہوں نے تو بدگمانی کی حد ہی کر دی تھی۔

"امی پلیز! آپ ہر وقت یوں منفی مت سوچتی رہا کریں۔ ہم بھلا آپ کو کیوں نیچا دکھائیں گے۔ آپ ہماری ماں ہیں۔ ہمارے لیے قابلِ احترام ہیں۔ اس طرح تو آپ ہماری محبت پر کھلم کھلا شک کر رہی ہیں۔"

انہوں نے سمعان کو غصے سے دیکھا۔ سمعان کچھ بھی ہو جائے ان سے دوبدو کبھی کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ ان کا بہت احترام کرتا تھا مگر اب.....

"بہت خوب۔ تم رہ گئے تھے تمہارے منہ میں بھی باپ والی زبان آ گئی ہے۔ میں تو سچ کہتی ہوں۔ یہ سب شائستہ جیسی عورت کا جادو ہے جو بھی ایک دفعہ اس کے سائے میں بیٹھتا ہے مجھے ایسے ہی آنکھیں دکھاتا ہے۔ آج تم بولے ہو کل تمہاری گونگی بہن بھی بولنے لگ جائے گی۔ علی کو تو پہلے ہی میرا ادب لحاظ نہیں..... خوب اس چلتر باز عورت نے ان تین چار دنوں میں تمہیں تربیت دی ہے۔" طاہرہ بیگم نے بھی بدگمانی کی حد کر دی تھی۔

سمعان تاسف و بے یقینی سے دیکھے گیا کہ یہ واقعی اس کی ماں ہے.....

"امی پلیز! آپ حد سے گزر رہی ہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی سمعان احمد کو کہنا پڑا تھا۔

"ہاں یہی کسر رہ گئی تھی تم بھی مجھے ہی سناؤ۔ چل گیا ہے اس عورت اور اس کی مکار چالاک جادوگرنیوں کا جادو۔ اب تمہیں ماں حد سے گزری ہوئی ہی لگے گی۔" انہوں نے غصے سے کہا تو سمعان نے غصے سے سر کو جھٹکا۔

"حد ہوتی ہے بدگمانی کی بھی۔ آپ کو تو کچھ کہنا ہی فضول ہے۔" ماں کے سامنے تو وہ ویسے ہی بولنے کے حق میں نہ تھا۔ اب بھی طاہرہ بیگم خود کو روکتی تو کبھی ان کے سامنے یوں آؤٹ نہ ہوتا۔ غصے سے کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

طاہرہ بیگم کی باتیں رہ رہ کر یاد آتی رہیں اور سمعان احمد ساری رات سلگتا رہا۔

خالدہ چچی جو کہ واجدہ بیگم کے پاس ٹھہری ہوئی تھیں۔ وہاں وہ بہن کی وقت بے وقت کی تکلیف سے خود بھی اذیت سے دوچار ہو گئی تھیں۔ شاکرہ ہمہ وقت واجدہ بیگم کے ساتھ ہی ہوتی تھی مگر رات کو کبھی تکلیف سے یا پھر خود ہی آنکھ کھلنے پر وہ خالدہ بیگم اور واجدہ آپا کے ساتھ اٹھ جاتی تھیں۔ وہ تو پہلے بھی گھر کی چار دیواری میں مقید تھیں اب تو مزید بستر کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ دن تو جیسے تیسے ان کا گزر جاتا تھا رات گزارنا واجدہ آپا کے لیے بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ ایسے میں ان کے لیے پورا ایک بندہ چاہیے تھا، جو ان کے ساتھ وقت بے وقت جاگے بلکہ ان کی تکلیف اپنی باتوں سے بھی کم کرے۔ خالدہ خاتون تو دو راتوں میں جاگ کر ہی بیمار پڑ گئی تھیں۔ تیسرے دن دوپہر کے وقت نبیل گھر سے نکل کر خالدہ کے گھر گیا تو ماں کو بخار میں مبتلا دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"یہ کیا حالت کر لی ہے اپنی.....؟ آپ کو بخار تھا تو مجھے اطلاع کر دی ہوتی۔ میں آ جاتا یا پھر نوریہ آ جاتی....."

"میں نے کتنی دفعہ کہا تھا شاکرہ کو بھی کہا تھا کہ تمہیں فون کر دے مگر خالدہ مانی ہی نہیں۔" واجدہ آپا کو بھی بہن کی طبیعت خراب ہونے کا ملال تھا۔

"رات دیر تک جاگنے سے طبیعت بگڑ گئی ہے۔ تم جانتے ہو دن سارا دن میں جتنا مرضی تھک جاؤں رات کبھی نہیں جاگی۔ بس تھکن سی ہو گئی ہے۔ آرام کر رہی ہوں۔ شام تک ٹھیک ہو جاؤں گی۔" بیٹے اور بہن کو پریشان دیکھ کر انہوں نے مسکرا کر ٹالا تو وہ قطعی نہ مانا۔

"بالکل نہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے..... آپ گھر چلیں۔"

"تو یہاں آپا کے ساتھ کون ہو گا.....؟" بیٹے کے دوٹوک انداز پر انہوں نے بستر پر موجود دوسروں کے رحم و کرم پر پڑی بہن کو دیکھا۔ واجدہ آپا مسکرائیں۔

"میری فکر نہیں کرو۔ جب تک پلاسٹر نہیں اُترتا، پریشانی تو ہے پھر شاکرہ بھی ہے۔ تم گھر جا کر آرام کرو۔ یہ نہ ہو کہ طبیعت زیادہ خراب ہو جائے۔" انہوں نے بہن کو تسلی دی تھی مگر ان کا دل نہ مانا۔

"میں نوریہ کو چھوڑ جاؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔" نبیل نے ماں اور خالہ دونوں کو تسلی دی۔

"رہنے دو بیٹا! وہ کہاں ان دنوں پریشان ہو گی۔ شادی کے دن اب دور نہیں ہیں۔ گھروں میں سو کام ہوتے ہیں۔ بچیوں کے اپنے ہی شوق پورے نہیں ہوتے۔ وہ میری وجہ سے یوں خوار ہوں گی۔ آرام سے اپنے کام نمٹائے۔"

واجدہ آپا نے منع کر دیا تو خالدہ نے بہن کو دیکھا۔ اس حالت میں صرف ملازمہ کے سر پر بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ جدہ سے رفعت بھی نہیں آ سکتی تھی کہ اس کے بچوں کی تعلیم اور میاں کی جاب کا مسئلہ تھا۔

"آپا! چند دنوں کی بات ہے۔ نوریہ نے ویسے بھی اچھی خاصی تیاری کی ہوئی ہے۔ جب تک آپ کا پلاسٹر اترتا ہے وہ آ جائے گی ہے۔ دن میں تو آپ ٹھیک ہی رہتی ہیں۔ زیادہ بات ہوئی تو نبیلہ بھی آ جایا کرے گی۔ رات کو نوریہ یہیں رہ لے گی۔ ایک ڈیڑھ ہفتے کی بات ہے۔ پھر اللہ مالک ہے۔ نبیلہ

PAKSOCIETY.COM

بچی والی ہے پھر گھر کا سارا انتظام اسی نے سنبھالا ہوا ہے ورنہ میں اسے بھیج دیتی۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں تو بچی کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔ بے چاری شادی کی تیاریوں میں الجھی ہوئی ہے۔ کہاں گھر سے نکلنے کا وقت ہوگا....."

"آپ اس بات کی بالکل فکر نہ کریں۔ نبیلہ پیچھے سے سب سنبھال لے گی۔ زیادہ فکر ہوئی تو دونوں ہی دن آپ کے پاس گزار لیا کریں گی۔ زیادہ شاپنگ وغیرہ کا ہی مسئلہ ہے نبیلہ یہاں آجایا کرے گی۔ دونوں دن میں جا کر کر لیا کریں گی۔ رات کو نویرہ بھی ادھر ہوگی۔"

نبیل کو بھی ماں کی بات اچھی لگی تھی۔ خالہ کو کہا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔ پھر مزید تھوڑی دیر بیٹھ کر وہ ماں کو لے کر گھر آ گیا تھا۔ نویرہ سلائی مشین رکھے مصروف تھی تو نبیلہ ڈھیروں سامان پھیلائے پیکنگ کر رہی تھی۔

ماں کو نبیل کے ساتھ آتے دیکھ کر نویرہ حیران ہوئی۔

"امی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہی تھی میں گھر لے آیا ہوں۔" نبیل نے بیوی اور بہن کو بتایا تو دونوں پاس آ بیٹھیں۔

"خدا خیر کرے۔ زیادہ طبیعت تو نہیں بگڑ گئی....."

خالدہ بیگم ویسے بھی بہن کی تکلیف پر بہت دکھی تھیں۔ بہن کی تکلیف کا دکھ اندر ہی اندر انہیں کھائے جا رہا تھا۔ اولاد کے سامنے کچھ بھی کہہ نہیں سکتی تھیں۔

"نہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ بس رات کا جاگنا ہوتا ہے۔"

"تو اب خالہ امی کے پاس کون ہے.....؟" نویرہ نے ہی پوچھا تھا۔

"کوئی بھی نہیں..... میں سوچ رہی ہوں کہ تمہیں بھیج دوں۔ آپا کے پاس رہو گی تو دل بہلا رہے گا ان کا۔"

"جی امی۔" وہ امی کی بات پر حیران ہوئی۔

"مگر میں کیسے جا سکتی ہوں..... ادھر یہ جو اتنے کام پڑے ہوئے ہیں۔ یہ سلائی کا ہی اتنا کام ہے۔" اس نے ادھر ادھر پھیلے پھیلاوے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہو جائے گا۔ میں احمد کو کہوں گی وہ ساجدہ کو بھیج دے۔ اگلے ہفتے ڈیڑھ میں ساجد بھی بیوی بچوں سمیت دوبئی سے آ جائے گا تو سب کچھ خود ہی ہو جائے گا۔ سلائی کا کام تم نے خود ہی اپنے ذمے لے لیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ درزی کو دو ختم کرو یہ مشقت۔ باقی کام دیکھو۔"

"مگر آپ کو پتا ہے کہ میں درزی کے کام سے مطمئن نہیں ہوتی۔ وہ میری مرضی کے مطابق کام نہیں کرتا۔"

"تو شہر میں درزی مر گئے ہیں۔ کسی اور کو دیکھ لیتے ہیں۔"

"پتا نہیں کوئی کیسا کام کرے۔ میں خود ہی کر لوں گی۔" اس نے فوراً منع کر دیا۔

"پتا نہیں تمہارا کیا بنے گا۔ سارا دن مشین کے سامنے بیٹھ بیٹھ کر اتنی سی صورت نکل آئی ہے۔ ان

دنوں لڑکیوں کو اپنے آپ کو سنوارنے بنانے سے فرصت نہیں ہوتی اور تمہیں کوئی پروا ہی نہیں ہے۔"

انہوں نے اب نویرہ کو بغور دیکھا تو غصہ آنے لگا۔ کام کے چکروں میں وہ ہمیشہ خود کو بھول جاتی تھی۔

"ٹھیک ہوں میں۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔ اچھی خاصی صورت ہے میری۔ آپ فکر نہ کریں۔" اس نے ماں کو ٹالا۔

"اچھا پھر میں کیا کروں؟ میں خالہ کو کہہ آیا ہوں کہ میں نویرہ کو چھوڑ جاتا ہوں اب.....؟" اس نے سوالیہ نظروں سے پہلے ماں اور پھر بہن کو دیکھا۔ نویرہ نظریں چرا گئی۔

اسے واجدہ خالہ سے بہت محبت تھی مگر شارق کی وجہ سے وہ بہت محتاط ہو گئی تھی۔ اب بھی دل نہیں مانتا تھا۔ وہاں جانے کو ان کاموں میں وہ خالہ کے لیے سب کچھ چھوڑ سکتی تھی۔

"چلی جائے گی نویرہ۔ ان کپڑوں کا مسئلہ ہے تو ساتھ لے جائے۔ دن میں خالہ کے پاس بیٹھ کر کام کر لیا کرے۔ ان کا بھی دل بہلا رہے گا۔ رات میں ان کے پاس ہی آرام کر لیا کرے۔ اس میں کون سی پریشانی والی بات ہے....." نبیلہ بھابی نے بھی مشورہ دیا تو نویرہ کلس کر رہ گئی۔

"ہاں۔ نبیلہ صحیح کہہ رہی ہے۔ وہاں سے تو فارغ بیٹھے بھی وقت نہیں گزرتا۔ شاکرہ پھر بھی ملازمہ ہی ہے۔ ملازم لاکھ اعتبار والے ہوں، جو پروا اپنوں کو ہوتی ہے وہ ملازموں کو کہاں..... میرا تو آپا کو بے یار و مددگار چھوڑ کر آنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ ادھر گھر کی بھی فکر تھی۔ یہاں بھی تیاریوں کے سو کام، سو جھمیلے..... تم دونوں اکیلی تھیں۔ ذہن ادھر ہی الجھا ہوا تھا..... شادی والا گھر ہے لوگوں کا کیا بھروسہ.....؟" بہن کی طرف سے آبدیدہ انہوں نے آنسو صاف کیے تو سدا کی نرم دل نویرہ احسان ایک دم ان کے آنسوؤں سے پگھل گئی۔

"اچھا روئیں نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔ اپنے کپڑے تو میں خود ہی سلائی کروں گی۔ آج جا کر وہاں کی روٹین دیکھتی ہوں۔ اگر وقت ہوا تو ادھر سے آ کر سلائی کے لیے کپڑے لے جاؤں گی۔ باقی کپڑے بھابی آپ کسی درزی کو دے دیں۔ اب اتنا ہی ہو سکتا ہے مجھ سے صرف۔" بھابی نے اس کی بات پر سر ہلایا تھا۔

"جیتی رہو۔ خوش رہو۔ اللہ تمہیں شاد و آباد رکھے۔ مجھے پتا تھا میری بیٹی انکار نہیں کرے گی۔ ان دنوں تو بچیوں کو گھر سے نکالنا ہی نہیں چاہیے۔ بہن کی محبت رلاتی ہے مجبور ہوں ورنہ کبھی نہ بھیجتی سچی۔ شارق کی طرف سے تو میرا اپنا دل بڑا کھٹا ہو گیا ہے۔ ماں گھر میں مفلوج دوسروں کے رحم و کرم پر ہے اپنے عیش کے لیے اس نے ماں کو ہسپتال سے گھر لا بٹھایا ہے۔ کیا تھا چند دن تکلیف سہہ لیتا..... اب بھی کون سا پہاڑ توڑ رہا ہے۔ رات گئے لوٹ رہا ہے۔ مجھے تو اس کی سرگرمیوں سے ہی الجھن ہونے لگتی ہے۔ آپا تو پھر ماں ہیں سچ کہتی ہوں۔ آپا کی بیماری کا ذمہ دار بھی شارق ہی ہے۔"

وہ ماں تھیں۔ بیٹی کی پہلو تہی ان سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔ خود بھی دل کھٹا ہوا تھا سو دل کی بھڑاس نکال لی۔ نویرہ چپ چاپ دیکھے گئی۔

CDPSTUDIO.BLOGSPOT.COM

"جاؤ کپڑے بدل کر تیار ہو لو۔ ایک دو جوڑے اور دوسری چیزیں ساتھ رکھ لو۔ کسی اور چیز کی ضرورت پڑے تو بعد میں آ کر لے جانا۔ نبیل کو کام پر بھی جانا ہے جلدی کرو۔ آپا کی اب نجانے کیا حالت ہو گی۔ میری موجودگی میں سارا دن شاکرہ آپا کے پاس ہی ہوتی تھی۔ اب خدا خیر کرے۔" ایک وقت میں انہیں کئی فکریں تھیں۔

نوریہ خاموشی سے چیزیں سمیٹنے لگی۔ ماں کو وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔ وہ پہلے ہی دکھی تھیں۔ بہن کا دکھ ان کے اندر کو کاٹ رہا تھا۔ اب چند دنوں میں بہن کی تکلیف کے احساس میں مبتلا وہ خود آدھی ہو کر رہ گئی تھیں اور ایسے میں وہ خود بھی ان کی تکلیف میں اضافہ کرتی۔

"کیا کر لیں گے شارق بھائی بھی۔ باہر ان کی سرگرمیاں کیسی بھی سہی۔ گھر کی خواتین کے بارے میں تھوڑا بہت لحاظ تو ہوتا ہی ہے نا۔ اب میں اتنی گری پڑی بھی نہیں ہوں۔ زیادہ گھورا تو صاف بات کر لوں گی۔ کہہ دوں گی مجھے یہ سب حرکتیں پسند نہیں۔ اپنے اوپر کنٹرول کریں۔ میرے ٹوکنے پر کم از کم حیا تو آئے گی ہی نا....." چیزیں سمیٹ کر اپنے کمرے میں آتے اس نے مصمم ارادہ کیا تھا۔ تیار ہو کر دو تین جوڑے اور ضروری استعمال کی چیزیں بیگ میں لے کر نیچے آئی تو نبیل بھائی اس کے منتظر تھے۔

"دھیان سے رہنا۔ فکر نہیں کرنا..... اپنا گھر ہے۔ بس چند دنوں کی بات ہے آپا کا پلاسٹر اتر جائے تب تک شاید رفعت بھی آنے کے قابل ہو جائے۔ وہاں دور پردیس میں بیٹھی ماں کی اذیت پر روتی رہتی ہے۔ نبیلہ چکر لگاتی رہے گی پھر خاندان کے دیگر لوگ بھی آپا کی عیادت کو آتے جاتے رہیں گے۔ سارا دن ان ہی کاموں سے فرصت نہیں ملے گی۔ بس آپا کا خیال رکھنا۔ میں نہیں چاہتی میری طرف سے کوئی کوتاہی ہو۔" انہوں نے نوریہ کا منہ چوم کر ہدایت خاص دی تھیں۔ وہ خاموشی سے خدا حافظ کہہ کر نبیل کے ساتھ نکل آئی۔

❁.....❁.....❁

زیبا کیانی نے شارق زمان کو اپنے گھر دعوت پر انوائٹ کیا تھا۔ وہاں کلب کے کئی اور ممبرز بھی تھے۔ زیبا کیانی نے یہ دعوت اپنے ماں باپ کی ویڈنگ اینورسری" کے طور پر دی تھی۔

شارق زمان کے ہر طرح کے بیزار رویے کے باوجود زیبا کیانی کی دلچسپی شارق زماں کی ذات میں بڑھی ہی تھی۔ شارق زمان پچھلے تین چار دنوں سے گھر لیٹ جا رہا تھا۔ اماں کی بیماری کی وجہ سے وہ پچھلے دنوں ہر طرح کی سرگرمی سے دور رہا تھا مگر جیسے ہی اماں گھر شفٹ ہوئی تھیں۔ وہ کتنے دنوں بعد کلب گیا تھا۔ وہی پرانے ممبرز اور دوستوں سے ملنے جلنے میں وقت کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔ اگلے دن زیبا کیانی سے سرِ راہ ملاقات ہو گئی تھی تو وہ اسے زبردستی ساتھ لے گئی تھی۔ کچھ خالدہ چچی کی وجہ سے وہ اماں کی طرف سے بے پروا بھی تھا اوپر سے وہ گھر سے پہلے ہی کی طرح غافل ہوا تھا اور آج زیبا کیانی کی یہ دعوت اسے گھر سے مکمل طور پر غافل کر چکی تھی۔ یہاں آتے ہی اس کی ملاقات وہاں موجود کلب کے تمام ممبرز سے ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جب لالہ منصور پر شارق زماں کی نگاہ پڑی تو وہ نظر بچا گیا۔ زیبا کیانی نے اسے اپنے والد سے ملوایا تھا اور مسٹر کیانی کافی سرد انداز میں شارق سے ملا تھا۔ شارق

زمان کو زیبا کیانی کی گرم جوشی اور باپ کی سرد مہری پر اندر ہی اندر ہنسی تو خوب ہی آئی۔ اس کا باپ جہاں اسٹیٹس کانشس تھا وہاں وہ لوگوں کے شجرۂ نسب کی بھی پوری خبر رکھتا تھا۔ اپنے سے کم بندے سے اس کا رویہ ہمیشہ بہت سرد ہو جاتا تھا۔ یہاں آ کر شارق زمان ایک دم بوریت سے دوچار ہوا تھا۔ وہ چند لمحے کلب کے دوستوں میں آ بیٹھا تھا۔

"یہ مسٹر کیانی حد سے زیادہ خود پسند ہیں۔" اس کے ایک ساتھی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے مسٹر کیانی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں.....؟ تمہیں اس کی خود پسندی سے کیا لینا دینا.....؟" اس نے مسکرا کر حاضرین پر نظریں جمائے اپنے دوست کو سلگایا۔

"ہونہہ۔ اس جیسے شخص سے تو میں کلام نہیں کرتا۔ یہ تو تمہاری وجہ سے یہاں موجود ہوں ورنہ....."

"یہ انسان کی ایک فطرت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ اس کی فطرت ہو۔" اس نے مسکرا کر مسٹر کیانی کا تجزیہ کیا۔

"خیر فطرت تو نہیں البتہ اپنی دولت پر حد سے زیادہ غرور ہے اس شخص کو۔"

"ہوں یہ بھی ہے.....؟" اس نے کندھے اچکائے۔

"خیریت..... تم بڑے مطمئن ہو۔ ویسے اس کی بیٹی تو آج کل بڑی آگے پیچھے پھر رہی ہے تمہارے..... آخر معاملہ کیا ہے؟"

"تم اس سے خود پوچھ لو۔ آخر معاملہ کیا ہے..... میں کیا جانو؟ جس طرح اس نے تمہیں انوائٹ کیا ہے مجھے بھی کیا ہے جس طرح اس کا باپ تم سے ملا ہے مجھ سے بھی ملا ہے۔ رہ گئی اس کی بیٹی کو تو وہ کھڑی ہے جا کر پوچھ لو....." اس طرح لاپروا انداز میں اس نے کہا تو اس کا دوست ہنس دیا۔

"تمہارا ابھی کوئی جواب نہیں۔ اس کی بیٹی تم سے کیا چاہتی ہے یہ میں کیا کلب میں موجود ہر شخص سمجھ رہا ہے..... اور تم ہو کہ..... ویسے مجھ سے رازداری برت کے اچھا نہیں کر رہے۔" یہ لڑکا وسیم اس کا پرانا دوست تھا۔ یہیں کلب میں اس سے دوستی ہو گئی تھی۔ باہر کی دوستیاں تو اپنی جگہ مگر کلب کے اندر بھی لڑکے اس سے دوستی کو بے چین رہتے تھے۔

"اچھا کیا رازداری برتی ہے میں نے تم سے.....؟" اس نے چشمگیں نظروں سے وسیم کو گھورا

"یہ رازداری کیا کم ہے کہ تمہارا زیبا کیانی سے باقاعدہ چکر چل رہا ہے اور تم منہ سے بھاپ نہیں نکال رہے۔"

"شٹ اپ یار! تم اچھی طرح جانتے ہو میں ایسے چکروں میں نہیں پڑتا۔ یہ زیبا کیانی کیا میں تو کلب میں بہت سوں سے ہیلو ہائے کرتا ہوں۔ اب ان سب سے تم چکر چلانے کی بات کرو گے۔" اس نے تلخی سے کہا تو وسیم بے یقینی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر آج تم اس دعوت میں کیوں ہو؟ تم اپنے مزاج کے علاوہ تو کسی کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے پھر زیبا کیانی کو اتنی اہمیت.....؟ اس سے پہلے تو کسی لڑکی کو تم نے اتنی اہمیت نہیں دی۔" وسیم نے الجھ کر

PDF-STUFF.BLOGSPOT.COM

کہا تو شارق ہنس دیا۔

"بہت دن ہو گئے تھے دوستوں میں گھلے ملے سوچا آج تھوڑی سی تفریح بھی ہو جائے۔ ویسے بھی گھر میں اماں کی وجہ سے طبیعت اکتائی رہتی ہے۔ باہر کم از کم تھوڑا بہت سکون تو ہے۔" اس نے کہا تو وسیم خاموش ہو گیا۔

"ارے شارق صاحب! آپ بھی یہاں ہیں۔ بہت خوب..... کیسے ہیں.....؟ مزاج بخیر ہیں....." وہ جس شخص سے نظر بچا کر اس جگہ آ بیٹھا تھا وہی اسے دیکھ کر قریب آ گیا تھا۔ شارق کے تیور بدلنے لگے۔

لالہ منصور سے شہوانہ والے معاملے میں جو ڈیل تھی اس کے بعد تو وہ اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ بگڑے زاویوں سے لالہ منصور کی گرمجوشی کو نظر انداز کیا۔

"جی اتفاقاً یہاں ہوں۔ شاید آپ سے ملنا تھا؟" تلخی سے اس نے جتایا تھا۔ جواباً لالہ منصور کا بے ہنگم قہقہہ پرسکون ماحول کے لیے خاصا ناگوار تھا۔

"بہت خوب۔ بہت اچھا مذاق کر لیتے ہو۔ میں ایسے حاضر جواب لوگوں کی بڑی قدر کرتا ہوں۔" مسکرا کر شارق زمان کا کندھا تھپکتے ہوئے وہ ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ مسٹر کیانی سے کوئی دوستی وستی ہے؟" اپنے خاص انداز میں اس نے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"جی نہیں۔ میں دولت جیسی بے مایا شے پر فخر کرنے والے لوگوں سے کبھی دوستی نہیں کرتا۔" وہی کٹیلا طنزیہ انداز تھا۔ لالہ منصور نے سراہتی نگاہوں سے دیکھا۔

"پھر.....؟" وہ شاید اس کی آمد کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

"ان کی بیٹی کے مدعوئین میں سے ہیں ہم لوگ۔" اس نے اپنے اور وسیم کی طرف اشارہ کیا تو وہ اپنے بھاری جسم پر بھاری سر ہلانے لگا۔

"اچھا اچھا....." وہ یوں سر ہلا رہا تھا جیسے سب کچھ سمجھ گیا ہو۔

"بس تم سے ملنے آج کل میں تمہارے آفس آنے والا تھا۔ اچھا ہوا تم سے یہاں ملاقات ہو گئی۔" لالہ منصور نے وسیم کو نظر انداز کرتے ہوئے بات کی تو شارق نے تعجب سے دیکھا۔

"کیوں.....؟"

"تمہاری بہن....." شارق زمان کے تیور ایک دم بدلے تھے۔ وہ شاید یہی ضرب لگانا چاہتا تھا فوراً کہنے لگا۔

"میرا مطلب ہے..... شہوانہ زمان کے سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔"

"کیوں.....؟ میرا اس سے کیا تعلق؟" یکسر سرد مہری اور اجنبی لہجے میں رکھائی سے پوچھا تو ایک پل کو لالہ منصور بھی اس کے طرز عمل پر خائف ہوا۔

"خیر تعلق سے تم انکار نہیں کر سکتے۔ شہوانہ کی ماں بدر آرا کس قماش کی عورت ہے تم سے بہتر بھلا کون جانتا ہو گا....."

شارق کو لگا "قماش" کے لفظ میں لپیٹ کر لالہ منصور نے اسے گالی دی ہو۔

"شٹ اپ۔" وہ ایک دم ٹمپر امنٹ لوز کر گیا تھا۔

خونخوار کھا جانے والی نظروں سے لالہ منصور کو دیکھا۔

"تم غصہ کرنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ شہوانہ زمان اسی ہفتے میں شاید کسی دن احسان سے نکاح کر رہی ہے۔ وہ شاید میرے اثر و رسوخ سے بے خبر ہے مگر میں کیسے اسے سمجھاتا۔ احسان منصور میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کی ضد کے سامنے بے بس ہوں ورنہ اس جیسی عورتوں کو مسلنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ چٹکی بجاتے ہی ایسی عورتوں کا کام کرتا ہوں میں۔"

اس نے چٹکی بجا کر جتاتے ہوئے شارق زمان کی خون چھلکاتی آنکھوں میں دیکھا۔

"غیرت مند ہو۔ تمہارا باپ بھی بڑا غیرت مند تھا مگر ایسی عورتوں کو اپنی عزت بے عزتی کی پروا نہیں ہوتی۔ انہیں مردوں کی جیب سے فکر ہوتی ہے۔ نوٹ دیکھا کر موڈ بنانے والی بات کرتی ہیں۔ میں صرف خاموش ہوں تو اس لیے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرا بیٹا میرے مقابل آ کھڑا ہو جب کہ بدر آرا بیگم ایسا چاہتی ہے۔ تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں تم پچھتاؤ۔"

وہ شارق کو سنا کر چلا بھی گیا تھا۔ شارق زمان اپنے آپ پر بمشکل بند باندھ رہا تھا۔ وسیم جو ساری گفتگو سن چکا تھا اس نے خوفزدہ نظروں سے شارق زمان کی آنکھوں میں در آنے والی درندگی محسوس کی تھی۔

شارق زمان نے اسے کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا تھا مگر کلب میں موجود ہر شخص شارق زمان سے متعلق ایک مختلف کہانی ضرور سناتا تھا۔ ان کہانیوں میں کتنی سچائی تھی وہ نہیں جانتا تھا مگر جب سے اس نے شارق زمان کے میگزین میں شائع ہونے والی شہوانہ اور بدر آرا کی رپورٹ پڑھی تھی وہ بہت کچھ جان گیا تھا۔

شارق زمان تیزی سے اٹھا تھا۔ وسیم بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" شارق زمان کے تیور اچھے نہ تھے۔ وسیم نے ڈر کر پوچھا۔

"اس شخص نے گالی دی ہے مجھے۔ میں بے غیرت نہیں ہوں اور نہ ہی میرا باپ تھا۔ بتانا چاہتا ہوں میں اس ذلیل شخص کو۔" وہ غصے سے پھنکارا تھا۔ وسیم نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"یہاں تماشا مت بنواؤ اپنا۔ چلو یہاں سے۔ یہاں بہت سے لوگ تمہارے جاننے والے ہیں۔ خوامخواہ بات بڑھے گی اور تمہاری اپنی ہی ساکھ خراب ہو گی۔" اس نے دھیرے سے سمجھایا تو شارق نے غصے اور تنفر سے وسیم کو دیکھا۔

"اس شخص کی گالی سن کر میں آرام سے چلا جاؤں گا۔ اتنا بے ضمیر سمجھ رہے ہو تم مجھے....." شارق زمان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر لالہ منصور کا گریبان جا کر پکڑ لے۔

"آرام سے۔ تم بعد میں ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر اس شخص کو جواب دینا۔ اس وقت کچھ بھی مناسب نہیں۔ چلو چلیں یہاں سے....."

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

اس نے سختی سے شارق کا بازو پکڑ کر اسے کوئی بھی سنگین قدم اٹھانے سے منع کر دیا۔

"کیا ہوا..... جا رہے ہو تم لوگ.....؟" زیبا کیانی دونوں کو کھڑا دیکھ کر فوراً ان کی طرف آئی تھی۔

شارق زمان نے چبھتی نظروں سے اپنے سامنے کھڑی زیبا کو دیکھا۔

"کیا ہوا.....؟" اس نے شارق کے تیوروں سے اندازہ لگا لیا کہ یہاں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔

"کچھ نہیں ہوا۔ اس کی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ گھر سے فون آیا ہے۔ ہم لوگ جا رہے ہیں۔"

"مگر ابھی تو کھانا لگنا ہے..... اتنی جلدی.....؟" وسیم کی بات پر اس نے کہا تو شارق نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"پلیز زیبا! تم نے انوائٹ کیا بہت شکریہ پھر کبھی سہی۔ چلو وسیم۔"

وہ وسیم کو کہہ کر وہاں سے نکلتا چلا تھا اور زیبا حیرت سے کھڑی اس پل پل بدلتے تیوروں والے شخص کو سوچے گئی۔

وہ شخص اسے ہمیشہ سے زیادہ ناقابلِ رسائی اور ناقابلِ فہم لگا۔

نوریہ یہاں آئی تو مجبوری میں تھی لیکن خالہ کی مجبوری اور گھر کی حالت دیکھ کر وہ اپنی جگہ کڑھ کر رہ گئی۔ ہر طرف بکھری بے ترتیبی اور گندگی' گرد دھول وغیرہ ہر شے پر موجود تھی۔ خالہ امی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ انہیں اپنی یہ بھانجی بہت عزیز اور پسند بھی تھی۔ ان کے دل میں اس کے لیے بہت سی خواہشیں تھیں مگر اپنی کم مائیگی اور شارق زمان کی سرگرمیاں دیکھ کر وہ اپنی ساری خواہشیں دل میں ہی دبا گئی تھیں۔ اگر بہن کے سامنے جھولی پھیلاتیں تو کیا مشکل تھا کہ ان کی بہن ان کی مشکل سمجھ کر اپنا یہ ہیرا ان کی جھولی میں نہ ڈالتیں مگر وہ خودغرض نہ تھیں۔ نوریہ تو جس گھر میں جاتی روشنی سی بکھیر دیتی۔ شارق کی سرگرمیوں پر وہ دل مسوس کر رہ جاتی تھیں اور اب تو نوریہ کسی کی امانت تھی۔ کسی کے نام سے منسوب۔ بس چند دن ہی تو رہ گئے تھے اسے کسی کے نام سے ہمیشہ کے لیے منسوب ہونے میں۔ ایسے میں وہ سب کچھ چھوڑ کر کر صرف ان کے لیے یہاں آئی تھی۔ ان کا دل نوریہ اور بہن کی محبت کے بوجھ سے زہر بار تھا۔

نوریہ نے یہاں آتے ہی شاکرہ کو گھر کی طرف مصروف کروایا تھا اور خود ان کی خدمت میں لگ گئی تھی۔ گاہے بگاہے وہ شاکرہ کو بھی دیکھ لیتی تھی، جسے اس نے گھر کی صفائی ستھرائی پر مامور کیا تھا۔ شام تک گھر کی حالت اچھی خاصی نکھر چکی تھی.....

نوریہ نے سارا دن خالہ امی کو سونے نہیں دیا تھا۔ اپنی باتوں سے' اخبار سے انہیں متوجہ رکھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ دن کو سو گئیں تو ساری رات بے چین رہیں گی۔ وہ اگر دن کو جاگ لیا کریں تو ان کی رات پرسکون گزرے گی۔ رات کا کھانا انہوں نے آٹھ بجے کھایا تھا۔ شارق کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ رات کا کھانا لگاتے ہی نوریہ نے خالہ کو میڈیسن کھلا دی تھی۔ دونوں نے مل کر نیوز دیکھی تھیں۔ نوریہ نے ٹی وی اماں کے کمرے میں رکھوا لیا تھا۔ اس طرح ان کا دل بہلا رہے گا سو اس کے قریب اماں سو

گئیں تو نوریہ کا بھی نیند سے برا حال ہونے لگا۔ شاکرہ کو وہیں اماں کے کمرے میں ہی اس نے سونے کی ہدایت کی تھی۔ عشا کی نماز ادا کر کے وہ اماں کے پاس ہی بیڈ پر دوسرا کمبل لے کر لیٹ گئی تھی۔ شاکرہ کو اس نے ہدایت کی تھی کہ شارق زمان اگر جلدی آ گیا تو اسے مت اٹھائے۔ سارے دن کی تھکن سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ شاکرہ سارے گھر کے لاک چیک کر کے اماں کے کمرے میں موجود صوفے پر لیٹ گئی تھی۔ نوریہ سو گئی تو شارق زمان کا انتظار کرتے کرتے شاکرہ کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔

دو بجے کے قریب شارق زمان کی واپسی ہوئی تھی۔ بیرونی گیٹ تو ظہور بابا نے کھول دیا تھا۔ اندرونی دروازہ لاک تھا۔ شارق زمان کو پہلے ہی نجانے کس کس چیز کا ابال اٹھا ہوا تھا ایک دم بھنا اٹھا۔ غصے سے دروازہ پیٹ ڈالا۔ ظہور بابا اس کے غصے سے ایک دم ڈر کر آئے تھے۔

"صاحب جی! میں دروازہ کھول دیتا ہوں۔ میرے پاس چابی ہوتی ہے۔ اندر شاید شاکرہ سو گئی ہے۔"

ظہور بابا نے اپنی جیب سے چابی نکال کر لاک کھولا تو آٹومیٹک لاک کھل گیا۔

"نان سینس شاکرہ۔" اندر گھپ اندھیرا تھا۔ کوئی بھی نہ تھا۔ اماں کی وجہ سے شاکرہ اب ان کے کمرے میں ہی ہوتی تھی۔ اس وقت شارق شاکرہ کو آوازیں دیتے اپنے گھر میں خالدہ چچی کی موجودگی کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا، جو پچھلے دو تین دنوں سے یہاں تھیں۔ شاکرہ بے چاری سارا دن کی بھاگ دوڑ سے اور پھر نوریہ کے حکم پر گھر کی ازسرِنو تفصیلی صفائی دھلائی سے اب اتنی تھک چکی تھی کہ دروازہ مسلسل پیٹنے اور شاکرہ کی پکار پر بھی نہ اٹھی تھی۔

"نان سینس۔ ایک تو یہ ملازم بھی سر چڑھے ہوتے ہیں۔ ذرا ڈھیل دی تو اپنا رنگ دکھانے لگ جاتے ہیں۔" اندازے سے برآمدے کی روشنی آن کر کے وہ غصے سے بڑبڑاتا اماں کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

زیبا کیانی کے گھر سے نکلنے کے بعد وہ اپنے چند دوستوں کی طرف وسیم کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اس کے ایسے دوست اس کے کسی ایسے ہی وقت میں کام آتے تھے۔ ان کے ساتھ وقت گزارتے پتا ہی نہ چلا تھا کہ کتنا وقت بیت چکا ہے۔ ادھر جب وسیم گھر کے لیے اٹھا تو وہ بھی نکل آیا۔ اگرچہ اس کی حالت گھر جانے والی نہ تھی۔ ایسی حالت میں وہ کبھی گھر نہیں آتا تھا۔ سیدھا آفس چلا جاتا تھا مگر نجانے آج کیا بات تھی کہ وہ سب کچھ فراموش کیے ہوئے تھا۔ سب احتیاطیں..... سب تدبیریں..... بس صرف اتنا معلوم تھا کہ اس کے اندر آگ جل رہی ہے۔ انتقام و نفرت کی۔ اپنے آپ سے..... اپنے سے متعلقہ تمام لوگوں سے..... اس سے تو اسے اماں اور ان کی بیماری تک بھول چکی تھی۔ بس اپنی نفرت یاد تھی جو ہمیشہ اپنی ماں کا نام سن کر ہی اس کے اندر زہر کی طرح سرایت کر جاتی تھی۔

اماں کے کمرے کی ہلکی روشنی تھی۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوا تو اس کی ٹانگوں میں ایک واضح لڑکھڑاہٹ تھی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"شا.....کر.....ہ....." وہ جو غصے سے شاکرہ پر چیخنا چاہتا تھا۔ اماں کے بیڈ کے دوسری طرف لیٹے وجود پر نظر پڑی تو اپنی ہی آواز اسے گلے میں گھٹتی محسوس ہوئی۔

"نویرہ.....؟" انتہائی استعجاب اس کی آنکھوں سے چھلکا تھا۔

"یہ یہاں کیسے اور کب آئی؟" ایک دم اس کا ذہن ہوش کی دنیا میں آیا۔ سر جھٹک کر اس نے آنکھیں ہاتھوں سے رگڑیں۔ اس خوف سے کہ کہیں یہ اس کا وہم وگمان ہی نہ ہو۔ پچھلے دنوں سے وہ اس کو بہت سوچ رہا تھا۔ ہر لمحہ' ہر وقت' ہر پل اور اب وہ مجسم تھی۔ اسے وہ دھوکا ہی لگی تھی مگر آنکھیں ملنے کے باجود وہ اسی طرح تھی' بستر پر لیٹی..... کمبل اس کے آدھے وجود پر تھا۔ اس کی چوٹی بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی۔ ایک بازو سینے پر تھا تو دوسرا دائیں طرف بستر پر تھا۔ اس کے چہرے کی تمام تر خوب صورتی ان لمحوں میں شارق زمان کے حواسوں پر بری طرح سوار ہوئی تھی۔

"نویرہ.....نویرہ....." وہ بے قرار ہو بیٹھا تھا۔

اس دن وہ ہاسپٹل سے چلی گئی تھی اور شارق زمان کی روح میں ایک شگاف ڈال گئی تھی۔ وہ جتنا اپنے آپ کو کوستا تھا اتنا ہی وہ یاد آتی تھی۔

نویرہ کی نظروں کی ناگواری' ہر لمحہ اس کے ذہن کے پردے پر تازہ رہتی۔ اس کے دل ودماغ پہ تازیانے لگاتی رہتی تھی۔

وہ ہر لمحہ کلستا رہتا تھا۔ اس دن کے بعد وہ اسے نظر نہیں آئی تھی اور کتنی بار وہ اس کے گھر کے دروازے پر جا کر واپس لوٹ آیا تھا۔

اسے ایک نظر بار بار دیکھنے کی خواہش نجانے کیسی تھی کہ اس کے اندر کی آگ کو ہر لمحہ بھڑکاتی رہتی تھی۔ نویرہ کا نام' اس کے اطوار' اس کا وجود گویا ہر چیز اس کے ذہن پر ٹھہر گئی تھی۔

نویرہ طلب بن کر اس کے اندر جاگ رہی تھی۔

نویرہ کو چھو کر اس کی موجودگی کا یقین خود کو دلانے کی خواہش ایسی ابھری کہ وہ بے اختیار سا اس کی طرف بڑھا تھا۔

وہ اس سے بھول چکا تھا کہ اس کی اس وقت کنڈیشن کیا ہے۔ وہ اس وقت کس کے کمرے میں ہے..... اس وقت اس کمرے میں اس کے علاوہ اور کون کون ہیں..... بس اسے یاد تھا تو صرف اتنا کہ نویرہ اس کے سامنے ہے۔ وہ نویرہ جو طلب بن کر اس کے اندر جاگ رہی تھی۔

وہ نویرہ جو کبھی اس کے لیے نہیں تھی مگر اسے اس وقت اپنی دسترس میں محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر نویرہ کی موجودگی محسوس کرنے کے لیے اس کا چہرہ چھونا چاہا تھا کہ اسی پل اس نے کروٹ بدلی تھی۔ سینے پر دھرا بازو پہلو میں آ گیا تھا۔ کمبل مزید سینے سے سرک گیا تھا۔ اس کا خوب صورت سراپا اپنی تمام تر حشر سامانیوں سمیت شارق زمان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

شارق زمان جس نے اسے ہمیشہ ڈھکے چھپے حلیے میں دیکھا تھا۔ کبھی بغیر دوپٹے کے نظر نہ آئی تھی صرف ایک دفعہ نواز کے ساتھ ان کے ہاں گیا تھا تو وہ وہاں بغیر دوپٹے کے دکھائی دی تھی مگر پھر وہ

نظروں کے سامنے سے ہٹ گئی تھی اور اب وہ گویا نگاہوں میں جم سی گئی تھی..... وہ گویا اسے اس سے جیتی جاگتی قیامت دکھائی دی۔ ایسی قیامت جو اس کے اندر تباہی مچا رہی تھی..... اس کی طلب کے سمندر میں تلاطم برپا کر رہی تھی..... اس کے وجود کو چنگاریوں سے بھر رہی تھی

اور وہ..... مچل اٹھا تھا..... بے قرار ہو گیا تھا۔

اس سے شارق زمان کی تمام حسیں شاید مردہ ہو چکی تھیں یا پھر..... اس کے اندر سے احساس مر چکا تھا۔

شارق زمان نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھامنا ہی چاہی تھی کہ شارق کی جیب میں پڑا موبائل ایک دم بج اٹھا تھا اور وہ ہڑبڑا کر ہوش کی دنیا میں آیا تھا۔ ایک دم کئی قدم پیچھے ہٹا تھا۔ موبائل کی بیپ مسلسل بج رہی تھی۔ جب تک شارق زمان موبائل جیب سے نکال کر اس کا گلا دباتا تب تک نہ صرف نویرہ کی آنکھ کھل چکی تھی بلکہ شاکرہ بھی ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔

"آپ.....آپ....." دونوں ایک دم اٹھی تھیں۔

شارق زمان جو ابھی کنویں کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا جس نے ابھی اپنی طلب کا کاسہ بھرا ہی تھا مگر کاسہ بن پیے ہی ہونٹوں سے ہٹانا پڑا تھا۔ اس کی حالت اس سے اتنی بے چارگی لیے ہوئے تھی کہ وہ غصے سے واپس پلٹا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ دونوں کچھ سمجھتیں وہ یک دم دروازہ پار کر گیا تھا۔ شاکرہ تو کچھ نہیں سمجھی تھی اور نویرہ جو خود گہری نیند سے ایک دم موبائل کی بیپ سے بیدار ہو گئی تھی وہ عجیب سی بے چینی کا شکار ہو گئی۔

"یہ شارق بھائی کب آئے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے شاکرہ کو دیکھا جو شارق کا انتظار کرتے کرتے صوفے پر لیٹی تھی۔ اب کمر دکھ رہی تھی۔ اٹھ کر وہ زمین پر پڑے میٹرس پر لیٹ رہی تھی۔

"پتا نہیں..... شاید ابھی آئے ہوں....." شاکرہ نے لیٹتے ہوئے نویرہ کے سوال پر کہا تو وہ الجھی۔

"تو تم نے دروازہ نہیں کھولا.....؟"

شاکرہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تم سے میں نے کہا تھا کہ اندرونی دروازہ لاک کر آؤ پھر وہ کیسے اندر آ گئے..... دروازہ کس نے کھولا.....؟" وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

"پتا نہیں جی شاید ظہور بابا نے کھولا ہو۔ رات جب بھی صاحب دیر سے آتے ہیں تو ان کے پاس دوسری چابی ہے۔ ظہور بابا اسی سے صاحب کے لیے دروازہ کھول دیتے ہیں۔" شاکرہ نے اس کی پریشانی سمجھے بغیر تفصیلی جواب سے نوازا۔

"اچھا....." نویرہ الجھتے ہوئے دوبارہ بستر پر لیٹ گئی مگر اب کی بار اس کے اندر بے چینی تھی کہ بہت چاہنے اور کوشش کے باوجود اسے دوبارہ نیند نہیں آئی تھی۔ سوتی جاگتی کیفیت میں وہ ساری رات جاگتی رہی تھی حتیٰ کہ صبح فجر کی اذانیں ہونے لگیں اور نویرہ کی بے چینی ختم ہو گئی۔

PDF-STUFF.BLOGSPOT.COM

زرش کی کالج فیلو جو کہ گریجویشن کی طالبات تھیں اکنامکس ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتی تھیں' کو اپنے سروے کے سلسلے میں کچھ کمپنیز اور فرمز سے متعلق ڈیٹا اکٹھا کر رہی تھیں۔ انہیں مختلف فرمز میں جا کر وہاں کام کرتے لوگوں سے معلومات حاصل کرنا تھیں۔ اس سلسلے میں زرش نے ان کو اپنی فرم میں چلنے کی دعوت دی تھی چونکہ یہ طالبات زرش سے سینئر تھیں مگر کالج اور ٹیچر کی ہر دلعزیز اسٹوڈنٹ ہونے کی وجہ سے زرش کی سینئرز سے بھی کافی علیک سلیک تھی اور انہوں نے اس کی آفر کو قبول بھی کر لیا تھا۔

سعود احمد نے اپنے منیجر کو بلا کر ان طالبات کو ہر طرح کا ڈیٹا فراہم کرنے کی ہدایت دی تھی۔ سعود احمد کا منیجر ان سب کو لے کر سارا آفس دکھا چکا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے ان کو وہاں لگ گئے تھے۔ زرش ان کے ساتھ ساتھ ہی رہی تھی۔ واپسی سے پہلے سعود احمد نے ان کو ریفریشمنٹ بھی دیا تھا۔ چونکہ یہ زرش کے حوالے سے آئی تھیں اور زرش ان کو لے کر آئی تھیں۔ سارا عملہ خاصا مستعد رہا تھا۔ زرش جب آفس آتی تھی تو سمعان احمد اپنے آفس میں نہیں تھا۔ سعید احمد تھے۔ زرش ان کے پاس بھی سب کو لے کر گئی تھی۔ انہوں نے بھی پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔

''زبردست زرش! تم لوگوں کا آفس بہت زبردست ہے۔ یہاں کا ماحول' کام کرنے کا انداز ہر چیز بہت پرفیکٹ ہے۔'' فضا نے ریمارکس دیا تو وہ مسکرا دی۔ اس وقت وہ سب پاپا کے آفس میں ہی سائیڈ صوفوں پر بیٹھی ریفریشمنٹ کے نام پر لنچ اڑا رہی تھیں جو کہ ڈبوں میں بند بریانی اور کوک کی صورت میں تھیں۔

''اور یہ سب ہونا بھی چاہیے کہ ہمارے پاپا' تایا ابو اور ہمارے سمعان بھائی بہت محنت کرتے ہیں۔ اپنے ایمپلائرز کو بہت اہمیت اور عزت دیتے ہیں۔ تم لوگوں نے دیکھا بھی ہے کہ یہاں کام کرنے والی خواتین کو کس طرح کا ماحول میسر ہے۔ دراصل پاپا اور تایا ابو کا کام کرنے اور کروانے کا خاص انداز ہے۔ وہ اپنے ورکرز کو اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔''

''ہوں۔ یہ تو ہے۔'' فضا نے سر ہلایا۔

''چلو فضا! باقی ڈسکس کل کر لیں گے۔ اب چلنا چاہیے۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ میری امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' شائزہ نے کہا تو فضا نے بھی اپنی گھڑی دیکھی۔

''واقعی ٹائم بہت ہو گیا ہے۔ اب چلنا چاہیے۔'' وہ بھی کھڑی ہو گئی تھی۔

''تھینکس زرش! تم نے ہماری اتنی مدد کی ورنہ اب تک ہم جو ایک دو فرمز میں گئے ہیں بہت برا رویہ تھا لوگوں کا جیسے ہم ان کے اندرونی بھید ہی تو حاصل کر لیں گے۔'' ان کی تیسری ساتھی شفق نے بھی کہا تو وہ ہنس دی۔

''شکر یہ کس بات کا یہ تو اچھی بات ہے کہ تم لوگوں کے کام آئی۔ ویسے تم لوگ واپس کیسے جاؤ گی؟'' انہیں تیار کھڑے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

''کوئی سواری دیکھ لیں گے۔ ہم تینوں کا ایک ہی روٹ ہے۔ یہاں سے ہمارے روٹ کی کوئی بس مل ہی جائے گی۔'' سائزہ نے کہا تو فضا اور شفق نے بھی سر ہلایا۔

''میں پاپا سے کہہ کر تم تینوں کو ڈراپ کروانے کا انتظام کر دیتی ہوں ورنہ اپنے ڈرائیور کو کہتی ہوں وہ چھوڑ آتا ہے۔''

''تم نے پہلے اتنی مدد کی ہے جو ڈیٹا پچھلے تمام دس سالوں کا تم لوگوں نے فراہم کیا ہے۔ ہمارا پروجیکٹ بہت اچھا تیار ہو گا۔ اس کے لیے اتنی مدد ہی کافی ہے۔ ہم روٹ بسوں کے عادی ہیں تم فکر نہ کرو۔'' شفق نے انکار کر دیا تھا۔ زرش نے بھی مزید اصرار نہ کیا۔

وہ تینوں چلی گئیں تو سعود احمد بھی آفس میں آ گئے۔ وہ ان لوگوں کی وجہ سے باہر چلے گئے تھے کہ وہ اطمینان سے بیٹھ کر لنچ کریں۔

''چلی گئیں تمہاری سہیلیاں؟'' اپنی چیئر پر بیٹھتے انہوں نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''جی! پاپا سمعان بھائی میٹنگ سے واپس آ گئے ہیں یا ابھی نہیں.....''

''میرا خیال ہے آ گیا ہو گا۔ ایک منٹ میں پتا کرتا ہوں۔'' انہوں نے انٹرکام اٹھا لیا تھا۔

''سمعان آ گیا ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔ ''او کے ٹھیک ہے۔'' انہوں نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

''آ گیا ہے۔ اپنے آفس میں ہے۔ کیوں خیریت؟'' انہوں نے سفید یونیفارم میں ملبوس اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ وہ ہنس دی۔ اس کے مسکرانے سے اس چہرے کا تاثر بہت بھلا لگنے لگا تھا۔ اس لباس میں وہ اپنی عمر سے بہت کم کوئی نوعمر کم سن سی بچی ہی تو لگ رہی تھی۔

''جی بالکل۔ دو تین دن ہو گئے ہیں ان سے ملے ہوئے۔ ان سے مل آؤں؟'' مسکرا کر وہ پوچھ رہی تھی۔ انہوں نے اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹائیں۔

زرش انہیں بہت عزیز تھی تو سمعان اور عزیز مگر..... ان کی ذہنی رو بھٹکنے لگی۔

''ہوں۔ جلدی تمہاری ماما کا فون آ چکا ہے۔ پوچھ رہی تھیں کہ تم کب تک گھر پہنچ رہی ہو.....'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچتے یا ذہنی اذیت کا شکار ہوتے' انہوں نے سر جھٹک کر مسکرا کر بیٹی کو دیکھا تو وہ ہنس دی۔

''ابھی مل کر آتی ہوں۔ آپ ماما کو بتا دیں کہ میں آپ کے پاس ہوں۔ ویسے آتے ہی میں نے ان کو فون تو کر دیا تھا۔'' اپنا بیگ ٹیبل پر رکھتے وہ پلٹی تھی۔ وہ اسے دیکھتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ کمرے سے نکل گئی۔

سمعان بھائی اندر ہیں۔'' خوب صورت ویل آف اور اٹریکٹیو سی سیکرٹری کے پاس رک کر زرش نے پوچھا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

''یس میم!'' زرش سعود احمد کی بیٹی تھی۔ وہ یہاں کبھی کبھار آتی رہتی تھی۔ سعود احمد' سعید احمد اور سمعان احمد اسے بہت اہمیت دیتے تھے۔ سو سارا اسٹاف اسے اہمیت دیتا تھا۔

''بزی ہیں یا پھر.....؟'' اس نے سرسری سا پوچھا تھا۔

''میں پتا کر دیتی ہوں۔'' لڑکی نے فوراً انٹرکام اٹھایا تھا۔

''رہنے دیں میں خود دیکھ لیتی ہوں۔'' اسے منع کر کے وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"مے آئی کم ان سر....." دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔ سمعان احمد کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہا تھا۔ اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے متحرک تھیں۔ زرش کی شرارتی آواز پر فوراً انگلیاں ساکت ہو گئی تھیں۔ ایک دم گردن موڑ کر زرش کو دیکھا۔ دروازے کے بیچوں بیچ چہرے پر شرارتی مسکراہٹ لیے کھڑی وہ منتظر تھی۔ اسلام آباد سے واپسی کے بعد وہ اسے آج دیکھ رہا تھا۔ ایک دم حیران ہو گیا۔

زرش اور یہاں.....؟

"تم.....؟" سمعان احمد نے اپنی چیئر مکمل طور پر اس کی جانب گھمائی تھی

"یس سر میں..... آپ تو شاید بھول گئے ہیں ہمیں مگر دیکھ لیں آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے میں یہاں چلی آئی ہوں۔" مسکراتی دروازہ بند کر کے آگے بڑھ آئی تھی۔ سفید یونیفارم پر نگاہ ٹکتے ہی سمعان احمد نے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ہوں۔" ٹیبل کے پاس آگے کو جھکتے ہوئے اس نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا تھا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" سمعان ابھی تک اسے اپنے آفس میں دیکھ کر متحیر تھا۔ اسے یوں ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر مزید ہو گیا۔ بہر حال زرش ان سے ہاتھ ملانے میں کبھی پہل نہیں کرتی تھیں۔ ہمیشہ ان سب کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو تھاما تھا اور اب..... سمعان احمد نے زرش کے ہاتھ کی نرماہٹ کو پوری شدت سے محسوس کیا۔ آج سمعان نے اسے بہت سوچا تھا بہت زیادہ..... اب اسے سامنے دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔

"بیٹھو۔" سمعان نے کہا تو وہ بیٹھ گئی۔

"کیا کر رہے تھے؟" کمپیوٹر کی طرف نگاہ کرتے اس نے سرسری پوچھا تھا۔

"کچھ آفیشل ورک تھا۔ تم سناؤ آج یہاں کیسے؟" دوبارہ کمپیوٹر کی طرف رخ کرتے تیزی سے انگلیاں چلاتے سمعان نے پوچھا تھا۔

"میری کالج فیلوز کو کچھ ڈیٹا درکار تھا۔ میں نے یہاں آنے کی آفر کی تو وہ چلی آئیں۔ میں ایک بجے سے آفس آئی ہوئی تھی۔ آپ کے پاس میں آئی تو باہر بیٹھی "دربان" صاحبہ نے کہا کہ آپ میٹنگ میں مصروف ہیں۔ ابھی میری سہیلیاں واپس گئی ہیں۔" تفصیلی جواب ملا۔ دربان صاحبہ کے الفاظ پر سمعان مسکرایا تھا۔

"اچھا اپنا یہ رخ تو میری طرف کریں۔ میں آپ سے ملنے آئی ہوں اور آپ ہیں کہ اس کو چمٹے ہوئے ہیں۔" اس نے اکتا کر کہا تو سمعان نے اسے دیکھا۔ سفید لباس میں وہ حد سے زیادہ لاابالی دکھائی دی۔ سمعان کی مسکراہٹ مزید تیز ہو گئی۔

"جسٹ ٹو منٹ۔ بس میں کور کرنے والا ہوں۔ تم باتیں کرو میں سن رہا ہوں۔" دوبارہ مونیٹر کو دیکھتے سمعان نے کہا تو زرش نے برا سا منہ بنایا۔

"خاک باتیں کروں۔ سچی اتنی بوریت ہو رہی ہے آج کل کالج سے آنے کے بعد ماما کہیں بھی جانے نہیں دیتیں۔ آپ کے ہاں آنے پر بھی منع کر رہی ہیں کہ اب سیریس بلکہ سنجیدہ ہو کر پڑھائی کروں۔ فرح سے بھی صرف کالج میں یہ بات ہوتی ہے۔ کوئی ایکٹویٹی نہیں ہے۔ میں نے کل ماما سے کہا کہ ہادیہ آپا کے ہاں چلتے ہیں مگر انہوں نے ڈانٹ دیا۔ عثمان بھائی کی فیملی بھی کوئی چکر نہیں لگا رہی۔ آپ بھی نہیں آ رہے۔ اسلام آباد سے واپسی کے بعد آج دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ بھی میری کوشش سے۔" وہ بلا تکان بول رہی تھی۔ سمعان مسکراتے ہوئے مسلسل اپنے کام میں مصروف رہا تھا۔

"اچھا اس کو تو اب چھوڑ دیں۔" وہ اٹھ کر آفس کو دیکھ رہی تھی۔ سمعان احمد نے حال ہی میں آفس کا فرنیچر اور کلر اسکیم چینج کروائی تھی۔ آفس خاصا خوب صورت لگ رہا تھا۔ ستائشی انداز میں دیکھتے ہوئے اس نے سمعان کو بھی ٹوکا۔

سمعان نے چند سیکنڈ میں ہی کام کور کرتے ہوئے کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کیا تھا۔

"ہاں اب بولو۔"

"آپ کا آفس بہت زبردست لگ رہا ہے۔ یہ چینج اچھا لگ رہا ہے ناں۔" کمرے کو بغور دیکھتے ہوئے وہ سمعان کی طرف پلٹی تھی۔ "کب کروائی یہ چینجنگ.....؟"

"ہوں پچھلے ہفتے میں یہ کام کروایا ہے۔ تمہیں پسند آیا؟"

"بہت زیادہ....." وہ دوبارہ کرسی پر آ بیٹھی تھی۔

"کیا کھاؤ گی؟" سمعان احمد اب بالکل فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ تھا۔ ایک دم اس کی تواضع کرنے کا خیال آیا تو فوراً پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ پاپا نے مجھے اور میری فیلوز کو زبردست سا لنچ کروایا ہے۔ اب تو قطعی گنجائش نہیں۔ ہاں اگر آئس کریم مل جائے تو....." سمعان نے سر ہلا کر انٹرکام پر آئس کریم کا آرڈر دیا تھا۔

"اور سناؤ اسٹڈی کیسی چل رہی ہے؟" ریسیور واپس رکھ کر وہ اب پوری طرح زرش کی طرف متوجہ تھا۔

"کہیں چل ول نہیں رہی۔ ہر چیز محنت اور توجہ مانگتی ہے۔ محنت تو کر رہی ہوں۔ انشاء اللہ رزلٹ بھی اچھا آئے گا۔" وہ بہت مطمئن تھی۔

"انشاء اللہ۔"

"آپ ہمارے ہاں کیوں نہیں آ رہے تھے؟"

"بس ان چند دنوں میں کافی مصروفیت رہی تھی۔ خیر آج میرا تم لوگوں کی طرف چکر لگانے کا ارادہ تھا۔ تم سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔" سمعان کا انداز کافی سنجیدہ اور پر سوچ تھا۔ زرش چونکی۔ غور سے سمعان احمد کو دیکھا۔ آف وائٹ شرٹ میں تروتازہ چہرے سمیت کافی گریس فل اور معتبر شخصیت لگ رہے تھے۔ زرش نے دل ہی دل میں ان کی وجاہت کو سراہا۔

"خیریت؟" سمعان احمد کے سنجیدہ انداز پر وہ بھی سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"ہوں۔" سمعان نے ایک نظر زرش کی منتظر متجسس آنکھوں میں دیکھا اور پھر اپنے سامنے پڑا

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

پیپر ویٹ اٹھالیا۔

"تم نے مجھ سے فون پر اسجد کا ذکر کیا تھا۔ بعد میں ایسی صورت حال ہوئی کہ مجھے اس موضوع پر فرصت سے گفتگو کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ یہ کیا معاملہ ہے..... تم نے فرح کے ساتھ اسجد کا نام کیوں لیا؟"

"وہ..... اسجد والی بات....." زرش کو ایک دم طاہرہ بیگم کی فون والی تمام گفتگو یاد آتی چلی گئی۔

"وہ تو میں نے یوں ہی کہہ دیا تھا۔" وہ نظریں جھکا گئی کہ اگر وہ اسجد والی بات بتاتی تو اپنی غیر اخلاقی حرکت بھی ڈسکس کرنا پڑتی اور فی الحال وہ سمعان احمد سے کسی بھی قسم کی جھاڑ سننے کے موڈ میں نہ تھی۔ قوی امکان تھا کہ ساری بات سننے کے بعد سمعان احمد اسے اس کی اس غیر اخلاقی حرکت پر ضرور ڈانٹ دیتا۔

"زرش....." سمعان نے سنجیدگی سے ٹوک دیا تو وہ بے چارگی سے دیکھ کر رہ گئی۔

"آرام سے مجھے ساری بات بتاؤ۔ اتنا تو میں جانتا ہوں کہ اسجد کے متعلق تم اس طرح ذکر نہیں کر سکتی۔ ہری اپ۔"

"میں آپ کے لاہور جانے والے دن جب آپ کے ہاں گئی تھی۔ آپ کو یاد ہوگا جب میں اپنے پورشن میں چلی گئی تھی اور سو گئی تھی۔" سمعان کے ٹوکنے پر وہ آرام سے بتانے لگی تھی۔ سمعان کو یاد آیا۔ اس دن وہ روئی بھی تھی۔ سمعان کو خدشہ تھا کہ امی سے جھڑپ ہوئی ہوگی مگر زرش نے تردید کر دی تھی اور اب..... سمعان الجھ کر اسے دیکھے گیا۔

"اس دن جب میں آپ کے ہاں گئی تو تائی امی فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔ گفتگو سے مجھے تو قیصرہ خالہ کا اندازہ ہی ہوا تھا۔ آپ کے رشتے کے متعلق بات ہو رہی تھی۔" سمعان ایک دم چونک کر سیدھا ہو کر ٹیبل پر دونوں کہنیاں ٹکا کر آگے کو جھکا تھا۔

"پھر....."

"کہیں کہیں آپ' تایا ابو' ماما کا بھی ذکر ہو رہا تھا۔ ایک دو جگہ انہوں نے میرا نام بھی لیا تھا۔ ساری بات تو سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ہاں اتنا پتا چلا تھا کہ تائی امی قیصرہ خالہ کو پاپا کی اور آپ کی یعنی تایا ابو کی تمام پراپرٹی کی تفصیل بتا رہی تھیں۔" سمعان حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم مجھے ساری بات تفصیل سے بتاؤ۔" پراپرٹی کے نام پر سمعان نے فوراً اس کے رک جانے پر ٹوکا تھا۔

"تائی امی یہ کہہ رہی تھیں کہ....." اس نے جو سنا تھا اس کی ناقص عقل میں جو بھی آیا تھا اس نے ایک ایک کر کے ساری بات بتا دی۔

سمعان صرف چپ چاپ زرش کو دیکھ رہا تھا۔

"قیصرہ خالہ کی فطرت کچھ زیادہ ہی لالچی واقع ہوئی ہے۔ آپ کو بے شک غصہ آئے مگر میری تو یہی سمجھ میں آئی ہے کہ پہلے فوزیہ آپی کا رشتہ آپ سے اس لیے کرنا چاہ رہی تھیں کہ جائیداد وغیرہ کی

سکیورٹی رہے گی اور اب فرح کے سلسلے میں اسجد بھائی کی بات کرنا۔ مجھے تو یہی سمجھ میں آیا تھا جو میں نے کہہ دیا۔" سمعان کو بتاتے اس نے آخر میں کندھے اچکائے تھے۔

سمعان زرش کو دیکھے گیا۔

ان حالات سے قیصرہ خالہ کی لالچی فطرت سے تو وہ کیا ہر کوئی آگاہ تھا۔ سوائے طاہرہ بیگم کے اور اب قیصرہ خالہ کا فرح کے ذکر پر وہ کم از کم فرح کے سلسلے میں تو یہ گیم کھیلنے نہیں دے گا۔ امی یا قیصرہ خالہ کو.....

سمعان احمد کے دل و دماغ میں ایک طوفان سا برپا ہو چکا تھا۔ تاہم چہرے پر اندرونی کیفیات کا عکس نہیں آنے دیا تھا۔

"آپ کو یہ سب برا لگ رہا ہے۔ یقین کریں میں نے یہ باتیں جان بوجھ کر نہیں سنی تھیں۔ فرح سو رہی تھی اور تائی امی فون پر یہ گفتگو کر رہی تھیں۔ موضوع ہی ایسا تھا کہ میں سننے لگی..... ارادتاً میں نے یہ سب نہیں کیا تھا۔" زرش کا انداز وضاحتی تھا۔ سمعان احمد کے مسلسل خاموش انداز پر وہ متوحش ہو چکی تھی کہ کہیں وہ انہیں برا نہ لگا ہو۔ اس کی وضاحت پر سمعان مسکرا دیا تھا۔ اندرونی کیفیت کیسی بھی ہو رہی تھی مگر زرش سے وہ کبھی بدظن نہیں ہو سکتا تھا۔ اتنا تو وہ جانتا تھا۔

"تمہیں اس وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں قیصرہ خالہ کی فطرت سے واقف ہوں۔ ایک طرف سے مایوس ہو کر وہ اب دوسرا کارڈ کھیلنے کے چکر میں ہیں۔ ابھی ابو کو علم نہیں ہے ورنہ..... چھوڑو اس ذکر کو تم سناؤ نوشی اور چچی جان کیسی ہیں؟"

ناک کر کے ملازم آئس کریم کے کپ ٹرے میں سجائے چلا آیا تھا سو سمعان نے ذکر ہی بدل دیا تھا۔

"ماما اور نوشی دونوں ٹھیک ہیں۔ روز آپ کا ذکر کرتی ہیں اور ہاں یاد آیا میری اسلام آباد کی تصویریں ڈویلپ کروائی ہیں۔ بہت اچھی آئی ہیں۔ آج آیئے گا ہمارے ہاں دیکھئے گا کمال کا رزلٹ ہے۔" آئس کریم کا کپ تھام کر وہ شروع ہو چکی تھی۔

سمعان کا ذہن ابھی تک اسجد والی بات میں الجھا ہوا تھا۔ زرش کی بات پر صرف مسکرایا تھا۔

"سمعان بھائی! آپ نے ان لڑکیوں سے رابطہ کیا؟" ایک دم اس نے پوچھا تھا۔ سمعان جو کہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا' چونک کر زرش کو دیکھا۔

"کن لڑکیوں سے.....؟" سمعان نے اپنا آئس کریم والا کپ تھام لیا۔

"وہی لڑکیاں..... جو ہمیں چھتر پارک میں ملی تھیں۔ وہی جنہوں نے ہماری تصویریں لی تھیں۔" تصویروں کا ذکر کرتے اسے اور بھی بہت کچھ یاد آیا تو چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

سمعان نے زرش کے رنگ بدلتے چہرے کو بھی دیکھا اور اس کا ایک دم نظر چرانا بھی۔ سمعان ہولے سے مسکرا دیا۔ یوں جیسے کوئی بہت لطیف ہوا کا جھونکا دل کو چھو گیا ہو۔

"ہوں۔ رابطہ کیا تھا۔ اسلام آباد سے آتے ہی ان سے رابطہ کیا تھا۔ کل ہی تصویریں مجھے مل گئی تھیں۔"

POKSTUFF.BLOGSPOT.COM

"کیا..... واقعی.....؟" ایک دم وہ پرجوش ہوئی تھی۔ "کیسی ہیں تصویریں.....؟" ایک دم وہ سب بھول گئی کہ وہ ایک پل پہلے خوامخواہ شرم سے سر جھکائے نظریں چرا رہی تھی۔

"اچھی ہیں۔" زرش کے پرجوش بے تابانہ انداز پر سمعان صرف مسکرایا ہی تھا۔

"ویسے مجھے یقین نہیں آرہا۔ میں اب تک سمجھ رہی تھی کہ وہ لڑکیاں کوئی فراڈ ہی ہوں گی۔ ویسے آپ نے ان سے رابطہ کیا اور اتنی جلدی تصویریں کیسے پہنچ گئیں آپ کے پاس.....؟"

وہ کچھ دیر قبل کی تمام شرم و جھجک بھلائے صرف وہی زرش تھی۔

بے پروا' بے وقوف اور معصوم.....

"انہوں نے مجھے اپنا رابطہ نمبر دیا تھا۔ میں نے آتے ہی کال کی تھی۔ ان میں سے ایک لڑکی کا نام حمیرا تھا اس کے گھر کا نمبر تھا۔ میرے تعارف اور تصویریں طلب کرنے پر اس نے کل تصویریں بھجوا دی تھیں۔ میں نے ایڈریس لکھوا دیا تھا۔ کل ہی آفس کے ایڈریس پر مل گئی تھیں۔"

"شکر ہے اللہ کا۔" اس نے اپنا پیالہ خالی کر کے ٹرے پر رکھا تھا۔

"دیکھو گی تصویریں؟" سمعان نے پوچھا تھا۔

"ہیں..... اس وقت آپ کے پاس ہیں؟" وہ حیران ہو کر سمعان کو دیکھنے لگی۔ سمعان احمد نے بجائے جواب دینے کے ٹیبل کی سائیڈ دراز کھول کر ایک لفافہ نکال کر زرش کی طرف بڑھایا تھا۔ زرش نے انتہائی بے تابی سے لفافہ کھولا تھا۔ تصویریں اس کے ہاتھوں میں تھیں۔

زرش کی نظریں اپنے ہاتھ میں تھامی تصویر پر گویا جم سی گئی تھیں۔

اونچے لمبے حسن و وجاہت کے شاہکار کے ساتھ کھڑی وہ ایک چھوٹی سی لڑکی ہی لگ رہی تھی۔ سمعان احمد نے حمزہ کو بازو میں اٹھایا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ میں زرش کا بازو پکڑ رکھا تھا۔ تصویر کافی قریب سے لی گئی تھی۔ چہرے کے خدوخال بہت نمایاں تھے۔

زرش کے چہرے کا ایک ایک تاثر بول رہا تھا کہ اس وقت وہ مارے بندھے خفگی کے آثار لیے سمعان کے ساتھ کھڑی تھی اور یہ تاثرات کیمرے کی آنکھ نے بھی چرائے تھے۔

ایک دم زرش پر وہ کیفیت طاری ہوئی تھی جو تصویر بنوانے کے بعد اس پر ایک دم وارد ہوئی تھی۔

وہ سمعان احمد کے قریب کھڑی تھی۔ سمعان نے اس کا بازو تھام رکھا تھا۔ حمزہ ان کے ساتھ تھا۔ تصویر میں موجود کپل بہت مکمل اور خوب صورت لگ رہا تھا۔ زرش ایک دم گھبرا سی گئی۔

اسے نہ صرف اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں لرزش اترتی محسوس ہوئی تھی بلکہ گھنی پلکوں پر بھی ایک بوجھ آپڑا تھا۔ زرش اپنی ہی کیفیت سے پریشان ہو گئی۔ ایک دم گھبرا کر سمعان کو دیکھا۔

سمعان احمد اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر اپنی ٹھوڑی ٹکائے بہت محویت سے نہ صرف اسے دیکھ رہا تھا بلکہ زرش کے چہرے کا ایک ایک تاثر نوٹ کر رہا تھا۔ زرش کو اپنا چہرہ سرخ ہوتا محسوس ہوا۔

"کیسی لگی تصویر.....؟" سمعان نے مسکرا کر پوچھا تو وہ جھینپ گئی۔

"اچھی ہیں۔" دوبارہ سر جھکا کر وہ دوسری تصویر دیکھ رہی تھی۔

وہ قدرے فاصلے سے لی گئی تھی۔ اس تصویر میں وہ پورے قد سے نمایاں تھے۔ سمعان کے ہونٹوں پر بہت خوب صورت مسکان سجی ہوئی تھی اور جب کہ وہ خود سختی سے لب بھینچے ہوئے تھی جیسے جبراً خود کو کنٹرول کر رہی ہو۔ یہ تاثر کتنا نمایاں تھا۔ تصویر کھینچنے والے کا کمال تھا یا کیمرے کا..... دونوں تصویریں بہت کمال کی تھیں۔

زرش کی نگاہیں اپنے گلے میں پڑے لاکٹ پر ٹکی تھیں۔ Z.S کے الفاظ جنہیں اس نے کبھی اہمیت نہیں دی تھی۔ کیمرے کی آنکھ نے انہیں اتنا واضح کر دیا تھا کہ زرش خالی دماغ لیے دیکھے گئی۔ اس کے چہرے پر سرخی کی جگہ ایک ناقابلِ فہم سا تاثر ابھرا تھا۔

"کیا ہوا.....؟" سمعان احمد جو اسی پر نظریں گاڑھے ہوئے تھا' ایک دم پوچھا۔

زرش نے سر اٹھا کر سمعان کو دیکھا اور پھر تصویر کو۔ اس کے سامنے بیٹھے سمعان کی نگاہوں میں جو تاثر تھا۔ وہی تاثر تصویر میں اپنے ساتھ کھڑے اونچے لمبے خوب صورت سراپا کی نگاہوں میں دیکھ رہی تھی۔

زرش کے اندر ایک دم "کچھ غلط ہے" کا سائرن بجنے لگا۔

"کیا بات ہے.....؟" وہ ایک ٹک تصویر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اب عجیب و غریب سے تاثرات تھے۔ سمعان فوراً اپنی سیٹ چھوڑ کر اس کی طرف آیا تھا۔

زرش نے خاموشی سے تصویریں میز کی چکنی سطح پر رکھ دی تھیں۔ اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ کیا کرے.....

"تصویریں بہت اچھی آئی ہیں۔" زرش کو اپنی آواز بھی اجنبی سی لگی۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ اسے ایک پل میں اچانک کیا ہوا ہے.....

"زرش! کیا ہوا؟ کچھ پریشان ہو....." سمعان نے اس کی کرسی کی بیک گھما کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا تھا۔ وہ اب براہِ راست سمعان کی نگاہوں میں تھی۔ زرش نے سمعان کو دیکھا۔ وہ اسے بغور دیکھتا کچھ فکرمند تھا۔ اس نے گردن گھما کر تصویر کو دیکھا۔

"نہیں....." وہ مسکرائی تھی۔ سمعان کو اس کی مسکراہٹ عجیب سی لگی۔

"تصویریں اچھی نہیں لگیں؟" سمعان نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل سے تصویریں اٹھائی تھیں۔ بغور دونوں تصویریں دیکھنے لگا تھا۔

"آپ نے یہ تصویریں کیوں اتروائیں؟" یہ بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ اسے ہونٹوں پر لانے میں اس نے دیر نہیں کی تھی۔ سمعان نے بغور زرش کو دیکھا۔ وہ منتظر تھی۔

"تم ساتھ ہی تھیں۔ یاد ہو گا تمہیں یہ تصویریں ان دونوں لڑکیوں نے ضد کر کے بنائی تھیں۔" سمعان نے سرسری انداز میں کہا تھا۔ اس کے اندر کی چھٹی حس نے اسے الارم دیا تھا۔ وہ ایک دم سمعان سے برملا کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ بے تکلفی اور اپنائیت اپنی جگہ مگر وہ سمعان کا صرف احترام ہی نہیں کرتی تھی۔ وہ دل و جان سے اس کی عزت بھی کرتی تھی اور اس عزت کی وجہ سے وہ اس سے ڈرتی بھی تھی۔ وہی ڈر جو بڑے بھائیوں سے چھوٹی بہنوں کو ہوتا ہے مگر اس وقت اس کے اندر جو کیفیت

NOEESTHA.BLOGSPOT.COM

ابھری تھی وہ کچھ اور ہی تھی۔ وہ براہِ راست سمعان سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ سمعان کے سرسری انداز پر وہ صرف دیکھے گئی۔

"آپ کو یہ تصویریں کیسی لگی ہیں؟" کچھ توقف کے بعد اس نے پھر پوچھا تھا۔

"بہت اچھی..... حمزہ کافی کیوٹ لگ رہا ہے اس میں..... ہے نا....." سمعان اس سے تائید چاہ رہا تھا۔ وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ وہ سمعان کے انداز واطوار سے کچھ بھی اخذ کرنے سے قاصر رہی تھی۔ اسے بہت مایوسی ہوئی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر کرسی چھوڑ دی تھی۔

"ہوسکتا ہے مجھے کچھ وہم ہوا ہو....." اس نے اپنی کیفیت کو جھٹلا دیا تھا۔

"کیا ہوا..... اٹھ کیوں گئیں؟" دونوں تصویریں لفافے میں ڈالتے ہوئے سمعان احمد نے زرش کو دیکھا۔ وہ ہنس دی۔

"بہت وقت ہو گیا ہے مجھے..... ماما پریشان ہو رہی ہوں گی۔ ویسے تو میں نے فون کر دیا تھا پھر بھی اب مجھے چلنا چاہیے۔ گھر ضرور آیئے گا۔" اپنے تمام خیالات کو جھٹکتے وہ پھر پہلے والے موڈ میں آ چکی تھی۔

"ٹھہرو..... میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ کام تو تقریباً ختم کر چکا ہوں۔ رات کو کسی پارٹی سے ملنا ہے سوچ رہا تھا گھر جا کر شام تک فریش ہو لوں..... تمہیں گھر ڈراپ کر کے چچی جان سے بھی مل لوں گا۔" سمعان نے ایک دم پروگرام بنایا تھا۔ زرش نے کچھ کہنا چاہا پھر چپ ہو گئی۔

"میں پاپا کو بتا کر نیچے آئی ہوں۔ آپ چلیں....." وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔ سمعان کی نگاہوں نے دروازے تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

زرش تصویریں دیکھنے کے بعد کچھ الجھ سی گئی تھی۔ سمعان کو ایک دم محسوس ہوا تھا۔ زرش کی کیفیت اس کی آنکھوں کی تحریر..... وہ تو اسے اس کے چہرے کی کیفیت سے ہی اس کے اندر کا احوال جان لیتا تھا اب کیسے نہ جان لیتا..... زرش بالکل اسی طرح الجھی تھی جس طرح تصویریں بنوانے کے بعد تھی۔ تب وہ اس سے پہلو بچا رہی تھی اور اب.....

سمعان کا ابھی چچی کے ہاں جانے کا کوئی پروگرام نہ تھا مگر اب زرش کا انداز دیکھ کر اس نے ایک منٹ میں فیصلہ کیا تھا۔

زرش اس کی طرف سے بدگمان تھی۔ زرش کی آنکھوں میں سمعان نے پڑھ لیا تھا اور اب وہ اسے تب تک تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا جب تک اس کی بدگمانی ختم نہ ہو جاتی اور سمعان احمد کو پتا تھا زرش کو کس طرح بہلانا ہے.....

رضیہ چچی اور فاروق چچا نواز کے ساتھ واجدہ خالہ کی عیادت کو آئے تھے۔ ان کی آمد کے تھوڑی دیر بعد ہی احمد صاحب، زبیدہ چچی اور رمشاء بھی آ گئے تھے۔ نویرہ جو چچی چچا کے ساتھ نواز کو موجود دیکھ کر کچھ گھبرا گئی تھی۔ رمشاء وغیرہ کو دیکھ کر کچھ بحال ہوئی۔

"میں کل آپ کے ہاں گئی تھی مگر وہاں جا کر پتا چلا کہ آپ ادھر ہیں۔ اسی لیے پھپھو وغیرہ کے ساتھ ادھر آ گئی ہوں پھر میں بڑی اماں کی ایک دفعہ بھی طبیعت پوچھنے نہیں آئی تھی۔ پہلے ٹرپ پر چلے گئے اور پھر واپس آ کر کالج وغیرہ۔" چائے پیتے رمشاء نویرہ کے پوچھنے پر کہ آج وہ کیسے چلی آئی..... کے جواب میں کہہ رہی تھی۔ نویرہ مسکرا کر خالہ کی طرف متوجہ ہوئی، جنہیں وہ گاہے بگاہے کوئی نہ کوئی چیز کھانے کو دے رہی تھی۔

"نہیں۔ ابھی دل نہیں چاہ رہا۔ تھوڑی دیر پہلے کھانا کھایا تھا۔ اب تو رات کو ہی کچھ کھاؤں گی۔ یہ چائے کافی ہے۔" انہوں نے منع کر دیا تھا۔

"نویرہ بیٹا! جاؤ شاکرہ کو کہو وہ شارق کو فون تو کرے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ وہ کب تک آ رہا ہے.....؟"

"جی اچھا۔" نویرہ اٹھ گئی تھی۔

"میں گئی تھی کل شام خالدہ کے ہاں۔ وہ تو بخار سے تپ رہی تھی۔ دراصل شادی کے کپڑے وغیرہ پوچھنے تھے۔ نبیلہ کے گھر پر ہی تھی۔ بتا رہی تھی کہ اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ نبیل گیا تو اماں کو لے آیا۔ آپ اکیلی نہ رہیں نویرہ کو آپ کے پاس چھوڑ گیا تھا۔" نویرہ کے باہر چلے جانے کے بعد رضیہ چچی نے کہا تو واجدہ آپا متفکر ہوئیں۔

"کیا خالدہ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہے؟"

"زیادہ تو نہیں..... بلڈ پریشر کا مسئلہ ہو رہا تھا اور ساتھ میں بخار تھا۔"

"میں نے تو کہا بھی تھا خالدہ کو کہ چلی جاؤ پھر شادی بھی نزدیک ہے۔ شادی والے گھر میں سو کام اور بکھیڑے ہوتے ہیں۔ نویرہ کو بھی منع کیا تھا کہ مت بھیجنا۔ شاکرہ دن رات تو یہیں ہوتی ہے مگر نبیل چھوڑ گیا تھا نویرہ کو۔ اللہ اجر دے اپنی اولاد تو دور پردیس میں ہے۔ شارق بھی کب تک سب کام دھندے چھوڑ چھاڑ کر میرے ساتھ پٹی سے لگا بیٹھا رہے..... قسمت میں بیماری تھی۔ اللہ نے دی ہے تو

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

برداشت کا مادہ بھی دے رہا ہے۔ ایک دو دن میں نویرہ کو بھی بھیج دوں گی گھر.....“

رمشاء خاموشی سے اٹھ کر باہر چلی آئی تھی۔ اندر باقی سب باتوں میں مصروف تھے۔ وہ ادھر ادھر جھانکتی نویرہ کو دیکھتی کچن میں چلی آئی تھی۔ شاکرہ اور نویرہ دونوں رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ شارق کو فون کر کے وہ کچن میں آ گئی تھی کہ شاکرہ کے کام میں کچھ مدد ہی کر دے۔ رمشاء کو دیکھ کر مسکرائی۔

”اور سناؤ..... پھر کیسا رہا ٹرپ.....؟“ کچن ٹیبل پر بیٹھی اپنے سامنے رکھے مٹر چھیلتے اس نے رمشاء کو بھی ساتھ والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

”بہت اچھا۔ آپ گئی ہیں کبھی مضافات کی طرف.....؟“

نویرہ کو گھومنے پھرنے کا شوق نہ تھا۔ اس کی طبیعت سے سب ہی واقف تھے۔ رمشاء بھی اس کے ساتھ مٹر چھیلنے لگی تھی۔

”ہوں۔ ایک دو دفعہ اسکول یا کالج کے ٹرپ کے ساتھ ہی اسلام آباد یا مری جانے کا موقع ملا تھا۔ ہاں کالج کے ٹرپ کے ساتھ ایک دفعہ سات دن کے لیے سوات گئی تھی۔ اس کے بعد کہیں نہیں..... اچھے علاقے ہیں یہ سارے..... خوب انجوائے کیا ہو گا تم لوگوں نے' دوستوں کے ساتھ ٹرپ انجوائے کرنے کا تو اپنا ہی مزہ ہوتا ہے نا.....“

”بہت زیادہ۔ پہلے بھی ہر سال جاتے رہے ہیں ٹرپ کے ساتھ مگر اس دفعہ جانے کا جو مزہ آیا ہے وہ پہلے کبھی نہیں آیا..... بڑی یادگار حکایتیں ہیں۔ سنیں گی تو ہنس ہنس کے برا حال ہو گا۔“

”شاکرہ! جاؤ دیکھو مہمانوں کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں اور پتا تو کرو شارق بھائی پہنچ گئے ہیں یا نہیں۔ کال تو میں نے کر دی تھی۔ ان کے سیکرٹری نے ریسیو کی تھی۔ تم ان کے موبائل پر ٹرائی کرو۔ جاؤ شاباش.....“ رات کے لیے وہ آٹا گوندھ کر فارغ ہوئی تو نویرہ کے حکم پر باہر نکل گئی۔

رمشاء نے نویرہ کا انداز خاص طور پر نوٹ کیا۔

مالکانہ تاثر نہیں.....

یہ اعتماد' سلجھا ہوا اندازِ گفتگو تھا۔

اتنے آرام اور سکون سے مصروف تھی جیسے اپنے گھر کے کچن میں بیٹھی ہو۔ ذرا بھی اجنبیت یا بیگانگی نہ تھی۔ پُرخلوص اور محبت کرنے والا مزاج تھا۔ شاکرہ سے مخاطب ہوتے ہوئے بھی طبیعت کی نرمی قائم تھی۔

نویرہ کو اس نے بہت کم اس گھر میں دیکھا تھا مگر جب بھی دیکھا تھا۔ ایک خاص مالکانہ انداز ہوتا تھا۔ جیسے یہ گھر اس کا ہی ہو۔

ہمہ وقت مصروف' چلتی پھرتی' حکم دیتی' بڑی اماں یا شارق کی طرف سے متفکر جیسے یہ گھر واقعی اسی کا ہو..... جب کہ ان کے ہاں آنے پر نویرہ کا انداز ایسا نہیں ہوتا تھا۔ وہ مہمانوں کی طرح ہوتی تھی۔ اس سے یا زبیدہ بیگم سے تکلف و اپنائیت کا اظہار کرتی تھی۔ وہ صرف مہمان بن کر رہتی تھی اور اب.....

اسے ایک واضح تغیر محسوس ہوا تھا۔

وہ نویرہ سے باتوں میں مصروف رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں شارق بھی آ گیا تھا۔ کچھ دیر اماں اور دیگر لوگوں میں بیٹھ کر وہ کپڑے چینج کرنے اٹھ گیا تھا۔ نواز جو اتنی دیر سے بڑوں میں بیٹھا بور ہو رہا تھا وہ بھی ساتھ ہو لیا۔

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے نویرہ اور رمشاء کو کسی بات پر کھلکھلا کر ہنستے سن کر وہ دونوں ہی رکے تھے۔ شاکرہ چولہے پر ہنڈیا چڑھانے میں مصروف تھی۔ رمشاء کے آگے چاولوں والی ڈش تھی جو وہ شاید چن رہی تھی جب کہ نویرہ پیاز چھیلتے مسلسل مسکرا رہی تھی۔

اپنی رات گئے والی کیفیت کے بعد وہ دوبارہ نویرہ کے سامنے نہیں آیا تھا۔ صبح معمول کے مطابق اٹھ کر تیار ہو کر بغیر ناشتہ کیے آفس کے لیے روانہ ہوا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ خود سے شرمندہ تھا مگر رات خود پر طاری ہونے والی کیفیت پر وہ خوش بھی نہیں تھا۔ اندرونی جذبات کی تبدیلی پر اگر وہ قابو نہیں کر پا رہا تھا تو ان کو ختم کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

وہ یہاں کیوں تھی؟ صبح شاکرہ سے پتا تو چل گیا تھا مگر رات کے بعد وہ اسے اب دیکھ رہا تھا۔ اس کی ہنستی کھلکھلاتی صورت دیکھ کر دل مچل اٹھا تھا۔ مسرت بھری چہکتی ہوئی زندگی کا احساس جگاتی آواز ان کے اندر کی شوریدہ سری کو ایک تلاطم خیز طوفان سے ہمکنار کرنے لگی تھی۔

”تم دونوں کا بھی کوئی جواب نہیں۔ توبہ ایسے بھی کسی کو زچ کرتے ہیں..... ہو سکتا ہے وہ کپل واقعی میرڈ نہ ہو۔ بقول تمہارے لڑکی اتنی ینگ تھی تو پھر اتنی ینگ لڑکی کا شادی شدہ ہونا ہضم نہیں ہو رہا.....“

کھنکتی ہنسی کے بیچ مدھر جیسی جھنکار شارق زمان کے دل پر ہی نہیں نواز فاروق کی سماعتوں پر بھی اثر انداز ہوئی تھی۔ وہ بھی گویا دہلیز پر اٹک گئے تھے۔ رمشاء کی بے تحاشا ہنسی اور نویرہ کی اڈتی ہنسی نے دھنک سی بکھیر دی تھی۔ دل و دماغ کے اطراف میں گویا لالہ گل دہک اٹھے تھے۔

”یقین کریں آپی! اس میں ہمارا کوئی دوش نہیں۔ تصویریں حمیرا کی بچی نے اتنی ایمانداری کے ساتھ بھیج دی ہیں ورنہ دکھاتی کیا کمال کی جوڑی تھی۔ وہ لڑکا اور کیوٹ سا بے بی' قسم سے دل خود بخود پلٹ پلٹ کر دونوں کو دیکھنے کو مچل رہا تھا اور آپ کو پتا ہے اچھے چہرے ہماری کمزوری ہیں۔“

پیاز کاٹتے ہوئے اس کی آنکھوں سے پانی بھی بہنے لگا تھا۔ ایک ہاتھ سے سوں سوں“ کی بدولت آنکھوں میں بھر آنے والے آنسو صاف کرتے وہ تیزی سے پیاز کاٹ رہی تھی۔

”اب تو مجھے بھی تجسس ہو رہا ہے وہ کپل دیکھنے کا..... خیر تم دونوں نے ان کو زچ خوب کیا۔ کیا سوچتے ہوں گے دونوں میاں بیوی۔“

”ویسے لڑکی کچھ سست اور بیمار بیمار سی لگ رہی تھی۔ اگر وہ نارمل ہوتی تو قیامت لگتی۔ زندگی میں پہلی دفعہ میں نے جیتی جاگتی قیامت دیکھی تھی۔“

”جیتی جاگتی قیامت..... اتنے بناوٹی دور میں جیتی جاگتی قیامت کہاں.....“ اس نے رمشاء کو چھیڑا تھا۔ اس کا قہقہہ بھرپور تھا۔

FREESTUFF.BLOGSPOT.COM

"آپ یقین نہ کریں مگر آپ نے اگر انہیں دیکھا ہوتا تو ایمان لے آتیں۔ خیر جیتی جاگتی قیامت تو آپ بھی ہیں..... نواز بھائی کی تو خیر قسمت میں یہ قیامت لکھی ہوئی ہے مگر اس وقت میرے دل پر بھی بجلیاں گرا رہی ہیں۔"

آج رمشاء کا موڈ خطرناک حد تک خوش گوار تھا۔ اس کی اس بات پر جہاں نویرہ کے چہرے پر دھنک رنگ پھیلے تھے۔ وہیں نواز بھی رمشاء کے اس تبصرے پر سٹپٹایا تھا۔

"خدا کو مانو لڑکی۔ کیوں جھوٹی تعریفوں کے پل باندھ رہی ہو؟" اپنی گھبراہٹ پر شفق بکھیرتے لالہ گل کے عکس مٹانے کو اس نے رمشاء کو ہی ٹوک دیا تھا۔

اس کی پیاز ختم ہو گئی تھی۔ ہاتھ سے چھری رکھ کر وہ پلٹی تھی تب ہی دروازے کی دہلیز پر ایستادہ شارق زمان اور نواز کو کھڑے پا کر سٹپٹا سی گئی۔

خاص طور پر نواز کے چہرے پر کھلتی خوب صورت دھیمی نرم و ملائم مسکراہٹ.....

"اف..... یہ کیا ہو گیا.....؟ یقیناً نواز نے رمشاء کی ساری بکواس سنی ہو گی۔" بہت چاہنے کے باوجود وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو نہ پا سکی تھی۔ شارق زمان کے کیا تاثرات ہیں وہ نہ جان پائی تھی اور نہ ہی جاننے کی جستجو تھی۔ نواز کیا سوچتا ہو گا۔ وہ صرف یہی سوچ پائی تھی۔ نویرہ کے یوں گھبرا کر رخ موڑنے پر رمشاء نے بھی پلٹ کر دیکھا تھا۔

"ارے آپ.....؟" وہ بھی ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

ایک کی آنکھوں میں بڑا سلگتا سا جذبہ تھا جب کہ دوسرے کی آنکھوں میں رگ و پے میں طمانیت بن کر اتر جانے والی سرخوشی تھی' اپنائیت تھی' محبت تھی' ٹھاٹھیں مارتے جذبوں کا سمندر موجزن تھا۔ نویرہ سنک کے پاس جا کر نل کھول کر ٹوکری پانی کی تیز دھار کے نیچے رکھ چکی تھی۔

"السلام علیکم شارق بھائی! کیسے ہیں آپ؟" کچھ پل قبل شوخ و شریر سی رمشاء ایک پل میں مؤدب بن گئی تھی۔ نویرہ سے شوخی ایک طرف' وہ ان دونوں کی بڑائی سے خائف رہتی تھی۔ دونوں کا ہی بڑے بھائیوں والا یہ رویہ اسے دونوں سے خاص لمٹ میں رہنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ خاص طور پر شارق زمان کا لیا دیا سا انداز..... وہ اب بھی سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔" شارق زمان کی بار بار اٹھتی گرتی نظر کا محور وہی وجود تھا جس کی مدھر جھنکار اپنے پر سمیٹ چکی تھی جو رخ موڑے یکسر لاتعلق بن چکی تھی۔ اس کا بدلا روپ پہلی دفعہ دیکھنے کو ملا تھا جو یکسر حیران کن تھا۔

"رضا کیسا ہے؟" برائے گفتگو شارق نے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ جب ہم آئے تھے۔ اکیڈمی جا چکا تھا۔ آپ آئیں بیٹھیں نا....." نواز اب بھی گاہے بگاہے نویرہ پر نگاہِ کرم کر رہا تھا جسے رمشاء نے بھی دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ پھر مچلی تھی۔

"نہیں۔ ابھی مجھے کپڑے چینج کرنے ہیں۔" اپنے اسی سنجیدہ انداز میں وہ کہہ کر پلٹا تھا پھر رکا۔

"نویرہ! ایک کپ چائے کا مل جائے گا۔" نویرہ کے یکسر لاتعلق و اجنبی بننے کی ساری کارروائی اسی ایک جملے نے ملیامیٹ کر دی تھی۔

"جی۔" نل بند کر کے پیاز دھو کر اس نے سائیڈ پر رکھا۔

"بہت طلب ہو رہی ہے۔ شاکرہ سے مت بنوانا۔ روزانہ اسی کے ہاتھ کی پیتا ہوں۔ تمہاری چائے اچھی ہوتی ہے۔ خود بنانا۔" وہ کہہ کر پلٹ گیا تھا۔ نویرہ لق دق رہ گئی۔ بظاہر بڑے عام سے فقرے تھے مگر لہجہ عام نہ تھا۔ اس کے دل میں پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ نواز بھی اس کے سائیڈ سے نظر آتے چہرے پر ایک مسکراتی نظر صرف کرتے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

ان کے جانے کے بعد نویرہ نے کب کی اٹکی سانس بحال کی مگر دل کی حالت معمول پر آنے کے بجائے ایک عجیب سے احساس میں گھر گئی۔

"تمہارا بھی کوئی جواب نہیں رمشا..... سوچ سمجھ کر بولا کرو۔ پتا نہیں کب سے کھڑے تھے دونوں نے کیا کچھ سنا ہو گا۔" اپنی خفت مٹانے کو اس نے رمشاء کو ہی ٹوک دیا۔ رمشاء جو خود بھی دونوں سے خائف رہتی تھی۔ اب ہنس دی۔

"شارق بھائی کا میں کہہ نہیں سکتی البتہ نواز بھائی کے اندر کی سرخوشی ان کے چہرے سے واضح دکھائی دے رہی تھی۔ پلٹ کر دیکھتی تو سہی۔" چاول اس کے صاف ہو چکے تھے۔ ٹرے ایک طرف کھسکا کر وہ چھیڑ رہی تھی۔

"بکو نہیں۔ مجھے کیا ضرورت ہے دیکھنے کی....." سر جھٹکتے وہ فریج کی طرف بڑھ گئی تھی تا کہ دودھ نکال کر چائے بنائے۔ اسپتال کے بعد نواز اور نویرہ اب روبرو تھے مگر نویرہ کے اندر احساس چٹکیاں بھرنے لگے تھے۔ خاندان کا سب سے سلجھا' باادب لڑکا اس کا نصیب بن رہا تھا۔ یہ احساس ہی اتنا قوی تھا کہ خود بخود اندر تک مطمئن ہوتی چلی گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے کی اضطراری کیفیت بھی پل کو معدوم ہو گئی..... اک فخر' اک مان' اک سرور رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔

رمشاء مسکرا کر دیکھتی رہی۔

اپنی حاسد کیفیت سے نکل کر وہ نویرہ کو جج کرتی تو نویرہ اسے اتنی اچھی لگتی کہ اسے نویرہ سے کبھی کوئی پرخاش ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

نویرہ سے اس کی بدظنی کی وجہ صرف رضا تھا اور اب رضا اس حقیقت کو قبول کرتا یا نہ کرتا۔ جیسے جیسے نویرہ کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ وہ ہلکی پھلکی ہوتی جا رہی تھی۔ رضا اس کا تھا۔ اسے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اتنے رشتوں کی موجودگی میں رضا اس سے کبھی منہ موڑ نہیں سکتا۔ رضا کہیں بھی نکل جائے۔ دل و دماغ کوئی بھی منزل طے کر لے آخر کار اسے پلٹ کر رمشاء تک ہی آنا تھا۔ یہ احساس' یہ یقین یہ گمان رمشاء کو پھر سے زندگی بخش گیا تھا۔ اسے طاقت ور اور مضبوط بنا گیا تھا۔ اتنا مضبوط' حقیقت پسند اور روشن دماغ کہ اسے نویرہ پہلی دفعہ اپنی تمام تر خوبیوں سمیت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اتنی اچھی کہ اپنی نویرہ سے رقابت بھی کہیں جا سوئی تھی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

نویرہ نے چائے تیار کی تھی۔ کپ میں انڈیل رہی تھی جب ٹیلی فون کی بیل ہوئی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" شاکرہ جتنی اس گھر سے باخبر تھی اتنی تو وہ کبھی بھی نہ ہو سکتی تھی اسی لیے زیادہ تر کالز وہی ریسیو کرتی تھی۔

شاکرہ کے جانے کے بعد اس نے کپ ٹرے میں رکھا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ چائے کے ساتھ اس نے دیگر لوازمات بھی سیٹ کیے تھے۔ رمشاء اس کے چائے بنانے کے دوران ہی کچن سے چلی گئی تھی۔ یقیناً وہ بڑی اماں کے روم میں تھی۔

وہ ٹرے بنا کر شاکرہ کا انتظار کرنے لگی تھی کہ اسے بھیج دے اور خود کچھ پکا لے مگر دو تین منٹ انتظار کے بعد بھی وہ نہ آئی تو نویرہ کو خود ہی زحمت کرنا پڑی ورنہ چائے ٹھنڈی ہو جاتی..... اور دوبارہ گرم کرنے کا قطعی موڈ نہ تھا۔ شارق زمان کے کمرے کی طرف جاتے اسے قطعی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ایک تو شارق کو اسے بطورِ خاص خود سے چائے بنانے کا کہنا اوپر سے نواز کا اس کے ساتھ ہونا..... رات گئے شارق زمان جس حالت میں گھر آیا تھا وہ الجھ گئی تھی۔ یہ اس کے گھر کے متعلقین کے لیے عام سی بات ہو سکتی ہے مگر اس کے لیے یہ عام سی بات نہ تھی۔ وہ کردار پر مرمٹنے والی لڑکی تھی۔ اپنے کردار پر ایک انگلی بھی اٹھتے نہیں دیکھ سکتی تھی مگر اب لگ رہا تھا کہ شارق زمان کے انداز و اطوار کوئی گل کھلانے والے ہیں۔

رات گئے ان کا گھر آنا اور پھر اماں کے کمرے میں اس کے پاس آنا۔

باقی رات اس کی آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ سارا دن وہ ان سے سامنے آنے سے کتراتی رہی تھی اور اب..... اسے نہ جانے کب کا پڑھا شعر ایک دم یاد آنے لگا۔

درد کا کہنا چیخ ہی اٹھو' دل کا کہنا وضع نبھاؤ
سب کچھ سہنا' چپ چاپ رہنا' کام ہے عزت داروں کا

شارق زمان اس کے سگے تایا زاد نہ ہوتے' یا خالہ سے اتنا گہرا رشتہ نہ ہوتا تو وہ کب کی انہیں ٹوک چکی ہوتی۔ ان کی نگاہ و نظر کی وارفتگیاں اس کے دل و دماغ کو سن کر رہی تھیں' اگر خالہ سے گہری وابستگی نہ ہوتی تو کبھی یہاں آنے کی غلطی نہ کرتی۔ لمحوں میں جانے وہ خیالات کی دنیا میں کھو گئی تھی۔ شارق زمان کے دروازے کو ہولے سے ٹرے سے ناک کر کے وہ رکی تھی۔

"آجایئے۔" نواز اس کے گمان کو ثابت کر گیا تھا کہ وہ یہیں تھا۔

نویرہ نے ایک گہری سانس لی۔ اسے اپنے آپ کو مزید سنبھالنے کے لیے ایک دو پل لگے تھے مگر اک سکون تھا کہ وہ اس وقت اکیلی نہ ہوگی۔

نواز بے پروائی سے بے تکلف انداز میں کوئی پرانا اخبار دیکھ رہا تھا۔ نویرہ کو دیکھ کر فوراً نشست پکڑی تھی۔

"یہ چائے....." بغیر ادھر ادھر دیکھے نویرہ نے کہا تھا۔

"ادھر رکھ دیں۔ شارق تو شاور لے رہا ہے۔ تقریباً لے چکا ہے۔ نکلنے ہی والا ہے۔ آؤ بیٹھو۔" اس

نے سینٹرل ٹیبل پر ٹرے رکھ دی تھی۔ نواز کی آفر پر صرف سر ہلایا تھا۔ وہ واپسی کے لیے پلٹی تھی۔

"بیٹھ جاؤ بھئی! ہر وقت مصروف رہتی ہو۔ اپنے گھر کے علاوہ کہیں دکھائی دے جاؤ تو یہی حال ہوتا ہے۔ ہر وقت مصروفیت..... تم تھکتی نہیں....." آواز کا نارمل اپنائیت بھرا لہجہ تھا۔ رخ موڑ کر اس نے نواز کو دیکھا۔ وہ پوری طرح متوجہ تھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔ دراصل مجھے فارغ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اچھا نہیں لگتا۔ یہ تو روٹین کا کام ہوتا ہے پھر تھکن کیسی....." اپنے اسی دھیمے سلجھے متین انداز میں اس نے بات مکمل کی تھی۔

نواز کی نگاہوں نے اس کے چہرے کے خدوخال پر پہرے بٹھائے تھے۔

منگنی کے بعد وہ اب آہستہ آہستہ اس رشتے کے حوالے سے بہت کانشس ہو رہا تھا۔ دل میں خود بخود ہی جذبے سر ابھار رہے تھے۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ نواز کو اپنے احساسات نئی ڈگر پر سرگرداں دکھائی دے رہے تھے۔

مہکتے مہکتے ارمان اور رات سوتے وقت آنکھوں میں بسیرا کرتے' دل و ذہن کو سرور کرتے تھے

"امی سے پتا چلا تھا کہ محترمہ یہاں ہیں۔ امی ابو آ رہے تھے سوچا تھا کہ ہم بھی شرفِ ملاقات سے فیض یاب ہو ہی جائیں گے مگر آپ تو سامنے ہی نہیں آ رہیں۔" بستر سے اتر کر نواز فاروق پل میں نویرہ کے مقابل تھے۔

"جی....." نویرہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ایک دم موڈ بدل لیں گے۔ حقیقتاً نویرہ کو اپنے ہاتھوں کے طوطے اڑتے محسوس ہوئے۔

"میں چلتی ہوں۔ ابھی کھانے پکانے کا بھی بہت کام ہے۔" اپنی طرف اٹھنے والی نگاہ میں جو والہانہ پن جو پیام تھے' ان سے گھبرا کر نویرہ نے فرار ہونے کو قدم ہی بڑھائے تھے کہ اگلے ہی پل اس کا ہاتھ نواز کی گرفت میں تھا۔

"رکو تو....." بالکل لاشعوری طور پر نواز سے جسارت سرزد ہوئی تھی۔ نویرہ تو ہکا بکا دیکھے گئی۔ اس کی زندگی میں کبھی ایسا موڑ ہی نہیں آیا تھا کہ وہ ان جذبات کو محسوس کرتی۔ وہ تو ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانے والی لڑکی تھی۔ اپنے وقار' اپنی آن پر مرمٹنے والی تھی۔ نواز نے پہلی دفعہ یہ حرکت کی تھی۔ اسے اگر بری نہیں لگی تھی تو اچھی بھی نہیں لگی تھی۔

"یار یہ کیا کمرے میں بوریت پھیلا رکھی ہے۔ کم از کم سی ڈی پلیئر ہی آن....." تولیے سے سر رگڑتے شارق باتھ روم سے برآمد ہوا تھا۔ جسم پر صرف ٹراؤزر کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ اپنی رو میں کہتے وہ نویرہ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ نویرہ کی بھی پہلی نگاہ پڑی تھی۔ اس نے جلدی سے چہرہ موڑتے نواز کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔ شارق زمان نویرہ کی اپنے کمرے میں موجودگی کے بجائے نواز کے ہاتھ میں دیے اس کے ہاتھ کو دیکھ کر اور پھر نویرہ کو تیزی سے ہاتھ کھینچتے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

نویرہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

"بڑے غلط وقت میں انٹری دی تم نے....." وہ پلٹ کر اب شارق زمان سے مخاطب تھا۔ لہجے میں

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

زمانے بھر کی شوخیاں اور مسرتیں پنہاں تھیں جیسے ہفت اقلیم مل گیا ہو۔

شارق زمان کو اپنا دماغ سن ہوتا محسوس ہوا۔ گمان ایک پل میں کئی حدیں پار کر آیا۔

"پہلی دفعہ میں کوئی ڈائیلاگ بولنے کے چکر میں تھا۔ تم نے وہ موقع گنوا دیا۔" آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر شارق زمان تولیہ ایک طرف اچھال کر برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگا۔ نواز کی یہ مسرتوں سے لبریز آواز اس کے دل میں چبھتی محسوس ہوئی۔

"کیا بات ہے؟ اتنے چپ کیوں ہو؟ میں محسوس کر رہا ہوں تمہارا رویہ کچھ سرد سا ہے۔ کیا بات ہے یار کوئی مسئلہ ہو گیا ہے.....؟" آئینے کے سامنے سے ہٹ کر وہ اب شرٹ پہن رہا تھا۔ نواز کو اس کی مسلسل چپ' بے نیاز اور گم صم انداز پر تشویش ہوئی۔ فوراً پوچھ ہی لیا۔

شارق نے ایک مجروح سی نگاہ نواز پر ڈالی تھی۔ اس وقت دل کی جو حالت تھی وہ قطعی ناقابلِ بیان تھی۔ جیسے وحشتوں نے ایک دم دل میں بسیرا کیا ہو۔ ہر طرف تباہی کا عالم ہو۔ اس سے نواز بھی اسے بہت برا لگ رہا تھا۔ اپنی کل رات کی کیفیت سے وہ سارا دن لڑا تھا۔ اندر تو جو شوریدہ سری تھی وہ تو کسی کے بھی اختیار میں نہ تھی۔

"شارق!" نواز کو اب گہری تشویش لاحق ہو چکی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا۔ ایک تو تمہارا ہر وقت پولیس والوں کی طرح کا تفتیشی انداز..... مجھے کچھ نہ ہو گا تم کچھ کروا ڈالو گے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اندر کی کھولن سرد لب و لہجے کی صورت میں نکالتے اس نے شارق نواز کو بری طرح ٹوک دیا تھا۔ نواز کو ایک دو پل دیکھے گیا۔

یہ لب و لہجہ..... یہ انداز.....

"خدا نہ کرے میں تو ہر وقت تمہاری فلاح و بھلائی کے لیے سرگرداں رہتا ہوں۔ تمہیں گرم ہوا بھی چھو جائے میں یہ کیسے گوارا کر سکتا ہوں۔ تم میرے تایازاد ہی نہیں میرے ہمزاد بھی ہو۔ میں تو تمہیں ذرا سا رنجیدہ و افسردہ دیکھ کر ملال میں گھرنے لگتا ہوں کہ کاش میں تمہارے دکھ سمیٹ سکتا۔ تمہیں خوشیاں دے سکتا۔" ایک دم گہری رنجیدگی کا مظاہرہ کرتے نواز نے شارق کو دیکھا تھا۔

اتنی محبت!

اتنا خلوص

یہ چاہتوں و شدتوں کے سلسلے

وہ تو ان کا حق دار کہاں تھا

وہ تو نفرتوں کا حق دار تھا

اور یہ نواز.....

نوریہ کو جب سے دل میں بسایا تھا یہ سچ تھا کہ وہ نواز کو الٹا سیدھا کہنے لگا تھا۔ نواز کے سامنے کبھی برملا اظہار نہ کیا ہو مگر وہ اسے دل ہی دل میں کوس دیتا تھا۔ رقیبانہ سی سوچ دل و ذہن کو الجھا دیتی تھی اور نواز.....

وہ اس کے لیے کس قدر مخلص تھا یہ تو وہ نواز کے لہجے سے ہی محسوس کر سکتا تھا۔ اچھے دوست بھی خدا کا کتنا بڑا عطیہ ہوتے ہیں کاش وہ سمجھ سکتا۔

"سوری یار! میں کچھ زیادہ بول گیا۔ تمہاری محبت' تمہارے خلوص کا تو میں دل سے قدردان ہوں۔ بس تمہارے تفتیشی انداز نے ذہن گرم کر دیا۔ سوری۔" ایک دم اپنا رویہ اسے متاسف کر گیا تو برملا اپنی غلطی کا اظہار بھی کر دیا۔ نواز نے سکھ کا سانس لیا۔

"شکر ہے۔ میں تو سمجھا کہ شاید تم پر پھر کوئی دورہ پڑ چکا ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں ضرور چھیڑا تھا۔ شارق ہنس دیا۔ نواز کے کندھے پر پیار سے دھپ لگائی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

وہ چائے کی طرف متوجہ ہوا جو کہ اتنے عرصے میں ٹھنڈا شربت بن چکی تھی۔

✿.....✿.....✿

سمعان ابھی گھر لوٹے تھے۔ چچی کے ہاں اسے کچھ وقت لگا تھا۔ اب گھر آ کر فریش ہو کر میٹنگ کے لیے پہنچنے کی جلدی تھی۔ جلدی سے سمعان اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا جب مسلسل بجتے ٹیلی فون کی طرف دھیان گیا تھا۔ سمعان نے لاؤنج میں رکھے اسٹینڈ کا ریسیور اٹھا لیا تھا۔

"ہیلو....." سمعان نے ابھی کہنا ہی چاہا تھا کہ ایکسٹینشن سے فرح کال ریسیو کر چکی تھی۔ اس کی آواز سن کر سمعان نے ریسیور سے کان ہٹانا چاہا تھا جب دوسری طرف سے آتی آواز سن کر ٹھٹک گیا۔

"فرح پلیز! کال بند نہیں کرنا۔ پلیز میری بات سن لو..... ورنہ تب تک تمہارا فون بجتا رہے گا جب تک تم کال سننے پر آمادہ نہیں ہو جاتی۔" دوسری طرف انتہائی دھمکی آمیز انداز میں کوئی کہہ رہا تھا۔ سمعان ششدر رہ گیا۔

"نہیں سنوں گی میں۔ میں نہیں جانتی تمہیں۔ کیوں پیچھے پڑ گئے ہو میرے..... اپنے ملک میں لڑکیاں نہیں ملی تھیں جو تباہی مچانے میرے گھر کا انتخاب کیا....." فرح کی آواز رو دینے والی تھی۔ سمعان کو اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا..... اسے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"اچھا تو تمہیں پتہ چل گیا میرے ملک کا....." دوسری طرف سے بڑے آرام سے کہا گیا تھا۔

سمعان اس رام کہانی میں الجھ گیا۔

"میں کیا کوئی بھی عقل کا اندھا ہو تو وہ بھی سی ایل آئی پر آنے والے نمبر کو دیکھ کر ملک کا پتہ چلا سکتا ہے۔" فرح کی نہایت تلخ آواز تھی۔ سمعان نے فوراً سی ایل آئی پر آنے والا نمبر دیکھا۔ سمعان کو اپنے چودہ طبق روشن ہوتے محسوس ہوئے۔ یہ کیا کہانی ہے..... سمعان کے کچھ پلے نہ پڑا۔

"ایک تو تم اتنے دن اسلام آباد وغیرہ لگا آئی اوپر سے اب تم کال ہی ریسیو نہیں کرتی۔ جانتی ہو اتنے دن تمہاری آواز سننے کو نہیں ملی۔ کیا حالت ہوئی ہے میری پچھلے دنوں۔ تمہاری طرح تمہاری آواز بھی اتنی خوب صورت و مدھ بھری ہے کہ میں تو ہوش و حواس سے بھی بیگانہ ہو گیا ہوں۔"

سمعان کو ایک پل لگا تھا کہ جیسے دماغ خالی ہو گیا ہو مگر دوسرے ہی لمحے غم و غصے نے پورے وجود کو

BOOKSPACE.BLOGSPOT.COM

اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

"خدا کے لیے پیچھا چھوڑ دو میرا..... میری ایک چھوٹی سی بھول کو میری عمر بھر کی سزا مت بناؤ..... کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا.....؟" فرح اب رو رہی تھی۔

سمعان کو فرح کے آنسو اپنے دل پر گرتے محسوس ہوئے۔

"روؤ تو نہیں۔ میرا مقصد تمہاری آواز سننا تھا۔ تم سے بات کرنا ہے۔ پلیز روؤ نہیں اور نہ ہی مجھے غلط سمجھو۔" فرح کے رونے کا اثر دوسری طرف فوراً ہوا تھا۔ بہت نرم و حلاوت آمیز لہجے میں کہا گیا تھا۔

"تم کون ہو؟" اب ٹھہرے ہوئے مگر نم ناک لہجے میں وہ پوچھ رہی تھی۔

"تمہیں بہت جلد پتا چل جائے گا۔ میری امی تمہاری طرف آئیں گی۔"

"کیوں.....؟" فرح نے پوچھا۔

"میرا رشتہ لے کر....." دوسری طرف مزے سے بتایا گیا تھا۔ سمعان احمد نے لب بھینچے۔

"کیا.....؟" فرح کی چیخ نما آواز بہت نمایاں تھی۔ "مگر میں تو تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتی..... تم کون ہو کیسے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ کچھ بھی تو نہیں....." فرح کی الجھی آواز سمعان نے بھی بخوبی محسوس کی۔ پتا نہیں یہ سلسلہ کب سے چل رہا تھا۔ سمعان صرف خاموشی سے دونوں طرف ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔

"جاننے سے کیا ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو برسوں ساتھ رہنے والے بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتے' جاننے کے لیے ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے۔ کیا یہ بات تمہارے لیے کافی نہیں کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں' محبت کرتا ہوں۔ تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ صرف باتیں نہیں بلکہ عملی مظاہرے کے طور پر اپنی امی کو تمہارے والدین کے پاس باقاعدہ بھیجنا چاہتا ہوں۔" سمعان نے سختی سے اپنی مٹھی بند کی۔ بمشکل اپنے کھلتے لبوں کو دانتوں تلے دبایا۔

"نہیں پلیز! ایسا کبھی مت کرنا۔ میرے والدین تو مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں اور میرے بھائی جان چھڑکتے ہیں مجھ پر..... وہ کیا سوچیں گے میرے بارے میں۔ پلیز نہیں..... آپ اگر واقعی مجھے پسند کرتے ہیں' محبت کرتے ہیں تو پلیز یہاں کال نہ کیا کریں۔ آپ کو کیا پتا مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے ای میل کا سلسلہ بھی بند کر دیا ہے۔ اب آپ یہ سلسلہ بھی بند کریں۔"

فرح کا ملتجی انداز آخر میں وہ رو دی تھی۔ سمعان کے کانوں میں اس کی سسکیاں عجیب سا ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

"فرح! بات سنو میری..... فرح..... پلیز....."

"نہیں..... اب نہیں..... خبردار اگر کال کی تو ورنہ میں اپنے بھائی کو بتا دوں گی۔" روتے روتے فرح کا انداز دھمکی آمیز ہو گیا تھا۔

"تم اس وقت کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں ہو۔ کال بھی لمبی ہو رہی ہے۔ میں پھر کال کروں گا۔ اپنا خیال رکھنا میرے لیے۔ اوکے ٹیک کیئر اللہ حافظ۔" دوسری طرف ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔ ٹیلی فون

کی لائن بے جان ہو گئی تھی۔

سمعان نے ایک دم ریسیور کریڈل پر پٹخا تھا۔ نجانے طاہرہ بیگم کہاں تھیں..... سمعان کو اپنا دماغ سنسناتا ہوا محسوس ہوا۔ آندھی طوفان کی طرح وہ بغیر ادھر ادھر دیکھے فرح کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ زور سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

فرح جو کال بند ہونے پر اس پر سر ٹکائے رو رہی تھی۔ دھماکہ سے دروازہ کھلنے پر چونک کر دیکھا۔ سمعان کو دیکھ کر وہ لمحوں میں سیدھی ہوئی تھی۔ آنسو رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ سمعان اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فرخ کا دل دھڑکا۔ اس نے تیزی سے اپنے رخسار رگڑے۔

"آپ....." لرزتی آواز پر فرح کو اپنے اعصاب ساتھ چھوڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ شخص کب سے تمہیں تنگ کر رہا ہے؟" انتہائی سخت پتھریلا لہجہ اس سمعان سے قطعی مختلف تھا جسے وہ برسوں سے جانتی آ رہی تھی۔ فرح کے آنسو بھی ٹھٹھر گئے۔

"فرح! بتاؤ مجھے' کب سے یہ سلسلہ چل رہا ہے؟" فرح کے پاس آ کر اس کا بازو سختی سے اپنی گرفت میں لیتے سمعان احمد نے گویا اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ سمعان احمد کو یہ سب کیسے پتا چلا..... یہ سوال اس کے ذہن میں چکرا کر رہ گیا۔

"فرح....." سمعان کے تفتیشی انداز میں پہلے سے زیادہ سختی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں چھپانا۔ اگر بھائی کو پتا چل ہی گیا ہے تو ابھی ساری بات بتا دینی چاہیے ورنہ ساری عمر یوں ہی روتی رہوں گی۔" لمحوں میں اس نے فیصلہ کیا تھا۔

"بھائی....." فیصلہ کر لینے کے بعد وہ سمعان کو دیکھ کر پھر رو دی۔ بھائی....." سمعان کا بازو تھام کر وہ اس کے ساتھ جا لگی تھی۔ "بھائی قسم لے لیں۔ میں بے قصور ہوں۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ میں خود آپ کو بتانا چاہتی تھی۔"

سمعان احمد نے ہولے سے اس کا سر تھپتھپایا۔

"میں ایکس ٹینشن سے سب سن چکا ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ کب سے یہ سب چل رہا ہے؟ وہ شخص تمہیں کب سے تنگ کر رہا ہے؟"

فرح کے پھوٹ پھوٹ کر رونے سے سمعان کو بھی احساس ہوا کہ اس پر سختی کرنا جائز نہیں۔ اسی لیے خود بخود لہجہ نرمی اختیار کرتا چلا گیا۔

روتے ہوئے فرح نے ای میل سے شروع کی گئی حماقت سے لے کر اب تک آنے والی کالز' کارڈ' پھول اور وہ نظم جو اس نے بھیجی تھی۔ سب بتاتی چلی گئی بغیر کچھ چھپائے ہر چیز' ہر لفظ' ہر بات.....

سمعان احمد خاموشی سے ایک ایک لفظ سنتا گہرے اضطراب کی زد پر تھا۔

❁.....❁.....❁

حمید چچا اور فاروق چچا وغیرہ کو سی آف کر کے شارق زمان اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

لان میں ٹہلنے لگا تھا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔

شاکرہ تیزی سے باہر آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں موبائل تھا جو بج رہا تھا جسے وہ اندر ہی شاید بھول آیا تھا۔

''صاحب جی! آپ کا فون.....'' اس نے موبائل شارق کو تھمایا تھا۔ شارق نے سی ایل آئی پر آنے والا نمبر دیکھا۔ نمبر اس کے لیے اجنبی تھا۔

''ہیلو.....'' لیس کر کے اس نے کان سے لگا لیا تھا۔

''لالہ منصور بات کر رہا ہوں۔'' دوسری طرف چھوٹتے ہی تعارف کروایا گیا تھا۔ گزشتہ رات کی تلخی پورے وجود سمیت آن کھڑی ہوئی۔

''جی فرمایئے۔'' کل رات کی اذیت وہ بھولا تو نہیں تھا اور اب پھر یہ شخص اس کا ضبط آزمانے کو آ گیا تھا۔

''فرما ہی رہا ہوں۔ تمہاری بہن نے احسان منصور سے آج شام نکاح کر لیا ہے۔''

ایک لمحے کو تو شارق زمان کا دماغ ہی ماؤف ہو گیا مگر دوسرے ہی پل سر جھٹکا۔

''تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ تمہارے بیٹے کا معاملہ ہے ویسے اطلاع دینے کا شکریہ۔'' آرام سے وہ لالہ منصور کو سلگا رہا تھا۔ وہ واقعی بھڑک گیا۔

''میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اس کتیا اور اس کی ماں کو.....'' اس نے گالی بکی تھی۔ شارق زمان کو اپنے اعصاب زبردست تحریک کی زد پر مشتعل ہوتے محسوس ہوئے۔ اس نے مٹھیاں بھینچ کر خود کو کسی بھی قسم کی اشتعال انگیزی سے روکا۔

''ضرور۔ یہ تمہارا ذاتی فعل ہو گا۔ میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں۔'' جب بولا تو لہجہ اتنا ہی سفاک اور ٹھنڈا تھا جو کسی بھی شخص کو دماغ خراب کرنے پر اکسا دے۔

''تمہیں میں نے خبردار کیا تھا شارق زمان پھر بھی.....'' وہ زخمی شیر کی طرح چنگھاڑ رہا تھا۔ شارق نے مطلق پروا نہ کی۔

''تمہارے بیٹے نے نکاح کیا ہے۔ اس میں تم مجھے کیوں دوش دے رہے ہو؟ خدانخواستہ میں نے تو زبردستی اس کا نکاح نہیں کروایا..... پھر یہ تمہارے بیٹے کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں کسی کی ذاتیات میں دخل دینا کبھی پسند نہیں کرتا۔ اس ملک میں ہزاروں جوڑے گھر سے بھاگ کر باہر اپنی مرضی سے نکاح کرتے ہیں۔ تمہارا بیٹا بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔ اس میں مجھے دھمکیاں دینے یا بتانے سے کیا حاصل.....؟'' شارق زمان نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

''میں دیکھ لوں گا تمہیں بھی..... اور تمہاری طوائف ماں کو بھی یاد رکھنا شارق زمان۔ مجھ سے دشمنی لینے والا قبر کی تاریکیوں میں بھی جا سوئے اسے بخشتا نہیں ہوں۔'' وہ زخمی شیر کی طرح بول رہا تھا۔ شارق زمان نے اس کی بات پر نجانے کیسے خود پر قابو کر پایا تھا۔

''بصدِ شوق..... تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے لالہ منصور کہ میری ماں میرے گھر میں بسترِ علالت

پر پڑی ہوئی ہے۔ جس طوائف کا نام تم لے رہے ہو' تم جیسے لوگوں کی ہوس پوری کرنے کے لیے ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔ رہ گئی تمہارے بیٹے کی منکوحہ تو جب تم اسے قتل کروا دو تو مجھے ضرور اطلاع دینا۔ میں اظہارِ تعزیت کے لیے ضرور آؤں گا۔ آخر کو تمہارے بیٹے نے بھی ایک طوائف زادی سے نکاح کیا ہے جو نجانے کتنوں کی ہوس پوری کر چکی ہے۔ اگر پولیس وغیرہ کوئی مسئلہ کری ایٹ کرے تو مجھے انفارم کرنا۔ پولیس سے میرے اچھے تعلقات ہیں۔ کیس حل کروانے میں مدد ملے گی۔ ہاں ایسا وکیل کرنا جو کیس جیتے اس کے عوض میں تمہیں منہ مانگی قیمت دینے کو تیار ہوں۔ میرے باپ کی جائیداد اتنی ضرور ہے کہ میں ایک طوائف اور طوائف زادی کو عبرت ناک انجام سے دوچار کروانے کو استعمال کر سکوں۔ مشورہ تمہارے فائدے کا ہے۔ غور ضرور کرنا۔ شہوانہ احسان معذرت کے ساتھ اب تمہاری بہو ہے تو میں اسے شہوانہ احسان ہی کہوں گا چونکہ قبر کی تاریکیوں میں سلانے کا میرا ابھی دیرینہ خواب ہے اگر پورا کر دو تو ساری عمر تمہارا دوست بن کر ممنون رہوں گا۔''

یہ قصہ شارق زمان کی زندگی کا ایک ناسور بن چکا تھا۔ ایک رستہ ہوا ناسور..... جو اسے نہ ہی تو نارمل زندگی جینے دیتا تھا اور نہ ہی حد سے گزرنے..... وہ دُہری اذیت کا مسافر تھا جس کے لیے اگر آگے بڑھنا محال تھا تو واپس پلٹنا زیادہ مشکل۔

لالہ منصور کی اس کے والد زمان حسین سے پرانی رنجش چلتی آ رہی تھی۔ وہ تو سرے سے اس قصے سے ہی لاعلم تھا مگر جوں جوں لالہ منصور کے ساتھ تعلقات کی نوعیت میں اضافہ ہوا تھا۔ اسے لالہ منصور کی فطرت اس کمینگی کا پتا چلتا گیا تھا۔ لالہ منصور اس کی ماں بہن کا حوالہ دے کر اسے جس حد تک تکلیف دے سکتا تھا وہ دے رہا تھا اور شارق زمان اپنی کم فہمی و جذباتی فطرت کی بدولت جس حد تک اس کی مطلب براری پر پورا اتر سکتا تھا اتر رہا تھا۔

غصے سے اس نے کال ڈسکنٹ کر دی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کی باتوں سے لالہ منصور کس حد تک غضب ناک ہو سکتا ہے اور کیا کر سکتا ہے.....

شارق زمان نے کچھ سوچتے ہوئے کچھ نمبر ملائے تھے۔

''ہاں عمر' شارق بول رہا ہوں۔'' رابطہ ہوتے ہی اس نے کہا تھا۔ ''ایک کام ہے ذرا دھیان سے سنو۔ لالہ منصور کے بیٹے احسان منصور نے شہوانہ سے نکاح کر لیا ہے۔ میرے خیال میں یہ ساری کارروائی چھپ کر عمل میں لائی گئی ہے ورنہ لالہ منصور کبھی یہ سب نہ ہونے دیتا۔ تم ایسا کرو کہ سارے معاملے کی اصل رپورٹ حاصل کرو۔ لالہ منصور کے جس بندے کا میں نے تمہیں نمبر دیا تھا اسی سے رابطہ کرو۔ وہ تمہیں احسان منصور کے اصل ٹھکانے کا بتا دے گا۔ مجھے لالہ منصور کے تیور اچھے نہیں لگ رہے۔ وہ ضرور کچھ کرے گا۔ تم ایس پی انجم خان سے بھی رابطہ کر لینا۔ لالہ منصور بچ نہ پائے خیال رکھنا۔ باقی سب تم سمجھ ہی گئے ہو گے۔ فنٹاسٹک قسم کی رپورٹ ہونی چاہیے۔ او کے بعد میں رابطہ کرتا ہوں۔ تم جلدی سے یہ سب کام کرو اور ہاں افتخار کو کال کر کے احسان منصور تک بھیج دو۔ اسے کہنا تصاویر رنگین ہونی چاہئیں۔'' اس نے ساری ہدایات دے کر کال بند کر دی۔ اندرونی اضطراب جو تھا سو

BOOKSPEE.BLOGSPOT.COM

تھا مگر بیرونی کیفیات بھی کچھ مختلف نہ تھیں۔ ادھر سے ادھر ٹہلتے اس نے تقریباً آدھا گھنٹہ گزارا تھا۔ ٹانگیں شل ہونے لگیں تو وہ اندر چلا آیا۔

لاؤنج میں ٹی وی آن تھا۔ نوریہ صوفے پر بیٹھی نیوز چینل لگائے نیوز سن رہی تھی جب کہ شاکرہ اس کے قریب ہی کشن پر بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ شارق وہیں چلا آیا۔

نوریہ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ الجھا الجھا سا کچھ پُرسوچ انداز لیے وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"تم یہاں بیٹھے بیٹھے کیوں اونگھ رہی ہو؟ جاؤ جا کر سکون سے سوؤ۔" شارق کی نظر شاکرہ پر پڑی تو وہ ٹوک گیا۔

وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔ فوراً نوریہ کو دیکھا جس نے اسے اپنے پاس رہنے کو کہا تھا۔

"اب کیا دیکھ رہی ہو۔ جاؤ اندر اور ہاں اماں سو گئیں.....؟" اس کے سختی سے کہنے پر شاکرہ فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔

"جی۔"

"ایک گلاس پانی لا دو۔"

نوریہ ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھی رہی۔ شاکرہ شارق کے حکم پر فوراً وہاں سے چلی گئی تھی۔

"نیوز دیکھی جا رہی ہیں..... اس کا مطلب ہے تمہیں نیوز سے بھی دلچسپی ہے۔" صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے وہ اب نوریہ کو دیکھ رہا تھا۔ نوریہ نے صرف مڑ کر دیکھا تھا۔

"جی....." نیوز دلچسپ مراحل میں تھیں۔ یوں ہی چھوڑ کر جانے کو دل نہ چاہا۔ اسے ٹی وی میں ایک نیوز ہی تو اچھی لگتی تھیں اور ٹائم نکال کر وہ اکثر اوقات ضرور دیکھتی تھی۔

شاکرہ پانی لے آئی تھی۔ شارق کو گلاس تھما کر اس نے نوریہ کو دیکھا، جیسے پوچھ رہی ہو کہ اب جاؤں یا بیٹھوں؟ ویسے تو تھکن سے برا حال ہو رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ ایک منٹ ضائع کیے بغیر فوراً بستر پر جا لیٹے۔ صرف نوریہ کی وجہ سے رکی ہوئی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔ یہ تھوڑی سی نیوز رہ گئی ہیں پھر چلتے ہیں اندر۔" نوریہ کے کہنے پر شارق زمان نے پانی پیتے حیرت سے نوریہ کو دیکھا۔

شاکرہ کے لیے اس کا یہ حکم اسے بڑا عجیب سا لگا۔ شاکرہ فوراً بیٹھ گئی تھی۔ شارق زمان کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔ اگر وہ حقیقتاً پریشان نہ ہوتا تو ضرور نوریہ کے اس رویّے پر غور کرتا۔

وہ سر جھٹک کر اپنی جیب سے چند ایک کارڈ نکال کر دیکھنے لگا۔ ایک کارڈ پر درج موبائل نمبرز وہ اپنے سیل پر ڈائل کرنے لگ گیا تھا۔

ایس پی انجم سے رابطہ ہوتے ہی وہ بات کرنے لگا۔

"انجم! میں شارق بول رہا ہوں۔"

نیوز سنتے نوریہ کو شارق زمان کی آواز بڑی ڈسٹربنگ لگی۔ ناگواری سے اسے دیکھا۔

"ہاں یار سب خیریت ہے..... ہاں اسی لیے کال کی ہے۔ عمران نے بتا دیا ہوگا۔ بس کیا بتاؤں یار

یہ لالہ منصور بھی گلے کی ہڈی بنتا جا رہا ہے۔ نظر رکھو اس پر..... ہاں اسی لیے کال کی ہے۔ بڑے لمبے ہاتھ ہیں اس کے..... سیاسی اثر و رسوخ کی بدولت ہمیشہ بچ جاتا ہے۔ تم فکر نہیں کرو۔ انشاء اللہ اس قصے سمیت بہت جلد میرے میگزین میں بڑی فنٹاسٹک رپورٹ شائع ہو گی۔ کتے کی طرح بھونکنا صرف اس کو آتا ہے۔ بس خیال رکھنا ہوگا مجھے الجھانے کے چکر میں ہے۔ ہاں اس وقت میں اپنے گھر میں ہوں۔ میرے فیملی ممبرز میرے گھر پر موجودگی کے گواہ ہوں گے۔ اوکے پھر میں منتظر ہوں۔ تم پتا کر کے اطلاع کر دینا..... اوکے اللہ حافظ۔"

نوریہ کو وہ بھی ایک خبر کی طرح لگا۔ کال بند کر کے وہ کچھ ریلیکس ہو گیا تھا۔ کارڈ جیب میں ڈال کر وہ اب اپنے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔

نوریہ کا دھیان اب بھی ٹی وی کی طرف تھا۔

آف وائٹ ریشمی ملبوس میں اچھی طرح شال اوڑھے وہ یکسر لاتعلقی کا مظاہرہ پیش کر رہی تھی۔ شارق کو پوری شدت سے اپنی گزشتہ رات کی کیفیت یاد آنے لگی۔

وہ باقی رات کیسے خود سے لڑا تھا اور یہ لڑکی..... کسی کو بھی ہوش و حواس سے بے گانہ کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ بقول رمشاء کے جیتی جاگتی قیامت تھی۔ اس نے سر جھٹکا۔ وہ اس وقت نوریہ کو قطعی نہیں سوچنا چاہتا تھا مگر وہ خوش رنگ خواب کی طرح اس کے حواسوں پر چھانے لگی تھی اور وہ بے دھیانی سے اسے یک ٹک دیکھے گیا۔ تب ہی نوریہ نیوز دیکھنا موقوف کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شارق زمان کی موجودگی میں پرسکون کیفیت میں خبریں دیکھنا ممکن ہی کہاں تھا؟ غصے و جھنجلاہٹ کا ایک طوفان بلاخیز نوریہ کے اندر اٹھا تھا۔ وہ دیکھے بغیر ہی شارق زمان کی توجہ کا مرکز خود کو بنا محسوس کر سکتی تھی۔ لب بھینچے اس نے شارق زمان کو دیکھا..... کتنی ناگواری تھی اس وقت اس کی آنکھوں میں۔ کاش وہ اندازہ کر سکتا.....

"تم نے ٹی وی کیوں آف کر دیا۔ لگا رہنے دو....."

اس کے دیکھنے پر وہ بھی جیسے خواب سے چونک گیا تھا۔ نوریہ نے ٹی وی آن کر دیا۔ اسے اٹھتے دیکھ کر شاکرہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کہاں چل دیں بیٹھو۔" شارق کی نگاہیں اس کے صبیح پر رونق چہرے پر ٹک سی گئیں۔ گویا کہہ رہی ہوں اب اس چہرے سے ہٹنا گوارا نہیں۔

"نہیں۔ مجھے ابھی نماز بھی ادا کرنی ہے آپ دیکھیں۔ چلو شاکرہ۔" وہ تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔ شارق زمان کی نگاہوں نے اماں کے کمرے تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

شارق زمان گہری سانس لے کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہوا۔ نوریہ کا یہ انداز و اطوار شارق زمان کے ضبط کے لیے بہت زیادہ ثابت ہو رہا تھا۔ شارق زمان نے اپنی توجہ نیوز کی طرف مبذول کرنا چاہی مگر لگتا تھا کہ جیسے نوریہ کا خیال کسی آسیب کی طرح دماغ سے چمٹ گیا تھا۔ خود کو پرسکون کرنے کو اس نے سگریٹ نکال لیا تھا۔

BEST UPDATE BLOGSPOT.COM

بہت ریلیکس ہو کر تھری سیٹڈ صوفے پر دراز ہوتے ہوئے اس کے دل و دماغ پر ایک واضح تصور اتر آیا تھا۔ نگاہیں ٹی وی اسکرین پر منجمد تھیں مگر ذہن کے پردے پر جو عکس لہرا رہا تھا وہ ہر احساس بھلا دینے کو کافی تھا۔

سمعان احمد کو سب بتا کر اپنے نام آنے والا وہ لفافہ جس میں اسے بہ زبانِ شاعری نادر خیالات موصول ہوئے تھے۔

لاکھ پردوں میں رہوں بھید میرے کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے

اسے حقیقتاً مطمئن اور پرسکون ہو جانا چاہیے تھا مگر ساری حقیقت الف سے "ے" تک سمعان احمد کے گوش گزار کر کے وہ مزید الجھ گئی تھی۔

اس کا ڈپریشن انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

دل کو گویا پتنگے سے لگ گئے تھے۔

سمعان احمد ساری حقیقت جانتے ہوئے ازحد سنجیدہ اور پتھریلے تاثرات لیے ہمہ تن گوش رہے تھے مگر وہ جانتی تھی اچھی طرح سمجھتی تھی کہ کس طرح سمعان احمد نے خود کو کسی بھی قسم کی جذباتیت سے روکا ہوگا۔

سمعان احمد کے اندر ایسے الاؤ آگ دہکاتے ہوں گے۔ وہ صرف سمعان احمد کے لیے ایک بہن ہی نہیں بہت اہم ہستی تھی۔ آنے والے حالات کا خوف فرح سعید احمد کے اندر چٹکیاں کاٹ رہا تھا۔ نجانے سمعان احمد اب کیا کریں؟ وہ سوچ سوچ کر الجھی تھی اور الجھ الجھ کر روئی تھی۔

اعصاب ٹوٹنے بکھرنے کے صبر آزما مراحل سے گزر کر آخر کار اس کے وجود کو توڑ پھوڑ گئے تھے۔

سمعان احمد کی مسلسل چپ اور پھر اپنی اہم میٹنگ کا کہہ کر چلے جانا اس کے اندر مزید ہراس جگانے کا سبب بن گیا تھا۔ سمعان احمد بھائی تھے اور کوئی بھی بھائی بہنوں کے معاملے میں اس انتہا کی برداشت کا قطعی مظاہرہ نہیں کرتے۔ سمعان احمد کے بھنچے ہونٹ اور تنے اعصاب یاد کر کے وہ ہول رہی تھی۔

"تم قطعی فکرمند نہیں ہونا۔ تمہیں یہ بہت پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔ تاہم اب یہ تمہارا نہیں میرا دردِ سر ہے۔ یہ کون شخص ہے میں بہت جلد پتا چلا لوں گا۔ وہ ہمارے متعلق بہت گہری معلومات رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ ہم سے اجنبی نہیں ہے۔ اب یہ میرا مسئلہ ہے اس شخص سے کیسے نپٹنا ہے..... تمہیں آئندہ سے وہ تنگ نہیں کرے گا۔"

رات کو کھانے کے لیے اسے ماجدہ بلانے آئی تھی مگر اسے بستر پر بے سدھ پڑے دیکھ کر وہ الٹے پیروں واپس پلٹی تھی۔

"بیگم صاحبہ! فرح بی بی تو بخار سے تپ رہی ہیں۔ میں نے آوازیں بھی دیں مگر وہ تو ہوش میں ہی

نہیں ہیں۔"

ماجدہ کے حواس باختہ انداز پر سعید احمد نے چونک کر دیکھا۔

"ہیں..... کیا کہہ رہی ہو تم؟ شام سے پہلے تک تو وہ اچھی بھلی تھی۔"

طاہرہ بیگم بھی متفکر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ تیزی سے فرح کے کمرے میں آئی تھیں۔ سعید احمد، علی اور ماجدہ بھی پیچھے چلے آئے تھے۔

"فرح..... فرحی کیا ہوا ہے۔" فرح کے بستر پر بیٹھ کر انہوں نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔ ان کے آوازیں دینے پر فرح نے آنکھ کھولی تھی مگر نقاہت اور بخار کی حدت سے وہ فوراً آنکھیں بند کر گئی تھی۔

"اوہ میرے اللہ..... اسے تو بڑا تیز بخار ہے۔" طاہرہ بیگم نے جیسے اس کی پیشانی چھوئی تو لگا تپتی ریت کو چھو لیا ہو۔ سعید احمد بھی آگے بڑھے تھے۔ فرح کی کلائی تھامی تھی۔ وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ ہاتھ نے گویا آگ کو چھو لیا ہو۔

"کب سے ہے اس کی یہ حالت.....؟"

سعید احمد کے تیز اور سرد انداز پر طاہرہ بیگم فوراً چونکیں۔ حیران ہو کر دیکھا۔ آنکھوں میں سرد سی لپک محسوس ہوئی۔

"اب اس شخص کو مجھ سے بدظن ہونے کا نیا موقع مل جائے گا۔" طاہرہ بیگم نے دل میں سوچا۔

"مجھے نہیں پتا۔ کالج سے تو اچھی بھلی آئی تھی۔ سہ پہر کی چائے میں نے علی اور فرح نے اکٹھے ہی پی تھی۔ شام سے پہلے تک تو یہ ٹھیک ٹھاک تھی۔ علی سے پوچھ لیں۔ اس کے ساتھ لڈو کھیل رہی تھی پھر میں کچن میں مصروف ہو گئی تھی۔ یہ اپنے کمرے میں تھی۔ میں یہی سمجھ رہی تھی کہ پڑھائی میں مصروف ہو گی۔" سعید احمد کے مشکوک انداز پر انہوں نے فوراً وضاحت پیش کی تھی۔ اس ڈر سے کہ فرح کی بیماری میں بھی ان کے نام کوئی فردِ جرم عائد نہ ہو جائے۔

"علی! ڈاکٹر مرتضیٰ کو کال کرو۔" انہوں نے علی کو کہا تو وہ فوراً ٹیلی فون کی طرف بڑھا تھا۔

"ماجدہ پانی اور پٹیاں لے آؤ۔ بہت تیز بخار ہے۔ جب تک ڈاکٹر آتا ہے میں اس کے سر پر پٹیاں رکھتی ہوں۔" طاہرہ بیگم نے ماجدہ کو کہا تو وہ فوراً باہر بھاگی تھی۔

"ابھی پٹیاں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر آتا ہے تو پوچھ کر رکھنا اور علی، سمعان کا پتا کرو کب تک گھر پہنچ رہا ہے؟ اب تک تو فارغ ہو جانا چاہیے تھا اسے۔" طاہرہ بیگم کو منع کر کے انہوں نے علی کو بھی کہا تھا وہ جو ڈاکٹر مرتضیٰ کو کال کر کے ریسیور رکھ رہا تھا پھر سے سمعان کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

سعید احمد خاموشی سے کرسی گھسیٹ کر بستر کے پاس بیٹھ گئے۔

"سمعان بھائی کا نمبر بند ہے مل نہیں رہا۔"

نیم غنودگی کی کیفیت میں طاہرہ بیگم کے لمس کو محسوس کر کے اپنے حواسوں کو یکجا کرتی فرح کے کانوں میں یہ الفاظ گونجے تھے۔

"یا اللہ....." فرح کو اپنے اعصاب جواب دیتے محسوس ہوئے۔ اس کے اندر پیدا ہونے والا ہراس

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

اسے مزید متوحش اور خوفزدہ کر گیا۔ اپنے ڈوبتے ذہن سے وہ آخری سوچ یہی سوچ سکی کہ ہو سکتا ہے اس کی وجہ سے سمعان بھائی کسی حد سے گزر گیا ہو

وہ گہری نیند میں تھی۔ عجیب سے احساس سے ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ فوراً اٹھنے کے بعد وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی پھر آہستہ آہستہ ذہن معمول پر آیا تھا۔ خالہ جان بستر پر گہری نیند میں غرق تھیں۔ فرش پر میٹرس پر شاکرہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی اور وہ خود عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد جائے نماز پر ہی سجدے کی حالت میں نجانے کب سے سوئی تھی۔

نویرہ نے اپنی کلائی سیدھی کر کے وقت دیکھنا چاہا مگر ٹیلی فون کی تیز آواز نے اس کے اعصاب منتشر کر دیے۔ اسی آواز نے اسے گہری نیند سے جگا دیا تھا۔ نویرہ نے حیرانی سے کلائی دیکھی۔ ڈھائی بج رہے تھے۔

آدھی رات گزر چکی تھی۔ نجانے اس وقت کون تھا۔ سارے دن کی تھکی ہاری شاکرہ اس تیز آواز سے بے خبر مزے سے سو رہی تھی۔ جانے کب سے فون بج رہا تھا۔ بیل ختم ہو گئی تھی۔ نویرہ نے جائے نماز تہہ کی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ شاید تھکن تھی کہ وہ جائے نماز پر ہی سو گئی تھی۔

لائٹ آن تھی۔ وہ لائٹ بند کرنے کے خیال سے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی تھی کہ پھر فون کی بیل ہونے لگی تھی۔

"کون ہو سکتا ہے اس وقت.....؟" فون لاؤنج میں رکھا ہوا تھا۔ اماں کے ڈسٹرب ہونے کے احساس سے ایکس ٹینشن یہاں سے ہٹا دیا تھا۔ نویرہ چادر لپیٹ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازہ کھول کر راہداری عبور کر کے وہ لاؤنج کے دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ جب بڑے صوفے سے اٹھتے شارق زمان کو تیزی سے فون اسٹینڈ کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ شارق زمان مسلسل ہونے والی بیل کی آواز سے ہی بیدار ہوا تھا۔ نویرہ نے اطراف میں دیکھا۔ لائٹ روشن تھی، ٹی وی ابھی بھی چل رہا تھا۔

"یہ ساری رات یہیں تھے....." شارق زمان نے کال ریسیو کی تھی۔ نویرہ نے حیرت سے شارق کو دیکھا۔

"وعلیکم السلام۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"جی چچی جان! میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں۔ طبیعت کیسی ہے بخار اترا کہ نہیں؟" نویرہ پلٹنے کو تھی مگر شارق زمان کی آواز سن کر فوراً رکی تھی۔ بخار تو اماں کو تھا..... نویرہ کو اپنا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔

"کہیں گھر سے فون تو نہیں..... خدا خیر کرے....." وہ پلٹنے کے بجائے تیزی سے اندر چلی گئی۔

"نویرہ جی وہ بالکل ٹھیک ہے۔ جی وہ تو شاید سو گئی ہے۔ اچھا آپ صبح کال....." نویرہ پر نظر پڑتے ہی باقی الفاظ شارق کے منہ میں ہی رہ گئے تھے۔

"کون ہے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"خالہ چچی ہیں۔ تمہارا پوچھ رہی ہیں۔" شارق نے آرام سے کہا تھا۔

"امی ہیں..... اس وقت..... خیریت ہے نا؟" تردد فوراً زبان پر آیا تھا۔

"ہوں....." شارق نے مختصراً کہتے ہوئے ریسیور اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"السلام علیکم امی! کیسی ہیں؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں تم سناؤ۔"

"میں بھی ٹھیک ہوں..... خیریت ہے نا..... اس وقت کال کیوں کی؟" اس کا ننھا سا دل ابھی بھی گھبرا رہا تھا۔

"پتا نہیں کیوں نویرہ میرا دل بڑا گھبرا رہا ہے۔ میں نے بڑا عجیب سا خواب دیکھا ہے۔ تمہارے متعلق بڑا بُرا بُرا خیال تھا۔ میرے دل کو پتنگے لگے ہوئے ہیں۔ تم مجھے چیخ چیخ کر پکار رہی تھیں۔ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ کتنی دفعہ کال ملائی ہے۔ خدا خیر کرے۔ اللہ تمہیں خیر و عافیت میں رکھے۔ تمہارا نگہبان بنے۔ مجھے بڑے بُرے وہم ستا رہے ہیں۔" بہت گھبرائی پریشان آواز میں وہ کہہ رہی تھیں۔ نویرہ حیرت کے سمندر میں جا ڈوبی۔ بے اختیار نظر سیدھی شارق زمان پر جا ٹھہری جو بہت اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نظر سے نظر ملی تھی۔ شارق نے نگاہیں بدلی تھی۔ وہاں سے ہٹ کر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ اس نے پہلے ٹی وی بند کیا تھا اور پھر سلیپر پہن کر اپنے کمرے کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

شارق زمان کو اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھ کر نویرہ کی رکی سانس بحال ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا..... خواب تو بس خواب ہوتے ہیں۔ بس آپ بخار میں ہیں ڈر گئی ہوں گی فکر نہ کریں۔ آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر پھونکیں اور تصور میں میرا خیال کر کے مجھ پر بھی پھونکیں۔ انشاء اللہ ساری گھبراہٹ و پریشانی ختم ہو جائے گی۔" اس نے رسانیت و حلاوت سے ماں کو تسلی دی۔

"ہوں۔ اپنا خیال رکھنا۔ بس ایک دو دن مزید رہ لو۔ میں پھر تمہیں نبیل کو بھیج کر واپس بلوا لوں گی۔ نجانے کیوں میرا دل اتنا ڈر رہا ہے؟" وہ ابھی بھی فکرمند تھیں۔ نویرہ ہنس دی۔

"کچھ نہیں ہو گا مجھے۔ بس آپ بغیر کچھ سوچے آنکھیں بند کر کے سو جائیں۔ زیادہ گھبراہٹ ہو رہی ہے تو کوئی سورۃ جو زبانی آتی ہے پڑھ لیں۔ درود ابراہیمی اور آیۃ الکرسی زیادہ مناسب ہیں۔ ساری گھبراہٹ ختم ہو جائے گی۔" اس نے بہت اچھا مشورہ دیا تھا۔ مزید دو تین باتیں کر کے انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

وہ اماں کے رویے اور خواب کو سوچتی پلٹنے ہی والی تھی کہ دوبارہ بیل ہونا شروع ہو گئی تھی۔

"اب کون ہے؟" سی ایل آئی پر آنے والا نمبر ان کے گھر کا نہیں تھا۔ کوئی موبائل نمبر تھا۔ بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ شارق زمان کمرے سے باہر آتا اس نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو....."

"نویرہ....." دوسری طرف اس کے صرف ہیلو پر ہی بہت بے ساختگی اور تڑپ کر کہا گیا تھا۔ نویرہ

PDFOFUN.BLOGSPOT.COM

حیران رہ گئی۔

"نویرہ بول رہی ہیں....." دوسری طرف اب پہلے سے زیادہ شدت سے پوچھا گیا تھا۔

"ہوں۔ مگر آپ کون.....؟" وہ الجھ کر رہ گئی۔

"میں رضا ہوں۔" فوراً تعارف کروایا تھا۔ نویرہ کو اپنے اعصاب پرسکون ہوتے ہوئے اگلے ہی لمحے پھر کشمکش کی زد پر محسوس ہوئے۔

"رضا! تم.....خیریت تو ہے نا.....؟"

پہلے امی کی کال اب رضا کی.....نویرہ کے دل کو پتنگے لگ گئے۔

"ہاں ویسے تو خیریت ہے مگر....." وہ الجھ کر بات ادھوری چھوڑ گیا تھا۔ شاید نویرہ کو اپنے اعصاب طوفانوں سے نبرد آزما محسوس ہوئے۔

"کیا بات ہے؟ اس وقت تم نے کال کیوں کی؟ گھر میں سب خیریت تو ہے.....؟"

"بالکل ہر طرح سے خیریت ہے۔ بس ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے عجیب سے وہم ستا رہے تھے۔ میرا دل گھبرا رہا تھا۔ میں نے نیند میں بڑا عجیب سا خواب دیکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں..... سوچا آپ سے بات کر لوں۔ آپ ٹھیک ہیں نا۔" دوسری طرف وہ کہہ رہا تھا۔ نویرہ حیران و ششدر اسے سن رہی تھی۔

"میں بتا نہیں سکتا کتنا بُرا خواب تھا۔ اللہ کرے سب جھوٹ ہو۔"

"رضا!" نویرہ کے ہونٹ کپکپا اٹھے تھے۔ "ابھی امی کی کال آئی تھی۔ وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ انہیں میرے متعلق کوئی بُرا خواب آیا ہے اور تم بھی....." نویرہ کا دل خوف سے بند ہونے لگا تھا۔

"تائی امی نے کال کی تھی؟"

"ہاں۔ ابھی....."

"میں آ رہا ہوں آپ کے پاس۔ پتا نہیں کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کچھ ہونے والا ہے۔ میں بس آنے لگا ہوں۔" نویرہ کو رضا ایک دم بدحواس سا محسوس ہوا۔ نویرہ گھبرا گئی۔

"نہیں رضا! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ تم سے بات کر رہی ہوں اور بھلا مجھے یہاں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے.....فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی بالکل گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں۔ چچا جان سے جوتیاں کھانی ہیں۔ صبح آرام سے آنا..... پھر بات ہوگی۔ اس نے اپنے آپ کو بحال کرتے ہوئے اسے بھی ٹالا تھا پھر مزید چند باتیں کر کے اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

"اب کس کی کال تھی؟" وہ پلٹی تھی۔ شارق کو قدرے فاصلے پر دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"رضا کی۔" اس نے مختصراً کہا۔

"رضا کی.....؟ کیوں.....؟ اس وقت..... یہاں؟" شارق بھی حیران ہوا تھا۔

"کچھ نہیں۔ بس ویسے ہی بات کرنا چاہتا تھا۔" نویرہ نے ٹالا تھا۔

شارق زمان نے بغور اسے دیکھا۔ گرم شال اچھی طرح اوڑھے کافی نپے تلے انداز میں مخاطب

تھی۔

مگر کچھ الجھی ہوئی بھی تھی۔

شارق زمان کو ہمیشہ کی طرح اب بھی اس وجود میں بے پناہ کشش سی محسوس ہوئی۔ شارق زمان کے اندر اس پل اک عجیب سے احساس نے کروٹ لی تھی۔ نویرہ اپنے آپ سے الجھی ہوئی تھی۔ وہ شارق زمان کی نگاہوں کے زاویے نہ دیکھ پائی تھی۔ وہ اماں اور رضا کی کال پر پریشان تھی۔

دونوں کو بیک وقت ایک جیسا ہی خواب آیا تھا۔

دونوں پریشان تھے۔

دونوں نے فوراً کال کی تھی اور خود بھی حیران تھی۔ اماں کی پریشانی فطری تھی مگر رضا حمید.....اس کی پریشانی اس کا تردد اس کا اضطراب..... وہ اس وقت سخت اذیت میں گرفتار نظر آ رہی تھی۔ اتنی زیادہ کہ اپنے گردوپیش کو قطعی فراموش کیے ہوئے تھی۔

شارق زمان کی موجودگی اس کی نگاہوں کی تپش ہر چیز بھول گئی تھی اور شاید یہی بھول اس کی زندگی پر گھات لگانے کو بالکل مستعد تھی۔

"اس وقت ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟" رات گئے شارق زمان کی فرمائش پر نویرہ نے انتہائی تعجب سے اسے دیکھا۔

"اس وقت....." اس کے ہونٹوں سے بے اختیار پھسلا تھا۔

"اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو..... ورنہ کوئی بات نہیں۔"

شارق اپنے ہی اندر کی آوازوں سے گھبرا کر فوراً ٹوک بھی گیا تھا۔

"نہیں میں بنا دیتی ہوں۔" نویرہ کو اب یوں منع کرنا بھی اچھا نہ لگا۔ دماغ تو پہلے ہی اچھا خاصا الجھا ہوا تھا۔ پہلے اماں کے فون نے اور پھر رضا کی گفتگو نے اچھا خاصا اثر ڈالا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ گویا دماغ بالکل مفلوج ہو گیا ہو۔

بغیر سوچے سمجھے وہ ہاں کر بیٹھی تھی۔

نویرہ کا یوں بلاتردد مان جانا شارق زمان کے لیے حیران کن ہی تھا۔

"میں اپنے کمرے میں ہوں۔" اسے کہہ کر وہ چلا گیا تھا۔

نویرہ کچن میں چلی آئی تھی۔ چائے کا برتن چولہے پر چڑھا کر وہ پھر خود سے الجھنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"میں کل گھر کا چکر ضرور لگاؤں گی۔ اماں کا بخار سے برا حال ہے۔ نجانے طبیعت کتنی خراب ہے۔ تب ہی الٹے سیدھے وہموں سے گھبرا گئی ہیں۔"

چائے تیار کرتے ہوئے وہ مسلسل خود سے نبرد آزما تھی۔ اس کی سوچ کا محور صرف اماں تھیں۔ رات کے اس پہر شارق زمان کے لیے چائے تیار کرتے اس کی سوچ صرف اس بھنور میں الجھ گئی تھی۔

چائے تیار کرنے میں اسے کچھ وقت لگا تھا۔ اپنی سوچوں میں الجھی اس نے کپ تیار کیا تھا۔

PDFSHARE.BLOGSPOT.COM

چائے کا کپ شارق کے کمرے کی طرف لے جاتی وہ ایک لمحے کو ٹھٹک گئی تھی۔

"رات کے اس پہر شارق کے کمرے میں جانا مناسب بھی ہے یا نہیں۔" وہ جیسے کسی خواب سے بیدار ہوئی تھی۔ شارق زمان کے دروازے کے سامنے اس کے قدم ساکت ہو گئے تھے۔ وہ تو دن کے اجالے میں بھی اس شخص کی طرف سے نہایت بدگمان رہتی تھی اور اب رات کے اندھیرے میں وہ اس کے در پر کیسے دستک دے لیتی۔

شارق کی نظروں کی تحریر

آنکھوں کے پیام

ہر چیز روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔

حیرت ہے۔ نویرہ حیران تھی کہ وہ چائے تیار کرنے کے لیے کیسے مان گئی تھی۔ اسے اپنی گزشتہ کیفیت ایک دم یاد آنے لگی۔

"اندر جاؤں کہ نا.....؟"

اس کے اندر زبردست تحریک برپا ہو چکی تھی۔

جو اسے اندر جانے سے بری طرح روک رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے۔ کھا تو نہیں جائیں گے مجھے۔ اب تو ذمہ داری لے لی۔ چائے پکڑاتے ہی واپس ہو لوں گی۔" اپنے ہی احساسات سے گھبرا کر اس نے خود کو ڈانٹ دیا بلکہ اس نے اپنے آپ کو بہلایا تھا۔ دل کو حوصلہ دیا۔

اپنے ساکت قدموں کو طاقت فراہم کی تھی

کانپتے وجود کو عذر پیش کیا۔

دھیرے سے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ....." بھاری گمبھیر آواز نویرہ کے کانوں سے ٹکرائی۔

اس نے آہستگی سے دروازہ دھکیلا تھا۔

شارق زمان اسے کمرے میں دکھائی نہ دیا۔ اس نے تعجب و تجسس سے اطراف میں نگاہ کی۔ شارق زمان ڈریسنگ روم کے دروازے سے باہر آیا تھا۔ کچھ دیر قبل لباس تبدیل ہو چکا تھا۔ اس وقت اس کے جسم پر صرف ٹراؤزر اور بنیان تھی۔

"بن گئی چائے؟" وہ اس کے قریب آ ٹھہرا تھا۔ نویرہ کی نگاہیں خود بخود جھکتی چلی گئیں۔

"خفت، غصہ، خجالت..... نجانے کس کس احساس نے ایک دم اس کے اعصاب کو جھنجوڑ دیا تھا۔ اسے شارق زمان کے وجود سے انتہائی ناگواری محسوس ہوئی۔ دروازے پر دستک دینے کا مطلب ہی یہی تھا کہ اس نے اسے اپنی آمد سے آگاہ کیا تھا۔ اس کی اجازت سے اندر داخل ہوئی تھی پھر بھی شارق زمان اس حلیے میں تھا جس میں کبھی اس کے بھائی اسے دکھائی نہ دیے تھے۔ نویرہ کے اعصاب زبردست تحریک کی زد میں آ گئے۔

"جی۔" جواب میں صرف یہی کہہ سکی۔

شارق نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کپ لیا بغور اس کا جھکا سر دیکھا۔

"بیٹھو۔" وہ واپسی کے لیے پلٹی تھی اس آواز پر ٹھہر سی گئی۔

"جی شکریہ۔ نیند آ رہی ہے۔ رات گئے تک میں کبھی نہیں جاگی۔ صبح اٹھنے میں دقت ہوتی ہے۔" اپنی طرف سے اس نے دھیمے اپنے مخصوص ٹھہرے لہجے میں انکار کر دیا تھا مگر شارق زمان نجانے کیا سوچے ہوئے تھا فوراً بولا۔

"کچھ دیر بیٹھو تو سہی۔ نیوز سنتے وہیں صوفے پر ہی آنکھ لگ گئی تھی۔ اب تو نیند مشکل سے ہی آئے گی۔"

چائے کے سپ لیتے شارق کے اصرار پر نویرہ کو مزید کوفت ہوئی۔ وہ یہاں ایک منٹ مزید ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی کجا کہ بیٹھنا..... وہ مڑے بغیر رکی ہوئی تھی۔

"میں چلتی ہوں۔" اس نے ابھی قدم اٹھائے ہی تھے کہ شارق زمان فوراً اس کے راستے میں حائل ہوا تھا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے..... کچھ دیر ٹھہرو تو سہی۔ ہر وقت کھنچی کھنچی سی رہتی ہو۔ ایسی بھی کیا ناراضی.....؟"

رات کے اس پہر شارق زمان نویرہ کو اپنے روم میں دیکھ کر جیسے ہر بات بھول چکا تھا۔

ہر احساس، ہر رشتہ.....

بس ایک ہی کیفیت اس کو چاروں طرف سے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی کہ.....

نویرہ اس کے سامنے تھی۔

اس کے کمرے میں اس کے پاس تھی۔

جیسے اس نے پہروں سوچا تھا۔

وہ آج روبرو تھی۔

مزید کوئی بندش، کوئی رشتہ، کوئی بات یاد نہ تھی۔

اور نہ ہی وہ کچھ اور یاد رکھنا چاہتا تھا۔

"جی....." نویرہ ہکا بکا ایسے سامنے کھڑے شارق زمان کو دیکھ رہی تھی جو اسے کچھ عجیب سا ناقابلِ فہم لگا۔

نویرہ کو اپنا دماغ سرسراتا محسوس ہوا۔

شارق زمان نے مسکرا کر پیچھے ہٹتے ہاتھ کی پشت سے کمرے کے دروازے کو بند کر دیا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں دروازہ کھولیں....."

نویرہ کو اپنے اعصاب جھنجلاتے محسوس ہوئے۔ وہ لمحوں میں چیخی۔

شارق زمان نے اس کے غصے سے کہے الفاظ کی پروا کیے بغیر دروازے کا بولٹ چڑھا دیا تھا۔

PDF FILE.BLOGSPOT.COM

نویرہ کو اپنے حلق میں اپنا سانس اٹکتا محسوس ہوا۔

"شارق بھائی....." اسے اپنی آواز بھی قطعی اجنبی لگی۔ "یہ..... یہ..... کیا ہے.....؟"

ناقابلِ بیان تفکرات واوہام کے ناگ ایک دم نویرہ کے دماغ میں پھن پھیلائے آ ٹھہرے۔ پھنسی پھنسی آواز میں وہ بمشکل اپنے حواس قابو میں کر پائی۔

"بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے۔ کل کی رات تمہیں چھوئے بغیر ہی پلٹ آیا۔ کل کی کیفیت خود سے لڑنا۔ کچھ بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا اوہ وہ نواز اس نے تمہارا ہاتھ تھاما تھا۔ جی چاہ رہا تھا اس کے ہاتھ توڑ دوں۔ تم بہت اچھی ہو۔ تمہیں کوئی اور دیکھے بھی تو رقابت محسوس ہونے لگتی ہے۔ تم نے رضا سے کیا بات کی.....؟ کیا کہہ رہا تھا وہ چھوٹا سا ہے مگر بڑا تیز ہے..... بچ کر رہنا اور تم مجھ سے یہ کھنچی کھنچی کیوں رہتی ہو.....؟ اتنا ڈرتی کیوں ہو مجھ سے.....؟ میں تو....." ایک دو گھونٹ میں ہی چائے ختم کر کے کپ سائیڈ میں پڑے ٹیبل پر رکھتا وہ نویرہ سے مخاطب تھا اور نویرہ.....

اس کی وہ کیفیت تھی کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔

بالکل گم صم..... بے حواس وہ شارق زمان کو دیکھ رہی تھی۔

بلکہ صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس کے سامنے جو شارق کھڑا نجانے کون تھا اور جس شارق زمان کو وہ برسوں سے جانتی تھی وہ پتا نہیں کہاں تھا۔

یہ الجھا الجھا سا لہجہ..... بکھرا حال اور وحشی نظریں.....

نویرہ کا پورا بدن پسینے سے نہا گیا۔

خوف نے پورے وجود پر اپنے خونی پنجے گاڑھے۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ..... ہوش میں تو ہیں؟" نویرہ کو اپنی پھٹی پھٹی آواز خود بھی اجنبی لگی.....

لاشعوری طور پر دو تین قدم پیچھے ہٹی۔ اسے شارق زمان سے اس سے بہت خوف محسوس ہوا۔

"ہوش....." شارق زمان نے قہقہہ لگایا تھا۔ نویرہ کی آنکھیں بھی پھٹی پھٹی تھیں۔ "نہیں میری جان! تم جیسی جیتی جاگتی قیامت کو سامنے دیکھ کر کون کافر ہوش میں رہ سکتا ہے..... کتنی معصوم ہو تم..... خود ہی میرے آتشِ شوق کو بڑھا کر پوچھ رہی ہو کہ ہوش میں تو ہوں..... (قہقہہ) واہ کیا کہنے معصومیت کے....."

نویرہ ایک دم حواس میں لوٹی تھی۔

لمحوں میں صدیوں کا فاصلہ اس کے ادراک کی گہرائیوں نے ناپا تھا۔ وہ اس وقت کس مشکل گھڑی سے دوچار ہو چکی تھی اسے آنے والے حالات کی سنگینی کا ایک دم احساس ہوا تھا۔

اپنی بے یقینی کی کیفیت سے نکل کر اس نے صرف اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھا تھا جس پر شیطانیت پوری طرح قبضہ جما چکی تھی۔

مگر نویرہ کی عقل کام کرنے سے قاصر تھی کہ وہ ان لمحوں سے کیسے بچے.....

"پلیز شارق بھائی! مجھے جانے دیں..... دروازہ کھولیں۔"

شارق زمان کو قدم بہ قدم اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ خوف و دہشت سے چیخی تھی۔

"ہوں..... جانے دوں گا..... ابھی نہیں..... پہلے میری حکایتِ دل تو سن لو۔ بڑا ارمان تھا اپنے اس کمرے میں کسی اور روایتی موقع پر تم سے بہت کچھ کہنے کا۔ خیر بُرا موقع تو یہ بھی نہیں۔ بس وہ سنو جو میں کہہ رہا ہوں۔ باقی سب بھول جاؤ۔ صرف مجھے سنو..... صرف مجھے۔"

نویرہ پیچھے دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔

خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔

"یا اللہ..... ہائے اماں....."

بے اختیار اس کے ہونٹوں سے الفاظ بکھرے تھے اور آنکھوں سے آنسو۔

شارق زمان نے بہت سرعت سے دیوار کے دونوں طرف اپنے مضبوط ہاتھ ٹکائے فرار کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔

رضا کی کال.....

اماں کی باتیں.....

بیک وقت کئی چیزیں نویرہ کے ذہن کی اسکرین پر جگمگائے تھے۔ شارق زمان اس پر جھکا تھا جب کہ ایک دم نویرہ کو اپنے حواس برف کے تودے میں مقید محسوس ہوئے۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

یہ چراغ بے نظر ہے' یہ ستارہ بے زباں ہے
ابھی تجھ سے ملتا جلتا کوئی دوسرا کہاں ہے
کبھی پا کے تجھ کو کھونا' کبھی کھو کے تجھ کو پانا
یہ جنم جنم کا رشتہ تیرے میرے درمیاں ہے

گلوکار کی آواز دلکش تھی کہ اس کے اندر اک طغیانی سی تھی۔ رضا حمید کو اپنی آنکھیں بھیگتی محسوس ہوئیں۔ بعض اوقات شاعر حضرات بھی کیسے کیسے دل کی بات لفظوں میں کہہ جاتے ہیں۔

کرسی پر جھولتے ہوئے وہ اپنے تخیل کی وادیوں میں الجھتے ہوئے نہ جانے کہاں جا بھٹکا تھا' جہاں خوشیاں تھیں' قہقہے تھے' خواب تھے' ارمان تھے اور نوریہ احسان تھی۔

"تو یہ طے ہے نوریہ احسان! تم اب ہمیشہ کے لیے میری زندگی کا ایک ناسور بن جاؤ گی۔ ایک رستا ہوا ناسور..... میں تو تمہیں اپنا حالِ دل کہہ بھی نہیں سکتا۔ کاش میں کچھ کہہ دیتا مگر اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ نوریہ احسان تم تو نواز فاروق کی قسمت کا درخشاں ستارہ ہو۔ میں نے امی کے سامنے اپنے رازِ دل کی افشانی سے اگر خوش نہیں ہوں تو نادم بھی نہیں ہوں۔ تمہیں پانا میرے اختیار میں نہیں مگر میری دعا ہے نواز فاروق اللہ تمہیں اتنی خوشیاں دے کہ تمہیں دامن تنگ پڑتا محسوس ہو..... تم نے شاید مجھے کبھی ایک کزن' ایک چھوٹے بھائی کے علاوہ کوئی اہمیت نہ دی ہو مگر میرا دل تو تمہاری دھڑکنوں کے یقین کا خواہاں ہے۔ پتا نہیں کیوں میرے دل کا تمہارے دل سے ایسا ربط بندھ گیا ہے کہ اگر تمہیں کچھ ہو تو میری روح تک تڑپ اٹھتی ہے۔ یہ محبت ہے یا احساس کا جاوداں تخیل جو تمہاری ذات سے وابستہ ہو چکا ہے۔

نرمی سے اپنی دائیں آنکھ کی نمی انگلی سے جھاڑتے ہوئے اس نے اپنے خیالات کے تسلسل کو بھی ریزہ ریزہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے رضا حیدر اسی طرح کرسی پر پاؤں پھیلائے دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے آپ سے ہی نبرد آزما تھا۔

کچھ دیر پہلے وہ سو چکا تھا' گہری نیند میں تھا۔ وہ خواب تھا یا کوئی وہم۔ سوتے میں اسے بری طرح جگا گیا تھا۔ وہ تو کبھی بھول کر بھی نوریہ کا برا نہیں چاہ سکتا تھا پھر خواب کیسا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ موسم ٹھنڈا ہونے کے باوجود اسے اپنے جسم سے پسینے چھوٹتے محسوس ہوئے تھے اور پھر بغیر کچھ سوچے سمجھے اس نے بڑی اماں کے ہاں کال ملا دی تھی۔ امی سے ہی پتا چلا تھا کہ نوریہ

ادھر ہے اور کال نوریہ نے ہی ریسیو کی تھی۔ اس سے بات کرنے کے بعد اسے مطمئن و پرسکون ہو جانا چاہئے تھا مگر وہ نہیں ہو پایا تھا اور اس کے بعد وہ سو بھی نہیں سکا تھا۔ دل کو گویا پتنگے سے لگے ہوئے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر نوریہ احسان تک جا پہنچے۔ اسے اپنے دل کی بے قراری بتائے۔ اپنے دل کے تمام رازوں کو اس پر آشکار کر دے مگر وہ مجبور تھا بہت زیادہ۔

کمرے کے زیرو پاور کے بلب کی سبز روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی' دل کی وحشت کا عجیب عالم تھا۔

نوریہ احسان تمہیں تو شاید گمان بھی نہ ہو یہاں کسی کی زندگی کن طوفانوں کی زد پر ہے۔ کوئی کیسے جیتا ہے اور کیسے دل کو بہلاتا ہے۔ کاش محبت کرنا میرے اختیار میں ہوتا۔ وہ بلک اٹھا تھا۔ کیا دل کے زخموں سے خون رسنے لگا ہو۔

یہ رات رضا حمید پر بہت بھاری تھی۔ دل نے جس کی چاہ کی تھی' وقت گزرا تو دل کی چوری بھی کھلی اور تب کچھ بھی اختیار میں نہیں تھا۔ وہ نارسائی کا غم نہیں منانا چاہتا تھا مگر یہ یاد بھی کیسے کیسے انسان کو دیوانہ بناتی ہے۔ ہوش و خرد سے بیگانہ انسان مجنوں بن جاتا ہے۔ فرہاد کا لقب پالیتا ہے۔ ہائے انسان..... رضا نے خاموشی سے اٹھ کر ریکارڈر بند کیا تھا۔ بھیگے چہرے سمیٹ کر وہ واش روم میں گھس گیا تھا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا چہرہ دیکھا۔ بھیگی مترنم آنکھیں۔ رضا کی پلکیں پھر بوجھل ہونے لگیں۔

"یا اللہ میں سب کچھ مان چکا ہوں۔ میں نے اپنے دل کا اختیار تجھے سونپا' بس تو مجھے رسوا نہ کرنا۔ مجھے اپنی فکر نہیں۔ فکر ہے نوریہ احسان کی۔ وہ دودھ کی طرح پاک صاف لڑکی میری نارسائیوں میں' میری رسوائیوں کی حقدار نہیں۔ بس مجھے تھوڑا صبر دے۔ حوصلہ دے۔ مجھے اتنی استقامت بخش کہ اپنے نفس کے عذاب میں تنہا جھیل سکوں۔"

منہ دھوتے' وضو کرتے اس کے ہونٹوں پر التجائیں تھیں' صدائیں تھیں' خاموش دعائیں تھیں۔

ماں کو اپنی کیفیت بتا چکا تھا۔ اس ماں کے اختیار میں اب کچھ بھی نہ تھا۔ اب اس کا درد سننے والا صرف اللہ تھا جس کے اختیار میں سب کچھ تھا۔ بے شک وہ برحق کہتا ہے۔

"بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس نے جاء نماز بچھائی تھی۔

بڑے خشوع و خضوع سے رکوع و سجود کرتے اس کے دل و دماغ کا غبار چھٹتا چلا گیا تھا۔

رفتہ رفتہ اس کے اندر ایک سکون کی کیفیت اترتی رہی۔ دل مطمئن ہوتا چلا گیا۔

دل کی وحشت و بے سکونی ایک مسحور کن ٹھہراؤ سے دوچار ہوتی چلی گئی۔

روح و قلب میں اطمینان کی صدائیں گونجنے لگیں۔

خدا کا کلام برحق ہے۔

اللہ نے سچ فرمایا ہے۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"اے ایمان والو! نماز اور صبر سے سہارا حاصل کرو۔"

مومن کی تو نشانی ہی یہی ہے کہ وہ ہر حال میں خدا کو پکارے۔ صرف اسی کے سامنے دستِ دراز ہو۔ خدا کے حضور سر جھکائے لرزتے دل' کانپتے ہونٹوں سے ہاتھ پھیلائے ہوئے اس کے ہونٹوں پر صرف یہی دعا تھی۔

"یا اللہ..... نویرہ احسان کو ساری زندگی کی خوشیاں دے دے۔ میرے مقدر کی خوشیاں بھی اس کے نام لکھ دے۔ اسے ہر غم' ہر تکلیف' ہر ذلت و شرمندگی سے بچالے..... بچالے پروردگار! اسے ہر غم و تکلیف سے بچالے۔ اور مجھے صبر و سکون دے۔ میرے دل کی آگ بجھادے۔ بے شک ہر چیز پر تو قادر ہے۔ میری ذات پر تیرا ہی اختیار ہے۔ بے شک تو رات کی تاریکیوں میں مانگی گئی دعائیں ضرور قبول کرتا ہے۔"

اس کے لب ہولے ہولے ہل رہے تھے۔ اس کا دل عرش کی طرف محوِ پرواز تھا۔ رگ و پے میں ایک سکون و اطمینان کی کیفیت اترتی چلی گئی تھی۔

بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب ضرور دوں گا۔"

✿.....✿.....✿

نویرہ احسان کو اپنے اعصاب اپنے بس سے باہر ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ شارق زمان اس پر جھکا تھا۔ نویرہ احسان اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے کچھ سمجھنے کی پوزیشن میں بالکل بے سدھ کھڑی تھی۔ پیچھے دیوار تھی۔ دائیں بائیں فرار کی تمام راہیں مسدود تھیں اور سامنے وہی تھا۔

اعتبار اس طرح بھی مجروح ہوتا ہے اسے کبھی گمان بھی نہ تھا۔

اپنے یوں بھی نقب زنی کرنے چلے آتے ہیں۔

نویرہ کی پلکوں سے آنسو بہتے چلے گئے۔

"کیوں روتی ہو..... اتنے اہم ہیں یہ موتی..... اتنی بے دردی سے بہاؤ گی تو باقی کیا رہ جائے گا۔ ویسے بھی مجھے عورتوں کا آنسو بہانا زہر لگتا ہے مگر اس وقت تم پر پیار آرہا ہے۔ نویرہ احسان میرے سامنے میرے یوں اتنے قریب ہے۔ میں اسے چھو سکتا ہوں' محسوس کر سکتا ہوں۔"

وہ واقعی ہوش میں نہیں تھا۔ شارق زمان اگر ہوش میں ہوتا تو اسے احساس ہوتا کہ وہ کیا کر رہا ہے' کیا کہہ رہا ہے اور سب سے بڑھ کر کس کے سامنے کہہ رہا ہے۔ شارق زمان نے اسے کندھوں سے تھام لیا تھا۔

نویرہ کو لگا جیسے کسی نے آگ میں جھونک دیا ہو۔ پورا بدن جل اٹھا۔

وہ تڑپ تڑپ اٹھی۔

شارق زمان کی آہنی گرفت میں مچل مچل گئی۔

"چھوڑو..... مجھے..... خدا کے لیے چھوڑو؟"

بڑی شدید مزاحمت لیے وہ اس کی آہنی گرفت سے اپنا آپ چھڑانے کو تڑپ رہی تھی۔

مگر شارق زمان پر اس کے رونے' گڑگڑانے' مچلنے' تڑپنے' کسی بھی عمل کا اثر نہ ہوا تھا۔ نویرہ کی چادر اس کے کندھوں سے گر کر قالین پر اپنے ہی پیروں تلے الجھ گئی تھی۔

"خدا کے لیے شارق بھائی..... اتنا ظلم نہ کریں..... چھوڑیں مجھے..... کچھ تو خیال کریں' میں آپ کی عزت ہوں۔ اس خاندان کی بیٹی ہوں....."

نویرہ کے حواس آہستہ آہستہ بحال ہو رہے تھے۔

وہ چیخ رہی تھی مگر دوسری طرف اس وقت انسان نہیں کوئی جلاد صفت شیطان تھا جس پر اس کی کسی بھی چیخ و پکار کا قطعی اثر نہ تھا۔

رونا گڑگڑانا قطعی بے سود تھا۔

"اتنا شور کیوں کر رہی ہو۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ تمہیں شاید علم ہو کہ میرا یہ روم ساؤنڈ پروف ہے۔ پھر اماں میڈیسن لے کر سوئی ہیں اتنی جلدی نہیں اٹھیں گی۔" اس کے چیخنے چلانے پر شارق زمان نے برہمی سے اسے جھڑک دیا تھا۔

"چھوڑیں مجھے..... مجھے نہیں اندازہ تھا آپ اتنے گھٹیا ہو سکتے ہیں۔ میری اماں اتنا اعتبار کرتی تھیں آپ پر۔ خدا کے لیے اتنا تو سوچیں میں کوئی غیر نہیں' سگی چچا زاد ہوں آپ کی..... نبیل بھائی' نواز' اماں کسی کا تو خیال کریں۔"

اس کی گرفت میں وہ بھرپور مزاحمت کر رہی تھی۔

"نویرہ! مجھے مجبور نہ کرو کہ تم پر ہاتھ اٹھاؤں۔"

اسے کسی بھی طرح قابو میں نہ آتا دیکھ کر شارق زمان پھنکارا تھا۔ اس کی پھنکار میں نویرہ کو اژدھوں کی سی لپک محسوس ہوئی۔

"ویسے اتنی نازک سی تو ہو..... یہ قیامت کی سی مزاحمت کہاں سے آگئی تمہارے اندر۔" دوسرے ہی لمحے وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"خدا کے لیے مجھ پر ترس کھائیں..... چھوڑیں مجھے....." نویرہ کو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ بس لگ رہا تھا کہ کسی بھی پل روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ جائے گی۔

"تم مجھ پر رحم کھاؤ..... تمہیں واقعی مجھ پر ترس نہیں آرہا..... یقین کرو کبھی میں نے کسی عورت کو اپنے اتنا قریب نہیں کیا۔ ہزاروں سے دوستی ہے' حسن بہت ہے مگر اندر سے سب خالی ہیں اور تم....."

اس نے نویرہ کی آنسوؤں سے لبریز نگاہوں کو بغور دیکھا تھا پھر مسکرایا تھا۔ "اور تم ان سب سے مختلف ہو۔ پہلی دفعہ تمہارے اسی ڈھکے چھپے انداز نے مجھے تمہاری طرف راغب کیا تھا۔ ایسی عورت بہت بڑا راز ہوتی ہے۔ تم میرے دل کے اندر زخم کرتی گئی ہو۔ تم جانتی ہی نہیں ہو تم کیا ہو....."

نویرہ کا دل رو دیا۔ ایک دم اللہ سے دل سے موت کی دعا مانگی۔

ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں..... بے ضمیر..... گھٹیا۔"

BEST NOVEL.BLOGSPOT.COM

نویرہ احسان جو ہمیشہ اپنے آپ کو سینچتی سنبھالتی آئی تھی۔ اسکول و کالج کے دوران ہزار ہا والہانہ نگاہوں نے پیام دیے تھے مگر کبھی نگاہ اٹھا کے نہ دی۔ صرف اس لیے نہیں کہ اسے یہ پسند نہیں تھا صرف اس لیے کہ اس کے مذہب میں اس کی گنجائش نہیں۔ اس کی تربیت میں یہ اثر نہیں اور یہ شخص نہ جانے اس کے کن گناہوں کا عشر تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

انتہائی کیفیت میں اس نے شارق زمان کا چہرہ' گریبان نوچ کھسوٹ ڈالا تھا۔ نہ جانے اس کے اندر اتنی طاقت ایک دم کہاں سے آ ٹھہری تھی۔ شارق زمان اسے بازو کی گرفت میں لیے مسلسل اس کے ہاتھ روکنے کی کوشش میں تھا مگر وہ قابو میں ہی نہیں آ رہی تھی۔ شارق زمان نے بازو اس کی کمر سے ہٹا کر اسے دونوں ہاتھوں سے تھامنا چاہا تھا تبھی وہ اسے پیچھے دھکیلتی بستر سے اتر کر بھاگی تھی۔ آٹومیٹک دروازے کا بولٹ گھبراہٹ و افراتفری میں اس سے کھل نہیں رہا تھا۔ لمحوں میں شارق زمان اس کے سر پر تھا۔

''نویرہ تم خوامخواہ اپنا بھی وقت ضائع کر رہی ہو اور میرا بھی۔'' اسے بازو سے پکڑ کر اس نے غصے سے جھڑکا تھا۔

نویرہ نے نفرت سے اس کے منہ پر تھوک دیا۔

''تمہاری اوقات اس سے زیادہ میری نظر میں نہیں ہے' سمجھے تم۔'' نفرت' غم' بے بسی' کیا کچھ نہیں تھا اس وقت نویرہ کے لہجے میں۔

''تم..... تم نے مجھ پر تھوکا ہے.....'' شارق زمان نے غصے سے اسے ایک دم جھنجوڑ ڈالا تھا۔

ایک تھپڑ کھینچ کے اس کے رخسار پر مارا تھا۔ اتنا زوردار تھپڑ تھا کہ نویرہ کو اپنے سامنے تارے سے ناچتے محسوس ہوئے۔

''بہت لحاظ کر رہا ہوں میں تمہارا..... اب نہیں..... تم میری خواب گاہ میں ہو۔ اب میری مرضی سے ہی باہر نکل سکتی ہو۔'' اس کے وحشی لہجے کی پھنکاریں ایک پل کو نویرہ کے اعصاب کو سہا گئی تھیں مگر اگلے ہی لمحے وہ بپھر گئی تھی۔

''میں مر جاؤں گی شارق زمان مگر تمہارے ناپاک ارادے پورے نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔ اپنے قدموں پر وہ ایک دم مضبوط ہوئی تھی۔ جیسے موت سے لڑتا انسان آخری پل زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ یا پھر موت کے احساس سے بے نیاز شخص ہر چیز بھول جاتا ہے۔

وہ بھرپور مزاحمت کر رہی تھی۔

اس کے گلے کی زنجیر ٹوٹ کر گری تھی۔ شارق زمان کے سخت پتھریلے ہاتھوں سے نویرہ کا ڈوپٹہ پھٹتا چلا گیا تھا۔ نویرہ کو کچھ سمجھ نہ آئی تو اس نے پوری قوت سے شارق زمان کو پیچھے کی طرف دھکیلا تھا۔ لڑکھڑاتی چال سمیت شارق دیوار کے ساتھ جا لگا تھا۔ نویرہ نے زور سے اس کا سر پوری قوت سے دیوار کے ساتھ مارا تھا۔ اس وقت اس کے سر پر اپنے آپ کو بچانے کا سودا سوار تھا چاہے کچھ بھی ہو۔ ایک لمحے کو تو شارق زمان بھی بے حواس ہوا تھا۔ ہاتھوں کی گرفت خود بخود ڈھیلی ہوئی تھی۔ نویرہ نے

اس لمحے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ فوراً دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ ہینڈل گھمایا مگر دروازہ نہیں کھل رہا تھا۔

شارق زمان سنبھل رہا تھا۔ اپنے سر کو تھامتے وہ حرکت کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ نویرہ کے قریب پہنچتا نویرہ نے انتہائی بے بسی سے دروازے کی طرف دیکھا تھا اور پھر باتھ روم کی طرف۔ اس کی آنکھوں میں چمک آئی تھی۔

باتھ روم میں گھس کر اس نے نہ صرف دروازہ لاک کیا تھا بلکہ چٹخنی بھی چڑھا دی تھی۔ دروازے کے ساتھ لگ کر وہ تھر تھر کانپنے لگی تھی۔

''دروازہ کھولو نویرہ..... دروازہ کھولو.....'' شارق زمان دروازے کو ٹھوکریں مار رہا تھا مگر نویرہ پوری قوت سے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑی رہی۔ وہ تو بمشکل بچ پائی تھی۔ اب کیسے اس قید سے نکلتی۔ جوتے وہیں کہیں رہ گئے تھے۔ ٹھنڈا فرش اس موسم میں اس کے وجود کو نقصان پہنچا سکتا تھا مگر جب انسان ہر احساس سے بیگانہ ہو جائے تو پھر دوسری حاجات بہت بے معنی سی محسوس ہونے لگتی ہیں۔

دروازہ زور زور سے دھکیلا جا رہا تھا۔ نویرہ کو محسوس ہوا کہ کہیں وہ دروازہ توڑ کر اندر داخل نہ ہو جائے۔ اس کے دل کا خوف بڑھا تھا۔ وہ ایک دم دروازے سے ہٹ کر چاروں طرف دیکھنے لگی تھی۔ باتھ روم میں صرف یہی ایک دروازہ تھا۔ ایک روشن دان تھا مگر وہ بہت اونچا تھا۔ وہاں تک وہ پہنچ بھی جاتی تو باہر نکلنا ناممکن تھا کیونکہ وہ روشن دان گھر کے عقب میں نہ جانے کس طرف کھلتا تھا۔ اب صرف ایک ہی صورت رہ جاتی تھی کہ وہ اسی قید خانے میں رہ کر اپنے بچاؤ کا سامان کرتی۔

واش بیسن کے اوپر لگے شیشے کے اوپر شیو کا سارا سامان رکھا ہوا تھا۔ شیمپو' برش' ہر چیز تھی۔ نویرہ کا ذہن لمحوں میں ہر نفع و نقصان سے آزاد ہوا تھا۔ شیونگ سامان میں پڑا ہوا بلیڈ کا پیکٹ اس نے تھام لیا تھا۔ باہر ابھی بھی دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔ شارق زمان ابھی بھی چیخ رہا تھا۔ ایک نظر دروازے کو دیکھتے اس نے پیکٹ میں سے ایک بلیڈ نکال لیا تھا۔ باقی پیکٹ مٹھی میں دبائے اس نے وہ بلیڈ اپنی انگلیوں میں کھڑا کیا تھا۔

یا تو مر جاؤں گی یا مار ڈالوں گی۔

اس کی آنکھوں میں ایک عزم سا پیدا ہوا تھا۔

سارا ڈر خوف و ہراس اپنے پاؤں پر سر رکھے بھاگ نکلا تھا۔

✿.....❁.....✿

علی نے کال کر کے ڈاکٹر مرتضیٰ کو بلایا تھا۔ ڈاکٹر نے آتے ہی چیک اپ کے بعد ایک انجکشن لگایا تھا۔

''ڈاکٹر کوئی پریشانی والی بات تو نہیں.....''

سعید احمد کافی متفکر تھے۔ طاہرہ بیگم بھی پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔

''نہیں..... بس موسمی اٹیک لگ رہا ہے۔ فزیکلی تو بچی نارمل ہی محسوس ہو رہی ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے کوئی ذہنی ٹینشن ہو۔''

انہوں نے دونوں میاں بیوی کو دیکھا تھا اور سعید احمد نے طاہرہ کو' وہ خود بھی حیران تھیں۔ فرح کو

BLOGSPOT.COM

بیٹھے بٹھائے کس ٹینشن نے آلیا کہ وہ منٹوں میں غافل ہوگئی۔

"نہیں ٹینشن تو کوئی نہیں۔ اچھی بھلی رہی تھی سارا دن..... ہاں موسمی اٹیک ہوسکتا ہے۔" انہوں نے فوراً تردید کی تھی۔

ڈاکٹر نے سرہلاتے پیڈ پر کچھ میڈیسن لکھ دی تھیں۔

"سعید صاحب یہ منگوالیں۔ اوپر درج ہدایت کے مطابق یوز کروائیں انشاء اللہ صبح تک بچی کی طبیعت بحال ہوجائے گی۔"

سعید صاحب نے پرچا تھام لیا تھا۔ چند ہدایات کے بعد ڈاکٹر صاحب رخصت ہوگئے تھے

فرح ابھی بھی غنودگی کی کیفیت میں تھی۔ علی خاموشی سے بستر کی دوسری طرف بیٹھا ہوا تھا۔ فرح ان سب کی لاڈلی ہی نہیں' چہیتی بھی تھی۔ نہایت حساس اور سمجھ دار سی بہن تینوں بھائیوں کی جان تھی اور سعید احمد تو اس سے خصوصی لگاؤ رکھتے تھے۔ بیٹی رحمت ہوتی ہے۔ فرح کی پیدائش پر سب سے زیادہ وہی خوش ہوئے تھے۔ بیٹی کا خاص خیال بھی رکھتے تھے۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ وہ تو بڑی سے بڑی بات پر بھی کبھی بیمار نہیں ہوئی تھی۔ بہت کم اسے بخار ہوا تھا مگر آج..... وہ فزیکلی ہمیشہ سے بہت مضبوط رہی تھی۔

"کیا ٹینشن لی ہوگی اس نے؟" چوکیدار کے بیٹے کو میڈیسن لانے کو بھیج کر وہ مسلسل یہی سوچتے رہے تھے۔

انجکشن کا اثر تھا کہ گھنٹے بعد فرح کی غنودگی کم ہونا شروع ہوگئی تھی۔ طاہرہ بیگم نے اسے کھانا کھلا کر میڈیسن دی تھی۔ علی اور سعید احمد نے بھی اسے حواس میں آتے دیکھ کر کھانا کھایا تھا۔ طاہرہ بیگم فرح کے سرہانے بیٹھی اس کا سر دباتی رہی تھیں۔ دس بجے کے قریب سمعان کی واپسی ہوئی تھی۔

علی سے بھی فرح کی خراب طبیعت کا سن کر فوراً اس کے کمرے کی طرف آیا تھا۔

"کیا ہوا..... کیسے ہوگئی طبیعت خراب؟"

وہ شاید میڈیسن کی وجہ سے سوچکی تھی۔ طاہرہ بیگم اس کا سر دبا رہی تھیں۔ پریشانی سے دریافت کرتے فرح کا چہرہ دیکھتے وہ اس کے پاس ہی بستر کے کنارے پر ٹک گیا تھا۔

"پتا نہیں..... ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ شاید کوئی ٹینشن لی ہے اس نے۔ بھلا ایسی کیا ٹینشن لے لی اس نے۔ اس گھر میں تو چوبیس گھنٹے ٹینشن کی فضا برقرار رہتی ہے۔ ایسے ماحول میں تو انسان بڑی سے بڑی ٹینشن میں بھی بحال رہتا ہے۔ میرا خیال ہے موسمی اٹیک ہے اور کچھ نہیں۔ ٹینشن کے تو اب اس گھر میں سبھی عادی ہیں۔"

سمعان احمد نے صرف ماں کی صورت دیکھی تھی۔ دل تو چاہا کہ کہہ دے۔ آپ بیٹی کی ماں ہوکر اتنی غافل کیسے رہ گئیں کہ بیٹی انجان شخص کی دھمکیوں سے خود ہی لڑتی رہی۔ سب سے زیادہ گھر میں فرح کے ساتھ ان کا اور علی کا ہی وقت گزرتا تھا۔ ایسے میں فون کالز کا سلسلہ شروع ہوا اور طاہرہ بیگم بے خبر ہوں' سمعان کو ہضم نہیں ہورہا تھا۔ وہ تو اولاد کے سلسلے میں کافی تیز نگاہی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ پھر اس

معاملے میں ان سے کیسے چوک ہوگئی۔ کیسے کوتاہی ہوگئی کہ فرح اس حد تک چلی گئی۔ بلکہ اس شخص کے فریب میں پھنس گئی۔

"تمہارا نمبر بند تھا۔ علی نے کتنی دفعہ نمبر ملایا تھا۔ اب اکثر تم نمبر بند کرنے لگ گئے ہو۔ خیریت....." شکی انداز میں وہ تفتیش کررہی تھیں۔

وہی شکی انداز جو اگر والدین کی طرف سے ہو تو اولاد کے سینے میں گہرا شگاف ڈال دیتا ہے۔

اس سے سمعان احمد نے خود کو خاصا بے بس محسوس کیا۔

"کیا مطلب.....؟" ایک لمحے کی تلخی پورے وجود میں سرایت کرگئی۔

"صاف واضح سا سوال ہے۔ ظاہر ہے تمہارا نمبر بند تھا۔ تمہارے والد صاحب خاصے متفکر تھے۔ مجھے تم میٹنگ میں کہہ کر گئے تھے۔ اب میں کیا جانوں تم کہاں تھے۔ نمبر کیوں بند کیا' پریشانی تو فطری سی بات ہے۔"

سمعان احمد کے اندر شدید مزاحمت انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی۔

اسلام آباد والی حرکت کے بعد طاہرہ بیگم اب سمعان احمد کی ہر حرکت کو مشکوک نظروں سے جانچ رہی تھیں۔ سمعان اچھی طرح سمجھ رہا تھا مگر کچھ بھی کہنے سے قاصر تھا کہ مقابل اس کی ماں تھی۔ وہ رشتوں کو اہمیت دینے والا' ان کی قدر کرنے والا انسان تھا۔ ماں کی طرف سے اس قدر بے یقینی و شدید بے اعتباری کی وجہ سے سمعان خود کو کچھ بھی کہنے سے بمشکل روک پایا کہ رشتوں کا احترام وہ ہر حال میں کرنے والا انسان تھا۔ حالات کچھ بھی ہوں اس نے اپنی ماں کی ہر موقع پر عزت کی تھی۔

"میٹنگ کے دوران ڈسٹربنس کی وجہ سے نمبر آف کیا تھا اور کوئی بات نہیں۔ مزید آپ جو بھی سوچیں یہ آپ کی ذہنی اختراع ہے۔ ہر انسان اپنے سوچنے سمجھنے میں آزاد ہے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی نوکِ زبان پر در آئی تھی۔ طاہرہ بیگم نے خشمگیں نظروں سے دیکھا۔

"میڈیسن لی' ڈاکٹر کو دکھایا؟" قبل اس کے کہ وہ بھی جواباً ٹمپرامنٹ لوز کرتیں' سمعان نے بات ہی بدل دی تھی۔

"ہاں! ڈاکٹر مرتضیٰ آکر دیکھ گئے تھے۔ انجکشن لگایا تھا۔ میڈیسن بھی کھلادی ہے۔" انہوں نے بھی خود کو نارمل کرتے فرح کی طرف توجہ دی۔

"یہ سوچکی ہے..... میرا خیال ہے اب صبح تک اس کی آنکھ نہیں کھلے گی۔ آپ بھی آرام کریں۔"

فرح کی پیشانی چھو کر حرارت چیک کرتے سمعان نے انہیں گویا تسلی دی تھی۔ بہرحال وہ ماں تھیں۔ نظریاتی اختلافات ایک طرف مگر وہ بلا کی انا پرست بھی تھیں۔ یہ انا کی جنگ ہی تو تھی کہ ان کے والدین اپنی اولاد کی طرف سے غفلت برت رہے تھے۔ فرح نہ جانے کب اور کیسے والدین کی اندرونی چپقلش سے فرار حاصل کرتے ہوئے نیٹ چیٹنگ کی طرف مصروف ہوئی تھی اور کب اس کی ذات کے اندر شکستگی کی فضا پروان چڑھنا شروع ہوئی۔

لڑکے تو اپنا وقت باہر آنے جانے میں کیسے بھی صرف کرلیتے ہیں' ایسے حالات میں جب والدین

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

اپنی اپنی جنگ انا کے پرچم بلند کیے اپنے اپنے مفادات کو اہمیت دینے لگیں تو خصوصاً بیٹیاں ضرور اثر پذیر ہوتی ہیں۔

سمعان کے اندر تو رنج کی فضا گہری ہوتی چلی گئی۔ بہت محبت و نرمی سے فرح کا ہاتھ تھام لیا۔

"سارا دن مصروف رہی ہوں۔ تھکن ہوگئی ہے۔ میں ادھر اس کے پاس ہی سو جاتی ہوں۔ بخار میں انسان ویسے بھی خاصا حساس ہو جاتا ہے۔ نہ جانے رات کب آنکھ کھلے۔ تم فکر نہ کرو۔ جا کر آرام کرو اور ہاں کھانا کھاؤ گے یا کھا کر آئے ہو....."

سمعان کی آنکھوں سے بہن کے لیے چھلکتی محبت و چاہت محسوس کر کے وہ بھی فوراً نرم ہوئی تھیں۔ فرح کی پیشانی چومتے' اسے بھی ہدایت کرتے آخر میں پوچھا تھا۔

"ہاں کھالیا ہے۔ چائے کی طلب ہو رہی ہے۔"

"میں بنا دیتی ہوں۔" رات کی چائے ہمیشہ فرح ہی بناتی تھی اور سمعان چاہے رات کو کتنا ہی لیٹ آئے یا طاہرہ بیگم سو جائیں' فرح جاگ کر اس کا انتظار ضرور کرتی تھی۔ کھانے چائے کا پوچھتی تھی۔ وہ ان سب بھائیوں سے کتنی محبت کرتی تھی کوئی ان سے پوچھتا۔

"نہیں رہنے دیں۔ آپ پہلے ہی تھک گئی ہوں گی۔ میں ساجدہ سے کہتا ہوں۔" سمعان کو رات کے اس پہر اپنے لیے ماں سے کچھ کروانا اچھا نہ لگا۔ فوراً منع کیا۔

"ماجدہ تو اپنے کوارٹر میں چلی گئی ہے۔ برتن دھوتے ہی میں نے اسے بھیج دیا تھا۔"

"میں خود بنا لیتا ہوں' آپ فکر نہ کریں۔"

سمعان کمرے سے نکل کر اپنے بیڈ روم میں چلا آیا تھا۔ کپڑے چینج کر کے کچن میں آ کر اس نے اپنے لیے چائے بنائی تھی۔ علی اور سعید احمد اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ سمعان احمد چائے کا مگ لیے بیرونی تمام لائٹس آف کرنے' لاک چیک کرنے کے بعد اپنے کمرے میں واپس آ گیا تھا۔ آج سارا دن بہت مصروفیت اور بھاگ دوڑ میں گزرا تھا۔ صوفے پر بیٹھ کر چائے پیتے سمعان احمد کو اپنے جسم کی تھکاوٹ کا احساس ہوا۔

پہلے آفس' شام سے پہلے چچی کے ہاں جانا' وہاں سے واپسی پر گھر آنا' فرح سے ساری تفصیل جاننا' پھر واپس میٹنگ کے لیے جانا اور اب پھر گھر آنا اور فرح کی یہ کنڈیشن۔ آج کا دن صرف جسمانی ہی نہیں' ذہنی مشقت میں بھی بہت بھاری رہا تھا۔ چائے پیتے سمعان احمد کے ذہن میں بھی ایک کشمکش برپا تھی۔

فرح کو پہلے ای میلز کرنے والا' پھر پھول کارڈ' خط بھیجنے والا اور اب کالز کے ذریعے تنگ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

سمعان جتنا بھی سوچ رہا تھا' اتنا ہی الجھ رہا تھا۔ سمعان نے چائے ختم کر کے اپنا موبائل نکالا تھا۔ سی ایل آئی پر درج نمبر سمعان احمد کے حافظے میں فیڈ ہو چکا تھا۔

سمعان نے فوراً نمبر ملایا تھا۔ سمعان کے پاس اتنا کریڈٹ ضرور تھا کہ وہ آرام سے تفصیلی طور پر

تنگ کرنے والے کو اپنے موبائل سے جج کرتا۔

پانچویں بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو....." بہت فریش' بھاری مردانہ آواز تھی۔ آواز اتنی جانی پہچانی محسوس ہوئی کہ سمعان ایک سیکنڈ کو کچھ بھی نہ سوچ سکا۔

"ہیلو' سمعان احمد..... یار کال کی ہے تو بول کیوں نہیں رہے۔ خیریت ہے نا' ہیلو..... ہیلو..... سمعان بولو یار....."

سمعان کو اپنے دائیں کان میں گونجنے والی آواز اپنے ذہن پر کسی ہتھوڑے کی مانند برستی محسوس ہوئی تھی۔

سمعان احمد کو ایک لمحے کو محسوس ہوا تھا کہ اس نے غلط نمبر ڈائل کیے ہیں۔ جلدی سے اسکرین دیکھی مگر نمبر وہی تھے' مگر آواز.....

"ہیلو..... یہ تمہارا نمبر ہے....." سمعان کو اپنی آواز بھی اجنبی محسوس ہوئی۔

"ہاں یہ میرا ہی نمبر ہے۔" دوسری طرف سے تصدیق کی گئی تھی۔

"دوسرا نمبر پھر کس کا ہے؟" سمعان نے دوبارہ پوچھا تھا۔ اب اس کے لہجے میں صاف اور واضح تلخی تھی۔

"وہ بھی میرا ہی ہے۔ دراصل یہ نمبر بہت کم یوز کرتا ہوں۔ چند ایک کو پتا ہے یہ نمبر۔ ویسے تمہیں یہ نمبر کہاں سے ملا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ سمعان کو اپنے اعصاب پر جذبات کا دورہ پڑتا محسوس ہوا ورنہ وہ تو خاصے ٹھنڈے اور دھیمے مزاج کا مالک تھا مگر لگتا تھا کہ اس آواز نے اس کے اندر کی ساری سوجھ بوجھ ختم کر دی تھی۔

"فرح سے....." سمعان احمد کو اپنی ہی آواز اجنبی اور سرد سی محسوس ہوئی۔

دوسری طرف بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

"اور وجہ کیا ہے؟ یقیناً سمجھ گئے ہو گے....."

"تمہیں شرم تو نہ آئی یہ سب کرتے ہوئے۔ یہ کھیل کھیلتے ہوئے اتنا تو سوچا ہوتا کہ تمہارا ہم سے کیا رشتہ ہے۔ فرح اتنی بھی ناسمجھ نہیں تھی جسے تم نے اپنی مطلب براری کے لیے منتخب کیا۔ کیا بگاڑا تھا اس نے تمہارا۔ بولو' جواب دو۔ کیا مقصد تھا تمہارا اس سارے ڈرامے سے۔"

سمعان احمد کو اول تو غصہ نہیں آتا تھا مگر جب آتا تھا بلا کا آتا تھا۔ اس وقت بھی گرجتے برستے سمعان احمد اور دھیمے سلجھے ہوئے سمعان احمد میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ دوسری طرف موجود شخصیت بالکل خاموش تھی۔

"سمعان میں....." اس نے کچھ توقف سے اپنے آپ کو بحال کرتے لب کشائی کی بھی تو زبان سمعان کے نام پر ہی ساتھ چھوڑ گئی۔

"شٹ اپ..... نفرت محسوس ہو رہی ہے مجھے تم سے۔ یہ گھٹیا حرکت تو ایک کچے ناسمجھ ذہن کی

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

مرہون منت ہی ہوسکتی ہے۔ تم جیسے مجبور شخص سے میں یہ توقع نہیں کرسکتا۔ کیا حق حاصل ہے تمہیں میری بہن کے جذبات واحساسات سے کھیلنے کا۔ اتنا تنہا اور لاوارث سمجھ رکھا ہے تم نے اسے جو کچھ بھی کرتے پھرو کسی کو خبر بھی نہیں ہوسکتی۔ تمہاری ایک حرکت کی بدولت وہ اس وقت سب سے نظریں چرانے پر مجبور ہے۔ کاش تم اندازہ لگاسکتے۔ تم سے بات کرنے کے بعد وہ کیسے ہوش وحواس سے بیگانہ بخار سے تپ رہی ہے۔"

"سمعان میں تو مذاق....."

"بکواس نہیں کرو....." سمعان نے انتہائی غم و غصے سے مغلوب اسے اپنی بات مکمل ہی نہیں کرنے دی تھی۔ "تمہارے لیے یہ مذاق تھا۔ واہ! کیا بے نیازی ہے۔ کسی کی جان گئی اور آپ کی ادا ٹھہری۔ شیم آن یو۔ آئندہ میرے گھر کے نمبر پر کال کرنے سے پہلے سوبار سوچنا۔ یہ تمہارا رامریکا نہیں پاکستان ہے اور تمہیں یہ گھٹیا کھیل کھیلنے کے لیے وہیں ایسی لڑکیوں کی خاصی تعداد مل جائے گی۔"

غصے سے پھنکارتے سمعان احمد نے کال ڈس کنکٹ کردی تھی۔

غصے سے موبائل بستر پر پٹخ کر سمعان نے اضطرابی انداز میں کمرے میں چکر لگانا شروع کردیے تھے۔

"اوہ مائی گاڈ' اتنا بڑا دھوکا۔" غصے سے ٹہلتے سمعان کو اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔ یوں جیسے خون کی جگہ بارود بھر گیا ہو رگوں میں۔

ادھر سے ادھر ٹہلتے موبائل پھر بج اٹھا تھا۔

سمعان نے قدم روک کر بستر کی طرف دیکھا تھا۔ قریب آکر موبائل اٹھا کر دیکھا تو اسکرین پر جگمگانے والا نمبر دیکھ کر سمعان احمد کا غصہ پھر سوا نیزے پر جا پہنچا۔

"ایڈیٹ....."

سمعان نے کال ڈس کنکٹ کردی تھی۔ ایک سیکنڈ بعد پھر موبائل بج رہا تھا۔

سمعان نے انتہائی غصے سے موبائل آف کرکے سرہانے پھینک دیا تھا۔ سمعان احمد کو دوبارہ اپنی نارمل کیفیت میں آنے کے لیے اچھی خاصی جدوجہد کرنا پڑی تھی ورنہ اعصاب تو یوں بکھرے تھے گویا کوئی لاوا پھٹا ہو۔

اتنا بڑا دھوکا۔ اتنا سنگین مذاق۔ اتنا لاابالی پن۔

سمعان جوں جوں سوچ رہا تھا' سلگ رہا تھا۔

کسی کے لیے شاید یہ سب ذہنی تسکین تھی مگر سمعان احمد کو اس جرأت پر اپنی ہی رگوں میں خون کی جگہ شرارے دوڑتے محسوس ہو رہے تھے۔

فرح ان کی نہایت سلجھی ہوئی سمجھ دار بہن تھی۔ ماں باپ کی اندرونی چپقلش نے اسے وقت سے پہلے بڑا کردیا تھا۔ فرح کے آنسو سمعان کو ایک دفعہ پھر اپنے سینے پر گرتے شعلوں کو ہوا دیتے محسوس ہوئے تو سمعان نے انتہائی طیش وغضب سے اپنی مٹھی اپنے بائیں ہاتھ پر ماری تھی۔

مسلسل ہوتی بیل سے اس کی نیند ٹوٹی تھی۔ انتہائی ناگواری سے شارق زمان نے اطراف میں دیکھا تھا۔ سرہانے پڑا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ اپنی نیند میں یہ خلل اسے بہت گراں گزرا تھا۔ تاہم نیند ٹوٹ چکی تھی۔ کہنیوں کے بل تھوڑا سا اوپر کھسکتے اس نے کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو....."

"سر..... صبح فجر کے قریب احسان منصور پرل کانٹی نینٹل ہوٹل سے اپنی بیگم شہوانہ اور اپنی ساس کو لے کر اپنے فلیٹ میں واپس جارہا تھا کہ کچھ نامعلوم لوگوں نے ان کی گاڑی پر فائرنگ کردی تھی۔ احسان منصور کا ڈرائیور تو موقع پر ہی جاں بحق ہوگیا تھا تاہم باقی تینوں شدید زخمی ہیں۔ بلکہ احسان منصور کو تو سرے سے کچھ ہوا ہی نہیں' صرف گولی اس کے بازو کو چھوتے ہوئے گئی تھی۔ لگتا ہے فائرنگ کرنے والوں کا ہدف وہ تھا بھی نہیں۔ شہوانہ اور اس کی ماں کی حالت کافی سیریس ہے۔ اسپتال میں فوری ریسکیو سروس نے پہنچایا تھا۔ ایس پی انجم خان اطلاع ملتے ہی فوراً اسپتال پہنچے تھے۔ افتخار تو جیسے ہی مجھے پتا چلا تھا کہ احسان منصور نے نکاح کی ساری کارروائی پرل کانٹی نینٹل کے ایک کمرے میں سرانجام دی ہے تو فوراً اسے آگاہ کیا تھا۔ وہ وہاں چلا گیا تھا۔ اس سے رابطہ ہوا ہے۔ وہ بھی اسپتال پہنچ چکا ہے۔ اب آپ بتائیں ہم کیا کریں۔ ایس پی انجم خان بار بار آپ کا پوچھ رہے ہیں۔"

دوسری طرف سے سنائی دی جانے والی خبر سے شارق زمان کی ساری ناگواری پل میں ختم ہوئی تھی۔ وہ لمحوں میں حواس میں لوٹا تھا۔

"تم لوگ ادھر ہی رہو۔ ابھی میں نہیں آسکتا مگر تم مجھے مسلسل اطلاع دیتے رہو۔ ایس پی انجم خان کو کہہ دینا ساری کارروائی کا پتا چلائے۔ اب مزا آئے گا لالہ منصور سے مقابلہ کرنے کا۔ بڑا آیا تھا مجھے دھمکیاں دینے والا۔ تمہارا کیا خیال ہے اس سارے عمل میں کس کا ہاتھ ہوسکتا ہے؟"

"سر! صاف نظر آرہا ہے یہ لالہ منصور کی ہی حرکت ہوسکتی ہے۔ جس طرح گولی نے صرف اس کے بیٹے کو چھوا ہے صاف پتا چل رہا ہے۔" عمران نے آرام سے تجزیہ کیا تھا۔

"ہوں..... اور شہوانہ اور اس کی ماں..... ان کی کنڈیشن کیسی ہے۔ کیا خیال ہے' بچ پائیں گی یا نہیں؟" پرسوچ انداز تھا بلکہ کسی حد تک سفاک بھی۔

"سر مشکل سے ہی۔ دراصل ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ خون بہت بہہ چکا ہے۔ ریسکیو ٹیم موقع پر ہی پہنچ گئی تھی ورنہ شاید جائے وقوعہ پر ہی دونوں دم توڑ دیتیں۔"

"اچھا تھا ختم ہوجائیں۔ کم از کم ایک زمانہ ان دونوں کے شر سے تو بچا رہتا۔" نفرت وحقارت سے اس نے اپنے اندر کا غبار نکالا تھا۔

"ویسے ریسکیو کو کس نے کال کی تھی یا وہ خود ہی پہنچ گئے تھے خدائی فوجدار بن کے یہ ریسکیو والے....."

"سر احسان منصور نے ہی کال کی تھی۔ اس وقت وہی ہوش میں تھا۔ ریسکیو والوں سے تو یہی اطلاع

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

ملی تھی باقی واللہ اعلم۔"

"اوکے' ٹھیک ہے۔ مجھے ایک ایک پل کی اطلاع دو۔ افتخار کو کہنا ایک لمحہ کو بھی وہاں سے نہ ہٹے۔ میں اگر مناسب سمجھا تو اسپتال کا چکر لگاؤں گا ورنہ معذرت۔" اس نے یہ کہتے کال بند کردی تھی۔

عمران سے جس قدر سکون سے وہ بات کررہا تھا حقیقتاً میں ایسا بالکل نہ تھا۔ اس خبر نے اس کے اعصاب کو منتشر کردیا تھا۔ بلکہ اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا۔ موبائل اس نے بے پروائی سے سائیڈ میں پھینکا تھا۔

گزری شب کا ایک ایک لمحہ اس کے دل و دماغ پر پرچھائیں کی طرح چھوا تھا۔ اپنی تمام جسارتیں' نویرہ کا رونا' گڑگڑانا' التجائیں کرنا' مزاحمتی انداز' قسمیں واسطے دینا۔ شارق زمان کے چہرے کا ایک رنگ آرہا تھا ایک جارہا تھا۔ اپنی شخصیت کا یہ دہرا پن خود اس کے اپنے لیے بھی نہایت اذیت ہی نہیں تکلیف دہ بھی تھا۔ باتھ روم کے دروازے کی طرف لپکتے اس کے پیروں میں نویرہ کی شال الجھی تھی۔ وہ فوراً ٹھہر گیا تھا۔ ایک ہاتھ میں کلپ تھا تو دوسرے ہاتھ سے اس نے جھک کر سرخ شال اٹھالی۔

چادر صوفے پر ڈالتے دوبارہ باتھ روم کے بند دروازے کو دیکھا۔ نہ جانے وہ اندر کس حال میں تھی۔ اسے ایک دم تشویش لاحق ہوئی۔ رات نویرہ کا انداز مرمٹنے والا تھا۔

گھڑی کی طرف نگاہ کی۔ صبح کے چھ بج رہے تھے۔ شارق زمان نے اپنے کمرے پر نگاہ ڈالی۔ کمرہ تو جوں کا توں تھا مگر قالین پر جگہ جگہ ٹوٹی چوڑیاں بکھری پڑی تھیں۔ شارق زمان کو اپنا جسم جھٹکوں کی زد پر محسوس ہوا۔ دروازے کے پاس آکر اس نے ہینڈل گھمایا تھا مگر دروازہ اندر سے لاک تھا۔ شارق نے دروازے پر دستک دی تھی۔

"نویرہ....." ساتھ میں آواز بھی دی تھی۔ مگر کوئی ردعمل نہ تھا۔

"نویرہ پلیز! دروازہ کھولو....." پہلے سے زیادہ سختی سے اس نے دروازہ پیٹا تھا۔

پانچ چھ منٹ انتظار کیا تھا۔

"نویرہ پلیز! دروازہ کھولو ورنہ میں دروازہ توڑ دوں گا....."

جوں جوں ایک ایک پل گزر رہا تھا' شارق زمان کے اندر وحشتیں پھر جنوں خیزی کا لبادہ اوڑھنے لگی تھیں۔

"نویرہ دروازہ کھولو..... پلیز دروازہ کھولو....." اس کی برداشت ختم ہوتی جارہی تھی۔ یوں جیسے کوئی لمحہ بہ لمحہ اسے برف کے برادے میں دھکیلتا جارہا ہو۔ وہ چیخ اٹھا تھا۔

اتنی سختی سے دروازے کو ٹھوکریں مارتے' ہینڈل کو مروڑتے وہ بس دروازہ توڑ دینے کو تھا جب ایک دم سے دوسری طرف کھٹکا ہوا تھا۔ یوں جیسے دوسری طرف چٹخنی گرائی گئی ہو۔ شارق زمان فوراً پیچھے ہٹا تھا۔

نویرہ نے دروازہ کھول دیا تھا۔

شارق زمان کی نگاہیں بے اختیار اس پر اٹھی تھیں مگر اس پر زیادہ دیر ٹھہر نہ سکیں۔

گزری رات کی ساری وحشتیں نویرہ کے وجود سے چھلکتی اسے نظریں جھکانے پر مجبور کرگئی تھیں۔ روتی سوجی آنکھیں' سوجا چہرہ' بکھرے بال۔ مگر نویرہ کا وجود چیخ چیخ کر اپنے اوپر رات گزرنے والی

قیامت بتا رہا تھا۔

"نویرہ....." اس نے پکارا تھا۔ احساسِ جرم تھا یا کیا تھا آواز خود بخود پست تھی۔

"خبردار! تم نے ایک لفظ بھی کہا۔ میں تمہاری وحشت کی بھینٹ چڑھ جاؤں' تمہاری بھول ہے۔ مجھے یہاں سے جانا ہے' اسی لیے دروازہ کھولا ہے۔ اگر تم نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو پھر بہت برا کروگے' اپنے ساتھ ساتھ میں تمہاری جان بھی لے لوں گی۔" ساری رات کی اذیت' ٹھنڈے یخ فرش پر ننگے پاؤں کانپتے لرزتے جسم سمیت وہ ایک ایسی قیامت سے گزری تھی جو اسے بہت بہادر بنا چکی تھی۔ وہ وحشی زخمی شیرنی کی طرح جھپٹنے کو تیار تھی۔ ہر حد سے گزر جانے کو۔

"رات جو بھی ہوا..... میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں میری سوچ یا میری ذات کا کوئی عمل دخل نہیں ہے مگر یہ سچ ہے تمہیں چائے کا کہتے ہوئے میری نیت بالکل صاف تھی۔" اسے بالکل صحیح سلامت سامنے پاکر کچھ پرسکون ہوتے ہوئے وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔ نویرہ نے کچھ الجھ کر اسے دیکھا۔ اس کا وضاحتی انداز ایک بناوٹ لگا۔ شارق کے الفاظ' اس کا پیچھے ہٹنا' اسے ڈرامہ محسوس ہوا۔ شارق زمان نے صوفے پر پڑی چادر اٹھا کر اس کی طرف اچھالی تھی جو نویرہ کے اوپر جاگری تھی۔ نویرہ نے چادر سمیٹتے حیران ہوکر شارق زمان کو دیکھا اور پھر چادر اپنے وجود پر لپیٹ لی۔ گزری شب کے اثرات کچھ حد تک چھپ گئے تھے۔

"میں بالکل اچھا نہیں ہوں۔ میری صحبت' میری عادات بھی ٹھیک نہیں۔ مگر میں قسم کھاتا ہوں میں نے تمہیں اس انداز میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں تمہاری عزت کرتا ہوں' پتا نہیں اپنے اندر کے جنونی پن میں' میں رات کیا کر بیٹھا مگر جو ہوگیا اسے بھول جاؤ۔"

"ہونہہ..... بھول جاؤ....." نویرہ نے نفرت سے ٹوک دیا۔ نفرت کے اس قدر شدید مظاہرے پر شارق زمان خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"آپ کے لیے بھول جاؤں کہنا آسان ہے مگر میرے لیے بھولنا بہت مشکل ہے۔ بہت برا کیا آپ نے میرے ساتھ۔ میں تو آپ کے خاندان کی ہی بیٹی تھی۔ اپنی ہی عزت پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کچھ تو سوچا ہوتا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ رودی۔

شارق زمان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا۔

"تم جاسکتی ہو اب....." دروازے کے سامنے سے ہٹ کر اس کو کہا تھا۔ نویرہ کو اب بھی حیرت و تعجب کا دورہ پڑا۔ آنسو ٹھہر گئے۔ یہ شخص اتنی جلدی ہاتھ میں آیا شکار جانے دے رہا ہے یا اس کے اندر انسانیت واقعی جاگ گئی ہے یا پھر یہ بھی کوئی چال تھی۔

مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے قالین پر بکھرے اپنے جوتے پہنتے وہ مسلسل بے یقین تھی۔ الٹے قدموں چلتے دروازے کے قریب پہنچتے ہوئے بھی وہ خوف زدہ تھی کہ کسی بھی لمحے یہ شیطان اسے پھر دھوکا نہ دے دے۔

کمرے سے نکلی تو پیچھے بہت زور سے دروازہ بند ہوا تھا۔ اس نے ہڑبڑا کر دروازے کو دیکھا اور پھر خود کو۔ وہ خواب نہیں تھا' حقیقت تھی۔ وہ زندہ اور باعصمت واپس آئی تھی۔ ایک قیامت کی رات

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

گزری تھی جس کے آثار اس کے وجود پر تھے جنہیں اس کی شال نے چھپا دیا تھا مگر ایک قیامت اس کے اندر برپا ہوئی تھی۔ نویرہ کے آنسو زاروقطار بہتے چلے گئے۔

"یا اللہ!" اسے یقین آتا چلا گیا کہ اللہ نے اس کی سن لی ہے۔

باتھ روم کے ٹھنڈے یخ فرش پر اس نے ساری رات صرف اس ایک ذات کو پکارا تھا۔ شیطان کی شیطانیت نے دم توڑا تھا یا شارق کے اندر انسانیت نے انگڑائی لی تھی۔ وہ تو صرف اللہ کی رحمت سے فیض یاب ہوئی تھی۔

نفرت سے ہاتھ میں پکڑا بلیڈ اور مٹھی میں دبا بلیڈ والا پیکٹ اس نے کمرے کے دروازے پر ہی پھینک دیا تھا۔ دوڑتے ہوئے وہ اماں کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ شاکرہ ابھی بھی سو رہی تھی اور اماں بھی۔ اس نے الماری سے اپنا بیگ نکال کر کپڑے نکالے تھے۔ باتھ لے کر وہ باہر نکلی تو ساڑھے چھ ہو رہے تھے۔ اس نے جائے نماز بچھالی تھی۔ اللہ نے اسے انتہائی ذلت و رسوائی سے بچایا تھا۔ اس پر اللہ کا شکر واجب تھا۔ رو رو کر رکوع و سجود کرتے اسے نہیں پتا چلا تھا کہ ساری رات اپنے حواس کو قابو میں رکھتے وہ کب بے حواس ہو کر زمین پر گری تھی۔

❁.....❁.....❁

صبح ناشتے کی ٹیبل پر سبھی تھے۔

"تم کالج نہیں جا رہے۔" اسے اسی طرح گھریلو حلیے میں دیکھ کر حمید صاحب نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی نہیں جاؤں گا۔ دس بجے کے قریب جاؤں گا۔ آج پیریڈ لیٹ ہوں گے۔" آرام سے چائے پیتے اس نے کہا تھا۔ رمشا نے ناشتا کرتے ایک اچٹتی نظر ڈالی۔ آج کل وہ کچھ ٹھنڈا ٹھار یا پھر بڑا سنجیدہ محسوس ہو رہا تھا۔

"پھر ایسا کرو رمشا کو اس کے کالج چھوڑ دو۔ مجھے ابھی ایک ڈیلر سے ملنا ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے کی ٹائمنگ ہے۔ تم گھر پر ہی ہو تو یہ کام کر لو۔" حمید صاحب پراپرٹی ڈیلنگ کا کام کرتے تھے۔ اچھا خاصا کاروبار تھا۔ اپنی طبیعت اور فطرت سے ہٹ کر فاروق بھائی یا دیگر کے ساتھ کاروبار شیئر کرنے کے بجائے اپنے حصے کی پراپرٹی سے انہوں نے اپنا یہ ذاتی کاروبار شروع کیا تھا جو اب رفتہ رفتہ خاصے وسیع پیمانے پر پھیلتا جا رہا تھا۔

دراصل جب نیت صاف ہو اور محنت کرنے کا جذبہ ہو' خوب سے خوب تر کی جستجو ہو تو پھر ترقی کرنا کچھ ناممکن بھی نہیں ہوتا اور یہی وہ کر رہے تھے۔

"جی اچھا۔" خلافِ توقع بغیر بھویں اچکائے یا چہرے پر بل لائے اس نے ہامی بھر لی تھی۔

رمشا کے اندر کھد بدسی ہونے لگی۔ اتنا نارمل رویہ۔

اسے قطعی ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ رضا حمید نے بائیک نکالی تو وہ بھی چادر اوڑھے بیگ لیے چلی آئی۔ رضا نے گیٹ کے سامنے بائیک اسٹارٹ کی تو رمشا اچک کر اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

"تمہیں غصہ نہیں آ رہا؟" بائیک جیسے ہی مین روڈ پر چڑھی' رمشا نے پوچھ لیا۔

"کس بات کا غصہ؟" دوسری طرف خاصا تعجب تھا۔

"یہی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مجھے کالج چھوڑنے جا رہے ہو۔"

دوسری طرف رضا بالکل چپ رہا تھا۔ رمشا کو قطعی ناکامی ہوئی تھی۔ وہ کلس کر رہ گئی۔ وہ جذباتی سی لڑکی تھی۔ ہر چیز کو انتہا پر جا کر سوچتی تھی۔ اب بھی جذباتیت کی زد پر آ گئی۔

اب بھی رضا کی چپ سے اسے لاتعلقی کا واضح اظہار محسوس ہوا۔ اپنے وجود کی واضح نفی۔

"نہ جانے کیا سمجھتا ہے یہ طرم خان خود کو' جیسے کسی ریاست کا نواب ہے۔ مجھے بھی شوق چڑھا ہوا ہے اس الو کو سر آنکھوں پر بٹھانے کا۔ دماغ خراب ہے میرا' عقل گم ہو گئی ہے میری۔" وہ سارا راستہ جلتی بھنتی رہی۔ منہ میں ہی بڑبڑاتی رہی۔

رضا نے اس کے کالج کے سامنے بائیک روکی تو وہ بھی چونکی۔ وہ خیالوں میں اتنی مگن تھی کہ پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب کالج آیا تھا۔

آج تو بڑی شرافت سے رضا نے اسے کالج پہنچایا تھا بغیر تیز رفتار کے۔ اسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"واپسی پر کون لینے آئے گا؟" اتر کر سامنے آتے اس نے رضا کو دیکھا۔

سادہ رات والے سوٹ میں بھی وہ اچھا خاصا گڈ لکنگ اور ہیرو ٹائپ لگ رہا تھا۔ گیٹ سے گزرتی کتنی لڑکیوں نے مڑ کر دیکھا تو فرحت و انبساط کے ساتھ ملکیت و فخر کے احساس نے بھی رمشا کے اندر پھوار سی بکھیر دی۔

"پتا نہیں۔ شاید ابو بھی آئیں۔ میں تو یونیورسٹی چلا جاؤں گا۔" آج تو رضا کی طرف سے اچھی خاصی شرافت تھی۔ نویرہ کو پھر جھٹکا سا لگا۔

دونوں ہی حالت جنگ میں رہنے والے تھے مگر کسی ایک کی پسپائی دوسرے کو اب خوشی کے گہرے جذبے کے بجائے حیرانگی و تفکر کے احساس سے دوچار کر رہی تھی۔

"اب یہیں کھڑے رہنا ہے یا پھر اندر بھی جانا ہے۔"

رمشا وہیں کھڑی تھی جب قریب سے گزرتے کسی منچلے نے بھرپور وسلنگ کی تھی جسے دونوں نے دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ رضا کے چہرے کی سرخی ایک دم بڑھی تھی۔ سختی سے اسے ٹوک دیا تھا۔ رمشا اپنی جگہ خجل ہوتے فوراً گیٹ سے اندر گھس چکی تھی۔

"اسٹوپڈ۔" سر جھٹکتے اس نے دوبارہ بائیک اسٹارٹ کر لی تھی۔ گھر جانے کے بجائے اس نے بائیک کو شارق زمان کے گھر کی طرف موڑ لیا تھا۔

رات رکوع و سجود کرتے ہوئے وہ روحانی طور پر پرسکون ہو گیا تھا۔ مگر نویرہ احسان کی طرف سے ایک غیر محسوس سی خلش' فکرمندی کی لہر اس کو پریشان کرتی رہی تھی۔ یونیورسٹی لیٹ جانے کا شیڈول طے کرتے اس نے پکا ارادہ کیا تھا کہ یونیورسٹی جانے سے قبل وہ نویرہ سے ضرور ملے گا ورنہ اسے یقین تھا وہاں جا کے بھی سارا وقت وہ خدشات و تفکرات میں گھرا رہے گا۔

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

چوکیدار بابا نے اسے سلام کرتے گیٹ کھول دیا تھا۔ رضا بائیک اندر لے آیا تھا۔ اندر آتے ہوئے اس نے گھڑی دیکھی' نو بج رہے تھے۔ سارے گھر میں بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے یہاں کسی انسان کا وجود ہی نہ ہو۔ راہداری سے گزرتے ادھر ادھر دیکھتے وہ بڑی اماں کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ اندر کا منظر دیکھتے وہ دروازے پر ہی ٹھٹک گیا تھا۔

بستر پر پڑا وجود اور نویرہ کی کلائی چیک کرتے شارق زمان کو دیکھ کر رضا کو اپنے وجود میں جھٹکے سے محسوس ہوئے۔

تو نویرہ ٹھیک نہیں۔ میرا دل مجھے درست سائن دے رہا تھا۔ نویرہ کے بے سدھ سراپا اور زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ فوراً اندر بڑھا تھا۔

''السلام علیکم..... کیا ہوا؟'' بستر کے کنارے ٹکے نویرہ کی کلائی تھامے شارق زمان نے ہی نہیں' واجدہ بیگم اور شاکرہ نے بھی اسے دیکھا تھا۔

''وعلیکم السلام..... آؤ بیٹا۔ پتا نہیں کیا ہوا ہے اسے۔ رات تو اچھی بھلی تھی۔ صبح میری آنکھ کھلی تو یہ جائے نماز پر الٹی گری تھی۔ میری تو چیخیں نکل گئیں۔ شاکرہ کو اٹھایا تو یہ خود اسے اس حال میں دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔ اللہ کا شکر ہے شارق اپنے کمرے میں تھا' فوراً اٹھا کر بستر پر ڈالا' ڈاکٹر کو بلایا ہے۔ ابھی چیک کر کے گیا ہے۔ انجکشن لگا گیا ہے کہہ رہا تھا کہ تھوڑی دیر میں ہوش آ جائے گا۔''

اماں اسے تفصیل بتا رہی تھیں۔ وہ لب بھینچے سب سنتے نویرہ کے زرد چہرے کو دیکھے گیا۔

''کوئی چینج نہیں' اماں میرا خیال ہے اسپتال لے جانا چاہئے۔ اس کی ہارٹ بیٹ نارمل نہیں ہے۔ ہر دوسری بیٹ مس ہو رہی ہے۔'' نویرہ کی کلائی چھوڑ کر وہ کنارے سے اٹھتے ہوئے بہت سنجیدگی بلکہ ستے ہوئے چہرے سے کہہ رہا تھا۔ رضا تو شارق کے الفاظ سن کر گنگ رہ گیا تھا۔

''ہائے اللہ! یہ کیا ہوگیا' بیٹھے بٹھائے بچی پر کیا قیامت آپڑی کہ دل کی دھڑکن نارمل نہیں ہو رہی۔ ڈاکٹر تو کہہ رہا تھا سنبھل جائے گی۔'' اماں نے فوراً اپنا کلیجہ تھاما تھا۔

''ڈاکٹر تو یہ بھی کہہ کر گیا ہے کہ اگر اگلے آدھ گھنٹے میں ہارٹ بیٹ نارمل نہ ہوئی تو فوراً اسپتال منتقل کریں۔ طبی امداد ملنا بہت ضروری ہے ورنہ سیریس کنڈیشن بھی ہو سکتی ہے۔ آپ دیکھ نہیں رہیں کوئی امپرومنٹ تو ہو نہیں رہی۔'' ایک دم وہ تلخ ہوا تھا۔ جھنجلاتے ہوئے اس نے اندر کی اذیت باہر منتقل کی تھی۔

''شاکرہ! جاؤ لاؤنج میں ٹی وی کے پاس میری گاڑی کی چابی ہے' لے کر آؤ۔'' دوبارہ بے سدھ پڑے وجود کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

اندر آندھی طوفان کا موسم تھا۔

شاکرہ کو ایک دم پسینے لگے تھے' اگلے ہی سیکنڈ وہ چابی لے آئی تھی۔

''رضا تم گاڑی ڈرائیو کر لیتے ہو۔''

''جی.....'' رضا جو ابھی تک صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا' ایک دم الرٹ ہوا۔

''تو گاڑی اسٹارٹ کرو' میں اسے لاتا ہوں۔'' اسے گاڑی کی چابی تھما کر وہ نویرہ کی طرف جھکا تھا۔

''اماں آپ فکر نہیں کریں۔ یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں کال کروں گا۔ شاکرہ! میرے بیڈ پر میرا موبائل اور والٹ ہے' اٹھا لاؤ۔ ہری اپ۔'' نویرہ کو بازوؤں میں اٹھائے وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

وہ جو کر چکا تھا اس کا خمیازہ اب اسے ساری عمر بھگتنا تھا۔ ستے ہوئے ذہن سے وہ یہی سوچ رہا تھا۔ احساسِ ندامت ایسا تھا کہ جس کا سفر شاید ہی ختم ہوتا۔ اب ساری زندگی اسی ندامت سمیت گزارنی تھی یا پھر ایک قطعی قدم اٹھانا تھا۔

ذہن کی بے چارگی نہ جانے کس کس رخ پر محوِ پرواز تھی۔

انہیں اسپتال پہنچنے میں قطعی دیر نہ ہوئی تھی' نو بجے کے بعد اسکول و کالج کا زور کم ہو جاتا تھا۔ کام دھندے پر بھی نکلنے والے کب کے نکل چکے تھے۔ سڑکیں پرسکون تھیں' پھر نویرہ کی کنڈیشن کے پیشِ نظر رضا نے گاڑی بھی کافی تیز رفتاری سے ڈرائیو کی تھی۔

نویرہ کو فوراً آئی سی یو میں لے جایا گیا تھا۔ شارق زمان ذاتی مراسم والے اسپتال میں لایا تھا۔ یہاں کے ڈاکٹرز سے اس کے خاص تعلقات تھے۔ فوری ٹریٹمنٹ دیا گیا تھا۔

''مریضہ کو لگتا ہے کوئی گہرا شدید صدمہ پہنچا ہے۔ ہارٹ کنڈیشن نارمل نہیں ہو رہی' بلڈ پریشر لو ہے' شدید خطرناک حد تک۔ جب تک دل کوئی امپرومنٹ نہیں دکھاتا کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ آپ دعا کریں۔ مریضہ کا بلڈ نارمل کنڈیشن میں پاور کرے جب تک بلڈ ریز نہیں کرے گا کچھ بھی کہنا بعید از وقت ہے۔''

رضا' شارق کے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس کے پوچھنے پر کہ ''وہ کیسی ہے'' ڈاکٹر نے بتایا تھا۔ رضا کو اپنا چہرہ فق ہوتا محسوس ہوا۔ ڈاکٹر اس کا فق چہرہ دیکھ کر ہمدردی سے کندھا تھپتھپا کر آگے بڑھ گئے تھے۔

''شارق بھائی! ایسی کیا بات ہوئی۔ رات تو میری بات ہوئی تھی ان سے۔ وہ اچھی بھلی تھیں۔ یہ بیٹھے بٹھائے انہوں نے کیا ٹینشن لے لی جو اس شدید ٹینشن کا باعث بنی ہے۔ وہ تو بالکل صحت مند نارمل تھیں۔'' رضا اپنے اندر کے اضطراب کو بالکل نہیں چھپا پایا تھا۔ بالکل فطری ردِعمل تھا۔

''مجھے نہیں پتا۔ میں ڈاکٹر کے پاس ہوں' تم نبیل کو کال کر کے اصل صورت حال سے باخبر کراؤ۔'' اپنے سرد سپاٹ بے تاثر چہرے سمیت رضا کے جواب میں شارق زمان جیب سے موبائل نکال کر اسے تھماتے آگے بڑھ گیا تھا۔

رضا نے ناسمجھ انداز میں شارق زمان کے انداز و اطوار اور رویے کو جانچا۔

کہیں کوئی چیز غلط تھی۔

کیا..... وہ شدید کشمکش کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ اس کی وجہ کو سمجھنے سے بالکل قاصر تھا۔ خاموشی سے اس نے کال کر کے نبیل کو اطلاع کر دی تھی۔ نبیل آفس کے لیے نکل چکا تھا۔ نویرہ کی کنڈیشن سن کر فوراً آنے کو کہا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے اور پھر فاروق چچا کے ہاں اطلاع دی تھی۔

نویرہ کی شدید بلکہ سیریس حالت اب ہر کسی کے علم میں آنا لازمی تھا۔ موبائل بند کر کے وہ بے بسی و بے چارگی سے گلاس وال کو دیکھے گیا جس کے پار وہ ڈاکٹروں کی ٹیم کے رحم و کرم' مشینوں میں جکڑی گویا ساری دنیا سے بے نیاز ہو چکی تھی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

ایک گھنٹے کے اندر اندر نویرہ کی طبیعت کا سن کر سبھی بھاگے چلے آئے تھے۔ وہاں آنے والوں میں سب سے پہلے نبیل بھائی تھے پھر نواز' فاروق تھے جن کے موبائل نمبر پر رضا نے اطلاع دی تھی۔ گھر سے رضیہ بیگم چلی آئی تھیں کہ فاروق صاحب کام پر نکل چکے تھے۔ حمید صاحب بھی چلے گئے تھے۔ زبیدہ بیگم خبر پاتے ہی تنہا آئی تھیں جب کہ نبیلہ بھابی اور اماں دونوں آئی تھیں۔ نویرہ کی کنڈیشن جوں کی توں تھی۔

بلڈ پریشر کی حالت نارمل نہیں ہو رہی تھی۔ ہارٹ بیٹ کی بھی وہی حالت تھی۔ خالدہ بیگم کا تو رو رو کر برا حال تھا۔

نہ جانے کیوں انہیں لگ رہا تھا کہ رات دیکھا گیا بھیانک خواب سچ ہو گیا۔ نبیل خود ادھر سے ادھر ٹہلتے' ہونٹ کچلتے سخت اضطراب میں تھا۔ نواز فاروق حیران تھا کہ کل تک تو وہ ہنستی مسکراتی لڑکی زندگی کی تمام دلکشیاں سمیٹے آن ہی آن میں کیونکر اس بستر پر آ لیٹی تھی اور حالت بھی ایسی تھی کہ گویا پورے عالم سے ناراض ہو گئی ہو۔ جیسے ہم جی چکے اور جینے کی چاہت نہیں رہی۔ سبھی ایک دوسرے کو تسلیاں دے رہے تھے۔ مرد حضرات سرگرمِ عمل تھے۔ ادھر سے ادھر بھاگتے' دوڑتے اصل صورت حال کی پل پل رپورٹ مل رہی تھی۔

''ڈاکٹر کہہ رہے ہیں گر مزید وہ ایک گھنٹہ اس حالت میں رہی تو خدانخواستہ اس کا ہارٹ فیل بھی ہو سکتا ہے۔ بی پی بہت لو ہے۔ ای سی جی مسلسل کام کر رہی ہے۔ ڈاکٹر خود بھی مصروف ہیں۔ دعا کریں۔''

نبیل ڈاکٹر سے ساری صورت حال جان کر اماں کے پاس آ کر بتا رہا تھا۔ ان کا دل پھٹنے کو تھا' بس پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ نبیلہ گاہے بگاہے تسلیاں دیتی رہیں۔ زبیدہ بیگم' رضیہ بیگم سب ہی غمزدہ' دلگیر' نم آنکھوں سے اس کے لیے دعائیں مانگ رہی تھیں۔ اماں نے کونے میں چادر بچھا کر نمازِ حاجت کی نیت باندھ لی۔

نواز ادھر سے ادھر ٹہلتے گلاس وال کے پاس آ کھڑا ہوا جس کے پار وہ خود تھی۔ شارق زمان نے صرف ایک لحظہ کو نواز فاروق کو دیکھا تھا پھر رخ بدل لیا۔ وہ سائیڈ بینچ پر بیٹھا بالکل گم صم اور مہر بہ لب تھا۔

''کچھ بھی نہیں پتا تمہیں اسے ہوا کیا تھا۔ کل تک تو نارمل تھی یہ اچانک ایسی کیا مصیبت آ پڑی کہ دل کا عارضہ لاحق ہو گیا۔'' کتنی ہی دیر دوسری طرف خالی نگاہوں سے دیکھنے کے بعد وہاں سے ہٹ کر وہ شارق کے پاس بینچ پر آ بیٹھا تھا۔ شارق زمان کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔ احساسِ ندامت نے ایک اور چوٹ لگائی تھی۔ وہ اسی طرح ساکن و جامد سر جھکائے بیٹھا رہا۔

نواز اس کی طرف سے کچھ پل جواب کا منتظر رہا تھا پھر خود ہی کہنے لگا۔

''رضا کے کال کرنے پر تو میں حیران رہ گیا تھا۔ نویرہ اس طرح اسپتال میں ہو' ناممکن۔ مگر یہاں آ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آ رہا۔''

''میں ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ چلو گے تم دونوں؟'' نبیل بھائی دونوں کے پاس آ ٹھہرے تھے۔

دونوں کو کیا تھا' شارق زمان' نواز کو اٹھتے دیکھ کر خود بھی اٹھ گیا۔

''مریضہ کا دل خون پاور کرنے میں دقت پیش کر رہا ہے۔ کیا انہیں پہلے بھی ایسا کوئی اٹیک ہوا ہے؟'' ڈاکٹر شعیب نے ان سے پوچھا تھا۔

''نہیں ڈاکٹر صاحب! میری بہن تو بہت پرفیکٹ فزیک کی مالک رہی ہے۔ بڑے سے بڑے صدمے میں بھی یہ نارمل رہی ہے۔ شاید ہی سالوں بعد بخار میں مبتلا ہوئی ہو تو ہو موسمی نزلہ زکام بھی بہت کم رہا ہے اس کو۔ ہمارے تو خاندان میں بھی کسی کو دل کا عارضہ لاحق نہیں رہا۔ پھر بھلا وہ کیسے اس مرض کا شکار ہو سکتی ہے۔''

''اس مرض کا تعلق ضروری نہیں موروثی ہی ہو۔ بعض اوقات انسان پر ضرورت سے زیادہ بوجھ بھی برداشت سے زیادہ پڑے تو دل کی دھڑکن متاثر ہوتی ہے۔ کوئی صدمہ' کوئی ٹینشن؟ پلیز ہم سے کچھ نہ چھپائیے۔ ہمیں لگ رہا ہے کہ مریضہ کے نرونہ پر بھی اثر ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کا دل زیادہ متاثر ہوا ہے۔''

''نہیں ڈاکٹر صاحب! خدانخواستہ ایسی کوئی صورت حال پیش نہیں آئی۔ یہ تو غموں میں بھی مصلحت تلاش کرنے والی لڑکی ہے۔ تاریکی میں بھی روشن پہلو نکال لیتی ہے۔ خاندان میں بھی دور دور تک کسی فوری صدمے یا ٹینشن والی بات نہیں ہوئی۔ چند دنوں بعد اس کی شادی ہے۔ یہ تو بہت خوش تھی۔'' نبیل کی وضاحت پر ڈاکٹر نے سر ہلایا تھا۔

''اوکے! آپ لوگ حوصلہ رکھیں۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ دل کی حالت قدرے سنبھلتی ہے تو انشاء اللہ پھر زندگی کے بہت امکانات ہوں گے۔'' ڈاکٹر انہیں تسلی دے کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

''نواز یہ کیا ہو رہا ہے' میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ دعا کرو وہ بچ جائے۔'' نبیل نے آگے بڑھ کر نواز کا سہارا لیا تھا۔ نواز نے دھیرے سے اسے سینے سے لگا لیا۔

''حوصلہ رکھو..... وہ بچ جائے گی انشاء اللہ' اسے کچھ نہیں ہوگا۔ اگر تم بھی حوصلہ ہارو گے تو اماں اور بھابی کو کیسے حوصلہ دو گے۔ پلیز بی بریو۔'' بہت اپنائیت سبھاؤ سے سمجھاتے نبیل بھائی کی پشت نواز نے تھپکی تھی۔

شارق خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا۔

مزید جن چار جان لیوا گھنٹوں کے انتظار اور ڈاکٹروں کی انتھک کوششوں سے نویرہ کا بی پی اپ ہونا شروع ہوا تھا۔ ای سی جی مشین کی کنڈیشن قدرے بہتر تھی۔ ڈاکٹر بہت پر امید تھے۔ ہارٹ بیٹ اب پہلے کی طرح مس نہیں ہو رہی تھی۔ خون کی آمد و رفت بھی نارمل ہو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ مریضہ کا اعصابی نظام شدید کشمکش سے باہر آ رہا تھا۔ نرونہ سسٹم کی حالت بہتر ہونے کی دیر تھی کہ اگلے گھنٹے تک نویرہ کا بی پی خاصی حد تک امپرو ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر نے ان سب کو مریضہ کی بہتر کنڈیشن میں امپرو کرنے کی خوشخبری سنائی تھی۔ نویرہ کو کسی بھی لمحے ہوش آ سکتا تھا تاہم نرونہ سسٹم ابھی بحال نہ ہوا تھا۔ اسے کچھ گھنٹوں تک مکمل پرسکون رکھنے کی ضرورت تھی۔

POSTLIFE.BLOGSPOT.COM

خبر کیا تھی گویا نئی زندگی ملی تھی سب کو۔ اماں نے وہیں بچھی چادر پر نفل کی نیت باندھ لی تھی۔

اس کی کنڈیشن کے باعث ڈاکٹرز نے اسے ابھی تک انتہائی نگہداشت کے روم میں ہی رکھا ہوا تھا۔ جب تک وہ خود سے ہوش میں نہ آجاتی اسی طرح مشینوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ سب کے لیے فی الحال یہی بہت تھا کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔ نویرہ کی طبیعت کا سن کر فاروق چچا بھی آگئے تھے۔ دوپہر تک حمید صاحب بھی چلے آئے تھے۔

شام کا وقت قریب تھا۔ دونوں وقت مل رہے تھے جب نویرہ کی پلکوں نے جنبش کی تھی۔ وہاں موجود نرس نے فوراً ڈاکٹر شعیب کو بلالیا تھا۔ وہ فوراً نویرہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

باقی سب ڈاکٹر کو تیزی سے اندر جاتے دیکھ کر گلاس وال سے اندر دیکھنے میں مصروف تھے۔

''اللہ تیرا شکر.....'' نویرہ کو پلکیں کھولتے دیکھ کر اماں رو دی تھیں۔

آدھے گھنٹے بعد نویرہ کی حالت پہلے سے بہتر تھی۔ وہ بات کرسکتی تھی۔ اماں کو یاد کررہی تھی۔

ڈاکٹر شعیب نے اماں کو اندر بھیجنے کو کہا تھا۔

''اماں.....'' ماجدہ بیگم کو دیکھ کر وہ سسک اٹھی۔ اس کے ہاتھ پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ ای سی جی مشین کو ہٹا دیا گیا تھا مگر دیگر مشینیں ابھی بھی کام کررہی تھیں۔

''میری بیٹی..... میری جان..... میری چندا.....'' اماں کے لبوں سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرے تھے۔ وہ انہیں کتنی عزیز تھی۔ نیک' سعادت مند اولاد ماں باپ کے سینے کو کیسے ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے ان کے دل سے اس کی خوشیوں کے لیے دعائیں نکلتی تھیں۔ کوئی ان کے دل کو چیر کر دیکھتا وہ اس وقت بیٹی کی اس تکلیف پر کیسے رو رہی تھیں۔

''رونا نہیں میری جان..... بالکل نہیں رونا..... ابھی خدا خدا کرکے طبیعت سنبھلی ہے پھر بگڑ جائے گی۔ اپنے دل کو مضبوط رکھو۔ میری بیٹی تو بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ اب بھی مطمئن رہو۔ فکر نہ کرو چھوٹی سی تکلیف تھی ختم ہوجائے گی۔'' اس کی پیشانی کا بوسہ لیتے اس کے ہاتھ چومتے وہ اسے والہانہ پیار کرتے پچکار رہی تھیں۔

نویرہ کے آنسو تھم ہی نہیں رہے تھے۔ سسک سسک کر' بلک بلک کر سسکی۔ حتیٰ کہ اس کی سانس پھر اکھڑنے لگی۔

''اماں جی! پلیز آپ باہر چلی جائیں۔'' نرس نے فوراً اماں کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ ڈاکٹر شعیب فوراً نویرہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

باقی سب اسے دوبارہ ڈاکٹرز کے رحم و کرم میں دیکھ کر بس آنسو بہا کر رہ گئے۔

وہ ان سب کے دلوں میں دھڑکن بن کر جی رہی تھی' سو آنسو نکلنا لازمی تھے۔

زرش کالج گئی تو فرح نہیں آئی تھی۔ سارا دن اس نے بڑی کوفت اور فرح کو لعنت ملامت کرتے گزار دیا تھا۔ دونوں کا یہ اصول تھا کہ اگر چھٹی کرنی ہے تو دونوں نے ایک ساتھ کرنی ہے ورنہ چھٹی نہیں کرنی۔ آج سارا دن فرح کے بغیر بہت بور ہوئی تھی۔

گھر آتے ہی اس نے بیگ صوفے پر پٹختے ریسیور تھاما تھا۔

''یہ گھر آتے ہی کس کی شامت آگئی ہے۔ نہ کپڑے چینج کیے نہ منہ دھویا اور آتے ہی فون سے چمٹ گئی۔'' شائستہ بیگم کو اس کا بیگ پٹخنا اور پھر فوراً فون کے ساتھ مصروف ہونا ایک آنکھ نہ بھایا تھا سو فوراً ڈپٹ دیا۔

''تایا ابو کے ہاں کررہی ہوں۔ فرح آج کالج نہیں گئی۔ وہ بغیر بتائے کبھی چھٹی نہیں کرتی اس لیے کال کررہی ہوں۔''

شائستہ بیگم نے ہاتھ میں پکڑا میگزین ایک طرف رکھ دیا۔

''السلام علیکم تائی امی۔'' طاہرہ بیگم کے کال ریسیو کرنے پر اس نے فوراً سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام..... ہاں کہو..... کیا بات ہے؟'' زرش کی آواز سن کر انہوں نے اپنے اسی سرد بے تاثر انداز میں پوچھا تھا۔ زرش جز بز ہوئی۔ اسلام آباد جانے سے پہلے فون پر ان کی آواز سنی تھی اور اب سن رہی تھی۔ کن انکھیوں سے ماں کو دیکھا جو پوری طرح متوجہ تھیں۔

''وہ فرح سے بات کرنی ہے۔'' تھوک نگلتے اس نے کہا تھا۔

''کیوں؟'' وہی انداز تھا۔ زرش کا ایک دم پارہ ہائی ہونے لگا۔

''وہ آج کالج نہیں گئی تھی۔ میں نے سوچا کہ پتا کروں' خیریت تو ہے نا؟'' دل ہی دل میں ان کے تفتیشی انداز کو کوستے سامنے بیٹھی شائستہ بیگم کی نگاہوں سے خائف ہوتے اس نے بظاہر آرام سے کہا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے۔ خیریت ہے۔'' وہی سرد برفیلا لہجہ۔ زرش سے اب صبر نہ ہوا۔

''پلیز اس سے بات کروادیں۔'' لہجے کی تلخی کچھ حد تک واضح تھی۔

''وہ سو رہی ہے۔'' انہوں نے اسے ٹالا تھا۔ زرش کا بی پی بڑھنے لگا۔ کھٹاک سے فون بند کردیا۔

''کیا ہوا؟ بات نہیں کروائی تمہاری تائی نے اس سے۔'' شائستہ بیگم جو بغور دیکھ اور سن رہی تھیں'

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

زرش کے چہرے کی سرخی کو جانچا۔

''نہیں..... اور ماما یہ تائی امی کیا چیز ہیں' خود کو کیا سمجھتی ہیں؟'' طاہرہ بیگم کے سرد برفیلے انداز نے زرش کو کافی صدمہ پہنچایا تھا۔

''بری بات۔ وہ بڑی ہیں تم سے۔ اس طرح ذکر نہیں کرتے۔'' ماما نے فوراً ٹوک دیا تھا۔ زرش کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

''ماما! آپ کی اخلاقیات کی مجھے سمجھ نہیں آتی۔ سارے سبق ہمارے لیے اور وہ خود کچھ بھی کرتی پھریں۔ ایسا ہی سبق آپ نے تائی امی کو بھی پڑھا دیا ہوتا۔ آخر کو آپ کی کزن رہ چکی ہیں اتفاق سے۔''

شائستہ بیگم نے اسے گھورا تھا۔

''فضول باتوں کی نہیں ہو رہی زرش۔ بہت فضول گو ہوتی جا رہی ہو تم۔ ہر انسان اپنے ظرف کا بندہ ہوتا ہے۔ انسان کا اخلاق اس کے کردار کا عکاس ہوتا ہے۔ بڑے آخر بڑے ہوتے ہیں' غلطیاں بھی کرتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹے ان کو یوں کہیں۔ یہ سب باتیں تربیت میں شمار ہوتی ہیں اور تربیت سے ہی سیرت و کردار نکھرتے ہیں۔ عقل و فہم میں شعور آتا ہے۔ ادراک کا پہلو روشن ہوتا ہے۔ عقل کی باتیں نظر انداز کرنے کی نہیں۔ جو بات میں اپنے لیے ناپسند کرتی ہوں' میں کیسے پسند کرلوں کہ میری اولاد اس کو اپنی طبیعت میں ڈھالے یا عادت بنائے۔''

شائستہ بیگم کی باتوں پر زرش خاموشی سے وہاں سے اپنا بیگ اٹھا کر کھسک لی۔ باقی سارا وقت وہ طاہرہ بیگم کے رویے پر جلتی بھنتی رہی۔ رہ رہ کر فرح کی یاد ستاتی رہی۔

تین بجے تو اسے اپنی برداشت جواب دیتی محسوس ہوئی۔ کتنے دن ہو گئے تھے تایا کے ہاں گئے ہوئے۔ شائستہ بیگم نوشی سے اپنے سر میں تیل ڈلوا رہی تھیں۔ وہ سیدھی ان کے پاس آ بیٹھی۔

''ماما!'' اس نے اٹھلا کر ان کے دو زانو پر اپنا سر رکھا تو وہ سمجھ گئیں کہ اب ان کی چہیتی ضرور کوئی فرمائش جڑے گی۔

''ہوں۔'' نوشی تیل لگا رہی تھی۔ انہوں نے صرف ''ہوں'' پر ہی اکتفا کیا تھا۔

''وہ میں تایا ابو کے ہاں چلی جاؤں؟''

شائستہ بیگم نے گہرا سانس لیا۔ جانتی تھیں کہ کچھ ایسی ہی فرمائش ہوگی۔

''کیوں۔ فون پر تائی سے عزت کروا چکی ہو' کافی نہیں؟''

''میں کون سا تائی امی سے ملنے جا رہی ہوں۔ فرح سے ملنا ہے۔ سچی ماما فرح یونہی چھٹی نہیں کرتی' ضرور کوئی بات ہوگی۔ پلیز! چلی جاؤں۔'' ان کے گھٹنوں کو دباتے وہ ملتجی ہوئی تھی۔

''زرش تنگ نہ کرو۔ ہر روز ایک ہی ضد۔ کب تک بچی بنی رہو گی۔ اگر ان کے گھر میں کوئی بات ضرور ہوگی تو ان کے گھر کا مسئلہ ہے' تمہیں کیا ضرورت ہے پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی۔ بہت ہو گیا میں تمہیں اب ان کے ہاں قطعی جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' زرش کے ملتجی انداز پر

انہوں نے سختی سے ٹوک دیا تھا۔

زرش بری طرح ہرٹ ہوئی۔ آنکھوں میں نمکین پانی آ بسا۔ انتہائی خفگی سے ماما کو دیکھا۔

''آپ اچھا نہیں کر رہیں۔ مجھے وہاں جانا ہے۔ پلیز۔'' رندھے گلے اور نم آنکھوں سے کہتی وہ شائستہ بیگم کا ضبط آزما گئی تھی۔

''بہت ضدی ہوتی جا رہی ہو تم۔ ایک دفعہ کیا سمجھ نہیں آتا تمہیں۔'' انہیں اس کے آنسو تکلیف پہنچانے لگے تھے مگر لہجے کی سختی برقرار رکھی۔

''ٹھیک ہے۔ میں اکیلی نہیں جاتی' نوشی بھی میرے ساتھ جائے گی۔ اسے تو تائی امی کچھ نہیں کہتیں۔ اب تو اجازت دے دیں۔''

وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔ شائستہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔ مجال ہے جو لہجے کی سختی کا ذرا بھی اثر لیا ہو زرش نے۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ دماغ نہیں کھاؤ میرا۔ نوشی فارغ نہیں ہے۔ کل کو ایگزام کے بعد شادی کر رہے ہیں اس کی۔ گھر داری سیکھے گی تو سسرال میں کام آئے گی اور تم بھی اب اپنا یہ بچپنا چھوڑ دو۔ بہت بچی بن لیا تم نے۔ اب ہوش کے ناخن لو۔'' اسے اجازت دیتے ہوئے انہوں نے ڈانٹنا ضروری سمجھا تھا۔

''اچھا لے لوں گی..... آپ خان بابا کو کہیں گاڑی نکالیں۔ میں چینج کر کے آتی ہوں۔'' وہ ایک دم اپنے تمام آنسو صاف کیے یہ جا وہ جا تھی۔ شائستہ کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔ نہ جانے کب عقل آئے گی اس لڑکی کو۔ وہ متفکر تھیں۔

''آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔ ٹھیک ہو جائے گی۔'' نوشی نے سکون سے کہا تھا۔

''اچھا بس کرو۔ جاؤ خان بابا کو کہو گاڑی نکالیں۔'' تیل کی شیشی بند کر کے اپنے بالوں کا جوڑا بناتے انہوں نے نوشی کو کہا تو وہ چلی گئی۔

خان بابا کو باہر سے ہی رخصت کر کے وہ تیز تیز قدم اٹھاتی سیڑھیاں طے کر کے اندر داخل ہونے کو تھی جب باہر آتے کسی وجود سے بری طرح ٹکراتے وہ پیچھے سیڑھیوں سے نیچے گرتے بال بال بچی تھی۔ مقابل نے فوراً حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے اس کے بازو کو تھام لیا تھا۔

''اوف..... اندھے ہو کر چل رہے تھے۔'' اپنے چکراتے سر کو تھامے' بغیر دیکھے اس نے کہنا لازمی سمجھا تھا۔

''میرا بھی آپ کے بارے میں یہی خیال ہے۔'' دوسری طرف سے بہت سنجیدگی سے جوابی کارروائی ہوئی تھی۔ زرش نے ہاتھ ہٹا کر سامنے والے وجود کو دیکھا۔

''ہائے ستارہ آپی آپ..... خیریت' آپ یہاں.....؟'' پل میں وہ ساری تکلیف بھول بھال چکی تھی۔

''بالکل..... تم سناؤ تم کیسی ہو؟'' ستارہ نے اسے گلے لگاتے بہت محبت سے اس کے رخسار پر بوسہ دیتے پیار سے اسے دیکھا تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"بالکل اے ون..... کس کے ساتھ آئی ہیں۔"

"قادر کے ساتھ آئی ہوں۔ امی پہلے ہی آئی بیٹھی ہیں۔ اندر ہی ہیں۔"

"ہیں..... پھپھو بھی ہیں۔ یہ آج سورج کس سمت سے نکلا ہے۔" اس نے پیچھے مڑ کر سورج دیکھنا چاہا تھا۔ ستارہ کھلکھلائی۔

"بہت بدتمیز ہو تم۔ فرح کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ صبح میں نے کال کی تھی۔ علی نے بتایا تھا۔ میں نے امی کو فون کر کے اطلاع دے دی تھی۔ اب سوچا خود جا کر عیادت کر آؤں۔ میں تو یونہی باہر نکلی تھی۔ اندر دل گھبرا رہا تھا۔ امی وغیرہ سبھی اندر ہیں اور ہاں قیصرہ خالہ بھی اپنی آل اولاد کے ساتھ موجود ہیں۔ ذرا دھیان سے رہنا۔"

"اب کیسی ہے؟ اور مجھے کسی نے بتایا بھی نہیں۔ میں یونہی چلی آئی۔ لو میں اگر نہ آتی تو بھلا مجھے کیسے پتا چلتا۔" اسے فرح کی طبیعت کا جان کر بہت دکھ ہوا۔

وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی تھی۔ لاؤنج میں قیصرہ خالہ' ان کی بیٹیاں اور اسجد بھائی سبھی براجمان تھے۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ تم بھی چلی آئیں۔ مل گئی اطلاع تمہیں بھی۔ خیر سے اکیلی آئی ہو یا کوئی اور بھی ساتھ ہے۔" قیصرہ خالہ نے دیکھتے ہی تیر چھوڑا تھا۔ زرش جز بز ہوگئی۔ دوسری طرف صوفے پر پھپھو بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر اس کا سانس کچھ بحال ہوا۔

"السلام علیکم پھپھو کیسی ہیں آپ.....؟ اتنے سارے لوگوں میں قادر بھائی اور پھوپھی ہی شناسا لگی تھیں۔ وہ فوراً ان کی پناہ میں چلی آئی۔ سلام پیار کے بعد وہ قادر سے حال احوال دریافت کرنے لگ گئی۔

"فرح کدھر ہے؟" اس نے علی کو دیکھا جو اسجد بھائی سے گفتگو میں مصروف تھا۔

"اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی ہے۔"

وہ جلدی سے وہاں سے اٹھ کر فرح کے کمرے میں چلی آئی۔

"بڑی بے مروّت ہو تم۔ اتنا نہ ہوا کہ علی کو کہہ دیتی ایک کال کر دے۔ وہ تو کالج نہیں آئی ہوئی تھی۔ تمہیں سارا دن کوستی رہتی۔ گھر آتے ہی کال کی' تمہاری والدہ ماجدہ سے بات ہوئی' وہ تو تمہیں پتا ہی ہے کہ میری آواز سن کر ان کا لہجہ سرد ہو جاتا ہے یا مستقل یہی زاویہ ہے۔ "فرح سو رہی ہے" (اس نے تائی کے لہجے کی بھرپور نقل اتاری) فرح مسکرا دی۔ "اب ایسی بھی کیا بے مروّتی کہ بندہ کسی کی خراب طبیعت کی اطلاع بھی نہ دے۔" دھپ سے فرح کے بستر پر گرتے وہ شروع ہو چکی تھی۔

فرح کو اتنے لوگوں میں بطور خاص زرش کو دیکھ کر پہلی دفعہ تازگی و اپنائیت کا احساس جاگا۔

بہت محبت و مان سے زرش کے مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کرتے چہرے کو دیکھا۔

"دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اب تم خود سوچو اگر تمہیں اطلاع مل جاتی تو ایسی حالت میں تمہیں

ملتی۔" بہت نقاہت کے باوجود اس نے زندہ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"بکو نہیں..... بخار تو نارمل ہی ہے۔ ویسے یہ طبیعت کی ناسازی کس سلسلے میں ہے؟" اس کی پیشانی چیک کرتے اس نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔ فرح کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ گزر گیا۔ پل میں رنگت متغیر ہوئی۔

"احمق ہو تم بھی' بھلا طبیعت کی ناسازی بتا کر تھوڑی ہوتی ہے۔ بس اچانک ہو جاتی ہے۔"

"ہاں وہی تو پوچھ رہی ہوں۔ یہ اچانک کیوں تھا۔ کل تک تو اچھی بھلی تھیں۔ کالج کینٹین سے دہی بھلے لے کر کھا رہی تھیں۔ آئس کریم کے دور چل رہے تھے اور اب یہ طبیعت۔"

"میں اب بھی اچھی بھلی ہوں بلکہ ہلکی سی حرارت برقرار ہے۔" اس نے مسکرا کر زرش کی بات ٹال دی تو زرش سنجیدگی سے دیکھے گئی۔

"کوئی بات ہے ضرور۔ خیر تم نہ بھی بتاؤ میں پتا تو ضرور لگا لوں گی۔" اس نے فوراً کندھے اچکائے تو فرح الجھی۔

"خدا کو مانو لڑکی۔ اب اپنا یہ منہ بند رکھنا۔ قیصرہ خالہ ادھر ہی ہیں۔ شام تک ان میں سے کسی کا بھی جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہاں تو "منہ سے نکلی کوٹھوں چڑھی" والا حال ہے۔ ان کی زبان کے سامنے پوری توپ فٹ ہے۔ قسم سے عیادت کرنے آئی ہیں' بول بول کر میرا دماغ پلپلا کر دیا ہے۔ انہوں نے وہ تو خیر ہوئی کہ پہلے ستارہ آپی اور پھر پھپھو چلی آئیں اور بچت ہوگئی۔ تم کچھ نہ بولنا۔ "بد سے بدنام برا والا حال ہوگا۔"

اس نے فوراً ٹوک دیا تھا۔ زرش ہنس دی۔

"اب اتنی احمق بھی نہیں ہوں۔ ویسے بھی اب پتا ضرور کروں گی یہ قیصرہ خالہ آخر چیز کیا ہیں۔ ہر کوئی ان کی تعریف میں رطب اللسان اب میں ان سے اچھی خاصی متاثر ہو چکی ہوں یار!"

زرش کے اس بے پروا انداز پر فرح نے گھورنا چاہا تھا مگر زرش کے چہرے پر موجود مسکراہٹ اور بہت عرصے بعد اس کی طبیعت کی وہی جولانی اچھی لگی تھی جو بچپن سے اس کی طبیعت کا خاصا تھی۔

"ویسے یہ قیصرہ خالہ ہیں کس خیال میں۔ کبھی غور تو کرو۔" اس نے اس کے قریب کھسکتے کافی رازداری سے کہا تھا۔

فرح الجھی۔

"مطلب!"

"بہت واضح اور صاف۔ تم نے وہ ساڑھے چھ فٹ مطلب اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں۔ وہی جو قیصرہ خالہ اپنی دختران نیک اختر ان کے ساتھ باندھ کر لائی ہیں۔ بہت ماسٹر مائنڈ کی مالک ہیں۔ وہ پہلے بساط بچھائی تھیں اب وہ پیادے دوڑا رہی ہیں۔" زرش کا وہی چنچل شوخ انداز۔ فرح کے خاک پلے نہ پڑا۔

"میں اسجد بھائی کی بات کر رہی ہوں۔ احمقِ عظیم۔ خالہ تمہاری ہیں اور خبر مجھے رکھنا پڑ رہی ہے۔"

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

فرح کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ زرش کی بکواس بالکل سر سے گزر گئی۔

"کیوں پہیلیاں بوجھوا رہی ہو۔ صاف بات کرو۔" اس نے ٹوک دیا۔ ابھی بیماری کی حالت میں تھی۔ سوچنا سمجھنا بحال نہ ہوا تھا۔

"صاف بات تو قیصرہ خالہ خود کریں گی۔ وہ بھی تمہارے والدِ محترم' میرا مطلب ہے ہمارے محترم تایا جان سعید احمد صاحب سے۔ بچ کے رہنا کہیں وہ تمہاری عیادت کے بہانے پکا کام ہی نہ کر جائیں۔" فرح کی بھویں تن گئیں۔

"زرش..... یہ کیا بکواس ہے؟" اس نے ناگواری سے ٹوکا۔

"بکواس نہیں' ہنڈرڈ پرسنٹ سچ ہے۔ قیصرہ خالہ ویسے جائیداد کے چکر وکر میں ہیں۔ پہلے سمعان بھائی کے لیے فوزیہ آپی کے رشتے کا شوشا چھوڑا تھا۔ وہ تو خیر ہو کہ ان کی بیٹی صاحبہ ہی کوئی سرا پکڑانے کے چکر میں نہیں تھیں۔ محترمہ کی اپنے کسی کولیگ یا شاید کلاس فیلو کے ساتھ کمٹمنٹ تھی۔ اب قیصرہ خالہ کیسے اپنے منہ سے اپنی بہن صاحبہ کو انکار کر دیتیں۔ اتنا واویلا جو خاندان بھر میں مچا رکھا تھا وہ کیا ہوتا۔ اس رشتے کے پیچھے انہوں نے کیا کچھ نہ کیا تھا۔ کیا کیا ڈرامے اسٹیج نہ کیے تھے۔ اب اتنی جلدی اپنے ہی منہ سے اپنی بہن کو انکار کر کے بہن کو بھی اپنی طرف سے بدظن کر دیتیں اور لوگوں کو بھی۔ انہوں نے دوہری چال چلی۔ سمعان بھائی کا معاملہ اسی طرح چھوڑتے انہوں نے امجد بھائی کے لیے تمہاری بات چھیڑ دی ہے۔"

"نہیں..... کیا..... واقعی؟" فرح کے ہاتھوں کے چڑیا طوطے سب اڑ گئے۔ بے پناہ استعجاب انگیز نگاہوں سے زرش کا چمکتا دمکتا چہرہ دیکھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اصل چکر تو جائیداد کا ہے۔ تائی امی نے ان کو اپنے گھر کی ساری تفصیل بتا رکھی ہے۔ پاپا' تایا جان' سمعان بھائی اور دادا جان کی چھوڑی ساری جائیداد کی تفصیل۔ انہوں نے یونہی خاموشی اختیار نہیں کی۔ اندر ہی اندر کھچڑی پک رہی ہے جو تائی امی وقت آنے پر سب کو چکھائیں گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کی بربادی کا موسم ہے۔"

اپنے اسی شوخ انداز میں زرش نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے فرح کے بستر پر پاؤں پسارے تھے۔ فرح کو اپنا دماغ سنسناتا محسوس ہوا۔

"تمہیں یہ ساری تفصیلات کہاں سے ملیں؟" فرح نے مشکوک نظروں سے زرش کو دیکھا تو وہ کھلکھلائی۔ بڑی چمک تھی اس وقت زرش کے چہرے پر۔

"اب تمہاری طرح کان بند تو نہیں رکھتی۔ ساری خبر رکھتی ہوں۔ یوں کہو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہوں۔ تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں۔" اچانک کہتے کہتے وہ کچھ سنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ فرح نے لرزتی پلکوں سے دیکھا۔ نہ جانے اب زرش صاحبہ کی زنبیل سے کیا نکلنے والا تھا۔ اللہ خیر کرے۔ وہ دہل گئی۔

"ہوں۔"

"سمعان بھائی لگتا ہے کسی بڑے چکر میں ہیں۔"

"ہیں؟ کیا مطلب؟" فرح پر لگتا تھا آج "کیا مطلب" کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ فوراً سیدھی ہوئی۔ آنکھوں میں بے پناہ استعجاب لیے زرش کو دیکھا جو واقعی آج موڈ میں تھی۔

"بہت بدھو ہو تم۔ میرا مطلب ہے میں نے ان کی باتوں سے انداز لگانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کسی کو ضرور پسند کرتے ہیں۔ میں نے چند ایک بار پوچھا بھی تھا مگر وہ مجھے ہر بار طرح دے جاتے ہیں۔ میرا مطلب ہے ٹال جاتے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

فرح نے ایک گہری سانس خارج کی تاہم جگمگاتی نگاہوں سے زرش کو دیکھا۔ نرم و نازک پیاری سی یہ لڑکی کس قدر بے ریا اور معصوم تھی اور سب سے بڑھ کر اس کے جان سے پیارے بھائی جان کے دل کی خواہش تھی۔ جب سے سمعان کی خواہش کا علم ہوا تھا یہ اسے اور بھی عزیز ہو گئی تھی۔

"کوئی خیال ویال نہیں ہے۔ تمہارا دماغ خراب ہے بس۔"

"دیکھنا کسی دن میں ثبوت کے ساتھ تمہارے سامنے اس حقیقت کو لاؤں گی تب مجھے ٹالنا۔" فرح کے رد کرنے پر اس نے بھی فوراً چیلنج کیا تھا۔

"خدا کو مانو لڑکی' کیوں سمعان بھائی سے پٹنے کا ارادہ ہے۔" اس نے اس کے ارادوں سے ڈرتے اسے دہلانا چاہا تھا۔ اس نے ہاتھ جھٹکا۔

"اتنی محبت کرتے ہیں وہ مجھ سے' اتنا خیال رکھتے ہیں وہ میرا' مجھے کبھی مار ہی نہیں سکتے۔ بس تم دیکھتی جاؤ میں کیا کرتی ہوں۔" اس نے چٹکی بجائی تھی۔ فرح نے سر تاسف سے ہلاتے اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ تم لاعلاج ہو۔

"اور تم ذرا یہ اپنے امجد بھائی صاحب سے بچ کے رہنا۔ ویسے وہ تو اچھے خاصے پرسنالٹی وائز سراہے جانے کے قابل ہیں۔ جاب بھی اچھی ہے۔ کوالیفکیشن ایم بی اے' قابل تعریف ہے۔ کسی ہیرو سے کم نہیں۔ خوبصورت اور سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ بس ایک خامی ہے کہ قیصرہ خالہ کے بیٹے ہیں۔ کیا خیال ہے۔ چلیں گے کہ نہیں۔" اس نے شرارتی نگاہوں سے فرح کو دیکھا تو اس نے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

"تمہارے دماغ کا خناس ہے اور کچھ نہیں۔"

"میں ذرا باہر کا بھی درجہ حرارت چیک کر آؤں کہ موسم کیسا ہے۔ کچھ اردگرد کے لوگوں کے مزاج کی بھی خبر لینی چاہیے کہ یہ ہمارے قریبی رشتہ دار ہیں اور نہیں تو پھپھو وغیرہ سے ہی لاڈ کرتی ہوں۔ سچ مچ تمہاری سڑیل خالہ تو جل بھن جائیں گی۔" وہ اسی طرح مزے سے کہتی جھپاک سے بستر سے اتر کر یہ جا وہ جا تھی۔

فرح ہونٹوں پر دھیمی مسکان لیے مسکراتی سوچتی رہی۔ یہ پیاری سی لڑکی اپنے اسی خاص انداز سمیت سب کے دلوں میں تھی۔ ہنستی' کھلکھلاتی' مسکراتی۔ بڑی سے بڑی بات کو بھی بالکل نارمل انداز میں لینے والی۔

سمعان احمد اور تایا جان آگے پیچھے ہی گھر لوٹے تھے۔ مہمانوں کی آمد کی اطلاع علی نے انہیں دے

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

دی تھی۔

شام کی چائے پر سبھی براجمان تھے۔ سعید احمد کے لیے طاہرہ بیگم کی فیملی سمیت آمد مزاج پر گراں گزری تھی تاہم انہوں نے بروقت خود کو سنبھالا دے کر اپنے مزاج کو قابو میں کرلیا تھا کہ گھر آئے مہمانوں کی عزت تواضع کبھی ان کے خاندان کی خاص الخاص روایت رہی تھی۔ انہوں نے سب سے خندہ پیشانی سے سلام دعا کرتے اسجد میاں سے باقاعدہ گفتگو کرنا شروع کردی تھی۔

اس دوران سمعان احمد بھی لباس تبدیل کرکے ادھر آ گیا تھا۔ قادر' اسجد' علی' سمعان چاروں باتوں میں مصروف ہوئے تو سعید احمد صاحب بھی لباس تبدیل کرنے کو چلے گئے۔ ستارہ آپی' فرح کو کمرے سے باہر نکال لائی تھیں۔ وہ لاؤنج میں سبھی کے درمیان بیٹھی خوب محظوظ ہورہی تھی۔

''ایم کام کی اس دور میں بہت ڈیمانڈ ہے۔ ایم بی اے تو اب سبھی کررہے ہیں مگر اس طرف کم ہی اسٹوڈنٹ آتے ہیں۔ پھر میرا خاص انٹرسٹ بھی اسی فیلڈ میں تھا تو میں نے اسی کو منتخب کیا۔''

ستارہ کے فوزیہ سے ''تعلیم کیسی چل رہی ہے'' پوچھنے پر بڑے بناوٹی انداز میں جواب موصول ہوا تھا۔

''خدا محفوظ رکھے۔ ایسی بھی دیدہ سوائی نہیں ہوئی کہ ایم کام کے بارے میں ایسے نادر خیالات سننے کو ملیں۔'' زرش ستارہ کے کان میں منمنائی تھی۔ یہ نادر خیالات فرح کے کانوں میں بھی بخوبی پہنچے تھے۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

ویسے فوزیہ آپی آپ ایم بی اے کے بارے میں ایسی رائے تو نہیں دے سکتیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج کے دور میں ہر کوئی اب اسی فیلڈ میں آرہا ہے مگر کبھی اس کی بھی بڑی مانگ رہی ہے۔ خاص طور پر اسجد بھائی تو ہیں ہی ایم بی اے۔ اچھی خاصی پوسٹ پر فائز ہیں۔ اس ڈگری کی کوئی ویلیو ہے تو وہ اس فیلڈ میں ہیں۔''

زرش کو فوزیہ کا بناوٹی انداز ہضم نہیں ہوا تھا سو اس نے تبصرہ لازمی سمجھا تھا۔ فوزیہ اپنی ہی بات میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ بھنا کر زرش کو دیکھا۔ آنکھوں میں ڈھیروں چمک لیے' چہرے پر شریر مسکراہٹ سجائے وہ انہیں کچھ چبھوسی گئی۔

''میں سب کی بات نہیں کررہی۔ میں تو یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ ان دو تین سالوں میں لوگ زیادہ ہی اس فیلڈ میں آرہے ہیں۔ اب یہ فیلڈ ایسی تو نہیں کہ ریوڑیاں بانٹنے والا حال ہوجائے۔ جس یونیورسٹی کو دیکھو وہ ایم بی اے کروارہی ہے۔''

''دراصل ان کا سارا زور اس بات پر ہے کہ یہ جو پڑھ رہی ہیں وہ سب سے اعلیٰ ہے۔'' زرش کے کمنٹس پر ستارہ کو اپنا قہقہہ روکنا محال ہوگیا تو اس نے چہرے کا رخ موڑ لیا۔ فوزیہ جسے زرش کی آواز تو سنائی دی تھی الفاظ آواز دھیمی ہونے کی بدولت سر کے اوپر سے گزر چکے تھے۔ ستارہ کو ہنسی ضبط کرتے دیکھ کر فوراً چہرہ سرخ ہوا تھا۔ اسے زرش پہلی بار ناقابلِ برداشت لگی اور شاید آخری بار بھی۔

''ایم بی اے تو انشاء اللہ میں بھی کروں گی۔ سمعان بھائی بی بی اے کے بعد امریکہ سے ایم بی اے

کرکے آئے تھے۔ آج اپنی پوری فرم کو بیچ کیے ہوئے ہیں۔ ٹھیک ہے میں بیرون ملک نہیں جاؤں گی مگر میرا ارادہ انشاء اللہ اسی فیلڈ میں نام کمانے کا ہے۔''

فوزیہ کی طرح زرش نے بھی اٹھلا کر کہا تھا۔

''اور سجل تم کہاں ہوتی ہو' کالج میں کہیں دکھائی نہیں دیتیں؟'' اچانک زرش کا رخ قیصرہ خالہ کی سب سے چھوٹی بیٹی سجل کی طرف ہوا تھا۔ وہ فوراً گڑبڑائی۔ اسے اپنی شامت آتی محسوس ہوئی۔

''نہیں' کالج میں ہی ہوتی ہوں۔ میرے اور تمہارے اختیاری مضامین مختلف ہیں۔ پھر لازمی میں بھی ہمارا سیکشن چینج ہے۔ میں تو خود بھی تم لوگوں کو بہت کم دیکھتی ہوں۔'' ہڑبڑا کر اس نے فوراً وضاحت دی تھی۔ زرش ہنس دی۔

سجل ان کے کالج میں ہی ایڈمٹ تھی۔ پڑھائی سے جان چھڑانے والی یہ بدھو سی سجل اندر سے چیز بڑی اعلیٰ تھی۔

''رابعہ باجی تو سینٹر میں اکثر دکھائی دیتی رہتی ہیں۔ دراصل ڈرامیٹک سوسائٹی کی چیئرمین یہی ہیں۔ اس فیلڈ میں یہ بہت آگے جاسکتی ہیں۔ ویسے رابعہ آپی آپ کسی پروڈیوسر وغیرہ سے رابطہ کیوں نہیں کرتیں۔ ایڈیٹنگ کے بڑے گٹس ہیں آپ میں۔'' زرش کو بڑے عرصے بعد صحیح مزہ آرہا تھا ان کو چھیڑنے کا اس لیے ایک کے بعد ایک کو کھنگال رہی تھی۔

''تم نے ڈرامیٹک سوسائٹی کی چیئرمین شپ چھوڑی نہیں۔'' اسجد جس کی توجہ گاہے بگاہے اسی طرف ہورہی تھی' اس نے پلٹ کر اپنی بہن کو کڑی نظروں سے دیکھا۔

''اب آئے گا مزہ۔'' زرش نے فرح کے کان میں سرگوشی کی۔ رابعہ اپنے بھائی کو اپنی طرف متوجہ پاکر بری طرح گڑبڑا گئی۔

''نہیں بھائی۔ چھوڑ دی ہے۔'' وہ فوراً صفائی میں بولی تھی۔

''اچھا..... مگر رابعہ باجی پچھلے دنوں ایگزیمز سے پہلے جو ہمارے کالج میں پورے ایک ہفتے آپ کی نگرانی میں ادبی پروگرام منعقد ہوئے تھے وہ کیا تھے۔ میں تو یہی سمجھی تھی کہ آپ ابھی بھی اسی عہدے پر کام کررہی ہیں۔''

رابعہ' فوزیہ سے چھوٹی اسی کالج سے پوسٹ گریجویٹ کررہی تھی جدھر زرش اور فرح تھیں۔ رابعہ نے دانت چباتے گھور کر زرش کو دیکھا جس نے خاصی بلند آواز میں اس کا بھانڈا پھوڑا تھا۔ قیصرہ بیگم بھی خصوصی طور پر متوجہ ہوئیں۔

''ہاں تو وہ سب میری نگرانی میں ہی ہوئے تھے مگر چھٹیوں کے بعد میں نے اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔'' سڑیل مگر کھا جانے والی نظروں سے زرش کو دیکھتے اپنے بھائی کو بتا رہی تھی۔

''میں گھر جاکر ساری تفصیل سنوں گا۔'' اسجد نے دوبارہ قادر کی طرف رخ کرلیا تھا مگر اس کی آواز میں جو تنبیہ تھی اس کی وجہ سے رابعہ زرش کو گھورے گئی۔

قیصرہ بیگم کو ان سب کے درمیان کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔ رابعہ کے بگڑے تیور اور اسجد کا سنجیدہ

BEST NOVELS BLOGSPOT.COM

انداز۔ انہوں نے بغور سب کو دیکھا۔

ہنستی کھلکھلاتی زرش اب ستارہ سے باتوں میں مصروف تھی۔ ان کے دل پر سانپ سے لوٹنے لگے۔ رابعہ جو کالج میں ڈرامیٹک سوسائٹی کی چیئر مین تھی' کالج پروگرام ترتیب دیتی رہتی تھی۔ انہی پروگرام کے دوران اس کی ایک پروڈیوسر سے بھی ملاقات ہوئی تھی جن حضرت نے رابعہ صاحبہ کو اپنے کسی ڈرامے میں کام کرنے کی آفر کی تھی اور تب سے ہی امجد اور رابعہ کے درمیان ایک سرد سی فضا تن چکی تھی۔ رابعہ ٹی وی ڈرامہ کرنا چاہتی تھی اور امجد منع کر رہا تھا اور یہ شاید اسی سلسلے کی کوئی کڑی تھی جو زرش نے مزے سے بیان کی تھی بلکہ آگ لگائی تھی۔ وہ کینہ توز نظروں سے زرش کو دیکھے گئی۔

زرش کی چونکہ اپنی کچھ سینئرز سے اچھی خاصی علیک سلیک تھی۔ انہوں نے زرش کو رابعہ کے متعلق یہ ساری بات بتائی تھی۔ اس کے اور فرح کے درمیان کافی بات چیت بھی ہوئی تھی اس موضوع سے متعلق۔ اب تو اس نے یونہی چھیڑنے کو ذکر کیا تھا مگر تیر نشانے پر لگا تھا اور وہ ان کو چھیڑ کر مسرور سی اپنی باتوں میں مگن ہو چکی تھی۔

قیصرہ خالہ کی پانچ اولادیں تھیں۔ بڑی صباحت باجی تھیں جن کی اپنے شہر میں ہی شادی ہو چکی تھی' پھر امجد بھائی تھے۔ اس کے بعد فوزیہ تھی' فوزیہ کے بعد رابعہ اور بجل تھیں۔

''آپ نے سعد کے بارے میں بھی کچھ سوچا' سنا ہے۔ اگلے ایک دو مہینوں میں پاکستان آ رہا ہے۔''

قیصرہ خالہ کو غصہ جتنا بھی ہو' مطلب کی بات پر فوراً شیر و شکر ہو جاتی تھیں۔ فرح سے بات کرتی زرش کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' فرح نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''کچھ نہیں۔ ذرا ادھر کی خبر لے لوں' پھر ادھر کی سنتی ہوں۔'' وہ علی کے پاس جا بیٹھی تھی جہاں سے پھپھو اور قیصرہ خالہ کی گفتگو آرام سے سنائی دے سکتی تھی۔

''ماشاء اللہ سے ڈاکٹری کی تعلیم مکمل ہو چکی ہے۔ بس یونہی رکا ہوا ہے۔ جیسے ہی پاکستان آئے گا اس کا گھر بسانے کا کروں گی۔''

پھپھو نے بڑے دھیمے انداز میں بتایا تھا۔ طاہرہ بیگم نے خاموشی سے ان کو دیکھا۔

''کوئی لڑکی بھی دیکھی ہے یا نہیں۔''

قیصرہ خالہ آخر لڑکیوں کی ماں تھیں' وہ بھی خوبصورت بیٹیوں کی۔ خاندان بھر کے ہونہار' صاحب جائیداد لڑکوں پر ان کی نظریں تھیں۔ وقت آنے پر تو لوگ گدھے کو بھی باپ بنا لیتے ہیں۔ اس وقت ان کے لہجے کی شیرینی دیکھنے کے قابل تھی۔ یوں مخاطب تھیں جیسے واقعی پھوپی جان سے بڑے دوستانہ و محبت بھرے تعلقات رہ چکے ہوں۔

زرش کو ان کی پالیسی پر رہ رہ کر تاؤ آیا۔

''نہیں..... ابھی نہیں دیکھی۔ دراصل آج کل کے لڑکے پسند کی شادی کو اہمیت دیتے ہیں۔ میں

رکی ہوئی ہوں کہ پاکستان آئے۔ اپنا کلینک جو بھی سیٹ کرنا ہے' خیر سے جما لے تو پھر اگر اس کی پسند ہے تو وہیں بارات لے جاؤں گی ورنہ اپنی مرضی تو کروں گی ہی۔'' انہوں نے اسی رسانیت سے جواب دیا تھا۔

''اچھا! میں نے تو سنا ہے کہ آپ کا ارادہ سعود کے ہاں بات چلانے کا ہے۔'' زرش تو چونکی ہی' طاہرہ اور نفیسہ بیگم بھی حیران ہوئیں۔ انہیں واقعی ساری خبریں تھیں۔

''یہ تو بچوں کی قسمت ہے کہ کہاں جوڑ بنتا ہے۔ آپ کو غلط خبر ملی ہے۔ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ ہاں اگر ایسی بات ہو بھی جائے تو مضائقہ کیا ہے۔ میرے بھائی کی بچیاں ہیں' میرے لیے تو ساری دنیا سے زیادہ ہیں۔ خدا میرے بھائیوں کو سلامت رکھے' صحت دے' اپنے بچوں کی خوشیاں دکھائے۔ سعد کا رجحان اس طرف نہیں پھر بھی اگر آپ کے علم میں بات آئی ہے تو یقیناً کہیں نہ کہیں سے بات چلی ہی ہے۔ بیٹی کا معاملہ ہے۔ میں کیوں غلط بات کروں۔ جب بھی کوئی ایسی بات ہوئی باقاعدہ رشتہ ڈالوں گی۔ یوں کسی کی بیٹی سے متعلق ایسے فوراً کچھ نہیں کہہ دیتے۔ ہماری اپنی بھی بچیاں ہیں۔'' انہوں نے سنجیدگی سے ٹوک دیا تھا۔

قیصرہ خالہ اک ادا سے مسکرا دی تھیں۔

زرش کو اپنے اعصاب جھنجناتے محسوس ہوئے۔

''میں بھی بچیوں کے بارے میں خاصی فکر مند رہتی ہوں۔ اللہ نے نہ جانے کہاں جوڑ بنائے ہیں۔ ساتھ خیریت کے سامنے لائے۔'' انہوں نے فوراً بات بدلی تھی۔

طاہرہ بیگم خود بھی چہرہ موڑ گئیں۔ اچھی طرح قیصرہ کا مطلب سمجھ رہی تھیں مگر وہ کچھ بھی کہنے سننے سے قاصر تھیں۔ سعید احمد تو کمرے میں جا کر بند ہو گئے تھے۔ قیصرہ کی موجودگی میں ان کا یہ طرز عمل ہمیشہ سے رہا تھا۔ پھر وہ کوئی امید کیسے دلاتیں۔

باہر مغرب کی اذانیں شروع ہوئیں تو زرش کو وقت گزرنے کا احساس ہوا۔

'اف..... اتنی دیر ہو گئی۔ ماما کا غصہ تو سوا نیزے پر پہنچ گیا ہو گا۔'' گھڑی دیکھتے وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

سمعان نے اسے کھڑے ہوتے دیکھ کر سوالیہ دیکھا۔

''چلنا چاہئے' بہت دیر ہو گئی ہے۔'' سمعان کی سوالیہ نگاہوں کا جواب اس نے زبان سے دیا تھا۔

''مگر ڈرائیور تو آیا نہیں۔'' علی نے فوراً کہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ..... ہم لوگ تھوڑی دیر میں نکلنے والے ہیں۔ ہمارے ساتھ ہی چلنا۔'' ستارہ آپی نے فرح سے بات کرتے اسے بھی ٹوکا تھا۔ وہ ان کے پاس دوبارہ جا بیٹھی اور پھر اپنی طبیعت کے مطابق شروع ہو چکی تھی۔

فوزیہ اس کی نان اسٹاپ چلتی زبان پر جز بز ہی ہوتی رہی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

تین دن ہاسپٹل میں رہنے کے بعد وہ گھر آ چکی تھی۔

تین دنوں میں وہ نارمل نہیں ہوئی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد سے اب تک وہ بالکل گم صم حواس باختہ سی تھی۔ وہ جن حالات سے گزر رہی تھی۔ اس نے جن لمحوں کا عذاب اپنی روح پر جھیلا تھا۔ ان کے تصور سے ہی اس کی نبضیں ڈوبنے لگتی تھیں۔

''اگر واقعی شارق زمان اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جاتا تو.....؟'' اس تصور سے ہی وہ لرز اٹھتی تھی۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

اس پر تو گویا سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔

اس کی کنڈیشن سب کو ہی نظر آ رہی تھی۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ پر الجھ چکے تھے مگر نویرہ تھی کہ اس کی چپ ہی نہیں ٹوٹ رہی تھی۔

ہاسپٹل سے آنے کے بعد سے وہ مسلسل کمرے میں بند تھی۔

''کیا ہوا ہے؟ کس چیز کی اس نے ٹینشن لی ہے؟'' خالدہ بیگم اسے پوچھ پوچھ کر تھکی جا رہی تھیں لیکن لگتا تھا نویرہ پر کوئی سایہ سا ہو گیا ہے۔ وہ لاکھ چاہنے کے باوجود اپنے آپ کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔

دل چاہ رہا تھا کہ دل کھول کر روئے مگر کہنے کو لفظ ہی نہیں مل پا رہے تھے۔ اعتماد ٹوٹا تھا اس کا۔ وہ تو ذلت کی کھائی میں گرتے گرتے بچی تھی۔ جس تجربے سے وہ گزر رہی تھی اس کا تصور ہی اس کو حواس باختہ کر دیتا تھا۔ شادی کا گھر عیادت والا گھر بن چکا تھا۔ دُبئی سے ساجد بھائی بیوی بچوں سمیت شادی میں شرکت کے لیے ایک دن پہلے ہی پہنچے تھے۔ یہاں آ کر بہن کی حالت دیکھ کر متفکر سے ہو گئے تھے۔

ان تین دنوں میں وہ زرد کملا کر رہ گئی تھی۔

دوپہر میں میڈیسن دے کر نبیلہ بھابی نے اسے سلا دیا تھا۔ اس وقت وہ کمرے میں اکیلی تھی۔ آنکھ کھلی تو وہ کئی ثانیے یک ٹک چھت کو گھورے گئی۔

گزرے واقعات کسی فلم کی طرح دماغ میں گردش کرتے چلے گئے۔

ہاسپٹل میں اسے صرف ایک دفعہ شارق زمان دکھائی دیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی نویرہ کو اپنی نبض ڈوبتی محسوس ہوئی تھی۔ دل پر اختیار ختم ہوتا محسوس ہوا تو اس نے سختی سے آنکھیں بھینچ لی تھیں اور پھر ان تین دنوں میں وہ اسے دوبارہ دکھائی نہیں دیا تھا اور وہ دوبارہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

نویرہ کو ان لمحوں کو یاد کر کے ہی جان جسم کا ساتھ چھوڑتی محسوس ہوئی تھی۔

ایک گہری سانس خارج کرتے بستر سے اترتے وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر تولیے سے چہرہ صاف کرتے وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ رخسار پر تولیہ پھیرتے نویرہ کو اپنا رخسار جلتا محسوس ہوا۔

''یا اللہ.....'' اس کے وجود پر کپکپی سی طاری ہو گئی تھی۔ بے اختیار اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ

چھپا لیا۔

وہ سسک اٹھی۔

اندر تو ایک قیامت برپا تھی

وہ کس کو بتاتی' کس سے کہتی۔

شارق زمان کے تیوروں سے وہ آگاہ تھی مگر اس حد تک وہ چلا جائے گا اس کے دماغ کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہ تھی۔ نہ جانے اس سے کہاں غلطی ہو گئی تھی۔ کہاں وہ چوک گئی تھی' کب اس نے ایک مرد پر اعتبار کر کے اس کے کمرے کی دہلیز پار کر لی تھی۔ وہ جوں جوں سوچتی اسے اپنا دماغ سنسناتا محسوس ہوتا۔

اسے اپنا آپ بچا کر اس کمرے سے باہر نکل آنا ایک خواب ہی تو لگ رہا تھا۔

ایک بھیانک خواب.....

نویرہ کو اپنا آپ ایک طوفان میں گھرا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

معاً دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ نویرہ کی ساری حسیات ایک دم الرٹ ہوئیں۔ اس نے فوراً تولیے سے چہرہ صاف کیا۔

''کون.....؟'' مرجھائی لرزتی آواز تھی۔ جواباً دروازہ کھل گیا تھا۔ نویرہ خاموشی سے آنے والے کو دیکھنے لگی۔

''السلام علیکم.....'' نواز نے اندر داخل ہوتے مسکرا کر اسے دیکھا تو نویرہ ایک دم چہرہ پھیر گئی۔ اچھی طرح چہرہ صاف کیا۔

''وعلیکم.....'' وہ خاموشی سے اپنے بستر پر آ بیٹھی۔

جبکہ نواز سائیڈ کرسی پر۔

''کیسی ہیں؟'' نواز نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''ٹھیک ہوں.....'' اس کی گم صم کیفیت تقریباً ختم ہو رہی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ بحال ہو رہی تھی۔ نواز نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔

زرد پیلا مرجھایا چہرہ تھا۔

وہ کسی بھی زاویے سے نہیں لگ رہی تھی کہ آٹھ دس دن بعد اس کی شادی ہے۔

''میں گزر رہا تھا ادھر سے' سوچا خیریت پوچھتا چلوں۔ بہت پریشان کر کے رکھ دیا ہے نویرہ آپ نے سب کو.....'' وہ بغور نویرہ کے جھکے سر کو دیکھتے کہہ رہا تھا۔ نویرہ اس شکوے پر سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔

نواز کو ایک پل کو اس کی نگاہوں کا تاثر عجیب سا لگا۔

''میں نے..... میں نے کیا کیا ہے؟'' کچھ دیر پہلے وہ ایک طوفان میں گھری ہوئی تھی اب ایک دم کیسے وہ خود کو بحال کر لیتی۔ بھیگی آواز تھی۔ نواز نے یوں دیکھا جیسے اس کی بھیگی آواز کا پس منظر کھوج

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

لینا چاہتا ہو۔

''نویرہ! کیا بات ہے۔ اس دن بڑی اماں کے ہاں تم ایسی تو نہ تھیں۔ کیا مسئلہ ہے' کس چیز کی ٹینشن لی ہے تم نے؟''

اماں کے سوال اب نواز کی زبان پر آ گئے تھے۔ پچھلے تین دنوں میں وہ مسلسل اسپتال کئی کئی گھنٹے رہا تھا۔ نویرہ کے گم صم انداز پر وہ بارہا چونکا تھا۔ مگر اس کا ذہن کچھ نہیں سوچ پا رہا تھا بلکہ وہ الجھ گیا تھا۔ نویرہ کی یہ حالت کیوں ہے۔

نواز کے سوال پر نویرہ کو اپنے اوپر کنٹرول ختم ہوتا محسوس ہوا تھا۔ اگلے ہی پل وہ پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی۔

''نویرہ!.....نویرہ!.....پلیز.....''

نواز اس کے اس طرح ٹوٹ کر رونے پر ہی حواس باختہ ہو گیا تھا۔ ایک دم ہی سیٹ چھوڑ کر اس کے قریب آ گیا تھا۔

اسے رونے سے باز رکھنے کے لیے نواز نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کا سر اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ نویرہ تو ان لمحوں میں بری طرح بکھری تھی۔ اس کے اندر جو آگ لگی ہوئی تھی وہ اس کی تپش کس کو بتاتی' کیسے خود کو سنبھالتی۔ وہ جس اذیت سے گزر رہی تھی وہ کیفیت کس سے کہتی۔ ان لمحوں میں تو اسے اپنا بھی ہوش نہ تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ کس کے سامنے کر رہی ہے۔

''نویرہ' پلیز' کیا ہوا ہے؟'' گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا نواز فاروق بہت پریشان ہو رہا تھا' حد درجہ پریشان۔

نویرہ جیسی لڑکی کا اس طرح بیمار ہونا اور اب یہ رویہ.....اس طرح ٹوٹ کر بکھرنا' وہ الجھ کر رہ گیا تھا۔ یہ سب ایک معمہ ہی تو تھا۔

نواز نے اس کے دونوں ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹائے تھے۔ آنسوؤں سے بھیگا چہرہ کسی بھی قیامت سے کم نہ تھا۔ نواز کو اپنے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگزیں ہوتا محسوس ہوا۔

''کیا ہوا ہے' نویرہ!'' بہت حلاوت و نرمی سے نواز نے پوچھا تو نویرہ چونکی تھی۔ ایک دم احساس ہوا کہ وہ کیا حماقت کر چکی ہے اور کیا کرنے جا رہی ہے۔ اس نے ایک دم ہاتھ کھینچ لیے تھے۔ نواز نے ایک گہری سانس خارج کرتے نویرہ کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا۔

''کچھ بھی نہیں.....بس یونہی دل بھر آیا.....'' اپنی بھیگی آنکھیں سختی سے ہاتھ سے رگڑیں۔ مگر آنسو تھے کہ بہتے چلے آ رہے تھے گویا بند کا منہ ٹوٹ گیا تھا۔

''میں وجہ نہیں پوچھوں گا پھر بھی اگر اعتبار کرو تو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی ہو۔ بلیومی' میں ایک اچھا کزن ثابت ہو سکتا ہوں۔ اگر تم اس شادی سے اپ سیٹ ہو' یا شادی پر اعتراض ہے تو پلیز کہہ دو۔ میں مائنڈ نہیں کروں گا۔''

نواز کی بات پر نویرہ نے صرف سر ہلایا تھا۔

''نہیں.....''

یہ پہلا موقع تھا کہ شادی سے متعلق دونوں کے درمیان کوئی بات ہو رہی تھی۔

''میں بہت محسوس کر رہا ہوں اس چیز کو' تم خوش نہیں ہو.....''

''پلیز آپ چیئر پر بیٹھیں.....'' نویرہ کو نواز کی قربت کا احساس ہوا تو ٹوک دیا کہ بہر حال ان میں کبھی اتنی بے تکلفی نہیں رہی تھی۔

''میرے سوال کا جواب نہیں دیا تم نے.....'' کرسی پر بیٹھ کر انہوں نے نویرہ کو ٹوکا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے والدین سے بچھڑنا کوئی آسان مرحلہ تو نہیں ہوتا۔ میری تو اس تصور سے ہی نبض ڈوبنے لگتی ہے کہ اب کچھ دن بعد امی' ابو' بہن' بھائیوں' سب کو چھوڑنا پڑے گا۔'' نویرہ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔

اب رونے کا کچھ تو سبب بیان کرنا ہی تھا۔

پلکیں اٹھا کر نواز کو دیکھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ نویرہ کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اس وقت کئی کیفیات میں گھری طوفانوں کی زد پر تھی۔

کبھی دل چاہتا کہ سارے عالم کو خود پر بیتنے والی قیامت بتا دے مگر.....

''یقین کریں.....میری طبیعت یونہی خراب ہو گئی تھی۔ شادی سے متعلق تو کوئی بات ہی نہیں۔ یہ رشتہ میری امی' بہن' بھائیوں نے مل کر بڑی خوشی سے طے کیا تھا۔'' نواز کی سنجیدگی سے وہ ایک دم خوفزدہ ہو گئی تھی۔ جو منہ میں آیا بول دیا۔

''اور تمہاری خوشی کہاں ہے.....؟'' نواز کی سنجیدگی ابھی نہیں ٹوٹی تھی۔

''میں والدین کے فیصلے کو اہمیت و عزت دینے والی لڑکی ہوں۔ پلیز آپ مجھ سے اس طرح کے سوال نہ کریں۔ مجھے لگ رہا ہے گویا آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔ میرے والدین کی خوشی ہی میری خوشی ہے' یقین کریں۔ پلیز.....'' آخر میں اس کی آواز پھر رندھ گئی۔

اس کی ذات بے اعتباری کی زد پر آ چکی تھی۔

نواز کے اس طرح کے سوالوں سے وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔

یہ سوال اگر نواز کے لبوں پر تھے تو یقیناً بہت سوں کے ذہنوں میں بھی ہوں گے۔ نویرہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اپنی ذات کا دفاع کرے۔ اس حادثے نے تو اس کی خود اعتمادی تک نچوڑ لی تھی۔

وہ پھر شدت سے رو دی۔ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے۔

نواز چپ چاپ دیکھے گیا۔

نویرہ کے یوں ری ایکٹ کرنے پر خود الجھ گیا تھا۔

''ارے.....! کیا ہوا' کیوں رو رہی ہو؟'' نبیلہ بھابی جو اندر کی ہی خیر خبر لینے آئی تھیں' کمرے میں داخل ہوتے ہی نویرہ کو شدت سے روتے دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

PDF STORE BLOGSPOT.COM

"کیا ہوا.....؟" کچھ الجھ کر متجسس نظروں سے نواز فاروق کو بھی دیکھا۔

نواز' نویرہ کے اس ردعمل پر خود بری طرح الجھ چکا تھا۔ نبیلہ کی موجودگی میں وہ ایک دم شرمندگی سے دوچار ہو گیا تھا۔

"آخر ہوا کیا ہے..... بتاتی کیوں نہیں....." نویرہ کے آنسو رکنے میں ہی نہیں آ رہے تھے۔ نبیلہ کا مارے پریشانی سے برا حال ہونے لگا۔ گم صم چپ چاپ سے نواز کو بھی بغور دیکھا۔

کل شام نواز کی کال آئی تھی۔ وہ نویرہ سے ملنا چاہتا تھا' اسپتال میں وہ مسلسل وہیں رہا تھا مگر گھر میں ملنا وہ بھی ان دنوں جب کہ شادی بالکل نزدیک تھی' خاندان بھر میں خاصا معیوب سمجھا جاتا۔ مگر نواز کے سنجیدہ انداز پر نبیلہ نے ہامی بھر لی تھی۔ آج جب ضحیٰ بھابی کو شاپنگ کے لیے جانا تھا تو اماں کو بھی کچھ ضروری چیزیں لینا تھیں۔ نویرہ کی پریشانی میں بہت کچھ الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔ آج نویرہ کی طبیعت قدرے بہتر تھی تو دونوں سجیلہ باجی کے ہمراہ بازار کے لیے نکلی تھیں۔ نبیلہ بھابی نے موقع دیکھ کر نواز کو بلا لیا تھا۔

نہ جانے دونوں میں کیا بات ہوئی تھی کہ نویرہ یوں ری ایکٹ کر رہی تھی۔

"آپ نے کچھ کہا ہے.....؟" نویرہ کے آنسو صاف کرتے نبیلہ بھابی نے نواز کو دیکھا۔

"بخدا..... بالکل نہیں..... میں تو ویسے ہی ملنا چاہ رہا تھا....."

"بھابی پلیز! آپ ان کو کلیئر کر دیں۔ یہ جو سوچ رہے ہیں' ایسا بالکل بھی نہیں۔ میں بھی انسان ہوں۔ عام انسانوں کی طرح۔ کیا میں بیمار نہیں پڑ سکتی۔ کیا ضروری ہے کہ میری بیماری کے پیچھے شادی سے ناپسندیدگی کے متعلق ہی کوئی وجہ ہو۔"

نبیلہ بھابی کا آسرا تھا کہ نویرہ نے اگلے ہی لمحوں میں خود کو سنبھال لیا تھا۔ نبیلہ کے خاک پلے نہ پڑا..... الجھ کر دونوں کو دیکھا۔

"نویرہ! میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ یہ نیچرل سی بات ہے۔ چند دن بعد ہم لوگ ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہے ہیں۔ آپ کو شاید علم نہیں کہ خاندان میں لوگ آپ کے یوں اسپتال پہنچنے پر کس کس طرح کی افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ امی تک کوئی بات پہنچی ہے تو میں یہاں تک آیا ہوں۔ مجھے آپ پر بہت بھروسہ ہے مگر آپ جس طرح اسپتال میں پہنچی ہیں' ایک پل کو تو میرے دل میں بھی خیال آیا تھا کہ خدانخواستہ کہیں آپ ناخوش تو نہیں....."

نبیلہ بھابی منٹوں میں ساری بات سمجھی تھیں۔

بہت دکھ سے نویرہ اور نواز کو دیکھا۔

"خدا کے لیے نواز کیسی باتیں کر رہے ہیں..... نویرہ بہت خوش ہے۔ میں نویرہ کی بھابی ہی نہیں' بہن جیسی ہوں۔ نویرہ کی فیلنگز مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔" انہوں نے فوراً کہا تھا۔ نواز ہلکا سا مسکرا دیا۔

"میں جانتا ہوں....." نویرہ کی طرف دیکھتے ہوئے نواز نے کہا تھا مگر نویرہ کے چہرے پر کوئی تاثر

نہیں ابھرا تھا۔

"ہمارا تو کہیں آنے جانے' کسی سے ملنے ملانے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ ہاں خاندان کے دیگر لوگ' رشتہ دار نویرہ کی عیادت کو آ رہے ہیں۔ اب خدا جانے لوگوں کو کیا تکلیف ہے۔ بیمار تو کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ ضروری تو نہیں ہر بیماری کے پیچھے کوئی وجہ ہو۔ لوگوں کو تو یوں بھی رائی کا پہاڑ بنانے کی عادت ہے۔ ہمارے خاندان کے لوگ تو یوں بھی "پر کا کوا" بنانے کے ماہر ہیں۔" انہوں نے تلخی سے کہا تھا۔

"ایم سوری نویرہ! میں تو صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ آپ کہیں ناخوش تو نہیں..... میں زندگی کو باہمی خوشی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں جس میں دونوں فریقین اپنا اپنا خاص امیج برقرار رکھیں۔ خوشی و رضا سے آگے بڑھ کر زندگی سے قدم سے قدم ملا کر چلنے کو میں زندگی سمجھتا ہوں۔ خدانخواستہ کسی پر جبر یا زبردستی کا کبھی میں نے سوچا بھی نہیں۔ میں جب اپنی فیملی کے ہر فرد کی رائے کو اہمیت دیتا ہوں تو زندگی کے اس اہم موڑ پر آپ کی حیثیت کو کیسے نظر انداز کرتا۔ آپ میری ہونے والی شریک حیات ہیں اسی لیے میں آپ سے یہ بات ابھی کلیئر کر لینا چاہتا تھا۔ پلیز نویرہ! اس کو غلط مت سمجھئے گا۔ یہ قدرتی بات ہے۔"

اپنے اسی دھیمے سلجھے ہوئے انداز میں نواز نے اپنا مطمح نظر واضح کر دیا تھا۔ نویرہ نے آنکھیں صاف کرتے سر اٹھا کر نواز کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ بالکل درست تھا۔ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یقیناً یہی سوچتا۔ اپنی شخصیت کے بھرپور تاثر سمیت وہ اب بھی وہی نواز تھا۔ دھیمی سی مسکراہٹ لیے۔ ایک لمحے کو اس کے دل کو سکون ملا مگر اگلے ہی لمحے پھر کوئی گزرا لمحہ سائے کی طرح اس کے ذہن کو چھو گیا۔

"اگر نواز کو کبھی شارق زمان کی حرکت کے متعلق پتا چل گیا تو....."

یہ خیال اتنا زور آور اور تکلیف دہ تھا کہ نویرہ کو اپنے سینے میں پھر درد ہوتا محسوس ہوا۔ وہ نہ صرف مضبوط دل اور اعصاب کی مالک تھی بلکہ بڑی سے بڑی بات پر بھی کمال ضبط کا مظاہرہ کر جاتی تھی مگر اب کی بار جو دھچکا اس کی ذات کو لگا تھا وہ اس کے اندرونی نظام کو بالکل ہی مفلوج کر گیا تھا۔

اپنی ذات کی اس لحظہ رسوائی اسے کبھی گوارہ نہ تھی۔

وہ اندرونی تکلیف کو دباتے بمشکل اپنے آپ کو سنبھال پا رہی تھی۔

"بھابی پلیز' مجھے آرام کرنے دیں..... مجھے میڈیسن لا دیں۔"

اندرونی تکلیف آہستہ آہستہ اس پر حاوی ہونا شروع ہو چکی تھی جس کے اثرات اس کی آواز کے ساتھ ساتھ چہرے پر بھی تھے۔ نبیلہ بھابی تو ایک دم پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہوا.....؟"

نویرہ آہستگی سے بستر پر دراز ہو چکی تھی۔ نبیلہ نے فوراً دراز سے اس کی میڈیسن نکالی۔

"اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو ڈاکٹر کو....."

"نہیں..... مجھے بس آرام کرنے دیں۔"

ایک دم زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر نواز نے کہا تو نویرہ نے اس کی بات کاٹ کر قطعی لہجے میں انکار

PDFSUFI.BLOGSPOT.COM

کرتے آنکھیں بند کرلیں۔

آج کل سمعان مسلسل مصروف تھا۔ رات گئے واپسی ہوتی تھی۔ آج بھی گھر لوٹتے بارہ بج گئے تھے۔ گھر کے باقی افراد اپنے اپنے کمروں میں جاچکے تھے۔ فرح جاگ رہی تھی۔ گزشتہ دنوں کے برعکس وہ کافی بہتر اور نارمل تھی۔ کالج بھی جارہی تھی۔ سمعان کو کھانا اس نے نکال کر دیا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد سمعان احمد اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

فرح نے خاموشی سے برتن سمیٹے تھے۔ چائے کا پانی چڑھا کر وہ چائے تیار کرنے لگی تھی۔ سمعان احمد اگرچہ اسے چائے بنانے سے منع کرچکا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ سونے سے پہلے چائے پینا سمعان احمد کی عادت ہے۔

اس دن کے بعد سمعان نے اس کال سے متعلق کچھ نہیں پوچھا تھا اور نہ ہی فرح کی ہمت ہوئی تھی کہ وہ خود سے کچھ بتاتی یا پوچھتی۔ ایک جھجک سی تھی جو اسے سمعان سے نگاہیں چرانے پر مجبور کردیتی تھی۔ سمعان احمد کا رویہ وہی تھی۔ محبت آمیز' پیار بھرا' شفقت سے بھرپور مگر فرح کو اندر سے ایک خیال ہمہ وقت پریشان رکھتا تھا کہ نہ جانے سمعان نے اس معاملے سے کیسے نپٹا ہوگا۔ اس دن کے بعد سے کوئی کال نہیں آرہی تھی جب کہ لاشعوری طور پر وہ ہر گھنٹی پر منتظر ہوتی تھی۔ چونک کر ڈر جاتی تھی۔

چائے تیار کرکے کپ میں نکال کر وہ سمعان احمد کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ کچھ دیر سمعان احمد کے ساتھ وقت بتانے کا موڈ ہورہا تھا۔

''تم مان کیوں نہیں لیتے کہ تم نے غلط حرکت کی ہے.....''

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو سمعان احمد موبائل کان سے لگائے خاصی سنجیدگی اور خفگی سے کہہ رہا تھا۔ فرح کو دیکھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ فرح نے چھوٹی تپائی پر ٹرے رکھی۔

''شرم سے ڈوب مرو..... اب بھی وہی تکرار ہے.....'' سمعان نے فرح کو صوفے پر بیٹھتے دیکھا تو آواز خاصی دھیمی کرلی۔

''یار اب بحث کو چھوڑو۔ ستارہ سے میری بات ہوچکی ہے۔ ہاں اسی دن جب فرح کی عیادت کو دونوں آئے تھے۔ نہیں فی الحال پھپھو سے بات نہیں ہوئی۔ اگر تمہاری کال پر کال نہ آتی تو میں واقعی پھوپھا جان سے ڈائریکٹ تمہاری شکایت کردیتا..... وہ تو خیر مانو کہ ستارہ نے خود ہی بات کرکے ساری بات کلیئر کرلی ورنہ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اپنی کرنی کا بھگتان بھگت رہا ہوتا.....''

اب سمعان احمد کے لہجے میں خاصی شگفتگی اور تروتازگی تھی۔ فرح خاموشی سے دیکھے گئی۔ نیند اسے نہیں آرہی تھی۔ ٹی وی میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ جب تک سمعان جاگ رہا تھا' وہ اس سے بات کرنے کے موڈ میں تھی مگر سمعان کو موبائل سے ہی فرصت نہیں تھی۔

پھپھو' ستارہ اور پھوپھا جان کے ذکر سے وہ یہی سمجھ پائی تھی کہ دوسری طرف یقیناً پھپھو کے گھر کا کوئی فرد ہوگا۔

''خیر معاف تو تمہیں میں کسی صورت نہیں کروں گا.....'' ایک بھرپور قہقہے کے ساتھ سمعان نے فرح کو دیکھا جو ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ سمعان کی آنکھوں میں ایک چمک سی ابھر آئی تھی۔

''اب زیادہ شیخیاں بھگارنے کی ضرورت نہیں۔'' فرح کے خوبصورت ملیح چہرے سے نظر ہٹا کر سمعان نے چائے کا مگ اٹھالیا تھا۔

''کس سے بات کررہے ہیں.....؟'' فرح کو آخر پوچھنا پڑا تھا۔ سمعان احمد بہت کم اس انداز میں کسی سے بے تکلف ہوتا تھا۔

''سعد سے.....'' سمعان نے سپ لیتے دوسرے ہاتھ سے موبائل کان سے لگاتے فرح کو بھی نمٹایا تھا۔

سعد کی کال بہت کم آتی تھی۔ جب بھی آتی تھی سلام دعا کے بعد وہ ریسیور امی کو تھما دیتی تھی۔ اب بھی صرف سر ہلایا۔

''فرح تھی..... پوچھ رہی تھی کس کی کال ہے.....''

دوسری طرف سعد نے سن لیا تھا سو سمعان وضاحت کررہا تھا۔

''شرافت سے بیٹھے رہو..... تم بھول رہے ہو کہ میں فرح کا بھائی ہوں.....'' سمعان کا انداز اگرچہ سنجیدہ تھا مگر ایک بھرپور شرارت آمیز تاثر موجود تھا۔

''اوکے..... اب یہ دھمکیوں میں منتیں بند کرو..... کروادیتا ہوں.....'' سمعان احمد کو بھی جیسے ترس آیا تھا۔ دوسری طرف سے نہ جانے کیا کیا کہا جارہا تھا۔ سمعان احمد مسلسل ہنس رہا تھا۔ پھر فرح کے قریب آگیا۔

''لو فرح بات کرو..... سعد تم سے بات کرنا چاہتا ہے..... سمعان نے خاموش اپنی طرف متوجہ فرح کو موبائل تھمایا تھا۔

''بھائی میں.....؟ میں بھلا کیا بات کروں گی..... نہیں..... بالکل نہیں.....'' سعد جمال سے فرح کی گفتگو بس برائے نام ہی ہوتی تھی۔ جس انسان سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی اس سے وہ اسی طرح لاتعلق رہتی تھی۔ مگر یہ بھی نہیں تھا کہ سعد جمال اسے ناپسند تھا' اس کا پھوپھی زاد تھا۔ بہت گہرا اور قریبی تعلق تھا مگر بے تکلفی تو کبھی تھی ہی نہیں۔ اب بھی بات کرنے سے گھبرا گئی۔

''تم بات کرو..... اتنی دیر میں' میں ذرا اپنا کمپیوٹر دیکھ لوں..... ایک ضروری ای میل آنی تھی' تب تک میں دیکھ لوں۔'' اس کے سٹپٹا کر انکار کرنے پر سمعان نے مسکرا کر موبائل اس کو تھما کر ڈریسنگ روم کی طرف قدم بڑھائے تھے جو ان کا اسٹڈی روم بھی تھا۔

''السلام علیکم.....'' جھجکتے ہوئے فرح نے موبائل کان سے لگالیا تھا۔

''وعلیکم السلام..... کیسی ہو فرح؟''

دوسری طرف سے بھرپور گرمجوشی کا مظاہرہ ہوا تھا۔

BEST URDU BLOGSPOT.COM

"جی میں ٹھیک ہوں..... آپ کیسے ہیں؟" سعد کی آواز سن کر وہ ایک پل کو الجھ گئی تھی۔ یہ آواز اتنی جانی پہچانی تھی کہ ایک سیکنڈ کو فرح سعید احمد کو اپنے اندر سناٹا سا اترتا محسوس ہوا تھا۔ مگر دوسری طرف سعد تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ خود کو سنبھال کر پوچھ رہی تھی۔ جواباً وہ ہنسا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے..... تمہارے بارے میں پتا چلا تھا کہ تم بیمار رہی ہو۔"

"نہیں' اب تو ٹھیک ہوں..... بس ہلکا پھلکا بخار تھا۔"

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی تھی۔ بلکہ ایک معاملہ کلیئر کرنا تھا....." سعد جمال فوراً مطلب پر آ گیا تھا۔ سعد جمال کے الفاظ پر فرح چونکی۔

"جی مجھ سے.....؟"

"ہاں تم سے....." "تم" پر زور دیا گیا تھا۔

"جی کہیے....."

"تمہارے لیے یہ انکشاف حیرت کے ساتھ شاید شاک زدہ بھی ہو لیکن اب میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپانا چاہتا۔ پہلے بھی میرا مقصد تمہیں تکلیف دینا نہیں تھا۔ بس تمہیں تھوڑا سا تنگ کرنا تھا مگر بات اس نہج پر آ جائے گی' مجھے قطعی اندازہ نہ تھا....."

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں.....؟" فرح نے اس تمہید سے الجھ کر اس کی بات ہی کاٹ دی تھی۔

"وہی بتا رہا ہوں..... سمعان سے میری بات کلیئر ہو چکی ہے۔ تم سکون سے سننا اور پلیز کچھ غلط مت سوچنا۔"

فرح الجھ کر رہ گئی..... بھلا ایسی کیا بات ہو سکتی ہے۔ آواز کی اتنی مشابہت دوسرا اس سعد کی گفتگو۔

"یہ ان دنوں کی بات ہے جب طیب پیدا ہوا تھا۔ ہادیہ بھابی نے مجھے طیب کے عقیقے والے دن کی اور فیملی کے دیگر لوگوں کی تصاویر بھجوائی تھیں۔ ان تصویروں میں دو تین جگہ پر زرش وغیرہ کے ساتھ تم بھی تھیں....."

"تو.....؟" فرح الجھ گئی۔ ان سب کا مطلب؟

"تو یہ کہ مجھے نہیں پتا چلا کہ ان تصویروں میں موجود لڑکی میں ایسی کیا خصوصیت ہے کہ وہ مجھے بری طرح متاثر کر گئی تھی۔"

فرح نے ایک دم گھبرا کر موبائل کان سے ہٹایا۔ ایک لمحے کو تو ہاتھ پاؤں سن سے ہو گئے۔

"تو سعد جمال ہی....." اس سے آگے اس کی سوچ کی پرواز نہ تھی۔ اس نے دوبارہ موبائل کان سے لگا لیا۔

"تم کچھ بھی کہو..... مگر یہ سچ ہے' تمہیں ان تصویروں میں دیکھ کر ایسا ہی لگا کہ جیسے پہلی دفعہ تمہیں دیکھ رہا ہوں اور واقعی اس دن میں تمہیں پہلی دفعہ ہی دیکھ رہا تھا۔" فرح کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیوں کہہ رہا ہے۔ اسے ہر چیز گڈمڈ ہوتی محسوس ہوئی۔

یہ آواز' یہ الفاظ' یہ لب و لہجہ۔

"میں نے ستارہ سے بات کی تو وہ خوب ہنسی مگر میں سیریس تھا۔ میرے اصرار پر اس نے زرش سے تمہارا ای میل ایڈریس حاصل کیا تھا..... اور گھر کا نمبر تو پہلے ہی میرے پاس تھا۔"

فرح کے اعصاب بالکل جواب دے گئے تھے۔ وہ جو اتنی دیر سے سب سن رہی تھی' ایک دم پھٹ پڑی' بلکہ چیخ اٹھی۔

"تو وہ آپ تھے..... مجھے یقین نہیں آ رہا مجھے اس طرح تنگ کرنے والے آپ تھے۔"

"یقین مانو میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ بس تمہیں یونہی تنگ کر رہا تھا۔ صرف تم سے رابطے میں رہنے کے لیے..... تمہارے بارے میں جاننے کے لیے۔ تم سے باتیں کرنے کے لیے....."

اس کے یوں بری طرح پھٹ پڑنے پر سعد جمال نے فوراً صفائی پیش کی تھی۔ مگر فرح پر ہونے والا انکشاف ہی ایسا تھا کہ کسی بھی طرح سنبھل نہ پائی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا..... وہ آپ تھے..... نفیسہ پھپھو کے بیٹے سعد جمال جن سے کبھی سلام دعا سے آگے کبھی بات تک نہ کی' وہ آپ تھے۔" ایک دم فرح کی آواز رندھ گئی۔ وہ ابھی تک بے یقین تھی۔

"بات سنو فرح! میں صرف تم سے رابطے میں رہنا چاہتا تھا۔ میرا شروع میں تمہیں تنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن ای میل کا سلسلہ جب چل نکلا تو پھر بات بڑھتی چلی گئی۔ میرے ہی کہنے پر ستارہ نے تمہیں ایک دو دفعہ کچھ پھول اور کارڈز وغیرہ بھجوائے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ فوراً پاکستان پہنچ کر تم سے ساری بات کلیئر کر لوں گا۔ پھر امی کو ماموں جان کے پاس بھیجوں گا تاکہ تمہیں میرے لیے مانگ سکیں۔ مگر اس سے پہلے ہی سمعان کو تم نے بتا دیا اور سمعان نے میرے اس نمبر پر رابطہ کیا جس سے تمہیں کال کرتا تھا۔ میں تو صرف تمہیں تنگ کر رہا تھا ورنہ تمہیں تکلیف دینے کا میرا مقصد نہ تھا۔"

وہ اور بھی نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ فرح نے لائن کاٹ دی اور ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔

اتنا بڑا دھوکا..... اس قدر تذلیل..... وہ سسک اٹھی۔

پہلے سعد جمال اور اب سمعان اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے۔ سعد جمال کا انکشاف اور سمعان احمد کا رویہ.....

"کیا ہوا..... رو کیوں رہی ہو..... کیا کہا سعد نے.....؟" سمعان جو منتظر ہی تھا' فوراً کمرے میں آیا تھا۔

"میں نے آپ پر اعتماد کیا تھا' مگر آپ نے بھی....." سمعان احمد کی آواز سن کر اس کے اندر سے بہت کچھ ٹوٹا تھا۔ چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اس نے سمعان احمد کو جن نظروں سے دیکھا' سمعان احمد ایک دم گھبرا گیا تھا۔

"کیا ہوا گڑیا..... کیا کیا ہے میں نے....." سمعان نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ سمعان کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ سعد نے فرح سے کیا کہا ہوگا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"آپ جانتے تھے کہ مجھے تنگ کرنے والا شخص یہی سعد بھائی ہیں....." آنکھوں میں آنسو لیے وہ پوچھ رہی تھی بلکہ برہم و شکایتی لہجے میں استفسار کر رہی تھی۔

"نہیں..... اس دن رات کو میں نے تمہارے بتائے گئے نمبر پر کال کر کے بتایا تو علم ہوا کہ یہ سعد ہے۔ یقین مانوں میں خود بہت شاک میں آ گیا۔ سعد جمال ہماری پھپھو کا بیٹا تمہارے ساتھ ایسی گھٹیا حرکت کر سکتا ہے۔ میں یقین کرنے پر تیار ہی نہ تھا لیکن پھر ماننا پڑا۔ میں سعد پر بری طرح برس پڑا تھا۔ بہت برا بھلا کہا تھا اسے..... لعن طعن کی..... کیا کچھ نہیں کہا تھا میں نے اسے اور پھر اگلے دن ستارہ چلی آئی۔ ستارہ اور قادر دونوں نے سعد کا دفاع اس انداز میں کیا کہ مجھے سعد سے رابطہ کرنا پڑا اور پھر اس نے مجھ سے معافی مانگی۔ قسمیں، وعدے، دلائل..... وہ ان دنوں صرف یہی کام کر رہا ہے۔ وہ تم سے بات کرنے پر اصرار کر رہا تھا سو مجھے مجبوراً تم سے بات کروانا پڑی۔ میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ کلیئر ہونا چاہئے۔ تم جس قدر تکلیف اور پریشانی میں مبتلا رہی ہو، بلکہ اب بھی ہو تو مجھے اس کا صرف یہی ایک حل لگا کہ تم خود سعد کی باتیں سنو، سمجھو اور کوئی فیصلہ کرو۔ سعد برا شخص نہیں ہے۔ ہاں! اس کا طریقِ کار غلط تھا اور ہے۔ بہرحال سعد کا عمل قابل مذمت ہے اس پر اسے کوئی معافی نہیں۔ فیصلے کا اختیار ہر حال میں تمہارے پاس ہے اور میں تمہارے ساتھ ہوں....." سمعان احمد یہ کہہ رہا تھا اور فرح خالی آنکھیں لیے دیکھے گئی۔

❁.....❁.....❁

واجدہ بیگم نے جدہ میں رفعت کو فون کر کے شارق زمان کے متعلق سب بتا دیا تھا۔ رفعت باجی اماں کے منہ سے سب سن کر ہکا بکا رہ گئیں۔ اماں نے انہیں ایک دو دن میں جیسے بھی ہو، پاکستان پہنچنے کی تاکید کی تھی۔ رفعت باجی، اماں کی بیماری کی وجہ سے ویسے بھی آنا چاہ رہی تھیں، پھر خاندان میں نواز اور نویرہ کی شادی بھی تھی سو انہوں نے پہلے ہی آج کل میں آنے کا انتظام کر رکھا تھا لیکن اب جیسے ہی اماں نے شارق کی ضد بلکہ دھمکی کے متعلق رو رو کر بتایا تھا، رفعت باجی نے ایک دو دن میں ہی پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔

اماں کی بیماری کی وجہ سے کاغذات پہلے ہی تیار کروا لیے تھے۔ اماں سے بات کرنے کے فوراً بعد ہی رفعت باجی نے جدہ سے لاہور کی فلائٹ پکڑی تھی۔ فی الحال وہ تنہا ہی آئی تھیں۔ بچے اور میاں وہیں تھے۔ ایمرجنسی آنے پر باقی لوگوں خصوصاً اپنے ساتھ اپنے دونوں بیٹوں کو ساتھ لانا ان کے لیے خاصا مشکل تھا۔ اماں کی فکرمندی، بیماری اور اب شارق کی ضد کا احساس نہ ہوتا تو شاید وہ چند دن مزید تاخیر کر لیتیں۔

شارق زمان ہی ان کو ایئرپورٹ سے ریسیو کرنے گیا تھا۔ سارا راستہ سلام دعا، حال چال، دیگر رشتے داروں کی ہی باتیں ہوتی رہی تھیں۔ شارق زمان رفعت باجی سے خوش دلی سے ملا تھا۔ گھر آ کر اماں سے مل کر ان کی حالت دیکھ کر رفعت باجی نے خوب آنسو بہائے تھے۔ ایک عرصے بعد اماں سے ملاقات ہو رہی تھی۔ دونوں طرف کہنے سننے کو ہزاروں قصے کہانیاں تھیں۔

شارق زمان کو ضروری کام تھا۔ رفعت کو چھوڑ کر وہ چلا گیا تو پھر رات گئے گھر لوٹا۔ اب تو شارق زمان کا اپنے گھر لوٹنے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا۔ بس اندر سے ایسی کیفیت ہوتی جا رہی تھی کہ بقول شاعر

کہیں تو کاروانِ درد کی منزل ٹھہر جائے
کنارے آ لگے زندگی یا دل بھر جائے

اماں کے سامنے دل کی خواہش بیان کر دینے پر بھی کچھ سکون نہ تھا۔ پھر اماں کا سامنا کرنا جبکہ نویرہ اور نواز کی شادی میں چند دن رہ گئے تھے۔

ایک لمحے کو شارق کا دل چاہتا کہ ہر چیز کو آگ لگا دے۔ اپنے وجود سمیت ہر چیز تہس نہس کر دے یا پھر دل کے لوتھڑے کو سینے سے نکال کر کہیں دفن کر دے۔

کبھی کبھار تو شارق زمان کو گزرے لمحوں کے تصور سے ہی اپنا آپ اذیت کی آخری حد پر محسوس ہوتا۔ وہ گزری رت شارق زمان کو اپنی زندگی کی بھیانک غلطی محسوس ہوتی تھی۔ وہ ہوش و خرد کا مالک انسان تھا۔ انتہائی حالت میں بھی کبھی خرد کا دامن نہ چھوڑا تھا۔ نہ جانے اس رات نفس کا بے لگام گھوڑا کیسے منہ زوری پر اتر آیا تھا اور پھر حد تو یہ ہو گئی کہ دل بھی صرف ایک ہی تکرار پر اتر آیا تھا۔

"مجھے صرف نویرہ چاہئے....."

نویرہ تو اس کی لمحاتی طلب ہو سکتی تھی، یہ روحانی اور مستقل طلب نہ جانے کب بن گئی تھی۔ یہ طلب اس رات کی دین تھی یا پھر گزرے دنوں کا کرشمہ تھا۔

اب جب کہ وہ دل کی خواہش اماں کے سامنے کر بیٹھا تھا تو پیچھے ہٹنے کا قطعی ارادہ نہ تھا۔ وہ اب اس طلب کے حصول کے لیے سب کچھ کر گزرنے کی کیفیت سے نبرد آزما تھا۔ اس کے اردگرد رشتوں کی ایک لامتناہی زنجیر تھی۔

اسے باپ کے نام کا پاس تھا اور نہ نویرہ دسترس سے دور نہ تھی۔

اپنے کمرے میں آ کر کپڑے چینج کر کے شارق زمان ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ شارق زمان نے دروازہ کھولا تو سامنے شاکرہ کھڑی تھی۔

"بڑی اماں بلا رہی ہیں آپ کو....."

اس کا مطلب تھا کہ اماں جاگ رہی تھیں اور یقیناً رفعت باجی بھی۔ رات کے اس پہر اس بلاوے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ شارق زمان کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

اماں کے کمرے میں آیا تو اماں آنسو بہانے میں مصروف تھیں جب کہ رفعت باجی ان کے بستر پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ شارق زمان کمرے میں داخل ہوا تو وہ خاموشی سے دیکھتی رہیں۔ اماں نے چہرہ صاف کیا۔

"کیا ہوا..... خیریت.....؟" صوفے پر بیٹھتے شارق نے دونوں کو دیکھا۔

"اتنی ایمرجنسی میں رفعت کو میں نے اسی لیے بلوایا ہے۔ اب بتاؤ کیا چاہتے ہو تم۔" جواباً اماں نے کہا تھا۔ آواز رندھی ہوئی تھی۔

PAKSOCIETY.COM

بغیر کسی تمہید کے انہوں نے آغاز کیا تھا۔ بلکہ بلاوے کا مقصد واضح کیا تھا۔

"آپ کو میں صاف کہہ تو چکا ہوں' آپ خالدہ چچی کے ہاں جائیں....." شارق کا وہی دوٹوک قطعی انداز تھا۔ اماں نے بے چارگی سے رفعت کو دیکھا۔ انہوں نے تنبیہی نظروں سے دیکھتے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔

"شارق! ہوش کے ناخن لو..... اب جب کہ نواز اور نویرہ کی شادی میں صرف چند دن رہ گئے ہیں اور تم یہ ضد کر بیٹھے ہو۔ اماں اس حالت میں خوار ہوں جب کہ وہ تو اپنے گھر میں بھی معذوروں والی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ تمہیں ترس نہیں آتا....."

"میں نے ان کے ہاں جانے پر زور نہیں دیا۔ فاروق چچا سے فون پر بھی بات کر کے معاملات طے کر سکتے ہیں....." اتنا بے پروا انداز تھا کہ رفعت باجی کو ایک لمحے کے لیے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا۔

"تمہیں سمجھ کیوں نہیں آ رہی اس کی شادی طے ہے اور تم چلے ہو رنگ میں بھنگ ڈالنے۔" وہ اگلے ہی لمحے غصے سے بھڑک گئیں۔

"تو کیا ہوا..... شادی ہی طے ہے نا۔ بات ختم بھی ہو سکتی ہے' نکاح تک ٹوٹ جاتے ہیں ابھی تو صرف دن طے ہوئے ہیں۔"

وہی قطعیت سے بھرپور بے پروا کچھ حد تک خشک و سنگ دل لہجہ تھا۔

"خدا کو مانو شارق..... شریف خاندان میں بات ختم ہونا بھی موت کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ جو ذلت..... وہ علیحدہ..... تمہیں شرم کیوں نہیں آتی یہ سوچتے ہوئے بھی۔" اماں' شارق کے اس لہجے و تیور پر غصے سے بولیں۔

"اماں طعنے نہیں..... صاف بات کی ہے۔ میرے پاس دوسرے بہت سے طریقے ہیں لیکن سیدھے راستے سے دل کی بات آپ تک پہنچائی ہے۔ میں نویرہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور ہر حال میں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ بتائیں آپ فاروق چچا سے بات کر کے نواز والا معاملہ ختم کروا سکتی ہیں یا نہیں....."

ایک دم بے لحاظ انداز میں شارق زمان نے بے مروّتی سے کہا تھا۔ اماں نے بے چارگی سے رفعت کو دیکھا۔

"شارق! تم معاملے کو سمجھو۔ اب ممکن نہیں ہے یہ....." رفعت باجی نے بے چارگی سے کہا۔

شارق زمان ضد اور اصول کا کس حد تک پکا تھا' اس سے بہتر بھلا کون جان سکتا تھا۔ اس کے سامنے غصے سے پیش آنا یا لعنت ملامت کرنا اس کی ضد کو پختہ کرنے کے مترادف تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ نویرہ کی شادی اب صرف مجھ سے ہی ہوگی' یہ بات طے ہے۔ آپ دونوں سوچ لیں۔ کل تک آپ چچا سے بات کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ کو پتا ہے جو میں ایک دفعہ طے کرتا ہوں وہ میں کرتا بھی ہوں۔ آپ میری مدد کر سکتی ہیں تو ٹھیک' اسی لیے آپ کو بلوایا ہے ورنہ پھر میں خود نواز وغیرہ سے معاملات طے کر لوں گا۔"

رفعت باجی نے بے بسی سے اپنے سامنے صوفے پر بیٹھے خوش شکل' نہایت وجیہ و پُر رعب و شاندار شخص کو دیکھا۔

شارق زمان نے شادی کے معاملے میں ہمیشہ پہلو تہی برتی تھی۔ وہ شادی کے سلسلے میں ہمیشہ غیر سنجیدگی دکھاتا تھا مگر اب اچانک یوں شادی پر نہ صرف زور دینا بلکہ نویرہ سے شادی پر ضدی انداز انہیں سخت حیران و پریشان کر گیا تھا۔ وہ رشتوں کے معاملے میں ہمیشہ سے غیر سنجیدہ و بے پروا رہا تھا مگر ان سے اور اماں سے ہمیشہ اچھے انداز میں مخاطب ہوتا تھا لیکن اب شارق زمان کے تیور کچھ اور ہی بتا رہے تھے۔ نہایت بے مروّت و خود سرانہ انداز لیے مخاطب تھا۔

"اگر ایسی ہی کوئی بات تھی تو تم پہلے کہتے' اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔" انہوں نے اسے سمجھانا چاہا تو شارق زمان فوراً بات کاٹ گیا۔

"یہ تو مت کہیں کچھ بھی نہیں ہو سکتا' صاف صاف بتائیں آپ کل چچا فاروق کے ہاں جا رہی ہیں کہ نہیں..... تاکہ میں بعد کی حکمت عملی ترتیب دے سکوں۔" بے مروّتی کی حد تھی۔ روکھا سا انداز تھا۔

"نہیں..... خالدہ کے سامنے میں ساری عمر منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گی۔ سارے خاندان میں جو مٹی پلید ہوگی وہ علیحدہ....." رفعت باجی کے بجائے اماں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں خود نواز سے بات کر لوں گا۔ بلکہ اس کے بعد خالدہ چچی اور دیگر لوگوں سے بھی نپٹ لوں گا۔ آپ کو بلوانے کا مجھے تو کوئی فائدہ نہ ہوا' رفعت باجی....." برہمی سے کہتے غصے سے دونوں کو دیکھتے وہاں سے اٹھ گیا۔

"شارق رکو تو..... سنو تو..... اس طرح جذبات سے کام نہ لو' تم خود سوچو اب کچھ بھی ممکن نہیں....."

اس کے جارحانہ تیوروں سے خائف رفعت نے اسے باہر نکلتے دیکھ کر فوراً کہا تھا۔

"میری ڈکشنری میں کبھی ناممکن کا لفظ نہیں آیا..... آپ شاید نہیں سمجھ سکتیں میں کس الاؤ میں جھلس رہا ہوں۔ نویرہ کی شادی کسی سے بھی ہوتی مجھے کبھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا مگر اب بہت پڑتا ہے۔ میں نے کبھی ایسی بات منہ سے نہیں نکالی جو میری طلب' میری دسترس سے باہر ہو مگر میں بہت آگے جا چکا ہوں..... نویرہ کا حصول میرے لیے زندگی و موت کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں زندہ سلامت رہوں تو مجھے اسے حاصل کرنے دیں ورنہ آپ سب پچھتائیں گے....." وہ اپنی سنا کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

"یہ کیا کہہ گیا ہے....." اماں اور رفعت ناسمجھی میں ایک دوسرے کو دیکھے گئیں۔

"اماں! یہ شارق دل کی راہ پر کب سے چلنا شروع ہو گیا۔ نویرہ کا حصول زندگی و موت کا مسئلہ کیونکر بن گیا..... وہ تو شادی کے لفظ سے ہی بگڑ جاتا تھا۔" رفعت جو یہ سوچ کر آئی تھیں کہ شارق کو سمجھا بجھا کر رام کر لیں گی مگر اب سب کچھ اختیار سے باہر دیکھ کر وہ اماں سے ہی استفسار کر بیٹھیں۔

"خدا جانے کیا ہو گیا ہے..... تمہیں اب کیا بتاؤں۔ جن لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے نہ جانے کیسے بے ضمیر ہیں' پلا دیا ہوگا کچھ گھول کر۔ ایسا بے لحاظ تو کبھی بھی نہ تھا۔"

TEESTUFF.BLOGSPOT.COM

"اللہ نہ کرے..... مگر اماں' یہ شارق ایسا بھی بے مروّت نہیں تھا۔ میرا اور آپ کا بڑا لحاظ کرتا تھا۔

"خدا جانے..... یہ خون کا اثر ہے یا پھر میری تربیت کا۔ مجھے تو بڑا لحاظ آ رہا ہے۔ کیونکر میں خالدہ سے نظر ملا پاؤں گی۔ یوں کسی کی بیٹی کا نام زبان سے نکال لینا..... شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے میرے لیے۔ ساری برادری اکٹھی ہو کر ناطقہ بند کر دے گی میرا..... اگر کسی کو بھنک بھی پڑ گئی۔ نوریہ غیر تھوڑی ہے۔ رشتے میں بھابی بنے گی اس کی۔ نہ جانے اب دل میں کیا سمائی ہے۔ میری سنتا ہی کب ہے' اپنے مشاغل ختم ہوں تو ماں نظر آئے۔ سوتیلی سہی ہوں تو ماں ہی۔ پالا پوسا ہے' حق رکھتی ہوں مگر مانے تو۔"

انہوں نے آنکھیں مسلیں۔

رفعت خالی آنکھوں سے ماں کو آنسو بہاتے دیکھے گئیں۔

نہ جانے اب یہ طوفان کس سمت تباہی لانے والا تھا۔

یہ شارق اب کیا چاہ رہا تھا۔ کیا وجہ تھی' دل کے معاملے میں وہ کبھی نہ پڑا تھا۔ ان کے ہاں جذبات کا طوفان ہر بار کوئی بڑی تباہی لاتا تھا۔ اب نہ جانے یہ تباہی کس کا آنگن تباہ کروائے گی۔

زمان حسین کی جذباتیت و دیوانگی ایک مثال عبرت تھی۔

شائستہ بیگم' ہادیہ آپی کے ہمراہ ہارون آغا کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ چھٹی کا دن تھا' گھر پر وہ اور نوشی کے علاوہ سعود احمد بھی تھے۔ اگلے دن زرش کا ٹیسٹ تھا۔ بارہ بجے کے قریب وہ کتابیں لے کر بیٹھی تو نہ جانے دل میں کیا سمائی کہ فرح کے ساتھ مل کر تیاری کرنے کو دل مچلنے لگا۔ کچھ فرح کالج میں گم صم رہتی تھی اس سے مل بیٹھ کر تفصیلی گفتگو کرنے کا بھی ارادہ تھا۔

سعود احمد سے اجازت لینا کون سا مشکل تھا۔ شائستہ ہوتیں تو ٹوک دیتیں کہ آرام سے گھر میں ہی بیٹھ کر تیاری کرو۔ سعود احمد نے خوش دلی سے تایا کے ہاں چلے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

ایک بجے کے قریب وہ ادھر پہنچی تو سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

"گھر والے کدھر ہیں؟" چوکیدار سے پوچھا تھا۔

"بڑی بیگم کے ساتھ چھوٹی بی بی اور علی صاحب اپنے بڑے ماموں کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔ آپ کے آنے سے کوئی گھنٹہ پہلے ہی گئے ہیں۔"

"ہیں..... مجھے نہیں بتا سکتے تھے جب میں اندر گئی تھی۔ خوامخواہ ہی باہر سے ہی ڈرائیور کو بھی بھیج دیا۔" وہ کلسی۔ چوکیدار خاموش رہا۔

"تایا ابو اور سمعان بھائی تو گھر میں ہوں گے....."

کمروں کے اندر وہ نہیں گئی تھی اسی لیے تصدیق چاہی۔

"نہیں..... سمعان صاحب تو ڈاکٹر اظہر آئے تھے' ان کے ساتھ ہی نکل گئے تھے۔ بڑے صاحب ہیں گھر میں' شاید کمرے میں سو گئے ہیں۔"

وہ سر ہلاتی اندر آ گئی۔ سب جگہ دیکھتی وہ تایا جان کے کمرے کی طرف آ گئی۔ وہ بستر پر لیٹے کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھے۔ وہ دروازہ دھکیلتی اندر چلی آئی۔

"السلام علیکم تایا ابو....."

"وعلیکم السلام....." زرش کو دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھے تھے۔ "ہماری زری بیٹی آئی ہے....." انہوں نے اس کے جھکے سر پر پیار کرتے اسے پاس بستر پر بٹھا لیا تھا۔

"گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔؟"

"ہاں..... تمہاری تائی اور بچے دونوں ماموں کے ہاں گھومنے پھرنے گئے ہیں۔ سمعان بھی دوست

PDFSOFT.BLOGSPOT.COM

کے ساتھ نکل لیا ہے۔ ایک ہی چھٹی کا دن ملتا ہے' سبھی نکل گئے ہیں۔"

"اور آپ کیوں نہیں گئے؟" تایا جان کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔ زرش کے لیے ان کے چہرے پر ہمہ وقت مسکراہٹ ہوتی تھی۔ مگر زرش اس چہرے کی مسکراہٹ کا پھیکا پن ہمیشہ محسوس کر کے الجھ جاتی تھی۔

اب بھی بھید بھری نظروں سے ان کا چہرہ جانچا۔

"اگر میں بھی چلا جاتا تو تمہارے آنے پر تمہیں کمپنی کون دیتا۔ ویسے آئی کس کے ساتھ ہو.....؟"

وہ بڑی صفائی سے اسے ٹال گئے تھے۔

زرش ایک دم دکھی ہوئی۔

نہ جانے کیوں ہر کوئی اسے احمق' معصوم یا کم عمر سمجھ کر ٹال جاتا تھا۔

اور اب وہ یہ بات بڑی شدت سے محسوس کرنے لگی تھی۔

"ڈرائیور کے ساتھ..... ماما اور ہادی آپی' عفان بھائی کے پاس گئے تھے۔ پاپا' نوشی اور میں گھر پر ہی تھے۔ کل ہمارا ٹیسٹ تھا۔ میں نے سوچا کہ فرح اور میں مل کر ٹوپک ڈسکس کرلیں گے مگر خیر!! آپ بتائیں' کتاب پڑھی جا رہی تھی۔" اس نے تایا کے ہاتھ میں موجود "شہاب نامے" پر ایک نظر ڈالی تھی۔

"کتاب کیا پڑھنی..... فارغ تھا' فرصت کے اوقات کا مصرف ڈھونڈ رہا تھا۔ خیر اب تم آ گئی ہو۔ خوب مل کر باتیں کریں گے۔ چلو لاؤنج میں چلتے ہیں۔ چائے کی طلب ہو رہی ہے۔ فرح اچھی بناتی ہے۔ ماجدہ کو کہنے کو دل ہی نہیں مانا۔ اب تم بناؤ' تمہاری چائے بھی اچھی ہوتی ہے۔ مل کر پئیں گے۔"

انہیں کافی دیر سے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ اب زرش کو دیکھ کر وہ ایک دم ہشاش بشاش ہو گئے تھے۔ انہیں اپنے چھوٹے بھائی کے آنگن کا یہ پھول حد سے زیادہ عزیز تھا۔ اسی لیے اس کے ساتھ لہجہ بھی خاص ہو جاتا تھا۔

زرش نے چائے بنائی تھی۔ دونوں نے مل کر پی تھی۔ تائی امی کھانا تیار کر کے گئی تھیں۔ دو بجے کے قریب دونوں نے مل کر لنچ کیا تھا۔ پھر ٹی وی لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ ایک عرصے بعد زرش' تایا کے گھر ایک مالکانہ استحقاق لیے گھوم پھر رہی تھی۔ کبھی یہ ان کا بھی گھر تھا مگر اب زمانہ رفتہ تھا۔

زرش نے ڈرائیور کو چار پانچ بجے پہنچنے کو کہا تھا۔ لاؤنج میں ہی ٹی وی کے سامنے قالین پر وہ کشن پھیلائے نیم دراز ہو گئی تھی۔ ٹی وی دیکھتے تایا جان سے باتیں کرتے اس گھر کی خاموشی میں نہ جانے کب آنکھ لگ گئی تھی اور وہ کب غافل ہوئی تھی' کچھ پتا نہ چلا تھا۔

سعید احمد نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ قالین پر پڑی بے توازن سی تھی۔ انہوں نے اس کا سر کشن پر رکھ کر اسے سونے دیا تھا۔ ٹی وی بند کر کے وہ باہر نکل گئے تھے۔ انہیں تین بجے کسی سے ملنا تھا۔ صرف زرش کی وجہ سے رکے ہوئے تھے۔ چوکیدار اور ماجدہ کو گھر سے متعلق خاص ہدایت دے کر وہ چلے گئے تھے۔ تین بجے کے قریب سمعان احمد کی واپسی ہوئی تھی۔ آج کافی عرصے بعد ڈاکٹر ظفر کے ساتھ چھٹی کا دن گزارنے کو ملا تھا۔ خاصے خوشگوار تر و تازہ اور مطمئن موڈ کے ساتھ گھر آمد ہوئی تھی۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی پہلی نگاہ جس وجود پر ٹھہری تھی' کئی ثانیے تک پلٹنا بھول گئی۔ آج ڈاکٹر ظفر سے گفتگو کے دوران زیادہ موضوع سخن یہی ذات رہی تھی۔ زرش کو دیکھنا گویا دل کی مراد بر آئی تھی۔

دل کو دل سے راہ ہوئی۔

جذبوں نے ایک خوبصورت انگڑائی لی تھی۔

ہلکے ملگجے اندھیرے میں قالین پر دراز وہ محو خواب تھی۔ سمعان احمد کے دل نے ایک بھرپور انگڑائی لی۔ جذبوں نے شدتوں کا پیرہن اوڑھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ دھیرے سے قدم اٹھاتا آگے بڑھا تو ٹھٹک گیا۔ کونے میں قالین پر بیٹھی ماجدہ اونگھ رہی تھی۔

"ماجدہ....." سمعان نے اسے آواز دی تو وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

"جی سمعان صاحب جی....." وہ فوراً کھڑی ہوئی تھی۔

"گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے۔ باقی سب کہاں ہیں؟"

سمعان جب گھر سے نکلا تھا تو سبھی گھر پر تھے۔ گھر کی خاموشی بطور خاص محسوس کرتے سمعان نے پوچھا تھا۔

"بیگم صاحبہ' علی صاحب اور فرح بی بی کے ساتھ آپ کے ماموں کے ہاں گئی ہیں۔ صاحب جی تھوڑی دیر پہلے کسی سے ملنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ میں ادھر ہی رہوں جب تک زرش بی بی ہیں۔ جب ان کا ڈرائیور ان کو لینے آئے تو میں اپنے کوارٹر میں چلی جاؤں۔"

ادھر سے تفصیلی جواب ملا تھا۔ سمعان احمد نے سر ہلایا۔

"زرش کب آئی تھی؟" نظر زرش پر ڈالی تھی۔ جواب بھی بے خبر تھی۔ کتنی مطمئن نیند تھی اس کی۔

"پتا نہیں..... ایک دو بجے....."

"اوکے' تم جاؤ....." سمعان نے اسے ٹالا تھا۔ وہ تو پہلے ہی اونگھ رہی تھی سو فوراً رفو چکر ہوئی۔

سمعان احمد صوفے پر آ بیٹھا۔

نظر بار بار پلٹ کر اسی چہرے کے طواف کو مچل رہی تھی۔

سمعان اپنے آپ کو لمحوں کی گرفت میں آنے سے بمشکل روک رہا تھا۔ زرش صرف اس کی محبت ہی نہیں' سگی عم زاد بھی تھی۔ اسی تعلق کے حوالے سے بہت محترم تھی۔ اسی لیے وہ ہمیشہ اپنی نگاہ کی گستاخی پر قابو پا لیتا تھا مگر آج جذبے بے لگام سے ہو رہے تھے۔ دل کے تقاضے کچھ اور ہی رنگ اوڑھ رہے تھے۔

سمعان کی نگاہوں کی وارفتگی تھی یا پھر نیند ٹوٹی تھی۔ ایک عجیب سا احساس اسے گہری نیند سے ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر گیا تھا۔ وہ ایک دم سیدھی ہوئی تھی۔ نیند سے بوجھل آنکھیں کھولتے ہی سیدھی نگاہ سمعان احمد پر پڑی تھی۔ سمعان احمد کے جذبوں کی شدت تھی یا نگاہ کا کوئی رنگ تھا۔

نہ جانے کیا تھا اس سے ان آنکھوں میں۔

کچھ نئے رنگ۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

آگہی کے در وا کرتے پل۔

الوہی سے جذبے۔

کچھ تو تھا کہ ہمیشہ اپنی ذات میں مگن' اپنی معصومیت کے حصار میں مقید زرش سعود احمد بری طرح چونک کر ٹھٹک گئی تھی۔

اس کی آنکھیں ایک دم پھیلی تھیں۔

انجانے جذبوں سے تپتا چہرہ اور لو دیتی آنکھیں۔

زرش کے متوجہ ہونے پر سمعان احمد نے نگاہوں کا رخ بدل لیا تھا۔

نہ جانے کیوں زرش کو اپنا دل دھڑکتا محسوس ہوا تھا۔

چہرہ لو دینے لگا تھا اور پلکیں جھک گئی تھیں۔

اس کی سمعان احمد سے بے پناہ بے تکلفی تھی۔ بارہا اس نے اپنی معصومیت و بھولپن سے بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے سمعان احمد کا ہاتھ پکڑا تھا۔ لاڈ سے ضد منوائی تھی۔ مان سے فرمائشیں کی تھیں مگر اس وقت نہ جانے دل کی حالت کیوں بدلی تھی۔

وہ لاکھ نادان سہی پر تھی تو ایک لڑکی۔

محبت و وفا کی محبت سے گندھا ہوا انمول تراشا ہوا پیکر۔

ایک پل میں سمعان احمد کی لو دیتی نگاہیں اسے کسی حسین عبارت کا موضوع سے آگہی دے گئی تھی۔

اس کی چھٹی حس نے پہلی دفعہ اسے سمعان احمد سے متعلق کوئی سگنل دے دیا تھا۔ وہ سمعان احمد کو ہمیشہ سمعان بھائی سمجھتی آئی تھی اور اب دل کی یہ لے نہ جانے کیا کہہ رہی تھی' وہ خود حیران تھی۔ سمعان احمد کا یوں نظریں چرا کر خفیف سا مسکرا دینا اسے حقیقتاً الجھا گیا تھا۔

وہ ان نگاہوں کی حدت سے گھبرا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"السلام علیکم....." گھبراہٹ سے بھرپور انداز تھا۔ سمعان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"وعلیکم السلام....."

"آپ کب آئے.....؟" پہلی دفعہ وہ سمعان بھائی کے سامنے گھبرا رہی تھی۔ قالین پر گرا دوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ سٹپٹائی تھی۔

"ابھی آیا ہوں..... تم سناؤ۔ بہت نیند آ رہی ہے تو فرح کے کمرے میں چلی جاؤ۔ آرام سے لیٹو....." لمحوں میں سمعان نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ اب اپنی مخصوص دھیمی دھیمی سلجھی مسکراہٹ لیے گویا ہوئے تھے۔

سابقہ انداز فوراً عود کر آیا تھا مگر ان لفظوں میں بھی محسوس کی جانے والی چاشنی تھی۔ محبت و خلوص کا رچاؤ تھا جسے زرش جیسی حساس لڑکی نظر انداز نہ کر پائی تھی۔ "نہیں..... میں تو تایا ابو کے ساتھ بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ نہ جانے کب آنکھ لگ گئی۔ تایا ابو کدھر گئے؟"

اپنے اردگرد دیکھتے اس نے کہا تھا۔

"میں جب گھر لوٹا تو وہ گھر پر نہیں تھے۔" ماجدہ بتا رہی تھی کوئی کام تھا' کسی سے ملنا تھا۔" سمعان احمد نے پرسکون انداز میں بتایا۔ وہ صرف سر ہلا گئی۔

درحقیقت اندرونی طور پر وہ خاصی کنفیوژ ہو چکی تھی۔ آج کل نہ جانے کیوں سمعان احمد کی طرف سے اس کا دل کھٹک رہا تھا۔ جب سے وہ تصویر والا معاملہ درپیش آیا تھا' اکثر اس کا دل و دماغ بری طرح الجھ پڑتا تھا۔ آج تو ایک واضح تاثر تھا۔ زرش نے کن انکھیوں سے سمعان احمد کو دیکھا۔

"آج تمہاری تشریف آوری کیسے ہوگئی' خیریت ہے نا..... چچی جان نے آسانی سے آنے کی اجازت دے دی....." وہ پوچھ رہے تھے۔ زرش نے خود کو سنبھالتے ہوئے صرف سر ہلایا۔ سمعان احمد کو اس کی خاموشی ایک دم محسوس ہوئی تو ذرا دھیان سے دیکھا۔ نیچی نظریں کیے وہ قالین سے اٹھ کر سامنے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔ چہرہ سرخی مائل ہو رہا تھا۔ ہونٹوں کو دانتوں تلے کچلتے وہ الجھی محسوس ہوئی۔ سمعان احمد تو اس کے چہرے سے ہی اس کے اندر کا سارا احوال پڑھ لیتا تھا' اب بھلا کیوں نہ چونکتا۔ ایک دم سنبھالا دیا تھا۔

یہ لڑکی انہیں اپنے جذبات سے بڑھ کر عزیز تھی۔

کچھ دیر پہلے والی اپنی وارفتگی پر دل میں ایک بوجھ سا آن پڑا۔ یہ جذبے بھی انسان کو کیسے کیسے خوار کرتے ہیں۔ اچھے خاصے انسان کو لمحوں میں زیر کر لیتے ہیں۔

"خیریت..... کیا ہوا..... اتنی چپ چاپ کیوں ہو؟" بہت اپنائیت بھرا نارمل انداز تھا جس کی زرش ہمیشہ سے عادی بھی تھی۔ اپنے آپ کو بگ اپ کرتے انہوں نے پوچھا تھا۔ زرش جھینپی سی ہنسی ہنس دی۔

"جی خیریت ہی ہے۔ دراصل میرا فرح کے ساتھ کل کا ٹیسٹ ڈسکس کرنے کا موڈ تھا اس لیے آئی تھی مگر یہاں آ کر علم ہوا کہ محترمہ بڑے ماموں کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ ڈرائیور کو میں نے چار پانچ کا ٹائم دیا تھا۔ سونے کا موڈ تو نہیں تھا۔ پتا نہیں کیسے آنکھ لگ گئی۔"

سمعان کے خصوصی انداز پر وہ بھی اپنے آپ کو سنبھال کر مخاطب تھی۔

"اگر ٹیسٹ میں کوئی پرابلم ہے تو مجھ سے ہیلپ لے لو۔ فرح تو شاید رات کو ہی آئے۔" سنجیدہ انداز تھا' زرش مکمل طور پر متوجہ ہوئی۔ کچھ دیر قبل والا کوئی تاثر اب نہ تھا۔

"نہیں ٹیسٹ تو میرا تیار ہے۔ بس چند ایک پوائنٹس تھے جو کلیئر کرنے والے تھے۔ خیال تھا کہ فرح سے ڈسکس کروں گی تو کلیئر ہو جائیں گے۔ کچھ خاص ہیلپ کی تو ضرورت نہیں ہے۔ توجہ سے اسٹڈی کروں گی تو سمجھ میں آ جائیں گے۔"

"پھر بھی لاؤ' مجھے بتاؤ میں سمجھا دیتا ہوں۔" سمعان کا وہی ہمیشہ والا متفکر انداز تھا۔ زرش انکار کرتے کرتے رک گئی۔

"اچھا میں بکس لے آؤں....." بکس وہ تایا جان کے کمرے میں ہی رکھ آئی تھی۔ سمعان کو کہہ کر وہ اندر چلی گئی تھی۔

PDFSHARE.BLOGSPOT.COM

سونے کی وجہ سے آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ منہ ہاتھ دھو کر کتابیں نوٹ بک لے کر لوٹی تو سمعان احمد منتظر تھا۔

پندرہ منٹ میں سمعان نے سارا Concept کلیئر کر دیا تھا۔ زرش ذہین تھی' ہر بات کو بہت جلدی پک کر لیتی تھی۔ سمعان احمد کے سمجھائے جانے والے نکات اس نے منٹوں میں پک کیے تھے۔

اس کے بعد سمعان احمد اس سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے تھے۔ زرش جو تھوڑی بہت بدگمان ہوئی بھی تھی' ہر بدگمانی بھلائے سمعان کی باتوں میں بہل گئی تھی۔ زرش کو اپنی اصل حالت میں واپس آتے دیکھ کر سمعان احمد نے ایک پرسکون سی سانس فضا میں شامل کی تھی۔ زرش انہیں اس حد تک عزیز تھی کہ اس کی نگاہ کا بدلتا رنگ بھی سمعان کو گوارا نہ تھا۔ کاش سمعان احمد اسے بتا سکتے کہ اس کی ایک پل کی اجنبیت ان کی روح پر کیسے بوجھ بن جاتی تھی۔

''اوکے' تم بیٹھو..... ٹی وی دیکھو۔ میں ذرا اپنے کمرے میں آرام کر لوں۔ آج کافی دنوں بعد ظفر سے ملنا ہوا تھا۔ صبح دس بجے گھر آ کر لے گیا تھا۔ اتوار کا ایک ہی دن ملتا ہے آرام کو' وہ بھی قسمت سے شاید ہی میسر ہو۔ تم ابھی یہیں ہونا۔ جب ڈرائیور آئے تو مجھے بتا کر جانا۔ فی الحال میں اپنے کمرے میں ہوں۔''

زرش کے انداز میں ایک صاف و واضح محتاط پن محسوس کرتے سمعان احمد نے منظر سے ہٹ جانے کو ترجیح دی تھی۔ زرش کو مطمئن تو کر ہی دیا تھا اب سنبھلنے کا موقع دینے کو سمعان احمد نے اپنے کمرے کی طرف رخ کیا تھا۔

زرش خاموشی سے انہیں اپنے کمرے میں جاتا دیکھتی رہی۔ کچھ دیر قبل خود پر طاری ہونے والی کیفیت ایسی تھی کہ زرش اسے بھول کر بھی یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سو خود کو مصروف رکھنے کو اس نے ٹی وی آن کر لیا تھا۔ چار بجے تک ڈرائیور کا انتظار کیا تھا پھر اس نے گھر کال کر کے نوشی سے ڈرائیور کو بھیجنے کو کہا تھا۔ ماما ابھی تک نہیں لوٹی تھیں سو وہ ماما کی آمد سے پہلے ہی گھر پہنچ جانا چاہتی تھی ورنہ پھر شامت پکی تھی۔ ویسے یہاں آ کر بھی وہ بور ہی ہو رہی تھی۔ فرح تھی نہیں' جس مقصد کے لیے آئی تھی وہ تو بیکار ہی گیا تھا۔ ڈرائیور کے آنے میں پندرہ بیس منٹ تھے تب تک ادھر ادھر ٹہلتی رہی تھی۔ ماجدہ اسے ٹہلتے دیکھ کر آ گئی تھی۔ اس وقت وہ کچن میں کوئی نہ کوئی کام کر رہی ہوتی تھی مگر آج مکین نہیں تھے تو وہ بھی فارغ تھی۔

''آپ کے لیے چائے بناؤں؟'' اسے لان میں دیکھ کر ماجدہ نے پوچھا تھا۔

''میرے لیے؟'' وہ اس وقت بہت کم چائے پیتی تھی اسی لیے ماجدہ کو دیکھا۔

''جی اس وقت گھر میں سبھی چائے پیتے ہیں۔ چھٹی والے دن جب سبھی جمع ہوتے ہیں تو بیگم صاحبہ خصوصی اہتمام کرواتی ہیں۔ اگر آپ کہتی ہیں تو آپ کے لیے کباب تل لیتی ہوں' تیار کر کے رکھے ہوئے ہیں' صرف تلنے ہیں۔''

''ٹھیک ہے جب تک ڈرائیور آتا ہے چائے ہی پی لیتے ہیں۔ تم ایسا کرو کباب تل لو' میں چائے

بنا لیتی ہوں۔ سمعان بھائی بھی اپنے روم میں ہیں' اگر جاگ رہے ہیں تو ان سے بھی پوچھ لیتے ہیں۔''

چائے تیار کر کے اس نے ماجدہ کو کہا تو وہ کچن سے نکل گئی تھی۔ زرش نے فرائی پین سے تلے ہوئے کباب پلیٹ میں نکالے جو ماجدہ تل چکی تھی۔ ماجدہ فوراً پلٹ آئی۔

''میں نے ان کے کمرے میں جھانکا تھا۔ وہ جاگ رہے تھے۔ کچھ لکھ رہے تھے۔ میں نے انہیں چائے کا کہہ دیا تو وہ کمرے میں ہی لانے کو کہہ رہے تھے۔ چائے اگر وہ گھر میں ہوں تو اپنے کمرے میں ہی پیتے ہیں۔ ماجدہ کے بتانے پر زرش نے سر ہلا دیا تھا۔

سمعان کے لیے ٹرے تیار کرتے اس نے اپنے حصے کا کپ بھی ٹرے میں رکھ لیا تھا۔ جب تک ڈرائیور آتا وہ سمعان احمد سے چند ایک باتیں کر لیتی۔

''ڈرائیور آئے تو مجھے بتا دینا.....'' ماجدہ کو ہدایت دے کر وہ ٹرے لیے سمعان احمد کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا۔ ٹرے تھامی تھی سو بغیر دستک کے ہی اندر داخل ہو گئی تھی۔ سمعان کمرے میں کہیں نہیں تھا۔ اس نے کھڑے کھڑے ہی اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ بستر پر بکھرے کاغذات بتا رہے تھے کہ چند لمحے قبل وہ یہیں تھے۔

بستر پر بلیک رنگ کا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ اطراف میں کئی کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ ایک دو ڈائریز تھیں۔

زرش نے سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھ دی۔

باتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ نہ جانے سمعان کہاں تھے۔ اس نے متجسس نگاہوں سے ڈریسنگ روم کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔ نہ جانے وہ اندر تھے بھی کہ نہیں..... اندازہ لگانے کی کوشش کی اور پھر وہ بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

بستر پر بکھرے کاغذات پر نظر ڈالتے اس نے ایک صفحہ اٹھا لیا تھا۔ انتہائی خوبصورت لکھائی میں کوئی نظم درج تھی شاید۔ زرش کو شعر و شاعری سے کوئی خاص شغف نہ تھا سو سرسری نظر ڈالی تھی مگر نگاہ ٹھہر سی گئی تھی۔

''میں اسے واقف الفت نہ کروں''

عنوان اچھا تھا اور دلفریب بھی۔

زرش کی نظریں کاغذ پر پھسلتی چلی گئیں۔

سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ
میں ابھی اس کو شناسائے محبت نہ کروں
روح کو اس کی اسیر غمِ الفت نہ کروں
اس کو رسوا نہ کروں
واقفِ مصیبت نہ کروں

موتی موتی پروئی لکھائی۔ ایک ایک لفظ واضح اور روشن تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

سوچتا ہوں کہ ابھی رنج سے آزاد ہے وہ
واقفِ درد نہیں
خوگرِ آرام نہیں
سحرِ عشق میں اس کی اکثر شام نہیں
زندگی اس کے لیے زہر بھرا جام نہیں

زرش کے اعصاب پر یہ الفاظ بہت بری طرح اثر انداز ہوئے تھے۔
اک بے چینی نے اس کے وجود کے اندر سر ابھارا تھا۔

سوچتا ہوں کہ محبت ہے جوانی کی خزاں
اس نے دیکھا نہیں دنیا میں بہاروں کے سوا
نکہت و نور سے لبریز نظاروں کے سوا
سوچتا ہوں کہ غمِ دل نہ سناؤں اس کو
سامنے اس کے کبھی رازِ عریاں نہ کروں
خلشِ دل سے اس کو دست و گریباں نہ کروں
اس کے جذبات کو میں مشغلہ بداماں نہ کروں

نظم تھی کہ جذبات کا ایک تلاطم تھا۔
شدتوں کا ایک ریلا تھا یا پھر محسوسات کا ایک خوش کن جزیرہ تھا۔
زرش کو اپنے اندر بہت کچھ ہوتا محسوس ہوا تھا۔

سوچتا ہوں کہ جلا دے گی محبت اس کو
وہ محبت کی بھلا تاب کہاں لائے گی
خود تو وہ آتشِ جذبات میں جل جائے گی
اور دنیا کو اس انجام پہ تڑپائے گی
سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ

بے شک انتخاب بہت شاندار تھا۔ زرش سراہے بغیر نہ رہ سکی اور انتخاب کرنے والا اس سے زیادہ شاندار اور باذوق تھا۔ وہ معترف تھی۔
سمعان بھائی ایسی شاعری بھی زیرِ مطالعہ رکھتے ہیں۔ زرش کو سمعان احمد کی لطیف حس سے ابھی آگاہی ملی تھی۔ زرش کو خاصا تعجب ہو رہا تھا۔ سمعان احمد کا جو تاثر قائم تھا اس سے ہٹ کر یہ اشعار خاصے معنی خیز تھے۔ ایک نئی کہانی سناتے ہوئے۔
"سمعان احمد کا مخاطب کون تھا؟"
زرش کے اندر اس سوال نے بری طرح شور مچایا تھا۔
کاغذات کو ترتیب سے رکھتے وہ پھر چوکی تھی۔

"My Personels"
"سمعان احمد" کا نام درج تھا۔ زرش نے وہ ڈائری اٹھالی۔
زرش کے ہاتھ میں گرے ڈائری تھی تو دل میں "سمعان احمد کا مخاطب کون تھا؟" کا بھرپور شور تھا۔
اس نے وہیں سے ڈائری کھول لی جہاں قلم رکھا ہوا تھا۔
شاید سمعان احمد اسے ہی لکھتے لکھتے چھوڑ کر گیا تھا۔
کسی کی پرسنل چیز کو چھیڑنا خاصا غیر اخلاقی فعل تھا مگر زرش کا تجسس عروج پر تھا۔
"سمعان احمد ڈائری بھی لکھتے ہیں۔" اسے یہ فرح نے بتایا تھا مگر اس نے کبھی دھیان نہیں دیا تھا کہ یہ خاصا زنانہ کام ہے اور سمعان احمد جیسے مصروف پریکٹیکل بندے کے پاس بھلا اتنا وقت کہاں کہ وہ ڈائری وغیرہ لکھتے پھریں۔
زرش نے وہیں سے پڑھنا شروع کیا تھا جہاں قلم رکھا ہوا تھا۔
پہلی ہی لائن پر زرش کا دل اچھل کر گویا حلق میں آ ٹکا تھا۔ اعصاب جھنجنا اٹھے تو ہاتھوں میں ایک واضح لرزش تھی۔
"میری عقل حیران ہے۔ میں فیصلے کا اختیار نہ کبھی پہلے اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور نہ ہی امی ابو کی اس سرد سی جنگ میں کبھی میرا ہاتھ ہوگا۔ زرش صرف میری اولین چاہت ہی نہیں میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔ ایسا سچ جو مجھ سے اپنا آپ منوا چکا ہے۔ میں اگر امی ابو کی اس آپس کی سرد جنگ میں اپنے حق سے دستبردار بھی ہو جاؤں یا دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں سرینڈر بھی کر دوں تو بھی دل کی خوشی کہیں نہیں ہوگی۔"
زرش سعود احمد کو اپنے اعصاب ساتھ چھوڑتے محسوس ہوئے۔ لفظ سادہ اور عام فہم تھے مگر ادراک اسے زلزلوں کی زد پر لے آیا تھا۔ گویا پوری ذات ہی ہل گئی تھی۔
"کبھی کبھی جذبات کا ریلا بھی انسان کو کیسے بے بس سا کر دیتا ہے۔ زرش پر نظر پڑتی ہے تو دل چاہتا ہے بس حد سے گزر جاؤں اور شاید میں گزر بھی جاؤں مگر طبیعت گوارہ نہیں کرتی۔ سب سے بڑھ کر تو یہ میں اس معصوم اور اچھی سی لڑکی کے اعتماد کو ریزہ ریزہ کرنے کا حوصلہ خود میں نہیں پاتا۔ مجھے اب محسوس ہو رہا ہے زرش میری طرف سے الجھنا شروع ہو گئی ہے مگر میں کیا کروں۔ ہزار چاہوں بھی تو اپنی بے اختیاریوں پر قابو پانا قطعی مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو ضبط کے کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے' کاش میں بتا سکتا....."
اور بھی نہ جانے کیا کیا درج تھا۔ زرش سن دماغ لیے پڑھ رہی تھی۔ جبھی عقب سے ہاتھ بڑھا کر تیزی سے ڈائری جھپٹ لی گئی تھی۔
وہ تیزی سے پلٹی تھی۔
اپنے سامنے سمعان احمد کو دیکھ کر اس کے اعصاب پھر زبردست تحریک کی زد پر تھے۔
"آپ....." وہ سختی سے لب بھینچ گئی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

یہ شخص اس کے لیے کیا تھا۔

اس شخص کو اس نے کیا مقام' کیا رتبہ دیا ہوا تھا۔

اور یہ شخص کیا نکلا تھا۔

وہ کچھ کہنے کی کوشش میں بری طرح ناکام ہوتے ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کے بھروسے اور اعتماد کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تھے۔

سمعان احمد جو ابھی کمرے میں داخل ہوا تھا' ڈریسنگ روم میں کمپیوٹر پر وہ کچھ میٹریل سرچ کر رہا تھا' سارا کچھ یونہی بکھرا ہوا چھوڑ کر۔ خیال ہی نہیں تھا کہ زرش اندر آ سکتی ہے۔ گمان تو یہی تھا کہ وہ چلی گئی ہوگی مگر جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا تھا اسے دیکھ کر سمعان کو ایک پل کو تو کچھ بھی نہیں سمجھ پایا تھا اور جب حواس بحال ہوئے تو فوراً آگے بڑھ کر ڈائری چھین لی تھی مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

جس راز کو وہ چھپانا چاہتے تھے وہ ایک ذرا سی کوتاہی سے عریاں ہو چکا تھا۔ وہ زرش کو جس دکھ' جس اذیت سے بچانا چاہتے تھے وہ نادانستگی میں ہی اسے فراہم کر چکے تھے۔

زرش کو پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھ کر سمعان احمد بے قرار سے آگے بڑھے۔

''زرش! پلیز ایک منٹ میری بات سنو..... پلیز روؤ نہیں.....''

زرش کے آنسوؤں کی شدت میں جو اذیت تھی وہ صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

''زرش بات سنو میری.....'' اسے شدت سے روتے دیکھ کر سمعان نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اس کے چہرے سے ہٹانا چاہے کہ زرش نے بری طرح ہاتھ جھٹک دیئے۔ اتنی نفرت تھی اس جھٹکے میں کہ حد نہیں۔ سمعان احمد گم صم رہ گیا۔

''آپ..... آپ..... میرے اعتماد کو اس طرح پارہ پارہ کر سکتے ہیں۔ آئی ڈونٹ بلیو اٹ.....''

آنکھوں میں آنسو لیے' بھیگے چہرے سے گردن شدت سے نفی میں ہلاتے اس کے لہجے میں ایسی بات ضرور تھی کہ سمعان احمد بوکھلا گئے۔

''زرش تم.....''

''خبردار مجھے بہلایا تو..... مجھے بارہا ایسا محسوس ہوا مگر مجھے آپ پر یقین تھا' اپنی ذات سے بھی بڑھ کر۔ میں نے آپ کو سمعان بھائی نہیں' اپنا بھائی سمجھا اور آپ کیا نکلے..... میں تو آپ کی بڑی عزت کرتی تھی۔ حقیقی بھائی کا مقام دیا تھا.....'' وہ پھر رو دی۔

اس کے بکھرے لہجے میں ٹوٹے اعتماد کی کرچیاں تھیں۔ سمعان احمد پریشان ہو گیا۔

''زری! کچھ غلط مت سوچنا' پہلے میری بات سنو.....''

سمعان احمد نے ایسا تو کبھی چاہا ہی نہ تھا۔ ایک افتاد سی آن پڑی تھی۔

گویا سب کچھ تہس نہس ہونے والا تھا۔

''ہرگز نہیں..... آئندہ میرے سامنے آئیں تو حد سے گزر جاؤں گی۔ سب سمجھتی ہوں میں۔ اب اتنی بچی بھی نہیں ہوں۔ میرے اعتماد کو توڑا ہے آپ نے۔ کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ کسی بھی طور

پر اب بہلنے والی نہیں تھی۔

غصے سے کہتے وہ بھاگی تھی۔

''زرش..... زری..... بات تو سنو.....'' سمعان احمد پیچھے لپکا تھا۔

لاؤنج میں آ کر وہ اپنی کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ سمعان کو بری طرح نظر انداز کر دیا۔ سر اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ سمعان کو زرش کے رویے سے بڑی تکلیف پہنچی تھی۔

''زرش بی بی! آپ کی گاڑی آ گئی ہے۔'' ماجدہ بھی اسی لمحے لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ زرش کتابیں اٹھا رہی تھی ورنہ اسے روتے دیکھ کر ضرور چونکتی۔

کتابیں کاپیاں سمیٹ کر زرش نے دوپٹہ سیدھا کیا تھا۔ یکسر بے پروا انداز تھا بلکہ قطع تعلقی والا..... اتنا سرد کہ حد نہیں۔ سمعان نے اسے اس طرح بی ہیو کرنے پر غصے سے اس کا بازو پکڑ کر جھٹکا دیتے اپنے سامنے کیا تو ہاتھ میں پکڑی کتابیں قالین پر گر گئیں۔

''تم میری بات سنو.....'' غصے سے کہتے سمعان نے اسے کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کر لیا تھا۔ اس قدر خوفناک انداز تھا کہ ایک لمحے کو زرش بھی ششدر رہ گئی تھی مگر اگلے ہی پل بری طرح بپھر گئی۔

''حد میں رہیں آپ اپنی.....'' وہ لمحوں میں اجنبی بن گئی تھی۔ بڑی بری طرح بھڑک گئی۔ سمعان احمد کو احساس ہوا اب صرف وہ زرش نہیں کچھ اور حق رکھنے لگی ہے۔ سمعان کے اندر تاسف نے سر ابھارا۔

''تم غلط سوچ رہی ہو..... ہاں میں محبت کرتا ہوں تم سے..... مگر میری محبت کو غلط نہ سمجھو..... میں نے کبھی تمہارے اعتماد کو توڑنے کی کوشش نہیں کی..... یقین کرو مجھ پر.....'' سمعان احمد اس چھوٹی سی لڑکی کے سامنے بری طرح ٹوٹے تھے بلکہ ہار سے گئے۔ وہ سب برداشت کر سکتے تھے مگر زرش سعود احمد کی بداعتمادی نہیں۔ مر کے بھی نہیں۔ سمعان احمد کے اس قدر واضح اظہار محبت پر زرش بھی سٹپٹا گئی تھی۔ مگر اگلے ہی لمحے پھر ڈٹ گئی۔

''مجھے چھوڑیں..... میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ ہٹ جائیں میرے راستے سے۔'' اس کے لہجے میں اس قدر ناگواری و کراہیت تھی کہ سمعان احمد دیکھتے رہ گئے۔

حالات اس رخ بھی کروٹ بدل سکتے ہیں۔ پل میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ سمعان احمد خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اپنے بازو اپنے پہلو میں گرا لیے تھے۔

زرش بری طرح نیر بہاتے اپنی بکھری کتابیں دوبارہ سمیٹ رہی تھی۔ کتابیں سمیٹ کر وہ پلٹی تھی۔ دروازے کے پاس جا کر رکی تھی اور پلٹے بغیر بولی تھی۔

''میں نے آپ کو ایک دیوتا سے بڑھ کر مان' محبت' چاہت دی تھی۔ میری چاہت تو بے ریا تھی۔ بغیر کسی ملاوٹ کے میں نے آپ سے رشتہ بنایا تھا۔ میری بے تکلفی کو بڑا غلط رنگ دیا آپ نے سمعان بھائی..... مجھ سے میرا اعتماد چھین لیا ہے آپ نے۔ مجھے میری ہی نظروں سے گرا دیا ہے۔ کبھی معاف

BOOKSPK.BLOGSPOT.COM

نہیں کروں گی آپ کو' سمجھے' کبھی نہیں....."

اپنے آپ سے مسلسل نبرد آزما رہنے کے بعد ایک مسلسل اندرونی جنگ سے برسرِ پیکار ہوتے اور اندرونی جمع وتفریق کے حساب کے بعد شارق زمان نے ایک انتہائی قدم اٹھانے کا قطعی فیصلہ کرتے ہوئے نواز فاروق سے ملنے کی ٹھانی تھی۔ اگلے دن دوپہر تین بجے کے قریب شارق زمان' نواز سے ملنے اس کے گھر چلا آیا تھا۔ وہ فاروق چچا کے ہاں بہت کم آتا تھا۔ نواز یونیورسٹی سے آنے کے بعد آرام کررہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسے اکیڈمی کے لیے نکلنا تھا۔ شارق کو دیکھ کر حیران ہوا تھا اور پھر شارق زمان کے کہنے پر وہ اس کے ہمراہ چلا آیا تھا۔

"یار بتاتے کیوں نہیں۔ اب تو مجھے پریشانی بھی ہونے لگی ہے۔ آخر وہ کون سی بات ہے جو تم گھر پر نہیں کرسکتے تھے۔ اتنے سنجیدہ کیوں ہو؟"

شارق زمان' نواز کو یہی کہہ کر لایا تھا کہ اسے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے' وہ بھی اکیلے میں۔ اسی لیے وہ فوراً ہمراہ آ گیا تھا مگر اب شارق زمان کے تیور اور خاموش سنجیدہ انداز دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔

"کچھ دیر صبر کرلو..... ابھی پتا چل جائے گا..... جلدی کس بات کی ہے۔" ایک ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی پارک کرتے شارق کا انداز پہلے سے بھی زیادہ سرد تھا۔ نواز نے پرتشویش نظروں سے دیکھا۔

شارق کا یہ لب ولہجہ اور تیور کسی ناگہانی کی نشاندہی کررہے تھے۔ اس نے بارہا شارق کو اس روپ میں دیکھا تھا مگر آج کوئی نئی بات تھی۔ ٹیبل منتخب کرتے' چائے کا آرڈر دیتے ہوئے بھی شارق زمان کے تیور نہیں بدلے تھے۔

"یار اب بول بھی چکو..... کیا بات ہے۔ میرے صبر کا اس سے زیادہ امتحان مت لو۔ مجھے خوامخواہ گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

ویٹر چائے کے مگ رکھ گیا تھا۔ شارق زمان نے خاموشی سے مگ لبوں سے لگالیا۔ آخر کار نواز فاروق کو اسے ٹوکنا پڑا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل؟" شارق زمان کے لیے نواز کے سامنے براہِ راست گفتگو کرنا ایک دم مشکل لگنے لگا تھا سو تمہیدی انداز تھا۔

"کچھ نہیں..... یونیورسٹی جا رہا ہوں۔ اس کے بعد اکیڈمی۔ شادی کے دن قریب ہیں۔ سب کہہ رہے ہیں کہ چھٹیاں لے لوں مگر ابھی میں یونیورسٹی سے چھٹی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ شادی کی بس دو تین چھٹیاں کروں گا۔ اس کے بعد لانگ لیو لوں گا ہنی مون کے سلسلے میں۔ ہاں رات کو مصروفیت کافی خوشگوار ہوتی ہے۔ شادی کے سلسلے میں ساری بہنیں آچکی ہیں۔ کافی رونق ہوتی ہے۔ خوب انجوائے ہو رہا ہے' بس....."

شارق نے ایک نظر نواز کے چہرے کو دیکھا۔ شادی کا ذکر کرتے وہ کافی خوش محسوس ہوا تھا۔ شارق زمان کو اک جلن سی محسوس ہوئی۔

"تم کیا کہنا چاہتے تھے.....؟" چپ چاپ اپنا جائزہ لیتے شارق زمان کو نواز فاروق نے ٹوک دیا تھا۔

"میں نویرہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اسی سرد اور مخصوص لہجے و انداز میں آخر کار شارق زمان نے دل کی بات کہہ ہی دی تھی۔ گویا بم پھوڑا تھا۔

"کیا.....؟" نواز فاروق پہلے تو ایک دم چیخا تھا۔ پھر حیران وششدر شارق زمان کو دیکھنے لگا جو اس کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے مگ کو گھور رہا تھا۔ اتنی بڑی بات کس قدر آسانی سے پرسکون لہجے میں اس نے کہہ دی تھی۔ نواز فاروق کو ایک لمحے کو لگا کہ اس کی سماعتوں نے غلط سنا ہے۔ ہوسکتا ہے شارق زمان نے کسی اور کا نام لیا ہو۔

"کیا..... کیا..... کہہ رہے ہو تم.....؟" وہ ابھی بھی بے یقین تھا۔

"میں نویرہ احسان سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم شادی سے انکار کردو۔" وہی مخصوص سپاٹ انداز۔

"شارق....." نواز فاروق غم و غصے سے اپنے لہجے کو بمشکل کنٹرول کرسکا۔ "تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟" وہ بولا بھی تو لہجے میں تپش تھی۔

"ہوں! بہت اچھی طرح....." بے خوف انداز تھا۔ نواز کئی ثانیے بے یقینی سے شارق کی آنکھوں میں دیکھے گیا۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ چند دن بعد ہماری شادی ہے۔" نواز کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح کا ردعمل ظاہر کرے۔ غم و غصے سے شارق زمان کو ٹوک دے یا پھر اسے لعنت ملامت اور چیخ و پکار کرے جو اس کی طبیعت کا خاصہ نہ تھا۔

"ہاں..... یہ جانتے ہوئے بھی....." وہی مختصر جواب تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا..... تم مذاق کررہے ہو نا....."

شارق زمان نے نواز فاروق کو دیکھا۔ وہ جیسے منتظر تھا کہ شارق ابھی کہے گا کہ ہاں میں مذاق کررہا تھا' میرا مقصد تمہیں محض ستانا تھا۔ مگر وہ بولا بھی تو کیا۔

"نہیں..... میں سنجیدہ ہوں....."

نواز کو اب حقیقتاً لگا کہ شارق زمان نے کھولتا ہوا پانی اس پر انڈیل دیا ہو۔

"تمہاری اس ساری بکواس کی میں وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" اگلے ہی لمحے وہ اپنے لب و لہجے پر بغیر کنٹرول کیے غم و غصے سے پوچھ رہا تھا۔

"ہوں! مگر مجھ سے نہیں' نویرہ سے پوچھنا کہ وہ اسپتال کیوں پہنچی۔"

اسی پرسکون لہجے میں اس نے پھر نواز فاروق کے اعتماد کی دھجیاں اڑادی تھیں۔ نواز کا جی چاہا کہ

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

شارق زمان کا منہ توڑ دے مگر اس بات نے اسے پھر گنگ کر دیا تھا۔

''نویرہ ہمارے ہاں ٹھہری ہوئی تھی۔ جس رات تم لوگ مل کر گئے تھے وہ اچھی بھلی تھی۔ ایک دم سے کیا ہوا کہ اگلے ہی دن وہ انتہائی نازک حالت میں اسپتال میں ایڈمٹ تھی۔ کوئی تو وجہ ہوگی۔ تم نے نویرہ سے پوچھا نہیں؟''

نواز اب کے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ حیرت سے دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں بکھری' ٹوٹی پھوٹی' ہاری ہوئی نویرہ احسان کا سراپا در آیا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ صاف بات کرو..... پہیلیاں مت بجھواؤ۔'' نواز کا لہجہ بہت زہریلا ہوگیا تھا۔ بغیر کسی لحاظ و مروّت کے۔ نویرہ کا ایک دم رونا' پھر اسے یقین دلانا اور آخر میں طبیعت خراب ہوجانا۔ نواز فاروق کو اپنا دماغ سنسناتا محسوس ہوا۔ جی چاہا کہ ساری بکواس کرتے شارق کو اپنی نظروں کے سامنے سے ہٹا دے یا اپنے آپ کو کچھ کرلے کہ معاملہ غیرت کا تھا۔ نویرہ صرف منگیتر ہی نہیں' سگی عم زاد بھی تھی۔ برسوں کی شناسائی تھی۔ دیکھی بھالی' پرکھی لڑکی تھی۔ مگر اب..... یہ شارق زمان اب جو کہانی سنا رہا تھا' جن لمحوں کا حوالہ دے رہا تھا اس سے نویرہ کی ذات مشکوک ہوکر رہ گئی تھی اور نواز فاروق کردار پر مرمٹنے والا شخص تھا۔

''تم صاف بات سننے کے بجائے مجھے اتنا بتا دو تم نویرہ سے شادی سے انکار کر رہے ہو کہ نہیں.....''

شارق نے نواز فاروق کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔ وہ اب جدھر چاہے کھیل کا رخ بدل سکتا ہے۔ سو بہت اطمینان سے کہا تھا۔

''نہیں..... جب تک تم مجھے اپنے اس رویّے کی اصل وجہ نہیں بتاتے میں تمہاری بات بھی نہیں سننا چاہتا.....'' غصے سے کہتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ شارق زمان نے تیزی سے اس کا بازو تھاما۔

''تم بیٹھو تو.....''

''نہیں..... تمہیں اندازہ ہے کہ تم ایک لڑکی کی ذات کو انوالو کر رہے ہو اور لڑکی بھی وہ جس کے کردار کی گواہی سارا خاندان آنکھیں بند کر کے دیتا ہے۔''

''تم آرام سے' سکون سے میری بات سنو.....''

نواز کے غصے سے پھٹ پڑنے پر اس نے اسی تحمل سے کہا تھا۔

نواز فاروق کو لامحالہ بیٹھنا پڑا تھا کہ ساری صورت حال صرف شارق زمان ہی کلیئر کرسکتا تھا۔

''نویرہ نے کیا کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا کہ اس کی اس شدید بیماری کی وجہ کیا تھی؟'' اس نے نواز کو کریدنا چاہا تھا۔ نواز نے سرخ آنکھوں سے دیکھا۔

لاوا بس پھٹنے کو تھا۔ وہ ضبط کی انتہائی منزل پر تھا۔

''نہیں؟''

''نویرہ نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس بات کو بلکہ اس حادثے کو چھپانا چاہتی ہے۔'' سرگوشی نما انداز پر نواز فاروق چونک کر شارق زمان کو دیکھنے لگا۔ شارق کے انداز میں کوئی بات

ضرور تھی۔ وہ بری طرح ٹھٹکا۔

''کیا مطلب..... کیسا حادثہ..... کیسی بات؟''

''میں اس بات کو چھپا جاتا۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر تم سے میرا جو تعلق ہے' تم نے ہر اچھے برے وقت میں جس طرح اخلاقی طور پر مجھے سپورٹ کیا ہے اس صورت حال میں تم سے کچھ بھی چھپانا میرے ضمیر کو گوارہ نہیں ہے۔ تم چاہے کچھ بھی سمجھو مگر میں اپنے غلط اقدام کی سزا جھیلنے کو تیار ہوں۔ اس رات تم لوگوں کے چلے جانے کے بعد مجھے خبر ملی تھی کہ شہوانہ نے احسان منصور سے شادی کرلی ہے۔''

''تو.....؟'' نواز الجھ گیا۔ یہ خبر تو وہ شارق کے میگزین میں اگلے دن شہوانہ' اس کی ماں اور شوہر پر قاتلانہ حملے کی خبر کے ساتھ پڑھ چکا تھا۔

''اس واقعے کا نویرہ سے کیا تعلق؟'' وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

''میں اس رات بہت الجھا ہوا تھا اور تب میں نے ہمیشہ کی طرح اپنی الجھنوں کا چھٹکارا ڈھونڈا تھا۔ میں تو کبھی دیوانہ ہوا تھا لیکن اس رات نویرہ کو دیکھ کر ہوگیا تھا.....'' وہ کہہ رہا تھا اور مزید بھی بہت کچھ بتا رہا تھا مگر نواز فاروق گم صم حواس گم انداز میں شارق زمان کے صرف ہلتے لب دیکھ رہا تھا۔ اس کے اندر بم بلاسٹ ہونے کے بعد کی کیفیت ابھری تھی۔

نویرہ کی اچانک بیماری فطری نہیں اس حادثے کی دین تھی جو اس رات نویرہ پر ٹوٹا تھا۔ نواز فاروق سر جھکائے اپنے جرم کا اقرار کرتے شارق زمان کو دیکھنے لگا۔ یقین نہ آیا کہ شارق زمان اس حد تک گر سکتا ہے۔

اس میں بھلا نویرہ فاروق کا قصور کیا تھا۔

شارق کی بات سنتے اس کے ذہن میں محاذ آرائی کی کیفیت طاری ہوگئی تھی اور جو قصوروار تھا وہ اپنی سزا کا تعین کرچکا تھا۔ بغیر کسی آمادگی و رغبت کے صرف سزا جھیلنے کو..... کیا یہ سب واقعی سچ تھا یا محض خواب تھا۔

نواز فاروق کو لگا اس کے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔ اس نے سر اپنے دونوں ہاتھوں پر گرالیا۔ اس کے استفسار پر نویرہ کا یوں ری ایکٹ کرنا' شدت سے ٹوٹ کر رونا اور پھر طبیعت خراب ہونا بے معنی تو نہ تھا۔

اس کے پیچھے اصل وجہ یہ تھی۔ وہ ششدر تھا۔ یہ تمام تو ذہن کے کسی دریچے میں بھی نہ تھا۔

''میں اپنا جرم قبول کرتا ہوں۔ میں نویرہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور پلیز تم اس معاملے کو اپنے تک رکھو گے۔ بولو تم میرے لیے کیا کرسکتے ہو.....؟''

شارق زمان کہہ رہا تھا اور نواز فاروق خالی نظروں سے دیکھنے لگا۔

ساری رات خود سے لڑتے' سوچتے' الجھتے صبح کی سپیدی پھوٹنے سے پہلے تک ایک گرداب مسلسل سے نکلنے میں نواز فاروق نے اپنی جان پر جو عذاب جھیلے تھے یہ صرف وہی جانتا تھا۔ فیصلہ تو ہوگیا تھا

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

مگر جسم و روح جان کنی کے عمل سے گزر چکے تھے۔

یہ رشتے ایسے تو نہیں تھے کہ آن واحد میں جڑ سے اکھاڑ پھینکے جاتے۔ ان رشتوں کی پرورش برسوں ہوئی تھی۔ تبھی ان کا یہ خاندان ایک مٹھی کی طرح تھا۔ مگر اب نواز فاروق کو لگ رہا تھا کہ اس خاندان کی بنیادیں ہلنے کو ہیں۔

شارق زمان کا کیا جانے والا انکشاف اتنا ہی جان لیوا تھا کہ نواز فاروق کو اپنا آپ برف کی سل میں ڈھلا محسوس ہو رہا تھا اور کبھی لگتا تھا پورے وجود میں خون کی جگہ شرارے دوڑ رہے ہوں۔ شعلے بھڑک اٹھے ہوں۔

یہ سچ تھا کہ نویرہ احسان کو انہوں نے دل کی گہرائیوں سے اپنانے کی کوشش کی تھی مگر اب شارق کی بات سن کر وہ ششدر تھا۔

نویرہ کو صرف ایک کزن سمجھ کر بھی سوچا جاتا تو بھی اذیت کے کئی پہلو نکلتے تھے۔ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ مرد کچھ بھی کرے' سرخرو رہتا ہے۔ ایک دفعہ عورت کی کلائی تھام کر اسے بے بس کر سکتا ہے اور پھر نئے جہان دریافت کرنے بھی نکل جائے تو اس کی راہیں روشن کی روشن رہتی ہیں۔ شجاعت و طاقت کے مظاہرے کی دین عورت کے مقدر میں صرف رسوائی ہی آتی ہے۔ نسلوں کا افتخار مٹی میں مل جاتا ہے۔ چاہے خوشی سے' مجبوری ہو یا زبردستی سے۔ رسوا تو ہو ہی جاتی ہے اور یہ رسوائی ساری زندگی آسیب کی طرح اس کے ساتھ چمٹی رہتی ہے۔

لمحہ لمحہ اسے تڑپاتی ہے۔ اسے بھیانک لمحوں کا احساس دلاتی ہے۔

نواز فاروق کو رہ رہ کر ان لمحوں کا کرب بے چین کر رہا تھا جن لمحوں میں اپنے وجود سے بے پروا ہوش و حواس سے بیگانہ نویرہ احسان اسپتال کے کمرے میں تھی۔ وہ لمحے جیسے کہ آنکھوں میں ٹھہر گئے تھے۔

قیامت زمین پر آئے یا کسی وجود پر آثار واضح ضرور ہوتے ہیں۔ دیر یا بدیر ایک رنگ ضرور دکھاتے ہیں۔

طوفان چاہے جذبوں کا ہو یا پانی کا' بہت کچھ بہا کر لے جاتا ہے۔

کبھی زمین کو بنجر کرتا ہے تو کبھی وجود کو۔

تباہی کے بعد کا منظر بڑا ہی بھیانک ہوتا ہے۔ ہر چیز واضح اور صاف ہوتی ہے۔ کھیتی ہری بھری ہو تو اس پر ویرانی و بربادی کے اثرات بھی بڑے واضح اور بھیانک ہوتے ہیں۔

ایک نقصان عمر کا ہوتا ہے۔

ایک خسارہ تا زیست مقدر میں لکھا جاتا ہے۔

اور نویرہ احسان کسی خوشحال ہری بھری کھیتی سے کسی طور کم نہ تھی بلکہ کھیتی سے بڑھ کر ہی تھی۔ نواز فاروق نے آہستگی سے تصویر دراز میں ڈال دی تھی۔

یہ تصویر نویرہ کے گھر منگنی والے دن کی تھی۔

اور مستقل اس کے پاس ہی تھی۔

نویرہ اسے پسند تھی۔ ایک کزن کی حیثیت سے اسے ہمیشہ اچھی لگی تھی۔

اکثر وہ حمیرا وغیرہ کو اس کے رکھ رکھاؤ اور سلجھی طبیعت کی مثال دیا کرتا تھا اور پھر جب ابو کی طرف سے نویرہ کا نام اپنے لیے سنا تو دل کو ایک خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔ پہلا خیال ہی دل و دماغ کو منور کر گیا تھا کہ اگر یہ سلجھی ہوئی متین سی رکھ رکھاؤ والی لڑکی زندگی بھر ساتھ نبھائے تو زندگی اچھی گزر سکتی ہے اور پھر یہ خیال مستحکم ہوتا چلا گیا تھا۔

پسندیدگی ''دل کی لگی'' اور ''لگی'' پھر ''الفت'' میں کیسے بدلی تھی وہ پچھلے کسی بھی واقعے کا تجزیہ کرتا بھی تو بہت سے واقعات راہ روکے کھڑے تھے۔

اور فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

اندرونی شکستگی نے جسم سے جان تک نچوڑ لی تھی۔

بے شک اس سارے عمل میں نویرہ احسان کا کوئی قصور نہ تھا۔

بے شک شارق زمان نے جو بھی بتایا تھا اس سارے کا لب لباب یہی تھا کہ نویرہ احسان قطعی بے قصور تھی مگر وہ اب اپنی طبیعت کا کیا کرتا۔

کیا اس کے اندر اتنا حوصلہ و ضبط تھا کہ ساری زندگی اس پھانس کے ساتھ گزار لے کہ نویرہ احسان کبھی شکار ہوئی تھی۔

ساری رات وہ یہی خود سے پوچھتا رہا تھا۔

پوچھ پوچھ کر ہارا تھا۔

کیا وہ اسے پہلے جیسا عزت و مقام دے سکے گا؟

اس کا دل اب بھی اسی طرح بتلا ہے کہ نہیں؟

کیا اسے شارق کی بات مان لینی چاہئے؟

کیا واقعی اسے اپنی راہ الگ کر لینی چاہئے؟

مگر اس میں رسوائی کس کی تھی۔

نواز فاروق کو لگا جیسے شارق اپنے گناہ میں اسے شریک کر گیا ہو۔

عمر بھر کا خسارہ اس کی زندگی میں لکھ گیا ہو۔

قصور کس کا تھا' سزا کسے مل رہی تھی۔

وہ انکار کر بھی دیتا تو نویرہ احسان کی مجروح نسوانیت تو بحال نہیں ہو سکتی تھی یا مجرم اپنے جرم کی نوعیت جان سکتا تھا۔

اور نواز جو کرے گا وہ کس کھاتے میں جائے گا۔

شادی کے اتنے قریب کیا انکار نویرہ کے مقدر میں رسوائیاں نہیں لکھ جائے گا؟

مگر وہ اپنے اندر یہ سب جھیل جانے کا پہاڑ کا سا حوصلہ کہاں سے لاتا؟

کہاں سے دل کو اپنے ہی ہاتھوں برباد کر لینے کا ضبط آزما لیتا.....

PDFSHARE.BLOGSPOT.COM

مگر اسے کرنا تھا اپنے لیے نہیں تو نویرہ احسان کے لیے کہ وہ عزیز تر تھی۔

شارق زمان کو احساس ہونا چاہئے تھا کہ وہ کیا کر چکا ہے اور اس کے اثرات کتنے بھیانک ہو سکتے ہیں اور نواز فاروق کے اندر ان اثرات کو اپنے حصے میں لکھوانے کا اگر حوصلہ تھا بھی تو ہمت ناپید تھی۔

وہ تو کردار کو فوقیت دیتا تھا۔

نویرہ ابھی بھی باکردار تھی تو جو قیامت اس پر بیتی تھی وہ اسے ساری عمر ایک دوسرے سے نظریں چرانے پر مجبور رکھنے والی تھی۔

نواز فاروق نے کل شب سے لے کر اب تک صرف سوچا تھا۔

شارق زمان سے ملاقات کے بعد وہ صرف اس ایک بات کو سوچ رہا تھا مگر.....

فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا اور وہ خود میں اتنا حوصلہ نہیں پاتا تھا کہ نویرہ احسان کو ساری عمر ایک سزا کے طور پر اپنے ساتھ باندھے رکھے جب کہ دل اب صرف اس کے تصور سے آباد تھا۔

انگلیوں سے اپنی کنپٹیوں کو مسلتے نواز فاروق نے باتھ روم کی طرف رخ کیا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ آئینے کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

سرخ و بھاری پپوٹوں سے سجی آنکھیں گزری رات کی اذیت آشکار کر رہی تھیں۔

"مجھے معاف کر دینا نویرہ احسان! یہ صرف ہماری زندگی میں ایک نئی نسل کی بقا کا سہرا ہے' ہم دونوں کے سر..... ہم ایک نئی نسل کی بنیاد بنیں گے۔ مرد کچھ بھی کر لیں معاشرے میں کہیں نہ کہیں فٹ رہتا ہے' عورت چاہے مظلوم ہو' دھتکاری ہی جاتی ہے۔ شارق زمان اپنے جرم کا اقرار کر رہا ہے۔ وہ تم سے ایک رشتہ بنانا چاہتا ہے۔ ابھی اس کا ضمیر کسی حد تک مردہ نہیں ہوا۔ وہ تمہاری بقا کا ضامن بننا چاہتا ہے۔ یہ طے ہے کہ تم پر جو قیامت ٹوٹی ہے اس کے اثرات بہت دور تک ہوں گے اور میں تمہیں انہی رسوائیوں سے بچانا چاہتا ہوں۔ اسے میری سمجھ کا قصور جانو یا میری خود غرضی' میں اس حالت میں تم سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

آئینے کے سامنے کھڑے اپنے اندر کے طوفانوں سے نواز فاروق خود ہی برسرِ پیکار تھا۔

فیصلہ کرنا اتنا آسان تو نہ تھا مگر وہ بہ مشکل کر گیا تھا۔ ضبط کی کن گہرائیوں سے نبرد آزما ہوتے اس نے دل کی طرف سے نگاہ پھیر لی تھی۔

دل کا کیا ہے۔ یہ تو کھیلنے کو چاند بھی مانگ لیتا ہے۔ اب کون سمجھائے کہ چاند کے حصول میں اپنا آپ بھسم بھی کروانا پڑتا ہے۔

وہ خیالات کے بھنور سے نکلنے میں کسی حد تک کامیاب ٹھہرا تھا۔

یا پھر مزید پھنسا تھا۔

آئینے کے سامنے سے ہٹ کر اس نے کراچی ڈاکٹر ظفر (اپنے ماموں زاد) کے موبائل کا نمبر ملایا تھا۔

صبح صبح اسے ڈسٹرب کرنے پر وہ کچھ پریشان بھی ہو گیا تھا۔ مگر نواز فاروق کا ٹھہرا ہوا لہجہ اسے بہت

کچھ سمجھانے لگا تھا اور پھر اس سے ہر طرح کا تعاون و مدد کا وعدہ کر کے نواز فاروق نے کال ڈس کنکٹ کر دی تھی۔

کچھ حد تک دل کو اطمینان سا ہوا تھا۔

آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیتے وہ اپنے معمول کے امور نمٹانے میں لگ گیا تھا۔ یونیورسٹی اپنے طے شدہ وقت پر ہی نکلنا تھا۔ پیریڈ لینے کے بعد اس نے چیئرمین صاحب کے سامنے اپنا استعفیٰ رکھا تھا۔

چیئرمین تو حیران رہ گئے تھے۔ وجہ پوچھتے رہ گئے مگر وہ وجہ کیا بتاتا۔

بربادیٔ دل یا پھر بربادیٔ مقدر.....؟ وہ صرف دیکھے گیا۔

چیئرمین صاحب نے اس کا فیصلہ قبول نہیں کیا تھا۔

"فی الحال تم کو لانگ لیو پر یونیورسٹی سے آف کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ میرے ادارے کے دروازے تم جیسے لائق استاد کے لیے ہر وقت کھلے رہیں گے۔ جب کبھی ارادہ ہوا تو ضرور آنا۔" ان کے الفاظ پر نواز خود اذیتی سے مسکرا دیا تھا۔ تاہم ان سے وعدہ کر کے لوٹ آیا۔

اکیڈمی کی ذمہ داری اس نے اپنے کولیگ کے سپرد کی تھی۔ حالات جو بھی تھے' کبھی اس نے بڑے شوق جذب سے یہ اکیڈمی شروع کی تھی۔ اپنا اچھا خاصا سرمایہ اس میں انویسٹ کیا تھا۔ اب ایک دم سب کچھ اکھاڑ پھینکنا کہاں کی عقل مندی تھی۔ کراچی بیٹھ کر وہ لاہور میں اکیڈمی کو اگر چلا نہیں سکتا تھا تو ہر طرح کی خیر خبر تو رکھ سکتا تھا۔ یہ کون سا مشکل کام تھا۔ نگران کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ وہ کون سا یہاں سے ہر طرح کا تعلق توڑ رہا تھا۔ فی الحال مقصد صرف منظر سے ہٹنا تھا۔ اکیڈمی سے متعلق تمام ضروری امور نمٹانے کے بعد وہ گھر چلا آیا تھا۔

ابھی ایک اور بہت بڑا طوفان تھا جو منہ کھولے کھڑا تھا۔

گھر والوں کو قائل کرنا آسان تو نہ تھا۔

وہ ضبط کی انتہا پر تھا مگر ہوش مندی کا تقاضا تھا کہ وہ ابھی تک سنبھلے ہوئے تھا اور اپنے آپ کو بمشکل سنبھالے ہوئے تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے اپنی تمام ضروری چیزیں سمیٹی تھیں۔

اپنے والدین کے سامنے اسے کیا توجیہہ پیش کرنی تھی' وہ ذہنی طور پر خود کو تیار کرنے لگا تھا۔

چیزیں سمیٹ کر اس نے نمبر ملایا تھا۔ اب اس نمبر پر بات کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ شارق زمان نے پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کر لی تھی۔

"ہیلو..... نواز....." دوسری طرف کی بے تابی عروج پر تھی۔ جیسے اسے صرف اسی نمبر کا انتظار تھا' یقیناً شارق زمان اس کے فیصلے کا منتظر تھا۔

نواز فاروق کو کچھ پل کے لیے اپنا آپ سنبھالنا مشکل محسوس ہوا۔ جی چاہا کہ اس غاصب و بے رحم کو برا بھلا کہتے صاف انکار کر دے۔ اپنے فیصلے سے مکر جائے مگر دل کی مان تو لیتا اپنے ذہن کا کیا کرتا جس میں نویرہ احسان پر پڑنے والی افتاد کا لفظ چمٹ کر رہ گیا تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

وہ ہاتھ صاف کی ہوئی چیزوں کو کبھی یوز نہیں کرتا تھا اور اب..... ذہن کو جھٹکتے اس نے دوسری طرف توجہ دی۔

''نواز! پلیز بولو..... چپ کیوں ہو؟ تم کیا جانو میں کس عذاب سے گزر رہا ہوں۔ مجھے بتاؤ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے..... پلیز نواز کچھ تو کہو۔''

دوسری طرف کا اضطراب حد سے بڑھا ہوا تھا۔ نواز فاروق کی ایک لمحے کی چپ گراں گزر رہی تھی۔ بے چینی و بے قراری حد سے سوا تھی۔

''میں امی ابو کے سامنے آج انکار کردوں گا..... میں کراچی جا رہا ہوں۔ میرے انکار پر جو صورت حال ہوگی وہ میری برداشت سے باہر ہوگی۔ میں بزدل نہیں ہوں مگر میں کچھ بھی جھیل نہیں پاؤں گا۔ آگے کی صورت حال جو بھی ہوگی وہ تمہیں خود سنبھالنا ہوگی۔'' شارق زمان سے گفتگو کرتے ہوئے خود بخود اس کا لہجہ سرد و سپاٹ ہوگیا تھا۔ یہ شخص جسے اس نے ہمیشہ سگے بھائی کی طرح سمجھا۔ اس کے لیے کس طرح شدید نقصان کا سبب بنا تھا۔ کاش وہ ضبط کرسکتا یا پھر محاسبہ کرسکتا۔ جھنجوڑ کر برا بھلا کہہ سکتا۔

''کیا..... واقعی.....'' وہ بے یقین تھا اور نواز فاروق کے اندر نفرت نے ایک دم سر ابھارا تھا۔ سختی سے ہونٹ بھینچے کال کاٹ دی تھی۔

''کیا واقعی.....'' کیسی خوشی سے بھرپور آواز تھی اور نواز کن عذابوں میں گھر گیا تھا۔

دوسری طرف شاید پرواہی نہ تھی۔ اس کے جذبات کا قطعی پاس نہ تھا۔

غصے سے موبائل بستر پر پٹختے وہ خود بھی بستر پر گرا تھا۔

مگر اب ضبط جواب دے رہا تھا۔

سارا وجود شل ہو رہا تھا۔

ایک پل کو لگا جیسے صدیوں کی مسافت طے کی ہو..... وہ سختی سے آنکھیں میچ گیا۔

''زرش! کیا بات ہے' میں مسلسل دیکھ رہی ہوں تم بہت پریشان نظر آ رہی ہو..... اینی پرابلم.....؟ کیا کسی سے جھگڑا وغیرہ ہوگیا ہے یا کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟''

ماما' پاپا اپنے روم میں سونے کو جا چکے تھے۔ زرش ٹی وی لگائے بظاہر مصروف تھی مگر وہ ذہنی طور سے وہاں کہیں بھی نہیں تھی۔ نوشین جو رات کے اس پہر اپنے سامنے اپنی بکس اور جرنل پھیلائے بظاہر مصروف تھی لیکن گاہے بگاہے زرش کا بھی بغور جائزہ لے رہی تھی۔ زرش کی یہ کنڈیشن وہ گزشتہ دو دن سے دیکھ رہی تھی۔

پرسوں اتوار تھا' کل سوموار تھا مگر زرش کالج نہیں گئی تھی۔ وہ کبھی بلاوجہ چھٹی نہیں کرتی تھی مگر اب اس نے کی تھی۔ آج وہ گئی تھی مگر زرش کا گم صم انداز جوں کا توں برقرار تھا۔ شائستہ بیگم کا اسے اندازہ نہیں تھا مگر خود نوشین نے بڑی شدت سے زرش کی مسلسل چپ بلکہ ''صم بکم'' والی کیفیت نوٹ کی تھی

اور اب ٹوک گئی تھی۔

''ہوں..... کیا کہہ رہی ہو تم.....؟'' نوشین کے استفسار پر وہ ایک دم اسے دیکھے گئی تھی۔

نوشین کو زرش کی آنکھوں میں موجود نمی دیکھ کر ایک لمحے کو دھچکا لگا۔

''زرش! کیا بات ہے.....؟'' اگلے ہی لمحے وہ سب کچھ ایک طرف ہٹا کر اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ زرش مسکرائی پھر فوراً نگاہیں پھیر گئی۔

''کچھ بھی نہیں یار! بس ٹی وی دیکھ رہی ہوں۔ یہ سیریل اچھا ہے' کافی دلچسپ.....'' اس نے بات اڑانا چاہی تھی جسے وہ صاف محسوس بھی کرگئی تھی۔

نوشی نے کھوجتی نگاہوں سے زرش کے چہرے کا حصار باندھ لیا۔

زرش الجھ کر رہ گئی۔

''پتا نہیں مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ تم کچھ الجھی ہوئی ہو۔ کوئی بات ہے جو تمہیں اندر ہی اندر تکلیف دے رہی ہے۔ ایسی بات' جو تم مجھ سے بھی شیئر نہیں کرپا رہی.....''

زرش کے ہاتھ سے ریموٹ کنٹرول لے کر اس نے آواز دھیمی کرکے کہا تو زرش لب بھینچ کر متحرک اسکرین کو گھورے گئی۔ اس سے اسے اپنے چہرے کو بے تاثر رکھنے کے لیے کافی جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی۔ ایک عجیب سے عذاب سے گزر رہی تھی۔

''وہم ہے تمہارا اور کچھ نہیں.....'' وہ کھل کر ہنسی تھی۔ نوشی کو اس کی ہنسی کا کھوکھلا پن شدت سے محسوس ہوا۔

''میرا نہیں خیال کہ ہم بہنوں میں ایسے حالات کبھی رہے ہوں کہ ہم کسی سے کچھ چھپائیں۔ مجھے لگتا ہے تم بہت زیادہ ڈس ہارٹ ہوئی ہو کسی بات سے۔ ہر وقت تمہاری آنکھوں میں' میں نے ایک نمی دیکھی ہے۔ تم اسے میرا وہم کہہ کر مت ٹالو۔ ہم دونوں آپس میں اتنی بے تکلف تو ہیں نا کہ ہر بات کھل کر ایک دوسرے سے کرسکیں۔ آرام سے مجھے بتاؤ کیا مسئلہ ہے آخر.....؟'' اس نے زرش کی ہنسی کے کھوکھلے پن کو اپنے دل میں محسوس کیا تھا۔ نوشین کو زرش کا یہ انداز بہت تکلیف دے رہا تھا۔ تبھی وہ خود کو باز پرس سے نہ روک پائی تھی۔ زرش کی آنکھوں میں نمی ایک دم عود کر آئی تھی۔ اعتبار ٹوٹا تھا یا اپنا آپ بے وقوف بنائے جانے کا ملال تھا۔ آنکھیں تھیں کہ مسلسل نمی سے دوچار تھیں اور وہ اپنے آپ کو اس گرداب میں پھنسنے سے بچا نہیں پا رہی تھی۔

''زرش پلیز! مجھے بتاؤ' ورنہ میں ماما کو بلالوں گی.....''

زرش لاکھ بے پرواسہی مگر وہ حساس بھی حد سے بڑھ کر تھی اور نوشین سے بڑھ کر اسے بھلا کون جانتا تھا' وہ ماں جائی تھی اس کی۔ یہ اس کی حساسیت ہی تو تھی کہ وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو شدت سے محسوس کرجاتی تھی۔ یہ بھی سچ تھا کہ یہ زرش خاندان بھر کی چہیتی اور لاڈلی تھی۔ کوئی اس کی آنکھ میں آنسو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا کجا کہ دو دن سے اس کی آنکھوں میں مسلسل نمی سی تھی۔ نوشین کو لگا زرش کی یہ کیفیت اسے کسی گہرے ملال سے دوچار کر رہی ہے۔

INDESCRIBEBLOGSPOT.COM

"زرش! مجھے بھی نہیں بتاؤ گی۔ کیا تائی جان سے اتوار والے روز کوئی تلخ کلامی ہوئی تھی؟" زرش کو آنکھوں کی نمی پیتے دیکھ کر اس نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ زرش نے نفی میں سر ہلایا۔ نوشین کے استفسار پر وہ خود کو رنجیدہ ہونے سے نہیں روک پا رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ اندر کا سارا غبار آنسوؤں میں بہا دے۔ نوشین کو سب بتا دے اس پر کیا قیامت گزری ہے۔ سمعان احمد کی ذات سے متعلق انکشاف نے اسے کس برزخ میں لا پھینکا تھا۔ رشتوں کا وقار مجروح ہوا تھا یا اعتماد کا خون' نقصان دونوں ہی عمر بھر کا خسارہ جھولی میں ڈال گئے تھے۔

وہ نوشین کی جھولی میں سر رکھ کر رو دی' پھوٹ پھوٹ کر۔ یوں جیسے کوئی عمر بھر کے نقصان پر روتا ہے۔ یا پھر کسی بہت پیارے کے چھن جانے کے غم میں مچلتا ہے۔

"نوشی....." نوشین کا نام اس کے ہونٹوں پر مچل کر رہ گیا۔

نوشین کا ہاتھ اس کے سر پر ساکت رہ گیا۔

زرش چھوٹی موٹی بات پر کبھی اس طرح ری ایکٹ نہیں کرتی تھی۔ ضرور کوئی بہت بڑی بات تھی مگر معاملہ کیا تھا' وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ زرش کا بلکنا سوچ کو کسی مقام پر ٹھہرنے نہیں دے رہا تھا۔

"زرش.....! زری..... کیا بات ہے' پلیز! اعتبار کرو مجھ پر۔ بہن سے بڑھ کر کوئی دم ساز اور ہمراز نہیں ہوتا۔ بتاؤ مجھے' کیا بات ہے جس نے میری پیاری سی مسکراتی' ہنستی کھیلتی گڑیا کی آنکھوں میں نمی بھر دی ہے۔ مجھے بتاؤ' سچی میں اسے چھوڑوں گی نہیں....."

زرش کی حالت دیکھ کر نوشین نے ایک دم زرش کو بازو کے گھیرے میں لے لیا تھا۔ زرش کا ہچکولے کھاتا جسم کچھ پرسکون ہوا۔ اسے ایک دم احساس ہوا کہ وہ کیا کر چکی ہے اور کس حماقت کا مظاہرہ کرنے جا رہی ہے۔

ماما' پاپا کا کمرہ لاؤنج کے قریب ہی تھا۔ کسی بھی لمحے دونوں میں کوئی بھی اس کے رونے کی آواز سن کر ادھر آ سکتا تھا۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کیا۔ نوشین کی گود سے سر نکال کر اسے دیکھا۔ وہ بے حد پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔ ایک گہرا تفکر اس کی زرد نگاہوں سے ہویدا تھا۔

"اب بتاؤ کیا بات ہے.....؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

نوشین کا جی چاہا اسے اندر ہی اندر گھلنے پر اس کا سر پھاڑ دے۔

"تو پھر اس ڈرامے کو میں کیا نام دوں.....؟" نوشین کے خشمگیں انداز پر بھی زرش مہر بہ لب رہی تھی۔

"ٹھیک ہے..... تم مجھے نہیں بتانا چاہتی نہ سہی۔ جب سے تم تایا ابو کے ہاں سے لوٹی ہو تمہاری یہی حالت ہے۔ پرسوں رات میں اسٹڈی کے بعد اپنے کمرے میں گئی تو تمہارے روم کے پاس سے گزرتے ہوئے تمہاری سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے اپنا وہم جانا مگر تمہارا اب یہ ڈرامہ کسی طور پر بھی ہضم نہیں ہو رہا۔ میں ماما کو بلاتی ہوں۔ تم ماما پاپا سے تو کچھ بھی نہ چھپاؤ گی۔" وہ دھمکی آمیز

انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

زرش نے ایک دم بوکھلا کر اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"نوشی' پلیز!" وہ اپنے گھٹنوں میں منہ چھپا کر پھر رو دی۔

نوشی کو احساس ہوا کہ بات چھوٹی موٹی نہیں ہے۔ یقیناً بہت بڑا حادثہ تھا مگر کیا۔

"میں خود بھی نہیں جانتی کیا ہوا ہے..... بس مجھے تو لگ رہا ہے میں اپنا تمام تر غرور' اپنی ساری ہستی کا افتخار' عمر بھر کا مان کھو آئی ہوں۔ میں تو ابھی تک اپنے نقصان کا اندازہ نہیں کر پائی' تمہیں کیا بتاؤں مجھے کیا ہوا ہے..... کس عذاب سے دوچار ہوں....." رندھی آواز میں ایسا ملال' ایسا دکھ پنہاں تھا کہ نوشین چپ چاپ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے ٹک گئی۔

"پھر بھی کہنے سننے سے دل کا بوجھ تو ہلکا ہو سکتا ہے....." اس نے اسے تسلی دی۔

"ہاں! مگر کیا کہوں؟ بے وقوف تو میں خود ہی تھی جو چیز بارہا محسوس کی' جو بات ہزار بار دل پر کلک کرتی گئی اسی کی طرف سے بے پروا رہی۔ احمق تو میں خود ہوں۔ شاید احمق عظیم۔ اب سوچتی ہوں گزرے لمحوں کو انگلیوں پر گنتی ہوں تو اندازہ ہو رہا ہے مجھ سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی احمق و بے وقوف نہیں..... عمر بھر کا نقصان لکھوایا ہے۔ اتنا انمول رشتہ کھو دیا ہے جس کو میں نے آکاش سمجھا وہی زمین نکلے یا میری بیوقوفی نے مجھے اس نقصانِ عظیم سے دوچار کیا..... کیا بتاؤں.....؟" ملال و دکھ سے بھری آواز۔ نوشین کا دل کٹ سا گیا۔ زرش پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ بہت نرمی سے ہاتھ تھام کر سہلاتی گئی۔

"تم ساری بات بتاؤ پھر فیصلہ کروں گی تم بے وقوف ہو یا واقعی نقصان عظیم ہوا ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے مگر سنجیدہ انداز میں زرش کو اس بھنور سے نکالنا چاہا جس میں وہ دو دن سے مسلسل الجھی ہوئی تھی بلکہ گھری ہوئی تھی۔

زرش نے ایک گہری سانس کھینچتے اسے اتوار والے روز کا سارا قصہ کہہ سنایا۔ نوشین حیرانی سے ساری روداد سنتی گئی۔

"او مائی گاڈ' زرش! تم نے سمعان بھائی کو یہ سب کہہ دیا....."

"سب سننے کے بعد اس نے لب کشائی کی بھی تو کیا....." زرش نے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں انہیں قتل کر دوں....." وہ جذباتی ہو رہی تھی۔ نوشین نے دہل کر زرش کا چہرہ دیکھا جس پر غصے کی لالی جوبن پر تھی بلکہ کرب' اذیت' بے یقینی سبھی کچھ تھا غصے و غم سمیت۔

"نہیں زرش' سمعان بھائی غلط ہرگز نہیں ہو سکتے۔ وہ تمہیں حقیقتاً پسند کرتے ہیں' یقین کرو۔"

سمعان سے متعلق اس انکشاف کے بعد نوشین نے زرش کے خیالات اور تیور کو سمجھ کر فوراً سمعان کے حق میں بولنا چاہا تو زرش بری طرح بھڑک اٹھی۔

"میں ان کا نام بھی نہیں سننا چاہتی..... نفرت سی محسوس ہو رہی ہے مجھے ان کے تصور سے ہی۔ انہوں نے میری کم عقلی یا میری بیوقوفی کو کیا سمجھا تھا۔ اتنی احمق ہوں کہ میں ان کی کسی انہونی خواہش کی

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

تکمیل کروں۔ کم از کم انہیں اپنے منصب کا ہی اندازہ لگالینا چاہئے تھا۔ ٹھیک ہے میری طبیعت میں لاابالی پن ہے' میں ہزار چاہوں بھی تو اپنی طبیعت کے اس رنگ کو سنجیدگی میں نہیں ڈھال پارہی مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں کسی کی غلط سوچ کا محور بنوں۔ انہوں نے اتنی گھٹیا بات سوچی کیسے۔ وہ بھی میرے بارے میں.....'' وہ ایک دم آتش فشاں کی طرح پھٹی اور پھر کہتی چلی گئی۔ نوشین کو اس لمحے زرش پر بے پناہ ترس محسوس ہوا۔

''ہمارے لیے تو یہ کچھ بھی نیا نہیں ہے۔ ہاں مجھے یہ غلط فہمی تھی کہ شاید تمہیں سمعان بھائی کے جذبات کا تھوڑا بہت اندازہ ہو' آخر کو لڑکی ذات ہو اور عورت تو اپنی طرف اٹھنے والی مرد کی ایک نگاہ سے ہی پہچان جاتی ہے کہ مقابل اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے تمہیں ذرا بھی اندازہ نہ ہوا۔'' اب کے بار چونکنے کی باری زرش کی تھی۔

''تم جانتی تھیں..... کیسے.....؟''

''پھپھو کے ہاں ایک دفعہ گئی تھی۔ تمہیں یاد ہوگا جن دنوں سمعان بھائی کے ہاں ان کی اور فوزیہ آپی کی شادی کا قصہ چل رہا تھا۔ ایک دن قیصرہ خالہ' پھپھو سے ملنے آئیں تو بات چلی تھی۔ اندازہ ہوا کہ سمعان بھائی کی کیا خواہش ہے اور تایا ابو کیا چاہتے ہیں بلکہ کچھ حد تک تو ماما' پاپا بھی یہی چاہتے ہیں کہ تمہاری بات سمعان بھائی سے طے کریں مگر تائی امی کے رویّے کی وجہ سے وہ انکاری ہیں اور تم تو یہ بھی نہیں جانتیں کہ تایا ابو نے پاپا سے تمہارے اور سمعان بھائی کے رشتے کی بارہا بات کی ہے مگر پاپا ہر بار ٹال جاتے ہیں۔ دراصل وہ درست وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔''

وہ انکشاف پر انکشاف کر رہی تھی اور زرش کی وہ کیفیت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''تمہیں یہ سب کس نے بتایا.....؟'' اسے اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

''ہادی آپا نے.....'' زرش جتنی بے یقین تھی نوشی اتنی ہی مطمئن و پرسکون تھی۔

''اتنا کچھ ہو چکا ہے اور مجھے تم نے بتایا تک نہیں۔'' شکوے کے ساتھ آنسو بھی بہہ نکلے۔

''رشتے وغیرہ سے متعلق تو یقین تھا کہ یہ بات ہادی آپا نے بتائی ہے' جھوٹ نہیں ہوسکتا مگر سمعان بھائی سے متعلق میں خود بھی بے یقین تھی۔ قوی گمان یہی تھا کہ یہ قیصرہ خالہ کی ''ہوائی'' ہوگی جو وہ ہماری مخالفت میں انہوں نے اڑائی ہوگی۔ پھر سمعان بھائی کا انداز بھی تمہارے ساتھ ایسا رہا کہ ایک لمحے کو یقین پختہ ہو جاتا تھا تو دوسرے لمحے ان کا قطعی سنجیدہ انداز دیکھ کر غلط فہمی کا گمان ہوتا تھا۔ پھر سمعان بھائی ایک معتبر شخصیت کے حامل ہیں۔ ان کے بارے میں کسی سے کچھ پوچھنے یا کہنے سے بھی احتراز برتتی رہی کہ ہوسکتا ہے کہ میرا وہم ہو..... صرف قیصرہ خالہ کی ''اڑائی'' ہو۔''

نوشین کے پاس ہر بات کا جواب تھا۔ زرش کی آنکھیں بہہ نکلیں۔ اپنا آپ اس وقت بہت احمق لگ رہا تھا۔ یعنی کہ صرف وہی بے خبر تھی۔

''سمعان بھائی بہت اچھے' سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ خاندان کی ہر دلعزیز اور معتبر شخصیت۔ قیصرہ خالہ اور تائی امی کی مخالفت و رویّے سے ہٹ کر دیکھا جائے تو سمعان بھائی سے بڑھ کر تمہارے لیے

کوئی اور مناسب نہ ہوگا' مگر.....'' زرش نے ایک دم تنبیہی نگاہوں سے دیکھا۔ نوشی مسکرا دی۔

''اتنا زیادہ زود رنج ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم نے انہیں ہمیشہ ایک بڑے بھائی کی نظر سے دیکھا بلکہ سگے بھائی کا مقام دیا لیکن یہ بھی سچ ہے سمعان بھائی کی شخصیت مسلم ہے۔ ان سے نظر بچانا ناممکن ہے۔ ہزاروں لڑکیاں ہوں گی مگر وہ تمہاری طرف متوجہ ہیں۔ ضرور دل کا معاملہ ہوگا پھر ان کی شخصیت کو یہ قطعی زیب نہیں دیتا کہ وہ تمہارے یا کسی بھی لڑکی کے متعلق کوئی بات کہہ دیتے یا لکھ دیتے..... اپنے دل و دماغ کی گرہیں کھولو..... انہیں قبول کرنا یا رد کرنا دوسرا معاملہ ہے فی الحال تو تم ان کی پوری ذات کی نفی کر رہی ہو۔ ان کے کردار پر انگلی اٹھا رہی ہو..... وہ تم سے دل سے انوالو ہیں' یہ کیوں نہیں سوچتیں..... اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ صنف نازک سمجھ کر وہ تمہاری طرف متوجہ ہوئے ہیں تو تم غلط ہو۔ وہ میچور پرسنالٹی رکھتے ہیں۔''

''مجھے نہیں پتا تم کیا کہہ رہی ہو..... مجھے تو یہ دل ول' یہ سب بکواس لگتا ہے۔ فلمی سچویشن' حقیقت سے قطعی لاتعلق۔ میں تو اتنا سمجھ رہی ہوں انہوں نے میرے ساتھ غلط کیا ہے۔ اگر وہ اس طرح انوالو تھے تو انہوں نے مجھے اس طرح دھوکا دینے کی کوشش کیوں کی؟ کیوں مجھے بے وقوف بناتے رہے؟ نوشی مجھے بارہا ان کی باتوں سے' ان کے رویوں سے اندازہ ہوا کہ ان کا رویّہ میرے ساتھ اپنائیت سے بڑھ کر ہے مگر خدا کی قسم میں نے کبھی اس طرف دھیان ہی نہ دیا کہ وہ اس طرح بھی سوچ سکتے ہیں یا شاید میں نے انہیں جو مقام' جو رتبہ دیا تھا' میں نے اس مقام و مرتبے سے ہٹ کر انہیں کبھی دیکھا ہی نہیں۔ یہ میری بیوقوفی ہے۔ میں نے انہیں ہمیشہ صرف ''سمعان بھائی'' ہی سمجھا تھا۔ ہمارا بھائی نہیں ہے' انہیں بھائی کا مقام میں نے دل سے دیا تھا بلکہ ہر لمحہ اس مقام کی پاسداری بھی کی تھی۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ اس حد تک چلے جائیں گے تو بخدا میں کبھی ان سے اتنی بے تکلف نہ ہوتی۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں میرا نقصان کتنا شدید ہے۔ میں نے صرف سمعان احمد کو نہیں کھویا بلکہ محبت و اعتماد کی ڈور میں لپٹا ''بھائی'' کا رشتہ کھو دیا ہے۔ کاش میرے دکھ کا کوئی اندازہ کر سکے۔ میرا مان میرا اعتبار کوئی لوٹا سکے۔''

وہ پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔ اس کا نقصان واقعی شدید ترین تھا۔ نوشی چپ چاپ دیکھے گئی۔ زرش کے بے ریا آنسو اس کی سمعان احمد سے بے ریا محبت کے گواہ تھے۔ وہ محبت جو ایک مقدس رشتے سے لپٹی ہوئی تھی۔

وہ خاموشی سے زرش کی کمر سہلاتی رہی کہ زرش سے فی الحال سمعان احمد سے متعلق کچھ بھی کہنا سننا بے کار تھا۔

زرش کے بے لچک انداز سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ جو ٹھان چکی ہے' جو سوچ چکی ہے اب اسی سوچ پر کاربند رہے گی..... اور ہر حال میں رہے گی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

رات کے کھانے کے بعد سبھی لاؤنج میں براجمان تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ شادی کے دن قریب تھے تو ہر طرف تیاریوں کے نظارے دکھائی دے رہے تھے۔

نواز فاروق کی سبھی بہنیں براجمان تھیں' ثناء' شمائلہ' زارا' حمیرا۔

نواز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ امی ابو کو کس طرح صورت حال سے آگاہ کرے۔ اپنے آپ سے مسلسل جھگڑتے ایک فیصلہ تو کرلیا تھا' اب اس پر عمل درآمد کے آخری مرحلے میں قدم ڈگمگا رہے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ اپنے فیصلے سے ایک دم منکر ہو جائے۔ شارق زمان کو کہہ دے اپنا بھگتان خود بھگتے۔ اس بھگتان میں اس کا قطعی کوئی حصہ نہیں مگر نویرہ فاروق اور آنے والے حالات کا تجزیہ کرتے جب نواز فاروق نے اپنے متوقع ردعمل کا جائزہ لیا تو اسے صرف ایک ہی صورت نظر آ رہی تھی۔ انکار..... صاف انکار..... مگر کیسے.....؟ وہ مسلسل الجھن کا شکار تھے۔

چائے سے فارغ ہونے کے بعد نواز نے بہت آہستگی سے امی ابو کے سامنے ذکر چھیڑ دیا تھا۔ وہ تو یونہی متوجہ ہوئے تھے مگر جب نواز نے شادی سے انکار کا ذکر کیا تو دونوں میاں بیوی ہی نہیں' لاؤنج میں موجود ہر فرد اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔ حمیرا کے ساتھ باقی تینوں بہنیں بھی متوجہ ہوئی تھیں۔

''تم ہوش میں تو ہو' جانتے ہو کیا کہہ رہے ہو؟'' نواز فاروق کے انکار نے فاروق صاحب کو ایک دم مشتعل کر دیا تھا۔

''جی' بہت اچھی طرح.....'' اسی سعادت مندانہ دھیمے انداز میں جھکے سر سے گویا تھا۔ وہ ہکا بکا دیکھے گئے۔ ساری بہنیں سب کچھ وہیں چھوڑ چھاڑ کر ماں باپ کے گرد جمع ہو گئی تھیں۔

''نواز! یہ کیسا مذاق ہے؟'' رضیہ بیگم تو ابھی تک بے یقین تھیں۔

''یہ مذاق نہیں' سچ ہے۔ میں نویرہ سے شادی نہیں کر رہا۔ ایم سوری!'' سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔ دوٹوک لہجہ تھا جس میں کسی احساس کی کوئی رمق نہ تھی۔

''وجہ.....؟'' فاروق صاحب کا غصیلہ لہجہ ایک دم عود کر آیا تھا۔

نواز فاروق اسی طرح سر جھکائے خاموش رہا تو فاروق صاحب کا پارہ ہائی ہونے لگا۔

''رضیہ! اس سے پوچھو..... اس بیہودگی کا مقصد کیا ہے؟ اب جب کہ شادی میں تین چار دن باقی ہیں یہ کیا کہہ رہا ہے کہ یہ نویرہ سے شادی نہیں کر رہا۔'' دکھ' تاسف' غم و غصے' اشتعال نہ جانے کیا کچھ نہ

تھا ان کے لہجے میں۔

نواز فاروق بے تاثر چہرے سمیت لاؤنج کے قالین کو گھورے گیا۔

''نواز بھائی! یہ کیا مذاق ہے؟'' بڑی بہن نے فوراً نواز کا کندھا ہلایا تھا۔

''میں کہہ چکا ہوں یہ مذاق نہیں ہے۔ آپ لوگ سنجیدگی سے میری بات پر غور کریں۔ میں کبھی بھی نویرہ سے شادی نہیں کروں گا.....''

''وجہ.....؟'' اب کے بے یقین آواز رضیہ بیگم کی تھی۔

نواز نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

جو وجہ وہ اگر یہاں بیان کر دیتا تو سارا خاندان شارق زمان سمیت نویرہ کو سنگسار کر دیتا اور نویرہ جیسی صاف شفاف لڑکی کی رسوائی اسے کبھی گوارہ نہ تھی۔ کیسی خندق تھی جو اس کے آگے کھود دی گئی تھی۔

وہ پسند ہی نہیں' دل کی مکین بھی بن گئی تھی۔

اور جو دل کے مکین ہوں انہیں بے آبرو ہوتے کبھی دیکھا نہیں جا سکتا۔ نواز فاروق کو اپنے ضبط پر کنٹرول کرنا مشکل ہونے لگا۔

''میں کسی اور سے شادی کرنا چاہتا ہوں.....'' الفاظ تھے کہ بم۔

''کیا.....!'' سبھی اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے۔

سبھی کے منہ کھلے تھے۔ نواز اور کسی اور سے شادی..... قطعی جھوٹ تھا۔ ناقابلِ یقین۔

''کون ہے وہ.....؟'' فاروق صاحب کے لہجے میں سختی تھی۔ نواز خاموش رہا کہ بے اختیاری میں جو الفاظ منہ سے نکل گئے تھے اب اپنے الفاظ کو کیسے سنبھالنا تھا۔ خاصا دقت طلب مرحلہ تھا۔ گویا جان کنی کے عمل سے گزر رہے تھے۔ اپنے منہ سے نکلے بے اختیاری کے الفاظ اب ساری عمر نبھانے بھی تھے۔

''رضیہ! پوچھو اس سے' یہ کس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایسی کون سی اعلیٰ نسب کی مالک ہے جس کے لیے وہ نویرہ جیسی ہیرا صفت لڑکی کو ٹھکرا رہا ہے۔ پوچھو اس سے وہ کون ہے جس کے لیے یہ ہم پر اتنی بڑی قیامت ڈھا رہا ہے؟''

فاروق صاحب چند لمحے نواز کی طرف سے جواب کے منتظر اسے دیکھتے رہے تھے مگر دوسری طرف مسلسل خاموشی تھی۔ فاروق صاحب کے لے ضبط روح پر بوجھ تھا۔ وہ کیسے اتنی بڑی بات برداشت کر لیتے۔

نواز فاروق ان کا اکلوتا ہی نہیں' لاڈلا اور قابل رشک بیٹا رہا تھا۔ انہیں اس پر ہمیشہ فخر محسوس ہوا تھا۔ انتہائی سلجھا ہوا اور فرمانبردار بیٹا۔ وہ خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتے تھے۔ نواز فاروق نے زندگی کے کسی معاملے میں کبھی ان کے سامنے ناں نہیں کی تھی۔ کبھی ان سے بحث نہیں کی تھی۔ ہمیشہ ان سے سر جھکا کر بات کی تھی۔ سر تو ابھی بھی جھکا ہوا تھا مگر لہجے اور انداز میں جو سرد مہری تھی وہ آج پہلی دفعہ دکھائی دے رہی تھی۔ گویا نواز قطعی فیصلے کے بعد بغیر نفع نقصان کی پروا کیے اس کارزار عمل میں کودا تھا۔

''نواز! کیوں ہمیں رسوا کروانے کا ارادہ ہے۔ اگر ایسی کوئی بات تھی تو پہلے بتایا ہوتا۔ تم سے پوچھ کر

TEESHUFF.BLOGSPOT.COM

تمہاری رائے کو مقدم جانتے ہوئے یہ رشتہ طے کیا تھا ورنہ تم جانتے تھے کہ میری کیا خواہش ہے۔ مگر میں نے اپنی خواہش کو ٹال کر تمہاری رائے کو اولیت دی اور اب تم کہہ رہے ہو کہ تم نویرہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے جبکہ شادی میں بھی چند دن باقی ہیں۔ وہ بچی تو معتوب ٹھہرادی جائے گی۔ بے قصور ماری جائے گی۔ عمر بھر کی ذلت علیحدہ۔ اسے کس قصور کی سزا دے رہے ہو۔ ہم تو ماں باپ ہیں' بھگت لیں گے مگر وہ....."

"یہاں ہر کوئی بے قصور ہی مارا جاتا ہے۔ میری اپنی بھی کوئی خواہش ہے' ذاتی پسند ناپسند۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر معاملے میں آپ کے سامنے سر جھکاتے جھکاتے زندگی کے اس اہم معاملے پر بھی وہی روش اختیار کروں۔ میری بھی کچھ ذاتی اپیچ منٹ ہیں۔ آپ لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے۔"

وہ ماں کو اہمیت دینے والا آدمی تھا مگر اب ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا تھا۔ سب حیرت زدہ رہ گئے۔

یہ نواز کا کون سا روپ تھا۔

"میں سب سمجھ رہا ہوں۔ اس خاندان میں برسوں پہلے زمان بھائی کے اندر بھی ایسی ہی جوانی کا ابال اٹھا تھا جو اس خاندان کی برسوں کی عزت و آبرو بہا کر لے گیا تھا۔ آج تک اس کا خراج ادا کر رہے ہیں ہم لوگ۔ پہلے شارق زمان کی صورت میں اور اب ان کی بیٹی شیوانہ کی صورت میں۔ جیسی عورت کے لیے انہوں نے ماں باپ کے سامنے ٹکر لی تھی' پرکھوں کی عزت کو روندا تھا اب برسوں بعد یہ بھی وہی کرنا چاہتا ہے۔"

غم و غصے' طیش و غضب سے کہتے انہوں نے نواز کو گھورا تھا۔

نواز کے اندر سخت تحریک برپا ہوئی تھی مگر ضبط کمال کا تھا۔

"آپ کچھ بھی سمجھئے' میں آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکا ہوں۔ شادی میں وہیں کروں گا جہاں میری کمٹمنٹ ہے۔ آپ پر منحصر ہے کہ آپ میرا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں۔ رہ گئی نویرہ کی بات! وہ اچھی لڑکی ہے۔ اسے بہت سے رشتے مل جائیں گے۔ مگر میں نے ایک دفعہ موقع گنوا دیا تو پھر مجھے اپنی پسندیدہ لڑکی نہیں ملے گی....."

ماں باپ کے سامنے جس قدر ادب و لحاظ کا مظاہرہ کرتا تھا اسی قدر بے باکی سے اس نے اپنی بات واضح کی تھی۔ فاروق صاحب ایک دفعہ پھر شاک میں رہ گئے۔

"کیا واقعی یہ میرا وہی فرمانبردار بیٹا ہے؟" وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

"ہرگز نہیں' یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس گھر میں صرف نویرہ آئے گی۔" انہوں نے سختی سے ٹوک دیا تو نواز فاروق آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو ٹھیک ہے۔ آپ بے شک اس گھر میں نویرہ کیا کسی بھی ایکس وائی کو لاتے رہیں۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا پھر جو مرضی کیجئے گا۔"

انداز دھمکی آمیز تھا۔

رضیہ بیگم اور ساری لڑکیاں حیرت سے گنگ نواز فاروق کو دیکھ رہی تھیں۔

انتہائی بے لحاظ' بے مروّت اور دو ٹوک انداز تھا۔ جیسے اس کا ان سے کوئی بھی خونی تعلق نہ تھا۔ صرف ایک لڑکی کے لیے وہ آج اپنے والدین کے سامنے ڈٹ گیا تھا۔ ان والدین کے سامنے جن کے سامنے وہ ہمیشہ نظریں نیچی رکھے محوِ کلام رہا تھا۔

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو.....؟" فاروق زمان فوراً نواز کے سامنے آ ٹھہرے تھے۔ رضیہ بیگم اور لڑکیاں ڈر کر فوراً آگے بڑھی تھیں۔

"آپ کچھ بھی سمجھ لیں۔ میں نے تو فی الحال شادی سے انکار کیا ہے....."

انتہائی سفاک انداز تھا۔ اس انداز نے فاروق صاحب کے اندر کے لاوے کو ایک دم اشتعال کے رنگ میں باہر اچھالا تھا۔

"بکواس بند کرو..... شرم کرو تم باپ کے سامنے کھڑے ہو....." ان کا ہاتھ اٹھا تھا مگر طمانچے مارنے کے بجائے وہ غصے سے مٹھی بھینچ کر اسے تنبیہ کر رہے تھے۔ نواز فاروق سپاٹ چہرے سے دیکھے گیا۔

ساری بہنیں اور ماں خوفزدہ سی آگے بڑھی تھیں۔

"دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے..... کان کھول کر سن لو' تمہاری شادی صرف نویرہ سے ہی ہو گی۔ وہ بھی اسی طے شدہ ڈیٹ پر ورنہ تم اس گھر سے نکل جانا' میں سمجھوں گا میرا کوئی بیٹا ہی نہیں۔ اچھی طرح ذہن نشین کر لو تم میری یہ بات۔ اس ذلت سے میں موت کو گلے لگانا بہتر سمجھوں گا۔"

نواز خاموشی سے وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد رضیہ بیگم اور ساری بہنیں آ گئی تھیں۔ نہ جانے کس کس طرح اسے سمجھاتی بہلاتی رہی تھیں۔ قسمیں' واسطے' دلائل' نہ جانے کیا کیا عہد و پیماں باندھتی رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے سب کی سنے گیا۔ سب سمجھتی رہیں کہ جیسے وہ قائل ہو گیا ہے مگر وہ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ اب فیصلے پر عملدرآمد کر چکا تھا۔ اب ردوبدل کی قطعی گنجائش نہ تھی۔ ماں کے آنسو' بہنوں کی التجائیں' وہ خالی الذہن سے دیکھے اور سنے گیا۔ ایک بجے کے قریب وہ سب چلی گئیں تو باقی کی رات نواز کو کاٹنا دوبھر ہو گیا۔ یوں لگا گویا بستر پر کانٹے اگ آئے ہوں۔

اذیت ہی اذیت تھی۔

اگلی صبح تک وہ اپنے فیصلے پر مضبوطی سے ڈٹا ہوا تھا۔ اپنی طرف سے دیر سے کمرے سے نکلا تھا۔ لاؤنج میں آیا تو فاروق صاحب اور ماں کو باہم گفتگو کرتے پایا۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر چپ ہو گئے تھے۔ فاروق صاحب نے غصے سے منہ پھیر لیا۔

"ناشتہ تیار کرواؤں.....؟" پورے گھر میں محسوس کن خاموشی تھی۔ نواز نے نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر آہستگی سے باپ کے سامنے صوفے پر آ بیٹھا۔

کتنے پل خاموشی سے سرک گئے۔

"تم نے کیا سوچا ہے..... میرا خیال ہے کہ تمہارے دماغ کی جو پھرکی گھومی ہے وہ اب واپس اپنی

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

جگہ پر آ چکی ہوگی۔ شادی سے انکار کرنا اتنا آسان نہیں اور وہ بھی نویرہ جیسی لڑکی کے ساتھ.....'' اس خاموشی کے طویل دورانیے کو آخر کار فاروق صاحب کی بے لچک آواز نے ہی توڑا تھا۔ نواز نے خاموشی سے باپ کو دیکھا۔

''میرا فیصلہ ہنوز وہی ہے۔''

''نواز.....'' رضیہ بیگم نے شاک سے دیکھا۔ رات جس طرح انہوں نے اسے سمجھایا بہلایا تھا' ان کو یقین تھا کہ وہ راضی ہوگیا ہوگا مگر اب پھر وہی ضد۔

''رضیہ! اسے کہو فوراً اس گھر سے چلا جائے۔ میں اب ایک لمحہ بھی اسے اپنے گھر میں نہیں دیکھ سکتا۔ ایسی نابنجار' ناخلف اولاد کی میرے گھر میں کوئی ضرورت نہیں..... یہ ہمیں جس ذلت سے دوچار کر رہا ہے وہ ہمارا مقدر سہی۔ میں بھی صبر کے گھونٹ پی لوں گا کہ اللہ نے مجھے کوئی بیٹا دیا ہی نہیں تھا۔ لوگوں کے بیٹے مرجاتے ہیں' میں سمجھوں گا میرا بھی مرگیا ہے۔''

اتنے سخت الفاظ' اتنا سخت انداز۔ رضیہ بیگم تڑپ کر رہ گئیں۔

باپ کی گرجدار آواز سن کر نہ جانے کن کونوں کھدروں سے ساری بہنیں نکل آئی تھیں۔

''خدا کے لیے..... ٹھنڈے دماغ سے بات کریں۔ غصہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ پیار سے سمجھائیں۔ جوان اولاد کے سامنے یہ بات کرنے کا کون سا انداز ہے۔'' رضیہ بیگم بے چارگی سے کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے غصے سے نواز فاروق کو دیکھا۔

''ایسی اولاد سے ماں باپ ایسی ہی بات کرتے ہیں۔ یہ میرا بیٹا ہے' باپ نہیں کہ آرام سے بات کروں۔''

ان کا غصہ کسی طور بھی کم ہونے والا نہ تھا۔

''گستاخی معاف' ابو جان! اپنی پسند سے شادی کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔'' اپنے اسی مخصوص دھیمے انداز میں نواز نے لب کشائی کی تھی۔

''دیکھ رہی ہو تم' یہ کیا کہہ رہا ہے۔ ابھی تم کہہ رہی ہو کہ میں اس کے ساتھ سکون سے بات کروں۔'' انہوں نے طیش میں بیوی کو ڈانٹا۔ ''اسے پہلے ہوش نہیں تھا۔ پہلے منہ سے پھوٹا ہوتا' بھاپ نکالی ہوتی کہ یہ چاہتا ہے۔ اب جبکہ چند دن باقی ہیں یہ کہہ رہا ہے کہ شادی نہیں کرنا چاہتا..... میں قتل کردوں گا اسے اگر اس نے بات بھی کی تو۔''

''خدا کے لیے ابو جی..... یہ کیا کر رہے ہیں آپ.....'' وہ غصے سے آگے بڑھے تبھی شائلہ آپی نے فوراً دوڑ کر ان کا راستہ روکا تھا۔

''میرے راستے سے ہٹو۔ اپنی عزت سے کھیلنے والے کو میں ایک سیکنڈ بھی معاف نہیں کروں گا۔ سمجھ کیا رکھا ہے اس نے۔ اسے میں اپنی من مانی کرنے دوں گا' ہرگز نہیں۔''

وہ غصے سے مزید آگے بڑھے تو زارا بھی بھاگ کر ان کی راہ میں حائل ہوگئی تھی۔

''نہیں ابو جی۔ ہوش کریں۔''

رضیہ بیگم' باپ بیٹے کو مقابل دیکھ کر گویا ادھ موئی ہو رہی تھیں۔ حمیرا نے ماں کی دگرگوں حالت ہوتے دیکھ کر انہیں سہارا دے کر صوفے پر بٹھا دیا۔

''میں خود بھی یہاں نہیں رہنا چاہتا۔ ٹھیک ہے آپ جو جی چاہے کریں مگر میرے جانے کے بعد۔'' نواز نے بھی غصے سے کہہ کر باہر قدم نکالے تھے۔

ثنا اس کے پیچھے بھاگی تھی مگر اسے تو جیسے کسی کی پروا ہی نہ رہی تھی۔

پتھر بنا لیا تھا اس نے خود کو۔

اپنے کمرے میں آ کر بستر کے نیچے سے اپنا تمام سامان جو وہ پہلے ہی تیار کر چکا تھا' نکالنے لگ گیا تھا۔

''بھائی! خدا کے لیے کیا کرتے ہیں۔ کیوں ضد کر رہے ہیں۔ امی کا ہی احساس کریں۔ ہم کیسے جئیں گے۔ اتنے کٹھور تو نہ بنیں۔''

اسے اپنی مطلوبہ تمام چیزیں سمیٹتے دیکھ کر ثنا رو دی تھی جب کہ دوسری طرف مطلق اثر نہ ہوا تھا۔ اسی طرح اپنا سامان سمیٹنے میں لگا رہا تھا۔ تبھی رضیہ بیگم بھی چلی آئی تھیں۔

''نواز! کیوں ماں باپ کے دل سے کھیلتے ہو۔ تم تو خود بھی اس رشتے سے خوش تھے۔ تمہاری رضامندی پر یہاں بات طے کی تھی۔ اب انکاری کیوں ہو۔ خاندانی لوگوں کے لیے یہ تو ذلت سے مرجانے کا مقام ہے۔'' ان کے آنسو بے اختیار تھے۔ نواز کے دل پر پتھر سے گرنے لگے۔ بمشکل ضبط کر پایا۔

محبت کرنے والی ماں کی طرف سے پشت پھیر لی۔ لاڈلا ہونے کی وجہ سے وہ عزیز تر بھی تو بہت تھا۔

''نواز! جو تم کہو گے میں کروں گی۔ تمہارے باپ کو راضی کرلوں گی' تم نہ جاؤ۔ ہم لوگوں کو' خاندان والوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ یوں نہیں کرو..... ہماری محبت کا امتحان نہ لو۔ میں مرجاؤں گی تمہارے بغیر۔'' اس کی پشت سے سر ٹکائے وہ شدت سے رو دیں۔ نواز کو لگا وہ پل پل پگھل رہا ہے۔ ماں کی محبت اسے مجبور کر رہی ہے۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رہی ہے مگر..... نویرہ کو وہ کیسے قبول کرلیتا۔ اس کا ظرف اس درجے کا نہ تھا۔

وہ کوئی فرشتہ تو تھا نہیں کہ سب کچھ نظر انداز کر کے نویرہ کو اپنا لیتا اور ساری عمر اس پر پردہ ڈالے رکھتا۔ نہ جانے کب ضبط چھلک پڑتا' نہ جانے کب زبان راز افشا کر جاتی اور پھر اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ وہ نویرہ کو بیوی کی حیثیت سے قبول بھی کرلیتا اس کی مردانگی پر یہ ایک گہری چوٹ تھی۔ وہ اپنی بشری کمزوریوں کے سامنے ہار گیا تھا مگر اب ماں کے آنسوؤں سے نہیں ہارنا چاہتا تھا۔ وہ ضبط سے مٹھیاں بھینچ گیا۔ آہستگی سے ماں کو اپنے سے دور ہٹایا۔

وہ یہ گھر' یہ جنت' یہ رشتے چھوڑ کر جا رہا تھا' نہ جانے کب تک..... یہ سزا اس کی اپنی تجویز کردہ تھی۔ ایک ناقابلِ معلوم مدت تک۔ اس نے خاموشی سے تمام سامان کے بیگ اٹھائے تھے۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

ساری بہنیں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ماں کا برا حال تھا۔ وہ نگاہیں پھیر گیا۔

کمرے سے نکل کر وہ لاؤنج کے دروازے پر رکا تھا۔

فاروق صاحب دہلیز پر ہی کھڑے تھے۔

اسے سامان سمیت دیکھ کر ان کے اندر دکھ' ملال' اضطراب' غم و غصہ نہ جانے کس کس جذبے نے دم توڑا تھا۔ بے یقینی کی تہہ سب سے بڑھ کر تھی۔

"نواز! خدا کے لیے رک جاؤ..... یہ دیکھو میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ ماں ہوں تمہاری' حق رکھتی ہوں مگر مجبور ہوں۔ رک جاؤ..... نہ جاؤ۔ ایک ہماری بات کا بھرم رکھ لو۔ نوریہ مر جائے گی' ہم جیتے جی مر جائیں گے۔" ماں کی آہ و زاری اور آنسوؤں سے وہ نہیں پگھلا تھا مگر ماں کو اپنے سامنے ہاتھ جوڑتے دیکھ کر وہ لرز اٹھا تھا۔

ایک دم سب چیزیں چھوڑ کر ماں کے ہاتھ تھامے تھے۔

"امی خدا کے لیے..... پلیز نہیں..... ٹھیک ہے میں نہیں جاتا....." بے حد بے چارگی سے کہا گیا تھا۔

رضیہ بیگم تو جیسے دوبارہ جی اٹھی تھیں۔

"تم نوریہ سے شادی بھی کرو گے نا؟" وہ جیسے ابھی سب کچھ منوالینا چاہتی تھیں۔

"نہیں۔" اگلے ہی پل وہ پھر پتھر ہوا تھا۔

"رضیہ! اسے کچھ بھی کہنا فضول ہے۔ جانے دو اسے۔ جب باہر کے دھکے کھائے گا تو عقل ٹھکانے آجائے گی۔ باپ کے مال پر عیش کرتے ہوئے یہ اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھ بیٹھا ہے۔ دو دن زمانے کی ٹھوکروں پر رہے گا تو پتا چل جائے گا۔ کنگال سے کوئی عشق نہیں کرتا۔ جس کے لیے ماں باپ کو ٹھوکر مار کر جا رہا ہے وہ ایسے خالی ہاتھ لوگوں کے کام نہیں آتے۔"

وہی سخت پتھریلا انداز۔ نواز نے خاموشی سے باپ کو دیکھا تھا۔

"نہیں..... یہ نوریہ سے شادی کرے گا۔ میں کہوں گی تو کرے گا۔ میری بات یہ نہیں ٹالے گا..... ہماری عزت کا سوال ہے۔ نواز دیکھو انکار نہیں کرنا....."

وہ منت سماجت پر اتر آئی تھیں۔

نواز کے اندر طوفان برپا ہو گیا۔ اس ماں کی آنکھوں میں اس کی وجہ سے آنسو تھے جس کو اس نے کبھی رلایا نہ تھا۔

"ٹھیک ہے..... میں نوریہ سے شادی بھی کر لیتا ہوں مگر آپ کو بھی میری ماننا ہوگی۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اتنی جلدی وہ مان جائے گا۔ خوشی کے ساتھ شرط کی بندش کا اضطراب بھی چہرے پر در آیا۔

"کیسی شرط.....؟" ماں خوف کی کیفیت میں مبتلا تھیں۔

"میں صرف آپ لوگوں اور اس خاندان کی عزت کے لیے شادی کر لیتا ہوں مگر میں نوریہ کو کبھی نہیں

رکھوں گا۔ جیسے ہی یہ تقریب کے ہنگامے سرد ہوئے میں اسے چھوڑ دوں گا۔ ہمیشہ کے لیے' طلاق دے کر....."

"نواز!" ماں کی محبت طمانچہ بن کر اس کے منہ پر پڑی تھی۔ نواز نے گال پر ہاتھ رکھے ماں کو دیکھا جو پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

"تم نے مجھے اتنا خود غرض سمجھا ہوا ہے۔ تم خود کیا ہو..... نوریہ جیسی لڑکی کے لیے تم جیسے دس نواز بھی کچھ نہیں۔ تم اس کے قابل ہی کہاں ہو۔ چلے جاؤ' مجھے نہیں پتا تھا جس بیٹے کو ارمانوں' محبتوں کی چھاؤں میں پروان چڑھا رہی ہوں اس کی سوچ اتنی گندی ہوگی۔ اپنی مطلب براری کے لیے طلاق تک پہنچ جائے گا۔ چلے جاؤ یہاں سے..... دفع ہو جاؤ..... ساری عمر مجھے اپنی صورت نہ دکھانا....."

"امی.....!" وہ تڑپ ہی تو اٹھا تھا۔ اپنے الفاظ کی سختی و سنگینی کا احساس ایک دم ابال کی صورت اٹھا تھا۔

"مت کہو مجھے امی..... نہیں ہوں میں تمہاری امی..... چلے جاؤ یہاں سے۔" انہوں نے اسے غصے سے باہر کی طرف دھکیلا تھا۔

فاروق صاحب خاموش تماشائی تھے۔ نگاہوں میں دکھ و تاسف درج تھا۔

"امی! کیا کرتی ہیں..... یہ ہمارے بھائی ہیں....." شمائلہ نے ماں کو ٹوکا تھا۔ وہ اس کے کندھے پر سر رکھے رو دیں۔

نواز خاموشی سے بیگ اور دیگر چیزیں سنبھالے وہاں سے نکل گیا تھا۔

"ابو جان! بھائی کو روکیں۔ مت جانے دیں۔" حمیرا نے فاروق صاحب کا بازو جھنجوڑا تھا۔

"اس کا چلے جانا ہی بہتر ہے اور تم بھی خاموش رہو۔ جو بھی اس کے لیے روئے گا میں اسے بھی اس کے پیچھے ہی چلتا کر دوں گا....." وہ غصے سے کہتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

رضیہ بیگم لہرا کر گر سی گئی تھیں۔ شمائلہ نے تھاما نہ ہوتا تو سیدھی زمین پر گرتیں۔

"ارے امی..... امی..... امی کو دیکھو کیا ہو گیا ہے انہیں۔" شمائلہ کی چیخ و پکار پر فاروق صاحب کے قدم رکے تھے۔

وہ فرح کے ساتھ ہی مسکراتی ہوئی کالج گیٹ سے باہر نکلی تھی۔ علی' فرح کو لینے آتا تھا اور جب علی نہیں آتا تھا یا لیٹ ہوتا تھا تو زرش اسے ڈراپ کرتی تھی۔ آج علی کے انتظار میں آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا۔ اسے شاید نہیں آنا تھا۔ وہ فرح کو لیے باہر نکلی تھی۔ ڈرائیور کب کا موجود تھا۔ دو دفعہ چوکیدار اسے اطلاع دے چکا تھا۔ وہ دونوں بہت سہولت سے گیٹ سے باہر نکلی تھیں۔ اپنی آفس کی گاڑی جو کہ پاپا ان کے پک اینڈ ڈراپ کے لیے آفس سے بھجواتے تھے' کے ساتھ ڈرائیور کی جگہ سمعان احمد کو دیکھ کر اس کا رنگ پہلے تو متغیر ہوا پھر اس پر سرخی غالب آتی چلی گئی۔ وہ ایک دم رکی تھی۔ یقیناً وہ آفس پاپا کو بتا کر انہیں لینے آئے تھے۔ اس دن کے بعد وہ تین دفعہ ان کے ہاں آچکے تھے مگر زرش ان کے سامنے

BEST UPDATE BLOGSPOT.COM

ہی نہیں آئی تھی۔ ماما سے طبیعت کی خرابی یا اسٹڈی کا بہانہ کیے وہ کمرہ لاک کیے پڑی رہی تھی۔ سمعان احمد کا فون بارہا آچکا تھا مگر زرش فون اٹینڈ کرنا بھول گئی تھی۔ نوشین ساری صورت حال سے باخبر تھی سو وہ اسے کال اٹینڈ کرنے پر مجبور نہیں کرتی تھی اور ماما کی موجودگی میں وہ مصروفیت کا کہہ کر ٹال جاتی تھی۔ شائستہ بیگم نے ابھی تک زرش کا رویہ نوٹ نہیں کیا تھا جبھی ابھی تک باز پرس کی نوبت نہیں آئی تھی مگر کب تک۔ شاید اسی لیے سمعان احمد نے آج یہ درمیانی راہ نکالی تھی۔

زرش کلس کر رہ گئی۔ قدم اٹھنے سے انکاری ہو گئے۔

سمعان احمد کی نگاہ دونوں پر ہی تھی۔ اسے ایک دم رکتے دیکھ کر وہ سیدھے ہوئے تھے۔

"ارے سمعان بھائی.....! زرش' دیکھو آج سمعان بھائی آئے ہیں....." فرح کی نگاہ اب سمعان پر پڑی تھی۔ زرش نے مطلق پروانہ کی۔ فرح سے اس نے کسی بھی قسم کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ایک دو دن وہ اس کی طرف سے پریشان اور فکرمند رہی تھی پھر زرش نے فرح سے اپنا رویہ معمول پر کرلیا تھا مگر اب سمعان کی آمد سب کچھ تہس نہس کر رہی تھی۔

سمعان احمد نے تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے ان کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

"السلام علیکم۔" اپنے مخصوص بارعب متین سلجھے انداز سے مخاطب تھی۔ زرش نے نگاہ پھیر لی۔ وہ ان کی شکل دوبارہ کبھی نہ دیکھنے کی ٹھان چکی تھی۔

"وعلیکم السلام! آپ یہاں کیسے؟" فرح نے ہی جواب دیا تھا۔

"بس فارغ ہی تھا..... اور تم سناؤ زرش' کیسی ہو؟" انہوں نے اسے جواب دیتے زرش کے رویے کو بالکل ہی غیر اہم بنا دیا تھا۔ وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں غصے سے سمعان کی طرف پلٹی تھی۔ ایک غصیلی ملامت آمیز نگاہ ان کی جانب کی۔

اس وقت یہاں فرح نہ ہوتی تو وہ نہ جانے کیا کرتی۔ وہ بمشکل اپنے اوپر قابو کر پائی۔

ایک تلخ سی نگاہ ڈال کر دوبارہ منہ پھیر لیا۔

فرح نے زرش کے رویے کو بطور خاص نوٹ کیا۔ پھر سمعان کو دیکھا۔ وہ بغور زرش کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ زرش کے رویے' سمعان کے ذکر پر پہلو تہی برتنا۔ وہ الجھ تو گئی تھی مگر سرا کوئی ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ سو خاموش تھی۔ اب بھی دونوں کو دیکھ کر وہ بہت کچھ محسوس کر گئی تھی۔

ایک انجانی سی بات دونوں کے رویوں سے ظاہر تھی۔

"چلیں....." سمعان احمد نے دونوں کو دیکھا تو فرح نے سر ہلا کر قدم بڑھائے مگر زرش اسی طرح منہ پھیرے کھڑی رہی۔ فرح نے ٹھٹک کر قدم روکے۔ یقیناً بات سنگین تر تھی۔

"زرش آؤ..... رک کیوں گئی ہو؟" اس نے اسے ٹوکا تھا۔

"نہیں' تم جاؤ..... میں چلی جاؤں گی....." سمعان احمد کی طرف اس نے دوسری نگاہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ فرح کو صاف انکار کیا تھا۔ سمعان نے بغور دیکھا۔ سرخ جھلملاتے چہرے پر خفگی و ناراضگی کے اثرات حد درجہ غالب تھے۔ نگاہ پھیرے گویا کبھی نہ دیکھنے کی قسم کھا چکی تھی۔

"کیسے.....؟ سمعان بھائی ہمیں لینے آئے ہیں۔ بے وقوف مت بنو' چلو آؤ۔"

"تو تم جاؤ۔ میں چلی جاؤں گی..... میری فکر مت کرو....." اسی ضدی انداز میں اس نے صرف فرح کو دیکھا تھا۔ سمعان احمد کے اندر کسی ابال نے سر اٹھایا تھا۔

"زرش..... کیا بچپنا ہے..... آرام سے بیٹھو..... میں تم دونوں کو لینے آیا ہوں۔" آہستگی سے ڈانٹنے والا انداز تھا۔ زرش نے بھنا کر دیکھا۔

"میرے ساتھ کلام کرنے کی قطعی ضرورت نہیں' سمجھے آپ....." غم و غصہ' تنبیہ' نہ جانے کیا کچھ تھا لہجے میں کہ ایک پل کو سمعان احمد بھونچکا رہ گئے۔

یہ لڑکی ان سے جس قدر محبت و خلوص اور اپنائیت سے بات کرتی تھی اس سے قطعی مختلف انداز تھا۔ سمعان کے اندر کے اشتعال نے سر اٹھایا تھا۔

"زرش....." سختی سے ٹوک دیا۔ وہ سر جھٹک کر دوسری طرف منہ موڑ گئی۔

"تم بیٹھو گاڑی میں' ہم آتے ہیں....."

فرح حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔ سمعان کی آواز پر تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔

"میرا خیال تھا کہ وقتی ابال ہے' عقل مندی سے سوچو گی تو اپنے رویے پر افسوس کرو گی۔ میرے متعلق انکشاف صرف تمہارے علاوہ کسی کے لیے کوئی انکشاف نہیں تھا۔ صرف تمہارے علاوہ ہر کوئی کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت باخبر ہی تھا حتیٰ کہ فرح کے علاوہ چچی جان اور چچا جان بھی....." انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے اسے غصے سے کہا تھا۔ وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

یعنی کے باقی سب ماما' پاپا بھی باخبر تھے۔

وہ بے یقین تھی۔

"تم جب تک ساری صورت حال سے آگہی حاصل نہیں کرو گی اسی طرح اپنے مفروضوں پر کاربند' اپنے علاوہ میرے ساتھ بھی غلط کرو گی۔ اپنے متعلق انکشاف پر میں نہ ہی نادم ہوں اور نہ ہی شرمندہ۔"

زرش کی آنکھوں میں آنسو آ ٹھہرے۔

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں نے آپ کو کیا سمجھا اور آپ کیا نکلے..... آپ نے میرا اعتماد توڑا ہے۔ بھلے اب آپ کچھ بھی کہتے پھریں۔"

یہ جگہ نہ ہی رونے کے لیے مناسب تھی اور نہ ہی ان باتوں کے لیے مگر زرش کے انداز پر سمعان خود پر بمشکل کنٹرول کر رہا تھا۔

"گاڑی میں چل کر بیٹھو..... آرام سے بات کرتے ہیں۔" اس کے صاف شفاف آنسو گالوں پر لڑھکتے دیکھ کر انہوں نے کہا تھا مگر وہ سختی سے کہہ گئی۔

"ہرگز نہیں..... آپ نے مجھے جتنا بے وقوف بنانا تھا' بنا لیا۔ میری ہی بھول تھی جو میں نے آپ کو اتنی عزت دی۔ اتنا مان محبت دی۔ اب میں مزید بے وقوف نہیں بنوں گی۔ میں آپ کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں۔ چلے جائیں یہاں سے۔" وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔ سختی سے کہتے بیدردی سے رخسار

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

رگڑتے وہ واپس پلٹی تھی۔ اس سے پہلے کہ سمعان احمد کچھ سمجھتا وہ تیزی سے کالج گیٹ سے اندر چلی گئی تھی۔

یہ اس بات کا واضح اظہار تھا کہ وہ سمعان احمد سے کس حد تک متنفر ہو چکی ہے۔ سمعان احمد نے تاسف سے گیٹ کو دیکھا۔

رضیہ بیگم اور فاروق صاحب دونوں آئے تھے۔ نواز فاروق کا انکار بتاتے دونوں کے سر جھکے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"نواز کسی اور کو پسند کرتا تھا۔ وہ نویرہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ اسی لیے وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

فاروق کے الفاظ پورے گھرانے پر قیامت کے زلزلوں سے کم نہ تھے۔ جو جہاں تھا وہیں ڈھے گیا۔

خالدہ بیگم کی حالت ایسی بگڑی کہ نویرہ اپنے حواسوں کو بمشکل بحال کرتے اماں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

نبیل بھائی' ساجد بھائی' ضحیٰ بھائی' نبیلہ بھابی' احمد بھائی اور ساجدہ باجی سبھی موجود تھے۔ یہ انکشاف کسی آتش فشاں سے کم نہ تھا۔ ہر کوئی گم صم ہو گیا تھا۔

نویرہ جوان دنوں میں خود کو سنبھال چکی تھی بلکہ کافی حد تک بحال بھی کر چکی تھی' ماں کو اس طرح دیکھ کر خود بھی ٹوٹنے لگی۔

نہ جانے یہ اس کی سیاہ بختی تھی یا ستم ظریفی۔

پہلے شارق زمان کا بھیانک روپ اسے بکھیر گیا تھا اور اب نواز فاروق کا یہ تازیانہ پہلے سے بڑھ کر تباہی مچا گیا تھا۔ اسے لگا کہ وہ لمحوں میں ٹوٹ کر بکھری ہے۔

رضیہ بیگم اور فاروق چچا مجرم بنے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ اپنا جرم بیان کر کے سزا سننے کے منتظر تھے مگر کسی کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کے لیے کیا سزا تجویز کریں۔ دونوں بھائی نبیل اور ساجد حیران و پریشان تھے۔ احمد بھائی (ساجدہ کے شوہر (بہنوئی) خود معاملے کی سنگینی میں الجھ کر رہ گئے تھے۔ نبیلہ اور ضحیٰ بھابی بڑے حوصلے سے اس صورت حال سے نبرد آزما تھیں۔

ساجدہ باجی نویرہ کو بازو میں لیے مسلسل نیر بہا رہی تھیں اور نویرہ گم صم کیفیت میں اپنے درد کا اندازہ کر رہی تھی یا سیاہ بختی کا اور اماں اس انکشاف کے بعد جو تیورا کر گری تھیں' ابھی تک بیہوش تھیں۔ ڈاکٹر کو بلوا کر دکھایا تھا۔ وہ سخت صدمے اور شاک کا کہہ کر انجکشن وغیرہ لگا کر چلا گیا تھا تب سے اب تک ایک ہی فضا قائم تھی۔

نبیل نے فون کر کے چچی اور حمید چچا کو جلد پہنچنے کا کہا تھا۔ اب یہ بات یقیناً بہت آگے تک جانی تھی۔ شادی والا گھر ماتم کدہ بن کر رہ گیا تھا۔

ذلت و رسوائی کا ایک ناگ پھن پھلائے کھڑا تھا۔

ساجدہ آپی' اماں کے ہوش میں آنے کے بعد نویرہ کو وہاں سے ہٹا کر اس کے کمرے میں لے آئی

تھیں کہ اماں نویرہ کو دیکھ کر خود سے لپٹا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں۔

نویرہ کو دیکھ دیکھ کر وہ نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ نویرہ کو نبیل بھائی نے منظر سے ہٹا دینے کو کہا تھا کہ اماں کی طبیعت کچھ تو سنبھلے۔ بات چھوٹی نہ تھی۔ شادی کے قریب اس طرح انکار ہوا تھا کہ کسی کو الزام بھی نہیں دے سکتے تھے۔ لعنت و ملامت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

طعنے تشنے نہیں دے سکتے تھے کہ مقابل ان کا اپنا خون تھا۔ سر جھکائے اپنے گناہ کا اعتراف کرتے اپنے ہی رشتے تھے۔

ساجد بھائی جو دبئی سے بڑے ارمانوں سے یہاں لوٹے تھے اب یہاں کی دم بدم بدلتی کیفیت دیکھ کر حیران تھے۔

نویرہ ان سب کے لیے دل تھی جو ان سب کے سینے میں دھڑکتی تھی۔ اب اس کی ذات کو پہنچنے والا یہ دکھ سب کو دکھی اور غمزدہ کر گیا تھا۔ وہ سب نویرہ سے نگاہیں چرانے پر مجبور تھے جو پہلے ہی اپنی بیماری سے لڑ کر زندگی سے جیتی تھی۔ ان کا کوئی بھی لفظ ضبط کا ہلکا سا بھی بے توازن جھٹکا اسے بری طرح بکھیر سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید چچا بھی پہنچ گئے تھے۔ زبیدہ چچی اور رضا ہمراہ ہی تھے' پریشان و متفکر سے۔ نبیل نے انہیں بلایا ہی اس انداز میں تھا کہ وہ پریشانی سے بھاگے چلے آئے تھے مگر یہاں آ کر جو اصل صورت حال معلوم ہوئی' سب کے پیروں سے زمین نکلتی چلی گئی۔

زبیدہ چچی ایسی گم صم ہوئیں کہ کوئی سوال جواب کرنا ہی بھول گئیں۔ بس خاموشی سے نڈھال سی خالدہ بیگم کے گلے سے لپٹ گئیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔

"میرے ہنستے بستے گھر کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے۔ مجھے روز برے برے خواب ستا رہے تھے' پہلے نویرہ بیمار ہوئی۔ میری بچی موت سے بچ کر آئی تو میں نے شکر کیا مگر کیا پتا تھا اتنی بڑی ذلت نے اسے موت کے منہ سے بچا لیا تھا۔ اسی وقت مر جاتی تو صبر آ جاتا مگر اب تو سینہ چھلنی ہو رہا ہے۔ ہائے اللہ! کیسے صبر کروں..... میری بے داغ بچی..... عمر بھر کا داغ لگ گیا میری معصوم بچی کو....." ان کی آہ و زاری کسی طور کم نہ ہو رہی تھی۔

زبیدہ بیگم دھیرے سے پشت سہلاتی رہیں۔

رضا' باپ کے پیچھے کھڑا دم بخود تھا۔ وہ ابھی تک بے یقین تھا۔ وہ تو اپنے نصیب پر شاکر ہو چکا تھا۔ نویرہ کی دائمی خوشیوں کی دعائیں مانگ رہا تھا مگر اب تو سارا منظر نامہ ہی بدل چکا تھا۔

"حوصلہ کریں بھابی..... رضیہ بھابی کچھ پتا بھی ہے' نواز گیا کہاں ہے؟" انہوں نے اماں کو حوصلہ دے کر سر جھکائے بیٹھی بڑی بھاوج کو دیکھا۔ انہوں نے اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"مجرم ہیں ہم' جو سزا دیں گے قبول کریں گے۔ آخر کو نواز ہمارا خون ہی تھا۔ وہ بے شک یہاں سے چلا گیا مگر اس کا بھگتان تو بھگتنے والے ہیں نا..... لعنت ملامت جو جی چاہے کہیں' ہم حق دار ہیں۔"

BEST SUFFI BLOGSPOT.COM

وہ پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔

نبیل اور ساجد بھائی نے ضبط سے ہونٹ کچلے۔ عمر بھر کا نقصان قسمت میں لکھا گیا تھا وہ کس سے شکوہ کرتے۔ اس روتی بلکتی ماں سے یا سر جھکائے اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا سننے والے باپ سے۔

"آپ کا کیا قصور، چچی جان..... یقیناً یہ سب قسمت میں نہ تھا۔" ساجدہ باجی نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا بھی تو کیا۔

"اب یہ دیکھنا ہے کہ ہم کیا کریں۔ دعوت نامے بانٹے جا چکے ہیں۔ آج کل سے مہمان آنا شروع ہو جائیں گے، درمیان میں شادی کے تین چار دن ہی تو باقی ہیں۔ ہم لوگوں کو کیا کیا وضاحتیں دیتے پھریں گے۔ ہماری نوریہ تو موتی کی طرح صاف و پاک تھی مگر لوگ یہ کب دیکھتے ہیں اور خاندان بھر کی جگ ہنسائی علیحدہ۔"

ساجدہ باجی کی بات پر اماں کے رکے آنسو پھر بہہ نکلے۔ زبیدہ چچی نے بہت محبت سے سمیٹ لیے۔

"نوریہ ہے کہاں؟" رضا کے دل کی بات زبیدہ بیگم کے لبوں سے ادا ہوئی تھی۔

"اماں کو دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔ پہلے ہی بیماری سے اٹھی ہے۔ میں کمرے میں چھوڑ آئی ہوں۔ ہے تو لڑکی ذات ہی نا۔ ذرا سی ٹینشن سے اچھی بھلی سنبھلی طبیعت پھر بگڑ سکتی ہے۔ اپنی ذات پر یوں انگلی اٹھنا کہاں برداشت کر پائے گی وہ....." ساجدہ باجی نے کہتے کہتے دوپٹے سے چہرہ صاف کیا۔

زبیدہ چچی اٹھیں تو رضا بھی ساتھ ہو لیا۔

دستک پر نوریہ نے دروازہ کھولا تھا۔ پھر سامنے چچی اور رضا کو دیکھ کر گم صم انداز میں دیکھے گئی۔ ہزار چاہنے کے باوجود آنکھیں نہیں بھیگی تھیں۔ ایسے جیسے کلیجہ پتھر کا ہو گیا تھا۔ چچی نے آگے بڑھ کر بہت محبت سے ساتھ بھینچ لیا۔ اتنی وارفتگی اور گرمجوشی پر بھی نوریہ کو اپنے اندر کی برف پگھلتی محسوس نہ ہوئی۔ اسی طرح چچی سے جدا ہو کر بستر پر بیٹھ کر اپنے ناخنوں سے کھیلنے لگی۔

رضا چپ چاپ انداز میں اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نوریہ دوبارہ سر جھکا گئی۔

"تم پریشان نہیں ہونا..... اچھا برا وقت آتا رہتا ہے۔ تمہیں تو سارا خاندان جانتا ہے، سمجھتا ہے۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ بس اپنی اماں کو حوصلہ دو۔ ان کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ظاہر ہے صدمہ ہی اتنا بڑا ہے۔ پتھر سے پتھر دل بھی پگھل جائے۔" ان کی آواز رندھی تو انہوں نے دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں۔

"فکر نہ کرو..... اللہ بہتر کرے گا....." وہ مزید کہہ رہی تھیں مگر نوریہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ وہ مزید چند منٹ بیٹھی تھیں پھر رضا کو اس کے ساتھ بات کرنے، اسے بولنے پر اکسانے کا اشارہ کرتے وہ باہر نکل گئی تھیں۔

رضا جو ابھی تک کھڑا ہی تھا، چیئر اٹھا کر بستر کے پاس آ بیٹھا۔

"رمشا کا کیا ہوگا.....؟"

نوریہ کو لگا وہ جیسے اس کی دکھتی رگ کو چھو گیا ہو۔ عمر بھر کی ذلت و رسوائی کا سامان ہو گیا تھا اور وہ دکھ کا پوچھ رہا تھا۔ وہ طنزیہ ہنسی تو رضا کو اپنے الفاظ کی سنگینی کا احساس ہوا۔

"سوری..... مگر یہ نیچرل سی بات ہے۔ ظاہر ہے شادی اتنی قریب ہو اور اب یہ انکار۔ نواز بھائی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ خدا کی قسم مجھے پتا چل جائے کہ وہ اس وقت کہاں ہیں میں انہیں زندہ نہ چھوڑوں۔ انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا اپنی خوشیوں کے لیے آپ کی زندگی کو یوں داؤ پر لگانے کا....." وہ طیش و جوش سے کہہ رہا تھا۔ نوریہ خاموش ہی رہی۔

"پلیز! آپ خاموش کیوں ہیں۔ مجھ سے بات کریں، اپنی فیلنگز مجھ سے شیئر کریں۔ بخدا آپ مجھے ایک کزن ہی نہیں ایک اچھا غم ساز بھی پائیں گی..... بلیو می..... پلیز مجھ سے بات کریں....." اسے اس طرح گم صم دیکھ کر وہ کہہ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں بہت خلوص تھا، بے پناہ چاہت تھی، بہت کرب تھا، بہت مان تھا۔ وہ محسوس کرتی تو پتا چلتا وہ اس کی تکلیف پر کس اذیت میں تھا مگر وہ اب کچھ بھی محسوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی طرح گم صم انداز میں بیٹھی رہی۔

رضا کے لیے نوریہ کا یہ انداز بہت اذیت ناک تھا۔ اس کے اندر کرب کا تلاطم برپا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے جذبوں کے سامنے ہار کر اس کے سامنے کچھ کہتا، اپنے راز کو عریاں کرتا، اپنے ضبط کو لگامیں ڈال کر وہ تیزی سے اٹھ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

رضا حمید ایک دفعہ پھر ماں کے سامنے مچل گیا تھا۔ جھولی پھیلائی تھی، آنسوؤں سے ماں کا سینہ پگھلانے کی کوشش کی تھی۔

"امی، ابو سے بات کریں۔ وہ اب یقیناً مان جائیں گے..... میں نوریہ کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتا۔ پلیز آپ بات کر کے دیکھیں۔ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو میں دوبارہ نوریہ کا نام لبوں پر نہیں لاؤں گا مگر اب ان حالات میں نوریہ کو میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا، پلیز.....!"

وہ خاموشی سے دیکھے گئی تھیں جیسے کہنے کو کچھ بھی نہیں مگر جب کہی تو صرف ایک ہی بات تھی۔

"اماں، رمشا کو یقیناً کہیں نہ کہیں مجھ سے بہتر لڑکا مل جائے گا۔ آپ دیر نہ کریں۔ پلیز! ابو سے بات کریں۔ مجھے نوریہ چاہئے۔ ہر حال میں چاہئے۔ اگر قسمت سے وہ مجھے مل رہی ہے تو پلیز انکار نہ کریں۔ میں مر جاؤں گا اس کے بغیر ادھورا ہوں۔ پلیز مجھ پر ترس کھائیں۔"

ماں کی گود میں سر رکھ کر وہ رو دیا تھا۔

رات گئے وہ گھر لوٹے تھے۔ رمشا نے ہی دروازہ کھولا تھا مگر انہوں نے اسے کچھ بتانے سے گریز کیا تھا۔ وہ خیر خیریت پوچھ کر دوبارہ اپنے کمرے میں سونے جا چکی تھی۔ وہ تینوں کتنی دیر بیٹھے اس واقعے کو ڈسکس کرتے رہے تھے۔ حمید صاحب چند لمحے پہلے ہی اٹھ کر گئے تھے اور رضا تو جیسے ان کے منظر سے ہٹنے کا منتظر ہی تھا۔ فوراً ماں سے دل کی بات کہہ دی تھی اور زبیدہ بیگم پہلے کی طرح اس بار

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

صاف انکار نہ کر سکی تھیں۔

بیٹے کو جھڑک کر اپنے اوپر قابو پانے کا نہ کہہ سکی تھیں۔ صرف سوچوں کے گرداب میں الجھی رہی تھیں۔

"میں تمہارے ابو سے بات کرتی ہوں....." انہوں نے گویا رضا کو ہفت اقلیم کا خزانہ دے دیا تھا۔ وہ ایک دم خوشی سے مچل اٹھا تھا۔ والہانہ پن سے ماں کے ہاتھ منہ چوم رہا تھا۔ زبیدہ بیگم کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے۔

"واقعی اولاد کی محبت انسان کو جائز و ناجائز پر مجبور کر دیتی ہے۔ انہیں رمشا کا خیال ستا رہا تھا۔

"ابو مان جائیں گے نا.....؟" کیسی آس تھی اس کے لہجے میں۔ انہوں نے نگاہ پھیر لی۔

"میں کوشش کروں گی۔ اب تم جا کر سو جاؤ..... تھک گئے ہو گے۔" وہ اسے تسلی دے کر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھیں۔ حمید صاحب لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے کروٹ بدلنے سے اندازہ لگا لیا کہ وہ سوئے نہیں ہیں۔ زبیدہ بیگم نے اپنے اندر ہمت پیدا کی۔ سرخروئی سے اس مسئلے سے نمٹنے کی دعا مانگی۔

اب بات اپنے بیٹے کی خوشیوں کی ہی نہیں' ایک لڑکی کی زندگی کی بھی تھی۔ انہوں نے حمید صاحب سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دی تھیں۔ نویرہ کا ذکر چھیڑتے انہوں نے تمہید باندھی تھی۔

"اب کیا ہوگا..... ظاہر ہے نواز تو گھر چھوڑ کر گیا ہے۔ بھابی اور بھائی صاحب اب کبھی اسے گھر میں نہیں گھسنے دیں گے۔ اگر وہ آج کل میں لوٹ بھی آئے تو نبیل وغیرہ اب اپنی بہن ایسے شخص کے ساتھ کبھی رخصت نہیں کریں گے جو کسی اور کے لیے اسے ایک بار ٹھکرا چکا ہے۔ اتنی جلدی نواز کا متبادل کہاں سے آئے گا..... یہ بھی تو سوچنے کی بات ہے۔ دن طے ہے' شادی قریب ہے۔" وہ متفکر و الجھی ہوئی ہی نہیں بلکہ حد سے زیادہ پریشان بھی تھیں۔

"میں بھی یہی سوچ سوچ کر الجھا ہوں۔ اب کیا ہوگا۔ ابھی تو بات ہم تینوں گھروں میں ہے۔ بڑی بھابی یا شارق وغیرہ کو بھی ابھی اطلاع نہیں دی گئی ہے۔ لوگوں سے کب تک چھپے گی بات۔ شادی میں دن ہی کتنے ہیں۔ صرف یہی تین چار۔ ساری دنیا جانتی ہے نواز' نویرہ کو بیاہنے آئے گا۔ اب یہ انکار سن کر جو ذلت و رسوائی ہوگی وہ علیحدہ۔ لوگ نہ جانے کیا کیا باتیں بنائیں گے۔ بچی تو بے موت ماری جا رہی ہے۔" وہ بھی دکھی اور رنجیدہ تھے۔

"میں ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانیں گے؟" زبیدہ بیگم نے شوہر کے مزاج کو دیکھ کر گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"ہاں کہو۔" انہوں نے حوصلہ بڑھایا تھا۔

"آپ آپا سے بات کر کے دیکھیں رضا کے لیے۔ ایسی بری گھڑی میں تو بیگانے بھی ساتھ دیتے ہیں' ہم تو پھر اپنے ہیں۔ خدانخواستہ ہماری کوئی بیٹی ہوتی اس پر ایسی بری گھڑی آتی تو نہ جانے کیا ہوتا۔" انہوں نے بہت سادہ اور صاف سلجھے ہوئے لفظوں میں حکایت دل آشکار کر دی تھیں۔

حمید صاحب حیرت سے دیکھے گئے پھر دکھی ہنسی ہنس دیئے۔ بات ان کے دل کو لگی تھی مگر.....

"مجھے اعتراض تو کوئی نہیں۔ یقیناً ایسے برے وقت میں اپنے ہی سہارا بنتے ہیں مگر سوچ لو۔ نویرہ میری بھتیجی ہے اور رمشا تمہاری اور رمشا کی رضا سے انوالمنٹ کے بارے میں نہ تم بے خبر ہو نہ ہی میں۔ اس کو کس کھاتے میں ڈالو گی۔ یہ خیال مجھے بھی کتنی دفعہ آ چکا ہے مگر رمشا کا سوچ کر میں چپ ہو جاتا ہوں کہ کہیں رمشا کی حق تلفی نہ ہو جائے۔"

"اس کا بھی اللہ مالک ہے۔ خوش شکل' خوش لباس اور تعلیم یافتہ ہے۔ اس کے مقدر میں بھی کہیں نہ کہیں کوئی جوڑ لکھا ہی ہوگا۔ ابھی تو آپا مشکل وقت میں ہیں' ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان لوگوں کو اس بھنور سے کیسے نکالیں۔ نویرہ خوبصورت' سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ اس جیسی لڑکی خاندان بھر میں کہیں نہیں۔ عمر میں رضا سے چند سال بڑی ہے تو کیا ہوا' یہاں تو دس سال بڑی بھی میاں کے برابر کی لگتی ہے۔" اپنی طرف سے انہوں نے شوہر کو قائل کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ بیوی کی اس قربانی اور دریا دلی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

"ٹھیک ہے۔ کل آپا سے بات کریں گے۔ نبیل لوگوں سے دیکھتے ہیں وہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ ہمارا مقصد تو رشتہ دینا ہے' اب قبول کرنا یا نہ کرنا ان کی ذمہ داری ہے بلکہ مرضی ہے۔ دعا کرو خدا بہتر ہی کرے۔"

"اللہ بہتر کرے گا۔ ہماری نیت صاف ہے۔ ہم اولاد کی خوشی دیکھ رہے ہیں۔ انشاء اللہ بہتر ہی ہوگا۔ شاید یہ حالات اللہ کی طرف سے پیدا کردہ ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بھی ایسا چاہ رہا ہو....." حمید صاحب نے بیوی کی بات پر صرف گردن ہلائی تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ کالج سے لوٹی تو کھانا کھا کر سو گئی تھی۔ عصر کے قریب اٹھی تو نہا دھو کر نماز پڑھ کر ہی کمرے سے نکلی تھی۔

رات کو عفان بھائی کی امی نے کال کی تھی۔ وہ اور ستارہ باجی شاپنگ کے لیے جانا چاہ رہی تھیں' ساتھ میں ماما اور نوشی کو بھی لے جانے کا ارادہ تھا۔ ماما نے عصر کے قریب کا وقت دیا تھا۔ وہ آئی بیٹھی تھیں۔ سلام دعا کے بعد وہ کتنی دیر ان دونوں سے باتیں کرتی رہی تھی۔ تب تک ماما اور نوشی جانے کو تیار ہو گئی تھیں۔

تم بھی چلتیں' مزا رہتا....." ستارہ آپی نے اٹھتے ہوئے اسے بھی کہا تھا۔ زرش ہنس دی۔

"ماما ہیں نا۔ وہ بہت اچھی شاپنگ کرتی ہیں۔ پھر میرا خوار ہونے کا قطعی ارادہ نہیں ہے۔" عفان بھائی کی امی بھی مسکرا دی تھیں۔ وہ ٹیلی فون اسٹینڈ کے قریبی صوفے پر ہی ٹکی ہوئی تھی۔ بیل بجی تو اس نے فوراً ہاتھ بڑھا کر تھام لیا۔ آج بڑے دنوں بعد وہ کال اٹینڈ کر رہی تھی۔ وہ بھی سی ایل آئی پر آنے والا نمبر دیکھے بغیر۔ "ہیلو....."

"زرش....." دوسری طرف سے فوراً پہچان کے مراحل طے ہوئے تھے۔ سمعان احمد کی آواز سن کر اس نے فوراً سی ایل آئی پر آنے والا نمبر دیکھا تھا۔ سمعان احمد کے ذاتی سیل کا نمبر تھا۔

POESTUFF.BLOGSPOT.COM

"سوری! رانگ نمبر....." اس نے کھٹاک سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا۔

"کیا ہوا' کس کا نمبر تھا؟" ماما نے پوچھا۔ زرش نے فوراً خود کو سنبھالا دیا۔

"پتا نہیں' شاید کوئی رانگ نمبر تھا۔" اگلے ہی پل وہ ٹیلی فون اسٹینڈ سے دور ہٹ گئی تھی۔

"ہاں اب تو سیل پر بھی ایسے نمبر تنگ کرنے سے نہیں چوکتے۔" ستارہ آپی نے فوراً کہا تھا۔ تبھی دوبارہ بیل ہوئی تھی۔ زرش نے انتہائی گھبرا کر فون کی طرف دیکھا تھا۔ دل اچھل کر گویا حلق میں آ ٹکا تھا۔ شائستہ بیگم نے فوراً آگے بڑھ کر کال اٹینڈ کی تھی۔ "ہیلو....."

"وعلیکم السلام..... سمعان بیٹے کیسے ہو؟"

زرش خاموشی سے منہ پھیر گئی تھی۔ اب یہ نام اس کے اندر اضطراب بکھیر دیتا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے..... ہاں مصروف ہوں۔ عفان کی امی وغیرہ آئی ہوئی ہیں۔ انہیں شاپنگ کے لیے جانا تھا۔ میں اور نوشی بھی ساتھ جا رہے ہیں۔" ستارہ سے محوِ گفتگو ہونے کے باوجود زرش کے کان ادھر ہی تھے۔

"ہاں زرش گھر پر ہی ہے۔ تمہیں علم تو ہے اس کی عادت کا۔ وہ شاپنگ وغیرہ سے کتنی الرجک ہوتی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھیں۔

زرش کو کوفت ہونے لگی۔ غصے سے بھنا کر نوشی کو دیکھا۔ وہ محظوظ ہونے والے انداز میں ہنس دی تھی۔ زرش کے اندر کئی تار جھنجنا اٹھے۔ کوفت اذیت سے برا حال ہونے لگا۔

"ہاں۔ گھر پر رات کو ہوں گے تب آ جانا....."

"نہیں..... وہ گھر پر ہی ٹھہرے گی....."

نہ جانے دوسری طرف کیا گفتگو ہو رہی تھی۔ زرش نے اپنی تمام تر توجہ ستارہ کی طرف مبذول کرنی چاہی۔

"اچھا پھر ٹھیک ہے۔ زرش گھر پر ہی ہوگی....." شائستہ بیگم کا اختتامی جملہ اس کے کان میں پڑا تھا۔ وہ سر جھٹک گئی۔

پرسوں کالج سے واپسی ٹیکسی پر ہوئی تھی اور پہلی دفعہ اس نے کسی انجان ٹیکسی ڈرائیور پر بھروسہ کیا تھا۔ ذاتی سواری کے بجائے گاڑی ہائر کی تھی اور سارا راستہ وہ سمعان احمد کو کوستی رہی تھی۔ اندر کا ابال گھر آ کر نوشی پر نکالا تھا۔ نوشی اسے نہ جانے کیا کیا سمجھاتی رہی تھی۔ اپنے رویے میں لچک پیدا کرنے کی نصیحت کرتی رہی تھی مگر زرش کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

"بس اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ سمعان احمد نے اس کے اعتماد کو توڑا ہے۔ وہ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی....."

اور اب ان کی یہ کال۔ کال سے فارغ ہونے کے بعد ماما ان تینوں کے ساتھ اسے چند خاص ہدایات دے کر چلی گئی تھیں۔ سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ وہ کچن میں چلی آئی۔ اپنے لیے چائے تیار کی۔ ہلکے ہلکے سِپ لیتی اپنے کمرے سے برش اٹھا کر وہ باہر لان میں چلی آئی۔ نہانے کے بعد بال نہیں

سلجھائے تھے۔ ابھی تک الجھے ہوئے تھے۔ باہر کا موسم اچھا ہو رہا تھا۔ وہ لان چیئر پر آ بیٹھی۔ بالوں کو سلجھاتے اس نے مگ ختم کیا تھا۔ کرسی کی بیک سے سر ٹکائے وہ آنکھیں بند کر کے گزرے لمحوں کا اعادہ کرنے لگی تھی۔

سمعان احمد کی سوچ کو اس نے دانستہ اپنے خیالوں میں آنے سے گریز کیا تھا۔ اسی طرح الجھتے اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی تھی۔ وہ سو کر اٹھی تھی اور اچھی نیند لی تھی مگر اب پھر پلکیں خود بخود بند ہو رہی تھیں۔ وہ عجیب سی سستی و کاہلی کا شکار ہو رہی تھی آج کل۔ اس نے دوسری چیئر پر پاؤں ٹکائے اور ایزی ہو کر پلکیں موند لی تھیں۔ وہ صرف چند لمحوں کو ہی غافل ہو پائی تھی۔ ایک نامانوس سے شور سے اس نے فوراً پلکیں وا کی تھیں۔ گردن گھما کر دیکھا' سمعان احمد گیٹ سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔

سمعان احمد کی آمد' وہ بھی اس وقت جب کہ اسے علم تھا کہ گھر پر اس کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ زرش کو قطعی امید نہ تھی۔ سمعان احمد اپنی ذاتی گاڑی پر آیا تھا۔ گاڑی باہر ہی کھڑی کی تھی۔ شاید گاڑی کے ہارن سے ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔

وہ جب تک منظر سے ہٹتی سمعان احمد اس تک پہنچ گیا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی سمعان نے اسے چیئر پر بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے سیدھا ادھر ہی آیا تھا۔

"السلام علیکم....." سمعان احمد کا وہی مخصوص انداز تھا۔

زرش چڑ سی گئی تھی۔ وہ سمعان احمد کو نہ دیکھنے' نہ ملنے کا جو بھی ارادہ باندھ چکی تھی' سمعان احمد اس کے ہر ارادے کو ڈانواں ڈول کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئی۔ اسی لیے بجائے سلام کا جواب دینے کے اس نے کپ اور برش اٹھا کر سلیپر پہن کر وہاں سے ہٹنا چاہا تھا۔

"زرش! ایک منٹ' بھاگنے سے پہلے میری بات سن کر جانا....." سمعان احمد نے فوراً اس کا راستہ روکا تھا۔ زرش نے غصے سے گھورا۔ اپنا راستہ روکے جانے پر اندر سے اشتعال کی شدید لہر ابھری تھی۔

"مگر میں آپ کی کوئی بات نہیں سننا چاہتی....." زرش کے انداز میں وہی بے لچک ضدی اکھڑ پن تھا۔ سمعان احمد کا جی چاہا کہ اس کی اس حد درجہ ہٹ دھرمی پر اسے جھنجوڑ کر رکھ دے۔ کتنے دن ہو گئے تھے انہیں اس کے اس ضدی انداز کو برداشت کرتے ہوئے۔

"کہنے سننے سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔" سمعان احمد کا انداز مفاہمت آمیز تھا۔

"میرے اور آپ کے درمیان ایسے کوئی مسئلے درپیش نہیں جنہیں بحث و مباحثے کی ضرورت ہے یا جن کا حل طلب ہونا بہت ضروری ہے۔" وہی مخصوص بے لچک انداز' بھرپور کڑواہٹ کے رنگ میں ترشی لیے ہوئے تھا۔

سمعان نے گہرے ملال سے اسے دیکھتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔ یہ چھوٹی سی لڑکی کبھی انہیں بہت اہمیت دیتی تھی' ان کی ہر بات کو فوقیت دینے والی اب اس درجہ گستاخی پر اتری ہوئی تھی کہ کسی بھی طرح لحاظ کرنے یا کہنے سننے پر آمادہ نہیں تھی۔

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

"چچی جان اور نوشی شاپنگ کے لیے چلی گئی ہیں۔" سمعان احمد نے بات پلٹ دی تھی۔ زرش انہیں غصے سے دیکھ کر آگے بڑھ گئی۔ سمعان احمد نے راستہ چھوڑ دیا تھا۔

وہ سیدھی کچن میں گئی تھی۔ کپ رکھ کر برش ڈائننگ ٹیبل پر پٹخا۔

"یار ایک کپ چائے تو پلوا دو..... بڑے دن ہوئے ہیں تمہارے ہاتھ کی چائے پیے ہوئے۔"

اس کے تیور اتنے ہی خطرناک تھے مگر جیسے سمعان احمد کو قطعی پروا نہ تھی۔ زرش نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔ وہ انتہائی سنجیدہ تھے۔ اس کے اندر کا ابال گہرا ہوا۔ وہ اس کے تعاقب میں کچن میں ہی چلے آئے تھے۔

"مجھے چائے بنانا نہیں آتی۔ اگر زیادہ ہی دل چاہ رہا ہے تو یاسمین کو بلوا کر بنوالیں۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ ماما یا نوشی آئیں تو بتا دوں گی آپ کی آمد کا۔"

خدا خدا کر کے اس کا کفر ٹوٹا تھا۔ غیر متعلقہ بات پر ہی سہی۔ اس نے ردعمل دیا تھا۔ سمعان کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"تم ہی بنا دو۔ اب میں یاسمین کو کیا تکلیف دوں۔ سیدھا آفس سے اٹھ کر آیا ہوں۔ مصروفیت بہت تھی۔ لنچ بھی گول کر دیا تھا۔ اب تو بھوک سے برا حال ہے۔ ویسے پکایا کیا ہے تم لوگوں نے؟"

سمعان کی بے تکلفی عروج پر تھی۔ زرش کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ وہ جتنا سمعان کو سنجیدگی سے لے رہی تھی سمعان اتنا ہی اسے لائٹ لے رہا تھا بلکہ اس کے غصے کو اہمیت ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ غصے سے ایک دم ان کی طرف پلٹی تھی۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" دو ٹوک انداز تھا۔ تیور انتہائی خطرناک تھے۔ دو آتشہ انداز لیے وہ مخاطب تھی۔ جیسے ابھی لڑ پڑے گی۔

"بہت سمپل۔" بھوک بہت لگی ہے۔ پہلے تو کھانا کھاؤں گا' پھر تم مجھے چائے بنا کر پلاؤ گی اور اس کے بعد تمہاری برین واشنگ کروں گا۔" آرام سے کرسی گھسیٹ کر سمعان احمد نے نشست جمائی تھی۔

زرش حیرانگی سے دیکھے گئی۔

سمعان کا یہ کون سا روپ تھا' وہ سمجھنے سے قطعی قاصر تھی۔ وہ سمعان احمد سے کبھی بات نہ کرنے کی ٹھان چکی تھی مگر سمعان احمد کی ساری پیش قدمیوں کے سامنے اسے اپنے ارادے راکھ کا ڈھیر محسوس ہو رہے تھے۔

نہ جانے وہ کیا سوچے بیٹھے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ سمعان سے دوبارہ لڑ پڑے یا پھر ہمیشہ کے لیے دل میں بدگمانی لیے ایک طرف پڑی کڑھتی رہے۔ اپنے ہی مفروضوں میں الجھتی سلگتی رہے۔

"آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں..... جب میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میں آپ سے سامنا کرنے کی بھی روادار نہیں ہوں تو پھر آپ کیوں بار بار میرے سامنے آ رہے ہیں۔ کیوں مجھے زچ کر رہے ہیں؟" اپنے آپ سے لڑتے ان پر الٹ پڑی تھی۔ سمعان نے بغور اسے دیکھا۔ آنکھوں

میں نمی لیے وہ جواب کی منتظر تھی۔

"وہی تو تمہیں بتانا چاہتا ہوں مگر تم کچھ سننے کو تیار ہی نہیں۔ اگر تم ایک پل کو آرام و سکون سے میری بات سن لو تو نہ تم اتنی تکلیف سے دوچار رہو گی اور نہ میری ذات مشکوک ٹھہرے گی۔ اپنے سب جرم قبول کر لوں گا اور اقرار بھی کروں گا۔ تم سکون سے میری بھی تو سنو..... سنو تو سہی میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔" اپنے اسی دھیمے سلجھے انداز میں سمعان نے اپنا مطمع نظر واضح کر دیا تھا۔ زرش لب بھینچ گئی۔ انہی لمحوں سے تو وہ بھاگنا چاہ رہی تھی بلکہ بھاگ رہی تھی۔

"میں اس سلسلے میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتی۔" اگلے ہی لمحے وہ پھر اپنی ذات کے گنبد میں قید ہو گئی تھی۔ سمعان کا جی چاہا کہ اسے سختی سے جھنجوڑ دیں۔ اسے اس حد تک بے مروتی برتنے پر سختی سے ٹوک دیں۔

"تم اس سارے واقعے کو لے کر حد سے زیادہ اموشنل ہو رہی ہو۔ اگر دیکھا جائے تو بات بہت سمپل اور نارمل سی ہے۔ مگر تم اپنی منفی سوچ کی بدولت نہ صرف خود الجھ رہی ہو بلکہ مجھے بھی اذیت سے دوچار کر رہی ہو....."

"میں نے کہا نا کہ میں اس سلسلے میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتی۔ ماما وغیرہ کوئی بھی گھر پر نہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں آپ آئے۔ بہت بہت شکریہ۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ میں آپ کو یہاں برداشت نہیں کر سکتی۔"

سمعان نے غصے سے زرش کو دیکھا تھا مگر اسے جیسے پروا ہی نہ تھی۔

"مجھے پتا ہے' میں چچی جان سے بات کر کے بلکہ اجازت لے کر ہی آیا ہوں۔ انہیں علم ہے کہ اس وقت ان کی غیر موجودگی میں' میں ادھر ہوں اور تم اپنے دماغ کا علاج کرواؤ۔ دن بدن بددماغ ہوتی جا رہی ہو۔ بے وقوف ہی نہیں احمق عظیم بھی ہو۔" سمعان کے لہجے میں بھرپور ملامت تھی۔

زرش غصے سے پاؤں پٹختی وہاں سے نکل کر لاؤنج میں آ بیٹھی۔ سمعان احمد کی موجودگی میں وہ اپنے کمرے میں بھی نہیں جا سکتی تھی۔ کیا مجبوری تھی' وہ کلس کر رہ گئی۔ سمعان احمد کی آمد اور اب باتیں اسے سخت اشتعال میں مبتلا کر رہی تھیں۔ جی چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

ٹی وی آن کر کے اونچی آواز میں لگاتے اس نے اندر کی گھٹن سے فرار چاہا تھا مگر اندر اٹھنے والا طوفان بہت شدید تھا۔ آنکھیں بھر بھر آئیں۔ دل دکھی ہونے لگا۔

سمعان احمد کو اس کی تکلیف کا احساس ہی نہیں تھا۔ اس کے نقصان کا اندازہ ہی نہیں تھا۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

"رونے سے اگر مسائل حل ہو جاتے تو آدھی سے زیادہ دنیا آنسو بہا رہی ہوتی۔ تم نہ کچھ سننے پر آمادہ ہو اور نہ ہی صفائی کا موقع دے رہی ہو۔ پھر بتاؤ تمہیں مطمئن کروں بھی تو کیسے؟"

سمعان احمد کی آواز پر وہ گھٹنوں میں سر دیئے ساکت سی ہو گئی۔

سسکیوں کی آواز برقرار تھی۔ سمعان نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کیا۔ سمعان احمد ایک دو پل

PDF FILE.BLOGSPOT.COM

اس کی طرف سے منتظر رہا کہ شاید وہ کوئی ردعمل ظاہر کرے۔ کم از کم سر اٹھا کر ہی دیکھ لے مگر قطعی بے سود تھا۔

سمعان خاموشی سے اسی ٹو سیٹڈ صوفے پر بیٹھ گیا تھا جس کے دوسرے کونے میں وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔ سمعان کے بیٹھنے پر وہ فوراً سیدھی ہوگئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ غصے سے وہاں سے واک آؤٹ کرتی' سمعان نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس صوفے میں دھکیلا تھا۔

''آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو..... اور خبردار تم یہاں سے ہلی بھی اور جب تک میں ساری بات کلیئر نہ کرلوں تم یہاں سے نہیں جاؤ گی۔ تماشا بنالیا ہے تم نے خود کو بھی اور مجھے بھی.....'' غصے سے سمعان نے اسے بری طرح ڈپٹ دیا تھا۔ زرش سمعان احمد کے غصے سے ایک دم خائف ہوئی تھی۔ سمعان کا انداز نہ صرف سختی لیے ہوئے تھے بلکہ جارحانہ بھی تھا۔ زرش کو ساری جبلی مزاحمتیں دم توڑتی محسوس ہوئیں۔ سمعان کے اس رویے سے وہ ہمیشہ ڈر جاتی تھی۔ اب بھی اندر سے خوفزدہ ہوگئی۔

''آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا مجھ پر اس طرح سختی کرنے کا۔'' خائف ہونے کے باوجود وہ کہنے سے باز نہیں آئی تھی۔

''حق کی تو بات ہی نہ کرو۔ دل کی بات تو ایک طرف' چچازاد کی حیثیت سے بھی تم پر اس سے زیادہ زبردستی کرنے کا حقدار ہوں۔ آزمائش شرط ہے۔''

زرش کے آنسو ٹھٹھر گئے۔ بے یقینی سے دیکھا۔ یہ سمعان احمد اس سمعان احمد سے قطعی مختلف تھے جن کو وہ ایک عرصے سے جانتی تھی۔ گو ان کی دلنشین مسکراہٹ اور مدھر لہجے کی حلاوت و چاشنی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا مگر جس طرح وہ لفظوں میں اس کے سامنے اتنی بڑی بات کہہ گئے تھے' زرش ساکت رہ گئی تھی۔

''میں ایسا بھی کوئی حق تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں اور دھوکے بازوں سے تو کبھی مر کر بھی بات نہیں کروں گی..... آپ کیا سمجھتے ہیں مجھے اس طرح زبردستی اپنی بات سنانے پر مجبور کرلیں گے۔''

''شٹ اپ..... زرش! میں جس قدر نرمی برت رہا ہوں تم اتنی ہی حد سے بڑھ رہی ہو۔ احمقوں کی طرح ایک ہی بات سوچ کر اس سوچ پر جم سی گئی ہو۔ اپنے ذہن کی گرہیں کھولو تو اندازہ ہو صورت حال کیا ہے۔'' سمعان نے اگلے ہی پل اسی مخصوص مدھر دھیمے لہجے میں بات مکمل کی تھی۔

''بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔ صاف بات ہے۔ دھوکا دیا ہے آپ نے مجھے۔ کتنی عزت کرتی تھی میں آپ کی۔ میں نے ہمیشہ آپ کو سمعان بھائی سمجھا اور آپ.....'' وہ بغیر جملہ مکمل کیے گھٹنوں میں سر دیئے پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ سمعان خاموشی سے اس کے ہلتے وجود کو دیکھے گیا۔ جواب بہت سے تھے' دلائل کی کمی نہ تھی مگر اس سے اس چھوٹی سی لڑکی کو سمجھانا دنیا کا مشکل ترین امر لگ رہا تھا۔

''کیوں کیا آپ نے میرے ساتھ ایسا؟ کیا بگاڑا تھا میں نے آپ کا؟ بولیں' جواب دیں.....''

سمعان نے اسے رونے دیا تھا اور وہ خوب روئی بھی تھی۔ جی ہلکا ہوا تو سر اٹھا کر سمعان احمد کو دیکھا جو دھیمی سی مسکراہٹ سے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''میں نے کچھ غلط نہیں کیا..... ہاں میں اپنا آپ تم پر آشکار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کم از کم تب تک جب تک تم کسی مقام پر نہ پہنچ جاتیں اور پھر سب سے بڑی ٹینشن امی کی طرف سے تھی۔ وہ تمہیں کبھی بھی کسی بھی حیثیت سے کبھی قبول نہیں کریں گی۔ میرا خیال تھا کہ جب تک وہ آمادہ ہوں گی تب تک میں تم سے اپنے جذبات مخفی رکھنے میں کامیاب رہوں گا۔ اگر اس دن کا واقعہ رونما نہ ہوتا تو شاید تم اب بھی بے خبر ہی رہتیں۔'' سمعان احمد نے اسی دھیمے انداز میں لب کشائی کی تھی۔

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ مجھے صرف یہ بتائیں آپ جب اچھی طرح جانتے اور سمجھتے بھی تھے کہ میرے آپ سے متعلق کیا جذبات' احساسات ہیں پھر بھی آپ نے میرے متعلق ایسی بات سوچی جس کا تصور ہی مجھے کسی گناہ سے کم نہیں لگ رہا.....''

''میرے نزدیک یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ جذبے دلوں میں خدا کی طرف سے ودیعت کیے جاتے ہیں۔ تم ہمیشہ مجھے عزیز رہی ہو۔ پہلے پہل چچازاد کی حیثیت سے اور پھر صرف زرش کی حیثیت سے۔ ٹھیک ہے احساسات بدلتے ہیں' جذبات بے لگام ہوتے ہیں مگر تم ایمانداری سے تجزیہ کرو' کیا کبھی میں نے تمہارے اعتماد کو توڑنے کی کوشش کی ہے' کبھی تمہاری معصومیت کو داغدار کیا ہے؟ بولو! جواب دو.....'' سمعان احمد اس کے دل و دماغ کی گرہیں کھولنا چاہتا تھا۔ بات کھلی تھی تو اب وہ مکمل طور پر زرش کے سامنے اپنا آپ منوانا چاہتا تھا تاکہ بعد میں کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ ان کے سوالیہ دیکھنے پر وہ نظریں پھیر گئی۔ ایک دم شرم سی بھی محسوس ہوئی۔ گفتگو کا پیرایہ نظرانداز کیے جانے والا نہ تھا۔

''نہیں.....'' دل ایمانداری سے کہہ اٹھا تھا اس نے صرف گردن ہلائی تھی۔ ''مگر آپ نے میرا اعتماد توڑا ہے.....'' ادھر مرغے کی وہی ایک ٹانگ تھی۔

سمعان نے انتہائی بے بسی سے اسے دیکھا۔ یعنی کہ سب لاحاصل تھا۔

''کیسے.....؟'' سمعان کے لہجے میں چنگاریاں سی در آئی تھیں۔

''آپ نے مجھے کبھی محسوس ہی نہیں ہونے دیا.....'' کیا معقول وجہ تھی۔

''اوف.....'' سمعان نے اپنا سر تھاما اور تاسف سے اسے دیکھا۔ ''کہہ تو رہا ہوں میں تمہیں کسی قسم کی ٹینشن میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شروع میں تو میں خود بھی اپنے آپ سے بے خبر تھا اور جب علم ہوا تو میری پوری کوشش رہی کہ تم بے خبر رہو۔ نہ جانے حالات کس رخ پر کروٹ بدلتے ہیں۔ امی' ابو کے درمیانی حالات اس نہج پر نہیں کہ وہ کوئی ایک متفقہ فیصلہ کریں۔ ایسے میں سارے عالم میں' میں تمہارے متعلق ڈھنڈورا پیٹتا تو بتاؤ سب سے زیادہ نقصان کس کا ہوتا۔ کم عقل لڑکی! آگہی اگرچہ بہت بڑی نعمت ہے مگر بعض اوقات آگہی نقصان بھی پہنچاتی ہے۔ جیسے اب سب علم میں آنے کے بعد تم اپنے مفروضوں پر قائم ہو تو بھی یہ تمہاری عقل مندی کا ثبوت ہے۔ تب پتا چلتا تو نہ جانے کیا کارنامے سرانجام دیتیں' محترمہ.....!'' طنزیہ لب و لہجے میں خوب عزت افزائی ہوئی تھی۔ زرش کو مزید رونا آیا۔ یعنی کہ وہ اس کے اعتراض کو کوئی اہمیت ہی نہیں دے رہے تھے۔

''بس مجھ سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ جو بھی ہیں' جیسے بھی ہیں' کوئی ضرورت نہیں

POSTSUFF.BLOGSPOT.COM

مجھے وضاحتیں دینے کی۔ جائیں یہاں سے.....'' وہ پھر اپنے خول میں بند ہو چکی تھی بلکہ مکمل بے اعتنائی سے رد کیا تھا۔

''میرے نقصان کا آپ کو اندازہ ہی نہیں۔ مجھے تو اس تصور سے ہی خلجان ہو رہا ہے۔ آپ کو بس میں نے ہمیشہ بڑا بھائی سمجھا ہی نہیں' مانا بھی تھا اور آپ.....''

''اوف..... کم عقل لڑکی..... اب بھی تایا زاد بھائی ہی ہوں' ہاں۔ رشتے بدلتے رہتے ہیں۔ جس طرح تم میری چچا زاد ہو۔ کہنے سننے والا تو چچا زاد بہن ہی کہے گا۔ بات ماننے یا تسلیم کرنے کی ہوتی ہے۔ تم اپنے دماغ کی چولیں ہلاؤ تو سہی' عقل میں بات نکلنے تو دو۔ ایک ہی رٹ ہے ''بھائی سمجھا ہے میں نے'' مگر میں نے تمہیں صرف چچا زاد سمجھا ہے۔ کبھی بہن نہیں سمجھا تو پھر کیا کرلو گی تم..... ہیں..... بولو.....''

اچھے خاصے سمعان احمد کا دماغ خراب ہونے لگا تھا۔ سمعان زرش پر بری طرح برہم ہوا تھا۔

زرش سمعان کو اپنے اوپر گرجتے برستے دیکھ کر پھر آنسو بہانے لگی۔

''بات سنو' میری.....'' سمعان نے اسے روتے دیکھ کر غصے سے اس کا بازو پکڑا تھا مگر وہ ایکدم ہاتھ جھٹک گئی۔

''نہیں سنو گی میں کوئی بھی بات..... آپ مجھے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہے۔ کتنی تکلیف ہو رہی ہے مجھے آپ کو اس انداز میں دیکھ کر۔ کاش آپ اندازہ کر سکیں میری اس اذیت کا..... تو شاید ایک لفظ بھی نہ کہیں.....''

''میں مانتا ہوں۔ سب کچھ سمجھ رہا ہوں اسی لیے تو یہاں آیا ہوں مگر تمہاری عقل میں یہ بات نہیں آ رہی۔ ایک ہی نقطے پر ذہن کو منجمد کر کے تم کچھ اور سمجھنے پر آمادہ ہی نہیں۔''

''بس اب آپ چلے جائیں۔ مجھے مزید کچھ نہیں سننا.....'' وہ بولی بھی تو کیا۔ سمعان احمد خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ ہمیشہ اس کی ہاں میں ہاں ملانے والی اب کی بار بری طرح بگڑی تھی۔

''چچی جان غیرہ کب تک لوٹیں گی.....؟'' رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا۔ کافی وقت بیت چکا تھا۔ لاؤنج میں اندھیرا بڑھ گیا تھا۔ صرف ایک لائٹ روشن تھی۔ اطراف میں نگاہ ڈالتے دوبارہ اسی وجود کو دیکھا جو بجائے جواب دینے کے گھٹنوں میں سر دیئے اپنے شغل میں مصروف تھی۔

''سنو زرش.....'' سمعان نے ایک دم اس کا بازو تھام کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ چاہنے کے باوجود زرش ہاتھ نہ جھٹک سکی۔

''تم میرے بارے میں کوئی بھی رائے رکھو' کچھ بھی سوچو' تم آزاد ہو۔ میری محبت یا میرے جذبات کو کوئی غلط نام مت دو۔ میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا کہ تم میری محبت کو قبول کرو یا رد کیونکہ میں حقیقت پسند انسان ہوں۔ میں خود یہی چاہتا ہوں کہ تم بغیر کسی غلط فہمی کو ذہن میں جگہ دیئے صرف یہی سوچو کہ میں وہی سمعان ہوں۔ میں نے تمہارے اعتماد کو نہیں توڑا۔ تمہارے بھروسے کا قتل نہیں کیا۔ کبھی تمہیں غلط نگاہ سے نہیں دیکھا۔ میں نے محبت سے پہلے تمہاری عزت کی ہے۔ تمہاری کم عمری یا معصومیت کو غلط

انداز میں کبھی نہیں دیکھا۔ تم میرے لیے کتنی محترم ہو' کاش تم اندازہ لگا سکو۔ اگر تم یہ کہو گی کہ میں نے تمہارے اعتماد کو توڑا ہے یا تمہارا نقصان کیا ہے تو پھر تم غلط کرو گی۔ میں نے اپنے آپ کو چھپایا ضرور' صرف اور صرف تمہارے ذہن کو آلودگی سے بچانے کے لیے۔ تمہاری کم عمری و معصومیت کو داغدار ہونے سے بچانے کے لیے' غلط لوگوں کی باتوں سے تحفظ فراہم کرنے کے لیے۔ میرے لیے کوئی مشکل نہیں کہ بانگ دہل اعلان کروں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں' میں اگر اعلان کرتا ہوں اور کروں گا بھی جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ میرے لفظ تمہاری رسوائی کا سبب نہیں بنیں گے۔ میرے والدین متفقہ طور پر تمہاری چاہ کریں گے..... سمجھیں تم..... کبھی میری محبت کو غلط نگاہ سے نہ دیکھنا۔ میں اپنے لفظوں میں سچا ہوں۔ میں اپنے وعدوں میں سچا ہوں۔ تمہیں مجبور نہیں کر رہا مگر میری شخصیت و کردار کو غلط نگاہ سے نہ دیکھو۔'' انہوں نے بغیر رکے سب کہہ دیا۔

زرش جوان کا لفظ لفظ اپنے اندر اتار رہی تھی' خاموشی سے سر جھکا گئی۔

''تم پر زبردستی نہیں۔ میں نے تمہارے اعتبار یا اعتماد کا کوئی خون نہیں کیا۔ تم نے مجھے بھائی یا کزن جس کا بھی مان دیا میں نے اس رشتے کی آخری حد تک پاسداری کی ہے۔ کبھی تنہائی میں بھی اپنے جذبات کو حاوی نہیں ہونے دیا۔ بولو' کیا ایسا ہوا؟''

زرش بے اختیار نفی میں گردن ہلا گئی۔

''تو پھر میری شخصیت ایک دم تمہاری نگاہوں میں کیوں داغ دار ہو گئی ہے۔ اب بھی یقین کرو' اب بھی اعتماد کرو۔ میں پہلے تمہارا تایا زاد ہوں پھر کچھ اور ہوں۔ دماغ کی اس گرہ کو کھولو۔ تمہیں یہ سمجھانا اسی مقصد کے لیے ہے۔ مجھے اندازہ ہے میری ذات سے متعلق اس انکشاف پر تم کس حد تک کس اذیت میں مبتلا ہو۔ میں اسی اذیت کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم تعاون کرو تو.....''

سمعان احمد کے لہجے خلوص و چاہت کی خوشبو میں مہکتے خفگی و ناراضگی کے تاثر سے بھرپور یقین و جھنجلاہٹ کا ایک حسین امتزاج تھا کہ زرش بے اختیار ہو کر اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی۔

اور اس دفعہ سمعان احمد کو اس کے رونے سے تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس کا پھوٹ پھوٹ کر رونا دل پر بوجھ نہیں بنا تھا بلکہ طمانیت کا ایک احساس جاگا تھا۔ بہت آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گویا اسے تسلی دینا چاہی تھی مگر درحقیقت خود کو اطمینان دلایا تھا کہ وہ اگر ان کی طرف سے مطمئن نہیں بھی ہوئی تو بھی اب بدظن نہیں ہو گی۔

یہ یقین راسخ تھا جوان کے اندر اطمینان بکھیرتا چلا گیا تھا۔ بمشکل ہی سہی وہ زرش کا ذہن بدلنے میں کامیاب ٹھہرے تھے۔

✿.....✿.....✿

زبیدہ بیگم اور حمید صاحب اگلے دن رضا کے لیے آئے تھے مگر بات کرنے پر پتا چلا کہ ان سے پہلے رفعت آپا آ کر شارق کا رشتہ ڈال گئی تھیں۔

نوریہ کے گھر والے عجیب شش و پنج میں مبتلا ہو گئے تھے۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

زبیدہ بیگم گم صم ہوگئی تھیں۔

رہ رہ کر ان کی نگاہوں میں رضا کا چہرہ گھومتا رہا۔ باپ کے مان جانے کی خوشی سے وہ کیسے جی اٹھا تھا مگر اب..... وہ افسردہ سی ہوگئیں۔

بہرحال شارق اپنی جگہ مگر رضا کی حیثیت بھی تسلیم تھی۔

نواز کے انکار کے بعد جب سب طرف سے صرف اندھیرا ہی دکھائی دے رہا تھا تو یہ دو دو متبادل سب کو ہی حیران کر گئے تھے۔ خالدہ بیگم نے تو گویا نئی زندگی پائی تھی۔ نئے سرے سے جی اٹھی تھیں۔ انہوں نے دونوں کو سوچ کر جواب دینے کو کہا تھا۔ نبیل اور ساجد دونوں نے فیصلہ اماں پر چھوڑ دیا تھا اور اماں نے نبیلہ کی مدد چاہی تھی۔

انہوں نے نبیلہ کو بلا کر ساری بات بتا کر اس کی رائے لینے کو کہا تھا۔ وقت کم تھا اور فیصلہ فوری کرنا تھا۔

نویرہ گم صم انداز میں کمرے میں اندھیرا کیے پڑی ہوئی تھی جب نبیلہ بھابی نے اندر داخل ہو کر لائٹ آن کی تو وہ اٹھ بیٹھی۔ خاموشی سے بھابی کو دیکھا۔ نبیلہ مسکرا دیں۔ کل سے لے کر اب تک یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو نویرہ' نواز کے انکار کے بعد گھر کے کسی فرد کے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔ وہ فوراً چونکی تھی۔ نبیلہ کے انداز میں کوئی عجیب سی بات تھی۔

''خیریت.....؟'' اب تو پتہ بھی سرکتا تھا تو وہ ڈر جاتی تھی کہ نہ جانے کون سی قیامت آنے کو ہے۔

''ہوں..... یوں سمجھو قسمت کھل گئی ہے تمہاری.....'' وہ کھل کر مسکرائی تھیں۔ نویرہ کو ان کی بات میں طنز سا محسوس ہوا۔

''اب آپ مجھ پر طنز کریں گی.....''

''اللہ نہ کرے..... میں تو تمہاری خوش قسمتی کو کہہ رہی ہوں۔ جو بات میں تم سے کرنے والی ہوں' دل تھام کر سننا.....'' اس کی بات پر برا مان کر پھر محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''میں اتنی خوش قسمت کہاں؟ خیر آپ کہیں' اب کیا ہوا ہے.....؟ ایسی کون سی انہونی ہوگئی ہے۔''

''تمہارے لیے زبیدہ چچی نے رضا کا رشتہ ڈالا ہے.....'' انہوں نے گویا انکشاف کیا تھا۔

''کیا.....'' نویرہ حیران رہ گئی۔

''دوسری طرف رفعت باجی بھی آئی تھیں۔ واجدہ خالہ کا فون بھی آیا تھا' وہ بھی تمہارے لیے شارق کی بات کر رہی تھیں۔''

''جی..... ای.....'' اب کی بار نویرہ حقیقتاً زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔

شارق کا پرپوزل..... اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود۔

''اماں نے مجھے بھیجا ہے کہ میں تمہاری رائے لے لوں..... وقت بہت کم ہے۔ ابھی جواب دینا ہے۔ نبیل اور ساجد بھائی کا خیال ہے کہ اسی طے شدہ تاریخ پر شادی ہو۔'' وہ مزید کہہ رہی تھیں۔

نویرہ کے تو شارق کا نام سن کر حواس گم ہونے لگے تھے۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ.....'' وہ بے یقین تھی۔ نبیلہ مسکرائیں۔

''یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا..... ہمیں تو عزت کے لالے پڑ گئے تھے مگر اللہ نے کیا خوب بندوبست کیا ہے۔ رضا اور شارق دونوں ہی خاندان کے اچھے لڑکے ہیں۔ رضا کم عمر اور ابھی زیرِ تعلیم ہے اور سب سے بڑی بات کہ رمشا سے منسوب ہے۔ اس کے باوجود چچا جان اور چچی نے اس برے وقت میں ہمارا خیال کیا ہے۔ جب کہ شارق بھائی کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ اپنی زندگی میں سیٹل ہیں۔ رفعت باجی بتا رہی تھیں کہ شارق نے خود رشتے کے لیے کہا ہے۔ فیصلہ تم پر چھوڑا گیا ہے۔ تم سناؤ کیا کہتی ہو.....؟''

نویرہ خالی الذہنی کیفیت لیے انہیں دیکھے گئی۔ کل سے اس نے ایک آنسو نہیں بہایا تھا مگر اب پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہا۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ وقت و حالات اس کے ساتھ کیسی چال چل رہے تھے۔ شارق زمان کے تصور سے ہی اس کے روم روم میں نفرت کا طوفان برپا ہو جاتا تھا۔ وہ اپنی بیماری کی وجہ سب سے چھپا گئی تھی۔ شارق زمان کی حرکت خود تک محدود رکھے ہوئے تھی مگر اب انہیں اتنی شہہ مل گئی تھی کہ وہ حد سے گزر رہے تھے۔

''تم ان سب سے مختلف ہو۔ پہلی دفعہ تمہارے اس ڈھکے چھپے انداز نے مجھے تمہاری طرف راغب کیا تھا۔ ایسی عورت بہت بڑا ناز ہوتی ہے۔ تم میرے دل کے اندر زخم کرتی گئی ہو۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ تم کیا ہو.....''

شارق زمان کی آواز اس کے کانوں میں ہتھوڑے برسانے لگی تھی۔ اس نے سختی سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

''پلیز بھابی..... انکار کر دیں۔ مجھے نہیں کرنی کسی سے شادی۔ نفرت ہے مجھے سب سے۔ نواز' شارق' رضا' کسی سے بھی نہیں۔ پلیز کہہ دیں جا کر کسی سے بھی نہیں۔'' وہ شدت سے اپنے نقصان پر رونے لگی تھی۔ نبیلہ کو تو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ کل سے وہ نہیں روئی تھی مگر اب وہ کیا نہیں جانتی تھیں کہ وہ کس کس نقصان پر تڑپ رہی تھی۔

انہوں نے فوراً اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''اماں کی پریشانی کو دیکھو۔ ایک دن میں ہی وہ بستر سے جا لگی ہیں۔ تمہارا دکھ انہیں مارے دے رہا ہے۔ پلیز! اپنے آپ کو سنبھالو۔ میں جانتی ہوں تم نواز کو پسند کرنے لگی تھیں مگر وہی تمہارے قابل نہ تھا۔ بھول جاؤ اسے۔ بس یاد رکھو اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ یقیناً اس نے تمہارے لیے بہترین کا انتخاب کیا ہوگا۔'' انہوں نے اپنے مخصوص محبت بھرے انداز سے اسے سمجھانا چاہا تو وہ مچل گئی۔

''ہرگز نہیں..... شارق زمان کے کیریکٹر کے بارے میں آپ مجھے کیا گارنٹی دے سکتی ہیں اور رضا سے تو میں نے ہمیشہ چھوٹے بھائی کے علاوہ کچھ اور سمجھا ہی نہیں۔ وہ کم عمر جذباتی و لاابالی سا لڑکا میرے تو کسی وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ پلیز' اماں کو صاف انکار کر دیں۔ مجھے ہر طرح کی ذلت قبول

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

ہے مگر اب شادی نہیں کروں گی۔ بالکل نہیں کروں گی اور کوئی مجھے مجبور بھی نہ کرے۔"

وہی اٹل انداز تھا۔ نبیلہ نے کچھ کہنے کو ہونٹ وا کیے تو پھر بھینچ لیے۔ نویرہ کا نفرت انگیز دوٹوک انداز انہیں کچھ بھی مزید کہنے سے روک گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

وہ بے چینی سے منتظر تھا۔ ان چند دنوں میں حالات جس قدر تیزی سے بدلے تھے' وہ پل پل بدلتے لمحوں پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

رفعت باجی کے لوٹنے اور نویرہ کے انکار کا سن کر شارق زمان گم صم ہو گیا تھا۔ نویرہ اس کے لیے کبھی اقرار نہیں کرے گی' دل و ذہن اس بات سے آگاہ تھے مگر اب انکار شارق زمان کو کچھ پل کے لیے ششدر کر گیا تھا۔

ذہن کو دھچکا ضرور لگا تھا۔ نواز کو آمادہ کرنے کے بعد یہ انکار بہت پریشان کن تھا۔

"میں پاؤں پڑ کر بھی خالہ اماں کو منا لیتی کہ تمہاری خواہش ہے مگر حمید چچا نے سارا کام خراب کیا ہے۔ انہوں نے رضا کا پرپوزل دیا ہے۔ سارا خاندان جانتا ہے کہ رضا' رمشا سے منسوب ہے' اس کے باوجود..... مگر نبیل اور ساجد کی مرضی نہ جانے کیا ہے۔ نویرہ سے تو نبیلہ نے فوراً پوچھا تھا۔ اس نے تو فوراً انکار کر دیا۔ میں نے بھی بات کی مگر وہ تو تمہارا نام بھی سننا نہیں چاہتی..... پھر چچی نے رضا کے لیے بات کی' سب نے اسے سمجھانا چاہا مگر وہ تو رضا کیا' کسی کا نام بھی سننا نہیں چاہتی۔"

وہ اماں اور شارق کو بتا رہی تھیں۔ شارق زمان رضا سے متعلق سن کر اچنبھے سے دوچار ہوا۔ نواز کو اس نے کیسے قائل کیا تھا۔ ایک نویرہ کے حصول کے لیے وہ کیا کیا نہیں کر رہا تھا۔ کیسے کیسے پاپڑ نہیں بیل رہا تھا مگر اب یہ رضا کا پرپوزل اس کے اندر رقیبانہ سی نفرت پیدا کرنے لگا تھا۔

وہ ایک دم اشتعال کے گہرے کرب سے دوچار ہوا۔

"نویرہ کو اب کوئی شہزادہ عالم بیاہنے نہیں آئے گا۔ خالدہ چچی کس انتظار میں ہیں کیا آپ کو اسی لیے بھیجا تھا کہ انکار سن کر چپ چاپ اٹھ آئیں۔"

وہ غصے سے پھنکارا تو رفعت نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"تو کیا کرتی۔ زبردستی ہاں کرواتی۔" شارق کی بات ذرا اچھی نہ لگی تھی۔

"تو کیا حرج ہے۔ بہنیں تو اس سے زیادہ کر لیتی ہیں اگر واقعی دل میں بھائیوں کے لیے جگہ ہو تو۔"

اس نے فوراً جوابی کارروائی کی تھی۔ رفعت کو جو دکھ ہوا سو ہوا۔

اب کے واجدہ بیگم نے بھی تاسف سے اسے دیکھا۔

"ایک تو تم نے نہ جانے نواز سے ایسی کیا بات کی ہے کہ وہ سب چھوڑ چھاڑ کر بھگا ہے اوپر سے تم دل جلانے والی باتیں کر رہے ہو۔ رشتے ناتے' عزت داروں میں یونہی طے نہیں ہوتے۔ ناگ رگڑنا پڑتی ہے' جوتیاں گھسائی جاتی ہیں اور پھر بھی دوسرے فریق کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ قبول کرے یا رد۔ اب تو صورت حال ہی دوسری ہے۔ صبر و برداشت سے کام لو۔"

وہ ماں تھیں' نواز کو ہٹانے کی دھمکی انہیں یاد تھی۔ وہ جانتی تھیں شارق زمان جس چیز کی ٹھان لے اس کے فائدے یا نقصان کے لیے کس حد تک جا سکتا ہے۔ کیا تھا انہوں نے صرف جنم نہیں دیا تھا' پالا پوسا تھا' اس کی فطرت و طبیعت سے بخوبی آگاہ تھیں۔ سبھی رنگوں کا شعور تھا' بخوبی آگاہ تھیں۔

"آپ سے تو یہ کام کبھی ہونا ہی نہیں ہے۔ ناحق میں نے آپ کو پاکستان بلوایا۔ مجھے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اماں نے دہل کر رفعت کی شکل دیکھی۔

"اب کیا کرو گے.....؟ ہر طرف تو نویرہ کو بدنام کروانے کو ڈھنڈیا پٹوا دی ہے۔ اب اس معصوم بچی پر کیا قیامت ڈھاؤ گے؟"

"رفعت باجی! آپ پھر جائیں اور نویرہ کو آمادہ کریں۔ اسے کہیں وہ راضی ہو جائے۔ بے شک نواز سے متعلق اسے سب کچھ بتا دیں مگر انکار نہیں سنوں گا۔ عزت سے انہی دنوں شادی کروں گا ورنہ جو میں کروں گا وہ سارا خاندان یاد رکھے گا۔" ادھر سے ادھر ٹہلتے ایک دم رک کر اس نے رفعت باجی کی شکل دیکھی تھی۔

"خدا کو مانو شارق! اب وہ نہیں مان رہی تو زبردستی ہے کیا۔"

"ہاں' یہ بھی کر لوں گا..... اگر وہ نہ مانی تو....."

نہایت سفاک انداز تھا۔ رفعت نے گہرے ملال سے اسے دیکھا جس کی وجاہت دیکھنے، سراہنے کے قابل تھی مگر.....

"ایسی کیا بات ہے نویرہ میں؟" انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"یہ سوال نویرہ پوچھے گی تو ضرور بتاؤں گا' ہر کسی کو بتانے والا نہیں....."

ادھر سے کیا شانِ استغنا تھا۔ ہاتھ اٹھا کر بے پروائی سے کہا گیا تھا۔

"پہلے بھی تو یہی نویرہ تھی' تمہیں یاد ہو گا ایک دفعہ میں نے ذکر کیا تھا تو تم نے انکار کر دیا تھا کہ تم فی الحال شادی کرنے کے موڈ میں نہیں ہو۔ اب ایسی کیا انہونی ہو گئی کہ تم یکا یک نہ صرف راضی ہوئے بلکہ شادی تک رکوا دی ہے اور اب یہ نئی ضد..... سچ سچ بتاؤ واقعی دل آیا ہے یا پھر....."

اماں نے غصے سے شارق کو دیکھا جو ان کی کچھ ماننے کو تیار ہی نہ تھا بلکہ کچھ بھی کہنے سننے پر تیار نہ تھا۔

"کہا نا یہ بات آپ کو بتانے والی نہیں..... نویرہ پوچھے گی تو اسے بتاؤں گا۔" دوٹوک انکار ہوا تھا۔

"اچھا! پھر آپ جا رہی ہیں.....؟" اماں کو صاف جواب دے کر وہ رفعت آپا کی طرف مڑا۔

"ابھی تو آئی ہوں..... تم چپ کر کے صبر کر لو۔ نویرہ نہیں ماننے والی۔ ہو سکتا ہے خالہ جان کی مرضی رضا کی طرف ہو....." انہوں نے اپنی طرف سے قائل کرنا چاہا تھا مگر وہ تو ایک دم بھڑک اٹھا۔ رضا کا نام ہی اس کے اشتعال کو ہوا دینے کو کافی تھا۔

"ایسی کی تیسی رضا کی۔ جان سے مار دوں گا اگر کسی نے نویرہ کے لیے اس کا نام بھی لیا تو۔ چچی کو اچھی طرح باور کرا دیں' اگر آپ کو یہ کام مشکل لگ رہا ہے تو انکار کر دیں' میں خود سب ہینڈل

BEST-URDU-BLOGSPOT.COM

کرلوں گا۔"

واجدہ بیگم نے رفعت کی صورت دیکھی۔

شارق کا نویرہ کے لیے اس قدر اموشنل ہونا خاصا غیر یقینی تھا۔

وہ کہاں عورت سے نفرت کرنے والا' شادی کے نام سے بھاگنے والا..... اور سب سے بڑھ کر عورت کی مکاری و چالاکی سے نفرت کرنے والا اس وقت ایک عورت کی طلب کر رہا تھا اور اس حد تک اس طلب میں آگے بڑھ چکا تھا کہ اس کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز کی بھی پروا نہیں کر رہا تھا۔

نواز کا عین شادی کے دنوں انکار واضح ثبوت تھا۔

"میں انکار نہیں کر رہی۔ مجھے اندازہ ہے وہ لوگ نہیں مانیں گے۔"

"ٹھیک ہے' آپ بیٹھی رہیں یہاں' اب جو بھی کروں گا میں خود ہی کرلوں گا۔"

اس کے لہجے کا سرد پن ایک دم سفاکیت کی حد کو چھو گیا تھا۔

"اللہ نہ کرے..... کیا کرو گے تم....." اماں نے اس کے تیور دیکھ کر دہل کر پوچھا۔

"میں خالدہ چچی کے ہاں جا رہا ہوں۔ اگر اب بھی انکار ہوا تو میں نویرہ کو اٹھالوں گا۔ یہ ذہن میں رکھیئے گا۔ نواز کے انکار کے بعد اب وہ صرف میرے گھر آئے گی....."

وہ غصے سے کہتا باہر نکل گیا تھا اور واجدہ بیگم نے خوف سے لرز کر اپنا دل تھام لیا تھا۔

سمعان احمد کے سمجھانے بجھانے کے باوجود زرش خود کو دوبارہ تایا کے ہاں جانے پر آمادہ نہ کر پائی تھی۔ سمعان احمد کی یقین دہانیاں' سمجھانے کا سلجھا ہوا انداز بھی اسے قائل نہ کر پایا۔ وہ تو سمعان احمد کو اس نئے انداز میں دیکھ کر ہی سخت اذیت سے دوچار ہوگئی تھی۔ اگرچہ اب سمعان احمد کی جانب سے پہلے کی سی بدگمانی یا غلط فہمی برقرار نہ تھی مگر وہ خود کو پہلے کی طرح سمعان احمد کی طرف متوجہ نہ کر پائی تھی۔ نہ ہی اپنا دل ان کی طرف سے صاف کر پائی تھی۔ بول چال تو ایک طرف وہ سمعان احمد سے پہلو بچانے لگی تھی۔ ان کی اپنے ہاں آمد پر بھی اپنے کمرے سے نکلنا چھوڑ دیتی تھی۔ تعلیمی سرگرمی معقول بہانہ تھی۔ پھر وہ پہلے سے خود کو خاصا سنجیدہ بنانے کی کوشش میں بھی تھی کہ شائستہ بیگم اس کی طرف سے کھٹکی ضرور مگر زرش کا سب کے ساتھ نارمل رویہ دیکھ کر مطمئن بھی تھیں۔

فرح وغیرہ کے ساتھ بھی وہ نارمل ہی تھی۔ بس سمعان احمد کی طرف سے ہی وہ محتاط ہوگئی تھی۔

سمعان احمد اس کے رویوں کو دیکھ بھی رہا تھا اور محسوس بھی کر رہا تھا مگر کچھ کہنے یا سمجھانے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس دن زرش کو اچھا خاصا سمجھا چکا تھا۔ اب مزید کچھ کہنا اپنے آپ کو نظروں سے گرانے والا حال تھا۔

فرح جو سعد والے معاملے میں خود بھی الجھی ہوئی تھی مگر سمعان احمد اور زرش کے درمیان تعلقات کو محسوس کر کے بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوگئی تھی۔

سمعان احمد نے زرش سے متعلق اپنی دلچسپی یا پسند کا اظہار کبھی بھی کھلے عام نہیں کیا تھا۔ بس والدین کی آپس کی گفتگو اور خاندان بھر میں ہونے والے پروپیگنڈے نے ہی فرح اور علی کو اس جانب سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اور پھر سمعان کا زرش کی طرف غیر محسوس جھکاؤ دیکھ کر خوش بھی ہوئی تھی۔ والدین کی جو بھی خواہش تھی' طاہرہ بیگم اور سعود احمد کی فیملی کے تعلقات جس نوعیت پر بھی تھے مگر فرح سعید احمد' سمعان احمد کے دل کی خواہش پوری ہونے کی سچے دل سے دعا کرتی تھی۔

فرح نے کالج میں ایک دو دفعہ زرش سے سمعان احمد سے متعلق بات کرنا چاہی تھی مگر زرش ہر بار اسے بری طرح ٹوک گئی تھی۔

"پلیز فرح! میں اس جانب سے کچھ بھی نہیں سنوں گی۔ تمہارے لیے یہ کافی ہونا چاہئے کہ اس انکشاف کے بعد میں نے سمعان بھائی سے قطع تعلقی اختیار نہیں کی اگر تم یہ توقع کرو کہ میں یہ جاننے

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

کے بعد خوشیاں مناؤں تو تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں تو سمعان بھائی کو ابھی اس نئے انداز سے بھی قبول نہیں کر پائی اور سب سے اہم بات یہ کہ میں تائی امی کا سامنا کرنے سے قاصر ہوں۔ میں نے اب تک بہت خلوص اور محبت سے تم لوگوں سے جو رشتہ نبھایا ہے اسے ہی برقرار رہنے دو تو بہتر ہے ورنہ میں تمہاری دوستی سے بھی ہاتھ کھینچ لوں گی..... کہ بہرحال کزن کی حیثیت ہمارے درمیان مسلّم ہے۔"

اتنی سختی تھی لہجے میں کہ وہ زرش کے قطعی انداز کو کوئی ثانیے تک دیکھے گئی تھی اور پھر اس نے اس کے بعد زرش سے اس موضوع پر گفتگو نہیں کی تھی۔

زرش ان کے ہاں آنا چھوڑ چکی تھی۔ یہ بات سعید احمد اور علی کے ساتھ ساتھ طاہرہ بیگم نے بھی محسوس کی تھی اور فرح کو باتوں ہی باتوں میں جتا بھی چکی تھی۔ چونکہ وہ سعود احمد کی فیملی سے متعلق کوئی بھی بات صاف لفظوں میں گھر کے کسی فرد کے سامنے نہیں کرتی تھیں مگر بلاواسطہ ضرور جتا دیتی تھیں۔

بات علی نے کی تھی۔ زرش کی اتنے دنوں کی غیر موجودگی اس نے سب کے سامنے ڈسکس کی تھی۔ جواباً طاہرہ بیگم نے بھی طنزیہ انداز اختیار کیا تھا۔ رات گئے لاؤنج میں سمعان کے علاوہ سبھی تھے جب علی نے اچانک کہا تھا۔

"فرح! حیرت ہے نا' زرش کتنے دن ہو گئے ہیں' آ نہیں رہی۔" اس نے فرح سے پوچھا تھا۔

"ہاں' خیریت ہی ہے۔ بس وہ آج کل اسٹڈی میں مصروف رہتی ہے۔ پھر چچی جان بھی اسٹڈی کی طرف سے اس پر سختی کر رہی ہیں۔" اپنی طرف سے تو اس نے مسکرا کر ہی جواب دیا تھا مگر طاہرہ بیگم کہاں چوکنے والی تھیں۔ فوراً کہنے لگیں۔

"شکر ہے' میرے گھر میں بھی چند دن سکون کے گزر رہے ہیں ورنہ ہر روز جاسوسی کی ٹوہ لیے خطرے کی طرح تلوار سر پر ہی لٹکی رہتی تھی۔"

فرح اور علی نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

رات کے وقت سمعان احمد کے علاوہ سبھی لاؤنج میں ہی تھے۔ سعید احمد کے تاثرات بدلے تھے۔ فرح ڈر گئی کہ ابھی معرکہ شروع ہوا مگر خیریت رہی تھی۔ وہ چپ رہے تھے اور آنے والی مصیبت ٹل گئی تھی۔ طاہرہ بیگم تو کچھ دیر بعد اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ علی کے چلے جانے کے بعد فرح بھی اٹھنے لگی تو سعید صاحب نے اسے روک لیا۔

"بیٹھو تم....." کافی پرسوچ انداز تھا۔ وہ بیٹھ گئی۔

"زرش کیوں نہیں آ رہی؟" انہوں نے بغور بیٹی کا چہرہ دیکھا جو پل بھر میں متغیر ہوا تھا۔ وہ چہرہ جھکا گئی۔

"وہ مصروف ہوتی ہے۔"

"لاسٹ ٹائم کب آئی تھی؟"

"لاسٹ سنڈے..... جس دن میں' علی اور امی بڑے ماموں کے ہاں گئے تھے۔ ہماری غیر موجودگی میں ہی آئی تھی۔ آپ نے اور ماجدہ نے ہی بتایا تھا۔"

"اس دن کے بعد بھی آئی کہ نہیں؟"

"نہیں....."

"کہیں تمہاری غیر موجودگی میں وہ آئی ہو اور تمہاری والدہ نے اس کی عزت افزائی کی ہو.....؟"

ساری پوچھ گچھ کا لب لباب یہی تھا۔ فرح نے سکون کا سانس لیا۔ وہ خوامخواہ ہی پریشان ہو رہی تھی۔

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔ اس نے اس دوران کوئی چکر نہیں لگایا۔"

"تو پھر وہ کیوں نہیں آ رہی؟"

"یہ تو آپ اسی سے پوچھیں۔ مجھے تو یہی کہتی ہے کہ پڑھائی سے فرصت نہیں ملتی جب کہ میں جب بھی ان کے ہاں جاتی ہوں فارغ ہی ہوتی ہے۔"

واپسی پر زرش کا ڈرائیور پہلے زرش کو چھوڑتا تھا تو پھر اس کو۔ ایسے میں وہ اکثر اس کے ہاں رک جاتی تھی۔ زرش کا گریز صاف لفظوں میں کہنے کے بجائے اس نے ٹالا تھا۔

"ہوں..... ٹھیک ہے' تم جاؤ۔"

فرح خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

سعید احمد کا پرسوچ اور مبہم سا انداز اسے متجسس کر رہا تھا مگر وہ سر جھٹک گئی تھی۔

اگلے دن وہ آفس سے ذرا جلدی اٹھ گئے تھے۔ زرش کی اتنے دنوں کی غیر حاضری انہیں بھی متجسس کر رہی تھی۔

آخر وہ کیوں نہیں آ رہی؟ کہیں طاہرہ کی طرف سے کوئی بات نہ ہوئی ہو۔ طاہرہ بیگم کا طنزیہ انداز انہیں اندر ہی اندر سلگا رہا تھا۔ وہ بہت چاہنے کے باوجود ان کے رویے کو نظر انداز نہیں کر پا رہے تھے۔

سعود احمد کے ہاں سبھی بہت خوش ہو کر ملے تھے۔ زرش کے وہی انداز تھے۔ تایا کو دیکھ کر چہکنے لگی تھی۔ زرش کا خوشگوار نارمل موڈ دیکھ کر سعید احمد صاحب کے اندر طاہرہ بیگم کے الفاظ کی تلخی کم ہونے لگی تھی۔

وہ کافی دیر وہاں ٹھہرے تھے۔ مغرب کے بعد سعود احمد بھی چلے آئے تھے۔ انہوں نے سعود احمد سے زرش کو اپنے ہاں ایک دو دن کے لیے لے جانے کی بات کی تھی۔

"ضرور..... زرش کی ماما سے پوچھ لیں' مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔" انہوں نے ہنس کر اجازت دی تھی۔ زرش کچن میں تھی ورنہ فوراً انکار کرتی۔ شائستہ پاس ہی براجمان تھیں' مسکرائیں۔

"زرش کی اسٹڈی کا حرج ہوگا۔" انہوں نے ٹالنا چاہا۔

"پہلے بھی وہ آتی جاتی رہتی ہے۔ فرح وہیں ہے۔ وہیں سے کالج چلی جایا کرے گی۔ ایک دو دن کی تو بات ہے۔ پھر بیگ اور بکس ساتھ لے جائے گی۔" انہوں نے ان کے اعتراض کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ جیسے گھر سے ہی طے کر کے چلے تھے۔

سعود احمد خاموش ہی رہے مگر شائستہ بیگم ضرور کہنے لگیں۔

"صاف بات ہے بھائی جان' زرش کبھی کبھار جائے تو اور بات ہے یوں ایک دو دن مسلسل رہنے کے لیے جانا..... شاید طاہرہ کو اچھا نہ لگے۔" انہوں نے خدشے کا اظہار کر دیا تھا۔ سعید احمد ایک دم

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

سنجیدہ ہوگئے۔

"طاہرہ کو اول تو ایسا کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ زرش کو کوئی بات کہے' دوسرا زرش کسی غیر کے ہاں نہیں جائے گی' اپنے گھر جائے گی۔ ہم سے زیادہ تم لوگ اس گھر پر حق رکھتے ہو۔ وہ تم لوگوں کا اپنا گھر ہے۔" انہوں نے اپنے پر زور دیا تھا۔ شائستہ کے اندر تکلیف کا احساس جاگا۔

"اپنا گھر.....! یہی تو دکھ ہے وہ اب اپنا گھر نہیں رہا۔ اپنے گھر میں کبھی اپنی بیٹیوں پر انگلی نہیں اٹھائی جاتی۔" ان کے لہجے میں گزرے لمحوں کا درد تھا' اذیت تھی۔

سعید احمد تو ایک طرف سعود صاحب بھی گم صم ہوگئے تھے۔

"شائستہ! گزری باتوں کا تذکرہ کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اگر فائدہ دیتا تو ان لمحوں پر سب سے زیادہ میں ماتم کرتا۔ بہر حال سب سے زیادہ نقصان میرا ہوا ہے۔"

"آپ بھی تو گزری باتوں کو ذہن میں جگہ دیئے ہوئے ہیں۔ سچ بتائیں کیا آپ گزرے لمحوں کو فراموش کر گئے ہیں۔" شائستہ نے سعید احمد کو ایک دم کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا۔ ان کا چہرہ متغیر ہوا تھا اور ہونٹ بھینچ گئے تھے۔ سعود احمد کو تاسف نے آگھیرا۔

"شائستہ!" انہوں نے بیگم کو ٹوکا تو شائستہ کو بھی اپنی بات کی سنگینی کا احساس ہوا' بلکہ اپنے رویے پر ملال سا ہوا۔

"آپ زرش کو لے جائیں..... ایک دو دن رہ لے پھر چھوڑ جایئے گا۔" انہوں نے اجازت دیتے ہوئے وہاں سے جگہ چھوڑ دی تھی۔ انہوں نے زرش کو تیار ہونے اور بیگ میں کتابیں اور کپڑے رکھنے کا کہا تو وہ چونکی۔

"کیوں..... مجھے کہاں جانا ہے؟"

"تمہارے تایا ابو تمہیں ایک دو دن کے لیے لینے آئے ہیں۔"

"کیوں.....؟" وہ حیران ہوئی۔

"زیادہ سوال جواب نہ کیا کرو..... جو کہا ہے وہ کرو۔ جاؤ تیار ہو جاؤ۔"

سعید احمد سے کہے اپنے سنگین الفاظ کا احساس انہیں اب اذیت دے رہا تھا۔ اسی لیے زرش کو ٹوک دیا۔

"یونہی تیار ہو جاؤں..... میں نہیں جا رہی۔" وہ جو تایا کے ہاں ہر وقت جانے کو تیار رہتی تھی' ایک دم انکار کر گئی۔

شائستہ نے حیران ہو کر دیکھا۔ اتنا دوٹوک انکار۔

"کیا بات ہے؟ میں نوٹ کر رہی ہوں تم وہاں مسلسل نہیں جا رہی اور اب تمہیں بھائی صاحب لینے آئے ہیں' کیوں؟"

زرش کے ایک ہی انکار نے انہیں اس کی طرف بری طرح متوجہ کیا تھا۔ زرش جھنجلا گئی۔

"کیا مصیبت ہے۔ جب میں وہاں جاتی تھی تو سب سے زیادہ شکایت بھی آپ کو ہی تھی اور اب

انکاری ہوں تو فوراً تفتیش شروع ہوگئی ہے۔"

"ہاں تو تفتیش نہ کروں۔ طاہرہ نے کچھ کہا ہے تم سے یا پھر تم نے کوئی حماقت سرانجام دی ہے؟" انہوں نے مشکوک نظروں سے زرش کا چہرہ جانچا۔

زرش کا جی چاہا سر پیٹ لے۔ یعنی کہ اتنی بے اعتباری۔

"ایک تو آپ کو مجھ پر ہر وقت شک ہی رہتا ہے۔ چلی جاتی ہوں مگر کل ہی واپس آ جاؤں گی۔ چند گھنٹوں کے لیے ان کے ہاں جانا اور بات ہے اور اب روز منہ اٹھا کر چلی جایا کروں..... وہ بھی رہنے کو....." وہ منہ پھلا کر کہتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

شائستہ بیگم پر سوچ نگاہوں سے کتنی دیر اپنی جگہ گم صم رہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

نواز سے رشتہ ختم ہونے کی بات پورے خاندان میں پھیل گئی تھی۔ قریبی رشتے دار تو فوراً "اظہارِ افسوس" کے لیے پہنچے تھے۔ جتنے منہ تھے اتنی باتیں تھیں۔ دور کے رشتہ داروں کو بھی ایک دوسرے سے خبر ملتی جا رہی تھی۔

کال کا سلسلہ شروع ہوا تو شام گئے تک چلتا رہا۔ نبیل بھائی نے غصے سے ریسیور کریڈل سے ہٹا دیا تھا مگر اذیت دینے والے لوگ کہاں چوکتے ہیں۔ موبائل نمبرز سبھی کے ہر کسی کے پاس ہی ہوتے تھے۔ ساجد بھائی دوپہر کو ہی صحیٰ بھابی کو لے کر ان کے میکے روانہ ہوئے تھے کہ جب سے بھابی آئی تھیں میکے ملنے نہیں گئی تھیں۔ ساجدہ باجی' احمد بھائی کے آنے پر صبح ہی چلی گئی تھیں کہ اپنے گھر میں بچے ساس کے پاس چھوڑے ہوئے تھے۔

اس وقت اماں میڈیسن لے کر لیٹی تھیں۔ مسلسل آنے والے لوگوں اور ان کی بھانت بھانت کی باتوں سے انہوں نے بہت ٹینشن لی تھی۔ نویرہ مسلسل اپنے کمرے میں مقید تھی۔ وہ آنے والوں سے ملنے کو بھی کمرے سے نہیں نکلتی تھی لیکن رشتہ دار پہنچ جاتے تھے۔ نبیلہ ہر ایک کو ہینڈل کر رہی تھیں۔ اس وقت بھی محلے کی ایک جاننے والی کو خدا حافظ کہہ کر وہ گیٹ بند کرنے کو آئی تھیں تبھی شارق زمان کی گاڑی گیٹ کے سامنے رکی تھی۔ انہیں تعجب ہوا تھا۔ کل رفعت باجی رشتے کی بات کر کے گئی تھیں اور آج شارق زمان یہاں تھے۔

"السلام علیکم!" گاڑی وہیں کھڑی کر کے شارق زمان گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا۔ نبیلہ نے صرف سر ہلایا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"نبیل گھر پر ہی ہے؟"

"ہوں....."

"اور نویرہ؟" شارق زمان کے پراعتماد انداز میں کوئی بات ضرور تھی کہ نبیلہ چونکی تھیں۔ بغور شارق

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

زمان کو دیکھا۔ پراعتماد مطمئن انداز۔

"کمرے میں لیٹی ہوئی ہے۔"

"چچی جان کیسی ہیں؟" نبیلہ کے ہمراہ اندر کی طرف بڑھتے مسلسل سوال و جواب کا سلسلہ جاری تھا۔

"ٹھیک ہیں۔ کمرے میں لیٹی ہوئی ہیں بلکہ میڈیسن دے کر لٹایا ہے۔"

وہ شارق زمان کو لاؤنج کی طرف لے کر بڑھنے کو تھیں جب کہ شارق زمان دروازے پر ہی رک گیا۔

"میں نویرہ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟" ایک دم نبیلہ کے لبوں سے پھسلا تھا۔

"میرے پروپوزل سے انکار کیوں کیا اس نے؟"

"اس نے صرف آپ کے ہی نہیں' رضا کے پروپوزل سے بھی انکار کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ بالکل درست ہے۔ نواز نے اس کے ساتھ جو بھی کیا ہم جلد بازی میں اب اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گے۔ نواز کے اس عمل سے وہ کیا پورا خاندان سوالیہ نشان بن کر رہ گیا ہے۔ وہ پہلے ہی کرائسس سے گزر رہی ہے۔ ایسے میں اگر آپ اس سے اس سلسلے میں کوئی بات کرنا چاہیں گے تو وہ ہرٹ ہوگی۔" نبیلہ نے اپنے اسی مخصوص انداز میں باور کروایا تھا۔ شارق مسکرا دیا۔

"مگر میں پھر بھی اس سے ضرور ملنا چاہتا ہوں۔" اسپتال کے بعد شارق زمان نے دوبارہ نویرہ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو اماں' رفعت اور نواز کو قائل کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اب ان تینوں کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ اس طرف آیا تھا۔

"نویرہ شاید اچھا محسوس نہ کرے۔" نبیلہ ہچکچائی تھی۔

"میں یہ سمجھوں کہ آپ مجھے اس سے ملنے نہیں دے رہیں۔ اس پروپوزل کے علاوہ بھی ہمارا رشتہ ہے' آپ شاید بھول رہی ہیں۔" نبیلہ کے انکار پر شارق نے کچھ برہمی سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ اس کے کمرے میں چلے جائیں مگر میری ذمہ داری پر نہیں۔"

سر ہلاتے شارق زمان نے نویرہ کے کمرے کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ آج کتنے دنوں بعد آنکھوں کو اس کے چہرے کا دیدار ہونے جا رہا تھا جس کے تصور میں وہ ہر کام بھولے صرف اس کے حصول کے جتن کر رہا تھا۔ اس کی چال میں خوف تھا اور اعتماد بھی۔ سرشاری بھی تھی اور بے حسی بھی۔

اس نے ہولے سے دروازے پر دستک دی تھی۔

"آ جائیں....." اس رات کے بعد طلوع ہونے والی صبح میں نویرہ کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔ اب پھر اسی آواز نے شارق زمان کے دل و دماغ میں اک ہلچل سی مچا دی تھی۔ اپنا جرم کچھ کم اذیت ناک لگا تھا۔ کچھ قابلِ معافی محسوس ہوا تھا۔

شارق نے قدم اندر بڑھائے تھے۔ وہ قرآن پاک کو الماری میں رکھ کر پلٹ رہی تھی۔

"آ..... آپ!" شارق زمان کو دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی۔ اس کا چہرہ پل میں کئی رنگ بدل رہا

تھا۔ ایک دم نفرت کے ریلے نے اس کے اندر تلاطم برپا کیا تھا۔

"کیوں آئے ہیں؟" وہ ایک دم پھنکاری تھی۔ ایک دم ہوش میں آ کر وہ شارق کو اپنے سامنے دیکھ کر ساکت ہو گئی تھی۔ وہ اس چہرے کو' مکروہ چہرے کو عمر بھر نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"نویرہ.....!" شارق زمان اس کی اس درجہ نفرت دیکھ کر ایک پل کو اپنی جگہ منجمد ہوا تھا مگر پھر سر جھٹک کر اس نے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔

"خبردار! میرا نام لینے کی کوشش مت کیجئے گا۔ نکل جائیں میرے کمرے سے ورنہ میں چیخ چیخ کر سارے گھر والوں کو اکٹھا کر لوں گی۔ میرا کمرہ آپ کے گھر کے کمروں کی طرح ساؤنڈ پروف نہیں ہے۔" وہ ایک دم ہر حد سے گزر جانے کو تیار تھی۔ شارق زمان کو لگا اگر اس نے ایک قدم بھی مزید بڑھایا تو وہ واقعی اپنے کیے پر عمل کر دے گی۔ وہ وہیں رک گیا تھا۔

"تم سکون سے بیٹھ کر میری بات سن لو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔"

"بکواس نہیں..... نکل جائیں میرے کمرے سے۔ میں بڑی حیا کر رہی ہوں تمہاری جو تمہاری کرتوتوں سے ابھی تک سب بے خبر ہیں۔ یہ نہ ہو کہ میں خاندان کی عزت و وقار کو بھول جاؤں۔ ایک منٹ میں اپنی شکل گم کریں۔" نفرت ہی نفرت تھی۔ نویرہ کے لیے قتل کرنا جائز ہوتا تو ایک منٹ ضائع کیے بغیر اس شخص کو قتل کر دیتی۔ وہ اس وقت مجبور ہی نہیں بے بس بھی تھی۔

"نویرہ! تمہیں میری بات سننا ہوگی۔" اپنے جذبات کے سامنے شارق زمان کو نویرہ کی یہ جذباتیت محض حماقت ہی محسوس ہوئی تھی اس لیے کچھ سختی سے اسے ٹوکا تھا۔ بلکہ اس کی طرف قدم بھی بڑھائے تھے۔ نویرہ پل میں ٹھٹکی تھی۔ اس شخص پر کسی چیز کا اثر ہی نہ تھا۔

"خبردار! پیچھے ہٹ جائیں۔ میں کہہ رہی ہوں دفع ہو جائیں۔ آپ میرے سگے تایا کے بیٹے ہیں' مجھے خالہ اماں کی محبت مار رہی ہے ورنہ میرے ساتھ آپ نے جو کیا ہے' جو کرنے کی کوشش کی ہے وہ چیخ چیخ کر سب کو بتاتی۔"

"تم میرے کمرے سے باعصمت واپس لوٹی ہو۔" شارق نے اسے غصے سے کہا تھا۔

"شاید خوش قسمتی سے یا اپنی ماں کی دعاؤں سے ورنہ آپ نے تو مجھے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"نویرہ! مجھے جھٹلاؤ نہیں۔ میں تمہاری طرف بہت فیئر ہو کر بڑھا ہوں۔ میں اپنے جذبات سے مجبور ہوں' تم ایک دفعہ مجھے سن لو۔"

نویرہ کی رندھی آواز کا اثر تھا کہ رک کر شارق زمان نے دھیمے سے کہا تھا۔

"ہرگز نہیں..... آپ چلے جائیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں ساری عمر کسی سے آپ کے متعلق کچھ نہیں کہوں گی کہ اس میں میری بھی ذلت ہے۔ مجھے معاف کر دیں' میں نے آپ کو کبھی اچھا انسان سمجھا تھا' میری بھول تھی۔ مجھے معاف کر دیں۔ مجھے نہیں پتا تھا مکروہ انسان آپ جیسے خوبصورت چہروں میں چھپے ہوتے ہیں۔" وہ کچھ بھی سننے پر آمادہ نہ تھی۔ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی..... اور خوب

PDFSHARE.BLOGSPOT.COM

روئی۔ شارق زمان کے اندر ایک زبردست تحریک برپا ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو مظلوم اور حق پر سمجھ رہا تھا۔ نویرہ کا یوں رونا اسے بجائے ملامت زدہ کرنے کے' اشتعال میں مبتلا کر گیا تھا۔ دو قدم کا فاصلہ ایک ہی جست میں طے کیا تھا۔

''میری بات سن لو' نویرہ! میں سب کشتیاں جلا کر تمہاری طرف بڑھا ہوں۔ ساری عمر اپنے کیے کا بھگتان بھگتوں گا۔ اگر تم مجھے یوں جتلاؤ گی یا مجھے یوں شرمندہ کرنے کی کوشش کرو گی تو لاحاصل ہے۔ میں اپنا وہ ضمیر اسی صبح مار چکا ہوں۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ صرف حاصل کرنا ہی مقصد نہیں ہے۔ بات وجود کی نہیں' تمہاری ہے۔ وجود تو کہیں بھی کسی سے بھی حاصل ہو سکتا ہے مگر محبت کا کیا کروں جو تم سے ہو گئی ہے۔ تمہیں برا لگے یا نفرت کرو' مجھے پروا نہیں۔ میں اپنا آپ کبھی نہ کبھی تم سے منوا ہی لوں گا۔ تم انکار نہیں کرو گی۔ تمہیں مجھ سے شادی کرنا ہو گی۔ تمہارے پاس اب کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ نواز کے بعد بالکل بھی نہیں۔'' اس کے پاس رک کر اس کے چہرے سے دونوں ہاتھ ہٹا کر اس نے غصے سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

نویرہ تو شارق زمان کی اس جسارت پر ہی ہکا بکا تھی سختی سے اپنا ہاتھ کھینچ کر اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ بہت بھرپور پر طاقت طمانچہ تھا۔

''میری نفرت کا یہ جواب ہے۔'' وہ غصے سے پھنکاری تھی۔ نازک سے وجود میں برق سی لہر دوڑ گئی تھی۔ نہ جانے اتنی ہمت و طاقت کہاں سے آ سمائی تھی کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے شارق زمان کو دیکھا تھا۔ شارق زمان ایک پل کو تھما تھا۔ اس کے اندر مزاحمت غضب کی تھی۔

''نویرہ!'' اس نے جواباً ہاتھ اٹھانا چاہا تھا مگر درمیان میں ہی رک گیا تھا۔ ''تم میرے جذبوں کی توہین کر رہی ہو۔'' وہ جیسے خود سے ہی ہارا تھا۔

''میں ایسے جذبوں پر تھوکتی بھی نہیں ہوں۔'' جواب دوبدو تھا۔ ''ایسے گھٹیا مکروہ جذبوں کو محبت کا نام مت دو جس میں انسان' انسانیت سے ہی گر جائے۔ لعنت بھیجتی ہوں میں تم پر۔ تھوکنا بھی گوارہ نہیں ہے مجھے تم پر۔ دفع ہو جاؤ' شکل گم کرو اپنی۔ یہ نہ ہو کہ میں ہر لحاظ و مروّت بالائے طاق رکھ دوں۔'' وہ جیسے ان لمحوں میں کندن بن کر نکھری تھی۔ شارق زمان لب بھینچ گیا۔ ایسی ذلت' ایسی دھتکار کبھی دیکھی نہ تھی۔ وہ تو سر آنکھوں پر بٹھایا گیا تھا۔ جہاں بھی گیا تھا ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا۔ صرف اندر کے کمپلیکسز تھے جو اسے جینے نہیں دیتے تھے اور اب یہ لڑکی.....

''میں رفعت باجی کو پھر بھیج رہا ہوں۔ تم انکار نہیں کرو گی۔'' اپنے اندر اٹھنے والے غیض و غضب کے طوفان کو دباتے ہوئے اس نے اپنے موڈ اور مزاج کے قطعی برخلاف بہت سکون سے کہا تھا۔

''تم ساری عمر بھیجتے رہو۔ میرا یہی جواب ہو گا۔'' وہ سب لحاظ و مروّت پل میں فراموش کر گئی تھی۔

''تو پھر سن لو میں بھی بہت برا کروں گا۔'' غصے سے وہ پھر ضبط کھو گیا تھا۔

''میری بلا سے..... جو کر چکے ہو وہ کیا کم اچھا تھا۔'' طنز بھرپور تھا۔ ''اور میں کیا ساری عمر یہاں بیٹھی رہوں گی۔''

''نواز کی طرح ساری دنیا عقل مند نہیں ہوتی۔ نواز تو میری ساری بات سن کر خاموشی سے راستہ صاف کر گیا مگر آئندہ کوئی بھی چپ چاپ انکار نہیں کرے گا۔ ابھی تو صرف نواز برا بن رہا ہے پھر تم بھی انوالو ہو گی۔ کیا برداشت کر لو گی اپنی ذات کی اس درجہ ذلت و رسوائی۔ بے قصور ہوتے ہوئے بھی اپنی ذات پر کیچڑ برداشت کرو گی؟'' ٹھنڈے ٹھار لہجے میں گویا انکشاف ہوا تھا۔ اپنی جگہ مضبوطی سے جمی نویرہ ششدر رہ گئی۔

''کیا..... کیا بتایا نواز کو؟'' اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔ شارق زمان کو کچھ درجے سکون ہوا۔ چلو اندر کی تپش کچھ حد تک ادھر بھی منتقل تو ہو۔

''وہی جو اس رات ہمارے درمیان ہوا تھا..... اور کوئی بھی غیرت مند انسان ایک ایسی لڑکی کو اپنانے کی کبھی غلطی نہیں کرتا۔ نواز نے بہت عقلمندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اب میرے علاوہ تمہیں کوئی نہیں اپنائے گا..... اور یہی میرا مقصد تھا۔'' الفاظ تھے یا ایٹم بم۔ وہ بے تاثر نگاہوں سے دیکھے گئی۔ اس کے دماغ میں سائیں سائیں ہونے لگا تھا۔ اسے لگا جیسے شارق نے اسے آگ میں دھکیل دیا ہو۔ اس سے پہلے کہ اس انکشاف پر اس کے حواس شل ہوتے اور وہ تیورا کر گرتی' دھڑام سے دروازہ کھلا تھا۔

''شارق.....'' آنے والا غصے سے پھنکارا تھا۔

وہ تایا کے ساتھ آ تو گئی تھی مگر اس دفعہ پہلے کی طرح خود کو اس گھر میں سیٹ نہ کر پائی تھی۔ علی اور فرح کے ساتھ رویّہ نارمل ہی تھا۔ تایا جان بھی بھرپور محبت سے پیش آتے تھے۔ طاہرہ کے انداز و اطوار بھی وہی تھے۔ شوہر کی وجہ سے زرش کا وجود برداشت کرنے پر مجبور تھیں مگر اندر ہی اندر خون کھول رہا تھا۔ ہر پل دل چاہتا تھا کہ کچھ کر گزریں۔ اس عمر میں گزرے لمحوں کا حساب بے باق کر دیں۔ اسی طرح جس طرح شائستہ نے ان کی ہنستی مسکراتی زندگی میں آگ لگائی تھی اور اس آگ کی چنگاریاں اب بھی ان کا دامن جھلساتی تھیں۔ وہ روز مر مر کر جیتی تھیں اور جی جی کر مرتی تھیں مگر بے بس تھیں۔ سعید احمد صرف شوہر ہی نہیں ان کے بچوں کے باپ ہی نہیں' کبھی محبوب شوہر بھی تھے اور اب.....

جیسے جیسے شائستہ کی لڑکی کا تصور کرتیں' بدن سلگنے لگتا تھا۔ خون انتقام پر اتر آتا تھا اور وہ بے بس ہو جاتی تھیں کہ اس عمر میں ملال بڑھنے لگے تھے۔ کم عمری کی حماقت دل کا درد بن کر زخم زخم کرتی رہتی تھی۔ اپنے ملال دل دکھانے لگتے تھے۔ وہ ہر لمحے آبلہ پائی سے گزر رہی تھیں کہ سعید احمد نے انہیں اپنا کر دھتکارا ہی نہیں عمر بھر کے لیے بے حیثیت بھی کر دیا تھا۔ یہ نقصان انہیں سکون نہیں لینے دیتا تھا۔

زرش رات کو آئی تھی۔ صبح ناشتے پر اس کی سمعان احمد سے سلام دعا ہوئی تھی کہ رات سمعان کسی میٹنگ میں مصروف تھا اور رات لیٹ گھر آیا تھا۔

سمعان تو اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ بھی نظریں چرا گئی تھی۔ کالج جانا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر تایا کے ساتھ دونوں کالج کو نکلی تھیں۔ کالج سے واپسی پر سعید احمد نے ڈرائیور بھیج دیا تھا۔

ہنستی مسکراتی زرش کو فرح کے ساتھ واپس آتے دیکھ کر طاہرہ بیگم کا دل جھلسا گئی تھی۔ وہ سارا دن

BOOKSHELF.BLOGSPOT.COM

کمرے میں بند رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر پھر بند ہوگئیں۔ علی کی آمد پر تینوں بہت عرصے بعد مل کر خوش ہوئے تھے۔

شام کے سائے پھیلنے لگے تو سمعان اور سعید احمد دونوں خلاف روٹین کچھ جلدی گھر لوٹ آئے تھے۔ سعید احمد آئس کریم کا بڑا پیک لائے تھے۔ فرح تو دیکھ کر خوش ہو اٹھی تھی۔ فوراً زرش کے ساتھ مل کر آئس کریم کپوں میں نکالنے لگی۔ طاہرہ بیگم ابھی تک کمرے میں بند تھیں۔

"تمہاری ماں کہاں ہیں؟" سب کو آئس کریم کے کپ تھماتی فرح کو دیکھا۔

"کمرے میں ہیں۔"

"کیوں.....؟ آج کھانا پکانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے؟"

"پتا نہیں' آج ان کا موڈ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے ایک دفعہ پوچھا بھی تھا' ڈانٹ دیا تھا۔"

فرح کے جواب پر سعید احمد چپ رہ گئے۔ صاف سمجھ رہے تھے کہ یہ زرش کی آمد پر خاموش احتجاج ہے۔ وہ سر جھٹک گئے تھے۔

"ماجدہ کو کہو کھانا تیار کرے۔"

ماجدہ کے ساتھ مل کر فرح اور زرش نے کھانا تیار کیا تھا۔ زرش کے گریز کو محسوس کرتے ہوئے سمعان نے زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارا تھا۔ کھانا تیار کر کے فرح اور زرش نے ٹیبل پر لگا دیا تھا۔ طاہرہ بیگم کھانے کے بلاوے پر بھی کمرے سے نہیں نکلی تھیں۔ سمعان سمیت سب نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا۔

زرش یہ سب صرف دیکھ ہی نہیں' بہت کچھ محسوس بھی کر رہی تھی۔ اب وہ صرف دیکھنے اور کڑھنے کے بجائے کھلی آنکھوں سے حقیقت پرکھنے کی کوشش میں تھی کہ پہلے ہی اپنی حماقت سے وہ بہت کچھ سہہ رہی تھی۔ طاہرہ بیگم کا یہ رویہ کیا معنی رکھتا ہے؟ اس سوال نے اس کے اندر اودھم مچا رکھا تھا۔ کھانے کے بعد اس نے چائے تیار کی تھی۔ چائے سرو کرنے کی ذمہ داری اس نے فرح کے سپرد کی تھی۔ فرح سب کو چائے سرو کر کے طاہرہ بیگم کی طرف چائے کھانے کی ٹرے کی طرح ان کے کمرے میں پہنچا آئی تھی کہ ایسے مزاج میں ان کا کھانا پینا سب کمرے میں ہوتا تھا۔ فرح اور زرش اپنے اپنے کپ لیے لان میں چلی آئی تھیں۔

"تائی امی کا رویہ صرف ہماری ہی فیملی کے ساتھ ایسا کیوں ہے؟" چائے پیتے ہوئے وہ فرح سے پوچھنے سے خود کو باز نہ رکھ پائی تھی۔

"تم لوگوں کے ساتھ کیا ان کا اپنی فیملی کے ساتھ بھی یہی رویہ ہے۔ چھوڑو اس ٹاپک کو' کوئی اور بات کرو۔"

"پھر بھی کوئی تو وجہ ہوگی ہی۔ اتنی شدید نفرت' ایسا کیا جرم سرزد ہوگیا ہے ہمارے بڑوں سے کہ ان کی خطا تائی امی معاف کرنے میں ہی نہیں آ رہیں۔"

"یہ بڑے ہی بہتر جانتے ہیں۔ تم سناؤ' تم سمعان بھائی سے کیوں گریز کر رہی ہو۔" اس نے بات

ٹال دی تھی۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ ہمارے درمیان اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں ہوگی۔" زرش نے اسے فوراً یاد دلایا تھا۔ بلکہ کچھ حد تک سختی و سرد مہری تھی لہجے میں۔

"کیوں..... آخر کیا برائی ہے سمعان بھائی میں.....؟" وہ آج زرش سے اس ٹاپک پر تفصیلی بحث کرنے کے موڈ میں تھی۔

"فرح پلیز! وہ تمہارے بھائی ہیں مگر میں اپنی ذات میں خود مختار ہوں۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں میرا کتنا نقصان ہوا ہے۔ وہ تو اپنی بات واضح کر کے مطمئن ہیں جبکہ میں کن عذابوں میں مبتلا ہوں' کاش تم اندازہ لگا سکو۔"

"اسی مسئلے کو حل کرنا چاہتی ہوں۔ تایا زاد تو ایک طرف' سمعان بھائی کے حوالے سے بھی تم مجھے کس حد تک عزیز ہو' تمہیں شاید یقین نہ آئے۔"

"اسی لیے تمہیں منع کر رہی ہوں۔ سمعان بھائی صرف تایا زاد ہی نہیں' کزن اور سب سے بڑھ کر ایک بھائی کے رشتے سے معتبر ترین حیثیت میں رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے جو اپنائیت' محبت و بے تکلفی کا رشتہ بنایا تھا اس رشتے نے ہر پل مجھے صرف سگے رشتوں کا احساس دلایا تھا۔ اب ایک دم یہ بدلتی حیثیت میں کیسے قبول کر لوں کہ سمعان بھائی بدل گئے ہیں' ان کا مقام و مرتبہ بدل گیا ہے۔ میں لاکھ چاہوں بھی تو ان سے خفا نہیں رہ سکتی کہ ان سے خفا ہونا میرے بس میں نہیں مگر میں اپنی ذات کا دفاع کرنے میں حق بجانب ہوں۔ تائی امی کی نفرت اب میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ ان کی کبھی کی کہی بہت سی باتیں جو مجھے الجھائے رکھتی تھیں' اب میری عقل کی گرہیں کھول رہی ہیں۔ انہیں جو خوف ہے' وہ جس طرح میری آمد پر کمرہ نشین ہوگئی ہیں' کیا میں صورت حال کا درست سمت تعین نہیں کر رہی۔ کیا اب بھی تم یہ کہو گی کہ میرا رویہ' میرا احتجاج غلط ہے اور سمعان بھائی کا یہ انداز کیا بڑا خوش امید ہے؟" زرش نے بہت سنجیدگی سے فرح پر اپنی بات واضح کی تھی۔

"پھر بھی سمعان بھائی تم سے کس قدر فیئر ہیں۔ ان جیسے پریکٹیکل انسان سے کسی غیر جذباتی اقدام کی توقع محض حماقت ہے۔ تم سے وہ بہت مخلص ہیں اور پھر ابو بھی یہی چاہتے ہیں۔ تمہیں شاید علم نہیں انہوں نے چچا جان سے تمہارے متعلق بارہا بات کی ہے اور چچا جان محض امی کی وجہ سے چپ ہیں اور ابو خوف زدہ۔ ورنہ اب تک تمہاری اور سمعان بھائی کی نسبت کا اعلان پورے خاندان میں ہو چکا ہوتا اور قیصرہ خالہ جیسے لوگوں کا منہ بند ہو چکا ہوتا۔ سمعان بھائی نے منع کر رکھا ہے محض امی کی ضد کی وجہ سے۔"

"میں تایا ابو اور ماما کے اصرار پر آئی ہوں اور چاہتی ہوں کہ یہ چند دن پرسکون اور آرام سے بسر ہو جائیں۔ یہ ہمارے درمیان اس ٹاپک پر آخری گفتگو ہے۔ اس کے متعلق اب ہمارے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔ سمعان بھائی سے اس ٹاپک پر بات ہو چکی ہے۔ وہ اپنی بات کہہ چکے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں انہیں رد کروں یا قبول مگر ان سے بدظن نہ رہوں۔ میں ان کی طرف سے دل صاف کر چکی ہوں مگر اپنے رویے اب نارمل نہیں کر پاؤں گی۔ اگر وہ اپنے جذبات میں بے بس ہیں تو

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

میں بھی اپنی فیلنگز میں مجبور ہوں۔ وہ میرے لیے اب بھی وہی سمعان بھائی ہیں۔ ہاں بے تکلفی کا رشتہ وہ خود اپنے اقرار سے ختم کر چکے ہیں۔ عزت میں ان کی ساری عمر کروں گی مگر "سمعان بھائی" سے ہٹ کر انہیں کسی اور نگاہ سے دیکھنا بھی میرے لیے ممکن نہیں ہے' اور بس....."

"فرح.....!" سمعان احمد کی پکار پر دونوں ہی چونکی تھیں۔ نہ جانے وہ کب سے کھڑے تھے۔

اپنے عقب میں سے سمعان احمد کو آتے دیکھ کر زرش ٹھٹکی تھی۔ بغور سمعان احمد کو دیکھا مگر کچھ بھی اخذ نہ کر پائی۔

"تمہیں ابو بلا رہے ہیں۔" انہوں نے فرح کو پیغام دیا تھا۔ وہ فوراً الرٹ ہوگئی۔

"خیریت.....؟"

"ہوں۔" وہ کرسی پر ٹک گئے تھے۔ دوسری طرف زرش تھی۔

فرح جلدی سے اٹھی تھی۔ زرش چونک کر سیدھی ہوئی۔ تیزی سے اٹھ کر اس نے فرح کے عقب میں جانا چاہا تھا مگر جھٹکے سے رک گئی تھی۔ سمعان احمد نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کی پیش قدمی کی کوشش ناکام بنادی تھی۔

"رکو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس کے تیزی سے پلٹ کر دیکھنے پر سمعان نے وضاحت کی تھی۔

فرح جا چکی تھی۔ زرش نے بے بسی سے اسے جاتے دیکھ کر جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمارے درمیان اچھی خاصی بات چیت ہو چکی ہے۔ اب کچھ بھی کہنا فضول ہے۔" بہت رکھائی سے اس نے کندھے اچکائے تھے۔ سمعان احمد نے بغور دیکھا۔ اپنی ذات پر بہت پر اعتماد انداز تھا۔ سمعان احمد متاثر ہوا۔

"بیٹھو تو سہی....." اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر سمعان احمد نے نرمی سے کہا تھا۔ سمعان احمد کے لہجے کی نرمی محسوس کر کے وہ خاموشی سے کرسی پر ٹک گئی کہ بہر حال سمعان احمد سے اتنی حیا تو تھی ہی۔

"جی کہیے۔" انداز ایسا تھا کہ جیسے اگلے ہی پل اٹھ کر بھاگ جائے گی۔ سمعان احمد مسکرا دیا تھا۔

"مجھے علم نہیں تھا کہ میری ذات سے متعلق یہ انکشاف تمہاری اندرونی و بیرونی صفات کو اس قدر خیرہ کن کر دے گا۔ عقل پر کافی خوشگوار اثر ہوا ہے۔ آئی لائیک اٹ۔"

زرش تو بھک سے اڑ گئی۔ خفا ہو کر سمعان کو دیکھا۔ سمعان احمد کے چہرے کی دلنشین بھرپور مسکراہٹ اس کی شخصیت کو چار چاند لگا رہی تھی۔ وہ فوراً نظریں چرا گئی۔

"مجھ پر طنز کر رہے ہیں۔" وہ حقیقتاً برا مان گئی تھی۔

"بالکل نہیں۔ تمہیں سراہ رہا ہوں۔ ویسے عقل کے علاوہ اور کیا کیا نکھرا ہے؟" انداز ذرا بھی سنجیدہ نہ تھا۔ زرش نے شکایتی انداز میں سمعان کی طرف دیکھا۔ اسے مکمل یقین ہو گیا تھا کہ سمعان احمد نے اس کی فرح سے گفتگو سن لی ہے۔

"آپ کو اندازہ ہے' تائی امی کو جب علم ہوگا وہ کس قدر برہم ہوں گی۔ فوراً میرا داخلہ اس گھر میں

بند کر دیں گی۔ پہلے ہی میری ذات ان کے لیے وجہ تنازعہ رہتی ہے اور اب وہ جو بھی کریں وہ کم ہوگا۔" سمعان احمد کی غیر سنجیدگی اسے سخت اذیت سے دوچار کر گئی تھی اسی لیے تلخی سے باور کرانے کی کوشش کی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ میری سب طرف نگاہ ہے۔ امی کے مزاج اور ارادوں سے بہر طور باخبر ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ میں ان دو محاذوں پر لڑنے کے بجائے پہلے تمہیں قائل کروں اور پھر امی کو۔ کچھ غلط فہمیاں ہیں جنہوں نے ان رنجشوں کو بڑھاوا دیا ہے ورنہ وہ دل کی بری تو کبھی بھی نہیں ہیں۔ انا و خودداری کے مسئلے ہیں جنہوں نے امی ابو کو اپنی اپنی بات پر قائم رہنے پر مجبور کیا ہوا ہے ورنہ قیصرہ خالہ جیسے لوگ اتنے پاور فل نہیں ہوتے کہ گھر بکھر جائیں۔ جہاں تک امی کے رویے کا سوال ہے اس جانب تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔ میں دونوں خاندانوں میں حائل رنجشوں کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ کیا مدد نہیں کرو گی میری.....؟"

"ضرور کروں گی مگر اس طرح کبھی نہیں جس طرح آپ چاہتے ہیں۔" سر جھکائے کرسی کے بازو پر انگلی پھیرتے اس نے کہا تھا۔

"میرے لیے تمہارا مان جانا ہی کافی ہے۔ میں اپنے جذبوں میں سچا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ صبح ضرور طلوع ہوگی جب دلوں میں رنجشوں کے بجائے محبتوں کے سمندر موجزن ہوں گے۔ رہا تمہارے مجھے رد یا قبول کرنے کا سوال تو مجھے یقین ہے میں بہت جلد تمہارے دل تک رسائی حاصل کر ہی لوں گا۔" سمعان کی اس قدر واضح' براہ راست گفتگو سے وہ سٹپٹا گئی تھی۔ اس نے سختی سے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کوئی ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔

"بھول ہے آپ کی....." وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

سمعان احمد نے رات کے اندھیرے میں لان میں جلتی ہوئی ٹیوب لائٹ کی روشنی میں اس کا چہرہ دیکھنا چاہا تھا مگر وہ فوراً چہرہ موڑ گئی تھی۔

"سنو!" وہ بھاگنے کو تھی جب پکارنے پر رک سی گئی تھی۔

"بھول نہیں' یقین راسخ ہے۔ پہلے تو تم لاعلم تھیں تو میری پوری کوشش رہی تھی کہ تم لاعلم ہی رہو مگر اب بات کھلی ہے تو میں وقت و حالات کو اپنے بس میں کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ بس آج کل میں ابو سے صاف بات کرنے والا ہوں۔" زرش نے بے حد گھبرا کر پلٹ کر سمعان کی شکل دیکھی۔

"اور میرا نہیں خیال کہ چچا جان کو کوئی اعتراض ہوگا۔ اگر ایسا کوئی اعتراض ہے بھی تو انہیں قائل کرنا میرے لیے مشکل نہیں ہے۔ رہا امی کا سوال تو اک عمر پڑی ہے ان کو راضی کرنے کے لیے۔ وہ میری ماں ہیں اور ماں کبھی اولاد کی خوشی کا قتل نہیں کرتی۔ میرا خیال ہے تم اب اپنا مائنڈ تبدیل کرنا شروع کر لو تو سہولت رہے گی۔" سمعان اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو وہ بے یقینی سے دیکھے گئی۔

"نہیں' آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔" سمعان احمد کی باتوں نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ فوراً انکاری ہوئی۔

BOOKSPOT.BLOGSPOT.COM

"کیوں؟ میں ساری عمر تمہارے راضی ہونے کا انتظار نہیں کروں گا۔ تمہیں راضی کرنے' منانے کو عمر پڑی ہے۔ اصل مسئلہ تو امی کا ہے اور میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔"

"پلیز نہیں..... آپ ایسا نہیں کریں گے۔" سمعان احمد کے دوٹوک انداز پر زرش کو رونا آنے لگا تھا۔

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہے..... میں نے آپ کو ہمیشہ سمعان بھائی ہی سمجھا ہے۔ کبھی کسی اور نگاہ سے دیکھا ہی نہیں۔" وہ بس رو دینے کو تھی۔ سمعان نے مسکرا کر ایک قدم مزید بڑھایا تھا۔

"تو اب دیکھ لو۔ ٹھیک ہے دلوں کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں مگر تمہارے دل میں میرے لیے گنجائش تو ہے نا' بس رشتہ بدلنے کی دیر ہے اور میرا خیال ہے رشتہ بدلنے سے تمہیں' مجھے سمعان احمد کی نگاہ سے دیکھنے میں کافی سہولت ہوگی۔" زرش کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تو ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔ وہ سمعان احمد کو اپنا مطمح نظر سمجھانے سے قاصر تھی۔

"مجھے مجبور نہ کریں..... میں بے بس ہوں۔ بہت تکلیف ہو رہی ہے مجھے آپ کے الفاظ سے۔" رندھی آواز میں اس نے کہا تو سمعان احمد نے بہت آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بائیں ہاتھ سے اس کے ہاتھوں کو چہرے سے ہٹا دیا تھا۔ روتا چہرہ رات کے اس پہر مدھم روشنی میں دل پر قیامتیں برپا کر گیا تھا۔

پہلے تو زرش کی لاعلمی کی وجہ سے سمعان نے خود کو کبھی بے بس نہیں ہونے دیا تھا مگر اب دل کو کیا کچھ نہ ہوا تھا۔

"مگر میں مجبور ہوں' زرش! میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ حالات میرے حق میں نہیں ہیں مگر اس سے پہلے کہ حالات بس سے باہر ہوں میں کوئی تدبیر کرنا چاہتا ہوں۔ تم پر زبردستی نہیں ہے۔ آخری فیصلہ تمہارا ہی مقدم ہوگا مگر مجھے رد نہیں کرنا۔ جذبے انسان کو ہراتے ہیں' تم اپنے دل کو سمجھاؤ تو۔ یہ اتنا مشکل امر نہیں۔ میں زندگی کے ہر موڑ پر تمہاری ڈھال بنوں گا۔ مجھ پر یقین کرو تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ امی کی ناپسندیدگی وقتی ہے۔ انشاء اللہ ان کو قائل کرلوں گا۔ تم مجھے اذن سفر دو تو سہی۔ مجھ پر اعتبار تو کرو۔ میرا وعدہ ہے تم کبھی ناامید نہیں ہوگی....." سمعان احمد اپنے اسی مخصوص بردبار متحمل مزاج لیے اسے قائل کرنے کی کوشش میں مصروف تھے اور زرش رونا دھونا بھول کر خالی الذہن سے سمعان کی طرف دیکھ رہی تھی..... ان کی باتوں کا متن سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

نبیل کو غصے سے شارق زمان کی طرف بڑھتے دیکھ کر نویرہ کے مختل حواس مزید بے قابو ہوئے تھے۔

"نبیل بھائی!" وہ حلق پھاڑ کے چیخی تھی مگر نبیل نے ایک ہی جست میں شارق کا گریبان تھاما تھا۔

"تم اتنے گھٹیا ذلیل ہو سکتے ہو' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

نبیل بھائی شارق زمان پر پل پڑے تھے۔

"نبیل..... حد میں رہو..... ہاتھ میں بھی اٹھا سکتا ہوں۔" گریبان جھنجوڑنے پر شارق بھی آپے سے باہر ہوا تھا۔

"اٹھاؤ ہاتھ..... اٹھاتے کیوں نہیں..... میری بہن کوئی بے سہارا لڑکی نہ تھی۔ اتنا کچھ اس کے ساتھ کر کے اب میرے ہی گھر میں کھڑے دھمکیاں دے رہے ہو۔ میں قتل کر دوں گا تمہیں۔" نبیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ واقعی شارق زمان کا گلا دبا دے۔ بری طرح اس کا گریبان کھینچا تھا۔ شارق جیسا مضبوط ڈیل ڈول والا انسان لڑکھڑا گیا تھا۔ وہ تو نبیلہ نے اطلاع دی تھی کہ شارق نویرہ سے ملنے آیا ہے۔ وہ فوراً کمرے سے نویرہ کے کمرے کی طرف آئے تھے مگر یہاں تمام حقیقت سے آگاہی کے بعد نبیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کھڑے کھڑے شارق زمان کو زندہ درگور کر دے۔

نویرہ جو پہلے ہی حواس کھو رہی تھی دونوں کو گتھم گتھا دیکھ کر آگے بڑھی تھی۔

"نبیل بھائی....." آواز کہیں حلق میں ہی اٹک گئی تھی۔ نویرہ تیورا کر فرش پر گری تھی۔

"نویرہ....." نویرہ کو گرتے دیکھ کر نبیل' شارق کو وہیں چھوڑ کر اس کی طرف لپکا تھا۔ وہ منہ کے بل گری تھی۔ ہونٹ پھٹا تھا۔ پورا چہرہ خون سے رنگین ہونے لگا تھا۔ شارق سب دیکھ رہا تھا۔ نبیل نے نویرہ کو سیدھا کیا تو خون دیکھ کر حواس بے قابو ہونے لگے۔

"نویرہ!..... نویرہ.....!" اس نے بے ہوش وجود کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"نبیلہ بھابی....." حلق کے بل چیخا تھا۔ نبیلہ بھابی بھاگی آئیں مگر اندر کی صورت حال دیکھ کر تو ان کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔

"کیا ہوا ہے اس کو؟"

نبیل نے قہر آلود نگاہ شارق پر ڈالی جو خود گم صم انداز میں نویرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"نبیلہ اسے کہو..... یہاں سے چلا جائے ورنہ ایک منٹ کی دیر کیے بغیر میں اسے قتل کر دوں گا۔ نویرہ کوئی بے سہارا کمزور لڑکی نہیں تھی۔ اب یہ بات خاندانی عزت کی ہے۔ نواز سے تو نمٹ لوں گا' سب سے پہلے اس شخص کو موت کے گھاٹ اتاروں گا۔"

نویرہ کو اٹھا کر بستر پر ڈالتے نبیل کے اندر غیض و غضب کے ابال اٹھ رہے تھے۔ غیرت پر بن آئی تھی۔ بات کوئی چھوٹی نہ تھی۔

"ہیں..... کیا ہوا ہے....." نبیلہ جو اصل صورت حال سے بے خبر تھی' ہکا بکا رہ گئی۔

"عزت پر تو جانیں قربان کر دی جاتی ہیں..... اور یہ شخص اپنے ہی خاندان کی عزت کو برباد کر رہا ہے۔ لعنت ہے تم پر..... دفع ہو جاؤ..... ورنہ میں تمہیں مار دوں گا....."

نبیل نے اشتعال سے آگے بڑھ کر شارق زمان کو باہر کی طرف دھکیلا تھا۔ نبیلہ تو نبیل کے الفاظ سن کر ہی گم صم ہو گئیں اور نبیل کے ساتھ شارق زمان کا رویہ دیکھ کر ششدر ہو گئیں۔ نویرہ کی بے ہوشی' نبیل کے تیور اور شارق کا انداز۔ وہ تو کچھ بھی نہ سمجھ کر بہت کچھ سمجھ رہی تھیں۔

"نبیل.....! تم اچھا نہیں کر رہے۔ مجھ پر ہاتھ اٹھا کر اچھا نہیں کیا۔" اس قدر ذلت پر شارق زمان بھی بے قابو ہوا تھا۔ انگلی اٹھا کر دھمکی دی تھی۔

"شکر کرو زندہ سلامت تمہیں دفع کر رہا ہوں ورنہ گلا دبا دوں تمہارا تو وہ بھی کم ہے۔"

POKSTUFF.BLOGSPOT.COM

نبیلہ آگے بڑھ کر نویرہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔

''دیکھ لوں گا تمہیں اور تمہاری بہن کو بھی..... نویرہ احسان اب صرف میری ہے۔ سن لو تم.....''

غصے سے پھنکارتے وہ تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔ نبیل نے انتہائی بے بسی و تکلیف سے دیوار پر مکا مارا تھا۔

❁.....❁.....❁

سمعان احمد کی باتوں سے ذہنی خلفشار ایک دم بڑھا تھا۔ عقل کے معاملے میں وہ پہلے ہی خاصی کم رہی تھی اوپر سے سمعان احمد کی باتیں اسے ذہنی کچوکے لگاتی رہی تھیں۔ وہ گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔ تایا کے ہاں آئے پانچواں دن تھا۔ اس نے بارہا جانے کی کوشش کی تھی مگر تایا جان ہر بار منع کر دیتے تھے۔ دوسری طرف شائستہ بیگم فون پر فون کر رہی تھیں مگر سعید احمد ہر بار ٹال جاتے تھے۔

سمعان احمد کی طرف سے وہ اب خوفزدہ ہو گئی تھی۔

وہ تو تائی امی کی کڑی نگاہوں سے ہمہ وقت خائف رہتی تھی۔ وہ کھلنڈری سی شوخ چنچل زرش کہیں کھو سی گئی تھی۔

اتوار کا روز تھا۔ اس کو یقین تھا کہ آج تایا جان اسے واپس جانے دیں گے۔ اس نے اپنا بیگ تیار کر کے رکھ لیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اب مزید یہاں ٹھہرنے والی نہیں۔

طاہرہ بیگم کے تیور اب اسے مزید کسی بھی طرح برداشت کرنے والے نہ تھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ابھی معمولات شروع بھی نہیں ہوئے تھے کہ صبح صبح قیصرہ خالہ آ گئی تھیں۔ زرش کو دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔ باتوں ہی باتوں میں ہزار ہا طنز پروئے تھے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو زرش دوبدو جواب دیتی مگر بغیر کسی بدمزگی کے وہ خاموشی سے فرح کے ساتھ مل کر اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔

سمعان احمد ناشتے کے بعد اپنے کمرے میں بند تھے جب کہ سعید احمد ناشتے کے بعد کہیں باہر نکل گئے تھے۔ انہیں دراصل صبح صبح قیصرہ بیگم کی آمد ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ یہ عورت کچھ کہنے سے کبھی باز نہیں آئے گی۔ جواباً وہ بھی برہم ہوں گے۔ وہ حفظِ ماتقدم کے طور پر منظر سے ہی غائب ہو گئے تھے۔

فرح نے اسے لاؤنج سے کچھ پینٹنگز لانے کو کہا تھا جو اس نے کل ہی علی کے ہاتھ منگوائی تھیں۔ لاؤنج میں ہی ایک کونے میں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ان کو اپنے اور علی کے کمروں میں سجانا چاہتی تھی۔

''تمہاری بھی عقل گھاس چرنے گئی ہے۔ آگ اور پانی کا کھیل شروع کر رکھا ہے گھر میں۔ تم ساری عمر عقل سے کام نہ لو گی۔ تمہیں تو چاہئے تھا کہ پہلی فرصت میں اس چھٹانک بھر کی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر چلتا کرتیں۔''

قیصرہ بیگم کی پاٹ دار آواز نے زرش کے قدموں میں زنجیر ڈالی تھی۔

''تو کیا کروں۔ میری جان مصیبت میں ہے۔ سعید احمد تو جان بوجھ کر مجھے ضد دلا رہے ہیں۔ جان بوجھ کر اسے لائے تھے اور اب انہیں پتا ہے میں ناراض ہوں مگر واپس نہیں بھیج رہے۔''

''اپنے بہن بھائیوں سے متعلق سعید احمد کا رویہ تو ساری عمر یہی رہا ہے۔ تم ہی جم جایا کرو۔ جوان اولاد کی ماں ہو۔ ایک بچہ مرد کو دے کر عورت قدم جما لیتی ہے اور تم ابھی تک اسی حال میں..... ساری عمر پھونک دی تم نے ایک مرد قابو میں نہ ہوا تمہارے۔'' قیصرہ خاتون کا انتہائی برہم ہتک آمیز انداز بہت توہین آمیز تھا۔

زرش گم صم سی رہ گئی۔

''تو کیا کروں' بچھ جاؤں اس مرد کے قدموں میں۔ میں تو یہ بھی کر لوں اگر یقین ہو کہ وہ میرے لیے عام معافی کا اعلان کر دیں گے۔ رات تو انہوں نے حد کر دی۔ صاف کہہ دیا کہ میں ان کے ساتھ جا کر سعود احمد سے رشتے کی بات کروں۔ لڑکی یہاں بٹھا رکھی ہے اور رشتہ اس کے ماں باپ سے ناک رگڑ کر مانگوں.....''

زرش کو اپنے اعصاب سخت مزاحمت کا شکار ہوتے محسوس ہوئے۔

تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔

''ہیں..... اتنا کچھ ہو رہا ہے اور تم نے مجھے فون تک نہ کیا.....؟'' قیصرہ خالہ حیران تھیں۔

''فرح اور علی اب بہت نوٹ کرنے لگ گئے ہیں۔ اسی لیے کال نہ کر سکی۔ پھر میں آپ سے روبرو بات کرنا چاہتی تھی اسی لیے آج آپ کو بلایا ہے۔''

'اچھا..... اور یہ سمعان کیا کہتا ہے۔ کافی عرصے سے تم نے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ دماغ سے اس کے عشق کا بھوت اترا ہے کہ نہیں..... یا پھر یہ نیا شوشہ صرف سعید احمد کا چھیڑا ہوا ہے۔''

''یہی تو بتانا چاہ رہی ہوں آپ کو۔ اب کے یہ سارا کھڑاک ہی سمعان احمد کا پھیلایا ہوا ہے۔ زرش یہاں ہے' میں سائے کی طرح اس کے پیچھے ہوں۔ سمعان بہت زیادہ سنجیدہ ہے۔ اس نے شاید کل پرسوں باپ سے بات کی تھی۔ اس کی شہ کا نتیجہ ہے کہ سعید احمد مجھ پر زور دے رہے ہیں۔''

''ہیں..... سمعان اس حد تک چلا گیا ہے اور زرش کیا کہتی ہے؟'' تعجب آمیز انداز میں سوال ہوا تھا۔

''جھوٹ کیوں کہوں' غصہ اور ناراضی ایک طرف' زرش تو سمعان کی پیش قدمیوں پر مسلسل انکاری ہی ہے مگر کب تک..... جب سعید احمد اس کے باپ کو مجبور کریں گے اور ماں باپ راضی ہوں گے تو لڑکی کیسے نہیں مانے گی اور لڑکا بھی اگر میرے سمعان جیسا ہیرا ہو تو.....''

''یہ خوب بتا رہی ہو تم..... نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے اور میرا کیا ہوگا' تم نے تو مجھے زبان دے رکھی تھی۔ فوزیہ کے ابا تو اپنی بہن کی محبت میں دبلے ہو رہے ہیں۔ میں ہی زور دے رہی ہوں۔ وہ تو اب راضی تھے اور تم نے یہ خوب کہی..... میں تو ذلیل ہو جاؤں گی ساری سسرال میں.....'' ان کے لہجے میں زمانے بھر کی بے چارگی در آئی تھی۔

''تو آپ ہی بتائیں کیا کروں۔ میں تو سوچ سوچ کر ہاری ہوں۔ مجھے تو لگتا ہے یہ مسئلہ گلے کی ہڈی بنتا جا رہا ہے جو نہ نگلی جا رہی ہے اور نہ ہی اگلی.....'' طاہرہ بیگم رونے لگ گئی تھیں۔

''رونے سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔ عقل کا استعمال کرو..... اچھا یہ تو بتاؤ' سمعان کا زرش سے رویہ

PDFSHARE.BLOGSPOT.COM

کیسا ہے۔ میرا مطلب ہے لڑکی' لڑکا آمنے سامنے ہوں' جوان ہوں تو ہزار ہا قصے کہانیاں بننے کو تیار ہوتی ہیں۔ تم کہہ رہی ہو نا کہ تم سائے کی طرح زرش کی نگرانی کر رہی ہو۔ کچھ تو دیکھا اور محسوس کیا ہوگا.....؟"

زرش کا جی چاہا وہ ایک سیکنڈ کی تاخیر کیے بغیر اندر جائے اور قیصرہ بیگم کا منہ نوچ لے۔ اتنی گھٹیا بات۔ اس کا شرم سے مرنے کو جی چاہا۔ وہ کم عقل ضرور تھی مگر اب اتنی بچی بھی نہ تھی کہ گفتگو کا یہ متن نہ سمجھ پاتی۔

"آپا خدا کو مانیں۔ سمعان' زرش کی طرف انوالو ضرور ہے مگر میرا بیٹا ہے۔ حد درجہ اخلاقیات کی پاسداری کرنے والا ہے۔ جیسا آپ سوچ رہی ہیں ایسا کچھ بھی نہیں..... اور جہاں تک زرش کی بات ہے وہ کم عمر سی لڑکی ہے۔ جس طرح سمعان اسے قائل کرنے میں لگا ہوا ہے کسی کچے ذہن کی مالک ہوتی تو اب تک قائل ہو چکی ہوتی..... پھر آپ شائستہ کو جانتی نہیں' بیٹیاں ماں کا پرتو ہوتی ہیں۔ ہادیہ اور نوشی کو دیکھا نہیں آپ نے۔"

"پھر بھی تمہیں چاہیے کہ نگاہ رکھو....." طاہرہ بیگم کے بھرپور دفاع پر انہوں نے کھسیا کرتا کید کی تھی۔

"ہاں' نگاہ تو رکھ رہی ہوں۔ آپا کوئی حل بتائیں' یہ سارا قصہ بھی نبٹ جائے اور بات بھی بنی رہے۔ یہ طے ہے میں جیتے جی شائستہ کی اولاد کے لیے کبھی ہاں کہنے والی نہیں۔"

زرش جو اپنے متعلق ان کی کچھ مثبت سوچ سن کر پرسکون ہوئی تھی ان کے لہجے کی تلخی و نفرت محسوس کر کے پھر رنجیدہ ہونے لگی۔

"تو صحیح ہے نا' تم ہاں بھی کیوں کہو..... سعید احمد کو احساس کرنا چاہیے اب تمہارا۔ اس عمر میں یہ ضد' یہ انا جچتی نہیں اسے۔ سنو طاہرہ! تم اب بھی وہی کرو جو شائستہ کو اس گھر سے نکالنے کے لیے تم نے کیا تھا۔ سارا خاندان تو نہیں مگر بہت سے لوگ سعود احمد کے علیحدہ ہونے کی وجہ جانتے تو ہیں نا۔ کون اصل حقیقت جانتا ہے۔ جو میں' تم بتائیں گے وہی سمجھیں گے نا..... تم ساری عمر بھی انکار کرو تو سعید احمد کی ضد نہیں ٹوٹنے والی۔ جبکہ سمعان بھی راضی ہے۔ تم خاموشی سے وہی کھیل کھیلو۔ سعید احمد کی ضد ٹوٹے یا نہ ٹوٹے سعود احمد کبھی سمعان کے لیے ہاں نہیں کرے گا۔ اتنی انا ہے اس شخص میں اور بیوی بھی اکڑ جائے گی۔ ہادیہ والا معاملہ تو تم اچھی طرح جانتی ہی ہونا....."

اب کے زرش کے کچھ پلے نہیں پڑا تھا تاہم وہ الجھ ضرور گئی تھی۔

"خدا کے لیے آپا اب میں ایسے کسی بھی مشورے پر عمل نہیں کرنے والی۔ عثمان تو ایسا خفا ہے مجھ سے کہ اسلام آباد جا بسا۔ میرا تو دل جل گیا ہے۔ سعید احمد جو فرح اور علی کی پیدائش کے بعد تھوڑا بہت دھیان دینے لگے تھے اس سے بھی گئی۔ پھر یہ تو بہتان ہوگا کوئی اور حل نکالیں۔"

"لو' تمہارا بھی کوئی جواب نہیں۔ دیورانی سے الجھی بیٹھی ہو اور مجھے کہتی ہو ایسے مشورے پر عمل نہیں کروں گی۔ تو پھر کاہے کو اعتراض ہے زرش کے لیے۔ سیدھے سے جاؤ' ناک رگڑ کر معافی مانگ کر

دیور سے رشتہ مانگو' شاید اس عمر میں ہی سہی' سعید احمد کو بھی رحم آ جائے تم پر....." وہ طنز کرنے سے باز نہ آئی تھیں۔

"آپا! خدا کے لیے طنز نہ کریں۔ اس برے وقت میں ایک آپ ہی تو آسرا ہیں۔ کس سے اپنا دکھ کہوں' جس سے بھی بات کرتی ہوں سب کہتے ہیں میرا اپنا قصور ہے اور اب آپ بھی مجھے ہی جتا رہی ہیں۔ پہلے بھی تو آپ نے ہی مشورہ دیا تھا۔ کیا فائدہ شائستہ لوگوں کے جانے کا۔ میری اپنی اولاد ہی مجھ سے بدظن ہو گئی۔ اب سمعان کا ردعمل میں سہہ نہیں سکوں گی۔" طاہرہ بیگم باقاعدہ رو رہی تھیں۔

"دیکھو طاہرہ! یہ دنیا ایسی ہی ہے۔ اپنا مطلب نکالنے والی۔ تم بھول گئی ہو وہ وقت جب شائستہ کی الزام تراشیاں سن کر سعید احمد نے تمہیں گھر سے نکالا تھا۔ بچے تک چھین لیے تھے۔ سمعان چھوٹا سا تھا تب یہی شائستہ سب کی آنکھوں کا تارا بنی ہوئی تھی۔ اس وقت جو شائستہ نے کیا تھا وہ بہتان نہیں تھا کیا۔ تم تو رہنے ہی دو۔ اب کے میں بولوں گی موقع ملنے دو۔ برے کو برا ہی انجام ملنا ہے۔ پھر کاہے کو فکرمندی۔ تب شائستہ کو حیا نہ آئی تھی جواب تم اس کی بچیوں کی حیا کرو گی۔ یہ دنیا مطلب کی ہے۔ اپنا مطلب نکالو۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے تو انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑتی ہیں۔ کچھ نہیں کرے گا' سمعان احمد۔ وہ عثمان کی طرح نہیں۔ اسے تمہارا بڑا خیال ہے۔ رہ گئی سعید احمد کی بات۔ وہ پہلے کون سا تمہیں سکھی رکھ رہا ہے جو اب تمہاری طرف ملتفت ہوتا۔"

نہ جانے کیا بات تھی' بہت کوشش کے باوجود زرش نہ سمجھ پائی تھی۔ اندر اب دھیمے سروں میں گفتگو ہو رہی تھی۔ زرش کوشش کے باوجود ایک لفظ تک رسائی حاصل نہ کر پائی تھی۔ وہ انتہائی ملال اور اذیت کا احساس لیے بغیر اندر واپس پلٹی تھی مگر فرح کو اپنے عقب میں کھڑے دیکھ کر رک گئی۔

"تم....."

فرح کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے کھڑی تھی اور بہت کچھ سن چکی تھی۔

"ہاں تمہارا انتظار کرتے تمہیں ہی تلاش کرنے نکلی تھی۔" وہ اسے جواب دے کر اندر چلی گئی تھی۔

تصاویر لے کر وہ واپس آئی تو زرش وہیں کھڑی تھی۔

فرح کا چہرہ سرخ انگارہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"سنو زرش! تمہیں علیحدہ رہنے کی ضرورت نہیں۔ میرے ساتھ کمرے میں چلو۔ میرے ساتھ ہی رہنا۔ ابو آتے ہیں تو ان کے ساتھ واپس چلی جانا۔"

زرش اس ہدایت نامے پر ٹھٹکی۔

"کیوں.....؟ خیریت.....! تم نے بھی اندر کی باتیں سنی ہیں؟"

"ہاں..... اور پلیز اب یہاں سے ہٹو۔ قیصرہ خالہ کے سامنے جانے کی ضرورت بھی نہیں..... چلو میرے ساتھ....."

وہ اسے لیے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ کمرہ نئے سرے سے ترتیب دیا جا چکا تھا۔ وہ فرح کے ساتھ دوبارہ ہاتھ بٹاتی رہی تھی مگر وہ جو کچھ بھی سن چکی تھی وہ اسے مسلسل الجھائے دے رہا تھا۔ فرح

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

بہت گم صم اور خاموش تھی۔ زرش کا کئی بار جی چاہا کہ اس سے پوچھے' بات کرے۔ ایسا کیا کرنا چاہتی تھیں قیصرہ خالہ جو پہلے بھی کیا جاچکا تھا۔ وہ بہت ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

وہ قیصرہ خالہ کے شیطانی دماغ تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر تھی۔

طاہرہ بیگم کی چند باتیں اس کے دل و دماغ کو کلک کررہی تھیں۔

قیصرہ بیگم سے اچھائی کی توقع عبث تھی۔ وہ ان عورتوں میں شامل تھیں جو دوسروں کا گھر برباد کرنے میں ماہر تھیں۔ باقی وقت وہ فرح کے ساتھ ہی لگی رہی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ دوپہر کو گھر چلی جائے گی مگر تایا ابو واپس نہیں لوٹے تھے۔ جانے کو وہ علی کے ساتھ بھی جاسکتی تھی مگر وہ سعید احمد کی اجازت سے جانا چاہتی تھی۔ دوپہر کا کھانا طاہرہ بیگم نے ہی تیار کیا تھا۔

فرح اپنے کمرے میں سارا وقت رہی تھی اور اس نے زرش کو بھی کمرے سے نکلنے سے منع کردیا تھا۔

"کیوں.....؟" دونوں کھانے کے بعد کمرے میں آئی تھیں اب کے زرش گھر فون کرکے ماما سے بات کرنا چاہتی تھی اسی لیے اس نے باہر نکلنا چاہا تھا۔ فرح کے کمرے میں جو ایکسٹینشن ہوتا تھا وہ اب غائب تھا۔ وہ لاؤنج میں جاکر کال کرنا چاہتی تھی مگر فرح نے روک دیا تھا۔

"امی اور خالہ کی باتیں تم نے بھی سنی ہیں اور اپنی خالہ کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ شیطانی ذہن کی مالک ہیں وہ۔ مجھے نہیں پتا انہوں نے یا امی نے اس سے پہلے عثمان بھائی یا چچی جان کے ساتھ ایسا کیا کیا کہ نوبت یہاں تک پہنچی ہے مگر اپنی ماں کو میں بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ قیصرہ خالہ کا انہیں اپنے کسی بھی گھٹیا پلان میں شامل کرنا اور ذہنی طور پر تیار کرنا بائیں ہاتھ کا کام ہے اور ہماری امی قیصرہ خالہ کی ہر بات پر (جائز و ناجائز) آنکھیں بند کرکے عمل کرتی ہیں چاہے اس سے نقصان ان کی اپنی اولاد کو ہی کیوں نہ پہنچے۔" بہت زہر خند اور تلخ لہجہ تھا۔

"پھر بھی وہ زیادہ سے زیادہ کیا کریں گی' مجھ سے الجھ پڑیں گی۔ برا بھلا کہہ لیں گی۔ اس سے زیادہ وہ کیا کرلیں گی۔"

"تمہیں زیادہ ہی شوق ہے خود کو تجربوں کی بھینٹ چڑھانے کا تو بصدِ شوق باہر جاؤ پھر مجھے نہ کہنا کہ میں نے سمجھایا نہیں تھا۔ اپنی ماں اور خالہ کی فطرت سے اچھی طرح سے واقف ہوں۔ ان سے کسی بھلائی یا اچھائی کی توقع عبث ہے۔ قیصرہ خالہ کسی کی بربادی کا تو سوچ سکتی ہیں مگر کسی کے فائدے کا نہیں۔ وہ ماسٹر مائنڈ ہیں اور امی کے لیے کچھ زیادہ ہی مہربان ہیں۔"

زرش خاموشی سے واپس بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

تین بجے تک قیصرہ بیگم کی واپسی اور سعید احمد کی آمد کے کوئی امکان نہ تھے۔ کمرے میں بند رہ رہ کر زرش اکتا گئی تھی۔

چار بجے کے قریب فرح شام کی چائے کا اہتمام کرنے کمرے سے باہر نکلی تھی تو وہ بھی ساتھ ہولی۔ چائے دم پر تھی جب سعید احمد کی آمد ہوئی تھی۔ زرش نے ان سے واپسی کی بات کی تھی۔ خلافِ معمول وہ مان بھی گئے تھے۔ انہوں نے مغرب کے بعد چلنے کا کہا تھا۔ زرش نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ وہ ایک دم جیسے ہلکی پھلکی ہوگئی تھی۔

وہ زندگی میں پہلی دفعہ اس گھر سے گھبرا رہی تھی ورنہ اس گھر میں آکر تو اس کی روح کو قرار آتا تھا۔

سعید احمد اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہ واپس کچن کی طرف جانے کو تھی جب قیصرہ خالہ کو دیکھ کر اس کے قدم تھمے۔ اس کے اندر ایک نفرت سی سر اٹھانے لگی تھی۔

"سنو..... ذرا سمعان کو اس کے کمرے سے بلادو۔ میں واپس جارہی ہوں' مجھے چھوڑ آئے۔"

زرش کے چہرے پر برہمی کے اثرات بہت واضح تھے۔ اس کے باوجود قیصرہ خاتون نے اسے حکم دیا تھا۔ زرش کا جی چاہا کہ تڑخ کر انکار کردے۔ وہ تو مر کر بھی ایسے لوگوں سے لحاظ و مروّت کی قائل نہ تھی۔ نہ جانے اتنا کچھ سننے کے باوجود کیسے اب تک چپ تھی۔

"تو یہ بات آپ ان سے خود بھی کہہ سکتی ہیں۔" وہ اپنے گھر واپس جارہی تھی اور واپس جاکر اسے سب سے پہلے شائستہ بیگم کو ساری صورت حال سے باخبر کرنا تھا۔ وہ دل میں یہ تہیہ کرچکی تھی اسی لیے وہ قدرے مطمئن اور پرسکون تھی۔ پراعتماد انداز تھا۔

قیصرہ بیگم نے بغور اسے دیکھا۔

"تم کہہ دوگی تو کیا فرق پڑے گا۔ جاؤ شاباش! اسے بلادو۔ ویسے میں کہہ تو چکی ہوں۔ وہ کپڑے چینج کرنے کا کہہ کر گیا تھا۔ ابھی تک نہیں لوٹا۔ جاؤ اسے کہہ دو میں انتظار کررہی ہوں۔" خلافِ معمول وہ بغیر برا مانے کچھ محبت و نرمی سے مخاطب تھیں۔

زرش الجھ گئی۔ وہ اس عورت کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ یہ روپ کسی سلسلے کی کڑی تھا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی ایک بار بھی سمعان کے کمرے میں نہیں گئی تھی اور اب..... وہ جھجک سی گئی۔

"جاؤ..... اسے بلادو۔ دیر ہورہی ہے۔ گھر سے کال پر کال آرہی ہے۔" اپنے موبائل کو دیکھتے انہوں نے اسے پھر ٹوک دیا تھا۔

زرش شش و پنج میں پڑ گئی۔ جانے سے پہلے وہ خود بھی سمعان احمد کو جتادینا چاہتی تھی کہ جو وہ چاہتے ہیں وہ کبھی ممکن نہیں۔ پہلے شاید ماما پاپا کے اقرار پر وہ بھی مان جاتی مگر اب قیصرہ خالہ اور طاہرہ بیگم کی گفتگو سننے کے بعد ایسا ممکن نہ تھا۔ یہ اس کا قطعی فیصلہ تھا۔ قیصرہ خالہ اس کے چہرے کے تاثرات پر نظر رکھے ہوئے تھیں۔ زرش انہیں نظر انداز کیے سمعان احمد کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ نہ ہی یہ گھر اس کے لیے اجنبی تھا اور نہ ہی سمعان احمد۔ سب سے بڑھ کر وہ اپنی ذات پر اعتماد کرنے والی لڑکی تھی۔ پہلے بھی سمعان کی یہی ذات تھی اور اب بھی۔ فرق صرف ایک اقرار سے پڑا تھا۔ وہ اپنی جگہ مضبوط تھی۔

یہ اطمینان اس کے قدموں کو مضبوطی دے رہا تھا۔

BOOKSPK.BLOGSPOT.COM

"مجھے کسی سے بھی ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

دروازے کے پاس رک کر اس نے خود کو حوصلہ دیا تھا اور پھر پلٹ کر دیکھا۔ راہداری میں کھڑی قیصرہ بیگم ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ اس نے طنز سے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے دستک دینے کو ہاتھ اٹھایا تھا مگر صرف قیصرہ بیگم کو چڑانے کے لیے اس نے بغیر دستک دیئے اندر قدم بڑھا دیئے تھے۔ اگلے ہی لمحے اسے دستک نہ دینے کی حماقت کا خمیازہ بھگتنا پڑ گیا تھا۔ باتھ روم سے نکلتا سمعان احمد تولیے سے جسم رگڑتا کمرے کے وسط میں ہی رک گیا تھا۔

زرش کے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ اس پر منوں بوجھ آ پڑا تھا۔ سمعان احمد سے لاکھ بے تکلفی سہی مگر کبھی ایسی نوبت نہ آئی تھی۔ شرمندگی و خجالت سے برا حال تھا۔

"ایم سوری' وہ میں....." انگلیاں چٹخاتی وہ سر جھکا گئی۔ نادانستہ پڑ جانے والی نگاہ کے بعد اس نے دوبارہ نگاہ نہیں کی تھی۔ پلکوں کی چلمن سرخ رخساروں پر جھک گئی تھی۔

"ٹھہرو....." سمعان کی آواز نے اس کے قدموں میں زنجیر ڈالی تھی۔

وہ پلٹے بغیر رک گئی تھی۔ سمعان احمد خود اس سے بات کرنے کے موڈ میں تھا مگر قیصرہ خالہ کی اچانک آمد نے سارا پروگرام برباد کر دیا تھا۔ صرف طاہرہ اور قیصرہ کی نگاہوں سے بچنے کے لیے سارا دن کمرے میں بند رہ کر گزارنا پڑا تھا کہ وہ اپنی ماں کو پہلے ہی کچھ کا شبہ محسوس کر چکا تھا۔ اب کے وہ کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ سمعان نے بستر پر پڑی بنیان اٹھا کر تیزی سے پہنتے تولیہ دونوں کندھوں پر پھیلا کر اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"خیریت!" اتنا تو وہ بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس صورت حال میں زرش خود سے کبھی بھی اس کے کمرے میں آنے کی غلطی کبھی نہیں کرے گی۔

"جی..... وہ آپ کی خالہ بلا رہی تھیں۔ انہوں نے ہی بلانے کو بھیجا تھا۔" جھکے سر سے ہی اس نے بات مکمل کی تھی۔

"اوہ..... اچھا....." سمعان نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ سرخ چہرے پر خفت و شرمندگی کے آثار ابھی بھی واضح تھے۔ ہیروں کی طرح دمکتی نگاہوں پر کالی جھالر کا پہرہ تھا۔ ہلکے آف وائٹ سوٹ میں ملبوس وہ نگاہوں کو خیرہ کن کر رہی تھی۔

سمعان احمد کے دل کو بہت ہولے سے کوئی چھو گیا تھا۔

"فرح بتا رہی تھی کہ تم آج واپس جا رہی ہو۔" مکمل استحقاق سے نگاہیں جمائے سمعان احمد نے اس کے وجود کی نیرنگیوں سے نگاہوں کو خیرہ کن کیا تھا۔

"جی..... تایا ابو سے بات کی تھی۔ وہ مغرب کے بعد چلنے کا کہہ رہے تھے۔" انداز وہی تھا۔ شرم و حیا کا خوب صورت امتزاج تھا۔

ہمیشہ سمعان احمد سے بے تکلفی سے گفتگو کرنے والی نگاہیں چرائے ہوئے تھی۔ وہ سمعان احمد کی نگاہوں کی حدت سے ہی سٹپٹا رہی تھی۔ وہ بڑے اعتماد سے کمرے میں داخل ہوئی تھی مگر سارا اعتماد تو

ڈانواں ڈول ہو چکا تھا۔

"میں ابو سے بات کر چکا ہوں۔ انہوں نے کل چچا جان سے بات کی تھی۔"

"کیا.....؟"

زرش نے گھبرا کر سر اٹھایا تھا۔ سمعان کی توجہ بھرپور تھی۔ نگاہوں سے نگاہیں ملی تھیں۔ گویا کوندا سا لپکا تھا۔ وہ فوراً چہرہ جھکا گئی۔

"چچا جان راضی ہو گئے ہیں مگر اس شرط پر کہ امی خود چل کر باقاعدہ رشتے کی بات کریں۔" سمعان احمد نے بہت دھیمے انداز میں مزید بتایا تھا۔ زرش حواس باختہ سی دیکھے گئی۔

"ہو سکتا ہے چچی جان تم سے عندیہ لیں۔ تم انکار نہیں کرو گی۔ ابو' امی کو چلنے پر آمادہ کر لیں گے' بس تم انکار نہیں کرو گی۔"

وہ گم صم انداز میں دیکھے گئی۔ سمعان نے اس کو ایک دم گم صم ہوتے دیکھ کر اس کے کندھوں کو ہولے سے تھاما تھا۔

"تمہارا انکار میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تم پر زبردستی نہیں ہے مگر تمہارے انکار سے سب سے زیادہ ہم دونوں کی ذات موضوع سخن بن سکتی ہے۔ قیصرہ خالہ کی آمد بغیر کسی وجہ کے نہیں ہے۔ میری تم سے دلچسپی امی کے ذریعے ان تک مکمل تفصیلات کے ساتھ پہنچ چکی ہو گی بلکہ پہنچ چکی ہے۔ ایسے میں اپنی ذات کے موضوع بننے سے زیادہ مجھے تمہاری فکر ہے۔ تم سمجھ رہی ہو نا۔"

زرش کو محسوس ہوا جس انکار کو وہ انتہائی آسان سمجھ رہی تھی وہ کس قدر رسوا کن تھا۔

"قیصرہ خالہ سے اچھائی کی امید نہیں۔ یقیناً اپنی ناکامی پر وہ خاصے وسیع پیمانے پر احتجاج بھی کریں گی۔ ہم دونوں کو انوالو کرنے کی کوشش بھی کریں گی۔ میں صبر کر لیتا کوئی انتہائی قدم نہ اٹھاتا مگر امی کے تیور کسی مثبت رخ کی طرف نشاندہی نہیں کر رہے تھے۔ چچا جان پہلے تو آمادہ ہی نہ تھے۔ عمروں کے ڈیفرنس کا انہوں نے اعتراض کیا تھا مگر ابو ٹال گئے تھے اور تم کو صرف اس لیے سمجھا رہا ہوں کہ کہیں تم بنا بنایا کھیل نہ بگاڑ دو۔ سمجھ رہی ہو نا....."

اندر انکار و احتجاج کے دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ سمعان مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا اور زرش حیران و پریشان سمعان احمد کو سن رہی تھی۔ ایسے میں دونوں کو علم ہی نہ ہو سکا کہ کب قیصرہ بیگم نے اندر جھانکا تھا اور کب بہت خاموشی سے دروازہ لاک کیا تھا۔

طاہرہ بیگم اس قسم کے کسی بھی کھیل میں ان کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھیں۔ اب انہیں جو بھی کرنا تھا' تنہا کرنا تھا۔ وہ صرف سعید احمد کی واپسی کی منتظر تھیں۔

وہ جیسے ہی گھر لوٹے تھے وہ سمعان کے پاس آئی تھیں۔ سمعان احمد سارا دن کمرے میں بند کمپیوٹر پر مصروف رہا تھا۔ انہوں نے سمعان کو گھر چھوڑ دینے کو کہا تھا۔ سمعان احمد کو خالہ سے لاکھ اختلاف سہی مگر ان کے اصرار پر انکار نہ کر سکا تھا۔ وہ جو سوچ چکی تھیں اس پر انہوں نے فوراً عملدرآمد بھی کیا تھا۔

سمعان نے باتھ لینے اور کپڑے چینج کرنے کا کہا تھا۔ کچھ توقف کے بعد انہوں نے زرش کی

CELESTIALE.BLOGSPOT.COM

تلاش شروع کر دی تھی۔

سارا دن زرش کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ وہ تایا سے بات کر کے پلٹی تو انہوں نے اسے روک لیا تھا۔

زرش کے پراعتماد انداز پر وہ خوفزدہ بھی تھیں مگر اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ بھی تھا۔

زرش کو سمعان کو بلانے کا کہا تھا۔

ڈر تھا کہ کہیں انکار نہ کرے۔ زرش سے کچھ بھی توقع تھی مگر وہ چلی گئی تھی۔ زرش اس معاملے میں بیوقوف ثابت ہوئی تھی۔ انہیں حیرت ہوئی تھی۔

سعید احمد اور طاہرہ لاؤنج میں تھے۔ فرح کچن میں ماجدہ کے ساتھ شام کی چائے کا اہتمام کر رہی تھی۔ صورت حال ان کے حق میں تھی۔ وہ طاہرہ کو سمعان کو بلانے کا کہہ کر زرش کے پیچھے ہی چلی آئی تھیں۔ سمعان احمد' زرش کو سمجھا رہا تھا۔ وہ دل کو تسلی دے کر آگے بڑھی تھیں۔

سمعان کی تمام گفتگو سے انہوں نے بڑے مسرور انداز میں پانسہ پلٹنا چاہا تھا۔

''طاہرہ.....'' ان کی پاٹ دار آواز پر لاؤنج میں موجود تینوں نفوس چونکے تھے' خاص طور پر طاہرہ بیگم۔

''کچھ اندازہ بھی ہے کہ سمعان اور زرش کہاں ہیں؟'' سعید احمد چونکے تھے۔

''کیا مطلب؟'' انہوں نے فوراً ناگواری سے پوچھا تھا۔ ورنہ وہ اس عورت سے کلام کرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

''مطلب تو آپ کو ان کے کمرے میں چل کر پتا چلے گا۔ میں کچھ کہوں گی تو کہیں گے میری سازش ہے۔'' طاہرہ نے بے یقینی سے بہن کو دیکھا۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی جلدی اپنی پلاننگ پر عمل بھی کر بیٹھیں گی۔

''آپا!'' طاہرہ نے انہیں تلخی سے ٹوکنا چاہا تھا مگر وہ تو دو دھاری تلوار بنی ہوئی تھیں۔

''میں نے تو سمعان سے مجھے واپس چھوڑنے کو کہا تھا۔ زرش کو بھیجا تھا کہ سمعان کو بلا دو۔ کافی انتظار کے بعد وہ نہیں لوٹی تو میں خود گئی ہوں مگر کمرہ بند کیے دونوں نہ جانے کن راز و نیاز میں مصروف تھے۔ آواز باہر تک آ رہی ہے۔ یقین نہیں آتا تو خود چل کر دیکھ لو۔''

''طاہرہ اپنی بہن کو روک لو..... میری اولاد کے متعلق ایسی واہیات گفتگو میں کبھی برداشت نہیں کروں گا۔''

انہوں نے غصے سے فوراً طاہرہ کو دیکھا تو جو غم و غصے سے بہن کو دیکھ رہی تھیں۔ پہلی دفعہ انہیں بہن پر غصہ آ رہا تھا مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اب بہن کا ساتھ دیئے بنا کوئی چارہ نہ تھا کہ مخالف ہستی ان کے مخالف کی بیٹی تھی۔

''غصہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ آپا نے کوئی بات دیکھی ہے تو کہہ رہی ہیں..... چلیں آپا میں دیکھتی ہوں کیا ہو رہا ہے۔''

سعید احمد غصے سے تلملا اٹھے تھے مگر کچھ کہنے سے قاصر تھے کہ وہ اصل معاملے سے لاعلم و بے خبر

تھے۔ طاہرہ اور قیصرہ کو باہر نکلتے دیکھ کر وہ بھی لپکے تھے۔

''دروازہ کھولو..... سمعان دروازہ کھولو.....'' قیصرہ بیگم اب خاموش تھیں۔ طاہرہ بیگم نے دروازہ پیٹا تھا۔ زرش جو سمعان کے سمجھانے پر خاموش آنسو بہا رہی تھی ایک دم چونکی تھی۔ سمعان نے بھی آواز پر پلٹ کر دروازے کو دیکھا۔ دروازہ تو ان لاک تھا پھر لاک کیسے ہو گیا؟

دوسری طرف سے اب مسلسل دروازہ بجایا جا رہا تھا۔

سمعان نے اپنے اوپر ایک نگاہ ڈالی تھی۔

زرش کی موجودگی اپنے کمرے میں ایک دم اس کے دل و دماغ میں سائرن بجا گئی تھی۔

جبکہ زرش چہرہ صاف کرتے گھبرائی ضرور تھی مگر خوفزدہ نہ تھی' پراعتماد تھی۔ سمعان کو آگے بڑھ کر الماری سے شرٹ نکال کر پہننے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ دروازہ مسلسل پیٹا جا رہا تھا۔ گویا توڑ دینے کا ارادہ تھا۔ اس نے تیزی سے دروازہ ان لاک کیا تھا۔

سب سے پہلے اندر داخل ہونے والی طاہرہ بیگم تھیں' پھر قیصرہ اور عقب میں سعید احمد اور علی۔

زرش اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر سٹپٹائی تھی تاہم ذہن کے کسی کوشے میں بھی کوئی خیال نہ تھا۔ بس اپنے متورم چہرے پر خائف ہو رہی تھی۔

''دروازہ کیوں بند کیا ہوا تھا؟'' طاہرہ بیگم پھنکاری تھیں۔ کینہ توز نظروں سے زرش کو گھورا تھا۔

سمعان کی حالت اور زرش کا متورم چہرہ ان کے اعصاب پر بہت گراں گزرا تھا۔

''دیکھ لیا آپ نے؟ بڑے دعوے تھے آپ کو..... پوچھیں اس سے کیا کر رہی ہے یہ یہاں..... میں کچھ کہوں گی تو مجھے گھر سے نکل جانے کی دھمکی اور یہ لوگ کچھ بھی کرتے پھریں۔ میری اولاد کو گمراہ کریں اور میں خاموش رہوں۔'' طاہرہ بیگم اونچی آواز میں باقی کی کارروائی سرانجام دے رہی تھیں۔

سمعان احمد اس اچانک آ پڑنے والی افتاد پر ششدر و حیران تھا۔ حیران ہو کر اونچی آواز میں چیختی چلاتی ماں کو دیکھا اور پھر باپ کو۔

ان کی نگاہوں میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ وہ بھی اس حالت میں زرش کی موجودگی پر حیران تھے۔

سمعان احمد پوری ذات سے ہلا تھا تو زرش سعود احمد بھی طاہرہ بیگم کے واویلے اور چیخ و پکار پر لرز گئی تھی۔

''کیا بکواس ہے.....؟''

وہ فوراً بولی تھی۔ پھر ایک دم قیصرہ خالہ کو دیکھ کر غصے سے پلٹی تھی۔

''پوچھیں اپنی بہن سے۔ انہوں نے مجھے سمعان بھائی کو بلانے کو بھیجا تھا..... مجھ پر آپ کو کسی بھی قسم کی الزام تراشی کا کوئی حق نہیں۔''

سمعان احمد بے یقینی سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی طرف سے خاموشی محسوس کر کے زرش فوراً چیخ گئی تھی۔

''انہوں نے تو تمہیں بھیجنے کی غلطی کی مگر تم نے بھی تو خوب موقع سے فائدہ اٹھایا ہے۔''

''پلیز بند کریں اپنی یہ الزام تراشی۔ سمعان بھائی! بتائیں انہیں کیا میں آپ کو بلانے نہیں آئی تھی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

روکا تو آپ نے تھا' بتائیں انہیں۔" وہ فوراً سمعان کے سامنے آ ٹھہری تھی۔ سمعان کی بے یقینی ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی کہ اس طرح کی الزام تراشی کرتی زبان طاہرہ بیگم کی ہے' اس کی ماں کی۔

"اب تم تو ایسا کہو گی ہی۔ میں دیکھ رہی تھی اتنے دنوں سے تم کیسے سمعان کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں۔ جادو چل گیا ہے تمہارا سمعان پر..... جادوگرنی....." انہوں نے اب باقاعدہ واویلا کیا تھا۔

ایسی زبان استعمال کی تھی کہ زرش کا ڈوب مرنے کو جی چاہا۔

"چپ کرو تم....." سعید صاحب ایک دم دہاڑے تھے اور غصے سے طاہرہ کو گھور کر سمعان کو دیکھا۔

"یہ سب کیا ہے' سمعان! یہ کیا ڈرامہ ہے۔ اسے میں کیا نام دوں؟" انہوں نے بجائے زرش کو کچھ کہنے کے بیٹے سے باز پرس کی تھی۔

انہیں سمعان سے تو کسی غلط امر کی توقع نہ تھی کجا کہ یہ حماقت۔

"مجھے کیا پتا یہ کیا ہے..... جنہوں نے یہ ڈرامہ اسٹیج کیا ہے ان سے پوچھیں۔ مجھے تو اتنا پتا تھا کہ دروازہ ان لاک تھا۔ یہ لاک کیسے ہو گیا؟ اور رہ گئی زرش کی موجودگی کی بات' یہ آپ کو بتا چکی ہے۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے پہلے اسے کمرے میں بھیج کر اب یہ ڈرامہ کیا جا رہا ہے۔ امی مجھے آپ سے اس قدر گھٹیا پن کی توقع نہ تھی۔ کچھ تو سوچ لیا ہوتا کسی کی اولاد کو زِک پہنچاتے آپ اپنی اولاد کی نظروں سے بھی گر رہی ہیں۔"

سمعان کے الفاظ کی سنگینی ایسی تھی کہ طاہرہ بیگم حواس باختہ ہو گئی تھیں۔ اسی لیے تو انہوں نے منع کیا تھا قیصرہ آپا کو مگر اب کے انہوں نے مدد طلب نگاہوں سے بہن کو دیکھا۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں حوصلہ دیا تھا۔

"سمعان! تم اپنی ماں کو جھٹلاؤ گے جب کہ میں نے خود اپنے کانوں سے تمہیں اس کے ساتھ گفتگو کرتے سنا ہے۔"

قیصرہ' بہن کو دھیما پڑتے دیکھ کر فوراً میدان میں اتری تھیں۔

"آپ واقعی سن سکتی ہیں۔ آپ سارے ڈرامے کی ڈائریکٹر جو ہوئیں۔" سمعان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر گزرے۔

"سمعان! تمیز سے بات کرو۔ کیا میں نہیں جانتی شائستہ اور اس کی اولاد کو۔ شائستہ جیسی تھی وہی چلتر باز بیٹیاں بھی ہیں اور یہ تو سب سے بڑھ کر ہے۔ اگر اتنی ہی پاکباز ہے تو تمہارے اس حالت میں تمہارے کمرے میں کیا کر رہی تھی؟" الفاظ تھے یا بم بلاسٹ ہوا تھا۔ زرش منہ پھاڑے دیکھ رہی تھی۔

ایک دم اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔

معاملے کی سنگینی کا احساس شدید تر تھا۔

اس کی ذات الزام کی زد پر ہی نہیں کردار پر انگلی اٹھائی جا رہی تھی۔ منہ پر ہاتھ رکھے وہ پیچھے ہٹی تھی۔

فرح جو شور شرابے کی آواز سن کر کچن سے بھاگی تھی' اندر کی صورت حال دیکھ کر دروازے پر ہی ساکت ہوئی تھی۔

"جھوٹ بولتی ہیں یہ..... قسم لے لیں تایا ابو انہوں نے مجھے خود بھیجا تھا۔ تائی امی جھوٹ بولتی ہیں۔ سمعان بھائی سے پوچھ لیں' انہوں نے خود مجھے روکا تھا' صرف بات کرنے کو۔"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس کا اعتماد و ضبط صرف یہیں تک تھا۔ گویا سارے اعتماد و ضبط کی دھجیاں بکھر گئی تھیں۔

فرح نے تڑپ کر آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

وہ صورت حال سے بے خبر تھی۔

"ہاں' ہمیں تو سب ہی کہیں گے..... اللہ معاف کرے' ایسی بھی کیا بے شرمی کہ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر بھی منکرِ گناہ ہو رہی ہے۔" طاہرہ بیگم تو خاموش تھیں' قیصرہ بیگم ہی بول رہی تھیں۔

"بکواس ہے یہ سب....." زرش' فرح کو دھکیل کر زور سے چیخی تھی۔ جی چاہا کہ فوراً سے بیشتر اس عورت کا گلا دبا دے۔ اتنی گھٹیا بات۔

"تایا ابو! یقین کریں یہ سب جھوٹ ہے..... پلیز یقین کریں....." علی تو گم صم تھا ہی' سعید احمد بھی بے چارگی سے تڑپ اٹھے۔

یہ لڑکی انہیں عزیز ترین تھی۔ مگر حالات کی زد پر سہم سی گئی تھی۔

"ہونہہ! اب اداکاری کر رہی ہے۔" طاہرہ بیگم کی آواز پر سمعان نے تاسف سے ماں کو دیکھا تھا۔

"سارا زمانہ کچھ بھی کہہ لیتا مجھے دکھ نہ ہوتا مگر آپ کے منہ سے یہ سب سن کر بہت دکھ ہو رہا ہے۔ ماں اولاد کو اس سے زیادہ جانتی ہے۔ کیا آپ کو نہیں علم کہ میں کس قماش کا انسان ہوں۔ ابو کیا آپ کو شک ہے کہ میں زرش کے ساتھ کوئی ایسی ویسی حرکت کر سکتا ہوں؟ کیا آپ کو یقین ہے کہ معاملے کو جو رخ یہ دے رہی ہیں وہ درست ہے۔ کم از کم آپ تو اپنی اولاد پر کیچڑ نہ اچھالتیں' زمانہ کچھ بھی کرتا۔"

زرش تو پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی' سمعان احمد کے لہجے میں بہت کچھ بکھرا تھا۔ اعتماد' اعتبار' یقین' نہ جانے کیا کچھ۔

سعید احمد نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کرتے ہوئے زرش کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے ساتھ لگا لیا۔ وہ ان لمحوں میں خاصے بے بس سے ہو گئے تھے۔ زرش تو ایسی بکھری کہ تایا کے بازوؤں میں ہی جھول گئی۔

زرش..... زرش..... زری.....

وہ چیختے ہوئے اسے سنبھالتے ہی رہ گئے تھے۔ زرش کا ردعمل بہت شدید تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

نویرہ کے ہوش میں آنے اور تمام حقیقت آشکار کرنے کے بعد نبیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شارق زمان کو قتل کر دے۔

نبیلہ' نبیل بھائی کے تیوروں سے سخت خوفزدہ ہوئی تھیں۔ اماں کے بیدار ہونے پر انہوں نے ساری حقیقت ان کے سامنے بیان کر دی تھیں وہ تو دنگ رہ گئی تھیں۔ اتنا کچھ ہو گیا اور نویرہ نے منہ سے ایک لفظ نہ نکالا تھا۔ ان کی طبیعت تو پہلے ہی خراب تھی۔ اس انکشاف سے وہ ڈھے گئی تھیں۔ رو رو کر برا حشر کر لیا تھا۔ نویرہ تو مجرموں کی طرح منہ چھپائے ہوئے تھی۔ اماں کی طبیعت مزید بگڑتے دیکھ کر خود بھی متوحش و ہراساں ہو گئی تھی۔

شارق زمان کا اس قدر دیدہ دلیری سے ان کے ہاں آنا اور دھمکیاں دینا۔ نبیل تو مرنے مارنے پر تلا بیٹھا تھا۔ اماں اور نویرہ دہل رہی تھیں۔ نبیلہ بمشکل سمجھا بجھا کر انہیں ٹھنڈا کر پائی تھیں مگر نبیل کے تیور خاصے جارحانہ تھے۔ وہ شارق زمان کو معاف کرنے والا نہ تھا' نہ ہی اس کی حرکت نظر انداز کیے جانے والی تھی۔

ساری رات اماں کی طبیعت بہت خراب رہی تھی۔ صبح تک وہ ہاتھ پیر چھوڑ چکی تھیں۔ نبیل گھر پر ہی تھا۔ فوراً اماں کو اسپتال لے گیا تھا۔ نویرہ بہت خوفزدہ ہو گئی تھی۔ ان پے در پے حادثات نے اس کا سارا اعتماد نچوڑ لیا تھا۔ وہ خود بھی نچڑ کر رہ گئی تھی۔ گلابی رخساروں میں زردیاں سی گھل گئی تھیں۔ نین کٹورے ہمہ وقت پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ نبیلہ اسے تسلیاں دے رہی تھیں مگر اسے کسی پل قرار نہ تھا۔

دوپہر کے بعد نبیل کا فون آیا تھا کہ اماں اب قدرے بہتر تھیں۔ ایک دو گھنٹوں میں وہ گھر آ رہے تھے۔ نویرہ کو سکون ملا تھا۔

ساجد بھائی اور بھابی ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ نویرہ انہیں کال کر کے بلانا چاہتی تھی مگر نبیلہ بھابی نے انہیں پریشان کرنے سے منع کر دیا تھا۔

تین چار دن سے وہ ایک ہی جوڑے میں تھی۔ ملگجے لباس اور الجھے بالوں سے وہ کافی خستہ حال لگ رہی تھی اور رتجگوں نے اسے نچوڑ لیا تھا۔ نبیلہ نے اسے زبردستی باتھ روم میں دھکیلا تھا ورنہ نویرہ کو لگ رہا تھا دل مرجھا گیا ہے۔ نواز نے ستم ہی ایسا توڑا تھا۔ ستم کیا دل ہی توڑ دیا تھا۔ وہ تو اسے ہونے والے شوہر کی حیثیت سے قبول کر چکی تھی مگر اب ..... شارق زمان کے انکشاف نے نویرہ کی ساری

قوت سلب کر لی تھی۔

ساری رات وہ روتی رہی تھی۔ نواز فاروق کے انکار نے اسے اتنی اذیت نہیں دی تھی جس قدر اذیت شارق زمان کے انکشاف نے دی تھی۔ اسے شارق زمان کے ساتھ ساتھ نواز فاروق سے بھی نفرت ہو رہی تھی۔ نواز اسے محض اس لیے چھوڑ گیا تھا کہ (شارق کے جھوٹ پر)۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ایک دفعہ نواز فاروق اس کے سامنے آئے تو وہ بھرپور نفرت سے اس کے منہ پر تھوک دے۔ اس کی ذات اشتہار سی بن گئی تھی شارق زمان نے اور نواز فاروق نے اس کو مار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

نہا کر نکلی تو نبیلہ بھابی نے اس کے لمبے بالوں کو بہت محبت سے سلجھایا تھا۔ ادھر ادھر کی باتوں سے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی تھی۔ نویرہ کا خاموش پژمردہ سا انداز انہیں دکھی کر رہا تھا۔ دل ہی دل میں وہ بھی شارق زمان اور نواز کو کوس رہی تھیں۔

ساجدہ باجی نے فون کیا تھا۔ یہاں کی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ نبیلہ نے ہی کال ریسیو کی تھی۔ نویرہ انہیں فون کے ساتھ مصروف دیکھ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

راہداری سے گزرتے وہ باہر صحن کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔ دل بہت گھبرا رہا تھا۔ جیسے ابھی کچھ اور ہونے والا ہے۔ وہ اماں کی صحت یابی کی دعائیں مانگنے لگی تھی۔ کال بیل ہوئی تو وہ چونکی تھی۔ نبیلہ شاید ابھی تک کال میں مصروف تھیں ورنہ وہ اسے اکیلا صحن میں نہ نکلنے دیتی۔ سر ڈھانپ کر وہ گیٹ کے پاس آئی تھی۔

"جی کون.....؟" عادتاً اس نے پوچھا تھا۔

"یہ نبیل صاحب کا ہی گھر ہے نا....." دوسری طرف اجنبی مردانہ آواز تھی۔ نویرہ نے چونک کر چھوٹا سا گیٹ کھول کر باہر جھانکا تھا۔ درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ سیلو گاڑی گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔

"جی....."

"نبیل صاحب ضروری کام سے راستے میں اتر گئے تھے۔ ان کی والدہ گاڑی میں ہیں۔ مجھے ایڈریس سمجھا کر بخیریت پہنچانے کا کہا تھا۔ آپ براہِ مہربانی ان کو گاڑی سے باہر نکلنے میں مدد کریں۔ کافی کمزور ہیں وہ۔" اماں کا سن کر نویرہ فوراً گیٹ سے باہر نکلی تھی۔ وہ آدمی شاید ڈرائیور تھا۔ اس نے پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ادھر ہیں....." نویرہ نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اس سے پہلے کہ وہ جھک کر اماں کو دیکھتی۔ پچھلی نشست پر دراز وجود ایک دم الرٹ ہوا تھا۔ نویرہ ابھی کچھ سمجھ ہی نہ پائی تھی کہ سیاہ چادر میں لپٹے وجود نے اسے اندر کھینچ لیا تھا۔ نویرہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ پیر مارتی' کلوروفام سے بھیگا رومال اس کے منہ پر رکھ دیا گیا تھا۔

"جلدی کرو' گاڑی چلاؤ۔ اس سے پہلے کہ کوئی ادھر آئے' نکلو یہاں سے۔" تاریک ہوتے ذہن کے باجود وہ یہ آواز پہچان گئی تھی۔ اس کے دماغ پر ہتھوڑے سے برسے تھے۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"شارق زمان....."

اگلے ہی لمحے اس کا ذہن مکمل تاریکی میں تھا۔

✿.....✿.....✿

نبیلہ بھابی کا رو رو کے برا حال تھا اور نبیل بھائی کا غیض و غضب سے۔ وہ ہر جگہ فون کر کے رابطہ کر چکے تھے مگر ہر کوشش ناکام تھی۔ اماں تو پتھرا سی گئی تھیں۔ آنسو ان کی آنکھوں میں جم گئے تھے۔ اتنا بڑا حادثہ! اس کے باوجود وہ زندہ تھیں۔ وہ حیران تھیں۔ ساجدہ باجی فوراً فون سنتے ہی آئی تھیں۔ ضحیٰ بھابی میکے میں رک گئی تھیں جبکہ ساجد بھائی ابھی لوٹے تھے اور یہاں آ کر جو سنا اس نے ان کے قدموں تلے زمین نکال دی تھی۔

"اتنا کچھ ہو چکا تھا اور انہیں کسی نے بتانے کی کوشش نہیں کی تھی۔" وہ شکوہ کناں تھے مگر نبیل تو بھرا بیٹھا تھا۔ نبیلہ بے چاری تو صفائیاں پیش کرتی رہ گئی تھیں مگر وہ معاف کرنے والے نہ تھے۔

کال بیل کی آواز پر نبیلہ بھی چونکی تھیں۔ ساجدہ باجی سے گفتگو سمیٹ کر خدا حافظ کہہ کر وہ جب باہر نکلی تھیں، نویرہ کہیں بھی نہ تھی۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ وہ تو نویرہ کی چیخ گیٹ کے باہر سے سن کر بھاگی تھیں۔ صحن میں ہی تو کھڑی تھیں، آواز بخوبی پہچان گئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتیں، یلو گاڑی تیزی سے موڑ کاٹ گئی تھی۔

وہ چیختی رہ گئی تھیں، کوئی اس سنسان سڑک پر ہوتا تو مدد کو آتا۔ انہوں نے فوراً نبیل کو کال کی تھی اور نبیل نے شارق کے نمبر پر..... نمبر بند تھا۔ انہیں شک تھا کہ یہ کارروائی صرف وہ ہی گھٹیا شخص کر سکتا ہے۔

اماں کو لے کر وہ فوراً گھر آئے تھے۔ نبیلہ پہلے ہی ساجدہ کو فون کر کے آنے کا کہہ چکی تھی۔

وہ لوگ اکٹھے ہی گھر آئے تھے۔ نبیل مسلسل رابطوں میں مصروف تھا۔ دو گھنٹوں کے جان لیوا انتظار کے بعد شارق زمان کی کال آ گئی تھی۔

"شارق! تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں تمہیں حوالات میں بند کروا دوں گا۔" غم و غصے سے نبیل کا توازن بگڑنے والا تھا۔ چھوٹتے ہی اس نے دھمکی دی تھی۔

"یہ تو وقت بتائے گا کہ میں نے اچھا کیا یا برا۔ یہ انتہائی قدم اٹھانے پر تم نے اور تمہاری بہن نے مجھے مجبور کیا ہے۔ کال اس لیے کر رہا ہوں کہ تمہیں علم ہو جائے کہ نویرہ میرے پاس ہے۔ بالکل محفوظ۔ فون پر تم سے رابطہ رکھوں گا۔ ہاں دوبدو ملاقات اب تبھی ہو گی جب نویرہ مسز شارق زمان بن گئی ہو گی۔ تب تک کے لیے تم مجھے حوالات میں بند کرنے کا خواب بھول جاؤ..... اللہ حافظ۔" ساتھ ہی رابطہ منقطع کر چکا تھا۔ نبیل کا مارے طیش کے خود کو شوٹ کر دینے والا انداز تھا۔

"نبیل! اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ ہماری بہن معصوم و پاک تھی مگر وہ شخص اب کچھ بھی کر سکتا ہے اس کے ساتھ۔ ابھی بات صرف ہم لوگوں میں ہی ہے۔ تحمل و سکون سے معاملہ سلجھانا ہو گا۔ یہ وقت جوش کا نہیں ہوش کا ہے۔ شارق جیسے جذباتی انسان سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ نواز کے انکار نے پہلے

ہی خاندان بھر میں بدنام کر دیا۔ اب یہ رسوائی..... ضبط سے کام لو۔ کوئی تدبیر کرتے ہیں۔" ساجد بھائی نے تحمل و ضبط سے نبیل کو سمجھایا تھا۔

نبیل نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"ساجد ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اماں کے پتھرائے وجود میں جیسے حرکت ہوئی۔ نبیل غصے سے کمرے سے نکل گیا۔

"تم شارق کا نمبر ملاؤ۔ میں بات کرتی ہوں اس سے۔" اماں کی بات پر ساجد بھائی نے کئی بار کوشش کی مگر نمبر آف تھا۔

"نہ جانے وہ نویرہ کو کہاں لے گیا ہو گا۔ ہائے میری بدقسمت بچی۔"

اماں اب نارمل ہو رہی تھیں۔ نبیلہ نے انہیں ساتھ لگا لیا۔ ساجدہ باجی تو گم صم بیٹھیں صرف آنسو ہی بہا رہی تھیں۔ زبان بالکل گنگ تھی۔

"اماں! میں نبیل کو لے کر خالہ جان کے ہاں جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے پتا چل جائے کہ اس نے نویرہ کو کہاں رکھا ہوا ہے۔ گھر میں تو لے کر نہیں گیا ہو گا....."

"نو رسپونس" دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

نبیل کے بجائے وہ خاصے معاملہ فہم تھے۔ حالات کو سمجھنے والے۔ حالات کو اپنی گرفت میں کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ اماں کو ڈھارس ہوئی۔

✿.....✿.....✿

ہوش میں آنے کے بعد سعید احمد خود اسے اس کے گھر چھوڑ گئے تھے۔

وہ ذہنی ہی نہیں جسمانی طور پر بھی اتنی نڈھال تھی کہ اس پر بیتنے والی قیامت صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ سارا راستہ سعید احمد اسے سمجھاتے رہے تھے۔ طاہرہ اور قیصرہ کی فطرت سے آگاہ کرتے رہے تھے۔ اسے سب بھول جانے اور ماما، پاپا یا کسی سے بھی تذکرہ نہ کرنے کی تاکید کرتے رہے تھے۔

گھر میں داخل ہوئی تو پہلے ہی قدم پر لڑکھڑا گئی۔ وہ تو زندگی کو خوش دلی اور تمام رنگوں سے جینے والی لڑکی تھی۔ اذیت ناک زندگی کا یہ رخ اس کے اندر سے ساری شادابی چھین لینے والا تھا۔ وہ تو ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو کر رہ گئی تھی۔

ذہن کئی حصوں میں بٹ چکا تھا۔ وہ بہت کچھ کھو کر آئی تھی۔ رشتوں کا مان..... یقین اعتماد اور سب سے بڑھ کر حقیقی رشتوں کی یہ سرد مہری و بے رحمی اسے اندرونی طور پر شل کر گئی تھی۔

شائستہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ نڈھال، اجڑی بکھری زرش ان کی بیٹی کہیں سے بھی نہیں لگ رہی تھی۔

"دو دن سے بیمار تھی۔ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو واپس آنے کی ضد کرنے لگی تھی۔ اب بہتر ہے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

ماما پاپا نوشی تینوں ہی اس کی کنڈیشن دیکھ کر گھبرا گئے تھے۔

POESTUFF.BLOGSPOT.COM

اتنی پژمردہ وخستہ حال تو کبھی بھی نہ رہی تھی۔

تایا جان نے سب کو تسلی دی تھی مگر زرش نے ان کی آواز کا کھوکھلا پن شدت سے محسوس کیا تھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

سعید احمد کافی دیر بیٹھ کر گئے تھے۔ جاتے جاتے بھی اسے کسی سے کچھ بھی ذکر نہ کرنے کا کہہ گئے تھے۔ ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ماما کی شفیق ومہربان آغوش میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے اور دل کا درد بتا دے۔ بتائے کہ اس پر کیا بیتی ہے.....

اعتراف کرے کہ ان کا مشاہدہ وتجربہ درست تھا۔ وہ غلط تھی۔ وہ طاہرہ بیگم کو غلط سمجھتی تھی۔ اپنی حماقت کا اعتراف کرے مگر اس کے ذہن پر ایسا بوجھ تھا کہ خاموشی سے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

اگلی صبح تک وہ شدید بخار میں مبتلا تھی۔ مسلسل ذہنی ٹینشن اور شدید صدمے نے اس کے اعصاب پر اثر کیا تھا۔ نیم غنودگی کی کیفیت میں غرق بخار سے پھنک رہی تھی۔

اسے اس حالت میں دیکھ کر شائستہ پریشان ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹر کو بلا کر چیک اپ کروایا تھا۔

اگلے دو دن تک وہ کچھ حد تک سنبھل چکی تھی مگر اس کی ذہنی کنڈیشن نارمل نہ تھی۔ اسے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ جب شائستہ یا دیگر لوگوں کو اصل بات کا علم ہوگا تو ان کا کیا ردعمل ہوگا..... کہ بہرحال قیصرہ خاتون نے اتنا بڑا الزام اپنی ذات تک محدود کر لینے کو نہیں لگایا تھا۔ وہ تو چلتا پرزہ تھیں۔ شیطانی ذہن کی مالک..... خاندان بھر میں لگائی بجھائی کی ماہر' وہ تو ابھی تک شاک میں تھی کہ اسے منسوب بھی کیا جا رہا تھا تو کس سے..... سمعان احمد سے..... جن کی وہ دل سے عزت کرتی تھی۔

پیش رفت کے باوجود وہ انکاری تھی۔

سمعان احمد خود ماں کے رویے سے شاک میں تھا۔ وہ تو طاہرہ بیگم کے اس گیم سے دہک سا گیا تھا۔ اور زرش' وہ مسلسل کرب سے گزر رہی تھی۔ اس واقعہ کو یاد کرتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

''زرش سو گئی ہو کیا.....؟'' آنکھوں پر بازو رکھے وہ ابھی تک ان ہی لمحوں پر ماتم کناں تھیں۔ نوشی کی آواز پر فوراً پلکوں پر اٹکے آنسو بازو پر رگڑے۔

''زرش۔'' اسے اس طرح دراز دیکھ کر نوشی نے اس کا بازو ہٹایا تھا۔ وہ فوراً اس کی نگاہوں میں آنے کے بجائے کروٹ بدل گئی۔

''کیا ہے؟''

بھیگی آواز تھی۔ نوشی ٹھٹک گئی۔

پچھلے دو دن سے زرش نے بستر سنبھالا ہوا تھا۔ پہلے بھی وہ بارہا بیمار پڑتی تھی مگر اتنی گم صم چپ چاپ اور غمگین تو کبھی نہیں رہی تھی۔

''کیا بات ہے رو رہی تھیں تم.....؟'' اس نے فوراً اس کے بستر پر بیٹھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا تھا۔

''نہیں تو..... بس سر میں درد ہو رہا ہے۔'' مردہ' مرجھائی سی آواز میں اس نے کہتے ہوئے مسکرانے کی بھی کوشش کی تھی مگر یہ مصنوعی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی محسوس ہوئی۔ بھیگی پلکیں بہت سے راز کھول رہی تھیں۔ وہ الجھ گئی۔

''تو ٹیبلٹ لے لیتی..... مجھے یا ماما کو بتاتی میں سر دبا دیتی۔'' وہ انتہائی متفکر تھی۔ زرش کی اس بھرپور توجہ پر آنکھیں بھر آئیں۔ آج کل وہ بہت زیادہ چڑچڑی ہو رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی بات کو محسوس کر رہی تھی۔

''نہیں۔ ایسا بھی درد نہیں ہو رہا۔ تم بتاؤ کیوں بلا رہی تھیں؟''

''ہاں میں بتانے آئی تھی کہ تایا ابو پھپھو اور تائی امی آئی ہیں۔'' نوشی بھرپور مسرت سے بتا رہی تھی۔

''کیا.....؟'' زرش کے اعصاب پر نوشی کے الفاظ نے آتش فشاں کا کام کیا تھا۔

''طاہرہ بیگم اور ان کے ہاں آمد..... قطعی ناقابل یقین.....''

''یقین نہیں آ رہا۔ مجھے بھی ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔ ماما بھی حیران ہیں اور تو اور پھوپھو بھی..... جو ان کے ساتھ مل کر آئی ہیں۔ یقیناً کوئی بڑی بات ہے۔'' نوشین اس کی حیرت محسوس کر کے کہہ رہی تھی۔

زرش نے اتنی سختی سے ہونٹ بھینچے کہ جبڑے تک بھنچ گئے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھتی۔ سارے گھر میں ناچتی پھرتی مگر اس کا دل انجانے خوف سے سمٹنے لگا۔ دل کے اندر تلاطم برپا ہو گیا تھا یک دم..... خوف وہراس کے ناگوں نے اس کی آنکھوں میں پھن پھیلائے تھے۔

طاہرہ بیگم کی آمد یوں ہی تو نہ تھی۔

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی.....'' اس کے ایک دم زرد پڑتے چہرے کو دیکھتے نوشی نے پوچھا تھا۔

''کب آئے یہ لوگ.....؟'' زرش کو اپنی آواز بھی اجنبی لگی۔ بالکل بے جان سی۔

''کافی دیر سے۔''

''پھپھو ان کے ساتھ آئی تھیں یا علیحدہ.....؟'' وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''تایا ابو وغیرہ کے ساتھ ہی آئی تھیں۔ ماما نے چائے وغیرہ پلائی ہے۔ کھانے کا آرڈر دیا ہے مجھے۔ میں کئی دفعہ کمرے میں آئی تھی مگر تم شاید سو رہی تھیں۔ کھانا تقریباً تیار ہے۔ ماما وغیرہ تو سب ہی لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔''

''تائی امی کیوں آئی ہیں؟''

''یہ تو مجھے بھی علم نہیں مگر جہاں تک مجھے اندازہ ہے آج کل ماما پاپا سے تایا ابو نے شاید سمعان بھائی کے لیے بات کی تھی۔ اب تائی امی کی آمد شاید اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ ویسے تائی امی کی آمد خاصی خوش آئند ہے۔ تمہیں کیسا فیل ہو رہا ہے.....''

زرش ایک بار پھر گم صم ہو گئی تھی۔

سمعان بھائی نے بتایا تھا کہ پاپا نے تائی امی کے خود آ کر رشتہ مانگنے کی شرط رکھی تھی اور اگر پاپا نے ہاں کر دی تو.....؟ اس خیال سے ہی زرش کو اپنا وجود کسی گہرے کھڈ میں غرق ہوتا محسوس ہوا۔ ماما' پاپا ایک دفعہ اس سے پوچھنا تو چاہیں گے تو وہ کیا کہے گی۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"چلو آؤ باہر نکلو۔ تم تو کمرے کی ہی ہو کر رہ گئی ہو۔ پھپھو اور تایا ابو کئی بار تمہارا پوچھ چکے ہیں۔"
محبت سے زرش کا ہاتھ تھام کر وہ کھڑا کرنے لگی تھی۔ زرش اتنی گم صم ہو چکی تھی کہ اسے انکار بھی نہ کر سکی۔ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی ہمت ناپید ہو چکی تھی۔

"اتنا کچھ کرنے کے بعد تائی امی رشتہ لینے آئی ہیں۔" ناقابل یقین تھا سمجھ سے باہر..... اتنے رکیک الزام کے بعد ان کی یہ آمد..... زرش کو اپنے اعصاب پر تازیانہ سی محسوس ہوئی رہی تھی۔

"کپڑے تبدیل کر لو کتنے میلے ہو رہے ہیں اور بال بھی کتنے رف ہو رہے ہیں۔ دو تین دن سے سنوارے تک نہیں۔" اسے کھڑا کر کے نوشی نے اس پر ناقدانہ سی نگاہ ڈالی تھی۔

زرش جو ابھی تک بخار محسوس کر رہی تھی' اس کے تیور بگڑنے لگے۔ بمشکل خود پر جبر کر پائی تھی۔ نوشی نے اسے آئینے کے سامنے کیا تو بلا ارادہ ہی زرش کی نگاہ اپنے وجود پر اٹھی تھی۔

"دیکھو تو سہی..... اتنی سی شکل نکل آئی ہے تمہاری۔ سب کو پریشان کر کے رکھا ہوا ہے تم نے۔ ہادیہ آپی کا فون آیا تھا۔ میں نے انہیں تمہارے متعلق بتایا تو فکر مند ہو رہی تھیں اور سمعان بھائی کی بھی کال آئی تھی۔ تمہاری طبیعت دریافت کر رہے تھے۔ تمہارا خیال رکھنے کی خاص تاکید کی تھی۔ اب تمہیں اپنے لیے نہ سہی سمعان بھائی کے لیے ہی اپنا خیال رکھنا ہوگا۔ ماما پاپا کے ارادے کچھ اچھے نہیں۔"

نوشین اسے سمعان احمد کے نام پر چھیڑ رہی تھی۔ زرش جھنجلا سی گئی۔

"پلیز نوشی! میں ایسا مذاق قطعی برداشت نہیں کروں گی۔" اس کے انداز سے بھرپور مزاحمت ہوئی تھی۔

"واہ بھئی کیوں؟ ماما پاپا تو تمہارے اعتراض کو کبھی نہیں ماننے والے....."

"تم چپ نہیں رہ سکتیں۔" وہ سختی سے ٹوک گئی تو نوشی نے بغور دیکھا۔ چہرے پر برہمی کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔ وہ فوراً بات ٹال گئی۔ سمعان سے متعلق اس کے جذبات سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ تو بس چھیڑنے کو کہہ دیا تھا۔ اب تاسف ہوا۔

"اوکے۔ اچھا تم اپنا حلیہ تو درست کرو۔" اسے زبردستی آئینے کے سامنے کھڑا کر کے اس نے زرش کا دھیان بٹایا اور اس کے ہاتھ میں برش پکڑایا تھا۔

"تمہارے بال بہت رف ہو رہے ہیں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں سلجھے نہیں....."

زرش ایک گہری سانس لیے برش بالوں میں چلانے لگی۔ بال کچھ الجھے ہوئے تھے۔ اس نے اندرونی خلفشار کے دباؤ میں بے ترتیبی سے برش بالوں پر پھیرا تھا۔ گلے میں پڑی بے ترتیب سی زنجیر برش کے دندانوں میں پھنس گئی تھی۔

"اف۔" اسے کوفت ہوئی۔ پینڈل بالکل گردن کے ساتھ چمٹ گیا تھا۔ پھندا سا بنا تھا۔

"کیا ہوا.....؟" نوشی نے پوچھا تھا۔

"بالوں کے ساتھ الجھ کر زنجیر برش میں پھنس گئی ہے۔ نکل نہیں رہی دھیان سے نکال دو۔ ٹوٹ نہ جائے۔"

"زرش! تم نے نوٹ نہیں کیا سمعان بھائی نے تمہیں یہ لاکٹ کیوں گفٹ کیا؟"

زرش نے چونک کر نوشی کی صورت دیکھی تھی جو زنجیر بالوں سمیت بڑے آرام سے نکال کر پینڈل پر انگلی پھیرتے کہہ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر شرارتی سی مسکراہٹ تھی۔

"کیا بکواس ہے..... انہوں نے صرف مجھے ہی نہیں تمہیں اور فرح کو بھی ایسے ہی لاکٹ گفٹ کیے تھے۔"

"مگر ہارٹ شیپ تو صرف اسی پینڈل کی ہے نا۔" شوخ سے لہجے پر وہ بری طرح ٹھٹک گئی۔

"اور Z-S سے زرش سعود احمد کے بجائے زرش سمعان احمد بھی ہو سکتا ہے نا۔" نوشی کی نشاندہی پر زرش ایک دفعہ پھر گم صم ہو گئی تھی۔ واقعی وہ سچ کہہ رہی تھی۔ زیڈ۔ ایس سے زرش سمعان احمد بھی تو بن سکتا ہے۔ کتنی احمق تھی وہ سامنے کی بات نہ سمجھ پائی تھی۔

اس کا جی چاہا اپنے نقصان پر پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اس نے آئینے میں اپنی گردن میں لپٹے لاکٹ اور زنجیر کو دیکھا۔ دل چاہا کہ نوچ کر لاکٹ کو پھینک دے۔ نوشی اسے بالکل چپ چاپ دیکھ کر برش سے اس کے بال سلجھانے لگی۔

"چلو اب۔" اسے اسی طرح آئینے کے سامنے کھڑے دیکھ کر نوشی نے ٹوکا تو وہ بے چارگی سے اسے دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لے کر اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

وہ طاہرہ بیگم کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر اپنے والدین کو کیسے مطمئن کرتی.....

"تم نے جواب نہیں دیا سعود! میں باقاعدہ اسی لیے آیا ہوں۔ اپنا گھر ہے سمعان کوئی انجان لڑکا نہیں کہ سوچو پھر بات پہلے سے تمہارے کانوں میں اسی لیے ڈال دی تھی کہ تم غور کر لو۔ اب ہمیں ہاں کہو۔ میں انکار نہیں سنوں گا۔ ویسے بھی یہ بات تو طے ہے۔ زرش میرے ہی گھر آئے گی۔" تایا ابو کی آواز پر وہ دونوں رک گئی تھیں۔ اندر بڑھتے قدم ان کے وہیں منجمد ہوئے تھے۔ سعید احمد نے اپنے مخصوص سلجھے' اور اپنائیت سے لبریز لہجے میں دستِ سوال دراز کیا تھا۔ زرش نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

"کیا سوچ رہے ہو۔ آپا کو میں اسی لیے ساتھ لایا ہوں کہ ہم دونوں بھائیوں میں یہی بڑی ہیں۔ اماں اور ابا جی کے بعد ہماری سربراہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تم یقیناً ان کے سوال کو تو نہیں ٹالو گے کیوں آپا؟"

نوشی نے معنی خیز نظروں سے زرش کو دیکھا تھا۔ زرش سپاٹ چہرہ لیے کھڑی رہی۔

"آپ کی سب باتیں ٹھیک ہیں مگر میں نے آپ کو اس دن بھی کہا تھا کہ زرش ابھی کم عمر اور لاابالی سی ہے۔ اتنی بڑی ذمہ داری وہ بھلا کہاں گھر داری کے امور سنبھال پائے گی پھر میں اسے پڑھانا چاہتا ہوں۔ نوشی اور ہادیہ کی بات دوسری تھی۔ زرش ابھی زمانے کی اونچ نیچ سے قطعی نابلد ہے۔"

"اس کا جواب میں نے تمہیں اس دن دے تو دیا تھا۔ فی الحال رشتہ طے کر لیتے ہیں۔ منگنی یا نکاح وغیرہ کی تقریب کر لیں گے۔ کیوں شائستہ تم کیا چاہتی ہو؟" انہوں نے اب کے خاموش شائستہ کو بھی درمیان میں گھسیٹا تھا۔

BESTURDU.BLOGSPOT.COM

"میں کیا کہوں۔ یہ تو ان پر منحصر ہے۔" وہ فوراً دامن بچا گئی تھیں۔

"سعود! تم دونوں ٹال رہے ہو۔ میں اسی لیے آیا ہوں۔ صاف جواب چاہیے مجھے۔"

"بھائی جان! میں بھلا کیوں ٹالوں گا۔ سمعان بے شک اپنا بیٹا سہی مگر میں بھی بیٹی کا باپ ہوں۔ ہر طرح سے سوچ بچار کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی بیٹی اچھے گھر میں جائے۔ نیک اور سلجھا ہوا جیون ساتھی ملے اسے۔ زرش تو ہماری سب سے لاڈلی بیٹی ہے۔ اس کے لیے میں اتنی جلدی ہاں کیسے کر دوں جب کہ یہ بات بھابی کو کرنی چاہیے تھی۔ سمعان صرف آپ کا ہی نہیں بھابی بیگم کا بھی بیٹا ہے۔ صرف آپ ہی سمعان پر حق نہیں رکھتے۔ یہ بھی برابر کی شریک ہیں اور شادی بیاہ کے معاملات فریق واحد کی خواہش پر ترتیب نہیں دیے جاتے۔ سارا خاندان دیکھا جاتا ہے۔ برا مت مانیے گا بھابی اگر آ گئی ہیں تو خاموش رہ کر سننے کے بجائے باقاعدہ بات چیت کریں۔ مجھ پر بیٹی بھاری نہیں ہے اور بیٹیاں تو بادشاہ بھی بیاہتے ہیں مگر اچھے مستقبل کی آس میں۔"

مسلسل خاموش بگڑے تیوروں سے براجمان طاہرہ بیگم کے رویے اور تیوروں کو نوٹ کرتے سعود احمد نے آخر کہہ ہی دیا۔

سعید احمد نے بے حد غصے سے طاہرہ بیگم کو دیکھا تھا جو ان کی دھمکی پر آ تو گئی تھیں مگر ان کا ہر انداز چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ جبراً لائی گئی ہیں۔

"سعود صحیح کہہ رہا ہے سعید احمد! بیٹیوں کے معاملے فوراً طے نہیں ہو جاتے۔ طاہرہ نے اگر یہاں آ کر پرانی رنجشوں کو بھلانے میں پہل کی ہے تو دل سے کرے اس طرح بیٹھنے سے کیا حاصل؟" نفیسہ آپا نے بھی ٹوک دیا۔ انہیں طاہرہ بیگم کے انداز واطوار بالکل اچھے نہ لگے تھے۔

"مجھے انہوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں ان کے ساتھ نہیں آتی تو بے شک کہیں بھی چلی جاؤں۔ میں آ گئی ہوں اس سے زیادہ آپ کیا چاہتے ہیں؟" اتنی دیر سے برداشت کرتی طاہرہ بیگم ایک دم چیخ گئی تھیں۔ خاصے بدلحاظ انداز میں جوابی کارروائی ہوئی تھی۔ سب ہکا بکا رہ گئے۔

"طاہرہ۔" سعید احمد فوراً برہم ہوئے تھے۔

"بھائی جان پلیز! رشتے کے معاملات اس طرح جبر سے طے نہیں ہوتے۔ اگر طاہرہ بھابی رضامند نہیں تو آپ کیوں ضد کر رہے ہیں؟" سعید احمد کا طاہرہ بیگم پر گرجنا شائستہ بیگم کو ذرا اچھا نہ لگا تھا تو انہوں نے فوراً کہہ دیا۔

"میں ضد نہیں کر رہا۔ اس میں میرے بیٹے کی بھی خوشی ہے جسے یہ کم عقل عورت اپنی بہن کے اشاروں پر ناچتے ہوئے ملیامیٹ کرنے کی کوشش میں ہے۔ ضد اس نے باندھی ہوئی ہے میں نے نہیں۔" غم وغصے' تاسف وملامت آمیز نگاہوں سے انہوں نے طاہرہ کو دیکھا تھا۔

"آپ مجھے اس طرح اس گھر میں لا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح مجھے برا بھلا کہہ کر قائل کر لیں گے تو یہ بھول ہے آپ کی۔ سمعان کی پسند اتنی گھٹیا ہو ہی نہیں سکتی۔ میرے بیٹے کو ورغلایا ہے پہلے اس عورت نے اور اب اس کی پاکباز بیٹی نے۔" الفاظ تھے کہ زہر میں بجھے تیر.....

زرش کا چہرہ تاریک تر ہو گیا تھا۔

"طاہرہ۔"

"بھابی بیگم! ہوش میں رہ کر بات کریں۔" سعود احمد' طاہرہ بیگم کی زبان کے جوہر دیکھ کر ایک دم دھاڑے تھے۔ زرش اور بیوی سے متعلق ایک بات بھی نہیں سن سکتے تھے۔

"کیوں اتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ بتایا تو ہو گا تمہیں بھی کیا کارنامے سرانجام دے کر آئی ہے میرے گھر میں۔"

"طاہرہ..... زبان کو لگام دو۔" سعید احمد دھاڑے تھے۔

زرش کو اپنا سر چکراتا محسوس ہوا۔ اس نے دیوار کا سہارا لیا۔

طاہرہ بیگم بس بم پھوڑنے کو تھیں۔

اس کا جی چاہا بس اسی لمحے اسے موت آ جائے یا پھر زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"ہر کوئی میری زبان کو لگام دیتا ہے۔ اپنے کرتوت کوئی نہیں دیکھتا۔ ہر دفعہ میں ہی کیوں ہار مانوں۔ کبھی یہ لوگ بھی تو جھکتے..... ہر دفعہ آپ نے ان لوگوں کے کہنے پر' مجھے ان کے سامنے ذلیل کیا ہے۔ میری اولاد تک کو مجھ سے متنفر کر دیا ہے۔ انہوں نے شرط باندھی کہ میں آ کر رشتہ مانگوں۔ ہاں میں آئی ہوں مگر شائستہ کو یہ بتانے کہ میں تھوکتی بھی نہیں ہوں ایسی لڑکی پر جو شادی سے پہلے ہی بغیر کسی رشتے کے ہی ہر حد پار کر جائے۔ بہو بنانا تو دور کی بات ہے۔"

کوئی بم تھا جو وہاں موجود ہر فرد کے اعصاب پر پھوڑا گیا تھا۔

زرش لڑکھڑا سی گئی۔ نوشی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندر کا منظر دیکھے گئی۔

"طاہرہ۔" سعید احمد بے بسی کی انتہا پر تھے۔

باقی سب بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔

سب سے بری حالت شائستہ اور سعود احمد کی تھی۔

"آپ مجھ پر گرج برس کر میری زبان کو روک نہیں سکتے جو سچ ہے وہ سچ ہے۔ آپ نے بھی تو دیکھا تھا زرش کو سمعان کے ساتھ پھر کیوں پردہ ڈال رہے ہیں؟" طاہرہ بیگم پر کسی چیز کا بھی اثر نہ تھا' نہ غصے کا اور نہ ہی سختی کا۔ سعود اور شائستہ تو گنگ سے تھے۔

"بکواس بند کرو۔" سعید احمد جو بمشکل خود پر ضبط کر رہے تھے طاہرہ بیگم کے ان الفاظ نے ان پر آتش فشاں کی طرح کام کیا تھا۔ وہ جو کبھی ہاتھ اٹھانے کے قائل نہ تھے ان کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ ان کا ہاتھ طاہرہ بیگم کے چہرے پر اٹھا تھا۔

"سعید..... بھائی جان۔" نفیسہ آپا اور شائستہ دہل کر کھڑی ہوئی تھیں۔ طاہرہ بیگم چپ ہو گئی تھیں۔ غصے سے سعید احمد کو دیکھا جو پھٹ پڑنے کو تھے۔ زرش کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھا۔ نوشی بھی ڈر گئی۔

"تمہیں عزت راس ہی نہیں۔ میں ہمیشہ درگزر کرتا رہا ہوں۔ اپنے بچوں کی خاطر ہمیشہ سمجھوتہ کیا

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

ہے مگر آج تو حد کر دی ہے تم نے۔ اپنی اولاد پر بہتان لگاتے ہوئے کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا۔ کچھ تو شرم آئی ہوتی تمہیں..... کیسی عورت ہو تم.....؟ یہ فطرت تو سانپ کی ہے۔ اپنے ہی بچوں کو کھا جانے والی۔"

"مجھ پر اس طرح چیخ چلا کر میری زبان کو روک لیں گے مگر حقیقت خود اپنا آپ منوا رہی ہے۔ اگر یہ سچ نہیں تو پھر آپ کیوں تیار ہو رہے ہیں اس قدر جلدی شادی کے لیے....."

وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی تھیں۔ اگلے ہی پل پھر دوبدو تھیں۔

سعود احمد کو اپنے سینے کے بائیں طرف درد اٹھتا محسوس ہوا تھا۔

یہ سب کیا تھا..... وہ کیا سن رہے تھے..... یہ کیسا بہتان تھا.....؟

انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے؟

کیا ایک دفعہ پھر ان کی اولاد کسی الزام کی زد پر آنے کو تھی۔ ہادیہ کے بعد زرش بھی..... یہ رشتے ناتے طے کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اپنا سینہ مسلا مگر درد تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ناقابلِ برداشت حد تک.....

"اگر مجھے علم ہوتا کہ تم یہ سب کرو گی تو میں کبھی یہاں آنے کی غلطی نہ کرتا۔" سعید احمد کے لہجے کی شکستگی ایک دم گہری ہوئی۔

"سعید اور طاہرہ اس طرح لڑنے جھگڑنے کے بجائے آرام سے بات کرو۔ کیا معاملہ ہے.....؟ طاہرہ ایسا کیوں کہہ رہی ہے؟" نفیسہ آپا نے ٹوکا تھا۔

ان کی تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ طاہرہ کیا کہہ رہی ہیں۔

"بکواس کرتی ہے یہ عورت۔" وہ نفرت سے پھنکارے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس عورت کا گلا دبا دیتے۔

"ہاں میں بکواس کرتی ہوں۔ تم سعود احمد بیٹی کو بلوا کر پوچھ لو۔ میں کیا بکواس کر رہی ہوں۔ بتایا تو نہیں ہوگا تمہیں تمہاری بیٹی نے۔ آخر کو اتنی دیدہ دلیری سے ماں باپ کو اپنے کارنامے کون بتائے گا؟"

وہ وار کرنے سے پھر بھی نہیں چوکی تھیں۔ شائستہ تو ساکت رہ گئی تھیں۔ سعود احمد کے اندر اشتعال برپا ہوا تھا۔

"پہیلیاں بجھوانے کے بجائے صاف بات کریں۔" سینے کا درد نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے سختی سے کہا تھا۔ طاہرہ بیگم طنزیہ ہنسیں۔

"بیٹی کو بلوا لو پوچھ لو۔ صاف پتہ چل جائے گا۔" اس جواب پر سعود احمد کا دماغ گھوم گیا تھا۔ ایک دم لگا طاہرہ نے زمانے کی کیچڑ ان پر اچھال دی ہو۔

"زرش....." سعود احمد کی گرج دار آواز گونجی تو سب سنتی زرش چونکی۔ نوشی نے فوراً ڈر کر اس کا ہاتھ تھاما۔ طاہرہ کی ساری بکواس دونوں نے سنی تھی۔ دونوں اس بکواس کا مفہوم اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ نوشی

نے الجھ کر اسے دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی۔

"زرش۔" اس دوبارہ پڑنے والی پکار پر وہ کانپ سی گئی تھی۔ باپ کے سامنے جانے کی شرم ہی ایسی تھی کہ اسے اپنے وجود سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ طاہرہ کے اس قدر رکیک الزامات نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لی تھیں۔ ایسی گھٹیا ذہنیت بھی رکھتی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس طرح گیم کھیل کر اسے اس کے اپنے ہی گھر میں اپنے والدین کے سامنے ذلیل کر سکتی ہیں۔

مردہ قدموں اور بند ہوتے دل کے ساتھ وہ آگے بڑھی تھی جب کہ طاہرہ کی اس اوپری چال سے ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔

"زرش! بتاؤ مجھے۔ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ کیا کر چکی ہو تم.....؟ بتاؤ....." وہ گرجے تھے۔ دل کا درد بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ پاپا کا یہ غصہ' ایسا جلال اور آنکھوں سے نکلتی نفرت و اذیت کی بجلیاں اس نے پہلی بار ان آنکھوں میں دیکھی تھیں۔ سعود احمد کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ایک ہاتھ سینے پر تھا' دل کو بری طرح مسل رہے تھے۔ اس نے تو ان کو ہمیشہ حلیم و شفیق اور مہربان روپ میں دیکھا تھا۔ اس انداز میں پہلی بار نظر آ رہے تھے۔ اپنے ناکردہ گناہوں پر آنسو تمام حدیں پار کر گئے۔ صورت حال ایسی ہی تھی کہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ ہی نہ سکی پھر بتاتی بھی کیا.....؟ شرم سے مر جانے کو اس کا جی چاہا۔

"سعود! تم زرش کو کیوں گھسیٹ رہے ہو۔ جو بھی پوچھنا ہے مجھ سے پوچھو۔ اس میں اس بیچاری کا کیا قصور.....؟ اسے کیا سمجھ؟ پھر بہتان کا کوئی سر پیر ہو تو بات ہے۔"

"نہیں بھائی صاحب۔ اسے بتانے دیں۔ اس کے متعلق اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کیسے کہہ دی گئی؟"

"جواب دو زرش۔" شائستہ بیگم بھی پھنکاریں تو وہ چونک گئی۔

یہ اس کے والدین کے تیور تھے۔ اسے اندر تک پڑھ لینے والے والدین کے..... زرش کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔ اسے لگا کہ..... اگر اس نے آج اپنے حق میں کچھ نہ کہا تو پھر ساری عمر زبان پر قفل لگا لے گی۔ وہ ماں باپ کی نگاہوں میں ہمیشہ کے لیے گر جائے گی۔

آنکھوں میں برسات جاری تھی۔ دل میں درد ہلکورے کھا رہے تھے۔ انتہائی بے بسی سے سعید اور طاہرہ بیگم کو دیکھا۔ طاہرہ بیگم نفرت سے چہرہ موڑ گئی اور سعید احمد شرمندگی و ندامت سے سر جھکا گئے۔

سعود احمد اپنا سینہ مسلسل مسل رہے تھے۔ زرش کو اپنا وجود پارہ پارہ ہوتا محسوس ہوا۔

"پاپا!" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ضبط کھو گئی۔ نفیسہ پھپھو نے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا۔

"زرش! بتاؤ کیا بات ہے؟" انہوں نے حوصلہ دیا۔

"پلیز پاپا ماما۔ مجھ پر یقین رکھیں۔ یہ سب جھوٹ ہے' بکواس ہے ان کی۔ میرے اور آپ کے خلاف سازش ہے۔ بھلا آپ کی بیٹی ایسی ہو سکتی ہے..... خدا کی قسم سمعان بھائی میرے بھائی ہیں۔ وہ کچھ بھی سوچیں' کچھ بھی کہیں میں نے انہیں ہمیشہ اپنا بھائی سمجھا ہے۔ یقین کریں یہ سب بہتان ہے۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

مجھ پر اعتماد کریں۔"

سعود احمد کو لگا ان کی تکلیف ایک دم بڑھ گئی ہے۔ زرش کی صفائی ان کے اندر سکون بن کر اتری تھی مگر ساتھ ہی درد بھی تھا یعنی طاہرہ ایک دفعہ پھر جیت گئی تھیں۔ ان پر لگنے والا یہ وار پہلے کی نسبت اب زیادہ تکلیف دہ تھا۔ اپنی محرومیوں کا بدلہ اس طرح لے رہی تھیں۔ نارسائی کا بدلہ.....

ان کی حالت ایک دم بگڑی تھی۔ سینے کے اندر اٹھتی درد کی ٹیسیں ناقابلِ برداشت تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"سعود!" کئی آوازیں ابھری تھیں۔

"پاپا!" زرش لپک کر ان تک پہنچی تھی۔ ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"سعود کیا ہوا آنکھیں کھولو.....؟"

ان کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ سختی سے سینہ مسل رہے تھے۔ درد لمحہ بہ لمحہ ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ نوشی، شائستہ بیگم اور زرش تو بلک بلک کر رونے لگیں۔

"سعود....." ان کے ہاتھ پاؤں سن ہو رہے تھے۔ سعید احمد نے اس طرح بگڑتی حالت دیکھتے ملال سے پُر نظروں سے طاہرہ بیگم کو دیکھا وہ بھی کچھ خفت سے دوچار ہو رہی تھیں۔ یہ صورت حال ان کے لیے بھی کچھ نئی تھی۔

"سعود ہوش کریں۔ پلیز بھائی جان کچھ کریں۔ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔ ہم تو لٹ جائیں گے اگر انہیں کچھ ہو گیا تو....."

سعود احمد بے ہوش ہو چکے تھے۔ شائستہ بیگم بلک رہی تھیں۔ دونوں بچیاں رو رہی تھیں۔

"اگر سعود کو کچھ ہوا تو میں اب کے تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔" طاہرہ پر اپنی نفرت وحقارت سے بھری نگاہ ڈالتے وہ آگے بڑھے تھے۔

ایک لمحے کو طاہرہ بھی ان کی سرد نفرت بھری نگاہ سے خائف ہوئی تھیں مگر پھر سر جھٹک گئیں۔

سعید احمد تیزی سے سعود احمد کو اٹھا کر باہر کی طرف لپکے تھے۔

✿.....❁.....✿

آنکھ کھلنے پر وہ کچھ سمجھ نہ سکی تھی۔ ذہن بالکل خالی تھا۔ آنکھوں میں کوئی منظر نہ دل میں کوئی خیال تھا۔ وہ بے تاثر نگاہوں سے چھت کو دیکھے گئی..... تب ہی اپنے قریب ہونے والی آہٹ پر اس کی پلکیں حرکت میں آئیں۔

"تھینک گاڈ تمہیں ہوش تو آیا۔" شارق زمان اس پر جھکا تھا۔

وہ بس دیکھے گئی۔ یہ کون سی جگہ تھی..... وہ کہاں تھی؟ نگاہیں ابھی تک بے تاثر تھیں۔

"لگتا ہے ابھی تک تم کلوروفارم کے زیر اثر ہو۔ یار اب ہوش میں آجاؤ۔ اس سے زیادہ بے ہوشی میں افورڈ نہیں کر سکتا ادھر تمہارے غیرت مند بھائی میرے تعاقب میں ہر جگہ چھاپے مار رہے ہیں مگر بے سود ہے۔ تم اس وقت محفوظ جگہ پر ہو۔ یہاں تو تمہارے بھائی تو کیا کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"

شارق زمان کے لہجے کی کھلکھلاہٹ وشوخی عروج پر تھی۔

نویرہ کو اپنے دل ودماغ پر دھماکے سے محسوس ہوئے۔ ایک ایک کر کے کئی مناظر نگاہوں کے سامنے آتے چلے گئے۔ دل ودماغ کی گرہیں کھلتی چلی گئیں۔

نویرہ کی پھٹی نگاہیں خود پر جھکے شارق زمان پر ٹھہر سی گئی تھیں۔

وہ بے یقین سی تھی۔

زبان گویا گویائی سے محروم ہو چکی تھی۔ وہ اس شخص سے ہر قسم کی توقع کر سکتی تھی مگر یہ اقدام اس کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہ تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اپنے جسم کا بوجھ خود پر بھاری پڑنے لگا۔

"ایزی۔ تم پورے دو گھنٹے بے ہوش رہی ہو۔ اس دوران میں اپنے چند امور میں مبتلا رہا تھا۔ ایک گھنٹے پہلے ہی یہاں پہنچا ہوں۔ تمہاری طویل بے ہوشی اب پریشان کر رہی تھی۔ ویسے اب کیسا فیل کر رہی ہو تم؟"

نویرہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اپنی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہا۔ وہ اس شخص کے منہ پر نفرت سے تھوک دینا چاہتی تھی مگر وہ بے بسی سے منہ پھیر کر رو دی۔ کچھ بھی تو اب اختیار میں نہ تھا۔

"اف۔ ایک تو تم عورتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں گی۔ ہر بات پر رونا لازمی ہے کیا.....؟ مجھے جتنی ان آنسوؤں سے نفرت ہے تم اتنا ہی ان کو بہاتی ہو۔" وہ اس کے قریب بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اپنے سامنے کیا تھا۔ شارق زمان کا لمس کرنٹ بن کر اس کے وجود کو چھو گیا تھا۔

"ہاتھ نہ لگاؤ مجھے گھٹیا ذلیل انسان۔" اس نے اس کے ہاتھ بری طرح جھٹک دیے۔ نفرت کے ریلے نے بھرپور انداز میں سر ابھارا تھا۔

"کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا..... کیا قصور تھا میرا.....؟ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"تمہارا یہ رونا دھونا سب بے کار ہے۔ اتنا بڑا قدم میں نے محض انجوائے منٹ یا تھرل کے لیے نہیں اٹھایا۔ باقاعدہ پروپوزل بھیجا تھا۔ شادی کرنا چاہتا تھا تم سے اور اگر تم تعاون کرتیں تو کل کے دن تمہارے گھر بارات لے کر سب کچھ قاعدے قانون کے تحت کرتا۔ خیر اب تو جو ہو چکا وہ ایک طرف خوشی سے یا ناخوشی سے تمہیں اب ہر حال میں مجھے ہی قبول کرنا ہوگا۔"

نویرہ دکھ سے دیکھ کر رہ گئی۔ کل کا دن شدت سے یاد آنے لگا۔ آنے والا کل اس کی زندگی میں کیا کچھ لانے والا تھا مگر صرف اس ایک شخص کی وجہ سے وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی۔

"قبول کرنا تو ایک طرف نفرت کے قابل بھی نہیں ہو تم۔" وہ پھنکاری تھی۔ شارق زمان نے نویرہ کے چہرے پر چھائے نفرت کے اثرات بغور پڑھے تھے۔

"او کے جیسی تمہاری مرضی۔ واپسی کے راستے اب بند ہو چکے ہیں۔ تمہارے لیے بھی اور میرے لیے بھی۔ اگر تعاون کرو گی تو تمہیں بھی فائدہ ہوگا ورنہ تم میری دسترس میں ہو۔ میرے پاس ہو میرے لیے یہی کافی ہے۔ تمہیں کسی اور کا بنتے دیکھنا میرے ضبط کو گوارا نہ تھا۔ خاندان کی عزت کو پاؤں تلے

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

روند کر اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے تو واپس پلٹنے کے لیے نہیں۔"

نویرہ کے اندر دکھ' بے بسی' غم و غصے کی لہر اٹھی مگر وہ ضبط سے لب بھینچ گئی۔

"نبیل اور ساجد اماں کے پاس آئے تھے۔ اماں نے فون پر رابطہ کیا تھا۔ تمہارے بھائی میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ کرو گی اپنے بھائی سے بات؟"

نویرہ نے چونک کر شارق زمان کو دیکھا۔ اس وقت یہ شخص اسے ناقابلِ برداشت لگا۔

آخر یہ شخص چاہتا کیا ہے۔

"ویسے تو میری اس سے مسلسل بات ہو رہی ہے۔ منظر سے غائب ضرور ہوا ہوں دنیا سے تو نہیں۔ تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ ذرا اپنے بھائی کی برین واشنگ کرو۔ سمجھا دینا تم جس بند گلی میں آ گئی ہو وہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔"

شارق زمان نے موبائل نکال کر نمبر ڈائل کیے تھے۔

"کیسے ہو نبیل؟" رابطہ ہوتے ہی وہ پوچھ رہا تھا۔ نویرہ فوراً آنسو پونچھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔ شارق کی طرف توجہ دی۔

"میں تو تمہاری دعاؤں سے بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔ دوسری طرف سے نجانے کیا کہا گیا تھا کہ وہ کھل کر ہنسا تھا۔

نویرہ کے اندر تکلیف بڑھ گئی۔

"اتنی آسانی سے مرنے والا نہیں ہوں۔ خیر تم اپنا شوق بھی پورا کر لو۔ پولیس وغیرہ کونسا ہم سے ناواقف ہے۔ یوں سمجھو اپنی جیب میں ہے۔ آج تم کچھ بھی کہہ لو برا نہیں مانوں گا۔ فون اس لیے کیا تھا کہ تمہاری بہن تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔ کرو گے بات.....؟"

نویرہ کے آنسو پھر بہہ نکلے۔

"ہائے میرے بھائی۔" دل پر ہاتھ رکھ کر وہ بے چارگی سے اس شخص کو دیکھا۔ دل کا درد بڑھا تو آنکھوں کی روانی میں بھی تیزی آ گئی۔

وہ کیسے اپنے ماں جائے سے بات کرے گی.....

شرم و حیا جو اس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔

"لو بات کرو۔" شارق زمان نے اسپیکر آن کر کے موبائل اس کی طرف بڑھایا تو اس نے تیزی سے جھپٹ لیا۔

"نبیل بھائی۔" وہ روئی۔

"نویرہ۔" دوسری طرف نبیل کا ضبط بھی جواب دے گیا تھا۔

اس کے رونے سسکنے پر اس کی آواز بھی لڑکھڑا گئی تھی۔

"نبیل بھائی پلیز! مجھے یہاں سے لے جائیں۔ میں مر جاؤں گی پلیز۔"

بھائی کی بکھری ٹوٹی آواز سن کر ہی وہ بکھر گئی تھی۔ شارق زمان اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اسپیکر آن

ہونے کی وجہ سے وہ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

"نویرہ! یہ شخص ہماری عزت سے کھیل رہا ہے۔ ذلیل کر رہا ہے ہمیں۔ ایک دفعہ میرے ہاتھ لگ جائے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" نبیل کا غصے سے برا حال تھا۔ "بہت برا کیا ہے شارق نے ہمارے ساتھ۔ ہمیں رسوا کر کے رکھ دیا ہے۔ اماں کا برا حال ہے۔ واجدہ خالہ تو ابھی تک بے یقین ہیں کہ شارق ایسی کوئی حرکت کر سکتا ہے۔ کہاں ہو تم ٹھیک تو ہو نا؟"

بے بسی' اذیت اور آخر میں کرب کی گہری پرچھائیں جو نبیل کے لہجے سے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھری تھیں۔ نویرہ نبیل کے سوال پر لب بھینچ گئی۔

شارق زمان نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ شارق زمان نے اسپیکر آف کر کے موبائل کان سے لگایا۔

"سنو۔ ہاں ہو گئی بہن سے بات' ہو گئی تسلی.....؟ بے فکر رہو اتنا بڑا قدم بے خوف و خطر اٹھایا ہے تو سارے قاعدے قانون پورے کروں گا۔ اب تم سے تب ہی ملاقات ہو گی جب نویرہ احسان کو مسز شارق زمان بنا کر تمہارے سامنے لاؤں گا۔ تمہیں بھی تو بہن کو دیکھنے' ملنے کی بڑی جلدی ہے' تھوڑا سا صبر کر لو۔ آج کی رات یہ انتظام بھی ہو جائے گا۔ تب تک کے لیے اللہ حافظ۔"

شارق زمان نے موبائل آف کیا تو نویرہ بل کھا کر رہ گئی۔

"نویرہ احسان ابھی اتنی ارزاں نہیں ہوئی کہ تم اسے ایسے اوچھے ہتھکنڈوں سے مجبور کر لو۔ مجھ سے شادی کرنا تمہاری بھول ہے۔ میں ایسا کوئی لمحہ آنے سے پہلے موت کو گلے لگانا زیادہ بہتر سمجھوں گی۔" نفرت سے کہتے وہ پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی۔ ان لمحوں میں یہ الفاظ' یہ ردعمل فطری تھا ورنہ تو مر جانے کو جی چاہ رہا تھا۔ نجانے اس کی ماں پر کیا بیتی تھی۔ رہ رہ کر اماں کا دھیان آ رہا تھا۔ "ہائے اماں۔"

"نویرہ ضد نہ دلاؤ۔ مجھ سے پہلے ایک غلطی ہوئی تھی۔ بندہ بشر ہوں کوئی فرشتہ نہیں۔ اللہ کا شکر کہ اس نے مجھے کسی غلط عمل سے بچا لیا مگر اب میں سب کچھ داؤ پر لگا کر تمہاری طرف بڑھا ہوں۔ ہاں اب کے میں غلط ہوں مگر یہ تو دیکھو یہ سب کچھ میں تمہاری محبت میں' تمہارے لیے کر رہا ہوں۔ صرف تمہیں پانے کو' تمہیں اپنانے کو' میری محبت' میرے جنوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ بس مجھے واپس چھوڑ دیں پلیز۔" شارق زمان کو دھیما پڑتے دیکھ کر نویرہ نے سختی سے انکار کرتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"مجھ پر میرے گھر والوں پر رحم کھائیں۔ چھوڑ دیں مجھے۔ پلیز چھوڑ دیں۔" شارق جو اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ نویرہ اس جسارت پر تڑپ سی گئی۔ اپنے ہاتھ چھڑانے چاہے مگر گرفت انتہا کی سخت تھی۔

"جانتی ہو۔ میں تم سے اتنی محبت کیوں کرنے لگا ہوں؟"

PDFSUDF.BLOGSPOT.COM

نویرہ نے روتی آنکھوں سے لرزتی پلکیں اٹھائے اسے دیکھا جس کے وجود کی قربت اس کے تن من کو جھلسائے دے رہی تھی۔

ہاتھ جل اٹھے تھے۔

شارق زمان دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"مجھے تمہاری حیا مار گئی ہے۔"

اس کے نظریں جھکانے پر وہ بولا تھا۔

"میں نے عورت کے ایسے ایسے روپ دیکھے ہیں کہ مجھے عورت کے نام سے ہی گھن آتی تھی۔ اپنی ماں اور بہن کا حوالہ میرے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ میں نے عورت کے نام کو اپنے وقار' اپنی عزت وغیرت سے کھیلتے دیکھا ہے۔ ایسے میں تمہارا وجود اپنے نفس کو قابو میں رکھتے' اپنے ایمان کی حفاظت کرنا' شروع میں تمہاری طرف مجھے ایک کشش نے متوجہ کیا تھا اور پھر جب تمہیں بغور دیکھا۔ تمہیں پرکھا تو تمہارا وجود میرے لیے کسی روشن مینار سے کم نہ تھا۔ تمہاری شرم وحیا نے مجھے تمہاری طرف راغب کیا ہے۔ ٹھیک ہے یہ سچ بھی ہے۔ میں نے تمہیں ہمیشہ صرف اور صرف ایک مرد کی نگاہ سے دیکھا۔ مجھے ہر بار نواز کی قسمت پر رشک آتا اور حسد سا محسوس ہوتا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں سب کچھ تہس نہس کردوں۔ میرے اندر برداشت بہت کم ہے۔ اپنے آپ سے لڑنا کبھی سیکھا ہی نہیں ہے' جب بھی تم پر نگاہ ڈالی تمہیں حاصل کرنے کی تڑپ بڑھتی ہی چلی گئی۔ نواز کو بھلا کر ہر چیز کو فراموش کر کے صرف تمہیں پانے کی طلب اتنی شدید تھی کہ مجھے خود پر بھی اختیار ختم ہوتا محسوس ہو رہا تھا اور اس رات بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ اپنے آپ سے لڑتے میں وہ سب کچھ کر گیا تھا اور جب حواس بحال ہوئے تو ندامت نے آگھیرا مگر اب میری گرفت میں کچھ بھی نہ تھا۔"

نویرہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ شارق زمان کا کون سا روپ تھا؟ یہ کوئی چال تھی یا اسے شیشے میں اتارنے کا کوئی منتر.....

"میں ان دنوں اپنے آپ سے بھی ناراض بہت کچھ طے کر رہا تھا۔ ایک فیصلہ کرنا تھا اور پھر میں نے یہ سب کیا ہے..... نواز سے لے کر تمہیں یہاں لانے تک۔ میری طلب وقتی نہیں ہے۔ اس جذبے نے مجھ سے اپنا آپ منوایا ہے۔ میں اپنے جذبوں کے سامنے ہارا ہوں۔ میری جنوں خیزی نے مجھے یہ سب کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد اب واپسی کے راستے بند کر کے یہاں تک آیا ہوں۔ تم انکار کرو یا اقرار' خوشی سے یا زبردستی سے' اب تمہارے پاس کوئی چوائس نہیں۔"

نویرہ جو بڑے ضبط سے اسے سن رہی تھی آخری الفاظ پر بری طرح چیخی۔

"اپنی یہ چالیں کسی اور پر چلانا۔ میں تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کرنے والی۔ تم نے اعتبار ہی نہیں' رشتوں کا تقدس ومان بھی توڑا ہے۔ کبھی معاف نہیں کروں گی میں تمہیں۔ چاہے کچھ بھی کہتے پھرو' چھوڑو مجھے..... نفرت ہے مجھے تم سے نفرت ہے۔"

وہ وقتی طور پر الجھی تھی مگر اگلے ہی پل پھر بپھر گئی تھی۔

یہ شخص اسے دنیا کا سب سے بڑا فراڈ لگ رہا تھا۔

وہ اس قدر احمق نہیں تھی کہ اس قدر آسانی سے اس کے جال میں پھنس جاتی۔

"نویرہ!" نفرت کی انتہا تھی شارق زمان جو بڑے خلوص سے اپنے جذبات سے آگاہ کر رہا تھا۔ تڑپ کر رہ گیا۔ غصے سے اسے دیکھا۔

"میں مر بھی جاؤں تو بھی تم پر یقین نہیں کرنے والی۔ تم نئے بن کر بھی آجاؤ تو میرا ٹوٹا اعتبار جڑ نہیں سکتا۔ میں بڑی عزت کرتی تھی تمہاری۔ تم نے خود کو خود ہی میری نگاہوں سے گرایا ہے۔ اب یہ جھوٹی کہانیاں کسی اور کو سنانا مجھے نہیں۔ چھوڑو میرے ہاتھ' میں کہتی ہوں۔ چھوڑو مجھے ورنہ....."

نویرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے سامنے کھڑے شخص کو قتل کردے۔ شاید وہ ایسا کرنے سے گریز نہ کرتی اگر اس کی مضبوط گرفت میں نہ ہوتی۔

"نویرہ!" نویرہ کے یوں چیخنے پر وہ اس سے زیادہ سختی سے دھاڑا تھا۔ "تمہیں چھوڑنا ہی ہوتا تو اتنی مصیبتیں مول لے کر تمہیں حاصل نہ کرتا۔ یقین واعتبار کا کیا ہے۔ ایک دفعہ زندگی میں شامل ہو جاؤ۔ ساری عمر پڑی ہے اعتبار و یقین قائم کرنے کو۔ ابھی تو اس بات کی سرشاری ختم نہیں ہو رہی کہ نویرہ احسان میرے پاس ہے۔ میری دسترس میں۔" نویرہ کی بھرپور مزاحمت پر اس نے اسے کندھوں سے تھام کر اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ نویرہ اس کی فولادی گرفت میں تڑپ تڑپ گئی۔

"چھوڑو مجھے..... چھوڑو....." بے بسی کی انتہا تھی۔ فولادی گرفت سے اس جیسے بھنور کی طرح نازک وجود کا نکلنا محال تھا۔ آنسو شدت سے بہتے چلے گئے۔

"سنو۔ اپنے آنسوؤں کو کنٹرول کرو ورنہ میں خود پر ضبط قائم رکھنے کی گارنٹی نہیں دوں گا۔"

جذبات سے بوجھل لہجہ نویرہ کو نہ صرف ساکت کر گیا تھا بلکہ اس کے آنسو بھی ٹھٹھر گئے تھے۔

"تم میرے پاس ہو۔ میرے اختیار میں' مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ میں اپنے احساسات کا اظہار کس طرح کروں۔ تم نفرت سے دھتکارو یا نگاہ پھیر لو میرے لیے تو تمہارا پاس ہونا ہی کافی ہے۔" وہ بوجھل آواز سے کہہ رہا تھا۔ نویرہ کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا۔

یہ حاکم وخودسر شخص جس طرح اسے یہاں تک لے آیا تھا۔ مزید کچھ بھی کر لیتا تو وہ کیا کر لیتی..... اگر وہ شیطانیت پر اتر آیا تو وہ کیسے اس کے شر سے بچ پائے گی؟ کیسے اس کی وحشت کی نذر ہونے سے خود کو بچائے گی.....؟ خوف نے اس کے اعصاب کو بری طرح اپنے جال میں جکڑا تھا۔

"یہ خوب صورتی تو تمہاری اضافی خوبی ہے۔ عورت اگر باحیا وباکردار ہو تو مرد کے دل پر راج کرتی ہے اور اگر وہ خوب صورت بھی ہو تو سدا مرد کے دل میں رہتی ہے۔ اس کا جادو ساری عمر سر چڑھ کر بولتا ہے۔ تم میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں۔ پوری جادوگرنی ہو تم۔"

نویرہ کے اعصاب ٹھٹھر کر رہ گئے تھے۔

گرفت ڈھیلی تھی مگر ہمت ناپید ہو چکی تھی۔

"تم میری ہو۔ دل نے یہ صرف مانا ہی نہیں دن رات ورد کرتا ہے کہ نویرہ صرف میری ہے۔ تمہیں

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

کسی اور کا ہوتے کیسے دیکھ لیتا۔ میری محبت کی انتہا ہے یہ۔"

"چھوڑو مجھے۔ میں مر جاؤں گی شارق زمان مگر تمہارے کسی مکروہ کھیل کا حصہ نہیں بنوں گی۔" ڈھیلی پڑتی گرفت کے حصار سے نکل کر وہ دور ہٹ گئی تھی۔

شارق زمان ہنس دیا۔

"بڑی بے وقوف ہو۔ تمہیں اسی لیے تو نہیں لایا۔ باقاعدہ قانون قاعدے پورے کر کے تم سے شادی کروں گا۔"

"بھول ہے تمہاری۔" زہر خند لہجے میں پھنکاری تھی۔

وہ مسکرایا تب ہی اس کا موبائل بجا تھا۔

"دیکھ لیتے ہیں۔ ویسے وکیل صاحب کو کاغذات تیار کرنے کو کہہ دیا ہے۔ رات تک نکاح کی کارروائی مکمل ہو جائے گی پھر تفصیلی بات ہو گی۔ حسن اگر شعلہ بیان ہو تو ڈبل مارکس حاصل کرتا ہے۔ تمہاری یہی خوبی تو متاثر کرتی ہے۔ تمہیں بڑی سے بڑی ترغیب کمزور نہیں بناتی۔ آئی لائیک اٹ۔"

نوریہ کا دماغ سن سا ہو گیا۔ شارق کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ وہ ایک مسکراتی نگاہ اس پر ڈال کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس کے نکلتے ہی آٹو میٹک لاک خود بخود بند ہو گیا تھا۔ نوریہ بے جان سی کارپٹ پر ڈھے سی گئی تھی۔ چکراتے سر کو تھام کر وہ آنے والے حالات میں گم ہو گئی تھی جو ناقابلِ فہم تھے۔

✿.....✿.....✿

اس انکشاف نے سعود احمد کی ذات کو ہی نہیں ان کے ذہن کو بھی بری طرح متاثر کیا تھا۔ وہ تین دن ہاسپٹل رہے تھے۔ انتہائی نگہداشت والے روم میں اور پھر گھر شفٹ ہو گئے تھے۔ ان کی طبیعت ابھی بھی تسلی بخش نہ تھی۔ وہ پہلے ہی ہارٹ پیشنٹ تھے۔ اس انکشاف نے ان کی ذات کو بری طرح مجروح کر دیا تھا۔ یہ دوسرا اٹیک تھا۔ نجانے کن نیکیوں کا صلہ تھا جو بچ گئے۔

زرش تو ان چند دنوں میں نچڑ کر رہ گئی تھی۔ دن رات کی مسلسل ٹینشن نے اس کے اعصاب پر ہی نہیں جسم پر بھی اثر کیا تھا۔ وہ سوکھی شاخ کی طرح ٹوٹ گئی تھی۔ ایک مکمل بھرپور خوشیوں اور مسرت بھری زندگی گزارتے اچانک زندگی کا یہ موڑ کسی بدہیت و بھیانک حادثے سے کم نہ تھا۔

شائستہ نے اس کی حالت دیکھتے اس سے باز پرس نہ کی تھی کہ وہ پہلے ہی سعود احمد کی حالت کی ذمہ دار خود کو سمجھ رہی تھی مگر انہوں نے قصداً اسے بلانا' بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔ زرش ان سے اتنا کچھ چھپا گئی تھی۔ یہ ایسا صدمہ تھا جو کسی طور پر بھی کم ہونے والا نہ تھا۔ زرش ان کے رویے سے مزید ٹوٹ گئی تھی۔ سعود احمد کی بے ہوشی کے عالم میں وہ بارہا ان کے پاس گئی تھی مگر ہوش میں آنے کے بعد اس کے اندر ان کے سامنے جانے' ان سے آنکھیں ملانے کی ہمت ہی نہ رہی تھی۔ وہ مجرم نہیں تھی مگر مجرم بن گئی تھی۔ اس کی ذات اشتہار بن کر رہ گئی تھی۔ خاندان بھر میں اس قصے نے خوب شہرت حاصل کی تھی۔ کچھ قیصرہ کی زبانی اور کچھ سعود احمد پر بیتنے والی قیامت نے لوگوں کو متجسس کر دیا تھا۔ بات پھیلی تھی اور

جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔ وہ تو خود سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہی تھی۔

آنے والے بظاہر عیادت کو آتے تھے مگر ہر کوئی نشتر چھوڑنے سے باز نہیں رہتا تھا۔ زرش کا بارہا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ کر لے۔ جذباتی تو وہ شروع سے ہی تھی۔ سوچ کی انتہا کا کوئی عالم نہ تھا۔

سمعان احمد صرف ایک دفعہ ہاسپٹل گیا تھا۔ سعود احمد بے ہوش اور شائستہ بیگم خاموش..... سمعان کے اندر کی شکستگی بڑھ گئی تھی۔ احساس جرم نے دوبارہ جانے کی ہمت چھین لی تھی۔ سمعان دوبارہ عیادت کو نہیں آیا تھا۔ ہاں علی اور فرح مسلسل آ رہے تھے۔

سعید احمد تو ہمہ وقت سعود کے ساتھ ہی تھے مگر گھر آتے ہی شائستہ نے انہیں آنے سے منع کر دیا تھا۔ بہت قطعی انداز تھا۔

"کیوں؟" ان کا احتجاج بھرپور تھا۔

"اتنا کچھ ہونے کے باوجود آپ یہ بات کہہ رہے ہیں؟ اب تو کیوں کا سوال ہی نہیں رہا....."

وہ شرمندہ ہو گئے تھے۔ سمجھانے کو لب کھولے تو شائستہ نے وہاں سے قدم ہٹا لیے اور وہ کتنی دیر تک گم صم رہے۔ اب اس گھر کے دروازے بھی ان پر بند ہو رہے تھے۔ اس احساس نے دل پر ضرب لگائی تھی۔ ان سے یہ رشتہ چھوٹ رہا تھا۔ بھائی کا رشتہ اب ہمیشہ کے لیے چھوٹ رہا تھا..... انہیں لگا کہ کسی نے کند چھری ان کے گلے پر پھیر دی ہو۔ وہ اس رشتے کو بچانے کے لیے ہی اس قدر کوشش کر رہے تھے مگر ہر کوشش لاحاصل ٹھہری تھی۔ احساس زیاں نے کمر توڑ ڈالی تھی۔

صرف ایک عورت کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا۔ ایک کمزور سی عورت اتنا کچھ کر گئی تھی۔ ان کے اندر کی بھڑکتی آگ جنہیں وہ اپنے گھر کی ناموس اور بچوں کی بقا کے لیے ٹھنڈا کر رہے تھے یک دم شعلے بن کر چار سو پھیل گئی تھی۔

سعود احمد کو گھر آئے دو دن ہو گئے تھے۔ پہلے ان کی طبیعت قدرے بہتر تھی۔ ہادیہ آپی طیب کے ساتھ یہیں تھیں۔ پھپھو اور ماموں روزانہ چکر لگا رہے تھے۔

زرش مسلسل کمرے میں بند تھی۔ کالج تو اس پریشانی کی وجہ سے وہ جا نہیں رہی تھی مگر وہ کمرے سے نکلنا بھی بند کر چکی تھی۔

سعود احمد اس کی طرف سے بالکل خاموش تھے اور شائستہ نظر انداز کرنے کی پالیسی اپنائے ہوئے تھیں۔

شائستہ سعود احمد کو میڈیسن دے کو انہیں آرام کرتا دیکھ کر کمرے سے باہر نکلیں تو نوشی نے روک لیا۔

"ماما!"

"ہوں۔" شائستہ بیگم نے جواب دیا۔

"زرش کو سمجھائیں۔ وہ نہ کچھ کھا رہی ہے نہ پی رہی ہے۔ کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ہے۔ بہت ضد کرنے پر چند نوالے کھا لیتی ہے۔ اتنے دنوں سے ایسے ہی کر رہی ہے۔ صرف دودھ کے گلاس پر گزارہ کر رہی ہے یا پھر میرے اصرار پر چند لقمے لے لیتی ہے۔"

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

وہ چونک کر رک گئی تھیں۔ وہ نظر انداز اسے ضرور کر رہی تھیں مگر اتنی غفلت تو کبھی نہ کی تھی۔

"کب سے ایسا کر رہی ہے؟" انہوں نے متفکر ہو کر نوشی سے پوچھا۔ زرش ان کی بھی چہیتی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ اس کو پہنچنے والی تکلیف ان کے لیے بھی ناقابلِ برداشت تھی۔

"جب سے وہ تایا ابو کے گھر سے آئی ہے۔ پہلے تو بخار کی وجہ سے مگر اب تو وہ کمرے میں بند ہو گئی ہے۔ آپ نے بھی اس پر توجہ نہیں دی۔ ایک دو دفعہ ہاسپٹل گئی ہے۔ اس کے بعد تو وہ کمرے سے نکلنے سے بھی گئی۔ میں نے ایک دو دفعہ کہا بھی کہ کالج چلی جاؤ مگر وہ جیسے ساری دنیا سے کٹ گئی ہے۔" نوشی کی آواز بھیگ گئی تھی۔ شائستہ بیگم کو تشویش لاحق ہوئی۔

"اچھا تم ہادیہ کو دیکھو کیا کر رہی ہے۔ میں اسے دیکھتی ہوں۔" وہ بیٹی تھی کب تک اسے نظر انداز کرتیں.....

زرش کو اس طرح خود کو سزا دیتے سن کر وہ کانپ گئی تھیں۔ فوراً چہیتی بیٹی کے کمرے میں پہنچی تھیں۔ دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔ وہ جائے نماز پر بیٹھی سجدے کی حالت میں تھی۔ انہیں حیرت تو ہوئی مگر دکھ بھی ہوا۔ اپنی غفلت پر ندامت نے آلیا۔

زرش نماز کی اتنی پابند نہ تھی۔ ان کے ٹوکنے پر ہی یا کبھی کبھار خود سے نماز ادا کرتی تھی۔ وہ آگے بڑھیں تو محسوس ہوا کہ زرش رو رہی ہے۔ ہچکیوں سے روتی زرش ان کے دل پر جیسے کسی نے گھونسہ مار دیا تھا۔ انہوں نے تو کبھی خود سے اسے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا۔ ان کے دل میں شگاف سا پڑ گیا۔ یہ لڑکی تو ان کا دل تھی' پھر تکلیف کیسے نہ ہوتی.....

"زرش....." انہوں نے آواز دی تھی۔ ان کے لایعنی رویے نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان کے دل سے گویا کوئی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا تھا۔

اس کی پکار پر زرش فوراً سیدھی ہوئی تھی۔ منہ صاف کر کے فوراً آپلٹی تھی۔ شائستہ کو اتنے دنوں بعد اپنے کمرے میں دیکھ کر چونکی تھی۔

"ماما! آپ....." اس کی حیرت بالکل بجا تھی۔ شائستہ بیگم کو ندامت نے آگھیرا۔ سعید احمد انہیں سب کچھ بتا چکے تھے۔ فرح بھی ان سے بہت کچھ کہہ کر گئی تھی۔

ہاں سمعان احمد بالکل خاموش رہا تھا۔ اس نے اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہ کہا تھا سوائے اس کے.....

"چچی جان مجھے معاف کر دیجیے گا۔ میری ذات آپ اور زرش کی اس درجہ ہتک وذلت کا باعث بنی۔ بخدا میرا مقصد یہ کبھی نہ تھا۔ میں نے تو محبت سے بھی بڑھ کر زرش کا احترام کیا ہے پھر میں اسے کیسے رسوا کرنے کا سوچ بھی لیتا..... ہر چند کہ میری ہر ممکن کوشش یہی رہی کہ زرش بے خبر ہی رہے مگر جب ایسا ممکن نہ رہا تو میں نے مزید پیش رفت کی تھی۔ میں نے آنے والے حالات کو سنوارنا چاہا تھا مگر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی اور زرش کی بربادی کا سامان کر بیٹھا۔ مجھے معاف کر دیجیے گا۔ ہر چند کہ میری ذات سے لگنے والا یہ بہتان مجھے قابلِ معافی نہیں ٹھہراتا۔"

اور اس کے بعد سمعان چلا گیا تھا۔ سمعان نے ان کے سامنے دوبارہ آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ تو خود بھی ان حالات سے اور سب سے بڑھ کر سعود احمد کی بیماری نے انہیں متوحش کر دیا تھا۔

"زرش۔" انہوں نے آگے بڑھ کر زرش کو تھام لیا تھا۔ اس سارے قصے میں بھلا زرش بے چاری کا قصور کہاں تھا.....؟ اسے تو بے قصور سزا مل رہی تھی۔

زرش اولاً تو شائستہ کو اس قدر رنجیدگی کے بعد اپنے سامنے دیکھ کر ہی حیران تھی۔ ان کے ہاتھ تھامنے پر بکھر ہی گئی تھی۔

"ماما!" وہ تو جیسے سہارے کی ہی منتظر تھی۔ اس کے اندر کی طغیانی ٹوٹا ہوا بند ثابت ہوئی تھی۔ وہ بکھر بکھر گئی تھی۔ رسوائی کوئی بھی ہو..... خون کے آنسو رلاتی ہے۔ بیٹی کے اس دکھ پر ان کی آنکھیں بھی جل تھل ہو گئی تھیں۔ انہوں نے اسے تھام کر صوفے پر جگہ لی تھی۔

زرش قالین پر بیٹھی ان کی گود میں سر رکھے پھوٹ کر روئی تھی۔ خود پر بیتنے والی قیامت حرف بہ حرف بتائی تھی۔ اس طرح تو وہ کبھی نہ روئی تھی۔ زرش کا رونا' گریہ وزاری شائستہ کے اندر زخم کرتی جا رہی تھی۔

"زرش! میرے بیٹے بس کرو۔" روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تو انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے سمیٹا۔

"ماما! آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ یقین کریں میں بے قصور ہوں۔ میں آپ کی بیٹی ہوں۔ مجھے اندر باہر سے آپ جانتی ہیں۔ تائی امی جو بھی کہہ رہی تھیں جھوٹ ہے' بکواس ہے۔ میں ایسی گری ہوئی حرکت کر ہی نہیں سکتی۔"

"چپ اب بس کرو۔ میں سب جانتی ہوں۔ بھائی صاحب کہہ چکے ہیں۔"

"تو..... پھر آپ مجھ سے ناراض کیوں تھیں؟" اس نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔

"ہاں ناراض تو میں تھی اس لیے نہیں بلکہ دکھ تو یہ تھا کہ اتنی بڑی بات ہو گئی اور تم نے ہوا تک نہ لگنے دی۔ تمہیں بخار ہو گیا تم اتنا بیمار ہو گئیں اور میں جان ہی نہ پائی۔ کیا تمہیں مجھ سے ایسی بات چھپانا چاہیے تھی؟"

"مجھے تایا ابو نے آپ سے کچھ بھی کہنے سے منع کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ خود ہی آپ سے بات کریں گے۔ سلیقے سے سمجھا لیں گے۔" زرش سچ کہہ رہی تھی۔ انہوں نے اپنا چہرہ صاف کیا اور بغور زرش کا جائزہ لیا۔ کمزور ونحیف وجود انہیں پھر شرمسار کر گیا۔

"اٹھو پانی پی کر آؤ۔" انہوں نے اسے بھیجا تھا۔ وہ پانی پی کر آئی تو پھر ان کی گود میں سر رکھ کر بیٹھ گئی۔

"ماما! پاپا مجھ سے ناراض ہیں؟"

مضمحل اور یاس میں ڈوبی نگاہیں تھیں۔ انہیں زرش پر بہت ترس آیا۔

"نہیں۔ تم خود ہی ان کے پاس نہیں جا رہیں ورنہ کئی بار تمہارا پوچھ چکے ہیں۔"

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

"انہیں اصل حقیقت کا پتہ ہے؟"

"ہوں بھائی صاحب نے مجھے سب بتایا تو پھر میں نے ان سے بات کی تھی پھر خاندان بھر میں بات پھیلی ہے تو انہیں بھی حالات کی سنگینی کا احساس ہو رہا ہے۔ نفیسہ آپا نے بات کی تھی ان سے۔"

"آپ کو مجھ پر اعتماد ہے نا؟" وہ ابھی بھی بے یقین تھی۔ اس حادثے نے اسے بے اعتماد کر دیا تھا۔ شائستہ کو دکھ نے شکستگی سے دوچار کر دیا۔ بہت محبت سے زرش کی پیشانی چومی اور اس کے بال سمیٹے۔ اس نے کئی دنوں سے لباس نہیں بدلا تھا۔ ملگجا سا حلیہ تھا انہیں نکھری نکھری خوشبوؤں میں نہائی زرش کہیں کھوئی ہوئی محسوس ہوئی۔ ان کا دل کانپ گیا۔ اس تصور سے ہی کہ ان کی زرش کھو گئی ہے.....

"ہاں اعتماد ہے۔ اپنے سے بھی بڑھ کر۔"

زرش جیسے اس اقرار کی ہی منتظر تھی۔ گویا وہ جی اٹھی تھی۔

✿.....❁.....✿

سعید احمد طاہرہ پر بری طرح گرج برس رہے تھے۔ طاہرہ بھی دو دھاری تلوار بنی ہوئی تھیں۔ فرح اور علی سب سن کر بہرے بنے ہوئے تھے۔

مگر کب تک.....؟

وہ پہلے ہی ماں باپ سے خائف رہتے تھے مگر اب اپنی ماں کا یہ روپ دیکھ کر دونوں ہی ان سے لاشعوری طور پر اجتناب برت رہے تھے۔

ماں باپ کی اندرونی چپقلش کا انجام تو دیکھ رہے تھے مگر انتہا کیا تھی وہ بے خبر تھے۔ سمعان احمد اس واقعے کے بعد گھر سے گویا کٹ کر رہ گیا تھا۔ صبح صبح بغیر ناشتے کے جو نکلتا تھا تو رات گئے دو ڈھائی بجے واپسی ہوتی تھی اور پھر بغیر کسی سے کلام کیے کمرہ لاک کیے وہ وقت گزارتا تھا۔

علی غصے سے ہول کر چیخ کر اپنی بھڑاس نکال رہا تھا مگر فرح سب کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

سعید احمد طاہرہ بیگم سے بری طرح الجھے تھے۔ طاہرہ بیگم کو وہ گھر چھوڑ کر نکل جانے پر زور دے رہے تھے اور یہ گھر نہ چھوڑنے پر مصر..... بات بات پر گھر چھوڑ کر جانے کی دھمکی دینے والی طاہرہ اس دفعہ بڑے اعتماد سے اپنی جگہ پر مضبوطی سے ڈٹی ہوئی تھیں۔

علی ماں باپ کو الجھتے دیکھ کر غصے سے اپنی بائیک لے کر گھر سے نکل گیا تھا۔

فرح بری طرح خوفزدہ تھی۔ اسے باپ کے تیوروں سے کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔

سعید احمد کے کمرے سے دونوں کے بولنے کی اونچی اونچی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔ وہ اندر جا نہیں سکتی تھی اور دروازے کے قریب کھڑی ہول رہی تھی۔

"تم نے جو کرنا تھا کر لیا۔ تمہیں میں کہہ رہا ہوں میرے گھر میں تم جیسی عورت کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تم نے میری جتنی رسوائی وذلت کروانا تھی وہ کرا لی۔ اب یہ قصہ ختم کرو۔ یہ میری اولاد ہے میری نسل۔ تم سے کوئی تعلق نہیں میری اولاد کا۔ جس بہن کی شہ پر اتنا اکڑ رہی ہو چلی جاؤ اس کے پاس۔ اب قطعی برداشت نہیں کروں گا۔ جو لے جانا چاہتی ہو لے جاؤ۔ جس دولت' جائیداد کا تمہاری بہن کو

لالچ ہے' اسے کہو مجھ سے بلینک چیک لے۔ جتنی مرضی بھر لے مگر خدارا مجھے سکھ سے جی لینے دے۔ میں ایسی عورت سے باز آیا۔ میں تمہیں ساری عمر برداشت کرتا رہا اور بھی برداشت کر لیتا اگر بات میری اولاد کی نہ ہوتی۔ لوگوں نے مجھ پر جتنا تھوکنا تھا تھوک چکے۔ بہت سہہ لی یہ جگ ہنسائی..... اب تم مجھے معاف کرو۔ نکل جاؤ میری زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ تم جو فیصلہ چاہو گی میں بھجوا دوں گا۔"

فرح کے قدم دہلیز پر ہی ٹھٹک گئے تھے۔ اتنا قطعی انداز..... غصے سے بپھرے لہجے میں وہ محوِ کلام تھے۔ صورت حال سنگین تر تھی۔

فرح لرز اٹھی۔

ان کے گھر کا بکھرا ہوا شیرازہ۔ اب تنکا تنکا ہونے کو تھا۔ وہ فوراً دہلیز پار کر گئی تھی کہ اب مداخلت ناگزیر ہو چکی تھی۔

"امی..... ابو۔" وہ کبھی بھی ماں باپ کے معاملے میں نہیں آئی تھی مگر اب مجبور ہو گئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو.....؟ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

وہ بے بسی سے صرف دونوں کو دیکھ پائی تھی۔ مسلسل آنسو بہاتی گریہ وزاری کرتی طاہرہ اور غصے سے کمرے میں ٹہلتے سعید احمد دونوں نے اسے دیکھا تھا۔

"پتہ نہیں کیسے ماں باپ ہیں آپ۔ خودغرض..... کچھ تو احساس کریں۔ اپنا نہیں تو ہمارا ہی کر لیں۔ دنیا کی نظر میں ہم لوگ تماشا بن گئے ہیں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ سعید احمد تڑپ اٹھے۔

"فرح بیٹا! تم جاؤ یہ تمہارا معاملہ نہیں۔" وہ حیرت زدہ بھی تھے۔ ان کی خاموش طبع بیٹی اس طرح کہہ رہی تھی۔

"کیوں نہیں ہے یہ ہمارا معاملہ؟ کیا آپ ہمارے والدین نہیں ہیں؟" وہ سوالیہ دیکھ رہی تھی۔ وہ نظریں چرا گئے۔ "کتنی آسانی سے کہہ رہے ہیں ہمارا معاملہ نہیں۔ پلیز ابو جی ہماری خاطر ہی سمجھوتہ کر لیں۔ امی خدا کے لیے کچھ تو خیال کریں۔ آپ کی بھی بیٹی ہے۔ آپ کا کیا دھرا میرے آگے بھی آ سکتا ہے۔ کوئی مجھے بھی اس طرح ذلیل کر سکتا ہے۔ کچھ تو خدا کا خوف کریں۔"

سعید احمد تو تڑپ کر آگے بڑھے تھے۔

"فرح!" انہوں نے روتی بیٹی کو تھامنا چاہا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"جینے دیں ہمیں۔ ذہنی مریض بنا رہے ہیں آپ لوگ اپنی اولاد کو۔ خدا کے لیے ابو جی ہمیں تماشہ نہ بنائیں۔" اس نے باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ لیے تھے۔ سعید احمد کو لگا کسی نے انہیں منہ کے بل گہری کھائی میں دھکا دے دیا ہو۔ وہ منہ کے بل ہی تو گرے تھے۔ ان کی بیٹی ان کے سامنے اپنے وجود کا احساس دلا رہی تھی۔

"فرح۔" انہوں نے فرح کو ساتھ بھینچ لیا تھا۔

"آپ وعدہ کریں۔ آپ امی کو نہیں جانے دیں گے۔ پلیز ابو جی میرے لیے مان جائیں..... سمعان بھائی کے لیے پلیز۔"

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

طاہرہ تو ویسے ہی بیٹھی ہوئی تھیں مگر سعید احمد نے فوراً کہا تھا۔

"فرحی بیٹا! اب یہ ممکن نہیں۔"

"کیوں؟ اس ذلت سے تنہا آپ تو نہیں گزر رہے..... ہم سب گزر رہے ہیں۔ چچا جان کی فیملی گزر رہی ہے۔ ہم بھی تو برداشت کر رہے ہیں۔ آپ بھی کر لیں۔ مان کیوں نہیں لیتے جو امی چاہتی ہیں۔ یہ چچا کی فیملی کو ناپسند کرتی ہیں تو مان لیں۔ ضد والی کون سی بات ہے..... ختم کر دیں سب تعلق..... توڑ دیں ہماری خاطر..... ہماری بقا کے لیے۔"

وہ ماں باپ کے ٹوٹے رشتے کو ہر حال میں جوڑے رکھنا چاہتی تھی چاہے کیسے بھی سہی۔

"تم کچھ نہیں جانتیں ضد نہیں کرو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے آپ دونوں اپنی اپنی ضد پر قائم رہیں۔ بکھر جائے گی آپ کی اولاد۔ اس سے پہلے کہ آپ لوگوں کے کیے کا بھگتان آپ کی اولاد بھگتے کچھ تو سوچ لیں ورنہ کچھ کھلا کر ہمیں مار دیں۔ پلیز مار دیں ہمیں تاکہ اس روز روز کی ذلت سے تو چھٹکارا مل جائے۔"

وہ شدت سے رو رہی تھی اور سعید احمد گنگ رہ گئے تھے۔ یہ فرح کیا کہہ رہی تھی۔ ہذیانی انداز میں وہ چیخی تھی۔ ان کے اعصاب شل ہو گئے۔ فرح ان سے اتنی بڑی بات کہہ گئی تھی۔ انہوں نے بے بسی سے روتی ہوئی فرح کو دیکھا اور دور بیٹھی طاہرہ بیگم کو پھر آہستگی سے فرح کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ خاموشی سے اسے ساتھ لیے باہر نکل آئے تھے۔

سعید احمد فرح کے رویے پر چپ ہو کر سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

ان کی زندگی تو برباد ہو گئی تھی۔ اب ان کی اولاد تماشا بن رہی تھی۔ عثمان سب سے دور اسلام آباد جا بسا تھا۔ وہ زبان سے کہتا نہیں تھا مگر وہ جانتے تھے کہ اس کے رویے کی وجہ کیا ہے.....؟ علی کا مزاج ہی نرالا تھا۔ ماں سے فوراً بدظن ہو جانے والا..... سمعان احمد ان کی اولاد ہی نہیں سب سے دھیمے اور ٹھنڈے مزاج کا انسان تھا اور پھر فرح تھی ان کی چہیتی اور لاڈلی بیٹی مگر طاہرہ کی نفرت نے ان کی اولاد کو بکھیر دیا تھا۔

وہ گم صم ہو گئے تھے۔

وہ ایک انتہائی فیصلہ کر چکے تھے مگر فرح کا یہ ہذیانی انداز دیکھ کر مجبور ہو گئے تھے۔ دل اندر سے جل رہا تھا مگر وہ بیٹی کی خاطر سب برداشت کر گئے تھے۔

رات تک فرح خود کو بحال کر چکی تھی۔ اپنی جذباتیت پر رہ رہ کر افسوس ہوا۔ طاہرہ ابھی تک کمرے میں بند تھیں۔ علی واپس آ گیا تھا۔ گھر کا ماحول ہی ایسا تھا کہ سب افراد کھانے کی ٹیبل پر بھی دکھائی نہ دیتے تھے۔

سعید احمد اسٹڈی روم میں بند تھے۔ رات کے کھانے سے انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ علی اور اس نے برائے نام ہی کھایا تھا۔ سمعان احمد کی تو رات گئے سے پہلے واپسی ممکن نہ تھی۔

سارا دن وقفے وقفے سے فرح کی آنکھیں جل تھل ہوتی رہی تھیں۔

علی کمرے میں چلا گیا تو وہ ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی۔

گھر میں سناٹے اور جامد خاموشی کا راج اسے اندر سے کاٹ کھا رہا تھا۔

گھر کا سکوت توڑنے کو اس نے آواز بلند کر لی تھی۔

ٹیلی فون کی بیل پر وہ متوجہ ہوئی تھی۔

سعد جمال کے انکشاف کے بعد وہ اتنی ڈس ہارٹ ہوئی تھی کہ اس نے کال تک ریسیو کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی بلا سے فون بجتا رہے۔ وہ سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر لائن کاٹ دیتی تھی۔ کتنا تنگ کیا تھا اس شخص نے اسے..... وہ کس قدر دکھ و اذیت سے دوچار رہی تھی۔ یقین و مان بکھرا تھا..... سعد جمال ایک معتبر ہستی کی حیثیت رکھتا تھا۔ کبھی بے تکلفی کا رشتہ نہ تھا۔ وہ تو تکلف کی حد تک بھی اس شخص سے محوِ کلام نہ ہوئی تھی پھر یہ سب کیسے قبول کر لیتی؟

اس نے اپنے کمرے سے بھی فون ہٹا دیا تھا۔ وہ اس شخص کا تصور ذہن کے دریچے سے بھی مٹا دینا چاہتی تھی۔ وہ اس شخص کی آواز بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

سعد جمال کی دن میں کئی کئی کالیں آتی تھیں۔ وہ ہر بار بہری بن جاتی تھی۔ اس نے اس طرف سے نگاہیں بند کر لی تھیں مگر اب سی ایل آئی پر جگمگاتے نمبر کو دیکھ کر وہ گم صم ہو گئی تھی۔ بیل مسلسل بج رہی تھی۔ گہرے سکوت میں بیل کی آواز صور اسرافیل سے کم نہ تھی۔ مجبوراً کال ریسیو کرنا پڑی تھی۔

"ہیلو۔"

"فرح۔" دوسری طرف فوراً پہچانا گیا تھا۔ مضمحل سی فرح مزید مضمحل ہو گئی۔

"جی فرمائیے۔" لہجے کی تلخی بھرپور تھی۔

"شکر ہے کفر ٹوٹا۔ تم کال ریسیو کیوں نہیں کر رہی تھیں؟ تمہیں پتا ہے میں کتنا پریشان ہوں۔ کس قدر.....؟" ہمیشہ سنائی دینے والی زندگی و شوخی سے بھرپور آواز اس دفعہ مرجھائی اور بے تاب سنائی دی تھی۔

"تو میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں؟ اس دنیا میں کون ایسا شخص ہے جو پریشان نہیں؟"

اس شخص نے اسے اتنی اذیت دی تھی کہ وہ اسے کبھی معاف کرنے والی نہ تھی۔ تلخی سے بھرپور انداز تھا۔

"فرح۔" اس قدر بے مروّت رویے پر بے بسی سے پکار پڑی تھی۔ فرح کو اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔

"کیوں کال کی؟ اب کون ہے اس گھر میں جسے بے وقوف بنانا لازم ہے؟" تندی و تیزی سے اس نے خاصی ترشی سے کہا تھا۔

"پلیز فرح! مجھے اندازہ ہے تمہیں غصہ ہے۔ ناراض ہو مجھ پر پھر مجھے ایسی اخلاق سوز حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ میں تم سے شرمندہ ہوں مگر تمہارا رویہ بھی بجا نہیں۔"

"تو پھر کیا کروں.....؟ آپ کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لوں تو بھول ہے سعد جمال

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

صاحب آپ کی۔ آپ نے غلط لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔ جایئے اپنا ٹائم ضائع مت کریں۔ آپ کو اسی ملک میں اس مقصد کے لیے بہت سی مل جائیں گی۔ آپ نے غلط انسان کا انتخاب کیا ہے۔ کبھی معاف نہیں کروں گی۔ آپ کے کسی کے احساسات وجذبات سے کھیلتے ہوئے کچھ تو خوفِ خدا کیا ہوتا۔ کم از کم ماموں زاد سمجھ کر ہی لحاظ کر لیا ہوتا.....''

گھریلو حالات وواقعات اور پے در پے حادثات نے اس کے اندر اتنی تلخی بھر دی تھی کہ وہ لمحوں میں جذباتیت پر اتر آئی تھی ورنہ طبیعت کا یہ رنگ تو کبھی بھی نہ رہا تھا۔

''فرح پلیز۔''

''کیوں کال کی؟'' وہ بدلحاظی و بے مروّتی پر اتر آئی۔

''میں امی کو بھیجنا چاہتا ہوں مگر وہ آنے پر راضی نہیں۔ انہیں ممانی جان سے ہزاروں شکوے ہیں۔ مجھے پاکستان کے حالات کی کوئی خبر نہیں۔ پلیز مجھے بتاؤ یہاں ایسی کیا بات ہوگئی ہے کہ امی جو ماموں جان سے خود بات کرنے کو آنا چاہ رہی تھیں۔ اب ایک دم انکاری ہوگئی ہیں۔ کیا پھر ممانی جان سے ان کی کسی بات سے تلخ کلامی ہوگئی ہے۔ وہاں کی صورت حال کیا ہے؟''

فرح سختی سے لب بھینچ گئی۔

سعد جمال اپنی جذباتی واحمقانہ حرکتوں کی وجہ سے پہلے ہی اس کے دل میں کوئی جگہ حاصل نہ کر پایا تھا۔ اس انکشاف پر وہ کٹ کر رہ گئی۔ وہ بہت پریکٹیکل سوچ رکھنے والی لڑکی تھی۔ والدین کی اندرونی چپقلش نے اسے وقت سے پہلے ہی بڑا کر دیا تھا مگر تھی تو عام سی لڑکی ہی..... سعد جمال کی گفتگو اس کے دل پر وار کرتی گئی تھی۔ اسے لگا جیسے کسی نے روح کو شیشے سے ریزہ ریزہ کر ڈالا ہو۔

ماں اولاد کے لیے باعث فخر ہوتی ہے مگر وہ تو ندامت سے دوچار ہوگئی تھی۔ طاہرہ نے زرش کے ساتھ جو کیا تھا نفیسہ بیگم تو ایسا خار کھائی تھیں کہ انہوں نے طاہرہ بیگم سے دوبارہ کلام کرنا گوارا نہ کیا تھا۔

''تم میری خواہش تھیں اس سے پہلے امی کی خواہش' زرش تھی۔'' سعد جمال بتا رہا تھا اور فرح چونک گئی۔ ''مجھے علم ہوا کہ امی ایسا چاہتی ہیں تو میں نے ستارہ کے ذریعے امی کو پاور کروا دیا تھا کہ وہ زرش کا خیال چھوڑ دیں۔ زرش اور تم ان کے لیے ایک جیسی ہی اہمیت کی حامل تھیں۔ تمہارے بارے میں میرے جذبات سے آگاہی کے بعد وہ خود ہی ماموں جان سے رشتے کی بات کرنا چاہ رہی تھیں۔ میں تو خود ہی انہیں منع کر رہا تھا۔ میں فارغ ہو کر پاکستان آنا چاہ رہا تھا۔ تب تک میں تم تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا مگر کل امی کی کال آئی تھی۔ وہ بتا رہی تھیں کہ وہ اور ابو چھوٹے ماموں (سعود احمد) کے ہاں زرش کے رشتے کے لیے جا رہے ہیں۔''

''کیا.....؟'' فرح کو لگا جیسے اس کے اعصاب پر دھماکہ سا ہوا ہے۔ اس کے پورے وجود کے چیتھڑے اڑے تھے۔ ریسیور ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' فرح کے ہوش وحواس تک ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

''میں خود پریشان ہوں۔ جی چاہ رہا ہے کہ اڑ کر پاکستان پہنچوں۔ میں نے سمعان سے بات کی

ہے مگر وہ بھی بالکل خاموش ہے۔ مجھے تم پلیز بتاؤ کیا امی اور ممانی جان کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے جو وہ اس قدر شدید فیصلہ کن سوچ رہی ہیں۔ امی میری بات سننے پر آمادہ نہیں۔ مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ ایسا کیا معاملہ ہے جو مجھ سے چھپایا جا رہا ہے؟ سمعان بھی میری کال ریسیو نہیں کرتا..... ستارہ تک خاموش ہے کچھ تو بتاؤ مجھے.....؟''

فرح نے ہونٹ اتنی سختی سے دانتوں تلے دبا لیے کہ تکلیف سے کراہ کر رہ گئی۔ آنکھیں جھل تھل ہو گئی تھیں۔

زرش اور سعد..... سعد اور زرش.....

اسے اپنے دل ودماغ میں ہتھوڑے برستے محسوس ہو رہے تھے۔

''فرح ہیلو' فرح سن رہی ہو نا..... پلیز کچھ تو بولو..... مجھے جواب دو فرح۔'' فرح نے آہستگی سے ریسیور سائیڈ پر رکھ دیا۔

انکشاف ایسا جان لیوا تھا کہ اس نے اسے اندر تک ہلا دیا تھا۔

بس دماغ کی رگیں پھٹ جانے کو تھیں..... وہ زلزلوں کی زد پر تھی۔ تو گویا سمعان احمد کو تاخیر ہو چکی تھی..... سمعان کے دکھ پر اس کی آنکھیں گریہ زاری پر اتر آئیں۔

جی چاہا کہ دھاڑیں مار مار کر روئے..... اس کی ماں کی کرنی سامنے آ رہی تھی۔ سمعان کا دکھ اسے مارے دے رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اٹھ کر ماں کے پاس جائے اور پوچھے کیوں انہوں نے اپنی اولاد کے دل اجاڑ دیے..... کیوں کیا ایسا؟ نفرت تو انہیں کسی اور سے تھی اپنی اولاد کا قصور کیا تھا..... ان کی ضد اور انا ان کی اولاد کو مار گئی ہے کیوں.....؟

وہ بے بسی سے گھٹنوں میں سر دے کر شدت سے رو دی کہ اب اختیار میں صرف یہ گریہ زاری ہی تھی۔ اب صرف اور گریہ نصیباں تھا۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

نجانے اپنے نصیب پر روتے کتنا وقت بیتا تھا۔ وہ تو بے جان وجود لیے قالین پر بیٹھی سسک رہی تھی۔ نجانے ایسا کیا گناہ ہو گیا تھا کہ جس کی سزا مل رہی تھی۔

"کلک" کی آواز پر نوریہ چونک کر دروازے کو دیکھنے لگی۔ آنے والے سے اسے نیک توقعات وابستہ نہ تھیں مگر پھر بھی وہ اس کی منتظر تھی جو اس کو کمرے میں بند کر کے بھول گیا تھا۔

دروازہ کھلنے پر جو چہرہ اسے نظر آیا تھا۔ نوریہ اسے دیکھ کر پتھر بن گئی۔

ایک پل کو لگا کہ جیسے وہ نیند میں ہے۔ وہ خواب دیکھ رہی ہے جیسے.....

"نوریہ۔" رفعت باجی اسے پتھر بنے دیکھ کر فوراً آگے بڑھی تھیں۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی عقب میں دروازہ دوبارہ لاک ہو گیا تھا۔

"آپی۔" انہیں اپنے قریب دیکھ کر وہ ہوش میں آئی تھی۔ سسک کر ان سے لپٹ گئی تھی۔ رفعت باجی نے اسے بازوؤں میں یوں سمیٹا جیسے کسی چھوٹے بچے کو جو میلے میں کھو گیا ہو' ملنے پر ماں آغوش میں سمیٹ لیتی ہے کہ کہیں پھر نہ کھو جائے۔ بے قراری سے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

نوریہ تو یوں روئی جیسے سارے ضبط کے بند ٹوٹ گئے ہوں۔

یا جیسے کوئی کسی کی مرگ پر روتا ہے

"بس کرو..... چپ کرو..... اب نہیں رونا..... میں آ گئی ہوں نا..... بس اب نہیں۔" انہوں نے اس کے لمبے سلکی بالوں میں انگلیاں پھیرتے اسے پچکارا تھا۔ ساتھ ساتھ اپنی آنکھیں بھی صاف کیں۔ انہوں نے اسے خود سے جدا کر کے بغور دیکھا۔ حسن گہنا گیا تھا' زرد مرجھایا چہرہ' مسلسل گریہ وزاری سے سرخ آنکھیں' کپکپاتے ہونٹ' بکھرا وجود..... انہوں نے پھر زور سے ساتھ لگا لیا۔

"مجھے یہاں سے لے جائیں آپی۔ میں مر جاؤں گی۔" پراعتماد سی نوریہ کے لہجے میں زمانے بھر کا خوف تھا۔ انہوں نے آہستگی سے سر ہلایا۔

"اٹھو شاباش بستر پر بیٹھو۔" کمرے میں اس وقت صرف وہ دونوں ہی تھیں۔

"نہیں۔" اس نے گردن نفی میں ہلائی تو رفعت باجی نے خود ہی اسے سہارا دے کر اٹھانا چاہا تو نوریہ پہلے قدم پر ہی لڑکھڑا گئی۔ خود پر بیتنے والی قیامت نے اس کے اندر سے ساری قوتیں چھین لی تھیں۔

نجانے کب کی بھوکی تھی..... بھوک' پیاس' نیند' ذہنی جھٹکوں نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ رفعت نے

اسے بمشکل سنبھالتے ہوئے بستر پر لٹایا تھا۔

"نوریہ!" نوریہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے انہوں نے آواز دی تو مسلسل بہتی آنکھیں کھول کر اس نے انہیں دیکھا۔

"ہوش کرو میری جان..... اس طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ دو گی تو بہت مشکل ہو گی۔ کمرے میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے کیا.....؟ کیسی زرد ہو رہی ہو تم..... ٹھہرو میں پانی دیکھتی ہوں۔" انہوں نے اطراف میں نگاہ ڈالتے کونے میں پڑے روم فریج کو دیکھا۔ وہ تلخی سے ہنس دی۔

"اغوا شدہ لوگوں پر زندگی کے دروازے بند کیے جاتے ہیں' کھولے نہیں۔ میرے سامنے کوئی من وسلویٰ بھی ڈھیر کر دے تو میں کیا کروں..... مجھے تو میری ماں اور بھائیوں کو میری وجہ سے برداشت کی جانے والی ذلت مارے دے رہی ہے۔ مجھے بتائیں کیا حال ہے ان کا.....؟ کیسے آئی ہیں آپ؟ یہاں کون لایا ہے آپ کو؟"

بستر پر لیٹنے کے بعد وہ اپنے اعصاب بحال کر رہی تھی پھر رفعت کو دیکھنے سے بھی تسلی ہوئی تھی تو دل ودماغ کچھ کام کرنے لگے تھے۔

"شارق کا دوست۔ ایس پی انجم گھر آیا تھا۔ اسی کے ساتھ آئی ہوں۔ شارق نے بلوایا تھا۔ یہ شاید اسی دوست کا بنگلہ ہے دونوں باہر ہی ہیں۔ مجھے اندر بھیج دیا تھا۔" نوریہ اذیت سے دیکھے گئی۔ ایسے لوگوں کے ہاتھ واقعی لمبے ہوتے ہیں۔ پولیس تک ملی ہوئی ہے ان کے ساتھ۔ اسے لگا جیسے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

"نبیل اور ساجد ہمارے ہاں آئے تھے پھر ان کے ساتھ ہی تمہارے ہاں گئی تھی۔ ظاہر ہے خالہ ماں میں..... ذلت ورسوائی گھر کے دروازے پر کھڑی ہو تو کیا حالت ہوتی ہے نہ کوئی مرتا ہے نہ جیتا ہے..... دکھ ہو رہا ہے شارق پر وہ اتنا کچھ کر گزرے گا۔ تم پر اتنی بڑی قیامت بیت گئی اور تم نے کسی کو بتایا تک نہیں۔ کچھ کہا ہوتا..... خار ہو ہی سہی کوئی راہ تو نکالی جاتی۔ کم از کم اس ذلت سے تو بچ جاتے۔" انہیں شاید سب خبر مل گئی تھی۔ نوریہ سختی سے آنکھیں بند کر گئی۔

رفعت باجی نے اٹھ کر فریج کھولا۔ فریج بھرا ہوا تھا۔ کھانے پینے کی چیزوں سے فروٹس اور دیگر اشیا سے۔ انہوں نے سیب نکال لیے تھے۔ چھری تلاش کے باوجود کہیں سے نہ مل سکی تھی۔ وہ ویسے ہی بستر پر آ بیٹھیں۔ وہ نوریہ کو سیب کھانے پر آمادہ کر رہی تھیں جب کہ وہ مسلسل انکاری تھی۔

"نہیں آپی! ضد نہ کریں۔ مر جانے کے علاوہ کچھ بھی جی نہیں چاہ رہا۔" وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔ انہوں نے سیب کی ٹوکری ٹیبل پر رکھ دی۔ کمرے کا جائزہ لیا۔ لگژری آسائشات سے سجا کمرہ اپنے مالک کی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ وہ کمرے کا جائزہ لے رہی تھی جب دوبارہ دروازہ کھلا تھا۔

شارق زمان کو آتے دیکھ کر رفعت نے غصے سے دیکھا۔ جی چاہا کہ آگے بڑھ کر اس خوبرو بھائی کا منہ طمانچوں سے سرخ کر دیں مگر وہ اندر کا ابال اندر ہی دبانے پر مجبور تھیں۔

"مل لیا نوریہ سے..... ہو گئی تسلی؟" وہ بستر پر دراز نوریہ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر ان سے پوچھ رہا

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

تھا۔ انہوں نے اپنے ضبط پر بمشکل کنٹرول کیا۔

"خدا کا خوف کرو شارق۔ کیا بگاڑا ہے اس بے چاری نے تمہارا؟ کیوں مارنے پر تلے ہوئے ہو تم اسے..... حالت دیکھو اس کی اس سے بری حالت اس کی ماں کی ہے..... آنکھوں سے دیکھ کر آئی ہوں۔ کیسی تڑپ رہی ہیں وہ بیٹی کے لیے..... کوئی پتھر بھی ہو تو دیکھ کر موم ہو جائے۔" ان کی آواز رندھ گئی تھی۔

"آپ کو میں نے نصیحتوں کے لیے نہیں بلوایا۔ نوریہ کے لیے ہی بلوایا ہے۔ سمجھائیں اس کو اب جو ہو چکا بھول جائے۔ میں آخری قدم اٹھا چکا ہوں۔ واپسی کا راستہ نہ اس کے پاس ہے اور میرے پاس تو پہلے بھی نہیں تھا۔ کچھ کھلائیں پلائیں رات تک بحال کریں اس کو۔ رات کو تقریب طے ہے۔ فون پر سارا کچھ بتا تو چکا ہوں۔"

نوریہ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ پتھرائی نگاہوں سے شارق زمان کو دیکھے گئی۔ ٹانگیں بستر سے نیچے لٹکائے وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔

رفعت کی آمد سے وہ کچھ پرامید ہوئی تھی کہ اب زندان سے واپسی کی کوشش ہو گی مگر یہ صیاد تو سب راستے ہی بند کر چکا تھا۔ بھلا ظالم سے بھی رحم کی توقع کی جا سکتی تھی۔

"شارق! ایسے کیسے ہو سکتا ہے یہ سب..... خاندان کا معاملہ ہے۔ بات بہت بڑھ جائے گی۔ ہم درمیانی راہ بھی تو نکال سکتے ہیں۔ ٹھیک ہے تم نے یہ انتہائی قدم اٹھا لیا ہے مگر یہ اٹھا ہوا قدم واپس بھی تو جا سکتا ہے۔"

"مثلاً کیسے؟" وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا۔

"میں نوریہ اور خالہ جان سب کو سمجھاؤں گی۔ فاروق چچا کو درمیان میں لاؤں گی۔ اس طرح تو صرف ذلت و رسوائی ہی ہے۔ بات سلیقے سے نبٹ جائے گی۔ خالہ جان کو مجبور کروں گی کہ وہ نوریہ کو تمہارے ساتھ رخصت کریں۔"

"اور آپ کے کہنے پر وہ ایسا کر لیں گے.....؟"

"تو اور کیا؟"

شارق زمان کا جی چاہا ان کی عقل پر ماتم کرے۔

"بڑی خوش فہم ہیں آپ۔ اس کے بھائی مجھے دیکھ کر گولیاں مار دینے کو تو تیار ہوں گے۔ اسے میرے ساتھ رخصت کرنے کو نہیں۔ آپ اپنی احمقوں کی جنت سے باہر نکل آئیں۔ میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اپنے لیے خود موت کا پھندا تیار کروں۔ مجھے سمجھانے سے بہتر ہے جس کام کے لیے آپ کو بلوایا ہے وہ سرانجام دیں۔" وہ طنز سے ہنستا صوفے پر جا بیٹھا تھا۔

نوریہ تو پتھر بنی دونوں بہن بھائی کے مکالمے سن رہی تھی۔

"تمہیں زبردستی سے کیا حاصل ہو گا؟ اس کی حالت دیکھ کر کم از کم اس پر ہی ترس کھا لو۔" رفعت باجی اب سخت جھنجلاہٹ و غصے کا شکار ہوئی تھیں۔

شارق زمان نے نوریہ کو دیکھا تو وہ نگاہیں پھیر گئی۔ ہمیشہ ترتیب سے رہنے والا دوپٹہ اس وقت کندھے پر تھا۔ پشت پر کالے سیاہ بالوں کا آبشار اس زرد مترنم چہرے کو عجیب سوگوار حسن عطا کر رہا تھا۔

وہ مبہوت سا ہوا تھا۔

گود میں ہاتھ رکھے وہ ہونٹ کچل رہی تھی۔

"مجبوری ہے۔ یہ چھوٹی سی ننھی بچی نہیں ہے کہ ایک مرد کے تقاضوں کو نہ سمجھ سکے۔ مجھے اگر فراڈ ہی کرنا ہوتا تو یہ سارا کھڑاک نہ پالتا۔ جان کی بازی لگا رہا ہوں تو صرف اس کے لیے۔ ایک عورت کو ایک مرد کی محبت چاہیے ہوتی ہے۔ کیا نہیں ہے میرے پاس..... دولت، جائیداد، تعلیم، اعلیٰ پرسنالٹی اور اس کی محبت کا دعوے دار دل۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہئے اسے..... نواز ہوتا تو وہ بھی شاید اتنی محبت نہ دیتا۔ سر آنکھوں پر بٹھاؤں گا۔ ہر طرح کے ناز نخرے سہنے کو تیار ہوں کہ یہ دل کی آواز ہے ورنہ عورتوں کی کمی تو نہیں مجھے۔"

نوریہ کا جی چاہا کہ اس محبت کے دعوے دار کا منہ نوچ لے۔ مار مار کر اس کا منہ سرخ کر دے اور کہے۔

"عورت کی طلب صرف اتنی نہیں ہوتی۔ اس جیسی باکردار باحیا عورت کی طلب اتنی سطحی نہیں ہوتی۔ اسے صرف دولت مند خوب صورت مرد کی طلب نہیں ہوتی۔ اسے تو مرد کے خوب صورت کردار و سیرت کی طلب ہوتی ہے اور اگر ایسا مرد محبت کا دعویٰ کرے تو عورت اس پر سب کچھ وار دیتی ہے اور اگر مرد ایسی عورت کی پاکبازی و باحیائی کی تعریف کرے تو وہ خود کو ہی اس پر دان کر دیتی ہے مگر اس جیسا سطحی مرد بھلا کیا جانتا تھا۔ محبت کیا تھی۔ چار دیواری میں اپنے نفس کی حفاظت کرنے والی شرم و حیا کی پابند اپنی نسوانیت و پندار کا خیال رکھنے والی عورت کی طلب۔" چار دیواری سے باہر رنگ و بو کی محفلیں لوٹنے والا مرد بھلا کہاں جان سکتا ہے۔ وہ کیسے اسے سمجھ سکتا تھا۔ اس سے محبت کا دعوے دار اس کی طلب سے ہی بے خبر تھا۔

"آپی اس کو کہیں یہ یہاں سے چلا جائے۔ مجھے اس کی شکل سے بھی نفرت ہے۔ یہ جو چاہتا ہے وہ قیامت تک بھی نہیں ہو گا۔ یہ کیا جانے محبت کیا ہے۔ اس جیسے رات کی تاریکی میں گھات لگانے والے گدھ بھلا کیا جانیں کہ عورت کی پاکبازی و بے حیائی کیا ہوتی ہے جو شرم و حیا کی مالک اپنی نسوانیت کی پاسداری کرنے والی عورت کی چادر تار تار کرتے ہیں۔ میں اس کا یہ جرم مر کر بھی معاف نہیں کروں گی کہ اس نے مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔" نفرت ہی نفرت تھی اس کے لہجے میں.....

کچھ دیر قبل کی کم ہمتی اس لمحے جوش و غصہ سے کہیں دب گئی تھی۔ نڈھال وجود اس سے محشر ساماں تھا۔

"مجھے واپس نہ چھوڑ کر آئے۔ ساری عمر ایڑیاں رگڑنے کو قید کر دے تب بھی میں اسے قبول نہیں کروں گی۔" پوری قوت سے اس نے شارق زمان کو رد کیا تھا۔

FREESTUFF.BLOGSPOT.COM

شارق زمان پیچ وتاب کھا کر انتہائی مشتعل ہو کر آگے بڑھا تھا۔ ٹانگیں لٹکائے بیٹھی نویرہ کا بازو پکڑ کر مقابل کھڑا کر دیا تھا۔

"بکواس بند کرو اپنی۔" وہ پھنکارا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر گزرے۔ رفعت باجی امی کے تیور دیکھ کر دہل گئیں۔

"شارق! چھوڑو تم کیا کرتے ہو؟" شارق نے رفعت باجی کی طرف مطلق دھیان نہ دیا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے تم اس وقت باعزت کھڑی ہو تو کوئی تمہارا کمال ہے۔ بھول ہے تمہاری۔ مرد جتنا بھی بدکردار کسی بھی فطرت کا حامل ہو وہ اپنے لیے عورت ہمیشہ پاکباز ہی چاہتا تھا۔ میں جو ہوں جیسا ہوں۔ مجھے علم ہے اچھا یا برا..... میں ایک غلط قدم کا مرتکب ہوا ہوں اور اس کا بھگتان بھگتنے کو تیار' اتنے گھنٹے ہو گئے ہیں تم میرے پاس ہو۔ غلطی ایک دفعہ ہوئی ہے بار بار نہیں۔ اگر میں اس وقت بھی محض دل کے بہلاوے یا شیطان کے بہکاوے میں ہوتا تو اب تک تم اپنا منہ چھپا رہی ہوتیں۔ سمجھیں احمق بے وقوف لڑکی۔ مرد اپنی غلطی سنوارنے کی کوشش نہیں کرتا۔ تمہیں سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی۔"

رفعت تو ایک طرف نویرہ تک اس کی گرفت سے خائف ہو گئی تھی۔

"میں تمہاری دھمکیوں سے نہیں ڈرنے والی۔" بھرپور مزاحمت کر کے اس نے بازو چھڑانا چاہا تھا مگر ادھر تو فولادی گرفت تھی۔

"اور میں کہے پر عمل کرنے والا ہوں۔"

وہ تو خود ایک سیکنڈ میں ہی نڈھال ہونے لگی تھی۔ اس پھنکار پر وہ بے جان سی ہونے لگی تھی۔

"شارق کیا بدتمیزی ہے۔ کچھ تو شرم وحیا کرو۔ یا ساری گھول کر پی چکے ہو۔" رفعت باجی نویرہ کو بے جان ہوتے دیکھ کر پکاری تھیں

"آپ باہر جا کر بیٹھیں۔ مجھے اس سے تھوڑا بہت حساب کتاب کرنا ہے۔ سمجھانا ہے' آپ تو کسی کام کی نہیں' غلطی کی بلوانے کی' الٹا یہ منہ کو آ رہی ہے۔"

اسی طرح نویرہ کا بازو دبوچے اس نے انہیں چلے جانے کا حکم دیا تھا۔

"آپی۔" نویرہ مچل اٹھی۔

"میں نہیں جا رہی تم نکلو۔ خوامخواہ بے چاری کو تنگ کر رہے ہو۔ اس کی حالت دیکھو۔" انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا شارق کو کیسے سمجھائیں.....

"اور اس بے چاری نے جو مجھے تنگ کیا ہوا ہے وہ.....؟"

شارق کے تیور دیکھ کر وہ پتھرا سی گئی تھیں۔

"انجم۔" اگلے ہی پل شارق نے کسی کو آواز دی تھی۔ اس کا دوست انجم فوراً اندر چلا آیا۔

"تم آپی کو باہر لے جاؤ۔ ان کی تواضع کرا دو۔ میں ایک دو منٹ میں آتا ہوں۔"

رفعت آپی تو گنگ سی رہ گئی تھیں۔ پھر اگلے ہی پل اندازہ لگا لیا کہ ان کا للکارنا شارق کو ضد دلا سکتا ہے۔

"شارق پلیز! اس بے چاری پر رحم کھاؤ۔ ٹھیک ہے میں باہر چلی جاتی ہوں مگر اس کو تنگ نہیں کرنا۔ پہلے ہی بری حالت ہو رہی ہے اس کی۔ کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کرنا۔" انہوں نے تنبیہ کی تھی وہ کھل کر ہنسا۔

"کاش میں کوئی ایسی ویسی ہی حرکت کر سکتا۔" پھر بولا۔ "اطمینان رکھئے اب ایسی ویسی حرکت باقاعدہ قانونی کارروائی پورے کر کے ہی کروں گا۔"

اس کا موڈ پل میں بدلا تھا۔ جھلملاتی نگاہوں سے نویرہ کو دیکھا۔ وہ اپنا بازو چھڑانے کو بھرپور مچل رہی تھی۔ رفعت باجی کے باہر نکلتے ہی انجم نے اس کے اشارے پر دروازہ بند کر لیا تھا۔ اب کمرے میں صرف وہ دونوں تھے۔

"ہاں اب بولو بڑی زبان کے جوہر دکھا رہی تھیں تم مجھے بھی تو پتا چلے کیسی ہوتی ہے پاکباز عورت اور مجھ جیسے کرپٹ انسان۔" جھٹکا دے کر اسے بازو کی گرفت میں لیے وہ خاصی سنجیدگی سے بولا تھا۔

نویرہ جو پہلے ہی نڈھال تھی اس کے تیور دیکھ کر سہم گئی۔

سہمی ہرنی جیسی کالی سیاہ آنکھیں ٹپاٹپ برسنے لگیں۔

"بولو اب چپ کیوں ہو؟ روک سکتی ہو میرے ہاتھ بولو.....؟" نرم گوشت پر اس کے آہنی ہاتھوں کی گرفت ہی ایسی تھی کہ وہ بے اختیار سسک اٹھی۔

"چھوڑو مجھے۔ پلیز چھوڑ دو۔" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے ہونٹوں سے نکلے تھے۔ ڈوپٹہ تو نجانے کب کا قدموں میں جا گرا تھا۔ پشت پر بکھرے کالے سیاہ آبشار نے پورے وجود کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ شارق چند ثانیے اسے بغور دیکھتا رہا تھا۔

اس کا سسک سسک کر بلکنا دل میں شگاف ڈالتا چلا گیا تھا۔

"نویرہ! مجھے غلط سمجھو گی تو میرے اندر کی وحشت کو آواز دو گی۔ مرد کتنا بھی برا ہو وہ اپنی عورت کے منہ سے اپنے لیے ہمیشہ اچھائی سننا چاہتا ہے۔ تم کیا جانو میرے لیے کیا ہو..... آگ کا سمندر طے کیا ہے تمہارے لیے پاگل لڑکی۔ میرے پاگل پن کو غلط نگاہ سے دیکھو گی تو نقصان اٹھاؤ گی۔ تمہیں دل نے صرف اپنا ہی نہیں مانا خود کو بھی تمہارا بنایا ہے۔ میں کل کیا تھا' مجھے نہیں پتا ہاں تمہیں زندگی میں شامل کرنے کے بعد صرف تمہارا بن کر رہوں گا۔ یقین کرو بے اعتبار لڑکی۔ تمہارا حصول میرے لیے قطعی مشکل نہ تھا۔ نہ کل اور نہ آج۔"

وہ آنکھیں بند کیے محوِ کلام تھا۔

نویرہ کسمسائی تو وہ جیسے ہوش میں آیا۔ لچکیلی شاخ کی طرح اس کے بازوؤں میں ہی جھول گئی تھی۔

"نویرہ....." اس کے اعصاب اتنا بوجھ سہہ نہیں پائے تھے۔ اسے حواس کھوتے دیکھ کر پکارا تھا مگر نویرہ تو شارق کے خوف سے ایسی بے خود ہوئی تھی کہ پکارنے کے باوجود پلکیں وا کرنے کی ہمت نہ کر پائی تھی۔

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا
کہیں زمین تو کہیں آسماں نہیں ملتا
بجھا سکا ہے بھلا کون وقت کے شعلے
یہ ایسی آگ ہے جس میں دھواں نہیں ملتا
تیرے جہاں میں ایسا نہیں کہ پیار نہ ہو
جہاں امید ہو اس کی وہاں نہیں ملتا

نویرہ کے انکار کے بعد تو رضا حمید تو جیسے سارے حوصلے ہار گیا تھا۔ دکھ یہ نہیں تھا کہ جذبوں کو پذیرائی نہیں ملی تھی..... دکھ تو یہ تھا کہ بہت چاہنے کے باوجود وہ نویرہ کے سامنے جا کر رازِ دل عریاں نہ کر سکا تھا۔

دکھ یہ نہیں تھا کہ اس کے لیے بیک وقت شارق زمان کا پروپوزل آیا تھا دکھ تو یہ تھا کہ وہ اسے ایک کزن، ایک بھائی سے بڑھ کر کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہ تھی۔ ایسے حالات میں جبکہ اسے نویرہ کا حصول بہت آسان لگا تھا۔ نویرہ کے انکار نے اس کو اندر سے توڑ دیا تھا۔

وہ گم صم سا ہو گیا تھا۔

دوسری طرف رمشاء جاوید کو اگلے دن ہی نویرہ کے انکار کا سن کر دھچکا لگا۔ رضا کے حوالے سے نویرہ سے لاکھ بیر خاص سہی دل میں بغض سہی مگر اس نے اس کی بربادی کا کبھی سوچا نہ تھا۔

حمیرا کو فون کیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ اس کے آنسو اس کے دل کا بوجھ بڑھا گئے تھے۔

نجانے نویرہ کی کیا حالت ہوگی۔ وہ سوچ سوچ کر ہاری تھی۔

خاندان بھر میں جو شادی کے ہنگامے تھے سرد پڑ چکے تھے۔ ہر کوئی دم سادھ گیا تھا۔ وہ دو دن اسی غم میں مبتلا رہی تھی۔ رضا حمید پر نظر پڑی تو وہ نگاہ پھیر لیتی مگر اس وقت تو حد ہو گئی تھی۔

اس نے حمیرا کو کال کی تھی۔ اردگرد کے حالات سے آگاہی کے لیے مگر حمیرا نے تو اس کے اعصاب پر بم پھوڑا تھا۔

"تمہیں علم ہی نہیں اور اتنا کچھ ہو گیا ہے۔ چچی جان نے رضا کا پروپوزل دیا ہے۔ دوسری طرف نویرہ آپی کے لیے شارق بھائی کا پروپوزل آیا تھا مگر نویرہ آپی نے تو سرے سے ہی انکار کر دیا۔ وہ تو دونوں کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تمہیں علم ہی نہیں۔ دو دن پہلے کی بات ہے اور تم اتنی بے خبر ہو۔ شکر کرو نویرہ آپی نے تمہیں بنیاد بنا کر انکار کیا ہے ورنہ صرف شارق بھائی کے پروپوزل کا انکار ہوتا تو یہ پروپوزل ہر صورت قبول ہوتا۔" وہ اور بھی نجانے کیا کچھ بتاتی رہی تھی اور رمشاء کا تو وہ حال تھا کہ "کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔" بے شک اسے دیر سے علم ہوا تھا جب کہ انکار تک ہوئے دو دن گزر چکے تھے مگر شاک میں تھی۔ رضا سے زیادہ اسے پھوپی اور حمید صاحب پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ بھلا اس کے رشتے کو جانتے بوجھتے کیسے توڑ سکتے تھے.....

اسے پھوپی کی اپنی طرف سے کی جانے والی حق تلفی نے ششدر کر دیا تھا۔ وہ مسلسل گم صم سی

کمرے میں بند تھی۔ گویا سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو گئی تھیں۔

"اگر نویرہ سچ مچ ہاں کر دیتی تو.....؟" اس خیال سے اس کا دل ڈوب ڈوب کر ابھرا تھا۔ آنکھیں جل تھل ہو گئیں تو احساس ہوا کہ رضا کی محبت اس کے وجود کو کیسے گرفت میں لیے ہوئے ہے۔

شام تک وہ اس انکشاف پر حیرت زدہ رہی تھی۔ آنے والا کل اس کے ذہن میں دستک دینے لگا۔

ان کے ہاں مہندی مایوں کی رسمیں غیر اسلامی اور فضولیات شمار کر کے ادا نہیں کی جاتی تھیں، ہاں شادی کی تقریب خاصے وسیع پیمانے پر ادا کی جاتی تھی کہ لوگوں کے سامنے یہ شرعی عمل سرانجام دیا جائے۔ ولیمہ بھی دلہا والے خاصے وسیع پیمانے پر ارینج کرتے تھے۔

آج رات اگر نویرہ ہوتی تو مایوں کی تقریب ہونا تھی جو کہ وہ لوگ کبھی کرتے نہ تھے۔ تاہم مہمانوں کا اجتماع اور کھانے پینے کا اہتمام ضرور کیا جاتا تھا۔ اگر نویرہ مان جاتی تو اس وقت نجانے اس گھر میں کیا قیامت برپا ہوئی ہوتی.....

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نویرہ کے خاندان پر بیتنے والی قیامت پر دکھ منائے یا نویرہ کا رضا کے لیے انکار کر دینے پر خوش ہو۔ شام کے سائے گہرے ہوئے تو حمید صاحب اور زبیدہ بیگم خالدہ بیگم کے ہاں چکر لگانے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔

رضا نجانے کہاں نکلا ہوا تھا۔ پچھلے دنوں سے وہ خاصا ڈسٹرب رہا تھا۔ وہ تو صرف یہی سمجھتی رہی تھی کہ وہ نویرہ کے انکار کا دکھ منا رہا ہے مگر کیا پتا تھا کہ اس کی وجہ ہوگی۔

وہ خاموشی سے لاؤنج میں بیٹھی آنے والے حالات کا تجزیہ کرتی رہی تھی۔

کال بیل کی آواز پر اس نے جا کر دروازہ کھولا تو رضا تھا۔

"امی ابو کہاں ہیں؟" گھر میں خاموشی محسوس کرتے اس نے رمشا کو دیکھا۔

"خالدہ چچی کے ہاں گئے ہیں۔ شاید ان کی طبیعت خراب ہے اور پھر آج تو ویسے بھی سارے خاندان کے بزرگ ان کے ہاں اکٹھے ہو رہے ہوں گے۔ ظاہر ہے شادی سے انکار وہ بھی عین شادی کے قریب کسی قیامت سے کم تو نہیں۔"

وہ مضمحل و پرملال سی بتا رہی تھی۔ رضا نے کچھ تعجب سے اسے دیکھا۔

وہ حقیقتاً رنجیدہ تھی۔

اس کے دل میں غم و اضطراب کروٹیں لینے لگا۔

نویرہ کی ذات کا اس طرح تشہیر پر اس کا ضبط طوفانوں سے دوچار تھا۔ مزید اس کا انکار کسی خنجر سے کم نہ تھا جو اس کے دل کو گاہے بگاہے زخم زخم کر رہا تھا۔

رضا تھکے تھکے انداز میں صوفے پر گرا تو رمشا نے اسے ترحم نگاہوں سے دیکھا۔ سیاہ شرٹ اور گرے پینٹ میں وہ نڈھال سا کافی بکھرا بکھرا محسوس ہوا تھا۔

وہ بھی خاموشی سے اس کے مقابل صوفے پر ٹک گئی۔

"کسی نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ پھپھو اور انکل نے تمہارا پروپوزل نویرہ آپی کے لیے پیش کیا

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

تھا....."

دکھ تو تھا مگر لہجے کی آنچ میں سلگتا تاثر رضا نے غور سے اسے دیکھا تو گویا اسے علم ہو گیا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

اس کے ماں باپ نے حتی المقدور رمشا سے اس بات کی پردہ پوشی کی کوشش کی تھی۔ انکار تو وہ تھا جو ہو چکا تھا۔ خوامخواہ اس کا دل خراب ہوتا مگر وہ حقیقت جان چکی تھی۔

"جس نے تمہیں یہ بتایا ہے اس نے اور کچھ نہیں بتایا؟"

نوریہ کے انکار کا دکھ تلخی بن کر اس کے لبوں سے ادا ہوا تھا۔

"ہاں پتا چل گیا ہے مجھے مگر نوریہ آپی سچ مچ اقرار کر دیتی تو میرا کیا ہوتا..... پھپھو سے مجھے ایسی امید نہ ہوتی جب وہ میرے جذبات واحساسات سے باخبر ہیں تو پھر انہوں نے ایسا قدم کیوں اٹھایا.....؟"

"وقت وحالات کا تقاضا یہی تھا۔ ایسے وقت میں تو دشمن بھی ساتھ دے جاتے ہیں۔ امی تو پھر چچی جان کا اپنا خون ہیں۔"

"ہاں تم تو یوں کہو گے ہی تمہاری مطلب براری' جو ہو رہی تھی۔ تم ان کے اقدام کو نہیں سراہو گے تو پھر کون سراہے گا....."

آہستہ آہستہ رمشاء کے اندر حسد وجلن کے شعلے بلند ہونا شروع ہو گئے تھے۔ زبان کی تلخی گواہ تھی۔

رضا نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"ہاں تو پھر.....؟" پھاڑ کھانے والا انداز تھا۔

اس کا دل پہلے ہی رستا ہوا پھوڑا بنا ہوا تھا۔ ایسے میں رمشا کی ضرب انتہائی تکلیف کا باعث بنی تھی۔

کینہ توز نگاہوں سے رمشا کو دیکھا۔

"بہر حال نواز بھائی نے اچھا نہیں کیا۔ مجھے رہ رہ کر نوریہ آپی کا خیال آ رہا ہے بے چاری۔" وہ پھر رنجیدہ ہوئی تو رضا نے سر جھٹک دیا۔

وہ اس وقت اس لڑکی سے اچھی بری کسی بھی قسم کی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ آنکھوں پر بازو رکھ کر صوفے پر کشن درست کر کے نیم دراز ہوا تھا۔

"بہت دکھ ہوا ہو گا تمہیں نوریہ آپی کے انکار پر....."

اسے شاید چنگاریوں کو ہوا دینے کی عادت تھی۔

اس کا نڈھال مضمحل انداز دیکھ کر ہمدردی بھی طنز کے رنگ میں کی گئی تھی۔

رضا نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کچھ بھی کہنے سے خود کو باز رکھا۔

رمشاء نے انتہائی بے بسی سے نیم دراز وجود کو گھورا۔

جی چاہا کہ جھنجوڑ کر اس بے حس شخص کے احساس کو جگا دے۔ اسے خود ساختہ ویک طرفہ محبت کا سوگ منانے سے روک دے۔

تلخی سے لڑ پڑے یا پھر اس کی دلجوئی کرے۔

مگر وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔

اس وقت وہ اپنے جذبات سمجھنے سے بھی قاصر تھی کہ جن میں ایک طرف نوریہ کے دکھ پر غم سے دل پھٹا جا رہا تھا تو دوسری طرف اپنی حق تلفی ہونے کے خدشے سے خوف سے دل دوچار ہو گیا تھا۔

اس نے بے بسی سے رضا کو دیکھا جو آنکھ پر بازو رکھے اسے مکمل نظر انداز کیے ہوئے تھا۔

✿.....✿.....✿

ایس پی انجم کی بیگم ارم جو ہر کام میں پیش پیش تھیں مگر نوریہ کی ضد نہ ٹوٹتے دیکھ کر بہت بے چارگی سے دوچار ہو کر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

رفعت آپی تو دُہرے عذاب سے دوچار تھیں۔

ایک طرف عزیز ترین خالہ زاد تھی تو دوسری طرف سوتیلا ہی سہی مگر بھائی تھا۔ جس طرح شارق نے انہیں یہاں بلوا کر نوریہ کو راضی کرنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ بے بس ہو کر رہ گئی تھیں۔

وہ ابھی باہر کا چکر لگا کر آئی تھی۔ دوست احباب کی اچھی خاصی گیدرنگ شارق زمان اکٹھی کر چکا تھا۔

کچھ دیر پہلے وہ شارق کے مجبور کرنے پر انجم کی بیگم ارم کے ساتھ جا کر نوریہ کے لیے لباس اور دیگر زیورات ولوازمات لے کر آئی تھیں۔

انہوں نے کئی بار نوریہ کو کہا تھا کہ وہ کپڑے چینج کر کے باتھ لے لے مگر نوریہ تو مرنے مارنے پر تلی ہوئی تھی۔

وہ تو شارق زمان کی کوئی خواہش پوری کرنے کے بجائے مر جانے کی دعا کر رہی تھی۔

"نوریہ میری پیاری بہن! ضد کا کوئی فائدہ نہیں۔ مردوں کے اس معاشرے میں ہمیشہ عورت ہی ہارتی آئی ہے۔ ماں' بہن' بیوی ہر رشتے میں وہ اپنا آپ مار کر مرد کی ضد کو پورا کرنے پر مجبور ہوئی ہے۔ ہمارے بابا کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ اس کہانی سے بے خبر تو نہیں' کیسے انہوں نے خاندان بھر کی ٹکر لے کر شارق کی ماں سے شادی کی تھی مگر کیا فائدہ ہوا.....؟ یہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ عورت اور مرد کی جنگ میں جیت ہمیشہ اسی کے مقدر میں رہی ہے۔ شارق زمان تو تم سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ صرف ضد ہی نہیں پوری کر رہا عمر بھر کے لیے اپنے گھر کی زینت بنانا چاہتا ہے۔ اپنے آپ کو سمجھاؤ کیا فائدہ ہوا ہے اس ضد کا..... اپنے گھر والوں سے دور تن تنہا یہاں ہو۔" انہوں نے ہاتھ تھام کر سمجھانا چاہا تھا۔ نوریہ نے سختی سے ہاتھ جھٹک دیے۔

"مر جاؤں تو بھی اس کی بات نہیں مانوں گی۔ کتنی آسانی سے آپ کہہ رہی ہیں کہ میں مان جاؤں اور جو یہ شخص میرے ساتھ کر چکا ہے وہ..... اس نے مجھے غلط نگاہ سے دیکھا' میں نظر انداز کر گئی۔ میں اپنی زبان سی گئی۔ کسی سے ذکر تک نہ کیا اور اب تو حد ہو گئی ہے اور کیا برداشت کروں.....؟ میرے بھائیوں کی عزت مٹی میں مل گئی ہے۔ میری ماں نجانے کس حالت میں ہو گی اور کس طرح مان جاؤں

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

کبھی نہیں۔ میں کچھ کھا کر مر جاؤں گی یا پھر اپنی نبض کاٹ لوں گی اگر کسی نے مجھے مجبور کیا تو میں اتنی بے بس نہیں ہوں جتنا یہ شخص مجھے سمجھ رہا ہے۔"

"جانتا ہوں میں تم کیا کر سکتی ہو؟" رفعت باجی نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔ دروازے میں ایستادہ شارق زمان خاصے بگڑے تیور لیے کھڑا تھا۔

"آپا! مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ آپ کو اسی لیے بلوایا تھا کہ بیٹھ کر وقت ضائع کریں۔ میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ باہر لوگوں کو بلوا کر بٹھایا ہوا ہے۔ اسے تیار کروائیں۔" وہ اندر بڑھ آیا تھا۔

رفعت باجی کو ایک دم غصہ آیا۔

"تمہارا ابھی کوئی جواب نہیں۔ شاید ہی کوئی بھائی اپنے جرم میں بہنوں کو استعمال کرتا ہو۔ غیرت مر گئی ہے تمہاری۔"

"آپا پلیز!" اس نے انہیں سختی سے ٹوک کر نویرہ کو دیکھا جو بے تاثر چہرہ لیے دیوار پر نظریں گاڑھے ہوئے تھی۔ اس قدر لاتعلقی شارق زمان کو طیش میں مبتلا کرنے لگی تھی۔

"سنو نویرہ! یہ نکاح فارمیلٹی ہے محض تمہاری تسلی کے لیے ورنہ تم میرے پاس آ چکی ہو اور یہ تسلی میرے لیے کافی ہے۔ تم مان جاؤ تو بہتر ہے ورنہ زبردستی کرنا بھی خوب آتی ہے مجھے۔"

شارق زمان کے اس زعم پر نویرہ کا جی چاہا کہ منہ نوچ ڈالے اس غرور کے پیکر کا۔

"پھر شاید تمہیں بن کر کچھ سکون حاصل ہو۔ خالدہ چچی کو میں نے کال کی تھی۔ بات کر چکا ہوں ان سے تمہارے غیرت مند بھائی میری ہر بات ماننے کو تیار ہیں۔ اس شرط پر کہ تمہیں واپس بھیج دوں۔ تمہارا کیا خیال ہے واپس جاؤ گی یا پھر.....؟"

نویرہ کو لگا جیسے شارق زمان اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہا ہو۔

رفعت آپا نے بھی شارق زمان کو دیکھا۔

تمسخرانہ مگر پراعتماد انداز کسی بھی طرح جھوٹ کے عنصر سے مارا تھا۔

"شارق! یہ کیا مذاق ہے؟" انہوں نے ٹوک دیا تھا۔

"مذاق نہیں حقیقت ہے۔ یقین نہیں آتا تو لیں بات کر لیں بلکہ نویرہ کی بھی کروا دیں۔ ابھی پتا چل جاتا ہے۔" شارق نے فوراً موبائل نکال کر نمبرز ملائے تھے اور ساتھ ہی اسپیکر بھی آن کر دیا۔

نویرہ دل پر ہاتھ رکھے شارق زمان کو دیکھنے لگی۔

"السلام علیکم۔" شارق زمان نے کال ریسیو کرنے پر کہا تھا۔ دونوں پوری جان سے اسے دیکھے گئیں۔

"جی میں تو تیار ہوں مگر آپ سنائیں۔ میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ لوگ جو کہہ رہے ہیں وہ سچ ہوگا.....؟" نویرہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

"شارق بکواس نہیں کرو۔ یہاں ہماری جان پر بنی ہوئی ہے۔ سارا خاندان جمع ہے ہمارے ہاں۔ بے شک ہمارے اور تمہارے گھر کے علاوہ نویرہ کی گمشدگی سے متعلق کوئی بھی باخبر نہیں مگر کب تک.....

تم نویرہ کو واپس بھیج دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔" ساجد بھائی بے انتہا بے چارگی سے گویا تھے۔

"اور نبیل..... میں کیسے یقین کر لوں؟"

"تم نبیل کی فکر مت کرو۔ لو تم اماں سے بات کر لو۔"

ساجد بھائی نے موبائل اماں کو تھما دیا۔

"شارق! مجھے میری بیٹی دے جاؤ۔ ابھی تو کوئی بھی نہیں جانتا اس سے پہلے کہ بات پھیلے ہم آپس میں ہی معاملہ طے کر لیتے ہیں۔ مجھے تمہارے رشتے سے کوئی اعتراض نہیں۔ میں باقی سب کو بھی منا لوں گی۔"

بے چارگی ہی بے چارگی تھی۔ بے بسی کی انتہا تھی۔

ایک لمحے کو تو شارق کو بھی جھٹکا لگا تھا۔ وہ تو کچھ اور طے کیے ہوئے تھا مگر سب کچھ ایک دم بدلا تھا۔

"معاملہ مجھے نہیں طے کرنا۔ آپ کی بیٹی کو طے کرنا ہے۔ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ میں آپ سے کس حد تک تعاون کر سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ ہرگز نہیں۔"

نویرہ اور رفعت باجی جو بغور دیکھ اور سن رہی تھیں چونکیں۔

شارق نے رفعت باجی کی طرف موبائل بڑھایا۔

"لیں بات کر لیں اور اس کی بھی کروائیں۔ تب تک میں باہر کا چکر لگا لوں۔ دیکھوں وکیل صاحب اور مولوی صاحب آ چکے ہیں کہ نہیں....."

نویرہ کی طرف ایک اچٹتی نگاہ ڈالتے وہ باہر نکل گیا تو وہ گم صم ہو گئی۔

نجانے یہ شخص اب کیا طے کیے ہوئے تھا۔

"السلام علیکم خالہ جی!" رفعت باجی کی آنکھیں بھر آئیں۔

"نہیں نہیں رفعت ہوں۔ شارق نے بلوایا تھا۔"

"شکر اللہ کا ورنہ نویرہ کے خیال سے دل ہول رہا تھا۔ کیسی ہے وہ بدنصیب.....؟"

دوسری طرف خالدہ بیگم بھی رونے لگیں۔

"خالہ جان پلیز! ضد نہ کریں۔ نبیل بھائی اور ساجد کو کہیں مان جائیں۔ شاید کوئی عزت کی راہ نکل آئے ورنہ شارق تو نکاح کا سارا انتظام کیے ہوئے ہے۔ بس نویرہ ہی ڈٹی ہوئی ہے۔"

"جانتی ہوں۔ بتا چکا ہے مجھے سب۔ نبیل اور ساجد جو میں کہوں گی وہ کریں گے۔ اپنے خاندان کی عزت کے لیے یہ کڑوا گھونٹ بھر رہی ہوں ورنہ میری ہیرے جیسی بیٹی کو رول دیا شارق نے اسے۔ اب کون بیاہنے آئے گا اسے....."

وہ آب دیدہ ہو گئیں۔

"خالہ جان پلیز! حوصلہ رکھیں۔"

"ہم نے کبھی شارق کا برا نہ چاہا۔ ہمیشہ اسے میں نے نبیل اور ساجد کی سی اہمیت دی ہے مگر.....

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

اس وقت سارا خاندان جمع ہے۔ وہ رشتے دار بھی جو ابھی تک نواز سے رشتہ ختم ہو جانے سے بے خبر تھے۔ شادی اٹینڈ کرنے آچکے ہیں' فاروق' رضیہ' زبیدہ' حمید سب ہیں۔ نویرہ کا بار بار پوچھ رہے ہیں۔ میں کیا بتاؤں ان کو..... نبیلہ نے یہی کہا ہے کہ ضحیٰ کے ساتھ اس کے میکے گئی ہے۔ صبح تک آجائے گی مگر کیا کروں ساری عمر کیسے جھوٹ بولیں گے ہم....."

❁.....❁.....❁

"شارق سے کہو ہمیں اس کی ہر شرط منظور ہے۔ وہ جس قسم کے اسٹامپ پیپر پر جو بھی لکھوانا چاہتا ہے' جیسا بھی کہے گا ہم لکھ دیں گے مگر ہمیں رسوا نہ کرے یا پھر میری بیٹی کو مار کر اس کی لاش بھیج دے' میں صبر کرلوں گی۔"

"خالہ جان....."

رفعت آپی نے دہل کر کہتے ہوئے نویرہ کو دیکھا۔ جو لب بھینچے بڑے صبر سے دیکھ رہی تھی۔

"نویرہ کہاں ہے' اس سے بات کرواؤ..... میں سمجھاتی ہوں اسے' ضد چھوڑ دے۔ ایک اغوا شدہ لڑکی کے مقدر میں شاید ایسے ہی مرد لکھے ہوتے ہیں۔" پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے انہوں نے گویا رفعت باجی کے دل پر گھونسا مارا تھا۔

"شارق! تمہیں خدا سمجھے۔ ناحق غضب کمایا تم نے۔" بہتے آنسوؤں سے انہوں نے موبائل نویرہ کو تھما دیا۔

نویرہ نے جھپٹ کر موبائل کان سے لگایا تھا۔

"اماں....." روتی بلکتی آواز سمیت وہ لڑکھڑا سی گئی تھی۔ رفعت آپی نے سہارا دے کر بستر پر بٹھا دیا۔

"اماں....." ماں کو روتے سن کر وہ سارے ضبط کھو گئی تھی۔ "اماں! خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکلوائیں۔ اماں.....!" وہ گویا خود پر اختیار ہی کھو گئی تھی۔

"نویرہ! میری بچی' رونا نہیں' صبر کرو..... اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" انہوں نے اپنے آنسو صاف کر کے اسے تسلی دی مگر اسے قرار کہاں تھا۔

"کہاں سے کروں صبر اماں..... مر رہی ہوں میں یہاں پل پل....."

رفعت باجی نے اسے محبت سے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

"اماں! بھلا کیا بگاڑا تھا میں نے اس شخص کا..... کیوں پیچھے پڑ گیا ہے میرے۔" وہ بلک ہی تو گئی تھی۔ دوسری طرف اماں مشکل میں گھر گئیں۔

"عورت بہت بڑا فتنہ ہوتی ہے جیسے دولت اور حسن ہوتا ہے۔ مرد اپنی کرنی پر آئے تو کچھ نہیں دیکھتا۔ خاندانی نجابت و عزت و آبرو تک ملیا میٹ ہو جاتی ہے۔ میں تو خود بھی جرم پوچھ پوچھ کر تھکی ہوں' وہ کہتا ہے وہ صرف تمہاری محبت میں ایسا کر رہا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے دلوں کے حال وہی جانتا ہے' یہ محبت ہے یا وقتی کشش' اللہ تمہارا مقدر اچھا کرے۔ ایک داغ لگ گیا ہے ساری عمر کے لیے۔"

اماں کی آواز کی شکست و ریخت اسے توڑ پھوڑ گئی تھی۔

"نویرہ! دھیان سے میری بات سنو۔" اگلے ہی پل اماں کا مضبوط لہجہ اسے خود کو سنبھالنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"ساجد اور نبیل انتقام میں اندھے ہو رہے ہیں۔ تمہیں تو میں کھو ہی چکی ہوں' اب اپنے گھر میں مزید آگ لگتے نہیں دیکھ سکتی۔ ایسی صورت میں کہ جب رکھوالا ہی چور نکل آئے تو۔ نبیل اور ساجد کو قسموں' وعدوں سے میں نے مجبور کرلیا ہے۔ شارق زمان سے بھی کہہ چکی ہوں۔ کل تمہاری نواز انکار کر کے نہ بھاگتا تو بھی' رخصتی کرنا ہی تھی۔ شارق اس حد تک چلا گیا ہے تو اب کوئی راہ نہیں بچی۔ شارق کو میں نے راضی کرلیا ہے۔ نکاح وہ تم سے وہیں کرے گا پھر تمہیں ہمارے پاس بھیج دے گا۔ کل سارے خاندان کے سامنے میں تمہیں اس کے ساتھ رخصت کرنے کا وعدہ کر چکی ہوں۔"

"اماں!" نویرہ کی چیخ اس کے حلق ہی میں کہیں گھٹ گئی۔

"میں مجبور ہوں۔" ابھی تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ حتیٰ کہ زبیدہ اور فاروق وغیرہ سے بھی چھپا لیا ہے۔ آپا کو بھی منع کر چکی ہوں۔ صرف شارق اور رفعت ہیں یا ہمارے گھر کے افراد' اپنے سر پر مٹی کون نہیں ڈالے گا۔ شارق ضد پر ہے۔ ابھی وہ تمہیں اپنانے کو تیار ہے۔ کل کلاں کو کوئی بات نکل گئی تو میں کیا لوگوں کو کہتی پھروں گی۔ لوگ نہیں دیکھتے کہ قصور کس کا ہے۔ لوگ تو صرف موضوع دیکھتے ہیں۔ تم میری لاڈلی چہیتی بیٹی ہو' تمہاری ذلت میں کیسے برداشت کرلوں۔ ابھی ماں کی مجبوری سمجھو۔ جیسا شارق کہے' کرلو۔"

"اماں! میں مر جاؤں گی۔"

"مر تو ہم بھی گئے ہیں..... جیتے جی۔" اماں اب کھل کر رو رہی تھیں۔ "عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ شارق ہر حد پار کر گیا ہے۔ اسے سمجھانا بجھانا بے کار ہے۔ تم ہی عقل سے کام لو' میری بچی! اپنی ماں کو جیتے جی مت مارو۔ اس کی طرف سے تم بدگمان تھی یا اس نے تمہارے اوپر جب ہاتھ ڈالا تھا تو ذکر کرتی' ہم کوئی سدباب کرتے۔ اب تو طوفان آچکا ہے۔ پانی سر سے گزر چکا ہے۔ اب تو صرف نقصان کے تخمینہ لگانے کا وقت ہے۔ کل پونجی لٹ چکی ہے اب کیا کروں؟" اماں نے روتے ہوئے کال بند کر دی تھی گویا۔

نویرہ موبائل بستر پر پھینکتے رفعت باجی کے گلے لگ کر ایسے روئی تھی جیسے کوئی اپنی موت سے پہلے روتا ہے۔ شاید پہلی اور آخری دفعہ کا رونا تھا' یا پھر ساری عمر کا۔

❁.....❁.....❁

خالدہ بیگم سے بات کرنے کے بعد وہ ایسی گم صم ہوئی ہوئی تھی کہ مزاحمت' انکار سب بھول بھال گئی تھی۔

رفعت باجی اور ایس پی انجم کی بیگم ارم نے مل کر اسے تیار کیا تھا۔

نکاح سے پندرہ منٹ قبل نویرہ اپنے سامنے ساجد بھائی' اماں اور ساجدہ باجی کو دیکھ کر بھونچکا رہ گئی۔

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

"نویرہ....." اماں نے اسے گلے لگا کر جو پیار کیا تو نویرہ جو خود کو بمشکل سنبھال رہی تھی' پھر ٹوٹ گئی۔ وہ لڑکی ہی تو تھی۔ ایک عام و کمزور سی مخلوق۔ بھلا ان متواتر ہونے والے حادثات سے بکھرتی نہ تو کیا کرتی۔ اس کے ضبط کے لیے یہ کڑا امتحان تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ بس موت آ جائے یا دل بند ہو جائے۔

"آپ لوگ کیسے آئے؟"

"شارق کا ہی کوئی آدمی گیا تھا لینے' شاید کوئی دوست تھا۔"

اماں نے سجی سنوری نویرہ کو دیکھ کر نظریں چرائیں تو نویرہ کے دل سے ہوک اٹھی۔

"اماں! ایسے کیوں ہو رہا ہے۔ دعا کریں بس مجھے موت آ جائے۔"

ساجدہ باجی نے تڑپ کر اسے دیکھا تو اماں نے اسے یوں بازوؤں میں سمیٹ لیا جیسے کسی ناگہانی سے بچانے کو ماں بچوں کو سمیٹ لیتی ہے۔

"بس اب نہیں رونا۔ صبر سے' حوصلے سے۔ دیکھو مجھے میں بھی تو برداشت کر رہی ہوں۔ اپنی بیٹی پر اختیار نہیں رہا میرا۔ میرے دکھ کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔ نواز کا لک مل گیا ہے ہماری پیشانیوں پر' پھر بھی عزت کی گرتی عمارت کو سنبھالنے کی تگ و دو میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہی ہوں۔"

ساجدہ باجی نے اس کے ہاتھ تھام کر اسے ضبط کرنے کا اشارہ کیا تو وہ اماں کے سینے میں سر دیئے آنسو بہاتی رہی۔

کچھ دیر بعد ارم' اس کا شوہر اور ساجد بھائی نکاح خواں کے ہمراہ چلے آئے تھے۔ ایجاب و قبول کے مراحل سے گزرتے ہوئے وہ لڑکھڑا گئی تھی۔

جس شخص کی صورت سے بھی نفرت محسوس ہوتی تھی عمر بھر کے لیے اس کے نام پر مصلوب ٹھہری تھی۔

رجسٹر پر سائن کرتے ہوئے قلم کئی بار لڑکھڑایا تھا۔

ساجد بھائی لب بھینچے ساری کارروائی دیکھتے رہے تھے۔

نکاح خواں کے جاتے ہی انہوں نے نویرہ کو ساتھ لگا لیا۔

"شارق نے اس قابل تو نہیں چھوڑا مگر تمہارے لیے دعا ہے' خوش رہو۔" کیسا ہارا ٹوٹا لہجہ تھا۔

وہ اماں کے سینے میں منہ چھپا کر ایسے روئی تھی کہ کمرے میں موجود ہر آنکھ اشکبار ہو گئی۔ رونے سے سارا میک اپ دھل چکا تھا۔ ارم نے سارا میک اپ دوبارہ سنوارا اور پھر اسے تھام کر باہر لے آئیں اور وہ بت بنی ان کے احکامات پر عمل کرتی رہی۔

اماں نے ایک گہری سانس خارج کر کے اس کے ساتھ قدم بڑھائے تھے۔

شارق زمان اس وقت اپنے دوست ایس پی انجم کے فراہم کردہ گھر میں تھا۔ دوست احباب سب وہیں مدعو تھے۔ اس نے یہ ساری کارروائی اچھی خاصی گیدرنگ اکٹھی کر کے سرانجام دلوائی تھی۔

نکاح ہونے تک وہ نویرہ کی طرف سے خوفزدہ تھا۔ اب جب کہ نکاح ہو چکا تھا سجی سنوری نویرہ کو

صوفے پر لا بٹھایا گیا تھا تو وہ بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ ایس پی انجم نے اسے بھی نویرہ کے پہلو میں لا بٹھایا تھا۔ فوٹو گرافر دھڑا دھڑ تصاویر لینے لگا تھا۔

اماں اور ساجدہ باجی کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔ کس قدر اہتمام سے ان کی ذلت و رسوائی کا بندوبست کیا گیا تھا۔ شارق زمان نے ان کے ساتھ جو کیا تھا ساری عمر کا گھاؤ تھا جو شاید ہی بھرتا۔ اپنی عزت و وقار کا پاس تھا کہ وہ چپ تھے مگر اندر تو قیامت کی سی مزاحمت تھی۔ تصاویر کے سلسلے کے بعد کھانے کا دور چلا تھا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔"

ایس پی انجم اور اس کی بیگم تمام مہمانوں کو دوسرے کمرے میں جہاں کھانے کا اہتمام تھا لے گئی تھے۔ بصد اصرار وہ رفعت باجی' ساجدہ اور اماں کو بھی لے گئی تھیں۔ اس وقت کمرے میں دونوں ہی تھے۔

شارق زماں نے جھکے سر کو اوپر اٹھاتے بھرپور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو نویرہ نے ایک دم نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اندر مر جانے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ ہونٹ کچل کر رہ گئی۔ یہ شخص اس کی حیات کی سب سے بڑی آزمائش تھا شاید۔

"ہاتھ جھٹک دینے سے تم میرے اس اختیار سے باہر نہیں ہو جاؤ گی جو کچھ دیر قبل کے نکاح نامے سے میں یہ اختیار حاصل کر چکا ہوں۔"

"بھول ہے تمہاری..... میں اتنی سستی نہیں ہوں۔" غضب کی پھنکار تھی۔

شارق زمان نے شدت سے محسوس کیا۔ پھر ہنس دیا۔ نویرہ کے جگو جگو کرتے سراپا نے آنکھوں کو جگمگا دیا تھا۔

"اب تو ایسے مت کہو۔ مسز شارق بن چکی ہو۔"

نویرہ بے بسی سے رو دی۔ دونوں ساتھ ساتھ صوفے پر ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ایک درمیانے درجے کا کمرہ تھا جہاں مہمانوں کا انتظام کیا گیا تھا مگر اب کمرہ خالی تھا۔

شارق زمان کو اس کے وجود سے شمعیں پھوٹتی محسوس ہوئیں۔ اس وقت تو کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔ من چاہی دولت مل رہی تھی۔ نگاہیں خیرہ کن ہو رہی تھیں۔ دل الوہی ترانے گانے کو مچل رہا تھا۔ فتح سے مسرور' شاداں و رقصاں۔

"جانتی ہو میں اس وقت کتنا خوش ہوں۔ کاش تم اندازہ لگا سکو۔ مجھ جیسا عاشق صادق تو تمہیں زمانے بھر میں کہیں نہ ملتا۔ تمہارے لیے آگ کا دریا پار کیا ہے۔ داد نہیں دو گی میرے حوصلے کی۔ ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہے۔ دیکھا کیسے تمہاری اماں' بھائی' بہن اس نکاح کو کامیاب بنانے کے لیے چلے آئے ہیں۔"

نویرہ نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

وہ اس وقت اس شقی القلب کی روداد سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اپنی شکست سن کر رہے سہے اوسان

INFSTUFF.BLOGSPOT.COM

بھی خطا ہونے کو تھے۔

"ظالم ہمیشہ ظلم کر کے خوش ہی ہوتا ہے۔" پھوٹ پھوٹ کر رونے کی خواہش میں اس نے کہا تھا۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا ہم ظالم ہیں کہ مظلوم۔ فی الحال تو مجھے اپنا آپ اس عاشق صادق کی مانند لگ رہا ہے جس کی محبت باریاب ٹھہری ہے۔"

ادھر تو سرشاری کا عالم تھا۔ کچھ اثر ہی نہ تھا۔ وہ مطمئن تھا۔ نویرہ نے سختی سے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔ کیا فائدہ اس دیوار سے سر پھوڑنے کا۔

"کھانے کے بعد مہمان رخصت ہو جائیں گے اور خالدہ چچی وغیرہ تمہیں اپنے ساتھ لے جا رہی ہیں۔ میں ساجد اور چچی سے تحریر لکھوا چکا ہوں' تمہیں کسی بھی قسم کا نقصان پہنچایا انہوں نے یا تمہیں میرے ساتھ رخصت کرنے میں کوئی وعدہ خلافی کی تو میں عدالت تک چلا جاؤں گا۔ میں سر دھڑ کی بازی لگا کر اس میدان میں کودا ہوں۔ تمہارے بھائی اور والدہ کو باور کروا چکا ہوں اب تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ اپنی جذباتیت کے ہاتھوں کہیں تم خود کو کچھ نقصان نہ پہنچا لو۔ اگر تم نے ایسی کسی حماقت کی کوشش کی تو میں تمہارے خاندان کو زندہ درگور کر دوں گا' سمجھ رہی ہو نا تم؟"

نویرہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی بکواس سنتے گئی۔

کس قدر قصاب تھا یہ انسان۔

"کل تمہاری رخصتی طے ہے۔ اگر تمہاری فیملی تعاون کرے گی تو تمہاری گمشدگی اور اس نکاح کی ساری کارروائی خفیہ رہے گی ورنہ پھر جو بھی ہوگا اس کی ذمہ دار صرف تم ہو گی۔"

"نبیل کی طرف سے مجھے خوف ہے مگر مجھے کوئی پروا نہیں۔ یہ نکاح کی ساری کارروائی قانون قواعد کے تحت وقوع پذیر ہوئی ہے۔ ایس پی انجم تمہارے بھائیوں پر مکمل گرفت رکھے ہوئے ہے۔ اگر انہوں نے کوئی چالبازی کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا اس طرف سے بھی عملی کارروائی ہوگی۔ اپنی بیوی کو جس بے جا میں رکھنے کے جرم میں سیدھا جیل میں بھجوا دوں گا۔" وہ حیرت سے خون سفید ہوتے دیکھ رہی تھی۔

"یہ وکیل اور نکاح خواں کوئی چھوٹے موٹے لوگ نہیں ہیں۔ تم سے رشتہ قائم کرنا میرے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔ ان لوگوں کا تعاون میرے لیے تشکر کا باعث ہے کہ کل کلاں کو کوئی مسئلہ اٹھا بھی تو میری حیثیت مضبوط ہوگی۔ یہ فوٹو گرافر' یہ تصاویر تمہارے بھائی' ماں اور بہن کی موجودگی۔ کوئی چیز بھی میرے خلاف نہیں جا سکتی۔ اب تو میں تمہیں جانے دے رہا ہوں کہ یہ سب میرے اور تمہاری فیملی کے درمیان طے ہوا ہے مگر کل تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ لے آؤں گا۔ یہ ذہن میں رکھنا۔"

یہ ساری دھمکی آمیز گفتگو نویرہ کے اعصاب پر ہتھوڑے کی مانند برس رہی تھی۔ وہ نارمل اعصاب کی مالک نہ ہوتی تو بھی یہ سب اس کے اعصاب کو توڑ پھوڑ دیتا۔ وہ تو پہلے ہی ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ ان دھمکی آمیز ہدایتوں پر وہ سسکی بھرتے صوفے کی پشت گاہ پر سر ٹکا کر آنکھیں موند گئی۔

"نویرہ!" شارق کو ایک دم احساس ہوا کہ وہ اس کے اعصاب پر کچھ زیادہ ہی بوجھ ڈال گیا ہے۔

اس نے اگلے ہی پل ٹون بدل کر پکارا تو نویرہ نے نفرت سے مزید آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اس شخص کی آواز بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے اپنے آپ کو یوں ہی بے حواس پڑے رہنے دیا۔

"یا اللہ! بس مجھے موت آ جائے۔" بڑی شدت سے اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا۔

❁.....❁.....❁

"ماما! تائی جان کے اس سارے طرز عمل و شدید ردعمل کے پیچھے کیا محرکات کارفرما ہیں۔ ایسی کیا بات ہے جس نے ان کے دل میں موجود ہمارے خلاف نفرت کے زہر کو اس انداز میں ہم پر اچھالا ہے۔ ایسا کیا کیا آپ نے ان کے ساتھ کہ آج آپ کی اولاد بھی زیر عتاب آ چکی ہے؟"

زرش.....!" زرش کے اس استفسار پر شائستہ حیران رہ گئی تھیں۔

"گستاخی معاف! مگر مجھے علم ہونا چاہیے۔ آپ نے مجھے ہمیشہ منع کیا ہے کہ میں تایا ابو کے ہاں نہ جاؤں۔ آپ نے ہر بار مجھے تائی امی کے طرز عمل کا حوالہ دیا اور سختی کی مگر کیا ہوا میں ہر بار آپ کے ہزار منع کرنے کے باوجود وہاں گئی کہ مجھے اگر ایک طرف وہاں کی محبتیں اپنی طرف کھینچتی تھیں تو دوسری طرف تائی امی کے رویے کی وجہ کیا ہے' آپ مجھے صاف بات بتانے کے بجائے مختلف بہانوں سے وہاں جانے کو کیوں منع کرتی ہیں۔ آپ نے مجھے اشاروں میں سمجھایا' کبھی اصل وجہ نہ بتائی اگر اس سب میں میری حماقتوں کا ہاتھ ہے تو آپ بتائیں باقی سب کس کھاتے میں جاتا ہے۔"

شائستہ حیران و ششدر دیکھے گئیں۔ وہ اسے ابھی تک کم عمر' ناسمجھ سی بچی سمجھ کر نظر انداز کر رہی تھیں۔ اپنی طرف سے مکمل احتیاط برتی تھی مگر زرش اس انداز میں ان کے ان اعمال کو محسوس کرے گی' ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"اتنا کچھ سہہ کر بھی تو مجھے عقل آنی ہے۔ کیا تھا آپ مجھے بھی وہ ساری کتھا پہلے کہہ دیتیں جو ہادی آپا اور کچھ حد تک نوشی بھی جانتی ہیں۔" ان کے قدموں میں بیٹھی ان کے ہاتھ تھامے اس نے بہت خفا انداز سے انہیں دیکھتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" انہوں نے ٹالنا چاہا تھا مگر وہ اتنی ہی سختی سے بول اٹھی۔

"ہرگز نہیں ماما! آپ کی بیٹی پر کوئی جھوٹا الزام نہیں لگا۔ اتنا بڑا بہتان' میرے لیے تو مر جانے کا مقام ہے۔ بتائیں مجھے ایسی کیا بات ہے جو ہادی آپا کی ذات کے بعد اب مجھے بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی ہیں۔"

اب کی بار شائستہ بیگم انکار نہیں کر سکی تھیں۔ حیرت سے زرش کو دیکھتے نگاہیں چرائی تھیں۔

"والدین اگر بچوں سے کچھ چھپاتے ہیں تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی پردہ داری کرتے ہیں۔ پھر تم میری نظر میں ابھی بھی کم عمر جذباتی سی بچی ہو۔ تمہیں کچھ کہہ سن کر تمہیں رشتوں سے متنفر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تم تایا کی فیملی سے جس قدر اٹیچ تھی' میرا نہیں خیال تھا کہ تمہیں ذہنی طور پر پریشان کروں اگر مجھے علم ہوتا یہ سب بھی ہونا ہے تو ہادی کے بعد تمہاری طرف سے کبھی غفلت نہ برتتی۔ ہر چند کہ میں نے اپنی

PDFSTUFF.BLOGSPOT.COM

طرف سے بھرپور کوشش کی کہ ایسی کوئی صورت حال نہ ہو جو طاہرہ کو گھٹیا پن دکھانے پر مجبور کرے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہادی کے معاملے میں تو بات گھر میں ہی دب گئی تھی۔ وہ تمہاری ذات کے پرخچے اڑاتی اس طرح طشت ازبام ہوسکتی تھی۔" ان کی آنکھوں میں آنسو آ ٹھہرے تو زرش نے محبت سے ان کے ہاتھ مضبوطی سے گرفت میں جکڑ لیے۔

"میں نے تو طاہرہ کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ مگر قصوروار ٹھہرادی گئی۔" آبدیدہ لہجے میں انہوں نے اپنے آنسو صاف کیے۔

"تم نے معراج بھائی کا گھر دیکھا ہے۔" انہوں نے طاہرہ کے سب سے بڑے بھائی کا نام لیا تھا۔ اس نے سر ہلا دیا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیتے گفتگو آگے بڑھائی۔

"یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم اور ہمارے تایا یعنی ظہیر الدین صاحب اکٹھے ہی ایک ہی گھر میں اوپر تلے رہائش پذیر تھے۔ تایا کی کل چھ اولادیں معراج بھائی' صابر بھائی' قیصرہ' منصور' قمر النساء اور سب سے چھوٹی طاہرہ تھیں۔ ہمارے اباجی کے ہاں صرف ہم دو بہن بھائی ہی پیدا ہوئے تھے۔ اباجی اور تایا جان اکٹھے ہی کاروبار کرتے تھے۔" شائستہ بیگم دور کہیں خلاؤں میں کھوجتے ساری کتھا سنا رہی تھیں۔ زرش یہ سب جانتی تھی۔ بڑے صبر سے وہ ایک ایک لفظ سماعت میں اتار رہی تھی۔

"اباجی کو ان کے کسی دوست نے اپنے ساتھ شراکت داری میں بزنس کرنے کو کہا تھا۔ اس زمانے میں تایا اور اباجی درمیانے درجے کی آمدنی کے مالک تھے۔ اباجی نے تمہارے دادا اور ہمارے خالو احمد صاحب سے قرض لیا تھا اور پھر کاروبار شروع کردیا۔ قسمت اچھی تھی' خوب محنت رنگ لانے لگی۔ سالوں میں ہمارے دن پھرے تھے۔ اباجی نے تایا کو سارا کاروبار سونپ کر اپنا علیحدہ سے بزنس شروع کرلیا تھا۔ ہمارے خالو شروع سے ہی رئیس انسان تھے۔ دولت کی فراوانی ان کے ہاں شروع سے ہی رہی تھی۔ لحاظ و مروّت والے انسان تھے۔ اباجی نے کچھ ہی عرصے میں ان کا قرض واپس کردیا تھا۔

طاہرہ مجھ سے عمر میں ایک ڈیڑھ سال چھوٹی تھی۔ جمال بھائی کی ولادت کے کئی سالوں بعد میں پیدا ہوئی تھی۔ میں اور طاہرہ ایک ہی کلاس میں ایک ہی تعلیمی ادارے سے تعلیمی مدارج طے کرتے آگے بڑھتے رہے۔ طاہرہ سے میری شروع میں اچھی دوستی تھی' خوب پیار ہوتا تھا ہم دونوں میں۔

معراج بھائی کی شادی تایا جان نے ہماری کم عمری میں ہی کردی تھی البتہ ہم دونوں ایف ایس سی میں تھیں جب صابر بھائی کی شادی ہوئی تھی۔

قیصرہ آپا کی طبیعت شروع سے ہی عجیب تھی۔ حرص و طمع سے بھرپور۔ انہیں مجھ سے خدا واسطے کا بیر ہوتا تھا۔ میں والدین کی اکلوتی ہی نہیں خاندان بھر کی لاڈلی چہیتی بیٹی تھی۔ تایا کی تینوں بیٹیوں کی نسبت ہر کوئی مجھے فوقیت دیتا تھا اور قیصرہ آپا کو یہ بات بڑی کھٹکتی تھی۔ شروع شروع میں انہوں نے صرف میری باتوں' میرے کپڑوں پر تنقید شروع کی تھی مگر یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا تو انہوں نے میری تعلیم سے لے کر میرے کہیں آنے جانے' کسی سے ملنے ملانے پر بھی تنقید کرنا شروع کردی۔ ہمارے تایا جان تو ایسی طبیعت کے مالک نہ تھے اور نہ ہی ایسی حاسدانہ فطرت ہماری تائی مرحوم کی تھی۔ نہ جانے وہ کس پر

چلی گئی تھیں۔ معراج بھائی سے لے کر طاہرہ تک کوئی بھی قیصرہ آپا کے طور طریقوں کو پسند نہ کرتا تھا۔ انہیں اپنی من مانی کرنے کی عادت تھی۔ اپنے سے چھوٹی قمر النساء اور پھر طاہرہ پر خصوصی رعب رکھتی تھیں۔ یہ دونوں ان سے دبتی بھی تھیں۔ انہیں بندے کو اپنے زیر کرنے کا فن آتا تھا۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ ہمارے اباجی کی حیثیت خاصی مستحکم ہوگئی تو اباجی نے اسی گھر میں اپنے حصے پر نئے جدید طرز کا بنگلہ تعمیر کروالیا۔ ہمارے اس اقدام سے تایا کی پوری فیملی ایک عجیب سے کمپلیکس کا شکار ہوگئی تھی۔ اباجی نے بڑی کوشش کی کہ تایا جان ان کے ساتھ مل کر کام کریں مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اگر تمہیں میرے ساتھ مل کر کام کرنا ہی ہوتا تو تم علیحدہ کاروبار شروع ہی کیوں کرتے۔ ان کے دل میں کدورت آچکی تھی اور اباجی انہیں سمجھاتے رہ گئے کہ اس کام میں ترقی کے مدارج نہ تھے۔ سو انہوں نے دوسرا کام شروع کیا تھا۔ اب جب کہ وہ اپنے قدم جما چکے ہیں تو اب دونوں کے مل کر کام کرنے میں کیا حرج ہے۔ مگر تایا جان بڑے انا پرست تھے۔ انہوں نے اباجی کی بات قطعی نہ مانی اور دلوں میں میل آنا شروع ہوگیا۔

وقت گزرنے کا نام ہے سو گزرتا رہا۔ جمال بھائی جو صابر بھائی کے ہم عمر تھے۔ ان کا رشتہ ہم نے نفیسہ آپا سے طے کیا تو سعید بھائی' تمہارے پاپا اور خالو جان وغیرہ کی آمد و رفت ہمارے ہاں خاصی بڑھ گئی۔ پہلے وہ بہت کم آتے تھے۔ کسی فنکشن یا دعوت وغیرہ پر ہی آنا ہوتا تھا وہ بھی صرف خالہ اور خالو یا کبھی کبھار نفیسہ آپا بھی آتی تھیں۔ تمہارے تایا اور پاپا اپنی تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے کم ہی کہیں آتے جاتے تھے۔ نفیسہ آپا کا رشتہ طے ہونے کے بعد آمد و رفت بڑھی تو مجھے اندازہ ہوا کہ سعود احمد کی دلچسپی میری ذات میں کچھ بڑھنے لگ گئی ہے۔ انہوں نے کبھی اظہار تو نہ کیا بس ان کے رویوں سے ہی مجھے اندازہ ہوتا رہا۔ اس راز سے صرف میں یا تمہارے پاپا باخبر تھے مگر نہ جانے کب اور کیسے قیصرہ آپا اس راز کو پا گئیں اور انہوں نے میری زندگی اجیرن کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آتے جاتے معنی خیز باتیں' طنزیہ جملے۔ میں بہت تحمل و شرافت سے انہیں برداشت کرتی رہی کہ یہاں تک کہ نفیسہ آپا بیاہ کر ہمارے گھر چلی آئیں۔"

وہ تسلسل سے بولتے بولتے رک گئی تھیں۔ زرش نے چونک کر انہیں دیکھا۔

زرش کی بے تابی عروج پر تھی۔ "ماما جان! پھر کیا ہوا؟"

"قیصرہ آپا حاسد فطرت کے ساتھ ساتھ بڑی سطحی سوچ کی مالک واقع ہوئی تھیں۔ انہوں نے میرے ساتھ ساتھ نفیسہ آپا سے بھی بیر باندھ لیا تھا۔ آپا تو حیران رہتیں کہ قیصرہ ان سے اس قدر خار کیوں کھاتی ہیں مگر ہر بار ہم قیصرہ کی عادت کہہ کر انہیں ٹال جاتے تھے۔ صرف ہم ہی لوگ نہیں' قیصرہ کی فطرت سے تایا کی پوری فیملی بھی بخوبی آگاہ تھی اور اکثر اوقات اس کے انداز و اطوار سے ہر کوئی نالاں رہتا تھا۔ قیصرہ کی کچھ فطرت ایسی تھی کہ وہ ہر اچھی اور دل پسند چیز کو صرف اپنے قبضے میں' اپنے زیر تسلط دیکھنا چاہتی تھیں۔ نفیسہ آپا کی شادی سے سعید بھائی اور سعود احمد ہمارے ہاں اکثر آنے لگے تھے۔ وہ لوگ جب بھی آتے قیصرہ آپا ہمارے ہاں مستقل آدھمکتیں۔ شروع میں تو ہم نے بہت نظر

انداز کیا مگر جب سعید بھائی نے نفیسہ آپا سے قیصرہ کی چالاک فطرت کی طرف سے ناپسندیدگی کا تذکرہ کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ قیصرہ آپا کیا چاہتی ہیں۔ دراصل وہ قسمت پر شاکر رہنے والی انسان نہ تھیں اور سعید بھائی اپنی تمام تر مردانہ وجاہت' سلجھے ہوئے انداز و اطوار سمیت کسی کو بھی متاثر کر سکنے کی صلاحیت کے مالک تھے۔ قیصرہ ان کی ہر بار ہمارے ہاں آمد پر کچھ ایسی حرکت کر جاتیں کہ وہ زچ ہو جاتے تھے۔ ایک دن انہوں نے نفیسہ آپا سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ اس لڑکی کو سمجھائیں ورنہ وہ کسی قسم کی رشتہ داری کا لحاظ نہیں رکھیں گے۔ آپا کے استفسار اور کرید پر انہوں نے انکشاف کیا کہ قیصرہ آپا نے ان سے کھلے عام اظہار محبت فرمایا ہے۔ آپا نے اماں سے بات کرنے کے بجائے مجھ سے بات کی اور کہا کہ میں قیصرہ سے بات کروں اور جب میں نے قیصرہ سے بات کی تو وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گئیں۔ میری جو عزت افزائی انہوں نے کی وہ علیحدہ۔ انہوں نے تو نفیسہ آپا اور سعید بھائی کو بھی نہ بخشا۔ مجھے ابھی بھی یہ الفاظ نہیں بھولتے۔

"سعید احمد کس زعم میں ہے۔ مجھ پر الزام لگانے کی جرأت کیسے کی اس نے۔ اتنی بے وقعت نہیں ہوں' سعید احمد کو کس چیز کا غرور ہے۔ مٹی میں نہ ملا دیا اس کا غرور تو کہے۔"

اس دھمکی کو میں وقتی اشتعال کا سبب سمجھی تھی مگر آنے والے حالات و واقعات نے ثابت کر دکھایا کہ یہ محض دھمکی نہ تھی تباہی کا ایک ریلا تھا جو صرف ہماری ہی نہیں سعید بھائی کی زندگی کی تمام خوشیوں کو بھی خاکستر کر گیا تھا۔"

شائستہ بیگم نے پر ملال انداز میں کہتے اپنی بھیگی پلکوں کو صاف کیا۔

"پھر قیصرہ آپا کے دل کی کدورت مزید بڑھی۔ ہاں طاہرہ کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا ہوتا تھا۔ طاہرہ کم گو' دھیمے مزاج کی مالک لڑکی تھی اور قیصرہ آپا کا اس پر مکمل کنٹرول تھا۔ چونکہ گھر بھر میں سب سے چھوٹی تھی۔ تایا اور تائی کی وہ توجہ اور محبت اسے کبھی میسر نہ آ سکی جو قیصرہ آپا یا دیگر بہن بھائیوں کو ملی تھی۔ جواباً وہ اپنی ذات میں سمٹی سمٹائی لڑکی کے روپ میں سب کے سامنے آتی تھی۔ ہمہ وقت دوسروں کے اشارے پر سر جھکانے والی' ماں بہن' بھائیوں کی جی حضوری کرنے والی' ہر کوئی اس پر رعب رکھتا تھا۔ چھوٹی سی بات پر بری طرح ڈانٹ دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے اس کے اندر کمپلیکس پیدا ہوتا چلا گیا کہ وہ غیر اہم ہے۔ ہاں گھر سے ہٹ کر اسکول و کالج میں بالکل مختلف طاہرہ کے روپ میں نظر آتی تھی۔ وہ ذہین تھی۔ اس کے اساتذہ اس کی ذہانت کی تعریفیں کرتے تھے تو وہ خوش ہوتی تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے گھر کی جانب سے اپنے غیر اہم ہونے کا ملال مٹنے لگا ہو مگر وہ ذہین ہونے کے باوجود گھریلو سطح پر بدھو و احمق ہی مشہور تھی۔ جس نے جو کہا' کر دیا۔ جس نے جدھر چلایا' چل دی۔ خاص طور پر قیصرہ' جن کی فطرت میں دوسروں پر حکمرانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا' انہوں نے اسے کبھی کسی لائق ہی نہ سمجھا تھا اور طاہرہ ہمیشہ ان کے زیر اثر رہتی تھی۔ ان سے خائف' ان کے ہر حکم پر فرمانبرداری سے سر جھکانے والی' جی حضور لڑکی۔

قیصرہ آپا کا رشتہ آیا تو انہوں نے خوب واویلا مچایا مگر ہمارے تایا جان بڑے اصول پرست انسان

تھے۔ بیٹی کی فطرت سے آگاہ بھی تھے۔ انہوں نے اس کے کسی اعتراض کو کوئی اہمیت نہ دی اور اس طرح قیصرہ آپا بیاہ کر سسرال چلی گئیں۔ میں نے اور نفیسہ آپا نے ان کی شادی ہونے پر خصوصی شکر کیا تھا۔ قیصرہ آپا کی خوش قسمتی کہہ لیں یا بدقسمتی۔ ان کو سسرال بھی ویسی ہی مطلب پرست اور حاسد فطرت کی حامل ملی۔ ان کے شوہر تو ہو بہو انہی کی فطرت کے مالک تھے۔ قیصرہ آپا جو روتے دھوتے رخصت ہوئی تھیں چند ہی دنوں میں ساری سسرال پر چھا گئی تھیں۔ میاں پوری طرح ان کی مٹھی میں تھے۔ سسرال نزدیک ہی تھی اس لیے ہر دوسرے دن میکے کا چکر لگانا وہ اپنا فرض اولین سمجھتی تھیں۔

احمد خالو' سعید بھائی کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ پہلے تعلیم اور پھر بزنس کے جھمیلوں میں وہ شادی کا پروگرام ملتوی کر رہے تھے۔ سعید بھائی اب سیٹل تھے تو خالو جان اور خالہ جان ہمارے ہاں آئے تھے' ان کے لیے میرا ہاتھ مانگنے....."

"کیا....." بڑے صبر سے سنتی زرش کی چیخ ہی نکل گئی تھی۔ بے حد حیرانگی سے شائستہ کو دیکھا۔

"پھر.....؟"

"خالہ' خالو بے خبر تھے مگر نفیسہ آپا تمہارے پاپا کی میرے متعلق پسندیدگی سے بے خبر نہ تھیں۔ ٹھیک ہے تمہارے پاپا اور ہمارے درمیان کبھی اس سلسلے میں بات چیت نہ ہوئی تھی مگر اک خاموش تعلق تو تھا ہی۔ سعید بھائی کے اس رشتے سے متعلق کیا جذبات تھے میں قطعی لاعلم تھی۔ اماں اور ابا جی نے سوچ کر جواب دینے کو کہا تھا۔"

"تو پھر ماما' پاپا سے آپ کا رشتہ کیسے طے ہوا؟" زرش کے لیے یہ سب کچھ انکشاف سے کم نہ تھا۔ اس کی حیرانگی قابل دید تھی۔

"اگلے دن ہی سعید بھائی ہمارے ہاں چلے آئے تھے۔ وہ کچھ پریشان و متفکر تھے میں جو خود بھی الجھی ہوئی تھی ان کو دیکھ کر نظریں چرا گئی۔ ایسے وقت میں جب کہ رشتے کی بات چل رہی تھی ان کی آمد کچھ تعجب آمیز بھی تھی۔ جب انہوں نے گم صم و قطعی لاتعلقی سے بھرپور انداز اپنایا تو مجھے بھی کھٹک سی ہونے لگی۔ وہ میرے ساتھ بڑے حلیم و شفیق رہے تھے۔ ایسا رویہ تو کبھی تھا ہی نہیں۔ میں پریشان بھی ہو گئی تھی مگر میری پریشانی کا حل تب ملا جب انہوں نے مجھ سے اپنی پریشانی شیئر کرتے انہوں نے رشتے سے انکار کیا تھا بلکہ مجھ سے شادی سے انکار کیا تھا۔"

زرش کی توجہ کا خاص ہی عالم تھا۔ فوراً چونکی۔ "انہوں نے آپ سے کیا کہا تھا؟"

"انہوں نے اس دن مجھے بتایا کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔ میں ان کے لیے نفیسہ آپا کی طرح ہوں۔ انہوں نے مجھے ہمیشہ چھوٹی بہن سمجھا ہے۔ ہاں' انہوں نے یہ بتایا کہ وہ کسی کو پسند کرتے ہیں اور صرف اسی سے شادی کریں گے۔"

"ماما....." زرش کے لیے یہ انکشاف کسی ایٹم بم سے کم نہ تھا۔"

"کون تھی وہ؟"

"طاہرہ....." زرش کو لگا اس کے دماغ کے پرخچے اڑ گئے ہیں۔

PAKSOCIETY.BLOGSPOT.COM

"جی.....ای....." اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

"ہاں وہ طاہرہ تھی' جسے وہ دل و جان سے پسند کرتے تھے اور طاہرہ چونکہ فیملی میں سب سے چھوٹی تھی اور طاہرہ سے بڑے دو بہن بھائی تھے جو ابھی غیر شادی شدہ تھے اور سعید بھائی طاہرہ کی باری آنے کے انتظار میں اپنے گھر والوں کو نہ جانے کب سے ٹال رہے تھے۔"

"تلخی سے بتاتے انہوں نے زرش کو دیکھا تو زرش نے اپنے چیختے اعصاب پر بمشکل قابو پاتے سختی سے منہ بند کرلیا۔ یہ انکشاف سب پر بھاری تھا۔

❁.....❁.....❁

"شارق اور نویرہ کی شادی۔"

جس نے بھی سنا انگشت بدنداں رہ گیا۔

فاروق صاحب اور حمید صاحب دونوں فیملیوں کے لیے اگلے دن نبیل کے فون سے ملنے والی یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔

"آج ہی رخصتی ہے۔ ہاں دور کے مہمان جو رات کو ہی آچکے تھے' نواز اور نویرہ کی شادی سمجھ کر' اس کے علاوہ نزدیکی تمام مہمانوں کو بھی مدعو کرنا ہے فون کرکے۔ پہلے سے طے شدہ انتظامات کے تحت ہی یہ شادی ہورہی ہے۔" حمید صاحب نے سنا تو انہیں خود پر کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا۔

ابھی رات کی ہی تو بات تھی جب وہ سارا خاندان برادری وہاں موجود تھے مگر اس خبر کا دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا اور صبح سویرے یہ خبر کسی ایٹم بم سے کم نہ تھی۔

صبح صبح رضا سو رہا تھا۔ حمید صاحب نے رمشا اور زبیدہ بیگم کو بتا کر فوراً احسان صاحب کے گھر کی راہ لی تھی۔ فاروق چچا اپنی ساری فیملی کے ساتھ وہاں چند منٹ پہلے ہی پہنچے تھے۔ ان کی بھی کم و بیش وہی حالت تھی' جو حمید صاحب کی تھی۔

"کل بھی تو کرنی تھی۔ نویرہ پہلے تو نہیں مانی تھی مگر جب میں نے سمجھایا تو میری بچی نے انکار نہیں کیا۔ اللہ اسے اجر دے۔ شادی طے تھی۔ سارا کچھ تو طے تھا۔ خاندان گھر کی بات تھی' رات ہی فیصلہ کیا تھا ورنہ پہلے اطلاع دیتے ہم۔" خالدہ بیگم خود کو خاصا سنبھال چکی تھیں۔ ان کے پیش نظر اس اقدام سے صرف بیٹی کی بقا نہ تھی بلکہ خاندانوں کی بقا تھی۔ وہ اگر شارق کی بات نہ مانتیں تو عمر بھر کی دشمنی چل نکلتی۔ نبیل تو ابھی تک ناراض تھا۔ قسمیں' وعدے نہ جانے کیا کیا کہہ کر انہوں نے اسے روکا ہوا تھا ورنہ وہ تو شارق زمان کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔

ضحیٰ بھابی کا میکہ لاہور میں ہی آباد تھا۔ رات میں ساجد بھائی نے اطلاع دے دی تھی۔ وہ تو سارے حادثے سے بے خبر تھیں۔ رات سے کال سنتے ہی دونوں بچوں کو لیے بھائی کے ساتھ چلی آئی تھیں۔

رات کو بھی جو مہمان آئے ہوئے تھے دونوں بھابیاں اور ساجدہ باجی مل کر ہینڈل کررہی تھیں۔

"اوہ کے کیا انتظامات ہیں۔ ایسی بھی کیا پردہ داری۔ شارق وغیرہ میں سے کسی نے ذکر تک نہیں

کیا۔"

"عجلت میں فیصلہ کیا ہے۔ رات رفعت کہہ تو رہی تھی کہ صبح وہ آپ دونوں کے ہاں آئے گی۔" حمید صاحب کے شکوے پر بہت متانت سے انہوں نے جواب دیا تھا۔

فاروق صاحب گم صم سر جھکائے بیٹھے رہے تھے۔

نواز نے جو کہا تھا عمر بھر کے لیے سر جھکا دیا تھا۔ وہ کچھ بھی کہنے کے قابل کہاں رہے تھے۔ شرمندگی و خجالت سے نگاہیں ملانے کا یارا نہ تھا۔

دوپہر تک نزدیکی تمام مہمان آچکے تھے۔ نبیل نے شادی کے لیے پہلے ہی ہوٹل بک کروایا ہوا تھا مگر نواز کے انکار نے سب کچھ بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ اپنی پے در پے آنے والی پریشانیوں میں وہ نواز کے انکار کے بعد ہوٹل کی انتظامیہ سے معذرت بھی نہ کرپائے تھے اور اب یہی بکنگ ان کے کام آرہی تھی۔ بے شک ان کے گھر کا کوئی بھی فرد خوش نہ تھا۔ ہر کوئی آنکھوں میں آنسو لیے مصروف عمل تھا لیکن اپنی عزت کے خیال سے ہر کوئی ضبط کی سل اٹھائے برداشت کرنے پر مجبور تھا کہ مقابل شارق زمان ہی نہیں' نویرہ تھی۔ ان کی عزیز ترین بہن' ان کے خاندان کی عزت و وقار۔

وہ اپنی بہن کے لیے شارق زمان کے نام کا کڑوا گھونٹ بھرنے پر مجبور تھے۔ اس سارے عمل میں سب سے خراب کنڈیشن نویرہ کی ہو رہی تھی جو بھائیوں سے نظریں چرانے پر مجبور تھی۔ زندگی نے ایک دم رخ بدلا تھا۔ پل پل مرنے جینے کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ شارق زمان ایام گزشتہ میں جو کرچکا تھا اور اب جو کرنے جارہا تھا وہ کسی امتحان سے کم نہ تھا۔

نویرہ اپنے اوپر ضبط کی چٹان اٹھائے اپنی بھینٹ دینے پر مجبور تھی۔

دوپہر ڈھلنے لگی تو نبیلہ' نویرہ کو پارلر لے جانے کو چلی آئیں۔ ساتھ میں اماں بھی تھیں۔

"مجھے نہیں جانا۔"

"کیوں.....؟" ضحیٰ کو تو کسی نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ نویرہ کا اغوا اور نکاح کی کارروائی سب اپنے اندر ہی چھپا گئے تھے مگر نبیلہ جو اس دم بدم بدلتی صورت حال سے شدید ڈپریشن کا شکار ہوچکی تھیں اس نے تلخی سے نویرہ کو دیکھا۔

"خدا کے لیے اگر میرا تماشا ہی لگانا ہے تو جان سے مار ڈالیں۔ یوں میرے ضبط کا امتحان تو نہ لیں۔ تماشا بن کر رہ گئی ہوں میں تو صرف....."

وہ اماں سے بری طرح خفا تھی۔ اماں کے کہنے پر وہ وقتی طور پر شارق سے نکاح پر آمادہ ہوگئی تھی مگر گھر واپس آنے کے بعد وہ تو ہر خوف' اضطراب سے آزاد ہوگئی تھی۔ اماں سے خفگی کا اظہار اتنا واضح تھا کہ رات سے اس نے ان سے کیا' کسی سے بھی بات نہ کی تھی۔ بارہا کوشش کے باوجود اب اس کے ضبط کی آخری حد تھی کہ وہ پھٹ پڑی تھی۔

"نویرہ!" اماں نے نبیلہ کو باہر جانے کا اشارہ کرتے اس کے پاس جگہ پکڑی۔ ان کی طبیعت بڑی خراب تھی مگر بیٹی کی عزت کے لیے وہ گویا اپنی لاش گھسیٹ رہی تھیں۔

PLEASURE.BLOGSPOT.COM

''نویرہ' میری بچی! اپنی ماں کو اب مزید کسی امتحان میں مت ڈال۔ جذبات بپھرے ہوئے اژدھے ہوتے ہیں جو سب ڈس لیتے ہیں۔ ساجد اور نبیل ایسے جذبات کا شکار ہیں۔ میرے گھر کے یہ دو ہی سہارے ہیں' ساجد اور نبیل' یہ اتنے بے غیرت نہیں ہیں کہ اتنا کچھ سہہ جائیں۔ میرے ہاتھ جوڑنے پر سب سہہ رہے ہیں۔ میری قسموں پر زبانوں پر قفل لگا لیے ہیں انہوں نے۔ نواز نے جو کیا وہ اس کا ظرف تھا۔ شارق جو کر رہا ہے اللہ اسے ہدایت دے کہ تمہارے حوالے سے اب ساری زندگی وہ جیسا بھی ہے' تلخ کڑوا گھونٹ بھرنا ہے۔ میں تمہارے آگے بھی ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میری عزت کی چادر تار تار ہونے سے بچالو۔''

اماں نے روتے ہوئے نویرہ کے سامنے ہاتھ باندھے تو نویرہ نے تڑپ کر لرزتے بے قراری سے دونوں ہاتھ تھام کر سینے سے لگا لیے تھے۔

''اماں نہیں۔'' اگلے ہی پل وہ ان کے ساتھ لپٹ کر بے بس ہو گئی تھی۔

''بس..... آج جتنا رونا ہے رو لو..... شارق ٹھیک ہے' کردار کے حوالے سے کچھ خرابیاں ہیں اس میں۔ اس نے جو بھی کیا قابل مذمت ہے مگر اب وہ تمہارا شوہر ہے۔ اچھا یا برا' قبول کرو۔ آپا کی تربیت کا رنگ کسی نہ کسی موڑ پر سامنے آئے گا ہی۔ پھر وہ اپنے باپ کا خون ہے۔ غصے' ضد' انتقام میں جو بھی کیا یہ تسلی تو ہے کہ وہ تمہارے ساتھ مخلص ہے۔ بس تم ذہن کو یکسو کرو۔ دنیا تو تماشا دیکھنے کو کھڑی ہے۔ کم از کم تم تو میری عزت کا خیال کر لو۔ اپنے دل و دماغ کو نارمل کرو۔ حقیقت کو قبول کرنے کی کوشش کرو۔''

اس کے سر کو تھپتھپاتے انہوں نے سمجھایا تو نویرہ کے دل پر گویا منوں بوجھ آ ٹھہرا۔

''شارق سے دشمنی لے لیں تو یہ بات نسلوں تک جائے گی۔ عورت کی عزت ایک تنہا عورت نہیں رہتی۔ نسلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔ آباد رکھے۔ شارق کو تمہارے حق میں مبارک ثابت کرے۔ عورت ایک دفعہ برباد ہو جائے' مرد کی نظر سے اتر جاتی ہے۔ مگر وہ تیرا دعویدار ہے۔ اٹھو' شاباش! نہا دھو لو پھر بھابی کے ساتھ پارلر چلی جانا۔ اس نے فون کر کے ٹائم لیا تھا۔''

اس کے آنسو صاف کر کے پیشانی چوم کر انہوں نے کہا تو نویرہ بے بسی سے سر جھکا گئی۔

چاہت بھری یہ داستان ابھی جاری ہے۔
بقیہ واقعات کے لئے جلد دوئم کا مطالعہ کیجئے۔

POFSIDE-BLOGSPOT.COM